قال علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اقصد نحوہ

نوادر النعیمی

بحل

شرح ملا جامی

حضرت علامہ مفتی محمد شبیر نعیمی پورنوی

دارالافتاء حنفیہ کھکرہ کشن گنج (بہار)

نظامیہ کتاب گھر لاہور

Marfat.com

قَالَ عَلِیٌّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اقْصِدْ نَحْوَہٗ

نوادرُ النّعیمی بحل شرح مُلّا جامی

بفیضِ رُوحانی

محبوبِ سُبحانی غوثِ صمدانی سیّدنا سرکار غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ

محیُّ الدّین عبدالقادر جیلانی حَسَنی حُسینی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سُلطانُ الہند تاجُ العارفین غریب نواز خواجہ مُعینُ الدّین چشتی اجمیری

حضرت علّامہ مُفتی مُحمّد شبّیر نعیمی پُورنوی

دارُالافتاء حنفیہ کھگرہ کشن گنج (بہار)

نظامیہ کتاب گھر

زبیدہ سنٹر 40 اُردو بازار لاہور۔

Marfat.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب ---------- نوادر النعیمی بحل شرح ملا جامی

شارح ---------- حضرت علامہ مفتی محمد شبیر نعیمی پورنوی

مطبع ---------- اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور۔

اشاعت ---------- دسمبر 2010ء

تعداد ---------- گیارہ سو

قیمت ---------- =/450

نظامیہ کتاب گھر

زبیدہ سنٹر 40 اُردو بازار لاہور۔

Marfat.com

نذر و انتساب

فضیلۃ الشیخ جلالۃ العلم سیدنا وسندنا صدر الافاضل فخر الاماثل حضرت علامہ الحاج حافظ حکیم سید شاہ محمد نعیم الدین محقق مرادآبادی قدس سرہ النورانی (بانی جامعہ نعیمیہ مرادآباد) اور شہزادۂ سرکار غوث اعظم نورِ نگاہ سیدنا مخدوم اشرف بقیۃ السلف عمدۃ الخلف حضرت علامہ الحاج سید شاہ محمد نعیم اشرف صاحب قبلہ سجادہ نشیں آستانۂ عالیہ اشرفیہ جائس کے نام سے منسوب کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

ساتھ ہی

اپنے شفیق پھوپھا قطب الاولیاء زبدۃ العارفین حضرت علامہ الحاج شاہ ابوالوفا عبد القادر شاہدی رشیدی قدس سرہٗ القوی متوفی ۱۹ اکتوبر ۱۹۸۰ء اور اپنے جد کریم محب العلماء والاولیاء کاملین، بانی آل انڈیا سنی کانفرنس حضرت منشی محمد تصنیف سوداگر شاہدی رشیدی عرف کرامت حسین نوّر مرقدہٗ اللہ الباری متوفی مئی ۱۹۶۰ء کے دربار اقدس میں نذر کر رہا ہوں کہ جن کے بے پایاں فیوض و برکات سے ہی میں تصنیف و تالیف کے لائق بن سکا۔

احقر محمد شبّیر پوری نوی

Marfat.com

تقریظ جلیل مسلغ ایشیا و افریقہ شیخ الاسلام والمسلمین سیدنا و مخدومنا حضرت علامہ سید شاہ محمد مدنی میاں صاحب قبلہ مدظلہ اشرفی جیلانی جانشین حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان

کچھوچھہ مقدسہ (یوپی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لا الٰہ الا اللہ

جامع معقول و منقول فاضل جلیل حضرت علامہ مفتی محمد شبیر صاحب قبلہ پورنوی رشیدی اشرفی کی ذات ستودہ صفات علمی حلقے میں محتاج تعارف نہیں۔ اگر آپ کسی ایسی ذات کو دیکھنا پسند کرتے ہوں جس کا دماغ عالم اور دل صوفی ہو جو ارباب بصیرت کے مسلک اعتدال پر عامل اور اس کا داعی ہو۔ نیز جو عمر سے زیادہ علم اور علم سے زیادہ عقل رکھنے والا ہوں۔ تو۔ آپ علامہ موصوف سے ضرور ملاقات کریں اور انکی پہلودار شخصیت کا گہرائی سے مطالعہ کریں ـــ عالم باعمل، فقیہ بالغ نظر، عظیم المرتبت مدرس اور خوش بیاں خطیب ہونے کیساتھ ساتھ آپ ایک جلیل القدر مصنف بھی ہیں۔ ابتک آپکی متعدد کتابیں زیور طباعت سے آراستہ ہوکر ارباب علم و دانش سے خراج تحسین حاصل کرچکی ہیں اور بعض کتابیں کتابت و طباعت کے مراحل سے گذر رہی ہیں۔ فنون میں "التشریح المنیب لحل شرح التہذیب" کی طرح "نوادر النعیمی بحل شرح ملا جامی" بھی آپکی نگارشات کا شاہکار ہے۔ شرح جامی علم نحو کی ایک بہت مشہور و معروف کتاب ہے جو قریب قریب ہر مدرسے میں علم نحو کے منتہی طلبہ کے زیر درس رہتی ہے جس میں ایسے غوامض ولطائف ہیں اکثر طلبہ جن کے سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں ـــ ان حالات میں علامہ موصوف کا یہ ایک عظیم احسان ان سارے طلبہ پر۔ بلکہ۔ عہد حاضر کے بہت سارے مدرسین پر بھی کہ انہوں نے اس عظیم کتاب کی ایک عمدہ اور نفیس شرح فرماکر ایک مشکل کتاب کو سب کے لئے آسان بنادیا ہے۔ ترجمہ نہایت سلیس و آسان اور شرح ایسی عمدہ کہ ذرا سی توجہ سے مطالب بآسانی حل ہو جاتے ہیں۔ اس کتاب پر ایک سرسری نظر ڈالنے ہی سے آپ اسکی مندرجہ ذیل خصوصیات کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکیں گے۔

① شرح جامی کی اکثر عبارت کسی سوال مقدر کا جواب ہے اس میں اس سوال کو نکالکر حسین انداز میں اس کا جواب دیا گیا ہے۔

② جو مقام محتاج بحث ہے اس میں مختصر لیکن جامع بحث کی گئی ہے

③ متن کی شرح اور شرح کی شرح کے درمیان "بیانہ" اور "قولہ" کے ذریعہ فرق قائم کیا گیا ہے

Marfat.com

④ شواہد و امثال کے ذریعہ مغلق مسائل کو کافی آسان کر دیا گیا ہے

⑤ یہ اردو زبان میں نہایت آسان اور مبسوط شرح و ترجمہ ہے۔

یہ فقیر اشرفی وگدائے جیلانی دلکی گہرائیوں کیساتھ دعاگو ہے کہ مولیٰ تعالیٰ فاضل مصنف کی عمر و علم و صحت و اقبال میں برکت عطا فرماتا رہے اور ان سے اسی طرح دین متین اور علوم دینیہ کی خدمت لیتا رہے۔ نیز انکی اس شرح کو قبولیت عامہ مرحمت فرمائے آمین یا مجیب السائلین بحق طٰہٰ ویٰسٓ وبحرمت حبیبک سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین فقط

والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ

فقیر اشرفی وگدائے جیلانی سید محمد مدنی اشرفی جیلانی غفرلہٗ، جانشین محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ

تقریظ مبارک بقیۃ السلف وعمدۃ الخلف نبیرۂ اعلیٰحضرت سیدنا ومخدومنا حضرت علامہ شاہ تحسین رضا خاں صاحب قبلہ مدظلہ شیخ الحدیث جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف (یوپی)

الحمد للہ والصلوۃ علیٰ حبیبہ المجتبیٰ وعلیٰ آلہ البر والتقیٰ۔ زیر نظر شرح نوادر النعیمی بحل شرح ملا جامی کا مصنف عزیز گرامی قدر مولینا مفتی محمد شبیر صاحب پورنوی ہیں جن سے میرا کوئی سابقہ تعارف نہیں تھا البتہ شرح سے انکی گوناگوں خوبیوں کا بھرپور اندازہ لگایا جاتا ہے کما قال المولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم لاتنظر الیٰ من قال بل تنظر الیٰ ما قال اکثر مختلف مقامات پر غائرانہ نگاہ ڈالا خوب سے خوب تر پایا۔ ترجمہ نہایت سلیس اور شرح ایسی جامع اور واضح کہ ذرا سی توجہ سے مسائل حل ہو جاتے ہیں۔ مشکل مباحث کو آسان سے آسان تر کر دیا گیا ہے۔ شواہد کے ذریعہ ہر مسئلہ کو آشکارا کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا یہ شرح اس لائق ہے کہ طلبہ اس کو ہاتھوں ہاتھ لیں اور نو مشق مدرسین مطالعہ میں رکھیں اللہ تعالیٰ سے دست بدعاء ہوں کہ رب قدیر مصنف کی عمر اور علم میں بیشمار برکتیں اور اس سعی بلیغ کی جزائے خیر عطا فرمائے آمین بجاہ سید المرسلین علیہ الصلوۃ والتسلیم فقط

دعاگو تحسین رضا
۲۶ صفر المظفر سنہ ۱۴۱۲ھ

تقریظ مسعود امام علم وفن خیر الاذکیاء سیدنا واستاذنا حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ مدظلہ، بانی ضلع پورنیہ۔ بہار

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم اما بعد "نوادر النعیمی" نحوی قواعد کی سب سے آخری کتاب شرح جامی کی شرح و ترجمہ ہے

Marfat.com

جو طالبان علم کے لئے ایک نادر اور عمدہ تحفہ ہے۔ شرح جامی کی اکثر عبارت کسی سوال مقدر کا جواب ہے اس میں اس سوال کو نکال کر حسین انداز میں اس کا جواب دیا گیا ہے۔ عربی عبارتوں کو اعراب سے مزین اور مغلق مقامات کو نہایت اچھوتے انداز میں واضح کیا گیا ہے۔ حاصل محصول کی بحث جو پوری کتاب میں دشوار مانی جاتی ہے لیکن اس کو بھی نہایت آسان کر دیا گیا ہے الغرض وہ طلبہ و مدرسین دونوں کے لئے بے حد نافع اور موجودہ دور میں نایاب کتاب ہے مولیٰ تبارک وتعالیٰ مولف شہیر کی سعی جمیل کا اجر جزیل اور کتاب کو شرف قبولیت عطا فرمائے آمین۔ آمین۔ آمین

العبد خواجہ مظفر حسین غفرلہٗ

۲۸ر اپریل سنہ ۱۹۹۲ء

تقریظ محمود و حید عصر فقیہ بالغ نظر سید نا و استاذنا حضرت علامہ مفتی محمد ایوب خاں صاحب قبلہ مدظلہٗ صدر المدرسین جامعہ نعیمیہ دیوان بازار مراد آباد (یوپی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہ و نصلی علیٰ حبیبہ الکریم۔ نوادر النعیمی بحل شرح ملا جامی کے بیاض کا بالاستیعاب تو نہیں البتہ افتتاحیہ صفحات کا بالامعان اور مختلف اوراق کا طائرانہ نگاہ سے دیکھنے کا موقعہ ملا۔ مولف شہیر عزیزی مولانا مفتی محمد شبیر صاحب زید عزہٗ نے جس خوش اسلوبی اور عام فہم زبان میں شرح جامی کی تشریح فرمائی ہے کہ وہ اپنی مثال خود ہے جس سے کم فہم طلبہ کے لئے بھی اس کا مکمل طور پر سمجھ لینا دشوار نہیں مولف ممدوح کا تقریباً چار سال کا زمانہ قلب ہندوستان کا مشہور ادارہ جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں گذرا۔ ذوق تحقیق۔ جودت طبع ان کا طرۂ امتیاز تھا۔ عبارات کی گہرائی اور معانی کے عمیق سمندر میں پہونچکر انمول موتیوں کا نکالنا جس سے طمانیت حاصل ہو ان کا مزاح رہا۔ اسی کا مظہر شرح مذکور ہے دعا ہے کہ مولیٰ سبحانہ اس شرح کو شرف قبول سے نوازے اور اس کے افادہ کو عام فرمائے نیز مولف کو جزاء موفور اور انکی مساعی کو مشکور فرمائے آمین۔

فقیر محمد ایوب نعیمی غفرلہٗ

۵ر شوال ۱۴۱۲ھ مطابق ۹ر اپریل ۱۹۹۲ء

Marfat.com

علم نحو کی تعریف

وہ ایسے قوانین کا جاننا ہے کہ جس کے ذریعہ کلمہ یعنی اسم و فعل و حرف کے آخری حرف کی حالت معرب و مبنی ہونے کی حیثیت سے معلوم ہو جائے اور بعض کلمہ کو بعض کیساتھ مرکب کرنیکی کیفیت حاصل ہو جائے۔

علم نحو کی غرض

ذہن کو کلام عربی میں خطاء لفظی سے بچانا ہے

علم نحو کا موضوع

کلمہ اور کلام ہے کہ انکے عوارض ذاتیہ سے علم نحو میں بحث کی جاتی ہے مثلاً کلمہ کے آخری حرف پر اعراب رفع ہے یا نصب یا جر اگر رفع ہے تو کیوں ؟ اسی طرح نصب وجر سے متعلق بحث کی جاتی ہے۔

علم نحو کا موجد اور اسکی وجہ تسمیہ

بعض مورخین کا خیال ہے کہ اس علم کا ایجاد سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں ہوا اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ایک شخص آپکی بارگاہ میں آکر یہ آیت کریمہ اِنّ اللہ بریٔ من المشرکین ورسولہٗ کو بجائے زبر لام زیر کے ساتھ پڑھا جس کا معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نعوذ باللہ بیزار و بری ہے مشرکین اور اپنے رسول سے۔ ظاہر ہے یہ معنی فاسد ہے جبکہ قرأت مشہورہ میں رسولہ بفتح لام ہے اس صورت میں معنی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مشرکین سے بری ہیں یہ بلاشبہ درست ہے۔

فی الحال آپ نے اس کی اصلاح تو فرمادی لیکن اس فکر میں مبتلا ہو گئے کہ یہ اہل زبان ہے اور یہ زمانہ بھی رسول کی حیات ظاہری سے قریب کا ہے، جب اس سے غلطی واقع ہو سکتی ہے تو جو لوگ اہل زبان نہیں ان سے غلطی سرزد ہونا کوئی تعجب نہ ہوگا اس لئے سیدنا عمر فاروق اعظم نے ایک مختصر خاکہ علم نحو کا تیار کیا اور چند اصول و مسائل وضع کئے وہ مثلاً یہ ہیں (۱) الکلمۃ ثلث، اسمٌ۔ فعل۔ حرفٌ (۲) کلُّ فاعلٍ مرفوعٌ۔ کلُّ مفعولٍ منصوبٌ۔ کلُّ مضافٍ مجرورٌ

یہ علم رفتہ رفتہ تدوین پاتا رہا بالآخر مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کے دور میں اس کو کافی ترقی حاصل ہوئی۔ سیدنا مولیٰ علی کا دار الخلافہ چونکہ کوفہ تھا اس لئے اس علم کو کوفہ اور بصرہ میں کافی عروج ملا اور اس علم کے بڑے بڑے

Marfat.com

علماء ان دونوں مقاموں میں بکثرت پیدا ہوئے۔ اختلاف رائے کی وجہ سے مذہب کوفہ اور مذہب بصرہ علیٰحدہ علیٰحدہ شمار ہونے لگا۔

کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ اس علم کا موجد سیدنا مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ ہیں اور مذکورہ واقعہ آپ ہی کے دور میں پیش آیا اور اصول مذکورہ کو آپ ہی نے وضع کر کے ابوالاسود دیلی کو فرمایا "اُقصدُ نحوہٗ" یعنی اس اصول مذکورہ کی مثل دوسرے اصولوں کی وضع کا قصد کرو۔ دربار میں چونکہ لوگوں کا کافی ہجوم تھا اور ہر ایک نے اس جملہ کو سنا جس سے لوگوں میں یہ بات عام ہوگئی کہ سیدنا مولیٰ علی نے عربی زبان کے لئے ایک جدید علم یعنی علم نحو کو وضع فرمایا ہے جس کی مزید تدوین کا حکم ابوالاسود دیلی کو دیا۔

خلاصہ یہ کہ یہ علم ۲۰۰ھ میں ایک مستقل فن بن گیا۔ کوفہ اور بصرہ میں دو درسگاہیں اس کی تعلیم کے لئے قائم ہوگئیں۔ علمائے کوفہ کے امام فراء و کسائی کہلائے اور علمائے بصرہ کے امام سیبویہ اور خلیل بن گئے۔ ان لوگوں کے بعد مبرد، اخفش، بغوی نے اس علم کو پایہ تکمیل تک پہونچایا پھر علامہ ابن حاجب نے اس علم کو ایجاز کیساتھ متن کافیہ لکھکر کتابی صورت میں پیش کیا جس کی مقبولیت کا یہ عالم ہوا کہ اس کی کافی شرحیں لکھی گئیں جن میں سے ایک فوائد ضیائیہ ہے جس کو شرح جامی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

مصنف کافیہ

نام ونسب اسم گرامی عثمان بن ابی بکر بن یونس کمافی حاشیۃ الامیر اور عثمان بن عمر بن ابی بکر کمافی طبقات النحات۔ کنیت ابوعمرو اور لقب جمال الدین آپ کے والد بزرگوار سلطان عزالدین موشک صلاحی کے حاجب یعنی دربان تھے اسی وجہ سے آپ ابن الحاجب کیساتھ مشہور ہوگئے۔

تاریخ ولادت ووفات مورخہ ۵۷۰ھ مطابق ۱۱۷۵ء کو قصبہ اسنا میں پیدا ہوئے جو مملکت مصر میں واقع ہے۔ اسی وجہ سے آپکو مصری کہا جاتا ہے اور بمقام اسکندریہ بتاریخ ۱۶ شوال ۶۴۶ھ مطابق ۸ فروری ۱۲۴۹ء بروز پنجشنبہ وفات پائے اور باب البحر کے باہر شیخ صالح ابن ابی شامہ کے مزار سے قریب مدفون ہوئے رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ پس عمر شریف ۷۶ سال ہوتی ہے۔ جوانی میں انتقال فرمانے کی خبر معتبر نہیں ہے۔ مذہب میں آپ امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقلد تھے۔

تحصیل علم ابتدائی تعلیم قاہرہ میں حاصل کئے۔ قرآن شریف حفظ کر کے امام شاطبی علیہ الرحمہ سے فن قرأت حاصل فرمایا پھر امام ابوالجود علیہ الرحمہ سے قرارت سبعہ کی تکمیل فرمائی۔ اس کے بعد امام ابن البناء

Marfat.com

کی شاگردی اختیار کر کے مدت دراز تک علم حاصل کرتے رہے ۔ اصول و عربیت میں بڑا کمال پیدا کر لئے اور دمشق پہونچکر جامع مسجد کے زاویہ مالکیہ میں مسند تدریس پر رونق افروز ہوئے ۔

قوی الحافظہ منقول ہے کہ ایک مرتبہ کشتی کے سفر میں تھے جس میں ایک آدمی ایسے تھے جن کے ساتھ کوئی قلمی کتاب تھی آپ نے وہ کتاب لیکر اول تا آخر مطالعہ فرمائی ۔ اس کتاب میں چونکہ تبرا تھا اس لئے اس کو دریا میں ڈالدیا کہ وہ اسی قابل تھی صاحب کتاب کو دیکھ کر بڑا صدمہ ہوا اور شکایت بادشاہ کے دربار میں پیش کیا کہ فلاں شخص نے میری برسوں کی محنت کو ضائع کر دیا ۔ انہوں نے کتاب دیکھنے کو لی تھی مگر اس کو دریا میں ڈالدیا ۔ بادشاہ کی طلب پر آپ تشریف لیگئے اور دریافت کرنے پر آپ نے فرمایا کہ انکو کتاب ہی تو چاہیئے ۔ پوری کتاب لکھوائے دیتا ہوں چنانچہ اسی وقت آپ نے از اول تا آخر پوری کتاب لکھوادی

کافیہ متعدد کتابیں آپ نے متعدد فنون میں تصنیف فرمائی مگر علم نحو میں آجتک جتنی کتابیں بھی لکھی جا چکی ہیں ان میں اختصار و جامعیت کے لحاظ سے کافیہ جیسی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی ہے اور اس قدر مقبول کہ جلیل القدر علماء نے اس کی شرحیں عربی ۔ فارسی ۔ ترکی میں تحریر فرمائی ۔ ملا کاتب چلپی علیہ الرحمہ نے کشف الظنون میں انکی تعداد چھپن ۵۶ بیان فرمائی ہے بلکہ مقبولیت اتنی بڑھی کہ اولیاء کرام نے تصوف میں شرحیں تصنیف فرمائیں چنانچہ تاریخ بلگرام میں علامہ میر غلام علی صاحب آزاد نے ایسی تین شرحوں کا ذکر فرمایا ہے اول فخر الاولیاء سیدنا مولینا میر عبدالواحد بلگرامی قدس سرہٗ السامی کی بزبان فارسی ۔ دوم علامہ میر ابوالبقا قدس سرہٗ الاعلیٰ کی بزبان عربی جو میر عبدالواحد قدس سرہٗ کے معاصر تھے ۔ سوم ملا موہن بہاری علیہ الرحمۃ الباری کی بزبان فارسی جو میر عبدالواحد قدس سرہٗ سے متاخر تھے ۔

شارح شرح جامی

نام و نسب اسم گرامی ملا محمد عبدالرحمٰن بن احمد بن محمد ہے ۔ لقب نورالدین و عمادالدین ۔ تخلص جامی آپ امام اعظم ابوحنیفہ کے شاگرد خاص امام محمد علیہ الرحمہ کی نسل سے ہیں ۔

تاریخ ولادت و وفات مورخہ ۲۳ شعبان ۸۱۷ھ مطابق ۱۶ نومبر ۱۴۱۴ء بروز چہارشنبہ کو خراسان کے ایک قصبہ جام میں پیدا ہوئے اور ۱۸ محرم ۸۹۸ھ مطابق ۱۸ نومبر ۱۴۹۲ء بروز جمعۃ المبارکہ کو ہرات میں وفات فرمائے اور وہیں مدفون بھی ہوئے ۔ پس آپ کی عمر شریف

Marfat.com

۸۱ برس ہوتی ہے ۔ سال وفات آیۃ کریمہ وَمَن دخلہ کان اٰمناً سے نکلتا ہے جس کو بعض شاعر نے اس طرح لکھا ہے ۔

جامی کہ بود بلبل جنت بشوق رفت ∴ کلک قضا نوشت بدروازۂ بہشت
فی روضۃٍ مخلدۃٍ اَرضہا السماء ∴ تاریخہ وَمَنْ دخلہٗ کان اٰمناً

بعض شاعر نے اسطرح بھی لکھا ہے ۔

جامیؔ الذی ہو راحٌ بجامنا ∴ کالروح کان فی جسد القبر کامنا
قدمات بالہرات وقد حلّ بالحرم ∴ ارختہ وَمَنْ دخلہٗ کانَ اٰمنا

تخلص جامی

اس کی دو وجہ ہیں ایک یہ کہ وہ قصبہ جام میں پیدا ہوئے ۔ دوسری یہ کہ وہ اپنے والد شیخ الاسلام احمد جامی کے جام یعنی پیالۂ معرفت سے فیضیاب ہوئے ۔ چنانچہ دونوں نسبتوں کا اظہار آپ خود ہی ان اشعار سے فرماتے ہیں ۔

مولد جام در شمۂ قلم ‌ ‌ ‌ جرعۂ جام شیخ الاسلامی است
لاجرم در جریدۂ اشعار ‌ ‌ ‌ بدو معنی تخلص جامی است

یعنی میری پیدائش قصبہ جام میں ہے اور میرا علم شیخ الاسلام کے پیالہ کا ایک گھونٹ ہے بہر صورت اشعار کی کتاب میں ان دونوں معنوں میں میرا تخلص جامی ہے ۔

تحصیل علم

صرف ونحو دونوں کی تحصیل اپنے والد ماجد شیخ الاسلام احمد جامی سے کئے پھر ہرات پہونچکر علامہ جنید علیہ الرحمہ سے مختصر المعانی ومطول پڑھی پھر خواجہ علی سمرقندی کے درس میں حاضر ہوئے جو میر سید شریف جرجانی محمد جاجرمی سے بھی استفادہ کیا ۔

علوم ظاہری سے فارغ ہوکر مخدوم العارفین مولنا سعد الدین کاشغری کے ہاتھ پر سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں بیعت ہوئے اور خواجہ عبید اللہ احرار سے بھی استفاضہ فرمایا ۔

شرح جامی

علامہ جامی علیہ الرحمہ جہاں ایک باکمال عارف اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق صادق تھے وہیں ایک متبحر عالم محقق ومدقق ومصنف بھی تھے انہوں نے پچاسوں کتابیں لکھی اور ان گنت نعتیہ کلام قلمبند کئے ۔ شرح جامی ان ہی بیش بہا خزانوں میں سے ایک عمدہ خزانہ ہے جو کافیہ کی چھپن[۵۶] شرحوں میں سے سب سے افضل واعلیٰ سمجھا جاتا ہے اسی وجہ سے پوری دنیائے اسلام کے مدارس میں اس شرح کو داخل نصاب رکھا گیا ہے جب کہ فاضل ہندی اور علامہ رضی کی شرحیں بھی پہلے سے موجود تھیں

Marfat.com

کیونکہ دوسری شرحوں میں کافیہ کی شرح کا پورا حق ادا نہیں کیا گیا بلکہ ہندی اور رضی کے بعض مقامات محتاج تنقید ہوکر رہ گئے تھے علامہ جامی علیہ الرحمہ نے شرح لکھکر نہ صرف کافیہ کی کماحقہ، توضیح وتشریح اور اس کے مشکلات کا صحیح حل فرمایا بلکہ موقعہ بہ موقعہ فاضل ہندی اور شارح رضی کے بعض خیالات پر تنقید فرماکر انکی اصلاح بھی کرتے چلے ہیں اور اس بات کی نشاندہی کئے ہیں کہ صاحب کافیہ کون کون سے نحوی مسائل میں جمہور نحات سے منفرد ہو گئے ہیں ۔ اس شرح کی تکمیل بتاریخ ۱۱ رمضان ۸۹۷ھ مطابق ۱۷ جولائی ۱۴۹۲ء بروز ہفتہ کو ہوئی ۔

فہرست نوادر النعیمی بحل شرح ملا جامی

صفحات	مضامین
۱۵	بسم اصل میں کیا تھا۔ با سے متعلق بحث
۱۶	با کو کسرہ دیا گیا فتحہ کیوں نہیں
۱۶	لفظ اسم اصل میں کیا تھا اس کی تحقیق
۱۷	اسم کا اطلاق تین معنوں پر
۱۷	حدیث تسمیہ وتحمید میں تطبیق
۱۹	رحمٰن ورحیم سے متعلق تین قول
۱۹	صفت کی چار قسمیں ہیں
۲۰	رحمٰن ورحیم کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر باعتبار معنی حقیقی نہیں ہوتا
۲۱	الحمد لولیہ سے متعلق بحث
۲۱	حمد کو جملہ اسمیہ سے بیان کیا گیا فعلیہ سے کیوں نہیں
۲۱	ولی کے معنی پانچ ہیں
۲۲	حمد کے طریقہ مشہور سے عدول کی وجہ
۲۲	صلوٰۃ سے متعلق بحث
۲۴	لفظ نبی کی تحقیق
۲۵	لنبیہ میں ضمیر مجرور کا مرجع کون ہے ؟
۲۵	وعلیٰ الہٖ میں علیٰ کا ذکر کیوں ؟
۲۶	آل کی تحقیق
۲۶	اصحاب سے متعلق بحث
۲۶	آل واصحاب کے درمیان نسبت
۲۷	متأدبین اصل میں کیا ہے ۔ آداب کا معنی کیا ہے
۲۸	امّا بعد کی تحقیق
۲۹	ہذہ کا مشارٌ الیہ کون ہے
۳۰	فوائد کے لغوی واصطلاحی معنی
۳۱	حل مشکلات سے متعلق بیان
۳۲	علامہ کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر جائز نہیں
۳۳	مشارق ومغارب کو جمع لانیکی وجہ
۳۳	لفظ شیخ کی تحقیق
۳۳	مراتب عمر چھ ہیں ان کا بیان
۳۴	نام کی چھ قسمیں ہیں ان کا بیان
۳۷	تلہف وتاسف کے بیان
۳۹	شئی ممکن اپنے وجود میں چار علتوں کا محتاج ہے
۳۹	ضیاء الدین کو علت غائیہ کیطرح کہا گیا علت غائیہ نہیں
۴۰	توفیق کے متعلق بیان
۴۱	نعم الوکیل کا عطف وھو حسبی پر

Marfat.com

صفحات	مضامین
۴۲	اعلم تین مقام پر مستعمل ہوتا ہے
۴۳	کتاب کو حمد الٰہی سے شروع نہ کرنیکی وجہ
۴۶	کلمہ وکلام کی تعریف سے کتاب کو شروع کرنیکی وجہ
۴۷	تعدد موضوع سے تعدد علم ہوتا ہے
۴۹	تقدم طبعی وتقدم وضعی کے درمیان فرق
۴۹	کلمہ کی بحث
۵۰	اشتقاق کی تین قسمیں ہیں ان کا بیان
۵۳	کلم جنس ہے یا جمع اس کی تحقیق
۵۲	جراحات السنان شعر کا قائل کون ہے
۵۴	اسم جنس ۔ جمع ۔ اسم جمع میں فرق
۵۴	الف لام اسمی وحرفی کی تعریف اور انکے اقسام کا بیان
۵۷	کلمۂ لغویہ کے دو فرد ہیں
۵۷	لفظ کے معنی کی وضاحت
۵۸	اسم کا اطلاق اسم ذات ۔ وصف محض ۔ اسم صفت پر
۵۹	نقل کی دو صورتیں ہیں
۶۲	محذوف حقیقۃً لفظ ہیں ، کلام باری تعالیٰ وکلمات ملائکہ وجن بھی
۶۳	دوال اربعہ سے متعلق بیان
۶۴	مبتدا وخبر کے درمیان مطابقت کی چار شرطیں ۔
۶۵	وضع سے متعلق بحث
۶۷	معنی سے متعلق بحث
۶۹	حروف ہجا بحروف معانی ۔ وحروف مبانی میں فرق
۷۴	مفرد سے متعلق بیان
۸۱	صاحب مفصل کے نزدیک کلمہ کی تعریف
۸۲	دلالت عام ہے اور وضع خاص
۸۳	کلمہ کی تقسیم اسم وفعل وحرف کی طرف
۸۵	تقسیم کی دو قسمیں ہیں
۸۶	حصر اصطلاح میں چار قسموں پر
۸۶	اسم کا تین قسموں پر منحصر ہونیکی دلیل

صفحات	مضامین
۹۷	کلام کی تعریف
۱۰۱	اسناد ونسبت کا بیان
۱۰۶	مصنف کے کلام اور صاحب مفصل کے کلام میں فرق
۱۰۸	کلام کی دو قسمیں ہیں جملہ اسمیہ وفعلیہ
۱۱۲	اسم کی تعریف
۱۱۶	بحث محصول
۱۱۹	بحث حاصل
۱۲۸	خواص اسم کا بیان
۱۳۰	خاصہ کی تعریف اور اس کی تقسیم
۱۳۳	لام سے متعلق سیبویہ ۔ خلیل ۔ مبرد کا مذہب
۱۴۴	اسم معرب کی تعریف
۱۴۹	اسم معرب کا ایک معنی لغوی ہے دوسرا اصطلاحی
۱۵۱	اسم معرب کی تعریف مشہور سے عدول کی وجہ
۱۵۲	اسم معرب کا حکم
۱۵۸/۱۵۹	مجاز کی تین قسمیں ۔ اختلاف کی آٹھ قسمیں
۱۶۱	اعراب کی تعریف
۱۶۹	اعراب اسم معرب کے آخر میں کیوں ؟
۱۷۰	انواع اعراب کا بیان
۱۷۵	عامل کی تعریف
۱۷۷	مفرد منصرف وجمع مکسر منصرف پر اعراب
۱۸۱	جمع مونث سالم پر اعراب
۱۸۳	غیر منصرف پر اعراب
۱۸۴	اسماء ستہ مکبرہ کا بیان
۱۸۹	اسماء ستہ مکبرہ کا اعراب بالحروف کیوں ؟
۱۹۰	مثنی اور اس کے ملحقات وغیرہ کا بیان
۱۹۹	اعراب تقدیری کا بیان
۲۰۶	اعراب لفظی کا بیان
	غیر منصرف
۲۰۸	تعریف غیر منصرف کی
۲۰۹	علل تسعہ میں ہر علت ناقصہ ہے
۲۱۷	ہر علت کو فرعیت حاصل ہے

Marfat.com

صفحہ	مضامین
۲۲۰	غیر منصرف جو ضرورت و تناسب کیوجہ سے منصرف پڑھا جاتا ہے اسکا بیان
۲۲۶	وہ ایک سبب جو قائم مقام دو سبب کے ہوتا ہے وہ جمع ہے
۲۲۷	الف مقصورہ والف ممدودہ
۲۲۹	عدل کی تعریف
۲۳۶	عدل کی دو قسمیں تحقیقی و تقدیری
۲۴۷	باب قطام سے مراد کیا ہے ؟
۲۵۰	وصف کا بیان
۲۵۲	شرط۔رکن۔فرض میں فرق
۲۵۳	وصف میں اصلی ہونیکی شرط کیوں ؟
۲۵۸	تانیث لفظی کا بیان
۲۶۰	تانیث معنوی کا بیان
۲۶۲	تانیث معنوی کے وجوب تاثیر کیلئے . امور ثلاثہ کی شرط کیوں ؟
۲۶۴	جہنم کے سات طبقے
۲۶۸	معرفہ کا بیان
۲۶۹	معرفہ میں صرف علمیت کی شرط کیوں ؟
۲۷۱	علم کا بیان
۲۷۸	جمع کا بیان
۲۷۹	جمع منتہی الجموع کے سترہ وزن
۲۸۴	حضاجر غیر منصرف کیسے ؟
۲۸۵	اسم جنس۔علم جنس۔علم شخصی میں فرق ۔
۲۸۷	سراویل منصرف ہے یا غیر منصرف ؟
۲۹۱	نحو جواریہ سے کیا مراد ہے ؟
۲۹۴	نحو جواریہ سے متعلق تین مذہب
۲۹۶	مقدر و محذوف میں فرق
۲۹۷	ترکیب کا بیان
۳۰۱	الف ونون زائدتان کا بیان
۳۰۳	الف ونون زائدتان اسم ذات میں ہوں تو اس کی شرط
۳۰۵	الف ونون زائدتان اسم صفت میں ہوں تو اسکی شرط
۳۰۷	لفظ رحمٰن میں اختلاف کیوں ؟

صفحہ	مضامین
۳۰۹	وزن فعل کا بیان
۳۱۵	مافیہ علمیۃ سے ایک قاعدہ کا بیان
۳۲۵	مثل احمر سے متعلق سیبویہ و اخفش کا اختلاف
۳۳۲	غیر منصرف پر لام یا اضافت کی وجہ سے کسرہ کا دخول
۳۳۴	اس تقدیر پر غیر منصرف میں نحویوں کا اختلاف
	مرفوعات
۳۳۷	مرفوعات جمع ہے مرفوع کی مرفوعۃ کی نہیں
۳۳۸	مرفوع کی تعریف
۳۴۱	فاعل اصل مرفوعات کیسے ؟
۳۴۲	مبتدا اصل مرفوعات کیسے ؟
۳۴۳	فاعل کی تعریف
۳۴۹	فاعل میں اصل تقدیم ہے
۳۵۰	لفظ اصل پانچ معنوں میں مستعمل ہوتا ہے
۳۵۲	اضمار قبل الذکر پانچ مقاموں پر جائز
۳۵۴	فاعل کو مفعول پہ مقدم کرنیکی چار صورتیں
۳۶۱	فاعل کو مفعول سے موخر کرنیکی چار صورتیں
۳۶۳	فعل کا حذف جوازی
۳۶۸	فعل کا حذف وجوبی
۳۷۰	فعل و فاعل دونوں کا حذف
۳۷۲	تنازع فعلان کی بحث
۳۷۳	معنی تنازع فعلان کا
۳۷۹	بصریوں کا اختیار فعل ثانی کو
۳۸۴	امام کسائی کا قول
۳۸۵	امام فراء کا قول
۳۸۸	کوفیوں کا اختیار فعل اول کو
۳۹۵	مفعول مالم یسم فاعلہ کی تعریف
۳۹۶	فاعل کے محذوف ہونیکی آٹھ وجہیں
۳۹۸	فاعل کی جگہ پر واقع نہ ہوگا باب علمت کا مفعول ثانی و مفعول لہ وغیرہ

Marfat.com

صفحات	مضامین
۴۰۵	فاعل کی جگہ پر واقع ہوگا باب اعطیت کا مفعول اول وغیرہ
۴۰۶	مبتدا وخبر کا بیان
۴۰۷	مبتدا کی قسم اول کی تعریف
۴۰۹	مبتدا کی قسم دوم کی تعریف
۴۱۵	مطابقت کی تین صورتیں
۴۱۶	خبر کی تعریف
۴۱۸	مبتدا وخبر کے عامل سے متعلق تین مذہب
۴۲۰	مبتدا میں اصل تقدیم ہے
۴۲۲	مبتدا نکرہ ہو تو تخصیص کی صورتیں
۴۲۴	اخبار کی صحت کا مدار محققین کے نزدیک فائدہ پر ہے
۴۳۱	خبر میں عائد کا ہونا کب ضروری ہے ؟
۴۳۲	عائد کا حذف بوقت قرینہ جائز ہے
۴۳۳	خبر ظرف ہو تو بصریوں وکوفیوں کا کیا اختلاف ہے ؟
۴۳۴	ظرف مستقر ظرف لغو کی تعریف و وجہ تسمیہ
۴۳۶	تقدیم مبتدا کی دس صورتیں
۴۴۲	تاخیر مبتدا کی دس صورتیں
۴۴۷	خبر متعدد بہ عطف وبغیر عطف
۴۴۹	مبتدا جب شرط کے معنی کو متضمن ہو تو اس کی خبر پر دخول فا جائز ہے
۴۵۰	مبتدا جو شرط کے معنی کو متضمن ہے اس کی چند صورتیں
۴۵۴	لیت ولعل دخول فا سے مانع کیوں ؟
۴۵۵	شرط وجزا اخبار کے قبیل سے ہیں
۴۵۶	دخول فا سے مانع صرف لیت ولعل ہی کیوں ؟
۴۵۶	سیبویہ نے اِنّ مکسورہ کو بھی لیت ولعل کیساتھ لاحق کیا ہے
۴۵۸	لیت ولعل کیساتھ ان مفتوحہ بھی لاحق ہے
۴۵۹	مبتدا کے حذف جوازی کا بیان

صفحات	مضامین
۴۶۰	مبتدا کے حذف وجوبی کا بیان
۴۶۳	خبر کے حذف جوازی کا بیان
۴۶۴	خبر کے حذف وجوبی کی چار صورتیں
۴۶۷	لولا سے متعلق تین مذہب
۴۷۰	مثال اول سے متعلق علامہ رضی کا مذہب
۴۷۳	ایک دوسرا مذہب
۴۷۳	خبر کے حذف وجوبی کی تیسری صورت
۴۷۲	پہلی صورت میں نحات کوفی کا مذہب
۴۷۲	اخفش کا اپنا مذہب
۴۷۴	حذف وجوبی کی چوتھی صورت
۴۷۵	خبران واخواتہا کا بیان
۴۷۷	خبران کی تعریف کا بیان
۴۸۰	خبرانّ کا حکم مبتدا کے حکم طرح ہے
۴۸۱	خبرانّ کا حکم مبتدا کے حکم کی طرح تقدیم میں نہیں
۴۸۲	خبرانّ اگر ظرف ہو تو مبتدا کے حکم کیطرح ہے
۴۸۳	خبر لا التی لنفی الجنس کا بیان
۴۸۴	خبر لا التی لنفی الجنس کی تعریف کا بیان
۴۸۶	خبر لا التی جملہ میں اکثر محذوف ہے
۴۸۷	کلمۂ توحید لا الہ الا اللہ کا بیان
۴۸۸	خبر لا سے متعلق بنو تمیم کا خیال
۴۸۹	اسم ما ولا مشابہ بلیس کا بیان
۴۸۹	اسم ما ولا کی تعریف کا بیان
۴۹۰	نکرہ میں لا عمل کرتا ہے ما نہیں
۴۹۲	لیس کا عمل لا میں قلیل ہے ما میں نہیں
۴۹۴	لزوم کی تین قسمیں ہیں۔ عقلی۔ عادی۔ ادعائی
۴۹۴	بحث منصوبات بحث مجرورات پر کیوں مقدم ہے ؟

Marfat.com

بِسۡمِ اللّٰہِ

ترجمہ:—— اللہ کے نام سے شروع

تشریح:- بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اَللّٰہُ رَبُّ مُحَمَّدٍ صَلّٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَا :. نَحْنُ عِبَادُ مُحَمَّدٍ صَلّٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَا

بیانہ بسم۔ دراصل باسم تھا ہمزۂ وصل، باء متحرکہ کے بعد واقع ہونے کی وجہ سے ساقط ہوگیا۔

سوال ہمزۂ وصل کا سقوط صرف تلفظ میں ہوتا ہے کتابت میں نہیں اور یہاں کتابت میں بھی ہے ایسا کیوں؟ **جواب** تسمیہ کا استعمال چونکہ بکثرت ہوتا ہے اور کثرت استعمال خفت کا مقتضی ہے اس لئے تلفظ کے ساتھ کتابت میں بھی اس کو ساقط کیا گیا اور باء کو ہمزۂ محذوف پر دلالت کرنے کے لئے طول دیدیا گیا۔

سوال بسم اللہ مجرھا ومرساھا میں ہمزۂ وصل کو کتابت میں کیوں ساقط کیا گیا؟ جبکہ اس کا استعمال کثیر نہیں۔

جواب اس کا بھی استعمال کثیر ہے کیونکہ کشتی پر سوار ہونے والے جب تک کشتی پر ہوتے ہیں وہ بکثرت اس کو پڑھتے ہیں **سوال** اِنَّہٗ مِنْ سلیمانَ اور اِنَّہٗ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کثیر الاستعمال نہیں پھر ان سے ہمزۂ وصل کیوں ساقط کیا جاتا ہے؟ **جواب** ان کو اس بسم اللہ کے ساتھ مشابہت حاصل ہے جس کا استعمال کثیر ہوتا ہے۔ **سوال** اِقْرَأْ باسم سے ہمزۂ وصل کا سقوط کتابت میں کیوں نہیں؟ **جواب** اسکا استعمال بہت قلیل ہے۔

باء جارہ برائے تبرک واستعانت ہے جس کا متعلق فعل مقدر ہے تقدیر عبارت یہ ہے بِسْمِ اللّٰہِ الخ اُصَنِّفُ کیونکہ با حرف جار ہے جو فعل یا شبہ فعل کے معنی کو اسم تک پہونچاتا ہے اس لئے ضروری ہے اس کا متعلق کوئی فعل یا شبہ فعل ہو اور فعل یا شبہ فعل کبھی مذکور ہوتا ہے اور کبھی مقدر اور اگر مذکور ہو تو با کا متعلق وہی مذکور ہوتا ہے اور اگر مقدر ہو تو اس کا متعلق وہی مقدر ہوتا ہے اور مقدر کی دو صورتیں ہیں اول عام دوم خاص۔ عام مثلاً ابتدأُ، اَشْرَعُ وغیرہ اور خاص مثلاً اَکُلُ، اَشْرَبُ، اُصَنِّفُ وغیرہ اور با کا متعلق عام اس وقت ہوتا ہے جبکہ کوئی قرینۂ خصوص موجود نہ ہو ورنہ اس کا متعلق خاص ہوتا ہے اور یہاں تسمیہ میں چونکہ قرینۂ خصوص اور وہ مصنف کی حالت موجود ہے اس لئے با کا متعلق خاص یعنی اُصَنِّفُ ہوگا۔

Marfat.com

سوال بسم اللہ معمول ہے اور اُصنِّف عامل اور عامل مِن حیثُ العامِل معمول پر مقدم ہوتا ہے لہذا چاہیئے یہ تھا کہ اُصنِّفْ کو بسم اللہ پر مقدم کیا جائے **جواب** بسم اللہ کو اُصنِّفُ پر تین وجہوں سے مقدم کیا گیا ہے اول یہ کہ بسم اللہ میں لفظ اللہ اسم جلالت ہے اور اسم جلالت کو تصنیف مصنف پر تقدم بالطبع حاصل ہے اس لئے کہ مصنف کی تصنیف حادث ہے اور ذات باری تعالیٰ جس پر اسم جلالت دال ہے قدیم ہے اور ظاہر ہے قدیم کو حادث پر تقدم بالطبع حاصل ہے اس لئے طبع کی مناسبت سے بسم اللہ کو ذکر میں بھی پہلے بیان گیا گیا۔ دوم یہ کہ بسم اللہ کو مقدم کرنے سے حصر مطلوب حاصل ہوتا ہے اس لئے کہ ایسی شئ کا مقدم کرنا کہ جس کا مقام موخر ہے حصر کا فائدہ دیتا ہے جیسے قرآن کریم میں ہے ایاک نعبد۔ بسم اللہ مجرھا اور یہاں حصر مطلوب مشرکین عرب کے اس تسمیہ کا رد کرنا ہے جو اپنے کام کے وقت معبودان باطل لات وعزیٰ وغیرہ کا نام لے کر بسم اللات والعزیٰ وغیرہ کہا کرتے تھے۔ سوم یہ کہ بسم اللہ کو مقدم کرنے سے اظہار تعظیم اور اہتمام شان کا بیان ہوتا ہے۔ **سوال** بسم اللہ کے باکو کسرہ دیا گیا جبکہ فتحہ دینا چاہیئے تھا کیونکہ با حروف معانی مفردہ سے ہے اور حروف معانی مفردہ مبنی ہوتے ہیں اور مبنی اصل میں ساکن ہوتا ہے لہذا با کو ساکن ہونا چاہیئے تھا لیکن چونکہ ابتدا بالسکون محال ہے اس لئے مبنی پر فتحہ ہونا چاہیئے تھا کیونکہ فتحہ اخت سکون اور اخف حرکات ہوتا ہے **جواب** (۱) سکون عدم حرکت کا نام ہے اور کسرہ بھی فعل وغیر منصرف پر نہیں آتا پس وہ بھی عدم حرکت ہوا اس لئے با کو کسرہ دیا گیا۔ (۲) لفظ با، جر کو لازم ہے یعنی وہ ہمیشہ اپنے مدخول کو جر دیتا ہے لہذا اثر کی مناسبت سے موثر یعنی با کو بھی کسرہ دیا گیا جس طرح لام امر اور لام اضافت کو کسرہ دیا جاتا ہے برخلاف واؤ کہ وہ جر کو لازم نہیں کرتا کیونکہ وہ برائے عطف بھی آتا ہے اس لئے اس کو فتحہ دیا جاتا ہے (۳) با کے فتحہ کی صورت میں یہ وہم ہو سکتا ہے کہ بسم با اور اسم سے مرکب نہیں بلکہ مفرد ہے جس کا معنی مسکرانا ہے اور ظاہر ہے یہ مقام تسمیہ کے بالکل خلاف ہے۔

اسم بصریوں کے نزدیک اسمار مخذوفۃ الاعجاز سے ہے یعنی اُس اسمار سے جس کے آخری حرف کو حذف کیا جاتا ہے جیسے یدٌ و دمٌ وغیرہ کہ دراصل یدوٌ و دموٌ تھے پس اسم دراصل سموٌ تھا جس کے واؤ کو کثرت استعمال کی وجہ سے حذف کر کے شروع میں ہمزۂ وصل لایا گیا، سموٌ لغت میں بلند ہونے کے معنی میں ہے اور اسم کو بلند ہونے سے یہ مناسبت ہے کہ اس سے مسمیٰ غیر مسمّٰی سے بلند واجلیٰ ہوتا ہے۔ اور کوفیوں کے نزدیک اسم کی اصل وِسمٌ ہے واؤ کو حذف کر کے اس کے عوض میں ہمزۂ وصل لایا گیا اور وِسمٌ لغت میں بمعنی علامت ہے اور

Marfat.com

اس کو علامت سے یہ مناسبت ہے کہ وہ اپنے مسمیٰ کو غیر مسمیٰ سے امتیاز کرنے کی علامت ہوتا ہے۔

بصریین یہ دلیل دیتے ہیں کہ اسم کی جمع اسماء اور اس کی تصغیر سُمَیّ آتی ہے اس لئے کہ اس کی اصل اگر وِسم ہوتی تو اس کی جمع اوسام اور تصغیر وُسَیم آنی چاہئے تھی لیکن نہ یہ جمع آتی ہے اور نہ تصغیر کوفیین یہ دلیل دیتے ہیں کہ اسم کی اصل اگر سمو ہو تو تعلیل کا کثیر ہونا لازم آئے گا اس لئے کہ اس میں اولاً آخری حرف کو گرایا جاتا ہے پھر اس کے سین کو مبنی علی السکون کیا جاتا ہے اس کے بعد شروع میں ہمزۂ وصل لایا جاتا ہے لیکن اگر اس کی اصل وِسم ہو تو اس میں صرف واؤ کو ہمزہ سے بدلا جاتا ہے اور بس کذا فی البیضاوی **سوال** اسم کا اطلاق کتنے معنوں پر ہوتا ہے؟ اور یہاں پر کونسا معنی مراد ہے؟ **جواب** اسم کا اطلاق تین معنوں پر ہوتا ہے (۱) اس لفظ پر جو مسمیٰ پر دلالت کرے جیسے زیدٌ معربٌ میں زید سے اس کی ذات مراد نہیں بلکہ لفظ زید ہے جس پر اعراب آتا ہے اسی طرح کتبتُ زیدًا میں زید سے لفظ زید مراد ہے (۲) ذات مسمیٰ پر جیسے زیدٌ کاتبٌ وکتبَ زیدٌ میں زید سے اُس کی ذات مراد ہے کیونکہ لفظ زید کے اندر کتابت کی صلاحیت نہیں (۳) اُس ذات پر جو کسی صفت کے ساتھ قائم ہو جیسے زیدٌ صائمٌ میں زید سے نہ لفظ زید مراد ہے اور نہ صرف ذات زید بلکہ وہ ذات مراد ہے جو وصف صیام کے ساتھ متصف ہو۔ اور یہاں پر تینوں معنی مراد لئے جا سکتے ہیں لیکن پہلا و دوسرا اس لئے کہ جس طرح باری تعالیٰ کی ذات سے مدد طلب کی جاتی ہے اسی طرح اس لفظ سے بھی مدد طلب کی جا سکتی ہے جو ذات پر دلالت کرے اور تیسرا معنی اس لئے کہ اسم جلالت سے یہاں پر وہ ذات مراد ہے جو صفت رحم وکرم سے متصف ہو **سوال** بسم اللہ میں با برائے استعانت ہے اور استعانت بہ نسبت اسم کے ذات سے اولیٰ ہوتی ہے پس بسم اللہ کے بجائے باللہ کیوں نہیں کہا گیا؟ **جواب** چونکہ با جس طرح استعانت کے لئے آتا ہے اسی طرح یمین وقسم کے لئے بھی اس لئے اسم جلالت سے پہلے لفظ اسم بڑھا کر یہ اشارہ کیا گیا کہ با سے مراد استعانت ہے قسم نہیں **سوال** تسمیہ وتحمید کو یہاں کیوں بیان کیا گیا؟ **جواب** اس لئے کہ تسمیہ کے متعلق حدیث پاک ہے کلُّ امرٍ ذی بالٍ لم یُبدأ ببسم اللہِ فھوَ اَقطعُ یعنی ہر وہ امر ذی شان جو تسمیہ سے شروع نہ کیا جائے وہ نامکمل ہے اسی طرح تحمید کے متعلق حدیث ہے کلُّ امرٍ ذی بالٍ لم یُبدأ بحمد اللہِ فھوَ اَقطعُ یعنی ہر وہ امر ذی شان جو تحمید سے شروع نہ کیا جائے وہ نامکمل ہے **سوال** دونوں حدیثوں پر عمل دشوار ہے کیونکہ دونوں ایک دوسرے کے متعارض ہیں اس لئے کہ دونوں کو ابتدائے کلام میں بیان کرنے کا حکم ہے اور دو چیزوں کو ابتدائے کلام میں بیان کرنا ناممکن ہے **جواب** ابتدا کی تین

Marfat.com

قسمیں ہیں (۱) حقیقی (۲) اضافی (۳) عرفی۔ ابتدائے حقیقی وہ ہے جو سب سے پہلے ہو اس سے پہلے کوئی نہ ہو اور ابتدائے اضافی وہ ہے جو کسی سے پہلے ہو خواہ اس سے پہلے کوئی ہو یا نہ ہو اور ابتدائے عرفی وہ ہے جو مقصود سے پہلے ہو۔ پس تسمیہ میں جو ابتدا ہے وہ ابتدائے حقیقی پر محمول ہے اور تحمید میں جو ابتدا ہے وہ ابتدائے اضافی یا دونوں عرفی پر محمول ہیں لہذا دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔

سوال تسمیہ میں ابتدا کو حقیقی پر اور تحمید میں اضافی پر کیوں حمل کیا گیا؟ جبکہ اس کے برعکس سے بھی تعارض ختم ہو جاتا ہے **جواب** تسمیہ کے شروع میں چونکہ ذات باری تعالیٰ مذکور ہے اور تحمید کے شروع میں وصف باری تعالیٰ مذکور ہے اور ذات طبعًا وصف سے پہلے ہوتی ہے اس لئے تسمیہ میں ابتدا کو حقیقی پر اور تحمید میں اضافی پر حمل کیا گیا **سوال** تحمید جب الحمد للہ سے بیان کی جائے تو ظاہر ہے اس میں وصف کا ذکر پہلے ہوتا ہے لیکن جب للہ الحمد سے بیان کی جائے تو ذات کا ذکر پہلے ہوتا ہے وصف کا نہیں جیسا کہ قرآن کریم میں ہے فللہِ الحمدُ رب السمٰوٰت ولہُ الحمدُ فی السمٰوٰتِ **جواب** مشہور مقولہ ہے لکلِّ مقامٍ مقالٌ ولکلِّ مقالٍ مقامٌ یعنی ہر مقام کے لئے ایک مخصوص گفتگو ہوتی ہے اور ہر گفتگو کے لئے ایک مخصوص مقام ہوتا ہے اور یہ مقام چونکہ وصف حمد کا ہے اس لئے اس کو اسم جلالت پر مقدم کیا گیا برخلاف آیت مذکورہ کہ اس میں حمد کو اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت نہیں بلکہ خاص کیا گیا ہے جیسا کہ لا عالمٌ الا زیدٌ میں عالم ہونے کو زید کے لئے خاص کیا گیا ہے اور زیدٌ عالمٌ میں ثابت کیا گیا ہے۔ بقیہ التشریح المنیب لحل شرح التہذیب میں ملاحظہ کیجئے

بیانہ ۲ اللہ۔ اس کے جزئی حقیقی اور کلی ہونے میں اختلاف ہے جس نے اُسے جزئی حقیقی کہا ہے اس کے نزدیک وہ نام ہے اُس معبود حقیقی واجب الوجود کا جو تمام صفات کمالیہ کا جامع اور نقص و زوال سے منزہ ہو اور جس نے کلی کہا ہے اُس کے نزدیک اللہ وہ ذات واجب الوجود ہے جو تمام صفات کمالیہ کا جامع اور نقص و زوال سے منزہ ہو لیکن اُس کا انحصار ایک فرد پر ہے جیسے سید الانبیاء و خاتم الانبیاء کا انحصار ایک فرد پر بقیہ توضیح التشریح المنیب میں دیکھئے۔

الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

ترجمہ:— جو بہت مہربان رحمت والا

Marfat.com

تشریح ۔ بیانہ الرحمٰن الرحیم۔ دونوں کے متعلق تین قول ہیں۔ سیبویہ اور زجاج کا کہنا ہے کہ رحمٰن صفت مشبہ بروزن فعلان ہے اور رحیم بروزن کریم اسم فاعل برائے مبالغہ ہے اور بعض کا کہنا ہے کہ دونوں صفت مشبہ ہیں اور بعض کا خیال ہے کہ دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں **سوال** رحمٰن ورحیم اگر صفت مشبہ ہیں تو ان کو فعل لازم سے مشتق ہونا چاہیے حالانکہ وہ رَحِمَ یَرْحَمُ فعل متعدی سے مشتق ہیں **جواب** فعل متعدی کبھی فَعُل بضم العین کی طرف منتقل کر کے فعل لازم بنایا جاتا ہے لہٰذا رحم کو پہلے فعل بضم العین کی طرف منتقل کیا گیا پھر اس سے رحمٰن ورحیم کو مشتق کر لیا گیا۔

سوال رحمٰن، رحیم سے عام ہے اس لئے کہ رحمٰن کا وزن رحیم کے وزن سے زیادہ ہے اور زیادت وزن زیادت معنی پر دال ہے جیسے قطَّعَ وقطَّعَ وکبَّار وکبَار اور زیادت معنی کبھی کمیت کے اعتبار سے ہوتی ہے جیسے یارحمٰن الدنیا کہ اپنے متعلق کے اعتبار سے مقدار میں کثیر ہے اس لئے کہ وہ مومن وکافر، حیوانات ونباتات سب کو شامل ہے برخلاف یارحیم الآخرۃ کہ وہ مقدار میں قلیل ہے جو صرف مومنین کے ساتھ خاص ہے۔ اور زیادت معنی کبھی کیفیت کے اعتبار سے ہوتی ہے جیسے یارحمٰن الدنیا والآخرۃ کہ آثار رحمت اتنے قوی ہیں کہ دنیا وآخرت دونوں کو عام ہیں برخلاف یارحیم الدنیا کہ آثار رحمت ضعیف ہیں کہ وہ صرف دنیا ہی کو شامل ہیں ۔ تو جب رحمٰن کمیت وکیفیت دونوں اعتبار سے عام ہے اور رحیم خاص تو رحیم کو رحمٰن سے پہلے بیان کرنا چاہیے تھا کہ خاص ادنیٰ ہوتا ہے اور عام اعلیٰ اور ترقی ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ہوتی ہے **جواب** رحمٰن بمنزلۂ علم ہے کہ اُس کا اطلاق غیر خدا پر جائز نہیں برخلاف رحیم کہ اس کا اطلاق غیر خدا پر جائز ہی نہیں بلکہ واقع ہے جیسے قرآن کریم میں میرے آقا ومولیٰ کے متعلق ہے "بالمومنین رؤف رحیم"۔ ظاہر ہے کہ علم کو غیر علم پر تقدم حاصل ہے اس لئے رحمٰن کو رحیم پر مقدم کیا گیا نیز تعوذ میں جو لفظ شیطان اور رجیم ہیں اس تقدیم سے ان کے ساتھ سجع کی رعایت حاصل ہوتی ہے۔

سوال اسم جلالت کی صفت رحمٰن ورحیم سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ ایک اللہ وہ ہے جو رحمٰن ورحیم ہے اور دوسرا وہ جو رحمٰن ورحیم نہیں **جواب** اس کے دو ہیں ایک الزامی دوسرا تسلیمی۔ الزامی یہ کہ صفت سے اگر یہ مفہوم ہو تو اَعوذُ باللہِ مِنَ الشیطانِ الرجیم سے بھی یہی مفہوم ہونا چاہیے کہ ایک شیطان وہ ہے جو مردود ہو اور دوسرا وہ جو مردود نہیں حالانکہ جو بھی شیطان ہے وہ مردود ہے۔ **جواب** تسلیمی یہ کہ صفت کی چار قسمیں ہیں (۱) مادحہ (۲) ذامّہ (۳) موضحہ (۴) محترزہ۔ مادحہ وہ صفت ہے جو موصوف کی مدح بیان کرے جیسے زیدٌ العالِمُ القاریُ الحافظُ

Marfat.com

اور ذامّہ وہ ہے جو موصوف کا ذم و ہجو بیان کرے جیسے زیدُ السارقُ الزانی اور موضحہ وہ ہے جو موصوف کی وضاحت کرے جیسے الجسم الطویل العریضُ العمیقُ اور محترزہ وہ ہے جو موصوف کو غیر سے امتیاز کرے جیسے جارنی رجل الذی فی یدہ کتابٌ۔ اور تسمیہ میں جو صفت ہے وہ مادحہ ہے محترزہ نہیں کہ محذور لازم آئے **سوال** اسم جلالت کے بعد اس کے صفات رحمٰن و رحیم کو کیوں بیان کیا گیا؟ اور اگر صفات کو بیان کرنا ہی تھا تو اس کی صفتیں کثیر ہیں اُن ہی دونوں کو کیوں خاص کیا گیا **جواب** (۱) قرآن پاک میں چونکہ اسم جلالت کے بعد رحمن و رحیم ہی کو بیان کیا گیا ہے اس لئے یہاں بھی ان کو بیان کیا گیا (۲) لفظ اللہ اسم جلالی ہے اور رحمٰن و رحیم اسم جمالی اور اسم جلالی کے ساتھ اسم جمالی کو بیان کرنے میں یہ اشارہ کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ جہاں قہر و جلال کا مالک ہے وہیں رحم و کرم کا بھی شہنشاہ ہے (۳) اسم جلالت سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ ایسی ذات ہے جو تمام صفات کمالیہ کا جامع ہے جس کی دست قدرت میں ساری چیزیں موجود ہیں اور رحمٰن و رحیم سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہی تمام نعمتوں کا مالک اور بخشنے والا ہے **سوال** یہ مقصود صرف ایک سے حاصل تھا دونوں کو کیوں بیان کیا گیا؟ **جواب** ایک یہ کہ باری تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ چونکہ تین قسم پر ہیں ۱ اسم ذات جیسے اسم جلالت ۲ اسم صفت غالب الاطلاق جیسے رحمٰن ۳ اسم صفت مطلق جیسے رحیم اس لئے یہاں تینوں قسموں سے استعانت حاصل کی گئی دوسرا جواب یہ کہ رحمٰن سے وہ رحمت مراد ہے جو دنیا میں مومن و کافر دونوں پر ہوتی ہے اور رحیم سے وہ رحمت مراد ہے جو آخرت میں صرف مومن پر ہوگی۔

اعتراض۔ ان دونوں کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر درست نہیں اس لئے کہ وہ رحمت سے مشتق ہیں اور رحمت لغت میں بمعنی انعطاف و رقت قلب کے ہے اور قلب اللہ تعالیٰ کے لئے محال ہے کیونکہ اس کے لئے جسم لازم ہے اور اللہ تعالیٰ جسم اور جسمانیات سے پاک ہے **جواب** رحمت کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس سے قلب کا معنی مجرد ہو جاتا ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کیلئے جن الفاظ کا اطلاق ان کے معنی حقیقی کے اعتبار سے درست نہ ہو تو ان کی غایات و آثار کے اعتبار سے ان کا اطلاق کیا جاتا ہے جواز قبیل فعل و تاثیر ہیں اُن اسباب و مبادی کے اعتبار سے نہیں جواز قبیل انفعال و تاثر ہیں مثلاً رحمت بمعنی رقت قلب مبدأ و سبب ہے اور اس کا اثر انعام و احسان۔ مبدأ از قبیل انفعال ہے اور اثر از قبیل فعل و تاثیر اس لئے یہاں رحمت سے مراد انعام لیا گیا ہے اور رحمٰن و رحیم سے مُنعِم۔ خیال رہے کہ لفظ رحمٰن کے غیر منصرف ہونے میں اختلاف ہے جس کے نزدیک انتفار فعلانہ کی شرط ہے وہ اُسے غیر منصرف مانتے ہیں کیونکہ اُس کی مونث رحمانۃ نہیں آتی اور جس کے نزدیک وجود فعلیٰ کی شرط ہے وہ اسے منصرف

Marfat.com

مانتے ہیں کیونکہ اس کی مونث فعلیٰ نہیں آتی۔ بتقدیر اول اس پر کسرہ کا دخول الف لام کی وجہ سے ہے۔

اَلْحَمْدُ لِوَلِيِّهٖ

ترجمہ:۔ ہر طرح کی حمد لائق حمد کے لئے ہے۔

تشریح:۔ **قولہ** اَلْحَمْد۔ لام تعریف جنسی ہے جو ماہیت حمد پر انطباق علی الأفراد کے لحاظ کے بغیر دلالت کرتا ہے یا استغراقی ہے جو ماہیت حمد پر انطباق علی الافراد کے لحاظ سے دلالت کرتا ہے اور لولیہ میں لام اختصاص کے لئے ہے اور ضمیر غائب کا مرجع حمد ہے۔ لام تعریف جنسی ماننے کی تقدیر پر اُس کا معنی ہوگا ماہیۃُ الحمدِ مختصۃٌ لولی الحمد اور استغراقی ماننے کی تقدیر پر معنی ہوگا کلُّ فردٍ من اَفرادِ الحمدِ مختصٌ لولی الحمد۔ بعض نے الف لام کو عہد خاجی بھی مانا ہے اور حمد معہود سے مراد ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اضعاف ما حَمِدَہٗ جمیعُ خلقِہٖ کما یحبّہٗ وَیَرْضاہُ

سوال حمد کو جملہ اسمیہ سے بیان کیا گیا جبکہ جملہ فعلیہ، جملہ اسمیہ سے افضل ہے کیونکہ جملہ فعلیہ میں لوازم حمد تمامہا مذکور ہوتے ہیں مثلاً نحمدہٗ کہنے سے حامد و محمود و حمد تینوں صراحۃً مذکور ہوتے ہیں لیکن جملہ اسمیہ میں صرف حمد و محمود دو ہی مذکور ہوتے ہیں حامد نہیں اور وہ حمد جس میں تینوں لوازم مذکور ہوں اس حمد سے اولیٰ ہے جس میں صرف دو ہی لوازم مذکور ہوں **جواب** جملہ فعلیہ چونکہ حدوث و تجدّد پر دال ہے اور جملہ اسمیہ دوام و استمرار پر دال ہے اس لئے حمد کو جملہ اسمیہ سے بیان کیا گیا اور اسی وجہ سے اس کو مناظرہ رشیدیہ میں اسمیہ جملہ سے تعبیر کیا گیا ہے تاکہ یہ اشارہ ہو کہ یہ پہلے جملہ فعلیہ تھا جو دوام و استمرار پر دلالت کرنے کیلئے اسمیہ کی طرف عدول کیا گیا ہے پس اُس کا معنی ہوا اسمیہ کا فعلیہ ہونا **سوال** الحمد لولیہ جملہ خبریہ ہے جس سے حمد کی خبر معلوم ہوتی ہے حالانکہ مقصود یہاں خبر نہیں بلکہ انشاء ہے **جواب** یہ اگرچہ بظاہر جملہ خبریہ ہے لیکن وہ مقام انشاء میں واقع ہونے کی وجہ سے انشائیہ ہوگیا ہے جس طرح بعتُ و اشتریتُ مقام بیع و شراء میں واقع ہونے کی وجہ سے انشائیہ ہوگیا ہے حالانکہ وہ خبریہ ہے۔ حمد، مدح، شکر کی تعریفات اور ہر ایک کے درمیان نسبتوں کی تفصیلات التشریح المنیب لحل شرح التہذیب میں ملاحظہ کریں۔

قولہ لولیہٖ۔ ولی بروزن فعیل صفت مشبہ ہے جس کے معنی پانچ ہیں (۱) ناصر جیسے کلُّ مَنْ وَلِیَ

Marfat.com

امرَ احدٍ فہو ولیہٗ، (۲) متصرف جیسے زیدٌ وَلِیُّ ابنہٖ الصغیرِ (۳) محب جیسے اللہُ وَلِیُّ الذین اٰمنوا (۴) قریب جیسے زیدٌ ولیُّ بکرٍ (۵) حری یعنی لائق جیسے شاہدٌ اَوْلیٰ من خالدٍ بتقدیر اول عبارت یہ ہوگی الحمدُ لناصرِ الحمدِ۔ اللہ تعالیٰ ناصر حمد اس طرح ہیکہ وہ حامد کو حمد کرنے کی قوت وزبان و مکان دیتا ہے۔ بتقدیر دوم عبارت یہ ہوگی الحمدُ لمتصرّفِ الحمدِ، اللہ تعالیٰ کا متصرفِ حمد ہونا ظاہر ہے کہ ہر شئ ممکن اس کے تصرف میں ہے۔ بتقدیر سوم عبارت یہ ہوگی الحمدُ لمحبِّ کلِّ حمدٍ لیکن یہ اللہ تعالیٰ کیلئے درست نہیں اس لئے کہ کافروں کی اگر حمد کی جائے تو وہ حمد اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔ بتقدیر چہارم عبارت ہوگی اَلحمدُ لقریبِ الحمدِ، اللہ تعالیٰ کا قریب حمد ہونا ظاہر ہے کہ وہ ہر شئ کے قریب ہے حتیٰ کہ ارشاد ہے نحنُ اَقربُ الیہ من حبلِ الورید۔ بتقدیر پنجم عبارت ہوگی الحمدلحریِّ الحمدِ، اللہ تعالیٰ کا لائق حمد ہونا بھی ظاہر ہے کہ اس کا غیر بھی اگرچہ لائق حمد ہوتا ہے مگر اسی کی عطاو بخشش سے **سوال** حمد کے طریقۂ مشہور الحمدُ للہ سے کیوں عدول کیا گیا؟ حالانکہ یہ مختصر بھی ہے کہ لولیہ کے حروف مکتوبی پانچ ہیں اور حروف ملفوظی سات اور للہ کے حروف مکتوبی صرف تین ہیں اور ملفوظی پانچ! **جواب** تین وجہوں سے عدول کیا گیا (۱) لفظ اللہ مقام حمد میں چونکہ مشہور تھا اس لئے جدید لفظ لے آیا تاکہ مشہور مقولہ کلُّ جدیدٍ لذیذٌ کا لطف حاصل ہو (۲) مدعیٰ چونکہ پہلے سے ثابت تھا کہ حمد خدا ہی کے لئے ہوتی ہے اور وہی اس کے لائق ہے اس لئے ایسا لفظ بیان کیا گیا جس سے اسی مدعیٰ کی طرف اشارہ ہو (۳) لنبیہ کے ساتھ رعایت سجع مقصود ہے **سوال** رعایت سجع امر ماضی سے ہوتی ہے مستقبل سے نہیں اور لنبیہ امر مستقبل ہے۔ **جواب** لنبیہ اگرچہ کتابت میں مستقبل میں ہے لیکن ذہن میں وہ ماضی میں ہے۔ **سوال** ولی جس طرح کتابت میں نبی سے پہلے ہے اسی طرح ذہن میں بھی کہ مذہون مطابقِ مکتوب ہوتا ہے **جواب** تقدیم سے مقصود یہ ہے کہ نبی مذہون ولی مکتوب سے پہلے ہو غیہ مافیہ

وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی نَبِیِّہٖ

ترجمہ:— اور صلوٰۃ نازل ہو نبیٔ محمود پر

تشریح:— قولہ والصلوٰۃ۔ یہ باب تفعیل کا اسم مصدر ہے جو اصل میں صلوٰۃٌ یا صلوَۃٌ تھا بقاعدہ سعتل واؤ الف سے بدل گیا صلوٰۃ ہوگیا۔ اس کو واؤ کے ساتھ اس لئے لکھا جاتا ہے تاکہ یہ اشارہ ہو کہ الف اصل میں

Marfat.com

وادٗ تھا۔ حدیث پاک میں ہر امرِ ذی شان سے پہلے حمد کے لانے کا حکم ہے لیکن صلوٰۃ کا تو اس کی چار وجہیں ہیں ایک یہ کہ سرکارؐ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت سی کرامتوں کے ساتھ خاص کیا ہے جن میں سے ایک یہ کہ جب ان کے نام پاک کو بیان کیا جاتا ہے تو اس کے ساتھ میرا بھی نام بیان کیا جاتا ہے جیسے کلمۂ توحید وغیرہ میں دوسری یہ کہ نبی کریم تبلیغ احکام اور قبولیت اعمال میں خدا اور بندوں کے درمیان چونکہ وسیلہ ہیں اس لئے جب خدا کی حمد بیان کی جاتی ہے تو اس کے ساتھ سرکار کی بھی صلوٰۃ بجالاتے ہیں تاکہ اس کے وسیلہ سے خدا کی بارگاہ میں حمد مقبول ہو جائے۔ تیسری یہ کہ حمد صلوٰۃ کے بغیر ناقص ہے۔ صلوٰۃ سے اس کی تلافی ہو جاتی ہے کیونکہ اُس کو یہاں اصالۃً نہیں بلکہ حمد کی استعانت و استمداد کے لئے بیان کیا گیا ہے۔ چوتھی یہ کہ اس سے یہ تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ یہ کتاب مومن کی ہے یہود و نصاریٰ کی نہیں کیونکہ وہ بھی اگرچہ خدا کی حمد بجالاتے ہیں لیکن چونکہ وہ نبی کریم پر ایمان نہیں لاتے اس لئے وہ ان کی صلوٰۃ بیان نہیں کرتے۔

جمہور کے نزدیک صلوٰۃ کا معنی مشہور دعا ہے لیکن اس کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو رحمت مراد ہوتی ہے اور جب فرشتوں کی طرف ہو تو استغفار اور بندوں کی طرف ہو تو دُعا اور وحوش و طیور کی طرف ہو تو تسبیح مراد ہوتی ہے لہٰذا پہلی صورت میں اَلصلوٰۃُ علی نبیہٖ کا معنی ہوا رحمۃُ اللہِ علی نبیہٖ دوسری صورت میں استغفار الملائکۃِ علیٰ نبیہٖ تیسری صورت میں دُعاءُ العبادِ علیٰ نبیہٖ چوتھی صورت میں تسبیحُ الوحوشِ وَالطیُورِ علیٰ نبیہٖ۔

اعتراض پہلی اور دوسری اور تیسری صورت درست نہیں لیکن پہلی اس لئے کہ رحمت لغت میں انعطاف و رقت قلب کے معنی میں ہے اور قلب کے لئے جسم لازم ہے اور اللہ تعالیٰ جسم و جسمانیات سے پاک ہے لیکن دوسری اس لئے کہ استغفار کے لئے گنہ لازم ہے اور سرکار نبی ہیں اور نبی ہر گناہِ صغائر و کبائر سے معصوم ہوتے ہیں اور لیکن تیسری اس لئے کہ دعاء کا صلہ جب علیٰ آئے تو بد دعاء کے معنی میں آتی ہے اور یہاں یہ بداہۃً ممنوع ہے جواب (۱) رحمت کا اطلاق جب اللہ تعالیٰ پر ہو تو اس سے قلب کے معنی کی تجرید کر لی جاتی ہے جیسا کہ گزرا (۲) فرشتوں کا استغفار حقیقۃً نبی کے لئے نہیں بلکہ ان کی گنہ گار امت کے لئے ہوتا ہے اور استغفار کو نبی کریم کی طرف اس لئے منسوب کیا گیا ہے کہ آپ نے گناہگار امتوں کو اپنے ساتھ لاحق فرمایا ہے جیسا کہ واقعۂ معراج اس کا بیّن ثبوت ہے کہ ربّ کائنات نے جب آپ کو سلام کیا تو آپ نے اَلسّلامُ علینا وعلیٰ عبادِ اللہِ الصّالحین کہہ کر گنہ گار امتوں کو اپنی چادرِ کرم میں شامل فرمالیا اور نیکوکار کو علیحدہ چھوڑ دیا (۳) علیٰ جب لفظ دعاء کا صلہ آئے تو بد دعاء کے معنی میں آتا ہے

Marfat.com

لیکن وہ یہاں لفظ دعار کا نہیں بلکہ اس کے دال یعنی صلوٰۃ کا صلہ ہے یا یہ کہ علیٰ نہ لفظ دعار کا صلہ ہے اور نہ صلوٰۃ کا بلکہ نازلۃٌ کا صلہ ہے جو صلوٰۃ کے بعد مقدر ہے اصل عبارت یہ ہے الصلوٰۃُ نازِلۃٌ علیٰ نبیہٖ۔ اس تقدیر پر قرینہ لفظ علیٰ ہے جو استعلاء۔ وفوق پر دال ہے اور نزول بھی فوق ہی سے ہوتا ہے۔ **سوال** یہ قرینہ صرف باری تعالیٰ کی صلوٰۃ پر تو ہو سکتا ہے لیکن اس کے علاوہ کی صلوٰۃ پر نہیں کیونکہ اس کے علاوہ کی صلوٰۃ میں اوپر سے نزول نہیں ہوتا **جواب** خدا کے علاوہ کی صلوٰۃ حقیقۃً خدا ہی کی صلوٰۃ ہوتی ہے یا یہ کہ صلوٰۃِ باری تعالیٰ کو اس کے غیر پر غالب قرار دے کر نازلۃ کو مقدر مانا گیا ہے۔

قولہ علیٰ نبیہٖ۔ نبیٌّ بروزن فعیلٌ صفت مشبہ ہے جس کا مصدر نباءٌ یا نَبُوءَۃٌ مہموز اللام ہے یا نبوٌ یا نَبُوَۃٌ ناقص واوی بتقدیر اول مصدر کا معنی اخبار ہے اور نبی کا معنی مخبر عن الغیب جیسا کہ المنجد میں ہے اَلنبیُّ المخبرُ عن الغیبِ اور نبی دراصل نبیئٌ بروزن فعیلٌ ہے جو خطیئۃٌ کے قاعدہ سے ہمزہ بدل کر یا رہ گیا پھر یا میں مدغم ہو گیا اور بتقدیر دوم مصدر کا معنی ارتفاع ہے اور نبی کا مرتفع بکسر فا اور بفتح فا لیکن پہلی صورت میں فعیل بمعنی فاعل یعنی بلند ہونے والا ہوگا اور دوسری صورت میں فعیل بمعنی مفعول یعنی بلند کیا ہوا۔ دونوں جائز ہیں۔

سرکار کے نام کو صراحۃً اس وہم کی وجہ سے بیان نہیں کیا گیا کہ صلوٰۃ میں آپ کے نام کو صراحۃً بیان کرنا ضروری ہے یا یہ کہ لفظ نبی دال علی الصفۃ ہے اور نام دال علی الذات اور دال علی الذات کے بیان کرنے میں ایہام سوء ادبی ہے جیسا کہ شاگرد اپنے استاد کو اوصاف سے پکارتے ہیں نام سے نہیں کہ سوء ادبی ہے **سوال** سوء ادبی کے ازالہ کے لئے لفظ نبی ہی کی کیا تخصیص ہے لفظ رسول کو کیوں نہیں بیان کیا گیا؟ **جواب** قرآن کریم کی اتباع مقصود ہے کہ اس میں سرکار کے لئے جو صلوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے لفظ نبی ہی مذکور ہے رسول نہیں جیسا کہ ارشاد ہے اِنَّ اللّٰہَ وملائکتہٗ یصلون علی النبیِّ یا یہا الذین آمنوا صلّوا علیہ وسلّموا تسلیما پس اس میں باطن کے ساتھ ظاہر پر بھی عمل ہو جائے گا۔ یا یہ کہ لولیہ کے ساتھ رعایت سجع مقصود ہے۔ یا یہ کہ نبی در رسول سے عام ہے کیونکہ نبی وہ برگزیدہ انسان ہے جو تبلیغ احکام کے لئے بندوں کی طرف بھیجا گیا ہو خواہ ان کے ساتھ کتاب ہو یا نہ ہو اور رسول وہ برگزیدہ انسان ہے جو تبلیغ احکام کے لئے بندوں کی طرف بھیجا گیا ہو اور ان کے ساتھ کتاب بھی ہو۔ لہٰذا رسول خاص ہوا اور نبی عام (تفصیل التشریح المنیب میں دیکھئے) اور سرکار جب وصف عام کی وجہ سے صلوٰۃ کا مستحق ہو سکتے ہیں تو وصف خاص کی وجہ سے بدرجۂ اولیٰ مستحق ہوں گے۔ **سوال** نبی، سرکار مدینہ کے علاوہ دوسرے بھی ہو سکتے ہیں لہٰذا

Marfat.com

صلوٰۃ سرکار کے ساتھ خاص نہ ہوئی حالانکہ مقصود یہاں صرف ان ہی کی ذات ہے **جواب** نبی کی اضافت ضمیر غائب کی طرف ہے جو معرفہ ہے اور معرفہ کی طرف اضافت سے چونکہ تعریف کا فائدہ ہوتا ہے اس لئے نبی سے صرف سرکار کی ذات ہی مراد ہے۔

سوال نبیہ میں ضمیر مجرور کا مرجع حمد ہے یا ولی اگر حمد ہے تو فساد معنی لازم آئے گا اس لئے کہ اس صورت میں اُس کا معنی ہوتا ہے حمد کا نبی اور ظاہر ہے حمد کا نبی نہیں ہوتا اور اگر ولی ہے تو انتشار ضمائر لازم آئے گا اس لئے کہ اس صورت میں اس کا مرجع ولی ہے اور لولیہ میں حمد اور انتشار ضمائر اور فساد معنی دونوں باطل ہیں **جواب** ضمیر مجرور کا مرجع ولی بھی ہو سکتا ہے اور حمد بھی لیکن ولی اس لئے کہ انتشار ضمائر ایک کلام میں ممنوع ہے اور یہاں دو کلام ہیں اور اگر مرجع حمد ہے تو فساد معنی لازم آئے گا کہ وہ اس کا مرجع بطور صنعت استخدام ہے اور وہ کہتے ہیں کہ لفظ کے اگر دو معنی ہوں تو ضمیر سے ایک جگہ ایک معنی مراد لیا جائے اور دوسری جگہ دوسرا معنی اور یہاں حمد کے چونکہ دو معنی ہیں ایک ثنا اور دوسرا محمود اس لئے لولیہ میں ضمیر سے پہلا معنی مراد لیا گیا اور نبیہ میں ضمیر سے دوسرا معنی جو بلاشبہ درست ہے۔

وعلیٰ اٰلہٖ وَاَصْحَابِہٖ الْمُتَأَدِّبِیْنَ بِآدَابِہٖ

ترجمہ:۔ اور ان کے آل واصحاب پر جو ان کے اخلاقی عادات کی اقتدا کرنے والے ہیں۔

تشریح:۔ **قولہ** وعلیٰ اٰلہٖ۔ آل پر صلوٰۃ سرکار کی حدیث پاک اذا صلیتم علیَّ فعمّوا کی وجہ سے ہے یعنی تم لوگ جب مجھ پر صلوٰۃ بھیجو تو عام کرو یعنی آل پر بھی بھیجو۔ اور یہاں علیٰ کے بیان کرنے کی اگرچہ ضرورت نہ تھی کہ تکرار سے اصالت صلوٰۃ کے ساتھ اختصار بھی فوت ہو جاتا ہے لیکن اس سے شیعہ کے اس مسلک کا رد کرنا ہے کہ سرکار اور ان کے آل کے درمیان علیٰ کے ذریعہ فصل کرنا ناجائز ہے۔ ان کی دلیل یہ کہ نبی کریم کا ارشاد ہے مَن فصلَ بینی وبینَ آلی بعلیٍ فقد جفانی یعنی جو میرے درمیان اور میرے آل کے درمیان علیٰ سے فصل کرے اس نے مجھ پر ظلم کیا۔ اہلسنت وجماعت اُس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ حدیث مذکور میں علی سے مراد لفظ علیٰ نہیں بلکہ مولی علی ہیں لہٰذا اب اس کا ترجمہ یہ ہوا کہ جو میرے اور میرے آل کے درمیان مولی علی کے ذریعہ فصل کرے یعنی مجھ کو اور

Marfat.com

میرے آل کو مانے اور مولیٰ علی کو نہ مانے اُس نے مجھ پر ظلم کیا۔

آل۔ بصریین کے نزدیک اصل میں اہل تھا۔ باخلاف قیاس ہمزہ ہوکر بقاعدۂ اُمن آل ہوگیا۔ اور کوفیین اس کی اصل اَوَلٌ کہتے ہیں جو قالَ کے قاعدہ سے آل ہوگیا ہے ہر ایک کی دلیل التشریح المنیب میں ملاحظہ کیجیے

آل سے کیا مراد ہے؟ اس کے متعلق چھ قول ہیں (۱) متبعین۔ حدیث میں ہے کلُّ مومنٍ تقیٍ فھُوَ من آلی اس کے قائل حضرت جابر بن عبداللہ اور ابوسفیان ثوری اور بعض اصحاب شافعیہ ہیں اور یہی قول امام نووی اور ازہری کے نزدیک راجح ہے (۲) بنو ہاشم اور بنو مطلب۔ اس کے قائل امام شافعی ہیں (۳) صرف بنو ہاشم۔ اس کے قائل امام اعظم اور بعض اصحاب مالکیہ ہیں (۴) اہل بیت کرام (۵) نبی کریم کی تمام ازواج مطہرات اور صاحبزادیاں اور داماد اور ان کی اولاد (۶) صرف نبی کریم کی اولاد۔

قولہ واصحابہ۔ اصحاب جمع ہے صاحب کی جیسے اطہار جمع ہے طاہر کی۔ بعض کا قول ہے کہ وہ صَحْب بسکون حار کی جمع ہے جیسے انہار جمع ہے نہر کی۔ بعض کا قول ہے کہ وہ صَحِبٌ بکسر حار کی جمع ہے جیسے انمار جمع ہے نمرٌ کی۔ تحقیق یہ ہے کہ اصحاب کا واحد صحب بسکون حار ہو یا بکسر حار دونوں اصل میں صاحب تھے جن سے الف برائے تخفیف ساقط ہوگیا ہے۔ کیونکہ جمع اگر افعال یا فواعل کے وزن پر ہو تو اس کا واحد اسم فاعل بغیر تاء ہوتا ہے جیسے کواہل کا واحد کاہل اور اطہار کا واحد طاہر ہے اسی طرح اصحاب کا واحد صاحب ہوتا ہے۔

اصحاب عام ہیں اور صحابہ خاص اور اصحاب رسول سے صحابہ ہی مراد ہوتے ہیں اور صحابہ وہ مومنین ہیں جنہوں نے بحالت ایمان نبی کریم کی صحبت گزاری اور اسی پر قائم رہے یہاں تک کہ خاتمہ اسی ایمان پر ہوا ہو۔ اس میں مومنین کی قید بمنزلۂ جنس ہے اور باقی بمنزلۂ فصول۔ صحبت کی قید سے وہ مومنین خارج ہوگئے جنہوں نے سرکار کی حیات طیبہ پائی لیکن صحبت سے محروم رہے ہوں اور ایمان کی قید سے وہ مومنین خارج ہوگئے جنہوں نے بحالت کفر نبی کریم کی صحبت پائی اور ان کے روپوش ہوجانے کے بعد ایمان نصیب ہوا ہو۔ اور ایمان پر قائم رہنے کی قید سے وہ مومنین خارج ہوگئے جنہوں نے ایمان کے ساتھ نبی کریم کی صحبت گزاری اور اسی پر اُن کا خاتمہ ہوا ہو۔ لیکن درمیان میں مرتد ہوگئے ہوں اور خاتمہ کی قید سے وہ بدنصیب خارج ہوگئے جنہوں نے نبی کریم کی صحبت گزاری لیکن خاتمہ کے وقت ایمان سے محروم ہوگئے ہوں۔

اس بیان سے آل و اصحاب کے درمیان نسبت بھی معلوم ہوگئی کہ آل معنی اول کے اعتبار سے عام ہے

Marfat.com

اور اصحاب خاص کیونکہ اس میں مادہ اجتماع کا پایا جاتا ہے اور دوسرا افتراق کا کیونکہ سیدنا ابوبکر صدیق پر آل و اصحاب دونوں صادق ہیں اس لئے کہ وہ سرکار کے متبع ہیں اور مجھ فقیر پور نوی پر آل صادق ہے اصحاب نہیں اور آل معنیٔ دوم کے اعتبار سے اصحاب سے عام وخاص من وجہ ہے کیونکہ اس میں ایک مادہ اجتماع کا ہوتا ہے اور دو مادے افتراق کے کیونکہ سیدنا مولیٰ علی وغیرہ پر آل و اصحاب دونوں صادق ہیں کیونکہ وہ بنوہاشم بھی ہیں اور اصحاب بھی اور ابوطالب وغیرہ آل یعنی بنوہاشم ہیں لیکن اصحاب نہیں اور سیدنا ابوہریرہ وغیرہ اصحاب ہیں لیکن آل یعنی بنوہاشم نہیں اور آل معنی سوم کے اعتبار سے بھی اصحاب سے عام وخاص من وجہ ہے جیسا کہ مثال گزری اور آل معنی چہارم کے اعتبار سے اصحاب سے عام وخاص مطلق ہے لیکن آل خاص ہے اور اصحاب عام اس لئے کہ سیدنا مولیٰ علی پر آل یعنی اہلبیت اور اصحاب دونوں صادق ہیں اور سیدنا امیر معاویہ وغیرہ پر اصحاب صادق ہے لیکن آل یعنی اہل بیت نہیں اور آل معنیٔ پنجم کے اعتبار سے اصحاب سے عام وخاص من وجہ ہے اس لئے کہ سیدنا مولیٰ علی اور سیدنا عثمان غنی پر آل یعنی داماد اور اصحاب دونوں صادق ہیں اور سیدنا مرشدنا سید شاہ عبدالشکور رسیوانی علیہ الرحمہ وغیرہ پر آل یعنی اولاد صادق ہے لیکن اصحاب نہیں اور سیدنا ابوذر غفاری وغیرہ پر اصحاب صادق ہے آل نہیں اور آل معنیٔ ششم کے اعتبار سے بھی عام وخاص من وجہ ہے اس لئے کہ سیدنا امام حسن و سیدنا امام حسین پر آل یعنی اولاد اور اصحاب دونوں صادق ہیں اور سیدنا سرکار غوث اعظم وغیرہ پر آل یعنی اولاد صادق ہے لیکن اصحاب نہیں اور سیدنا حنظلہ وغیرہ پر اصحاب صادق ہے آل نہیں۔

صرف پہلی صورت میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ آل جب عام ہے تو اس میں اصحاب داخل ہوئے پھر آل کے بعد اصحاب کے ذکر سے کیا فائدہ ہے؟ تو اس کا جواب یہ کہ عام کے بعد خاص کا ذکر فضیلت و بزرگی پر دلالت کرتا ہے قرآن کریم میں ہے حَافِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی۔ باقی پانچ صورتوں میں یہ سوال اس لئے نہیں ہو سکتا کہ چوتھی صورت کے علاوہ باقی چار صورتوں میں آل و اصحاب میں سے ہر ایک عام وخاص من وجہ ہونے کی وجہ سے من وجہ ایک دوسرے کا مغائر ہے اور چند متغائر شیٔ کا ذکر ممنوع نہیں اور چوتھی صورت آل خاص ہے اور اصحاب عام اور خاص کے بعد عام کے ذکر میں کوئی کلام نہیں۔

قولہ المتأدبین بآدابہ۔ متأدبین باب تفعّل کا اسم فاعل بمعنی اقتدا کرنے والے ہے مصباح میں ہے تأدّب بہ اقتدا کرنا۔ وہ آل و اصحاب میں سے ہر ایک کی صفت ہے یا دونوں کی بتقدیر اول جمع بفتح نون ہوگا اور

Marfat.com

بتقدیر دوم تثنیہ بکسر نون ہوگا۔

آداب جمع ہے ادب کی اور ادب کے معنی اچھی عادت ہے مصباح میں وہ اخلاقی ملکہ ہے جو ناشائستہ باتوں سے روکتا ہو اور اس کا اطلاق ہر قسم کے علوم و معارف یا ان کے دلچسپ حصے یا مخصوص قوانین پر بھی ہوتا ہے۔ مثلاً آداب المجلس و آداب الدرس کے معنی مجلس یا درس کے مخصوص قوانین ہیں سوال المتادبین جمع ہے اور جمع پر جب الف لام داخل ہو اور ارادہ بعض پر کوئی قرینہ خصوص نہ ہو تو عموم و استغراق کا فائدہ دیتا ہے جیسے نور الانوار میں ہے اذا کان دخولُ لامِ التعریفِ علی الجمعِ فثمرتہٗ عمومُہٗ لہٰذا اچھی عادت میں تمام صحابہ کا مساوی ہونا لازم آئے گا نیز آداب جمع ہے اور جمع جب مضاف ہو تو استغراق کا فائدہ دیتا ہے لہٰذا اصل عبارت یہ ہوگی کُلُّ فردٍ مِنْ اَفرادِ الاصحابِ متادّبٌ بجمیعِ آدابِ النبیِّ صلی اللہُ علیہ وسلّمَ یعنی افراد اصحاب میں سے ہر فرد نبی کریم کے تمام اخلاقی عادات کی اقتدا کرنے والا ہے اور ظاہر ہے ہر صحابی ایسا نہیں بلکہ بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے۔

جواب ابھی گزرا کہ متادّبین اسم فاعل ہے اور اسم فاعل پر جب الف لام داخل ہو تو بمعنی اَلّذی ہوتا ہے لہٰذا یہ اسمی ہے اور استغراق کا فائدہ الف لام حرفی دیتا ہے اور جمع کی اضافت یہاں استغراق کے لئے نہیں بلکہ جنس کیلئے ہے کہ وہ کبھی جنس کے لئے بھی ہوتی ہے جیسا کہ فقہ کی کتابوں میں کراھیۃُ الصلوٰۃِ میں کراہیۃ سے جنس کراہیت مراد ہے کہ نماز کی تمام مکروہات فقہ کی کسی کتاب میں نہیں۔

سوال ادب کا معنی اچھی عادت وصف و عرض ہے اور ایک عرض کا دو ذات میں پایا جانا محال ہے۔

جواب متادّب کا معنی جیسا کہ گزرا اقتدا کرنے والا ہے پس عبارت بالا کا معنی ہوا کہ صحابہ نبی کریم کے اخلاقی عادات کی اقتدا کرنے والے ہیں اُس کا معنی یہ نہیں کہ اخلاقی عادات سے صحابہ موصوف ہیں جیسا کہ بعض شارحین نے کیا ہے اس صورت میں محذور مذکور لازم آئے گا انہوں نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ آداب سے پہلے مثل محذوف ہے صحابہ مثل آداب سے موصوف ہیں عین آداب سے نہیں یا یہ کہ ادب سے مراد اس کی نوع ہے شخص نہیں اور یہ واقع ہے کہ عرض کی ایک نوع دو ذات میں پائی جاتی ہے۔

اَمَّا بَعْدُ

ترجمہ: ——— لیکن حمد و صلوۃ کے بعد

Marfat.com

تشریح:- قولہ اَمَّابعدُ۔ اَمّا حرف شرط ہے جس کی شرط وجوبی طور پر ہمیشہ محذوف ہوتی ہے اور اَمّا کے بعد اسم ہوتا ہے اور وہ اسم اگر ظرف ہو تو وہ مابعد فار کا معمول ہوتا ہے جیسے اَمَّا یومَ الجمعۃِ فزیدٌ منطلِقٌ میں یوم الجمعۃ منطلقٌ کا معمول ہے اور اگر ظرف نہیں تو وہ اسم مبتدا ہوتا ہے جس کی خبر وہ ہے جس پر فار جزائیہ داخل ہوتا ہے جیسے اَمّا زیدٌ فمنطلقٌ میں لہذا یہاں تقدیر عبارت مَهْمَا یکن مِن شئٍ بعد ذلک فهذہٖ ہے جو اصل میں مهما یکن من شئٍ فهذہٖ بعد ذٰلک تھا جس کی شرط محذوف ہونے کے بعد مهما یکن من شئٍ فهذہٖ بعد ذلک ہوا اور اس صورت میں حرف شرط و جزا کا ایک ساتھ اجتماع لازم آتا ہے اس لئے وسط میں بعد ذلک لایا گیا اور ذٰلک مضاف الیہ کو محذوف منوی مان کر بعد کو ضمہ پر مبنی قرار دیا گیا کہ نقصان کی تلافی کر سکے لہٰذا مهما بعدُ فهذہٖ ہوا پھر مہما کے ہا کو ہمزہ سے بدلنے اور اس کے قلب مکانی کرنے کے بعد اَمّا ہوا۔

اَمّا کے ذریعہ سب سے پہلے سیدنا داؤد علیہ السلام نے دو جملوں کے درمیان فصل کر کے کلام فرمایا تھا جیسا کہ ان کے متعلق قرآن کریم میں ہے وآتیناہُ الحکمۃَ وفصلَ الخطابِ کذا قال الشریح والشعبی وہ کبھی اجمال کی تفصیل کیلئے بھی آتا ہے جیسے جَارنی القومُ اَمّا زیدٌ فاکرمتہٗ وَاَمّا خالدٌ فاہنتہٗ میں اور کبھی استیناف کے لئے بھی آتا ہے جیسا کہ یہاں ہے۔

فهذہٖ فوائدُ وافیۃٌ

ترجمہ: پس یہ فوائد کافی ہیں

تشریح:- قولہ فهذہٖ۔ سوال ہا حرف تنبیہ ہے اور ذہٖ اسم اشارہ مونث ہے جس کا مشار الیہ بھی مونث ہوتی ہے اور یہاں اُس کا مشار الیہ کتاب ہے جو مذکر ہے لہٰذا اسم اشارہ مشار الیہ کے مطابق نہ ہوا جواب مشار الیہ کتاب نہیں بلکہ رسالہ ہے اور یہ مونث ہے سوال رسالہ چھوٹی کتاب کو کہا جاتا ہے اور یہ ضخیم ہے اور اگر اسے رسالہ فرض بھی کر لیا جائے تو وہ (۱) الفاظ مرتبہ کا نام ہے (۲) یا معانی مرتبہ کا (۳) یا نقوش مرتبہ کا (۴) یا الفاظ مرتبہ و نقوش مرتبہ کے مجموعہ کا (۵) یا الفاظ مرتبہ و نقوش مرتبہ کے مجموعہ کا (۶) یا معانی مرتبہ و نقوش مرتبہ کے مجموعہ کا (۷) یا الفاظ مرتبہ و معانی مرتبہ و نقوش مرتبہ کے مجموعہ کا کل باطل ہیں لیکن اول اس لئے کہ رسالہ

Marfat.com

یہاں مشار الیہ واقع ہے اور مشار الیہ محسوس و موجود فی الخارج ہوتا ہے اور الفاظ مرتبہ موجود فی الخارج نہیں اسیطرح دوم کہ وہ بھی موجود فی الخارج نہیں ہوتے لیکن سوم اس لئے کہ وہ اگرچہ خطبہ الحاقیہ ماننے کی تقدیر پر موجود فی الخارج ہوتے ہیں لیکن آنے والا قول بحل مشکلات الکافیہ اُس کے موافق نہیں اس لئے کہ حل معانی کا ہوتا ہے نقوش کا نہیں اسی طرح لفظ فوائد بھی اس کے موافق نہیں کہ وہ معانی ہوتے ہیں نقوش نہیں اور یہ تینوں مفرد تھے اور جب یہ باطل ہو گئے تو وہ بھی باطل ہو گیا جو ان سے مرکب ہے **جواب** رسالہ سے مراد یہاں وہ مضامین مرتبہ ہیں جو شارح کے ذہن میں حاضر و موجود ہیں خواہ خطبہ ابتدائیہ ہو یا الحاقیہ اور وہ چونکہ کشف و ظہور میں محسوس کے مشابہ ہیں اس لئے ان کو محسوس مان کر ان کی طرف اشارہ کیا گیا کہ شرح جامی کے مضامین شارح کے نزدیک محسوس کی طرح ظاہر و منکشف ہیں۔ واضح ہو کہ خطبہ کی دو قسمیں ہیں ایک ابتدائیہ دوسری الحاقیہ۔ ابتدائیہ وہ خطبہ ہے جو کتاب لکھنے سے پہلے لکھا گیا ہو اور الحاقیہ وہ خطبہ ہے جو کتاب لکھنے کے بعد لکھا گیا ہو۔

قولہ فوائد۔ یہ جمع ہے فائدۃٌ اسم فاعل کی اور وہ فید بروزن بیع سے مشتق ہے جو باب ضرب یضرب کا مصدر بمعنی ثابت ہونا ہے جیسے کہا جاتا ہے فادَ یفیدُ فیدًا اذا ثبتَ لہذا فائدۃ کا معنی ہوا الامرُ الثابتُ بعض کے نزدیک اس کا معنی ہے ما استفید من علمٍ او جاہٍ او مالٍ یعنی فائدہ ہر وہ علم یا مرتبہ یا مال ہے جو کسی سے حاصل کیا جائے اور معانی بھی چونکہ الفاظ سے حاصل کئے جاتے ہیں یا ان کے اندر موجود ہوتے ہیں اس لئے ان کو فوائد کہا جاتا ہے۔ اور فوائد مرفوع واقع ہے کہ وہ ذا مبتدا کی خبر ہے۔

قولہ وافیہ۔ یہ اسم فاعل فوائد کی صفت مرفوع ہے جو باب ضرب یضرب مشتق ہے اس کا مصدر وفیٌ ہے جو اصل میں وفوٌ بروزن فعولٌ تھا جو دُلیٌ کے قاعدہ سے وفیٌ ہوا جس کا معنی کامل ہونا ہے اور وافیہ کا معنی کاملہ ہے **سوال** اپنی شرح کو فوائد کاملہ کہنا خود ستائشی ہے جو درست نہیں **جواب** یہ خود ستائشی نہیں بلکہ اظہارِ حقیقت ہے جو جائز ہے قرآن کریم میں ہے وَاَمَّا بنعمۃِ ربّکَ فحدِّثْ یعنی اے محبوب آپ اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کیجئے اور یہ شرح بھی چونکہ رب کریم کی ایک عظیم نعمت ہے اس لئے طلبہ کو رغبت دلانے کے لئے یہ کہا گیا کہ یہ فوائد کاملہ یعنی کافی ہیں۔

Marfat.com

بحلِّ[1] مُشکلاتِ الکافیۃ[2]

ترجمہ:۔۔۔

للعلامۃ[1] المشتہر[2] فی المشارق والمغارب

ترجمہ:۔ یہ کتاب تصنیف ہے ایک بہت بڑے عالم کی جو مشارق و مغارب میں مشہور ہیں۔

تشریح:۔ قولہ[1] للعلامۃ۔ علامہ پر لام جارہ ہے جس کا متعلق محذوف ہے اصل عبارت یہ ہے الکائنۃ للعلامۃ یا کائنۃً للعلامۃ بتقدیر اول الکافیۃ موصوف ہے اور الکائنۃ صفت اور بتقدیر دوم الکافیۃ ذوالحال ہے اور کائنۃً حال اور ذوالحال اگرچہ فاعل یا مفعول نہیں لیکن مفعول کا مضاف الیہ ضرور ہے کیونکہ قاعدہ ہے مضاف الیہ کو اگر مضاف کی جگہ پر رکھا جائے اور معنی میں فساد نہ ہو تو مضاف الیہ سے حال واقع ہونا جائز ہے جیسا کہ رب قدیر کا فرمان ہے واتبعوا ملۃ ابراھیم حنیفاً میں حنیفاً ابراہیم سے حال واقع ہے حالانکہ فاعل یا مفعول نہیں لیکن جب اسکو ملۃ کی جگہ رکھ کر واتبعوا ابراھیم حنیفاً کہا جائے تو معنی میں فساد نہیں ہوتا اسی طرح الکافیۃ مضاف الیہ ہے مشکلات کا جو حل مصدر کا مفعول ہے اور الکافیۃ کو جب اس کی جگہ پر رکھ کر بحل الکافیۃ کہا جائے تو معنی میں کوئی فساد نہیں ہوتا لہذا اس کا بھی ذوالحال ہونا صحیح ہے۔

علامہ عالم کا مبالغہ ہے اور علامہ انسان کو تو کہا سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو نہیں کیونکہ اسکی تاء اگرچہ تانیث کیلئے نہیں لیکن اس کے مشابہ ضرور ہے اس توہم کی بنا پر اس کو علامہ نہیں کہا جاتا البتہ عالم یا علام کہا جاتا ہے قرآن کریم میں ہے عَالِمُ الغَیبِ وَالشَّھَادَۃِ وَعَلَّامُ الغُیُوبِ سوال اللہ تعالیٰ کے لئے جس طرح تانیث کے صیغے استعمال نہیں کرسکتے اسی طرح تذکیر کے بھی کہ یہ صفات حیوان ہیں جواب تذکیر و تانیث میں اصل چونکہ تذکیر ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَی النِّسَآءِ اور اللہ تعالیٰ کو الفاظ سے تعبیر کرنا ضروری ہے اس لئے اس کو تذکیر کے صیغے سے تعبیر کیا جاتا ہے اگرچہ حقیقۃً یہ بھی ممنوع ہے

قولہ[2] المشتہر فی المشارق والمغارب۔ مشتہر ہا کے کسرہ و فتحہ کے ساتھ باب افتعال کا اسم فاعل و اسم مفعول دونوں جائز ہیں۔ لازم و متعدی دونوں منقول ہیں۔ مصباح میں ہے اِشتہر الامر بمعنی مشہور ہونا و اشتہر الامر بمعنی مشہور کرنا اور یہاں لفظ مشتہر لایا گیا مشہور اس لئے نہیں کہ وہ ثلاثی مجرد ہے اور مشتہر ثلاثی مزید جو کثرت پر دال ہے کیونکہ کثرتِ لفظ کثرتِ معنی پر دال ہوتی ہے۔ اور وہ صفت ہے العلامۃ کی کیونکہ موصوف جب لفظاً مذکر ہو

Marfat.com

اور معنیٔ مونث یا اس کا برعکس توصفت کے ساتھ مطابقت ضروری نہیں۔

مشارق جمع ہے مشرق کی اور مغارب جمع ہے مغرب کی اور یہ جمع باعتبار مطالع ہے کہ ہر دن کا مشرق الگ الگ ہے اسی طرح ہر دن کا مغرب بھی اول جُدی سے اول سرطان تک یعنی اول قطب شمال سے اول قطب جنوب تک ایک سو بیاسی (۱۸۲) مطالع ہیں اسی طرح مغارب بھی۔ ۲۲ جون سے ۲۲ دسمبر تک آفتاب روزانہ جنوب کیطرف ہٹتا جاتا ہے اور ۲۲ دسمبر سے ۲۲ جون تک روزانہ شمال کی طرف ہٹتا جاتا ہے طلوع کے وقت بھی اور غروب کے وقت بھی۔ سورۂ رحمٰن میں جو ربُّ المشرقینِ والمغربینِ ہے اس میں تثنیہ باعتبار جدی وسرطان ہے لیکن دونوں جگہ خواہ مشارق ومغارب ہو یا مشرقین ومغربین اُن سے کنایۃً پوری روئے زمین مراد ہے کیونکہ پوری روئے زمین ان ہی دونوں کے درمیان واقع ہے۔

اَلشَّیخُ ابنُ الحَاجِبِ

ترجمہ: ——— وہ شیخ ابن حاجب ہیں۔

تشریح: ——— قولہ الشیخ۔ مرفوع ومنصوب ومجرور تینوں پڑھا جا سکتا ہے۔ مرفوع کی صورت میں مبتدا محذوف کی خبر ہوگا یعنی ہُوَ الشیخُ اور منصوب کی صورت میں اَعْنِی فعل مقدر کا مفعول بہ ہوگا یعنی اَعْنِی الشیخَ اور مجرور کی صورت میں العلامۃ سے بدل واقع ہوگا یا اس کا عطف بیان۔

شیخ بمعنی بوڑھا ہے جو باب ضربَ یضربُ شاخ یشیخُ شیخًا وشیوخۃً سے ماخوذ ہے لیکن یہاں اس سے مراد بمعنی مقتدا وپیشوا ہے جو علامہ ابن حاجب کو بطور تعظیم وتبجیل کہا گیا ہے۔ مصباح میں ہے شیخۃ تعظیم کیلئے یا شیخ کہہ کر پکارنا۔ شیختُ الرجلَ میں نے مرد کو تعظیم کے لئے شیخ کے لقب سے موصوف کیا۔ اور یہی اکثر شراح نے بھی مراد لیا ہے جیسا کہ مشہور ہے کہ آپ کا انتقال جوانی (۲۵ سال) کی عمر ہی میں ہوا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ آپ کی عمر پچہتر (۷۵) سال سے بھی زیادہ تھی جیسا کہ المنجد فی الادب میں ہے کہ ابن حاجب کی ولادت ۱۱۷۵ء میں اور وفات ۱۲۴۹ء میں ہوئی اس اعتبار سے شیخ کا اطلاق حقیقۃً ہوگا کیونکہ مراتب عمر چھ ہیں اول مرتبۂ طفولیت ہے جو امام اعظم کے نزدیک اول ولادت سے ڈھائی (۲½) سال تک کی عمر کو کہا جاتا ہے اور امام شافعی کے نزدیک اول ولادت سے دو (۲) سال

Marfat.com

تک کی عمر کو کہا جاتا ہے اور مرتبۂ جنین چھ ۶ ماہ سے دو ۲ سال تک اور مرتبۂ مراہقہ باختلاف روایت دو ۲ سال یا ڈھائی ۲½ سال سے پندرہ سال تک اور مرتبہ شباب پندرہ ۱۵ سال سے اکاون ۵۱ سال تک اور مرتبۂ شیخوخت اکاون ۵۱ سال سے اسی ۸۰ سال تک اور اس کے بعد کی عمر کو مرتبۂ کھول وہرم کہا جاتا ہے

قولہ ۲ ابن الحاجب۔ مصنف کا علم عثمان ہے اور شیخ اُن کا لقب اور ابن حاجب اُن کی کنیت ہے اور حاجب چونکہ بمعنی دربان ہے اور اُن کے والد اپنے دور کے شہنشاہ عزیزالدین موشک صلاحی کی دربانی کرتے تھے اس لئے مصنف ابن حاجب سے مشہور ہوئے۔ واضح ہو کہ نام وہ اسم ہے جس سے معین شئ سمجھی جائے اس کی چھ قسمیں ہیں (۱) علم (۲) لقب (۳) کنیت (۴) عرف (۵) تخلص (۶) خطاب۔ علَم تو ظاہر ہے جیسے زید و بکر وغیرہ اور لقب وہ نام ہے جو کسی اچھائی یا بُرائی سے پڑ گیا ہو جیسے سیدنا شاہ عبدالقادر تارا باڑوی علیہ الرحمہ کا نام شاہ صاحب پڑ گیا ہے اور کنیت وہ نام ہے جس کے شروع میں اب یا اُم یا ابن یا بنت ہو جیسے ابوبکر، ام حبیبہ، ابو محمد وغیرہ۔ عرف وہ نام ہے جو محبت کی وجہ سے بچپن میں پڑ گیا ہو جیسے گڈو وغیرہ اور تخلص وہ نام ہے جس کو شاعر اختصار کے لئے اپنے اشعار میں بیان کرتا ہے جیسے احقر کا تخلص شبیر اور سیدنا عبدالرحمٰن کا جامی ہے اور خطاب وہ نام ہے جو بڑے لوگوں کی طرف سے اعجاز میں دیا گیا ہو جیسے سرکار مصطفےٰ رضا خاں کو سیدنا صدالافاضل نے مفتیٔ اعظم ہند کا خطاب دیا ہے۔

تغمّدہٗ ۱ اللہُ بغُفرانہٖ واسکنہٗ ۲ بُحبُوحۃَ جِنانہٖ

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی مغفرت میں چھپالے اور اپنی جنتوں کے وسط میں بسالے۔

تشریح:۔ قولہ ۱ تغمدہٗ اللہ بغفرانہ۔ تغمّد باب تفعل کا فعل ماضی ہے جو دعا کیلئے آیا ہے اور صیغۂ ماضی جب دعا کے لئے آئے تو وہ مستقبل میں انشاء کا معنی دیتا ہے لہٰذا وہ بمعنی لیتغمد ہوا۔ سوال با چونکہ سبب کیلئے آتا ہے جیسا کہ کتبت بالقلم میں اور یہاں غفران پر با داخل ہے لہٰذا غفران سبب ہوا اور تغمد مسبب اور سبب، مسبب کا غیر ہوتا ہے اور یہاں متحد ہے کیونکہ تغمّد مصدر کا معنی جیسا کہ تاج اللغات میں ہے گناہ پوشیدن اور غفران کا معنی بھی گناہ پوشیدن ہے جواب با یہاں بمعنی فی ہے مصباح میں ہے تغمّدہٗ اللہ برحمتہٖ

Marfat.com

رحمت میں چھپالینا۔ رحمت کے سایہ میں رکھنا۔ اور اگر سبب کے لئے بھی تسلیم کرلیا جائے تو اس صورت میں تغمد عام ہوگا کہ گناہ پوشی محض فضل ربی سے ہو یا حسنات انسانی سے اور غفران خاص کہ وہ محض فضل ربی سے ہے کیونکہ وہ ضمیر کی طرف مضاف ہے جس سے تعریف مستفاد ہوتی ہے کافیہ میں ہے تفیدُ تعریفاً مع المعرفۃ۔

خیال رہے کہ مشبہ بول کر مشبہ بہ مراد لینے کو استعارہ بالکنایہ کہتے ہیں اور مشبہ بہ کے لوازم کو مشبہ کے لئے ثابت کرنے کو استعارہ تخییلیہ اور مشبہ بہ کے مناسب کو مشبہ کے لئے ثابت کرنے کو استعارہ ترشیحیہ کہتے ہیں جیسے مخالبُ المنیۃِ نَشبت بفلانٍ یعنی موت کے چنگل نے فلاں کو چبھو دیا۔ موت کو درندہ سے تشبیہ دینا استعارہ بالکنایہ ہے اور درندہ کے لازم چنگل کو موت کے لئے ثابت کرنا استعارہ تخییلیہ ہے اور چبھونا درندہ کے مناسب کو موت کے لئے ثابت کرنا استعارہ ترشیحیہ ہے۔ اسی طرح یہاں تغمدہٗ میں ضمیر منصوب سے مراد گناہ کو جسم سے تشبیہ دینا استعارہ بالکنایہ ہے اور جسم کے مناسب چھپانے کو گناہ کے لئے ثابت کرنا استعارہ ترشیحیہ ہے اور غفران کو لباس سے تشبیہ دینا استعارہ بالکنایہ ہے ہٰکذا فی العبارۃ الآتیۃ۔

قولہ اسکنہٗ بحبوحۃ جنانہٖ۔ اَسکنَ بمعنی بسانا مصباح میں ہے اَسکنہُ الدارَ کسی کو بود و باش کرانا بحبوحۃ منصوب مفعول فیہ ہے جو فُعْلولۃ کے وزن پر بحح یَبْحَحُ کا مصدر ہے جس کا معنی وسط ہے۔ با حرف جار نہیں بلکہ فاکلمہ ہے مصباح میں ہے تبحّحَ الدارَ گھر کے وسط میں ٹھہرنا۔ جنان بفتح جیم نہیں کہ وہ مفرد بمعنی قلب ہے جو یہاں درست نہیں بلکہ وہ بکسر جیم جمع ہے جنت کی اور جنت اس باغ کو کہتے ہیں جس کے درخت بوجہ کثرت کے زمین کو چھپالیں۔

سوال یہ جملہ دعائیہ ہے اور دعا ر عمدہ و اعلی سے کی جاتی ہے لہذا شارح کو اَسکنہُ اللہُ اعلی جِنانہٖ کہنا چاہئے تھا نہ کہ بحبوحۃ جنانہٖ جواب وسط یہاں بمعنی درمیان نہیں بلکہ اعلیٰ و عمدہ و پسندیدہ ہے چنانچہ کہا جاتا ہے اَلوسطُ مِن کلّ شیءٍ خیارُہٗ یعنی ہر شئ کا وسط وہ ہے جو اعلیٰ و عمدہ ہو خواہ درمیان میں ہو یا کنارے میں۔ اسی وجہ سے پروردگار عالم نے امت محمدیہ کو وسط امت فرمایا ہے حالانکہ وہ آخری اُمت ہے ارشاد گرامی ہے جعلناکم اُمۃً وسطاً یعنی اے امت محمدیہ ہم نے تم کو اعلیٰ و عمدہ امت بنایا ہے یا یہ کہ وسط بمعنی درمیان ہی ہے لیکن اس سے کنارہ کا مقابل مراد ہے معنی یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی تمام جنتوں کے درمیان میں بسائے نہ کہ کنارے میں مطلب یہ کہ جنت میں ان کو اس طرح داخل کیا جائے کہ درمیان میں پہونچ جائے

Marfat.com

کنارے میں نہ رہے۔

نظمتہا[1] فی سلکِ التقریرِ وسمطِ[2] التحریرِ

ترجمہ:۔ میں نے ان فوائد کو تقریر کے دھاگے اور تحریر کی لڑی میں پرو دیا ہے۔

تشریح:۔ قولہ[1] نظمتہا فی سلکِ التقریر۔ نظم کا معنی لغت میں دُر در رشتہ کشیدن یعنی موتی کو دھاگے میں پرونا اور سلک دھاگے کو کہا جاتا ہے اور تقریر سے مراد کلام فصیح و بلیغ ہے اور یہاں مفردات کلام کو موتی سے تشبیہ دی گئی ہے اور کلام کو سلک سے لہذا کلام جو مراد ہے تقریر سے مشبہ ہوا اور سلک مشبہ بہ اور مشبہ بہ کو مشبہ کی طرف مضاف کیا گیا ہے اصل عبارت یہ ہے نظمتُہا فی التقریرِ الذی ہُو کالسلکِ الذی فیہِ الحرزُ یعنی میں نے مفردات کلام کو ایسے فصیح و بلیغ کلام میں پرو دیا ہے جو اس لڑی کی مانند ہیں جس میں موتیاں پروئے ہوئے ہوں۔

قولہ[2] سمط التحریر۔ سمط کا معنی لڑی ہے جس میں مہرہ یا موتی پروئے ہوئے ہوں۔ تحریر وہ کلام ہے جو حشو و زوائد سے خالی ہو۔ مصباح میں ہے حرّرَ المعنی حشو و زوائد سے پاک کرنا۔ کلام مشبہ ہے اور لڑی مشبہ بہ یہاں بھی مشبہ بہ مشبہ کی طرف مضاف ہے اصل عبارت یہ ہے نظمتہا التحریرَ الذی ہُو کالسلکِ الذی فیہِ الحرزُ یعنی میں نے مفردات کلام کو ایسے کلام میں پرو دیا ہے جو اُس لڑی کی مانند ہیں جس میں موتیاں پروئے ہوئے ہوں۔ اس سے لفظ کی نفاست کی طرف اشارہ ہے جس طرح فوائد وافیہ سے معانی کی نفاست کی طرف اشارہ ہے۔

لِلوَلَدِ[1] العَزیزِ ضِیَاءِ الدّینِ یُوسُفَ[2]

ترجمہ:۔ اپنے عزیز بیٹے ضیاء الدین یوسف کے لئے

تشریح:۔ قولہ[1] للولد العزیز۔ یہ نظمتہا کے ساتھ متعلق ہے۔ عزیز کا معنی پیارا، گرامی، کریم مصباح میں ہے عزّ علیہ عزّاً کریم ہونا۔ ضیاء مجرور ہے اگر الولد کی صفت یا بدل یا عطف بیان قرار دیا جائے اور مرفوع ہے

Marfat.com

اگر ہُو مبتدا محذوف کی خبر مانی جائے اور منصوب ہے اگر اَعنی فعل مقدر کا مفعول بہ مانا جائے۔ اور ضیاء الدین اس کا لقب ہے جس سے یہ اشارہ ہے کہ کانَ ضِیَاءٌ یقتدیٰ بہ الیٰ الدین کما یقتدیٰ بضیاء البیت وسراجہ الیٰ البیتِ کما فی سوال باسُولی

قولہ یوسف۔ اس پر بھی تینوں اعراب آسکتا ہے جر آئے گا جبکہ ولد عزیز کا عطف بیان یا بدل ہو نصب آئے گا جبکہ اَعنی فعل مقدر کا مفعول بہ ہو اور رفع آئے گا جبکہ ہُو مبتدا محذوف کی خبر ہو لیکن تنوین کسی صورت میں نہیں آئے گی کیونکہ وہ غیر منصرف ہے جس میں ایک سبب معرفہ ہے اور دوسرا عجمہ۔

حَفِظَہُ اللّٰہُ سُبحَانَہٗ عن مُوجِبَاتِ التلَهُّفِ والتاسُّفِ

ترجمہ:۔ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ ان کو رنج و غم کے اسباب سے محفوظ رکھے۔

تشریح:۔ قولہ حفظہ اللہ۔ یہ بھی جملہ دعائیہ ہے حفظَ فعل ماضی بمعنی لیحفظ ہے۔ ضمیر منصوب کا مرجع ضیاء الدین ہے اور سبحان مضاف ہے اور ضمیر مجرور مضاف الیہ جس کا مرجع اسم جلالت ہے۔ مضاف، مضاف الیہ سے مل کر مفعول مطلق ہے جس کا فعل سَبَّحْتُ یا اُسَبِّحُ وجوبًا محذوف ہے سبحان اگرچہ باب فَتَحَ یَفْتَحُ کا مصدر معلوم ہوتا ہے لیکن وہ اس کا مصدر نہیں کیونکہ وہ اس صورت میں سونے، آرام کرنے، تیرنے کے معنی میں آتا ہے جو جناب باری تعالیٰ میں قطعًا جائز نہیں بلکہ وہ باب تفعیل کا اسم مصدر ہے جو عیوب سے پاکی بیان کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ سوال یہ معنی بھی اللہ تعالیٰ کے لئے جائز نہیں کیونکہ عیوب سے پاکی اس وقت بیان کی جاتی ہے جبکہ اُن سے اتصاف ممکن ہو ظاہر ہے اللہ تعالیٰ کا ان سے اتصاف ناممکن ہے جواب باب تفعیل کبھی ایجاد فعل کے لئے آتا ہے اور کبھی انتساب فعل کے لئے اور یہاں انتساب فعل کے لئے آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پاکی پہلے سے حاصل تھی متکلم نے اسی پاکی کو دوبارہ منسوب کر دیا۔

قولہ موجبات التلہُّفِ والتاسُّفِ۔ تلہّف و تاسّف دونوں مصدر ہیں باب تفعّل کے اور ایک دوسرے کے مترادف ہیں۔ مصباح میں ہے تلہّف علیہ غمگین ہونا، افسوس کرنا اور تاسّف افسوس کرنا خطبہ میں الفاظ مترادفہ کا استعمال ممنوع نہیں بلکہ حسن و عمدہ ہے۔ بعض علماء نے تلہف اس غم کو کہا ہے جو مطلوب

Marfat.com

کے فوت ہونے پر لاحق ہوتا ہے اور تاسف اس غم کو جو امر مکروہ کے نازل ہونے پر لاحق ہوتا ہے اور بعض نے تلہف اس اضطراب کو کہا ہے جو فعل حرام کے کرنے پر لاحق ہوتا ہے اور تاسف اس اضطراب کو جو فعل واجب کے چھوٹنے پر لاحق ہوتا ہے۔ موجبات سے مراد اسباب ہیں اور غم کے اسباب وہ کام ہیں جن کا کرنا یا چھوڑنا ضروری ہو مثلاً نماز و روزہ وغیرہ کرنا اور چوری و شراب نوشی وغیرہ نہ کرنا۔

لِاَنَّہٗ لِھٰذَا الْجَمْعِ وَالتَّالِیْفِ کَالْعِلَّۃِ الْغَائِیَّۃِ

ترجمہ :۔ کیونکہ ضیاء الدین یوسف اس جمع و تالیف کی علت غائیہ کی طرح ہیں۔

تشریح :۔ قولہ لِاَنَّہٗ۔ اس میں لام جارہ برائے تعلیل ہے جو اس دعوے کی علت بیان کرتا ہے جو ضیائیہ میں یار نسبتی سے پیدا ہے یعنی اس شرح کا نام فوائد ضیائیہ اس لئے رکھا گیا کہ وہ اس کی تالیف کی گویا علت ہے جیسا کہ مشہور ہے کہ وہ اپنے استاذ سے جب کافیہ پڑھ رہے تھے تو اپنے ساتھیوں کی طرح زود فہم نہ تھے اور استاذ کو انہیں کافی سمجھ نا پڑتا تھا ایک دن کسی مسئلہ میں الجھ گیا بار ہا سمجھایا گیا نہ سمجھ سکا تو استاذ نے جلال میں آکر کہا کہ تم کیا پڑھو گے اور کیا سمجھ گئے جبکہ تمہارے والد ہی دیوانے ہیں جو عشق و جوانی مثلاً زلیخا وغیرہ کتابیں لکھا کرتے ہیں۔ صاحبزادہ روتے ہوئے اپنے والد گرامی علامہ جامی علیہ الرحمہ کی خدمت مبارکہ میں حاضر ہوئے اور ساری حالات سے روشناس کرایا۔ علامہ نے فرمایا کہ کچھ دنوں رُک جاؤ اس کے بعد پھر مدرسہ جانا۔ ابھی کچھ ہی دن گزرے ہیں کہ کافیہ کی مکمل شرح تیار کر کے فرمایا کہ جاؤ اپنے استاذ سے کہو کہ وہ اسے دیکھ کر کافیہ پڑھایا کریں گے۔ صاحبزادے شرح کو استاذ کی خدمت میں پیش کر کے کہا کہ والد صاحب نے اسے دیکھ کر پڑھانے کو فرمائے ہیں۔ استاذ دیکھ کر دنگ پڑ گئے اور انتہائی کٹھن محسوس کرنے لگے علامہ کی بارگاہ میں معافی طلب کی اور تسہیل کے لئے کافی اصرار کیا آپ نے اُسے لیکر املی کے درخت کے سایہ میں بیٹھ کر تسہیل فرمایا پھر واپس کر دی اور آج جو شرح ہمارے درمیان ہے یہی تسہیل شدہ ہے خیال رہے کہ تسہیل کے لئے املی کے سایہ کا انتخاب اس لئے فرمایا کہ اس سے جودت ذہن میں کمی آجاتی ہے۔

قولہ الجمع والتالیف۔ جمع کا معنی اکٹھا کرنا ہے اور تالیف کا معنی مناسب طریقہ پر اکٹھا کرنا۔ شرح تہذیب میں ہے قد اعتبر فی الموتلف المناسبۃ بین اجزائہ لہٰذا جمع عام ہوا اور تالیف خاص اور عام کے بعد خاص کا ذکر

Marfat.com

جائز ہے بلکہ مستحسن ہے قرآن کریم میں حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسطٰى کیونکہ عام مبہم ہوتا ہے اور خاص اس کی تفسیر اور تفسیر بعد الابہام کو آکد والذ مانا گیا ہے۔

قولہ کالعلۃ الغائیۃ۔ شئ ممکن اپنے وجود میں جس کا محتاج ہو اس کو علت کہتے ہیں۔ اس کی چار قسمیں ہیں (۱) علت فاعلی (۲) علت مادی (۳) علت صوری (۴) علت غائی۔ علت فاعلی وہ ہے جو معلول کا موجد ہو جیسے بڑھی تپائی کے لئے۔ علت مادی وہ ہے جو معلول کا جزء ہو اور اس سے معلول کا وجود بالقوہ ہو جیسے لکڑی تپائی کے لئے۔ اور علت صوری وہ ہے جو معلول کا جزء ہو اور اس سے معلول کا وجود بالفعل ہو جیسے تپائی کی صورت اور علت غائی وہ ہے جو فاعل کے فعل کا باعث ہو جیسے کتاب کا رکھنا تپائی پر۔ پس فوائد ضیائیہ بھی ایک شئ ممکن ہے جس کے وجود کے لئے بھی چار علتوں کا ہونا ضروری ہے لہذا اس کی علت فاعلی علامہ جامی ہیں اور علت مادی وہ معانی ہیں جو اس شرح میں موجود ہیں اور علت صوری اُن معانی کی ہیئت ترکیبیہ ہے اور ضیاء الدین یوسف علت غائی ہے کہ ان ہی کی وجہ سے کتاب لکھی گئی ہے جیسا کہ گزرا۔ سوال ضیاء الدین جب علت غائی ہیں تو کالعلۃ الغائیۃ کیوں کہا گیا؟ علۃ غائیۃ کیوں نہیں؟ جواب علت فاعلی و علت مادی اپنے وجود معلول سے مطلقاً مقدم ہوتی ہیں لیکن علت غائی کا وجود ذہنی یعنی اس کا تصور وجود معلول سے مقدم ہوتا ہے لیکن وجود خارجی معلول سے موخر ہوتا ہے جیسے تپائی پر کتاب رکھنے کا تصور تپائی کے وجود سے پہلے ہوتا ہے اور کتاب رکھنے کا وجود تپائی بننے کے بعد ہوتا ہے اور یہاں ضیاء الدین کا تصور اور ان کا وجود دونوں وجود شرح سے پہلے ہیں لہذا صرف ایک جزء میں شریک ہونے کی وجہ سے علت غائیۃ کی مانند ہونے عین علت غائیہ نہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کاف زائد ہو جیسا کہ لیس کمثلہ شئ میں ہے۔

نفعہ اللہ تعالیٰ بہا وسائر المبتدئین من اصحاب التحصیل

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ ان کو اور تمام علوم عربیہ حاصل کرنے والے مبتدیوں کو ان فوائد ضیائیہ کے ذریعہ نفع بخشے۔

تشریح:۔ قولہ نفعہ اللہ۔ یہ جملہ بھی دعائیہ ہے پس نَفَعَ فعل ماضی بمعنی مستقبل یعنی ینفع ہے اور ضمیر منصوب کا مرجع ضیاء الدین اور بہا میں ضمیر مجرور کا مرجع فوائد ضیائیہ ہے۔ اور سائر اسم فاعل ہے جس کا مصدر سَیْر مہموز اللام ہے جو باب سَمِعَ یَسْمَعُ سے باقی کے معنی میں ہے مصباح میں ہے سائر الشئ چیز کا بقیہ اَلْمِثْلُ السَّائِرُ بقیہ کہاوت اور

Marfat.com

عرف میں بمعنی جمیع ہے اور اسی معنی کو کشاف نے اس مقام میں بیان کیا ہے جیسا کہ ملا عصام نے فرمایا قد استعملہ الکشّافُ فی ھذا المقامِ بمعنیٰ الجمیع بتقدیر اول ضیاء الدین کے لئے صرف ایکبار دعاء ہوتی ہے اور بتقدیر دوم ایکبار خاص ضیاء الدین کے لئے اور دوسری بار تمام مبتدئین کے زمرہ میں اس لئے دوسرا معنی زیادہ مناسب ہے ملا عصام نے فرمایا فالسّائرُ ھھنا بمعنی الجَمیع انفعُ للمدعوِّ لہٗ لِاَنّہٗ یتکرّرُ الدعاءُ فی حقّہٖ۔

قولہ المبتدئین من اصحاب التحصیل۔ مبتدئین جمع مذکر سالم ہے اس کا واحد مبتدی اسم فاعل ہے اور اس پر الف لام بمعنی الذی اسم موصول ہے اور وہ چونکہ مبہم ہے اس لئے مِنْ اَصْحَابِ التحصیل سے اس کا بیان لایا گیا کہ شروع کرنے والے اصحاب تحصیل سے ہوں اصحاب صنائع سے نہیں اور من جارہ جو برائے تبیین ہے اس کا متعلق کائنین مقدر ہے جو حال واقع ہے اور تحصیل کے اوپر الف لام مضاف الیہ کے عوض میں ہے اصل عبارت یہ ہے المبتدئین کائنین مِنْ اصحابِ تحصیلِ العلومِ العربیۃ اسی طرح آیت کریمہ فاجتنبوُا الرجسَ مِنَ الاَوْثانِ اصل میں فاجتنبوُا الرّجس کائناً مِن الاَوْثان ہے۔

وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ وَهُوَ حَسْبِيْ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ

ترجمہ:۔ اور میری توفیق اللہ تعالیٰ ہی سے ہے اور وہی میرا کافی اور بہترین کارساز ہے۔

تشریح:۔ قولہ وما توفیقی۔ تالیف چونکہ امور متعسرہ میں سے ہے اس لئے اس عبارت سے رب قدیر سے استعانت طلب کی گئی نیز فوائد وافیہ اور نظمتہا کے صیغے سے استعلار کا وہم ہوتا تھا اس لئے اس کے ازالہ کے لئے یہ کہا گیا کہ یہ سارے کارنامے میرے ذاتی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہیں۔ توفیق یہاں مصدر مجہول ہے جو مفعول مالم یسم فاعلہ کی طرف مضاف ہے معنی یہ ہے ماکونی موفّقًا الا باللہ۔ اصطلاح میں توفیق کا معنی ہے توجیہ الاسباب نحو المطلوب الخیر یعنی اسباب کو مطلوب خیر کی جانب متوجہ کرنا۔ بعض علماء نے مطلوب کو عام رکھا ہے خواہ خیر ہو یا شر لیکن یہ درست نہیں اس لئے کہ یہ فعل باری تعالیٰ ہے جو خیر کے لئے ہی ہوتا ہے شر کے لئے نہیں سوال توفیق جب فعل باری تعالیٰ ہے تو فعل کی اسناد فاعل کی طرف بواسطہ من ہوتی ہے جیسے الضوبُ صادرٌ مِن زیدٍ میں بواسطہ بار نہیں ہے کہ وہ وسائل پر داخل ہوتا ہے جیسے ضوبت بالخشبۃ میں جواب بار فاعل پر بھی داخل ہوتا ہے

Marfat.com

جیسے کفی باللہ شہیدًا میں اسم جلالت پر یا یہ کہ باء یہاں بمعنی مِنْ ہے۔

قولہ وہو حسبی۔ ہو کا مرجع اسم جلالت ہے اور حسب بفتح سین کا معنی خاندانی شرافت آباء واجداد کے مفاخر اور محسوب۔ عدد، اندازہ۔ مصباح میں ہے ہذا بحسب ذاك یہ اس کے موافق ہے واعمل علی حسب ما امرتك یعنی کرو اس کے موافق جیسا میں نے تم کو حکم دیا ہے اور حَسْب بسکون سین کا معنیٰ لاغیر ولیسَ غَیْرُ ہے لیکن یہاں بسکون سین بمعنی کافی ہونا مراد ہے۔ مصباح میں ہے حسبك درهمٌ اور باء کی زیادتی کے ساتھ بحسبك درهمٌ بھی کہا جاتا ہے یعنی تمہارے لئے ایک درہم کافی ہے اور حسب بسکون سین کبھی اسم فاعل کے معنی میں آتا ہے اور کبھی اسم مفعول کے معنی میں اور یہاں اسم فاعل بمعنی مُحْسِبٌ ہے جو مبتدا کی خبر واقع ہے اور وہ چونکہ یاء متکلم کی طرف مضاف ہے اس لئے اس کا رفع ضمۂ تقدیری ہے۔

قولہ ونعم الوکیلُ۔ نِعْمَ بکسر نون وسکون عین فعل مدح ہے جو اصل میں نَعِمَ بفتح نون وکسر عین تھا تخفیف کے واسطے عین کا کسرہ ماقبل کو دیکر عین کو ساکن رکھا گیا۔ الوکیل اس کا فاعل ہے۔ فعل مدح اپنے فاعل سے مل کر خبر ہوا جس کا مبتدا ھُوَ مخصوص بالمدح محذوف ہے۔ اگر نعم الوکیلُ کا عطف مجموعہ ھُوَ حَسْبِی پر ہو اور مذکور ہے اگر صرف حَسْبِیَ پر عطف ہو لیکن دونوں ہی صورت میں سوال وارد ہو سکتا ہے کہ بتقدیر اول عطف الانشاء علی الاخبار لازم آتا ہے کہ نِعْمَ الوکیلُ جملہ انشائیہ ہے اور ھُوَ حسبی خبریہ یہ باطل ہے اس لئے کہ جملہ خبریہ میں حکایت ہوتی ہے اور انشائیہ میں ایجادِ نالم یُوجَدْ ظاہر ہے دونوں میں کوئی مناسبت نہیں اور بتقدیر دوم عطف الجملۃ علی غیرِ الجملۃ لازم آتا ہے کہ نِعْمَ الوکیلُ جملہ ہے اور حسبی مضاف، مضاف الیہ سے مل کر مرکب اضافی۔ یہ بھی باطل ہے۔ جواب عطف ھُوَ حسبی پر بھی ہو سکتا ہے اور صرف حسبی پر بھی! ھُوَ حسبی پر اس لئے کہ وہ اگرچہ جملہ خبریہ ہے لیکن منقول ہو کر انشائیہ ہو گیا ہے جس طرح الحمدُ للہ میں ہے۔ لہذا انشائیہ کا عطف انشائیہ پر ہوا یا یہ کہ نِعْمَ الوکیلُ سے پہلے مقولٌ فِی حقہٖ محذوف ہے لہذا اخبار کا عطف اخبار پر ہوا لیکن صرف حسبی پر عطف اس لئے ہو سکتا ہے کہ غیر جملہ پر جملہ کا عطف جائز ہے جیسے آیت کریمہ خالِقُ الاصباحِ وَجعلَ اللیلَ میں خالِقُ الاصباحِ معطوف علیہ مرکب اضافی ہے اور جَعلَ اللَّیلَ معطوف جملہ ہے یا یہ کہ حَسْبِیَ یَحْسِبُنِی کے معنی کو متضمن ہے۔ لہذا جملہ کا عطف جملہ پر ہوا اس سے قطع نظر کہ اخبار ہے یا انشاء۔

Marfat.com

اِعْلَمْ[1] اَنَّ[2] الشَّیْخَ رحمہ اللہ تعالیٰ لَمْ یَصْدُرْ[3] رِسَالَتَہٗ ھٰذِہٖ بِحَمْدِ اللّٰہِ سبحانہٗ بِاَنْ[4] جَعَلَہٗ جُزْءًا مِنْھَا ھَضْمًا[5] لِنَفْسِہٖ

ترجمہ:۔ معلوم کیجئے کہ شیخ ابن حاجب علیہ الرحمہ نے اپنے اس رسالہ کافیہ کو حمد باری سبحانہ تعالیٰ سے اس طور پر شروع نہیں فرمایا کہ حمد کو اس رسالہ کا ایک جزء بنا دیں۔ اس کی وجہ کسر نفسی ہے۔

تشریح:۔ قولہ[1] اعلم۔ اس کا استعمال تین مقام پر ہوتا ہے اول جبکہ سلسلۂ کلام جاری ہو اور مخاطب میں بے توجہی پیدا ہو رہی ہو تو اس کے ذریعہ تنبیہ کی جائے دوم جبکہ متکلم اپنا کلام مکمل کر چکا ہو اور اسی سے متعلق کوئی بات بھول گیا ہو تو اس کے ذریعہ الگ سے اس کو بیان کرے سوم جبکہ سوال مقدر کا جواب دینا مقصود ہو اور یہاں یہی تیسرا مقام ہے جیسا کہ آنے والی عبارت اس پر دال ہے لیکن پہلا اس لئے نہیں کہ سلسلۂ کلام نعم الوکیل پر ختم ہو گیا ہے یہاں دوسری بات کا بیان ہے۔ پہلے حمد وصلوۃ وجہ تالیف کا ذکر تھا اور اب ترک حمد اور کلمہ وکلام کا بیان ہے اور دوسرا اس لئے نہیں کہ مَا بعد کا ذکر ما قبل میں سے نہیں کہ یہ اس کا غیر ہے۔

قولہ[2] ان الشیخ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ سلف صالحین اپنی کتابوں کے شروع میں حمد الٰہی کو جزء کتاب بناتے تھے لیکن مصنف علیہ الرحمہ نے اس کی مخالفت کیوں کی؟ حمد الٰہی کو کافیہ کا جزء کیوں نہیں بنائے؟ جواب یہ کہ جزء بنانے کی پابندی سلف صالحین سے ثابت نہیں کہ وہ عام مکتوبات ورقعات ومعمولی خطوط میں حمد الٰہی کو جزء بنانے کا التزام نہیں کرتے تھے بلکہ سرکار مدینہ بھی جو خطوط بادشاہوں کے نام ارسال فرماتے تھے ان میں حمد الٰہی کا جزء ہونا متحقق نہیں جیسا کہ ہرقل کے نام خط سے ظاہر ہے جو بخاری شریف جلد اول صفحہ ۵ پر مرقوم ہے۔ ملا عبد الحکیم حاشیہ خیالی پر لکھتے ہیں ذھب الشیخ ابن الحاجب الیٰ ان لفظ الحمد انما یحتاج الیہ فی الخطب دون الرسائل والوثائق۔ البتہ سلف صالحین کا یہ طریقہ ومعمول ضروری ہے کہ وہ اپنی عالیشان کتابوں کے شروع میں حمد الٰہی کو ان کا جزء بناتے تھے لیکن مصنف علیہ الرحمہ نے خیال کیا ہے کہ میں دنی الشان ہوں میری یہ کتاب کافیہ بھی مرتبہ میں سلف صالحین کی عالیشان کتابوں کی برابر نہیں اس لئے انہوں نے بر بنائے کسر نفسی حمد الٰہی کو جزء نہیں بنایا۔

Marfat.com

قولہ لم یصدر رسالتہ ہذہ۔ یصدر ماخوذ ہے تصدیر سے جو بمعنی شروع کرنا ہے۔ مصباح میں ہے صدّر الکتاب بکذا کتاب کو کسی چیز سے شروع کرنا۔ وہ نفی جحد بلم فعل معروف ہے جس کا فاعل ضمیر مستتر ہے جو راجع بسوئے الشیخ ہے اور رسالتہ مرکب اضافی موصوف ہے اور ہذہ اس کی صفت۔ موصوف اپنی صفت سے مل کر مفعول بہ ہے اس صفت سے یہ اشارہ کرنا مقصود ہے کہ صرف کافیہ مصنف کی ایسی کتاب ہے جسمیں حمد الٰہی کو اس کا جزء نہیں بنایا گیا ہے اس کے علاوہ دوسری کتابیں شافعیہ، مختصر الاصول، ایضاح وغیرہ میں جزء بنایا گیا ہے۔

قولہ جعلہ جزء منہا۔ بار جارہ کا متعلق لم یصدر فعل ہے اور جعلہ کی ضمیر منصوب کا مرجع حمد الٰہی ہے اور منہا کی ضمیر مجرور کا مرجع رسالہ ہے اس عبارت سے یہ بتانا مقصود ہے کہ کتاب کافیہ سے حمد الٰہی کی نفی بالکلیہ نہیں بلکہ صرف جزء کتاب ہونے میں ہے کیونکہ ممکن ہے زبان سے حمد بجالایا گیا ہو۔

قولہ ہضما لنفسہ۔ ضاد کے ساتھ ہضم اور صاد کے ساتھ ہصم دونوں کا معنی توڑنا ہے۔ مصباح میں ہے ناب ھَیصم ہر چیز کو توڑ دینے والا دانت ھیضم الشیٔ توڑنا یہاں اس کا معنی کسر نفسی ہے اس پر نصب اس لئے ہے کہ وہ لم یصدر کا مفعول لہٗ ہے اور مفعول لہٗ اپنے ناصب کی علت ہوتا ہے اور قید بھی اور نفی کا مرجع قید ہوتی ہے جیسے لم اضرب زیدًا اہانۃً لہٗ میں نفی اہانت کے ساتھ متعلق ہے جس کا معنی یہ ہے کہ میں نے زید کو مارا لیکن اہانت کے لئے نہیں اور کبھی نفی کا مرجع مطلق بھی ہوتا ہے جیسے لم اضرب زیدًا اکرامًا لہٗ میں جس کا معنی یہ ہے کہ میں نے زید کو اس کی تعظیم وتکریم کی وجہ سے نہیں مارا یہ معنی ہرگز نہیں کہ میں نے زید کو مارا لیکن اس کی تعظیم وتکریم کی وجہ سے نہیں اور یہاں نفی کا مرجع یہی مطلق ہے جس کا معنی یہ ہے کہ مصنف علیہ الرحمہ نے حمد الٰہی کو کسر نفسی کی وجہ سے جزء کتاب نہیں بنایا اس کا معنی یہ ہرگز نہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ نے حمد الٰہی کو جزء کتاب بنایا لیکن کسر نفسی کی وجہ سے نہیں۔

بتخیّلِ اَنّ کتابہٗ ھٰذا مِنْ حیثُ انہ کتابہٗ لیس ککُتُبِ السَّلَفِ رَحِمَھُمُ اللّٰہُ تعالیٰ حتی یُصدّر بہٖ علیٰ سننھا

ترجمہ:۔ اس خیال سے کہ یہ ان کی کتاب ہے اس حیثیت سے کہ ان کی کتاب ہے سلف صالحین

Marfat.com

کی کتابوں کی طرح نہیں یہاں تک کہ اس کتاب کو ان کے طریقے پر حمد الٰہی سے شروع کیا جائے۔

تشریح: ـــــ **قولہ**[1] بتخئیل ان کتابہٗ۔ تخئیل پر بار جارہ ظرف مستقر ہے اس کا متعلق متلبساً محذوف ہے اصل عبارت یہ ہے ہضماً لنفسہٖ متلبساً بتخئیل اَنّ کتابہٗ اس عبارت سے اس سوال کا جواب دیا گیا ہے کہ حمد الٰہی کو جزء کتاب بنانا عبادت ہے اور کسر نفسی عبادت کرنے میں ہے چھوڑنے میں نہیں کہ عبادت غایت تذلل کا نام ہے کما فی شیخ زادہ للبیضاوی۔ جواب یہ کہ حمد الٰہی کو جزء کتاب نہ بنانے کی علت صرف کسر نفسی ہی نہیں بلکہ کسر شان کتاب کا خیال بھی ہے مطلب یہ کہ حمد الٰہی کو جزء کتاب بنانا بے شک عبادت ہے لیکن اس میں صرف ایک جہت سے تذلل ہے کہ حامد اپنے کو ذلیل سمجھ کر حمد الٰہی کو جزء کتاب بنائے لیکن جزء کتاب نہ بنانے میں دو جہت سے تذلل ہے ایک یہ کہ حامد اپنے کو ذلیل سمجھ کر کتاب کے شروع میں حمد الٰہی کو بجالایا اور دوسری یہ کہ حامد نے یہ خیال کیا کہ میں دنی الشان ہوں میری یہ کتاب کافیہ بھی سلف صالحین کی عالیشان کتابوں کی طرح رفیع الشان نہیں۔

قولہ[2] مِنْ حیثُ۔ یہ اس سوال کے جواب کی طرف اشارہ ہے کہ کافیہ سلف کی کتابوں سے عمدہ ہے کہ اس میں ایسے قواعد جامعہ و نکت لطیفہ اور تہذیب و ترتیب ہیں کہ جو سلف کی کتابوں میں کم دیکھا گیا ہے۔ جواب یہ کہ یہ اگرچہ سلف کی کتابوں سے عمدہ ہے لیکن یہ خیال کرتے ہوئے کہ یہ ابن حاجب کی کتاب ہے کیونکہ رفیع الشان کی طرف نسبت کرنیوالی شئ ارفع ہوتی ہے اور دنی الشان کی طرف نسبت کرنیوالی شئ ادنی ہوتی ہے اور ابن حاجب نے چونکہ خود کو دنی الشان تصور کیا ہے لہٰذا ان کی یہ کتاب بھی اَدْنیٰ ہوئی اس لئے حمد الٰہی کو جزء کتاب نہیں بنایا گیا کہ وہ رفیع الشان کتاب میں جزء بنایا جاتا ہے خیال رہے کہ مصنف کی کتاب مشبہ ہے اور سلف کی کتاب مشبہ بہ اور جب مشبہ میں حیثیت کا ذکر ہے تو مشبہ بہ میں بھی اس کو یوں بیان کرنا چاہئے مِن حیث اَنّہٗ کتابہٗ لَیس ککتب السَّلفِ مِن حیث اَنّھا کتبھُمْ لیکن اس کو تکرار کی وجہ سے بیان نہیں کیا گیا کہ مشبہ میں حیثیت کا ذکر اس کے لئے کافی ہے۔

قولہ[3] حتی یصدر بہ۔ حتی حرف عطف ہے یا حرف جار اگر حرف جار ہے تو فعل پر حرف جار کا دخول لازم آئے گا حالانکہ وہ اسم پر داخل ہوتا ہے اور اگر حرف عطف ہے تو اس کا معطوف علیہ کون ہے۔ شق اول کو اختیار کر کے یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ وہ حرف عطف ہے جس کا معطوف علیہ شرط محذوف کی جزا محذوف ہے اصل عبارت یہ ہے اِنْ کان کتابہٗ ککتب السَّلفِ فیُعمَلَ فیہ مَا عمِل فیھَا حتّی یُصدَّر بہ علیٰ

Marfat.com

سُنَنِہا یعنی مصنف کی کتاب اگر سلف کی کتابوں کی طرح ہوتی تو اس کتاب میں وہ عمل کیا جاتا جو سلف کی کتابوں میں کیا گیا ہے یہاں تک کہ اس کتاب کو سلف کی کتابوں کے طریقہ پر حمد الٰہی سے شروع کیا جاتا۔

قولہ علیٰ سننہا۔ سنن بفتحتین واحد ہے جس کا معنی طریقہ ہے مصباح میں ہے استقامَ فلان علیٰ سننٍ واحدٍ فلاں ایک ہی طریقہ پر قائم رہا اَمضِ علیٰ سُنَّتِكَ تم اپنے طریقہ پر چلے چلو۔ اور سنن بضم سین و فتح نون جمع ہے سُنّۃ کی جو بمعنی طریقہ ہی ہے لیکن یہ یہاں مناسب نہیں کہ سلف صالحین کی کتابوں کے متعدد طریقے نہیں بلکہ ایک ہی طریقہ ہے وہ حمد الٰہی کا جزء کتاب ہونا۔ اور سنن بکسر سین و فتح نون۔ سُنن بضم سین و فتح نون سُنُن بضمتین بمعنی کشادہ راستہ مصباح میں ہے والسِنَن والسُنن والسُنُن من الطریق کشادہ راستہ۔ بڑا راستہ۔ ظاہر ہے یہ معنی یہاں درست نہیں۔

وَلَا یَلْزَمُ مِنْ ذٰلِكَ عدمُ الابتداءِ بہٖ مطلقًا حتّٰی یکونَ بترکہا اقطعُ لجوازِ اتیانہٖ بالحمدِ مِنْ غَیْرِ اَنْ یجعلَہٗ جزءًا مِنْ کتابہٖ

ترجمہ:۔ اور حمد کو جزء کتاب نہ بنانے سے مطلقاً عدم ابتداء بالحمد لازم نہیں آتی یہاں تک کہ اسکے چھوڑ دینے سے کتاب بے برکت ہو جائے۔ کیونکہ جائز ہے مصنف علیہ الرحمہ حمد کو جزء کتاب بنائے بغیر بھی بجالائے ہوں۔

تشریح:۔ قولہ ولا یلزم۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ حمد الٰہی کو کسر نفسی کی وجہ سے جزء کتاب نہیں بنایا گیا تو اس حدیث پاک کا کیا ہوگا جس میں فرمایا گیا کہ ترک حمد سے برکت جاتی رہتی ہے ارشاد ہے کلُّ اَمرٍ ذی بَالٍ لم یبدأ بحمد اللہِ فھوَ اقطعُ جواب یہ کہ حدیث میں بدأت بالحمد مطلق ہے کہ جزء بنا کر حمد کی جائے یا جزء بنائے بغیر کی جائے کیونکہ امر ذی شان قول کے ساتھ خاص نہیں بلکہ وہ مطلق ہے کہ قول ہو یا عمل جیسے وضو امر ذی شان ہے جو عمل ہے قول نہیں اور ظاہر ہے حمد الٰہی اس کا جزء نہیں ہو سکتی اور جب امر ذی شان مطلق ہوا تو بدارت بالحمد بھی مطلق ہوئی کہ جزء بنا کر ہو یا جزء بنا کر نہ ہو اور یہ دونوں ایک دوسرے کے متبائن ہوئے اور ایک متبائن کا انتفاء دوسرے متبائن کے انتفاء کو مستلزم نہیں پس جزء بنا کر حمد نہ کرنے سے یہ لازم نہ آیا کہ جزء بنائے بغیر

Marfat.com

بھی حمد نہ کی ہو تاکہ حمد کا بالکلیہ ترک لازم آئے اور حدیث کی مخالفت کا الزام عائد ہو۔ سوال جس طرح ایک متبائن کا انتفاء دوسرے متبائن کے انتفا کو مستلزم نہیں اسی طرح اس کے وجود کو بھی مستلزم نہیں پھر یہ کیسے معلوم ہوا کہ مصنف شروع کتاب میں حمد بیان کیا تھا جس سے حدیث کی مخالفت لازم نہ آئے۔ جواب سرکار کا ارشاد ہے ظُنُّوا المؤمنینَ خیرًا یعنی مومنوں کے ساتھ اچھا گمان کرو اور ایسے مقتدر عالم دین کے متعلق کہ جن کی کتاب کافیہ اہل علم کے نزدیک بے حد مقبول ہے یہی گمان کیا جائے گا کہ انہوں نے شروع کتاب میں حمد بیان کی تھی کیونکہ عام انسان سے بھی بدگمانی جائز نہیں حدیث کا ارشاد ہے وَایّاکَ وَالظّنَّ فَاِنَّ الظّنَّ اکذبُ الحدیثِ سوال حمد الٰہی کی طرح تسمیہ کو بھی جزء کتاب نہیں بنانا چاہئے تھا کیونکہ اس کے متعلق جو حدیث کلُّ امرٍ ذی بالٍ لم یُبْدَ أبِبسمِ اللّٰہِ فھوَ اقطعُ مذکور ہے اس میں بھی بداءت مطلق ہے۔ جواب تسمیہ کا جزء کتاب ہونے پر دوسری حدیث پاک سے تنصیص موجود ہے وہ حدیث یہ ہے اِلّا مَن کتبَ منکم کتابًا فلیکتُبْ فی اوّلہٖ بسمِ اللّٰہ الرّحمٰنِ الرّحیم یعنی خبردار ہو جاؤ کہ جو شخص تم لوگوں میں سے کوئی کتاب لکھے۔ تو چاہئے کہ وہ اس کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھے۔

قولہ حتّٰی یکون بترکہ۔ یہ حتّٰی بھی حرف عطف ہے جس کا معطوف علیہ شرط محذوف کی جزاء محذوف ہے اصل عبارت یہ ہے وَاِنْ لزِمَ عدمُ الابتداءِ مطلقًا فیکون مخالفًا مِنَ الحدیثِ حتّٰی یکونَ بترکہ اقطعُ یعنی اگر مطلقًا عدم ابتداء لازم آئے تو حدیث کی مخالفت ہوتی یہاں تک کہ اس کے ترک سے کتاب بے برکت ہو جاتی۔ اور لجوازِ اتیانہ دلیل ہے وَلا یلزمُ کی جس کا حاصل ظاہر ہے۔

وبدأ أبتعریفِ الکلمۃِ والکلامِ لانّہٗ یبحثُ فی ھٰذا الکتابِ عَنْ احوالِھما فمتٰی لم یُعرَفا کیفَ یُبحثُ عَن احوالِھما

ترجمہ:— اور مصنف علیہ الرحمہ نے کتاب کافیہ کو کلمہ و کلام کی تعریف سے شروع فرمایا کیونکہ وہ اس کتاب میں ان ہی دونوں کے احوال سے بحث کریں گے تو جب تک ان دونوں کی تعریف بیان نہ کی جائے تو دونوں کے احوال سے بحث کیسے کی جائے گی۔

تشریح:— قولہ بدأ بتعریف۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ علم نحو میں مقصود اس کے موضوع یعنی کلمہ و

Marfat.com

کلام کے احوال کو بیان کرنا ہے اور یہاں ان دونوں کی تعریف بیان کی گئی ہے جو مقصود سے خارج ہے۔
جواب یہ کہ کلمہ وکلام کے احوال کو سمجھنا ان دونوں کی تعریف لکھنے پر موقوف ہے کہ تعریف لکھے بغیر مخاطب کو
ان دونوں کی معرفت نہیں ہوسکتی اور نہ ان دونوں کے احوال جانے جاسکتے اور مقصود جس چیز پر موقوف ہو
وہ بھی مقصود سے ہوتی ہے اس لئے پہلے کلمہ وکلام کی تعریف بیان کی گئی سوال علم نحو میں مقصود مرکب توصیفی و
اضافی وامتزاجی، تعدادی وصوتی کے احوال کو بھی بیان کرنا ہے کہ اس علم میں ان کے احوال سے بھی بحث کی جاتی
ہے۔ جواب ان سے بحث کرنا حقیقۃً کلمہ ہی سے بحث کرنا ہے اس لئے کہ ان مرکبات سے بحث دونوں جزء کے
معرب ہونے کی حیثیت سے ہوتی ہے یا مبنی ہونے کی حیثیت سے یا ایک جزء کے معرب ہونے اور دوسرے
جزء کے مبنی ہونے کی حیثیت سے اور کلام سے بحث کرنا بھی اگرچہ حقیقۃً کلمہ ہی سے بحث کرنا ہے لیکن جبکہ اس کے
اجزاء کے اعتبار سے ہو کہ دونوں جزء معرب ہیں یا دونوں مبنی یا ایک جزء معرب ہے اور دوسرا مبنی لیکن جب
بحث مجموع من حیث المجموع کے اعتبار سے ہو تو نہیں مثلاً یہ بحث ہو کہ خبر جملہ ہو تو اس میں عائد کا ہونا ضروری ہے
اور جملہ جب حال ہو اور وہ اسمیہ ہو تو وہ واؤ اور ضمیر دونوں کے ساتھ ہوگا یا صرف واؤ یا صرف ضمیر کے ساتھ
وغیرہ وغیرہ۔

سوال علم نحو کا موضوع کلمہ اور کلام متعدد ہیں اور تعدد موضوع سے چونکہ تعدد علم ہوتا ہے
لہٰذا علم نحو متعدد علم ہوا حالانکہ وہ ایک علم ہے جواب اس کے دو ہیں ایک الزامی اور دوسرا تسلیمی الزامی یہ کہ
تعدد موضوع سے اگر تعدد علم ہو تو اصول فقہ کے موضوع چار ہیں۔ کتاب سنت، اجماعِ امت۔ قیاس اور منطق کے
موضوع دو ہیں معرف وحجت حالانکہ دونوں میں سے کوئی متعدد نہیں۔ تسلیمی یہ کہ تعدد موضوع سے تعدد علم
اس وقت ہوتا ہے جبکہ موضوعات میں بحث کی جہت مختلف ہو اور جب ایک ہو تو لازم نہیں آتا جیسے علم فقہ کے
موضوع افعال مکلفین اور علم طب کے موضوع جسم حیوانی میں بحث کی جہت مختلف ہے اول میں جہت حلت و
حرمت اور دوم میں جہت صحت و مرض لہٰذا دونوں الگ الگ علم ہوئے اور اصول فقہ کے موضوع کتاب وسنت و
اجماع وقیاس میں صرف ایک جہت من حیث الاستنباط والاستخراج ہے اس لئے وہ ایک علم ہے۔ منطق کے
موضوع معرف وحجت میں بھی صرف ایک جہت یعنی من حیث الایصال ہے اس لئے وہ ایک علم ہے اسی طرح یہاں
کلمہ وکلام میں بھی صرف ایک جہت اور وہ ہے من حیث الاعراب والبناء وکیفیۃ ترکیب بعض مع بعض۔ خیال رہے کہ

Marfat.com

موضوعات میں جو حیثیت ہوتی ہے اس سے مراد تعلیلیہ للبحث ہے اور تقئیدیہ فی نظر باحث تفصیل التشریح المنیب میں دیکھئے۔

قولہ[۲] فمتی لم یُعرفا۔ اس مقام پر کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ کلمہ وکلام کے احوال جو ان دونوں کی تعریف لکھنے پر موقوف ہے تعریف سے کیا مراد ہے؟ تعریف برسمہ ہے یا بوجہ ما اگر برسمہ ہے تو ملازمہ درست نہیں اس لئے کہ احوال سے بحث کرنا تعریف برسمہ پر نہیں بلکہ بوجہ ما پر موقوف ہے اور اگر مراد تعریف بوجہ ما ہے تو تقریب تام نہیں اس لئے کہ دعویٰ تعریف بوجہ ما کا ہے اور دلیل میں تعریف برسمہ پیش کی گئی ہے اس کا جواب یہ کہ تعریف برسمہ بھی مراد ہوتی ہے اور بوجہ ما بھی لیکن برسمہ اس لئے کہ بصیرت کے طور پر احوال سے بحث کرنا مراد ہے اور یہ تعریف برسمہ پر موقوف ہے اور تعریف بوجہ ما اس لئے کہ تعریف برسمہ، تعریف بوجہ ما کا ایک فرد ہے کیونکہ تعریف بوجہ ما کہتے ہیں کسی نہ کسی طریقہ سے جانی جائے اور کسی نہ کسی طریقہ سے جاننے میں مکمل جاننا بھی داخل ہے جس کو تعریف برسمہ شامل ہے۔ اور تعریف بوجہ ما اگرچہ اَلکلِمۃُ کے لام تعریف سے بھی حاصل ہوتی ہے لیکن معلم مفکر کے لئے! متعلم کے لئے نہیں!!

وَقَدَّمَ[۱] الکلِمۃَ علیٰ الکلامِ لِکونِ اَفرادِھا جُزءً مِنْ اَفرادِ الکلامِ وَمفھومھا جُزءً مِنْ مَفھُومِہٖ

ترجمہ:۔۔۔ اور مصنف علیہ الرحمہ نے کلمہ کو کلام پر مقدم فرمایا اس کی وجہ یہ کہ کلمہ کے افراد کلام کے افراد کا جزء ہیں اور کلمہ کا مفہوم کلام کے مفہوم کا جزء ہے۔

تشریح:۔۔۔ قولہ[۱] قدّمَ الکلمۃَ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ کلام، کلمہ سے افضل ہے کیونکہ کلام سے مخاطب کو فائدہ تامہ حاصل ہوتا ہے۔ کسی چیز کی خبر معلوم ہوتی ہے یا طلب، کلمہ سے نہیں لہٰذا کلام کو کلمہ پر مقدم کرنا چاہئے۔ جواب یہ کہ افراد کلمہ افراد کلام کا جزء ہے کیونکہ زیدٌ قائمٌ کلام کا ایک فرد ہے جس کا ایک جزء زیدٌ اور دوسرا قائمٌ کلمہ کے فرد ہیں اسی طرح مفہومِ کلمہ مفہوم کلام کا جزء ہے اس لئے کہ کلمہ کا مفہوم لفظٌ وَضع لمعنی مفردٌ ہے اور کلام کا ما تضمّن کلمتینِ بالاسناد جس کے معنی ہیں ما تضمّن لفظینِ موضوعَینِ بالاسنادِ

Marfat.com

اور چونکہ وجودِ جزء وجود کل پر اور تصور جزء تصور کل پر طبعًا مقدم ہوتا ہے لہذا کلمہ کو کلام پر تقدم طبعی حاصل ہوا اس لئے اس کو وضع یعنی ذکر میں بھی مقدم کیا گیا تاکہ وضع موافق طبع ہو جائے۔

خیال رہے کہ تقدم طبعی وہ ہے کہ دو شئ میں سے ایک دوسرے پر موقوف ہو لیکن موقوف علیہ کے وجود سے موقوف کا وجود لازم نہ ہو جیسے دو کے لئے ایک موقوف علیہ ہے لیکن ایک کے وجود سے دو کا وجود ضروری نہیں اور تقدم وضعی جس کو تقدم رتبی بھی کہتے ہیں وہ ہے کہ دو شئ میں سے ایک شئ کو دوسری شئ کی بہ نسبت کسی تیسری شئ سے زیادہ قرب حاصل ہو جیسے صف اول کو صف ثانی کی بہ نسبت محراب سے قرب حاصل ہے۔ تقدم کی مزید تین قسمیں بھی ہیں۔ تقدم زمانی، تقدم علّی تقدم شرفی بدایۃ الحکمۃ میں دیکھئے۔

سوال افرادہا اور مفہومہا میں ضمیر مجرور کا مرجع لفظ کلمہ ہے یا مفہوم کلمہ یا دونوں، ہر ایک باطل ہے لیکن مفہوم کلمہ اس لئے کہ افراد کی اضافت مفہوم کی طرف اگرچہ صحیح ہے کہ افراد مفہوم ہی کے ہوتے ہیں لیکن ضمیر و مرجع کے درمیان مطابقت نہ ہوگی کہ ضمیر مؤنث ہے اور مرجع مذکر نیز مفہوم کی اضافت ضمیر کی طرف درست نہ ہوگی کہ مفہوم کا مفہوم ہونا لازم آتا ہے جو باطل ہے اور مرجع کا لفظ کلمہ ہونا اس لئے باطل ہے کہ مفہوم کی اضافت ضمیر کی طرف اگرچہ صحیح ہے کیوں کہ ضمیر و مرجع میں مطابقت موجود ہے لیکن افراد کی اضافت ضمیر کیطرف صحیح نہ ہوگی کہ افراد مفہوم کلمہ کے ہوتے ہیں لفظ کلمہ کے نہیں اور مرجع دونوں ہونا اس لئے باطل ہے کہ ضمیر و مرجع کے درمیان مطابقت نہیں۔ جواب شارح کا یہ کلام بطور صنعت استخدام ہے کہ کلمہ کی دو حیثیتیں ہیں ایک باعتبار لفظ اور دوسرا باعتبار مفہوم۔ ضمیر کی طرف افراد کی اضافت باعتبار مفہوم ہے اور اس کی طرف مفہوم کی اضافت باعتبار لفظ ہے۔

فقالَ[1] الكلمةُ قيلَ[2] هِيَ والكلامُ مشتقّانِ من الكلْمِ بتسكينِ[3] اللّام

ترجمہ:۔ پس مصنف نے فرمایا (الکلمۃ) بعض نحویوں کا کہنا ہے کہ کلمہ و کلام کلْم بسکون لام سے مشتق ہیں۔

تشریح:۔ قولہ[1] فقالَ۔ قال پر فا تفصیلیہ ہے اس کو عاطفہ بھی مانا گیا ہے جس کا معطوف علیہ قدم ہے لیکن عطف چونکہ ترتیب کو مقتضی ہے یعنی زمانہ معطوف علیہ پہلے ہوتا ہے اور زمانہ معطوف بعد میں اس لئے تقدیم کی جانب ارادہ کو مقدر مانا گیا ہے کہ ارادۂ تقدیم کا زمانہ قول کے زمانہ سے پہلے ہوتا ہے۔ اور اس تقدیر

Marfat.com

پر قرینہ تقدیم کا فعل اختیاری ہونا ہے کہ وہ ارادہ کے بعد ہوتا ہے۔

قولہ[۲] قیل ہی والکلام۔ متن میں چونکہ صرف الکلمۃ مذکور ہے الکلام نہیں اس لئے شرح میں صرف الکلمۃ کی ضمیر لائی گئی حاصل یہ کہ جمہور نحات کلمہ وکلام کو مشتق نہیں مانتے اور بعض نحات مشتق کے قائل ہیں۔ کچھ شارح اس کا برعکس یوں بیان کرتے ہیں کہ اشتقاق کے قائل جمہور نحات ہیں اور عدم اشتقاق کے قائل بعض نحات ہیں اور کچھ شارح دونوں کو بعض کا قول قرار دیتے ہیں یہ صحیح نہیں بلکہ صحیح وہی ہے جو پہلے مذکور ہوا کہ عدم اشتقاق کے قائل جمہور نحات ہیں اور اشتقاق کے قائل بعض نحات جیسا کہ قیل کلمۂ ضعیف سے اشارہ ظاہر ہے اور محمد عمر کابلی نے صراحۃً فرمایا فذھب جمھورُ النحاۃِ الیٰ انھما غیرُ مشتقان وعند البعض مشتقانِ۔ جمہور کی دلیل یہ ہے کہ اشتقاق ماننے پر تکلف کی ضرورت پیش آتی ہے اور اس کے وجود پر کوئی باعث بھی نہیں۔ بعض نحات کی دلیل یہ ہے کہ اشتقاق کا معنی جیسا کہ حاشیہ کابلی پر ہے رد کلمۃ اُخریٰ بحسب المناسبۃ المعنویۃ واللفظیۃ یعنی دو لفظ میں سے ایک کو اصل اور دوسرے کو فرع اس شرط کے ساتھ ماننا کہ دونوں میں مناسبت لفظی ومعنوی پائی جائے۔ اور کلمہ وکلم اور کلام وکلم میں مناسبت لفظی پائی جاتی ہے کہ اصل وفرع حروف اصلیہ میں شریک ہیں یونہی مناسبت معنوی بھی پائی جاتی ہے جیسا کہ شارح لتاثیر معانیھما سے بیان کرتے ہیں۔

خیال رہے کہ اشتقاق کی تین قسمیں ہیں اول صغیر جس کا معنی ہے اصل وفرع کے درمیان جملہ حروف اصلیہ اور ترتیب میں اشتراک ہو جیسے ضَرَبَ وضَرْبٌ میں دوم کبیر جس کا معنی ہے کہ اصل وفرع میں حروف اصلیہ بلا ترتیب مشترک ہوں جیسے جَذَبَ اور جَذَبَ میں سوم اکبر جس کا معنی ہے کہ اصل وفرع کے درمیان تمام حروف اصلیہ میں اشتراک نہ ہو جیسے نعَقَ اور نھقَ میں اور ظاہر ہے کلمہ وکلم اور کلام وکلم میں اشتقاق صغیر ہے کہ حروف اصلیہ اور ترتیب دونوں میں اشتراک پایا جاتا ہے۔

قولہ[۳] بتسکین اللام۔ یہ اس سوال کے جواب کی طرف اشارہ ہے کہ کلمہ، کلم سے مشتق نہیں کہ کلم جنس ہے اور کلمہ اس کا فرد اور فرد، جنس سے مشتق نہیں ہوتا جواب یہ کہ جنس کلم بفتح کاف وبکسر لام ہے اور یہ بفتح کاف وسکون لام ہے جس کا معنی جرح بمعنی زخمی کرنا ہے۔ یہ جرح بفتح جیم ہے اور ایک جرح بضم جیم بمعنی زخم آتا ہے وہ یہاں مراد نہیں جیسا کہ آگے مناسبت معنوی کے بیان سے ظاہر ہوگا۔

Marfat.com

وَهُوَ الجرحُ لتاثیرِ[1] معانیہما فی النفوسِ کالجرح

ترجمہ:۔ اور کلم بمعنی زخم کرنا ہے اس لئے کہ کلمہ وکلام کے معانی زخم کی طرح دلوں میں اثر کرتے ہیں۔

تشریح:۔ قولہ[1] لتاثیر معانیہما۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اشتقاق کے لئے جیسا کہ گزرا مناسبت لفظی ومعنوی ضروری ہے اور کلمہ وکلم اور کلام وکلم کے درمیان مناسبت لفظی کا پایا جانا تو ظاہر ہے جیسا کہ گزرا لیکن مناسبت معنوی نہیں کہ اصل یعنی کلم کا معنی جرح (زخم کرنا) ہے اور ایک فرع یعنی کلمہ کا معنی لفظ موضوع ہے اور دوسری فرع یعنی کلام کا معنی ما تضمن کلمتین بالاسناد ہے ظاہر ہے اصل وفرع کے درمیان کوئی مناسبت نہیں جواب یہ کہ مناسبت کی تین صورتیں ہیں (۱) مناسبت معنیٔ مطابقی میں (۲) معنیٔ تضمنی میں (۳) معنیٔ التزامی میں اور یہاں اصل وفرع کے درمیان اگرچہ معنی مطابقی وتضمنی میں مناسبت نہیں ہے لیکن معنی التزامی میں مناسبت موجود ہے کیونکہ کلم کا معنی التزامی تاثیر ہے اور کلام یونہی کلمہ کا معنی التزامی بھی تاثیر ہے جس طرح کلمہ مجروح میں تاثیر کرتا ہے اسی طرح کلمہ وکلام دلوں میں تاثیر کرتے ہیں اچھے کلمات اور عمدہ کلام سے خوشی حاصل ہوتی ہے اور بُرے کلمات اور گندے کلام سے رنج پہونچتا ہے۔ حاشیہ سوال کابلی پر ہے وَالمرادُ من معنی المشتق منہ اعمّ من المعنی المطابقی اوْ التضمنی اَوْ الالتزامی وفیما نحن فیہ یکون المناسبۃ فی المعنی الالتزامی موجودٌ لانّ التاثیر کما یکون لازمًا للکلم کذٰلک لازمًا لہا۔ سوال کلام کے لئے تاثیر کا ہونا تو درست ہے لیکن کلمہ کے لئے نہیں کہ تاثیر نسبت کی فرع ہے اور کلمہ میں نسبت نہیں ہوتی۔ جواب تاثیر سے یہاں مراد عام ہے کہ بالذات ہو یا بالعرض کلام میں تاثیر بالذات ہوتی ہے اور کلمہ میں بالعرض۔ سوال مناسبت التزامی میں لزوم ذہنی ہونا شرط ہے اور لزوم ذہنی اس امر کو کہتے ہیں جو ملزوم کا تصور، لازم کے تصور کے بغیر محال ہو اور وہ یہاں پایا نہیں جاتا اس لئے کہ کلمہ وکلام کے تلفظ کے وقت تاثیر فی النفوس کی طرف ذہن منتقل نہیں ہوتا۔ جواب مناسبت التزامی میں لزوم ذہنی کی شرط اصطلاح مناطقہ میں ہے اور یہ اصطلاح نحویہ ہے جس میں صرف یہ علاقہ پایا جانا ضروری ہے کہ ملزوم سے لازم کی طرف ذہن منتقل ہو جائے اور وہ یہاں موجود ہے کہ مثلاً جب کلمہ کا تصور کیا جاتا ہے تو ذہن تاثیر فی النفوس کی طرف منتقل ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

Marfat.com

سوال کلام کو اگر کلمہ سے یا کلمہ کو کلام سے مشتق مانا جائے تو کوئی تکلف لازم نہیں آتا کہ ان دونوں کے درمیان مناسبت لفظی و معنوی دونوں موجود ہیں۔ جواب اشتقاق معنیٔ لغوی کے اعتبار سے ہوتا ہے اور کلمہ و کلام معنیٔ لغوی کے اعتبار سے باہم مترادف ہیں مصباح میں ہے الکلمۃ لفظ۔ مفرد یا مرکب جو انسان بولے۔ الکلام قولٌ۔ گفتگو۔ جملہ لہذا کلام کلمہ سے مشتق نہ ہوگا ایسا ہی اس کا برعکس کیونکہ اشتقاق مغایرت کو مقتضی ہوتا ہے۔

وَقَدْ[1] عَبَّرَ بَعْضُ الشُّعَرَاءِ عَنْ بَعْضِ تَاثِيْرَاتِهِمَا بِالْجَرْحِ حَيْثُ قَالَ شِعْرٌ جَرَاحَاتُ[2] السِّنَانِ لَهَا الْتِيَامُ۔ وَلَا يَلْتَامُ مَا جَرَحَ اللِّسَانُ

ترجمہ:—— اور بعض شعراء نے کلمہ و کلام کی بعض تاثیرات کو جرح سے تعبیر کیا ہے۔ جبکہ اس نے کہا شعر جراحات السنان الخ یعنی نیزوں کے زخم بھر جاتے ہیں اور وہ زخم نہیں بھرتا جس کو زبان نے زخم کیا ہے۔

تشریح:—— قولہ[1] قد عبّر۔ اس عبارت سے یہ بتانا مقصود ہے کہ کلمہ کا کلم سے یونہی کلام کا کلم سے مشتق ہونے کا قول اگرچہ ضعیف ہے جیسا کہ اس کی طرف قیل سے اشارہ کیا گیا ہے لیکن دونوں کے درمیان علاقہ قوی و معتبر ہے وہ یہ کہ بعض شعراء نے کلمہ و کلام کے بعض تاثیرات کو کلم بمعنی جرح سے تعبیر کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ کلمہ و کلام کلم سے ماخوذ ہیں۔ ملا عصام نے شارح کارزونی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ بعض شعراء سے مراد مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور یہ شعر ان ہی کا ہے اور علامہ جامی کو چونکہ ان کا علم نہیں تھا اس لئے انہوں نے بعض شعراء سے تعبیر کیا ہے، لیکن یہ غلط ہے صحیح یہ ہے کہ یہ شعر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا نہیں بلکہ ان کے اس قول سے ماخوذ ہے رَطعنُ اللِّسَانِ اَشَدُّ مِنْ ضَرْبِ السِّنَانِ۔

قولہ[2] جراحات السنان۔ جراحات جمع ہے جراحۃٌ کی جو بمعنی زخم ہے دونوں جگہ جیم مکسور ہے جراحات کی اضافت سِنان کی طرف اضافت لامیہ ہے اور سِنان بروزن فِعال جمع ہے سِنٌّ کی اس کی جمع اَسِنَّۃٌ ہے معنی اس کا آنی، نیزہ، اور تیر کی نوک ہے۔ لھا کی ضمیر مجرور کا مرجع جراحات جمع مؤنث سالم ہے جو واحد مونث کے حکم میں ہوتی ہے۔ التیام باب افتعال کا مصدر ہے جس کا معنی پُر ہونا اور اچھا ہونا ہے مصباح میں ہے اِلتَأَمَ الجرحُ اچھا ہونا مصدر میں ہمزہ میزٌ کے قاعدہ سے یا رہ گئی ہے کیونکہ اس کا

Marfat.com

مادہ ل ء م ہے۔ اس لئے لام کو مدغم کرکے پڑھا نہیں جاتا کہ وہ مادہ کا ہے زائد نہیں۔ اسی سے لَایلتامُ فعل مضارع معروف آیا ہے جو اصل میں لایلتئِمُ بروزنِ لایجتنبُ تھا ہمزہ کو کتِفٌ کے قاعدہ سے ساکن کرنے کے بعد بقاعدۂ راس الف سے بدل دیا گیا ہے۔ ومَاجَرَحَ میں ما مصدریہ ہے جبکہ موصوفہ اور موصولہ بھی ہوسکتا ہے بتقدیر اول جَرَحَ بمعنی مصدر ہوگا یعنی جَرْحُ اللّسَانِ اور بتقدیر دوم ما کی صفت ہوگا اور بتقدیر سوم صلہ اور عائد محذوف ہوگا یعنی مَاجَرَحَہٗ اللِّسَانُ۔

وَالْكَلِمُ[1] بكسرِ اللّامِ جنسٌ[2] لا جمعٌ كتمرٍ وتمرةٍ بدليل قولهٖ تعالىٰ اليه يَصْعَدُ الكَلِمُ الطيّبُ وقيل[3] جمعٌ حيثُ لا يقعُ إلّا على الثلثِ فصاعدًا والكَلِمُ الطيّبُ مؤوّلٌ ببعضِ الكَلِمِ

ترجمہ:—— اور کَلِم کسرۂ لام کے ساتھ تمرٌ وتمرۃٌ کی طرح جنس ہے جمع نہیں اس دلیل سے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اِلیہ یَصعدُ الکَلِمُ الطیّبُ یعنی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف اچھے کلمے صعود کرتے ہیں۔ اور بعض کا قول ہے کہ کلم جمع ہے کیونکہ اس کا اطلاق تین یا اس سے زائد پر ہوتا ہے اور آیت مذکورہ میں اَلکَلِمُ الطیّبُ مؤول ہے بعض الکلِم الطیّبِ سے۔

تشریح:—— قولہ[1] والکِلمُ بکسر اللّامِ۔ الکلمۃ میں تین لفظ ہیں (۱) لام (۲) کلم بفتح کاف وکسر لام (۳) تار۔ ان میں سے دوسرا چونکہ معروض ہے اور باقی دونوں عارض اور معروض طبعًا مقدم ہوتا ہے اس لئے اس کو ذکر میں بھی مقدم کیا گیا اور اس لئے بھی کہ اس کا تلفظ تنہا ہوتا ہے اور ان دونوں کا تلفظ تنہا نہیں بلکہ کسی دوسرے لفظ کے ساتھ ملا کر ہوتا ہے۔

قولہ[2] جنس لا جمع۔ کلم بفتح کاف وکسر لام بصریین وکوفیین کا اختلاف ہے۔ بصریین کہتے ہیں کہ وہ اسم جنس ہے کوفیین جمع کا قول کرتے ہیں۔ بصریین کی دلیل یہ ہے کہ جس کے مفرد کے آخر میں تار ہو وہ اسم جنس ہوتا ہے جیسے تمرٌ کہ اس کا مفرد تمرۃٌ آتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے قول الیہِ یصعدُ الکلِمُ الطیّبُ میں بھی کلم کی صفت طیب واحد کا صیغہ آیا ہے دوسری جگہ یحرّفون الکلمَ عَنْ مواضعہٖ میں واحد کی ضمیر کا مرجع کلم کو قرار دیا گیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ کلم جمع نہیں بلکہ اسم جنس ہے اور اس لئے بھی کہ

Marfat.com

وہ عشرو مائۃ کے مابین اعداد کی تمیز واقع ہوتا ہے اور ان کی تمیز ہمیشہ مفرد منصوب ہوتی ہے جیسے خمسۃ عشر کلماً وغیرہ۔ واضح ہو کہ اسم جنس وہ اسم ہے جو واحد و کثیر سب کے لئے وضع کیا گیا ہو اور وحدت پر دلالت کرنے کے لئے تار لگایا گیا ہو اگر غیر ذوی العقول ہو جیسے ورقٌ کہ اس کا واحد ورقۃٌ ہے تمرٌ کہ اس کا واحد تمرۃٌ ہے یا آخر میں یا رنسبتی بڑھائی جاتی ہو اگر ذوی العقول ہو جیسے رومیٌ رومیوں میں کا ایک، مجوسیٌ مجوسیوں میں کا ایک اور جمع وہ اسم ہے جو دو سے زیادہ کے لئے وضع کیا گیا ہو اور اس کا واحد اسی کے لفظ سے ہو جیسے انبیاء کہ اس کا واحد نبی ہے، اسم جمع وہ اسم ہے جس سے جمع کا معنی ظاہر ہوں اور اس کے لئے اسی مادہ سے واحد نہ ہو جیسے خیل، قوم، رہط، جیش، اسم جمع اور اسم جنس کی جمع مفردات کی طرز پر آتی ہے جیسے قوم کی جمع اَقوام، رفقۃٌ کی جمع رُفق۔ نجم کی جمع انجم اور روم کی جمع اَرْوام۔

قولہ[۲] قیل جمع۔ کِلِم بکسر لام کو کوفیین جمع کہتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ اس کا اطلاق تین یا اس سے زیادہ پر ہوتا ہے ایک یا دو پر نہیں اور آیت کریمہ الیہ یصعدُ الکلِمُ الطیّبُ میں طیب، کلم کی صفت نہیں بلکہ بعض کی صفت ہے جو مقدر ہے اور بعض، مفرد مذکر ہے اصل عبارت یہ ہے الیہ یصعدُ بعض الکلم الطیّبُ اور یہ حقیقت بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف بعض طیب کلمات ہی صعود کرتے ہیں۔ جمہور اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ بعضیت کا معنی طیب ہی سے حاصل ہے تقدیر کی ضرورت نہیں کہ جو کلم طیب ہے وہی صعود کرتا ہے ہر کلمات نہیں اور بعضیت کے ساتھ تاویل اصل کے خلاف ہے اس لئے کہ اصل عدم تاویل ہے اور کلم کا تین یا اس سے زائد پر بولا جانا استعمال میں ہے لیکن وضع میں واحد و کثیر سب پر صادق آتا ہے۔

واللّامُ[۱] فیہا للجنسِ[۲] والتاءُ للوَحْدَۃِ

ترجمہ:— اور لام الکلمۃ میں جنس کے لئے ہے اور تار وحدت کے لئے۔

تشریح:— قولہ[۱] واللام۔ الف لام کی دو قسمیں ہیں اسمی و حرفی الف لام اسمی وہ ہے جو اسم موصول کے معنی میں ہو وہ صرف اسم فاعل و اسم مفعول پر داخل ہوتا ہے وجہ یہ کہ الف لام اسمی چونکہ ذو جہتیں ہوتا ہے صورۃً حرف ہوتا ہے اور معنیً اسم اس لئے اس کا مدخول بھی وہ ہوتا ہے جو صورۃً مفرد ہو اور معنیً جملہ اور وہ

Marfat.com

صرف اسم فاعل واسم مفعول ہوسکتے ہیں کیونکہ الضّارِبُ کا معنی الّذی ضرَبَ اور المضروبُ کا معنی اَلّذی ضُرِبَ اور الضاربۃُ کا معنی التی ضربَتْ اور المضروبۃُ کا معنی التی ضُرِبَتْ ہے اور الف لام حرفی وہ ہے جو اسم موصول کے معنی میں نہ ہو اس کی دو قسمیں ہیں زائد و غیر زائد حرفی زائد وہ ہے جس کے اسقاط سے معنی میں کوئی فرق پیدا نہ ہو اور غیر زائد وہ ہے جس کے اسقاط سے معنی میں فرق پیدا ہو۔ اس کی چار قسمیں ہیں (۱) جنسی (۲) استغراقی (۳) عہد خارجی (۴) عہد ذہنی۔ جنسی وہ الف لام ہے جس کے مدخول کی نفس ماہیت مراد ہو جیسے اَلرّجلُ خیرٌ من المرأۃ میں الرّجلُ سے ماہیت رجل مراد ہے اور الف لام استغراقی وہ ہے جس کے مدخول کے تمام افراد مراد ہوں جیسے اِنّ الانسان لفی خسرٍ میں الاِنسانُ سے تمام افراد انسان مراد ہیں اور عہد خارجی وہ الف لام ہے جس کے مدخول کے وہ فرد مراد ہو جو ماقبل میں مذکور ہو جیسے اَرْسَلنا الیٰ فرعونَ رَسولاً فعَصیٰ فِرْعَونُ الرَّسُوْلَ میں مذکور رسول مراد ہے اور عہد ذہنی وہ الف لام ہے جس کے مدخول کا فرد غیر معین مراد ہو جیسے اَخافُ اَنْ یاکلہُ الذئبُ میں ذئب سے ماہیت مراد نہیں بلکہ فرد واحد غیر معین مراد ہے۔ یہی معنی اگرچہ نکرہ کا بھی ہے لیکن دونوں میں فرق اصل وضع کے اعتبار سے ہے نکرہ فرد واحد غیر معین کے لئے موضوع ہے اور الف لام عہد ذہنی ماہیت معلومہ معینہ کے لئے موضوع ہے لیکن قرینہ کی وجہ سے فرد غیر معین مراد لیا جاتا ہے جیسے مثال مذکور میں اکل یہ قرینہ ہے کہ ذئب سے فرد غیر معین مراد ہے اور اس کو لام تعریف اسی اصل وضع کے اعتبار سے کہا جاتا ہے اور حرفی زائد کی دو قسمیں ہیں لازمی و عارضی، لازمی وہ الف لام ہے جو اپنے مدخول سے جدا ہونا محال ہو جیسے اَللّٰہُ اور اَلیَسَعُ اور اَلنجمُ وغیرہ میں اور عارضی وہ الف لام ہے جو اپنے مدخول سے جدا ہونا محال نہ ہو جیسے البصرۃُ، الکوفۃُ اور الحسنُ والحسینُ میں لیکن یہ سماعی ہے قیاسی نہیں لہٰذا الحمدُ وَالمکۃُ وغیرہ کہنا صحیح نہیں ہے۔

قولہ للجنس۔ گویا یہ جواب ہے اس سوال کا کہ الکلمۃ میں الف لام مذکورۂ بالا قسموں میں سے کوئی نہیں۔ الف لام اسمی اس لئے نہیں کہ کلمہ نہ اسم فاعل ہے اور نہ اسم مفعول اور الف لام زائد اس لئے نہیں کہ اس سے مبتدا کا نکرہ ہونا لازم آتا ہے جو ممنوع ہے اور الف لام جنسی اس لئے نہیں کہ اس سے مراد نفس ماہیت ہوتی ہے جو مفہوم کلی ہے اور تار وحدت سے مراد شخص واحد غیر معین ہوتا ہے اور ظاہر ہے جنس و شخص کے درمیان منافات ہے اور الف لام استغراقی و عہد خارجی و ذہنی ماننے پر فرد کلمہ کی تعریف لازم آتی ہے

Marfat.com

حالانکہ مقصود ماہیت کی تعریف ہے نیز استغراقی ماننے پر تمام افراد مراد ہوں گے اور تار وحدت سے شخص واحد غیر معین مراد ہوگا جو ایک دوسرے کے منافی ہے اور عہد خارجی کی صورت میں اس کے مدخول کا ماقبل میں مذکور ہونا ضروری ہوگا اور وہ یہاں مذکور نہیں اور عہد ذہنی ماننے پر کلمہ کے فرد واحد غیر معین کی تعریف لازم آئے گی اور غیر معین کی تعریف نہیں ہوتی۔ جواب یہ کہ الکلمۃ میں الف لام جنسی ہے اور تار اگرچہ وحدت کے لئے ہے لیکن وحدت شخصیہ نہیں جو اس کے منافی ہو بلکہ وحدت جنسیہ ہے کیونکہ کلم لغت میں بمعنی بات ہے اور کلمہ کے معنی ایک بات اور نحویوں نے جب اسی کو معنیٔ لغوی سے معنیٔ اصطلاحی کی طرف نقل کیا تو اس کی تار کو وحدت شخصیہ سے جنسیہ کی طرف نقل کر دیا اب اس سے مراد ایک جنس و ماہیت ہوگی۔

وَلَا مُنَافَاةَ بَيْنَهُمَا لِجَوَازِ اِتِّصَافِ الْجِنْسِ بِالْوَحْدَةِ وَالْوَاحِدُ بِالْجِنْسِيَّةِ يُقَالُ هٰذَا الْجِنْسُ وَاحِدٌ وَذٰلِكَ الْوَاحِدُ جِنْسٌ

ترجمہ: — اور جنس و وحدت کے درمیان کوئی منافات نہیں کیونکہ جنس کا وحدت سے اور واحد کا جنسیت سے اتصاف جائز ہے بولا جاتا ہے ھذا الجنس واحد وذالک الواحد جنس۔

تشریح: — قولہ ولا منافاۃ۔ یعنی الکلمۃ میں جب الف لام سے الف لام جنسی مراد ہے اور تار سے وحدت جنسی تو اب دونوں میں کوئی منافات نہ رہی کیونکہ الف لام جنسی جس طرح مدخول کی ماہیت پر دلالت کرتا ہے اسی طرح وحدت جنسی بھی لہٰذا جنس کا اتصاف وحدت کے ساتھ اور واحد کا جنسیت کیساتھ جائز ہوا چنانچہ بولا جاتا ہے ھذا الجنس واحد وذالک الواحد جنس۔ سوال یہ مبتدا و خبر ہیں موصوف و صفت نہیں کہ ہر ایک کا اتصاف دوسرے کے ساتھ درست ہو۔ جواب اتصاف سے یہاں مراد تصادق ہے جو مبتدا و خبر سے بھی حاصل ہے یا یہ کہ علم مخاطب سے پہلے وہ اگرچہ مبتدا و خبر ہیں لیکن اس کے بعد موصوف و صفت ہیں سوال کا بلی میں ہے لکن الاوصاف قبل علم المخاطب بہا اخبار والاخبار بعد العلم بہا اوصاف لانہ لا یفید بہا فائدۃ

Marfat.com

وَيُمكِنُ[1] حملُها علىٰ العهدِ الخارجيِ بارادَةِ[2] الكلمةِ المذكورةِ على السِنَةِ النحاةِ

ترجمہ:— اور الف لام کو عہد خارجی پر حمل کرنا ممکن ہے کیونکہ اس سے وہ کلمہ مراد ہے جو نحویوں کی زبانوں پر جاری ہے۔

تشریح:— قولہ[1] یمکن حملُہا۔ یعنی اَلکلمۃُ میں الف لام عہد خارجی بھی ممکن ہے جو کلمۂ نحویہ پر دال ہوتا ہے کیونکہ کلمۂ لغویہ کے دو فرد ہیں ایک وہ ہے جس پر لفظ موضوع مفرد صادق آتا ہے جیسے کلمۃ شاعر اور دوسرا وہ جس پر لفظ موضوع مرکب صادق آتا ہے جیسے قرآن کریم میں ہے تَمَّتْ کلمۃُ ربِّکَ۔ پہلا کلمۂ نحویہ ہے اور یہاں اسی کی تعریف مقصود ہے۔ خیال رہے کہ کلمہ نحویہ سے یہاں کوئی خاص فرد مراد نہیں کیونکہ وہ فرد شخصی نہیں بلکہ جنسی ہے جو کثیرین پر صادق آتا ہے۔

قولہ[2] بارادۃ الکلمۃ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ الکلمۃ میں الف لام اگر عہد خارجی کا ہے تو اس کے مدخول کا ماقبل میں مذکور ہونا چاہئے حالانکہ کلمۂ نحویہ ماقبل میں مذکور نہیں۔ جواب یہ کہ مدخول کا ماقبل میں مذکور ہونا ضروری نہیں بلکہ مشہور و معلوم ہونا ہی کافی ہے اور کلمۂ نحویہ بھی ایسا ہی ہے کہ وہ مخاطب کو اس قرینہ سے معلوم ہے کہ عالم و متعلم دونوں نحوی ہیں اور کتاب بھی علم نحو میں ہے۔

لفظُ[1] اللفظ فی اللغۃِ الرّمیُ یُقالُ[2] اَکلتُ التمرۃَ وَلفظتُ النواۃَ اَیْ رمیتُہا

ترجمہ:— (وہ لفظ ہے) لفظ کا معنی لغت میں پھینکنا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے اکلت التمرۃ الخ یعنی میں نے کھجور کو کھایا اور گٹھلی کو پھینک دی۔

تشریح:— قولہ[1] اللفظُ۔ یعنی لغت میں لفظ بمعنی مطلق رَمی ہے جس کا معنی ہے پھینکنا خواہ منہ سے ہو یا غیر منہ سے، پھینکنا خواہ لفظ کا ہو یا غیر لفظ کا۔ پھینکنے والا ذی عقل ہو یا غیر ذی عقل۔ منہ سے لفظ کو پھینکنے کی مثال لفظتُ الکلامَ اور منہ یا ہاتھ سے غیر لفظ کو پھینکنے کی مثال اَکلتُ التمرۃَ وَلفظتُ النواۃَ اور غیر لفظ کو پھینکنے

Marfat.com

کی مثال جو منھ سے نہ ہو اور نہ پھینکنے والا ذی عقل ہو لفظتُ الرّیُ الدقیقَ ۔ متن میں لفظ نکرہ ہے اور شرح میں معرفہ اس کی وجہ یہ کہ متن میں وہ خبر واقع ہے جس میں اصل تنکیر ہے اور شرح میں مبتدا واقع ہے جس میں اصل تعریف ہے۔

قولہ یقالُ اکلتُ ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ لغت میں لفظ بمعنی مطلق رمی ہے اس پر کیا قرینہ ہے ؟ جواب یہ کہ اس پر قرینہ اہل عرب کا یہ مقولہ ہے اکلتُ التمرۃَ ولفظتُ النواۃَ یعنی میں نے کھجور کھایا اور اس کی گٹھلی پھینکدی پھر سوال پیدا ہوا کہ اس مقولہ سے صرف منھ سے رمی ثابت ہے جیسا کہ قرینۂ اکل اس پر دال ہے مطلق رمی نہیں اس کا جواب شرح میں اَیُ رمیتُہا سے دیا گیا کہ اس سے بھی مطلق رمی ثابت ہے قرینۂ اکل تخصیص پر دال نہیں کیونکہ اہل عرب جب کھجور کھاتے ہیں تو گٹھلی کو کبھی منھ سے پھینکتے ہیں اور کبھی ہاتھ سے۔

ثم نُقِلَ فی عُرفِ النُحاۃِ اِبتداءً او بعد جعلہٖ بمعنی الملفوظِ کالخلقِ بمعنی المخلوقِ الیٰ مایتلفظُ بہِ الانسانُ

ترجمہ:— پھر لفظ آیا ابتدا ہی سے یا جس طرح کہ خلق بمعنی مخلوق ہے اسی طرح اس کو ملفوظ کے معنی میں کرنے کے بعد نحویوں کی اصطلاح میں مَایتلفظُ بہِ الانسانُ کی طرف منقول ہوگیا۔

تشریح:— قولہ ثم نُقِلَ ۔ اس عبارت سے اس سوال کا جواب دیا گیا ہے کہ اسم تین معنوں کے لئے بولا جاتا ہے اسم ذات ۔ وصف محض ۔ اسم صفت ۔ اسم سے اگر صرف ذات متصور ہو تو وہ اسم ذات ہے جیسے حجرٌ اور اگر اسم سے صرف وصف متصور ہو تو وصف محض ہے جیسے سواد اور اگر ذات کے ساتھ صفت بھی متصور ہو تو وہ اسم صفت ہے جیسے اسودُ ۔ اسم ذات پر اسم صفت کا حمل جائز ہے جیسے الحجرُ اسودُ میں یونہی اس پر اسم ذات کا حمل بھی جائز ہے جیسے الحجرُ جسمٌ میں لیکن اسم ذات پر وصف محض کا حمل جائز نہیں لہذا جس طرح الحجرُ سوادٌ میں حمل جائز نہیں اسی طرح اَلکلمۃُ لفظٌ میں جائز نہیں کہ اَلکلمۃُ اسم ذات ہے اور لفظٌ مصدر ہے جو وصف محض ہے ۔ جواب یہ کہ لفظ اگرچہ مصدر ہے لیکن یہاں اس کا لغوی معنی مراد نہیں بلکہ نحویوں کی اصطلاح میں وہ مایتلفظُ بہِ الانسانُ کے لئے منقول ہوگیا ہے۔

Marfat.com

قولہ[۲] ابتداءً۔ نقل دو طرح سے ہے اول یہ کہ لفظ ابتداء ہی سے ما یتلفظ بہ الانسانُ کی طرف منقول ہوگیا ہے دوم یہ کہ لفظ پہلے بمعنی ملفوظ ہو اجس طرح خلق بمعنی مخلوق ہوتا ہے پھر ما یتلفظُ بہ الانسانُ کی طرف منقول ہوگیا ہے صورت اولیٰ میں سبب کو مسبب کے لئے نقل کیا گیا ہے اس لئے کہ لفظ کا معنی مصدری سبب ہے اور ما یتلفظُ بہ الانسانُ مسبب اور صورت ثانیہ میں عام کو خاص کے لئے نقل کیا گیا ہے اس لئے کہ لفظ کا لغوی معنی عام ہے اور اصطلاحی معنی خاص کیونکہ لغت میں لفظ ہاتھ سے پھینکی ہوئی چیز کو کہتے ہیں اور منہ سے پھینکی ہوئی گٹھلی اسی طرح منہ سے نکالی ہوئی بات کو بھی کہتے ہیں اور اصطلاح میں لفظ صرف ما یتلفظُ بہ الانسان ہی کو کہتے ہیں۔ پہلی صورت میں تعدد نقل سے اجتناب ہے اور دوسری صورت میں منقول و منقول الیہ کے درمیان زیادہ قرب حاصل ہے کیونکہ عام و خاص کا قرب سبب و مسبب کے قرب سے زیادہ ہے اس لیئے کہ عام کا اطلاق خاص پر بکثرت ہوتا ہے جیسے الانسانُ حیوانٌ میں لیکن سبب کا اطلاق مسبب پر بکثرت نہیں ہوتا مثلاً اَلوقتُ صلوٰۃٌ نہیں کہا جاتا۔

قولہ[۳] ما یتلفظ بہ الانسانُ۔ معرّف میں لفظ سے اصطلاحی معنی مراد ہے اور تعریف میں لغوی معنی تکلم مراد ہے لہٰذا دور لازم نہیں آئے گا کہ جہت مختلف ہوگئی اور تعریف میں بار برائے استعانت نہیں کہ زبان پر بھی تعریف صادق آئے بلکہ برائے تعدیہ ہے اصل عبارت یہ ہے اَللَّفظُ مَا لفَظَہُ الاِنسانُ یعنی لفظ وہ بات ہے جس کو آدمی بولے یا بار بمعنی علیٰ ہے اور ظاہر ہے تلفظ زبان پر نہیں بلکہ زبان سے ہوتا ہے۔ خیال رہے کہ حرکات اعرابیہ تعریف سے خارج ہیں کیونکہ تعریف میں تلفظ بالاصالۃ کی قید ملحوظ ہے جو اس میں نہیں ہوتا اور حروف اعرابیہ جیسے واؤ۔ الف، یا اگرچہ حقیقۃً لفظ ہیں لیکن حکماً نہیں کہ وہ حروف اعرابیہ کے قائم مقام ہیں مگر تحقیق یہ ہے کہ حرکات اعرابیہ لفظ ہیں۔ کما قال الرضی وغیرہ

حقیقۃً[۱] او حکماً مُہمَلاً کانَ اَو مُوضُوعًا مُفرَدًا کانَ اَو مرکبًا واللفظُ[۲] الحقیقیُّ کزیدٍ و ضربَ وَالحکمیُّ[۳] کالمنوی فی زیدٌ ضربَ وَاضرِبْ اِذ لیسَ مِن مقولۃِ الحَرفِ و الصَّوتِ اَصلاً وَلَم یُوضَع[۴] لہٗ

ترجمہ:— جس کا انسان تلفظ کرے خواہ حقیقی ہو یا حکمی مہمل ہو یا موضوع، مفرد ہو یا مرکب اور لفظ

Marfat.com

حقیقی جیسے زیدٌ اور ضربَ اور حکمی مستتر کی طرح ہے جیسے زیدٌ ضربَ اور اِضْرِبْ میں کیونکہ مستتر مقولۂ حرف و صوت سے قطعًا نہیں اور نہ ہی اس کے لئے کوئی لفظ موضوع ہے۔

تشریح :— قولہ حقیقۃً اَوْ حکمًا۔ یہ اس سوال کے جواب کی طرف اشارہ ہے کہ لفظ کی تعریف ضمیر مستتر اور مہمل و مرکب پر صادق نہیں لیکن ضمیر مستتر پر اس لئے نہیں کہ جب اِضْرِبْ بولا جاتا ہے تو اس میں ضمیر مستتر اَنْتَ کا تلفظ نہیں کیا جاتا اور مہمل و مرکب پر اس لئے نہیں کہ تلفظ سے متبادر معنی موضوع مفرد کا تلفظ ہوتا ہے۔ جواب یہ کہ تعریف میں تلفظ سے مراد مطلق تلفظ ہے خواہ مہمل کا تلفظ ہو یا موضوع کا مفرد کا تلفظ ہو یا مرکب کا لہٰذا تعریف ہر ایک پر صادق ہے لیکن ضمیر مستتر پر اس لئے کہ تلفظ صرف تلفظ حقیقی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ تلفظ حکمی کو بھی شامل ہے اور ضمیر مستتر کا اگرچہ تلفظ حقیقی نہیں ہوتا لیکن حکمی ضرور ہوتا ہے کیونکہ تلفظ حقیقی کہتے ہیں درحقیقت بولنے کو اور تلفظ حکمی کہتے ہیں جو حقیقۃً ملفوظ نہ ہو لیکن اس پر ملفوظ حقیقی کے احکام جاری کیا جائے مثلاً اس کو مسند الیہ یا ذوالحال یا موکد وغیرہ بنایا جائے یہی حال ضمیر مستتر کا ہے کہ وہ بھی مسند الیہ وغیرہ بنایا جا سکتا ہے۔ خیال رہے کہ تلفظ حقیقی و حکمی میں تلفظ حقیقی اصل ہے اس لئے اس کو مقدم کیا گیا یونہی مفرد و مرکب میں مفرد اصل ہے اس لئے اس کو مقدم کیا گیا لیکن موضوع و مہمل میں موضوع اصل ہے اس کو موخر اس لئے کیا گیا کہ وہ طبعًا موخر ہے لفظ کا پہلے معنی نہیں ہوتا بعد میں اس کو معنی کے لئے وضع کیا جاتا ہے۔

قولہ اللفظ الحقیقی۔ یہ تفسیر ہے لفظ حقیقی و حکمی کی کہ زیدٌ اور ضربَ لفظ حقیقی ہیں اور زیدٌ ضربَ میں ضرب کے اندر ہُو لفظ حکمی ہے۔ خیال رہے کہ لفظ حقیقی چونکہ کبھی اسم ہوتا ہے اور کبھی فعل اس لئے زیدٌ سے اسم کی مثال دی گئی اور ضربَ سے فعل کی۔ اسم کو مقدم اس لئے کیا گیا کہ وہ دوامیت پر دلالت کرتا ہے اور فعل حدوث پر۔ اور لفظ حقیقی حرف بھی ہوتا ہے لیکن اس کی مثال کزیدٍ میں کاف تشبیہ اور وضربَ میں واؤ عاطفہ سے ضمنًا دی گئی۔ صراحۃً اس لئے نہیں کہ وہ غیر مستقل ہے اور لفظ حکمی کی صرف ایک مثال اس لئے بیان کی گئی کہ مستتر صرف اسم ہوتا ہے نہ کہ فعل و حرف کما ثبتَ فی محلّہٖ۔ سوال لفظ حقیقی اور لفظ حکمی کی جب تفسیر بیان کی گئی تو مہمل و موضوع و مفرد و مرکب کی تفسیر کیوں چھوڑ دی گئی؟ جواب اس تفسیر میں موضوع و مفرد و مرکب کی تفسیر بھی موجود ہے اس لئے کہ زید لفظ حقیق کے علاوہ موضوع و مفرد بھی ہے اور زیدٌ ضربَ

Marfat.com

میں ضرب مرکب ہے اس لئے کہ اس میں ھو مستتر ہے رہ گیا مہمل تو اس کی تفسیر اس لئے بیان نہیں کی گئی کہ وہ بحث میں متروک ہے اور اس لئے بھی کہ موضوع کی تفسیر سے مہمل کی تفسیر بھی معلوم ہو جاتی ہے کیونکہ مہمل موضوع کی ضد ہے اور قاعدہ ہے تُعْرَفُ الْاَشْیَاءُ بِاَضْدَادِھَا یعنی چیزیں اپنی ضدوں سے پہچانی جاتی ہیں۔

قولہ والحکمی۔ اس مقام پہ دو دعوے ہیں ایک ایجابی دوسرا سلبی۔ دعویٰ ایجابی یہ کہ مستتر لفظ حکمی ہے اور سلبی یہ کہ مستتر لفظ حقیقی نہیں اور دعویٰ ایجابی چونکہ بدیہی تھا اس لئے اس کی دلیل بیان نہیں کی گئی اور دعویٰ سلبی نظری تھا اس لئے اس کی دلیل اِذْ لَیْسَ الخ سے بیان کی گئی جس کا حاصل یہ کہ جو لفظ حقیقی ہوتا ہے وہ مقولۂ حرف وصوت سے ہوتا ہے اور مستتر مقولۂ حرف وصوت سے نہیں۔ سوال حرف از قسم کلمہ ہے اور کلمہ از قسم لفظ ہے اور قسم چونکہ مقسم کو لازم ہوتا ہے اس لئے حرف لفظ کو لازم ہوا اور صوت بھی لفظ کو لازم لہٰذا جو مقولۂ حرف سے نہیں وہ مقولۂ صوت سے بھی نہ ہوگا پس حرف کے بعد صوت کا ذکر فضول ہے۔ جواب حرف لفظ کو لازم ہے لیکن صوت نہیں کہ وہ لفظ سے عام ہے کیونکہ وہ مشن وغیرہ کی آواز کو بھی شامل ہے لہٰذا صوت عام ہوئی اور حرف خاص اور خاص کے بعد عام کا ذکر واقع ہے۔

خیال رہے کہ اَصْلاً، لیس کی تاکید ہے جس کا معنی ہے کہ مستتر کسی وقت بھی مقولۂ حرف وصوت سے نہیں ہوتا برخلاف محذوف کہ وہ مقولۂ حرف وصوت سے ہوتا ہے کیونکہ وہ تلفظ کیا جاتا ہے مثلاً یہ کہتے ہیں کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ میں ثَابِتٌ مقدر ہے یا معنی یہ کہ مستتر عقلاً و نقلاً کسی اعتبار سے مقولۂ حرف وصوت سے نہیں۔

قولہ ولم یوضع لہ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مستتر جب مقولۂ حرف وصوت سے نہیں تو وہ معنی ہوا کیونکہ معنی بھی مقولۂ حرف وصوت سے نہیں ہوتا لہٰذا اس کو لفظ حکمی کی مثال قرار دینا صحیح نہ ہوا۔ جواب یہ کہ معنی وہ ہوتا ہے جو لفظ سے قصد کیا جائے اور مستتر لفظ سے قصد نہیں کیا جاتا کیونکہ اس کے لئے لفظ موضوع نہیں ہوتا۔

وَاِنَّمَا عَبَّرُوْا عَنْہُ بِاسْتِعَارَۃِ لَفْظِ الْمُنْفَصِلِ لَہٗ نَحْوُ ھُوَ وَاَنْتَ وَاَجْرَوْا عَلَیْہِ اَحْکَامَ اللَّفْظِ فَکَانَ لَفْظًا حُکْمًا لَا حَقِیْقَۃً

ترجمہ:— اور نحویوں نے ہُوَ اور اَنْتَ جیسے لفظ منفصل کو مستتر کے لئے استعارہ کر کے مستتر پر

Marfat.com

لفظ کے احکام جیسے مسند الیہ وغیرہ جاری کر دیا لہٰذا مستتر لفظ حکمی ہے حقیقی نہیں۔

تشریح:— قولہ[1] انما عبّروا۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ جب ضمیر مستتر کے لئے کوئی لفظ وضع نہیں کیا گیا ہے تو اس کے لئے لفظ منفصل مثلاً ہُوَ اور اَنْتَ وغیرہ کو کیوں تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ اِضْرِبْ میں اَنْتَ مستتر ہے۔ جواب یہ کہ تعبیر کبھی بطور وضع ہوتی ہے، اور کبھی بطور استعارہ اور یہاں تعبیر بطور استعارہ کی جاتی ہے یعنی ضمیر مستتر کو مجازاً کبھی اَنْتَ اور کبھی ہُوَ اور کبھی ہِیَ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

قولہ[2] واجروا علیہ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مستتر اگر لفظ حقیقی نہیں تو کیا ضروری ہے کہ وہ لفظ حکمی ہو جائے؟ جواب یہ کہ لفظ یا تو حقیقی ہوگا یا حکمی اور ضمیر مستتر جب لفظ حقیقی نہیں تو ظاہر ہے وہ لفظ حکمی ہوگا کیونکہ حکمی کہتے ہیں جو حقیقۃً ملفوظ نہ ہو اس پر ملفوظ حقیقی کے احکام جاری کیا جائے اور مستتر مقولۂ حرف وصوت سے نہ ہونے کی وجہ سے وہ حقیقۃً ملفوظ نہیں ہوتا لیکن اس پر لفظ کے احکام مثلاً مسند الیہ ہونا، موکد ہونا، مبدل منہ ہونا جاری ہوتے ہیں جیسے اِضْرِبْ میں وہ مسند الیہ واقع ہے اور جَاءَ زَیْدٌ فصلی قَائِمًا میں ذوالحال اور اِنَّ زَیْدًا اضربنی نفسہٗ میں موکد واقع ہے۔

وَالْمَحْذُوْفُ[1] لفظٌ حقیقۃً لِاَنَّہٗ قد یتلفظ بہ الاِنسانُ فی بعض الاحیانِ وکلماتُ[2] اللّٰہِ تعالیٰ داخلۃٌ فیہ اذھی مما یتلفظ بہ الانسانُ وعلیٰ ھٰذا القیاسِ کلماتُ الملائکۃِ والجنِّ

ترجمہ:— اور محذوف لفظ حقیقی ہے اس لئے کہ انسان بعض اوقات میں اس کا تلفظ کرتا ہے اور کلمات باری تعالیٰ بھی لفظ حقیقی کی تعریف میں داخل ہیں اسی قیاس پر کلمات ملائکہ وجن ہیں کہ وہ بھی لفظ حقیقی ہیں۔

تشریح:— قولہ[1] والمحذوف۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ لفظ کی تعریف جامع نہیں اس لئے کہ اس سے محذوف خارج ہو جاتا ہے کیونکہ بولنے والا جب الحمدُ للّٰہ بولتا ہے تو اس میں حرف جر کا متعلق جو محذوف ہے اس کو نہیں بولتا۔ جواب یہ کہ بولنے والا بعض اوقات میں متعلق محذوف کو ظاہر کر کے بولتا ہے جیسے وَاسْئَلِ الْقَرْیَۃَ کو بعض اوقات میں اہل کو ظاہر کر کے وَاسْئَلِ اَھْلَ الْقَرْیَۃِ بولا جاتا ہے۔ سوال محذوف

Marfat.com

کو بعض اوقات میں اس وقت ظاہر کیا جاتا ہے جبکہ اس کا حذف جائز ہو لیکن اگر واجب ہو تو نہیں جیسے اِنْ احدٌ من المشرکین استجارکَ میں۔ جواب محذوف واجب بھی بوقت ضرورت ظاہر کیا جاتا ہے مثلاً بیان حذف کے وقت کہ اِنْ احدٌ من المشرکین استجارکَ میں استجارکَ محذوف ہے۔

قولہ کلمات اللہ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تعریف ابھی تک جامع نہیں اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور جن وملائکہ کے کلمات پر صادق نہیں آتی جیسے سیدنا جبرئیل علیہ السلام کا قول اِنّ فی الجنۃِ نہرًا من لبنٍ لعلیٍ وحسینٍ وحَسَنٍ اور جن کے کلمات قبرٌ حربٌ بمکانٍ قفرٍ۔ لیس قُربَ قبرِ حربٍ قبرٌ۔ نکل جاتے ہیں۔ جواب یہ کہ ان تمام کا بھی انسان تلفظ کرتا ہے خدا کے کلمات کو انسان نماز میں پڑھتا ہے یونہی جن وملائکہ کے کلمات کا بھی بعض اوقات میں تلفظ کرتا ہے کیونکہ تلفظ مطلق ہے جو حدوثاً تلفظ کے علاوہ نقلاً تلفظ کو بھی شامل ہے۔

والدالُّ الاربعُ وھی الخطوطُ والعقودُ والنصبُ والاشاراتُ غیرُ داخلۃٍ فیہِ فلاحاجۃَ الیٰ قیدٍ یُخرِجُھا

ترجمہ:— اور دوال اربع یعنی خطوط وعقود و اشارات لفظ کی تعریف میں داخل نہیں لہٰذا ایسی قید کی کوئی ضرورت نہیں جو ان کو لفظ کی تعریف سے خارج کر دے۔

تشریح:— قولہ والدّالُ۔ یہ علامہ رضی کے اس سوال کا جواب ہے کہ کلمہ کی تعریف میں ایسی قید کا اضافہ کیوں نہیں کیا گیا؟ جو دوال اربع خطوط، اشارات، نصب، عقود کو خارج کر دے کیونکہ وہ بھی معنی کے لئے موضوع ہیں لیکن ان کو کلمہ نہیں کہا جاتا۔ جواب یہ کہ کسی شئ کو خارج کرنے کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جبکہ وہ اس میں داخل ہو جائے اور جب۔ وال اربع کلمہ کی تعریف میں داخل ہی نہیں تو ان کو نکالنا فضول ہے۔ شارح ہندی نے اس کا دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ دوال اربع لفظ کی قید ہی سے خارج ہیں کیونکہ ان کا تلفظ ہی نہیں ہوتا لہٰذا دوسری قید کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس جواب پر چونکہ دوسرا سوال وارد ہو سکتا ہے کہ کلمہ کی تعریف میں لفظ جنس ہے اور لفظ کی قید سے دوال اربع کو خارج کرنے سے جنس کا فصل ہونا لازم آتا ہے اس لئے شارح نے اس سے عدول کر کے دوسرا جواب دیا۔ خیال رہے کہ دوالّ میں لام مشدد ہے

Marfat.com

وہ اصل میں فواعل کے وزن پر دوالل تھا پھر مضاعف کے قاعدہ سے ایک لام کو دوسرے لام میں ادغام کردیا گیا۔ یہ جمع ہے دالۃٌ کی اور وہ کہتے ہیں اس شئ کو جس سے کوئی معنی سمجھا جائے اور خطوط ان نقوش کو کہا جاتا ہے جو معنی پر دلالت کرے اور عقود جمع ہے عقد کی اور وہ انگلی کے اس پور کو کہا جاتا ہے جس سے مقدار متعین کیا جائے اور نُصُب جمع ہے نصیبۃٌ کی جیسے صُحُف جمع ہے صحیفۃٌ کی اور نصیبۃ وہ شئ ہے جو اس لئے گاڑا جاتا ہے تاکہ اس سے مسافت یا راستہ کا تعین حاصل ہو اور اشارات جمع ہے اشارۃ کی اور اس سے مراد اشارۂ حسیہ ہے اور وہ موضوع ہوتا ہے مشارٌ الیہ محسوس کے لئے۔

وَاِنَّمَا[1] قَالَ لَفْظٌ وَلَمْ يَقُلْ لَفْظَةٌ لِاَنَّهٗ لَمْ يَقْصُدِ الْوَحْدَةَ وَالْمُطَابَقَةُ[2] غَيْرُ لَازِمَةٍ لِعَدَمِ الْاِشْتِقَاقِ مَعَ كَوْنِ[3] اللَّفْظِ اَخْصَرَ

ترجمہ:—— اور مصنف علیہ الرحمہ نے لفظٌ فرمایا لفظۃٌ نہیں اس لئے کہ انہوں نے وحدت کا قصد نہیں کیا ہے اور مبتدا و خبر کے درمیان مطابقت یہاں لازم نہیں کیونکہ مشتق ہونا معدوم ہے ساتھ ہی لفظٌ بہ نسبت لفظۃٌ زیادہ مختصر ہے۔

تشریح:—— قولہ[1] وانما قالَ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ کافیہ جبکہ مفصل سے ماخوذ ہے تو کافیہ میں لفظ بدون تار اور مفصل میں تار کے ساتھ کیوں آیا ہے جواب یہ کہ صاحب مفصل کا خیال ہے کہ کلمہ ایک ہی لفظ ہوتا ہے اس لئے انہوں نے کلمہ کی تعریف میں اَللَّفظۃٌ تار وحدت کے ساتھ لکھا ہے اور مصنف کا خیال ہے کہ کلمہ کبھی ایک لفظ ہوتا ہے اور کبھی چند الفاظ جیسے عبدُاللہ جبکہ علم ہو اس لئے انہوں نے کلمہ کی تعریف میں لفظ کو بدون تار لکھا ہے۔

قولہ[2] والمطابقۃ غیر۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مبتدا و خبر کے درمیان چونکہ تذکیر و تانیث میں مطابقت ضروری ہے اس لئے مصنف کو بھی الکلمۃٌ لفظۃٌ تار کے ساتھ لکھنا چاہئے۔ جواب یہ کہ مبتدا اگر مونث ہو تو اس کے اور خبر کے درمیان مطابقت ضروری ہونے کے لئے چار شرطیں ہیں ایک یہ کہ خبر مشتق ہو یا اسم منسوب لہٰذا ھٰذَا اسمٌ و فعلٌ و حرفٌ کہنا جائز ہے دوسری یہ کہ خبر میں ایک ایسی ضمیر ہو

Marfat.com

جس کا مرجع مبتدا ہو لہٰذا مکۃُ آمنٌ اھلُھا کہنا جائز ہے تیسری یہ کہ خبر ایسا لفظ نہ ہو جو مذکر و مونث دونوں کیلئے بولا جاتا ہو لہٰذا اَلصَّلوٰۃُ خیرٌ مِّن النومِ کہنا جائز ہے کیونکہ اسم تفضیل جو مِنْ کے ساتھ مستعمل ہے وہ مذکر و مونث دونوں کے لئے بولا جاتا ہے چوتھی یہ کہ خبر ایسی صفت نہ ہو جو مونث کے ساتھ خاص ہو لہٰذا اَلمرءۃُ حائضٌ کہنا جائز ہے اور اَلکلمۃُ لفظٌ میں پہلی شرط مفقود ہے کہ خبر مشتق نہیں اور نہ ہی اسم منصوب ہے یونہی دوسری و تیسری شرط بھی مفقود ہے اس لئے خبر کو تار کے ساتھ نہیں لکھا گیا۔ لیکن مبتدا اگر مذکر ہو تو اس کے اور خبر کے درمیان مطابقت ضروری ہونے کے لئے صرف دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ خبر مشتق ہو یا اسم منسوب اور دوسری یہ کہ خبر میں ایک ایسی ضمیر ہو جو مبتدا کی طرف راجع ہو۔

قولہ مع کون اللفظ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ شرائط مفقود ہونے کی وجہ سے جب مطابقت ضروری نہیں تو ممنوع بھی تو نہیں ہے لہٰذا اَلکلمۃُ لفظۃٌ کیوں نہیں کہا گیا؟ جواب یہ کہ لفظۃ سے لفظٌ مختصر ہے اور عبارت میں اختصار ہی اولیٰ ہوتا ہے ارشاد گرامی ہے خیرُ الکلامِ ما قلَّ ودلَّ وَلَم یُخِلّ نیز یہ مقصود مصنف کے بھی خلاف ہے کہ وہ کلمہ سے صرف ایک ہی لفظ کا ارادہ نہیں کرتے بلکہ چند لفظوں کا ارادہ کرتے ہیں۔ سوال لفظ اخصر اسم تفضیل ہے جو زیادتی پر دال ہے اور لفظ بدون تار سے صرف اختصار حاصل ہوتا ہے زیادتی اختصار نہیں۔ جواب اسم تفضیل کا استعمال کبھی اصل معنی کے بیان کے لئے بھی ہوتا ہے جس میں زیادتی ملحوظ نہیں ہوتی اور یہاں یہی مراد ہے۔

وُضِعَ الوضعُ تخصیصُ شیءٍ بشیءٍ بحیثُ متی اُطلِقَ اَو اُحِسَّ الشیءُ الاَوَّلُ فُھِمَ منہ الشیءُ الثانی قیلَ یخرجُ عنہ وَضعُ الحَرفِ حیثُ لایفھمُ منہ معناہُ متی اُطلِقَ بل اِذا اُطلِقَ مع ضمِّ ضمیمۃٍ وَلُجیبَ بان المرادَ متی اُطلِقَ اطلاقًا صحیحًا وَاطلاقُ الحرفِ بلا ضمِّ ضمیمۃٍ غیرُ صحیحٍ وَلا یبعدُ اَن یقالَ المرادُ باطلاقِ الالفاظ اَن یستعملھا اھلُ اللسانِ فی محاوراتھم وَبیانِ مقاصدِھم فلا حاجۃَ الیٰ اعتبارِ قیدٍ زائدٍ

ترجمہ:— (جو موضوع ہو) وضع ایک شئ کو دوسری شئ کے ساتھ اس طرح خاص کرنا ہے کہ

Marfat.com

جب شئ اوّل کا اطلاق یا احساس کیا جائے تو اس سے دوسری شئ سمجھی جائے۔ بعض نے اعتراض کیا ہیکہ اس تعریف سے حرف کی وضع خارج ہوجاتی ہے کیونکہ جب حرف کا اطلاق کیا جاتا ہے تو اس سے اس کا معنی دوسرے کلمہ کے ملائے بغیر سمجھا نہیں جاتا ہے بعض نے اس کا جواب بایں طور دیا ہے کہ جب اس کا صحیح اطلاق کیا جائے اور حرف کا اطلاق دوسرے کلمہ کے ملائے بغیر صحیح نہیں ہوتا۔ شارح فرماتے ہیں کہ یہ کہنا بعید نہ ہوگا کہ الفاظ کے اطلاق سے مراد یہ ہے کہ اہل زبان ان الفاظ کو اپنے محاوروں و مقصدوں کے بیان میں استعمال کریں پس اس توجیہہ کی صورت میں قید زائد کے اعتبار کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔

تشریح:— قولہ الوضعُ۔ وُضِعَ فعل مجہول ہے جس کا مصدر وضعٌ ہے لغت میں اس کا معنی رکھنا ہے اور اصطلاح میں اس معنی کو کہتے ہیں کہ ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ اس طرح خاص کردینا کہ جب پہلی چیز کا اطلاق یا احساس کیا جائے تو دوسری چیز سمجھ میں آجائے۔ پہلی چیز کو موضوع اور دوسری چیز کو موضوع لہٗ کہتے ہیں۔ خیال رہے کہ وضع کے لغوی معنی کو یہاں اس لئے بیان نہیں کیا گیا کہ وہ علوم میں غیر مقصود ہے اور ماقبل میں لفظ کے لغوی معنی کو اس لئے بیان کیا گیا تھا کہ وہ معنیٔ اصطلاحی کیطرف منقول ہے اور منقول کے لئے ضروری ہے معنیٔ اول مذکور ہو اور معنیٔ اول یہی اس کا معنیٔ لغوی ہے اور اَوْ یہاں تشکیک و تردید کے لئے نہیں بلکہ تنویع و تقسیم کے لئے آیا ہے یعنی یہ بیان کرنے کے لئے کہ وضع کی دو قسمیں ہیں لفظی و غیر لفظی۔ اول کو متی اُطلِقَ سے بیان کیا گیا اور دوم کو متی اُحِسَّ الشئ سے۔

قولہ قیلَ یخرجُ۔ اس عبارت سے وضع کی تعریف پر جامع ہونے کے اعتبار سے اعتراض وارد کیا ہے جس کا حاصل یہ کہ حرف موضوع ہے لیکن جب وہ بولا جاتا ہے تو اس سے اس کا معنی سمجھ میں نہیں آتا۔ جب تک کہ اس کے ساتھ دوسرے کلمہ کو نہ ملایا جائے مثلاً مِنْ بولا جائے تو اس سے کچھ سمجھ میں نہیں آتا جب تک کہ اس کے ساتھ بصرہ دکوفہ وغیرہ کو نہ ملایا جائے پس یہ تعریف حرف کی وضع پر صادق نہیں آتی۔ سوال ضمیمہ کے ساتھ ضم کی قید کا اضافہ فضول ہے اس لئے کہ ضمیمہ ہی ضم پر دال ہے۔ جواب ضمیمہ یہاں محمول بر تجرید ہے اس لئے کہ وہ یہاں کلمۂ اخریٰ کے معنی میں ہے اصل عبارت یہ ہے اِذا اُطلِقَ مع ضمِّ کلمۃٍ اُخریٰ۔

Marfat.com

قولہ[٣] اُجیبَ۔ سوال مذکور کے دو جواب دئے ہیں ایک شارح ہندی نے جس کو اُجیب سے بیان کیا ہے اور دوسرا علامہ جامی نے جس کو لایبعدُ سے بیان کیا ہے شارح کے جواب کا حاصل یہ کہ تعریف میں اطلاق سے مراد اطلاق صحیح ہے اس لئے کہ قاعدہ ہے اَلمطلقُ اِذا اُطلِقَ اُطلِقَ علیٰ الفَرْدِ الکامِلِ اور اطلاق کا فرد کامل اطلاق صحیح ہے اور حرف کا اطلاق صحیح دوسرے کلمہ کے ملانے پر ہوتا ہے جس سے اس کا معنی سمجھ میں آجاتا ہے۔ علامہ جامی نے یہ جواب دیا ہے کہ اہل زبان اپنے محاوروں میں اس کو استعمال کریں اور ظاہر ہے اہل زبان اپنی بول چال میں حرف کو استعمال کرتے ہیں تو اس سے اس کا معنی سمجھ میں ضرور آتا ہے۔

قولہ[٤] فلاحاجۃ۔ یہ شارح ہندی کے جواب کے رد کی طرف اشارہ ہے جس کا حاصل یہ کہ شارح ہندی کے جواب سے قید زائد یعنی اطلاق کے ساتھ لفظ صحیح کا اعتبار لازم آتا ہے حالانکہ تعریف میں قید زائد کا اعتبار خلاف اصل ہے۔ سوال قید زائد کا اعتبار علامہ جامی کے جواب سے بھی لازم آتا ہے کیونکہ انہوں نے بھی اطلاق کو استعمال مذکور یعنی استعمال فی محاورات وبیان مقاصد کے ساتھ مقید کیا ہے۔ جواب استعمال مذکور اطلاق کا بیان ہے اور بیان کسی کی قید نہیں ہوتا۔ سوال یونہی صحیح بھی اطلاق کا بیان ہے قید نہیں۔ جواب اطلاق سے استعمال مذکور کا بیان ہونا متبادر ہے لفظ صحیح نہیں۔

لمعنیً[١] المعنیٰ مَا یُقصدُ بشیءٍ فھُوَ اِمّا[٢] مَفعَلٌ اسمُ مکانٍ بمعنیٰ المقصَدِ اَومَصدَرٌ میمیٌّ بمعنیٰ المفعُولِ اَومُخفّفُ معنیٍّ اسمِ مفعولٍ کمرمیٍّ

ترجمہ:— (ایسے معنی کے لئے) معنی وہ ہے جو کسی شئ سے قصد کیا جائے پھر معنی بروزن مفعل بمعنی جائے قصد ہے یا مصدر میمی بمعنی مفعول ہے یا مرمیّ کی طرح اسم مفعول کا مخفف ہے۔

تشریح — قولہ[١] المعنیٰ۔ معنی وہ ہے جو کسی شئ سے قصد کیا جائے۔ شئ عام ہے خواہ لفظ ہو یا غیر لفظ۔ لفظ تو ظاہر ہے لیکن غیر لفظ جیسے دوال اربع سے ان کے مدلولات۔ سوال یہ معنی اصطلاحی ہے جس کو معنیٰ لغوی اِمّا مفعلٌ الخ پر مقدم کیا گیا ہے حالانکہ معنیٰ لغوی مقدم ہوتا ہے کیونکہ لفظ پہلے معنیٰ لغوی کے لئے موضوع ہوتا ہے پھر معنیٰ اصطلاحی کی طرف منقول ہوتا ہے نیز یہ اسلوب مذکور کے خلاف ہے اس لئے کہ ماقبل میں

Marfat.com

پہلے لفظ کے معنیٔ لغوی کو بیان کیا گیا ہے پھر معنیٔ اصطلاحی کو۔ جواب اس کے معنی لغوی میں بہ نسبت معنیٔ اصطلاحی کے تفصیل ہے لہذا معنیٔ لغوی بمنزلۂ مرکب ہوا اور معنیٔ اصطلاحی بمنزلۂ مفرد اور مفرد بالطبع مقدم ہوتا ہے برخلاف لفظ کہ اس کے معنیٔ لغوی میں اتنی تفصیل نہیں اس لئے اس کو پہلے بیان کیا گیا۔

قولہ فھو اما مفعلٌ۔ یہ اس اعتراض کا جواب ہے کہ معنی نہ مصدر میمی ہو سکتا ہے اور نہ اسم مکان اور نہ اسم مفعول لیکن اسم مکان اس لئے نہیں ہو سکتا کہ اس تقدیر پر متن کا ترجمہ ہوتا ہے کہ کلمہ وہ لفظ ہے جو وضع کیا گیا ہے قصد کرنے کی جگہ کے لئے اور مصدر میمی کی تقدیر پر ترجمہ ہوتا ہے کہ کلمہ وہ لفظ ہے جو وضع کیا گیا ہے قصد کرنے کے لئے حالانکہ کلمہ نہ تو قصد کرنے کے لئے وضع کیا گیا ہے اور نہ ہی قصد کرنے کی جگہ یا زمانے کے لئے بلکہ مقصود متکلم کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ اور اسم مفعول اس لئے نہیں ہو سکتا کہ ثلاثی مجرد کے اسم مفعول، مفعولٌ کے وزن پر ہوتا ہے اور یہ اس وزن پر نہیں۔ جواب یہ کہ معنی اسم مکان بھی ہو سکتا ہے اور مصدر میمی اور اسم مفعول بھی لیکن اسم مکان و مصدر میمی اس لئے ہو سکتا ہے کہ وہ مجازاً اسم مفعول یعنی مقصود کے معنی میں ہے اور اسم مفعول اس لئے ہو سکتا ہے کہ وہ اصل میں معنوٌ بروزن مضروبٌ تھا پھر وہ سیّد کے قاعدہ سے معنیٌ بروزن مرمیٌ ہو گیا پھر تخفیف کے لئے خلاف قیاس ایک یاء کو حذف کر کے نون کا کسرہ فتحہ سے بدل دیا گیا پھر قال کے قاعدہ سے یاء بدل کر الف ہو گئی اور اجتماع ساکنین کی وجہ سے الف ساقط ہو کر معنیٌ ہو گیا۔ خیال رہے کہ مصدر میمی کا عطف اسم مکان پر ہے مفعل پر نہیں کیونکہ مفعل جس طرح اسم مکان کا صیغہ ہے اسی طرح مصدر میمی کا بھی۔ وہ اگر اسم مکان ہو تو بمعنی مقصد ہوگا اور مصدر میمی ہو تو بمعنی قصد ہوگا اور بمعنی المفعول کا تعلق اسم مکان اور مصدر میمی دونوں کے ساتھ ہے اس لئے کہ دونوں، مجازاً بمعنی اسم مفعول ہے نہ کہ صرف مصدر میمی بمعنی اسم مفعول اور اَوْ مخففٌ کا عطف مفعلٌ پر ہے۔

وَلَمَّا كَانَ الْمَعْنٰى مَاخُوذًا فِي الْوَضْعِ فَذِكْرُ الْمَعْنٰى بَعْدَهٗ مَبْنِيٌّ عَلٰى تَجْرِيْدِهٖ عَنْهُ فَخَرَجَ بِهِ الْمُهْمَلَاتُ وَالْاَلْفَاظُ الدَّالَّةُ بِالطَّبْعِ اِذْ لَمْ يَتَعَلَّقْ بِهَا وَضْعٌ وَتَخْصِيْصٌ اَصْلًا وَبَقِيَتْ حُرُوْفُ الْهِجَاءِ الْمَوْضُوْعَةُ لِغَرَضِ التَّرْكِيْبِ لَا بِاِزَاءِ الْمَعْنٰى وَخَرَجَتْ بِقَوْلِهٖ لِمَعْنًى اِذْ وَضْعُهَا لِغَرَضِ التَّرْكِيْبِ لَا بِاِزَاءِ الْمَعْنٰى

ترجمہ:— اور معنی جبکہ وضع کی تعریف میں داخل ہے تو اس کے بعد معنی کا ذکر وضع سے معنی کی تجرید

Marfat.com

کے طور پر ہے پس وضع کی قید سے الفاظ مہملہ اور وہ الفاظ جو بالطبع دلالت کرتے ہیں خارج ہوگئے۔ اس لئے کہ ان سے وضع و تخصیص کا قطعاً کوئی تعلق نہیں ہوتا اور حروف ہجا جو غرض ترکیب کے لئے موضوع ہیں معنی کے مقابلہ کے لئے نہیں باقی رہ گئے اور وہ مصنف کے قول "لمعنیً" کی قید سے نکل گئے کیونکہ ان کی وضع غرض ترکیب کے لئے ہوئی ہے معنی کے مقابلہ کے لئے نہیں۔

تشریح:— قولہ لما کانَ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ وضع کی تعریف میں شئ اول سے لفظ اور شئ ثانی سے معنی مراد ہے لہذا وضع کے بعد معنی کا ذکر فضول ہے۔ جواب یہ کہ معنی کا ذکر یہاں بر بنائے تجرید ہے یعنی وضع اپنے معنیٔ تضمنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ سوال تجرید خلاف اصل ہے اور عبارت کو خلاف اصل پر اس وقت حمل کیا جاتا ہے جبکہ کوئی نکتہ مقصود ہو اور یہاں وہ کونسا نکتہ مقصود ہے؟ جواب تجرید خلاف اصل نہیں کیونکہ وہ علم بدیع سے ہے جو کلام میں حسن پیدا کرتا ہے اور اگر خلاف اصل بھی ہو تو اس میں نکتہ یہ ہے کہ معنی کو اگر دوبارہ بیان نہ کیا جائے تو اس کا ذکر ضمناً لازم آئے گا حالانکہ تعریف میں ہر جزء کا ذکر صراحۃً ہوا کرتا ہے نیز یہ بھی کہ ذکر کرنے میں مفرد کا معنی کی صفت ہونے کی طرف ذہن متبادر کرتا ہے ذکر نہ کرنے کی صورت میں نہیں۔

قولہ فخرج بہ المہملات۔ اس عبارت سے کلمہ کے اجزاء تعریف کی جنس و فصل ہونے کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے کہ لفظ بمنزلۂ جنس ہے جو الفاظ موضوعہ و مہملہ سب کو شامل ہے کیونکہ انسان جس طرح لفظ موضوع کا تلفظ کرتا ہے اسی طرح لفظ مہمل کا بھی۔ اور وضع بمنزلۂ فصل بعید بدو مرتبہ ہے جس سے الفاظ غیر موضوعہ نکل گئے اور وہ الفاظ بھی نکل گئے جن میں دلالت طبعیہ یا عقلیہ ہے جیسے لفظ اُخ اُح کی دلالت سینہ کے درد پر اور دیز کی دلالت وجود لافظ پر جبکہ پس پردہ بولا جائے کیونکہ یہ معنی مذکور کے لئے وضع نہیں کئے گئے ہیں کہ ان میں وضع و تخصیص قطعاً نہیں ہوتی۔ اور لمعنیٰ بمنزلۂ فصل بعید بیک مرتبہ ہے جس سے حروف ہجا نکل گئے جو معنی کے لئے نہیں بلکہ چند حروف ہجا کو ملا کر لفظ بنانے کے لئے وضع کئے گئے ہیں یہی وجہ ہے کہ حروف ہجا بولنے سے کوئی معنی سمجھ میں نہیں آتا اور مفرد بمنزلۂ فصل قریب ہے جس سے الفاظ موضوعہ مرکبہ نکل گئے خواہ مرکبہ کلامیہ ہو یا غیر کلامیہ واضح ہو کہ حروف کی تین قسمیں ہیں (۱) حروف ہجا (۲) حروف مبانی (۳) حروف معانی۔ حروف ہجا وہ ہیں جن کو البار اور اَللّامُ وغیرہ سے تعبیر کیا جائے

Marfat.com

اور حروف مبانی وہ ہیں جو کلمہ کے اجزاء ہوں جیسے بارضربَ میں اور حروف معانی وہ ہیں جن کے معنی ہوں جیسے مررتُ بزیدٍ میں بار۔

قولہ اَلدّالۃ بالطبع ۔ وضع کی قید سے جس طرح وہ الفاظ نکل گئے جن میں دلالت طبعیہ ہے اسی طرح وہ الفاظ بھی نکل گئے جن میں دلالت عقلیہ ہے لیکن ان کو یہاں اس لئے بیان نہیں کیا گیا کہ ان الفاظ کا ذکر جن میں دلالت طبعیہ ہے بطور تمثیل ہے بطور تحدید وانتہا نہیں۔

قولہ اِذلم یتعلّق ۔ یہ دلیل ہے مہملات اور ان الفاظ کا کلمہ کی تعریف سے نکلنے کی جو بالطبع دلالت کرتے ہیں ۔ اس میں ضمیر مجرور کا مرجع مہملات اور الفاظ دالۃ بالطبع دونوں نہیں بلکہ بر سبیل بدلیت ہر ایک ہے اور وضع کے بعد تخصیص کا ذکر اگرچہ فضول ہے کیونکہ دونوں کا معنی ایک ہے لیکن اس کو اس امر کی طرف اشارہ کرنے کے لئے لایا گیا کہ مہملات اور ان الفاظ میں جن میں دلالت طبعیہ ہے نہ وضع تجریدی ہے اور نہ غیر تجریدی یونہی لفظ اصلاً سے یہ اشارہ ہے کہ ان دونوں کے اندر نہ وضع خاص ہے اور نہ وضع عام۔

قولہ لِغرض التّرکیب ۔ غرض ترکیب حروف ہجا کا معنی نہیں ہے کیونکہ معنی وہ ہوتا ہے جو لفظ کے اطلاق کے وقت سمجھ میں آجائے اور یہ حروف ہجا کے اطلاق کے وقت سمجھ میں نہیں آتی اور اگر بالفرض غرض ان کا معنی ہو تو ہر حرف ہجا کا ایک دوسرے کے مترادف ہونا لازم آئے گا مثلاً تا، سین ہو جائے گی اور یا، عین کیونکہ اس تقدیر پر ہر ایک غرض ترکیب کے لئے موضوع ہوگا حالانکہ ظاہر ہے ہر ایک دوسرے کا غیر ہے اور اس لئے بھی کہ مثلاً چارپائی کی غرض اس پر آرام کرنا ہے حالانکہ یہ اس کا معنی نہیں ہے۔

فانْ قُلتَ قَد وُضِعَ بَعضُ الاَلفاظِ بازاءِ بعضٍ آخرَ فکیف یَصدُقُ علیہ اَنّہٗ وُضِعَ لمعنیً قلنا اَلمعنیٰ مَایتعلّقُ بہ القصدُ وھُوَ اَعمُّ مِنْ اَن یکونَ لفظاً اَوغیرہٗ

ترجمہ :—— پس اگر آپ سوال کریں کہ کچھ الفاظ دوسرے الفاظ کے مقابلہ میں وضع کئے گئے ہیں تو اس پر وضع لمعنیٰ کیسے صادق آئے گا تو ہم جواب دیں گے کہ معنی وہ ہے جس کے ساتھ قصد متعلق ہو

Marfat.com

اور وہ عام ہے لفظ ہو یا غیر لفظ ہو۔

تشریح:—— قولہ فَاِنْ قلتَ۔ یہ ایک سوال ہے جس کا حاصل یہ کہ تسلیم ہے کہ اکثر الفاظ معانی کے لئے موضوع ہیں جیسے لفظ رسول وغیب لیکن بعض الفاظ ایسے بھی ہیں جو الفاظ ہی کے لئے موضوع ہیں جیسے لفظ اسم موضوع ہے لفظ زید و بکر کے لئے اور لفظ فعل موضوع ہے لفظ ضربَ وکرُمَ کے لئے اور لفظ حرف موضوع ہے لفظ من والیٰ کے لئے۔

قولہ قلنا المعنیٰ۔ یہ جواب ہے سوال مذکور کا جس کا حاصل یہ کہ معنی سے مراد وہ ہے جو متکلم کا مقصود ہو خواہ وہ لفظ ہو یا غیر لفظ۔ غیر لفظ جیسے رسول وغیب کا معنی اور لفظ جیسے لفظ اسم وفعل وحرف کا معنی۔ خیال رہے کہ سوال مذکور تعریف مایُقصدُ بشئٍ میں لفظ ما سے اغماض کی وجہ سے ہے کیونکہ یہ عموم اس میں موجود ہے اور معنی کی تعریف یہاں ما یتعلق بہ القصد سے کی گئی جبکہ ماقبل میں مایقصد بشئٍ سے کی گئی ہے حالانکہ دونوں کا ماحصل ایک ہے اس کی وجہ غالباً معنی کی دونوں تعریفوں کو بیان کرنا ہے جن کو بعض لوگوں نے الگ الگ بیان کیا ہے۔

فَاِنْ قُلْتَ قَدْ وُضِعَ بعضُ الکلماتِ المفردۃِ بازاءِ الالفاظِ المرکبۃِ کلفظِ الجملۃِ والخبرِ فکیف یکونُ موضوعًا للمفردِ قلنا ھٰذہ الالفاظُ وان کانتْ بالقیاسِ الی معانیھا مرکبۃً لکنّھا بالقیاسِ الی الفاظھا الموضوعۃِ بازاءِ ھا مفردۃٌ وقد اُجیبَ مِنَ الاشکالَیْنِ بانّہٗ لیس ھٰھنا لفظٌ وُضِعَ بازاءِ لفظٍ آخرَ مفردًا کانَ اَومرکبًا بل بازاءِ مفھومٍ کلیٍّ اَفرادُہٗ الفاظُ کلفظِ الاِسْمِ والفِعْلِ والحَرْفِ والخبرِ والجملۃِ وغیرِھا۔

ترجمہ:—— پھر اگر آپ سوال کریں کہ کچھ کلمات مفردہ الفاظ مرکبہ کے مقابلہ میں وضع کئے گئے ہیں جیسے لفظ جملہ وخبر لہٰذا وہ مفرد کے لئے کیسے موضوع ہوں گے؟ تو ہم جواب دیں گے کہ یہ الفاظ یعنی جملہ وخبر اگرچہ اپنے معانی کے اعتبار سے مرکب ہیں لیکن اپنے ان الفاظ کے اعتبار سے جو ان کے مقابلہ میں موضوع ہیں، مفرد ہیں اور بعض نے دونوں سوالوں کا جواب یہ دیا ہے کہ یہاں کوئی لفظ کسی دوسرے لفظ کے

Marfat.com

مقابلہ میں وضع نہیں کیا گیا ہے خواہ وہ لفظ مفرد ہو یا لفظ مرکب بلکہ اس مفہوم کلی کے مقابلہ میں وضع کیا گیا ہے جس کے افراد الفاظ ہیں جیسے لفظ اسم و فعل و حرف و خبر و جملہ وغیرہ

تشریح:—— قولہ فإن قلتَ ۔ یہ ایک سوال ہے جس کا حاصل یہ کہ یہ مانا کہ اکثر الفاظ مفردہ معانی مفردہ کے لئے موضوع ہیں لیکن بعض الفاظ مفردہ ایسے بھی ہیں جو الفاظ مرکبہ کے لئے موضوع ہیں جیسے لفظ خبر موضوع ہے زید قائم مرکب کے لئے اور لفظ جملہ موضوع ہے ضربَ زیدٌ مرکب کے لئے۔ خیال رہے کہ اس سوال کا تعلق مفرد کے ساتھ ہے لیکن اس کو مفرد کی بحث میں نہ بیان کر کے یہاں اس لئے بیان کیا گیا کہ اس کا تعلق سوال اول کے ساتھ ہے۔

قولہ قلنا ہذہ الالفاظ ۔ یہ جواب ہے سوال مذکور کا جس کا حاصل یہ کہ زید قائم اور ضربَ زیدٌ اگرچہ اپنے معانی کی طرف نظر کر کے مرکب ہیں کیونکہ اس کے لفظ کا جزء معنی کے جزء پر دلالت کرتا ہے لیکن اس لحاظ سے کہ وہ خبر و جملہ کے مقابل میں وضع کئے گئے ہیں مفرد ہیں۔ عبارت میں مفردۃ خبر ہے لکنّھا کی اور مرکبۃ خبر ہے کانت کی۔

قولہ وقد أُجیبَ ۔ ماقبل میں مذکورہ بالا دونوں سوالوں کا جواب الگ الگ دیا گیا تھا اور یہاں پر دونوں کا جواب ایک ساتھ دیا جاتا ہے۔ پہلا دونوں جواب تسلیمی تھا یعنی یہ تسلیم کیا گیا تھا کہ الفاظ کی وضع الفاظ کے لئے بھی ہوتی ہے اور مفرد کی وضع مفرد کے لئے لیکن دوسرے لحاظ سے وہ مرکب بھی ہو سکتا ہے اور یہ دوسرا جواب انکاری ہے یعنی یہ تسلیم نہیں کیا گیا ہے کہ الفاظ کی وضع الفاظ کے لئے ہوتی ہے حاصل یہ کہ اسم و فعل و حرف وغیرہ الفاظ مفہومات کلیہ کے لئے موضوع ہیں جن کے افراد الفاظ ہیں جو مفرد و مرکب ہوتے ہیں مثلاً اسم ایسے معنی مستقل کے لئے موضوع ہے جو زمانہ سے مقترن نہ ہو نہ کہ لفظ زید و بکر وغیرہ کے لئے اسی طرح لفظ فعل ایسے معنی مستقل کے لئے موضوع ہے جو زمانہ سے مقترن ہو نہ کہ لفظ ضرب و کرم کے لئے اسی طرح لفظ حرف معنی غیر مستقل کے لئے موضوع ہے نہ کہ من والیٰ وغیرہ کے لئے یونہی لفظ خبر و جملہ وغیرہ

ولا یخفیٰ علیک أنّ ھذا الحکمَ منقوضٌ بأمثالِ الضمائرِ الراجعۃِ إلیٰ الألفاظِ مخصوصۃٍ مفردۃٍ أو مرکبۃٍ فإنّ الوضعَ فیھا وإن کانَ عامًّا لکنّ الموضوعَ لہٗ خاصٌّ فلیسَ ھناک

Marfat.com

مفہومٌ کلیٌ ھُوَ الموضوعُ لہٗ فی الحقیقۃِ

ترجمہ:—— اور آپ پر یہ بات مخفی نہ رہے کہ یہ حکم ضمیروں کے امثال سے جو الفاظ مخصوصہ مفردہ یا مرکبہ کی طرف راجع ہیں منقوض ہے۔ اس لئے کہ وضع اگرچہ ضمیروں کی طرف عام ہے لیکن اس کا موضوع لہٗ خاص ہے لہٰذا یہاں مفہوم کلی حقیقت میں موضوع لہٗ نہیں ہے۔

تشریح:—— قولہ ولا یخفیٰ۔ شارح کے نزدیک دوسرا جواب چونکہ پسندیدہ نہیں تھا اس لئے انہوں نے اس جواب کو بصیغۂ تمریض نقل کیا ہے اور اس عبارت سے اس کا رد کیا ہے جس کا حاصل یہ کہ الفاظ مذکورہ لفظ اسم وفعل وغیرہ اگرچہ غیر لفظ یعنی مفہومات کلیہ کے لئے موضوع ہیں لیکن ہر لفظ کا موضوع لہٗ غیر لفظ نہیں بلکہ بعض الفاظ کا موضوع لہٗ الفاظ ہی ہے جیسے ضمائر مثلاً لفظ ھو کا مرجع کوئی لفظ ہو اسی طرح لفظ ذا کا مشار الیہ کوئی لفظ ہو کیونکہ اسم ضمیر واسم اشارہ مفہوم کلی کے لئے موضوع نہیں ہوتے بلکہ ان کا مرجع ومشارٌ الیہ ھو ہو تو ان کا موضوع لہٗ لفظ ہوتا ہے جیسے کرُم فعلٌ ماضٍ وھُوَ مبنیٌ علی الفتح میں لفظ ھو کا موضوع لہٗ کرم ہے اور اشتریتُ ابلاً وھوَ اَطوَلُ میں لفظ ھو کا موضوع لہٗ ابل ہے پس لفظ ھو کا مرجع جب کوئی لفظ ہو یا لفظ ذا کا مشار الیہ کوئی لفظ ہو تو موضوع بھی لفظ ہوگا اور موضوع لہٗ بھی۔ سوال ہر مرجع اگر لفظ ہو کا موضوع لہٗ ہو تو ایک لفظ کی وضع امور غیر محصورہ کے لئے لازم آئے گی کیونکہ مرجع غیر محصور ہیں اسیطرح لفظ ذا کا موضوع لہٗ اگر ہر مشار الیہ ہو تو ایک لفظ کی وضع امور غیر محصورہ کے لئے لازم آئے گی کیونکہ مشار الیہ غیر محصور ہیں اور غیر محصور کے لئے لفظ کی وضع ناممکن ہے اس لئے لفظ ھو اور لفظ ذا کا موضوع لہٗ بھی مفہوم کلی ہی ہے۔ جس طرح کہ لفظ اسم کا موضوع لہٗ مفہوم کلی ہے۔ جواب واضع کے ذہن میں بوقت وضع موضوع لہٗ کا تصور ضروری ہے لیکن واضع کبھی (۱) جزئی حقیقی کا تصور کرتا ہے اور اس کے لئے کوئی لفظ وضع کرتا ہے اس کو وضع خاص اور موضوع لہٗ خاص کہتے ہیں (۲) کبھی واضع مفہوم کلی کا تصور کرتا ہے اور اس کے لئے کوئی لفظ وضع کر دیتا ہے جیسے حیوان ناطق کا تصور کر کے واضع نے اس کے لئے لفظ انسان کو وضع کر دیتا ہے اس کو وضع عام اور موضوع لہٗ عام کہتے ہیں (۳) اور کبھی واضع مفہوم کلی کا تصور کرتا ہے اور اس کے تمام افراد غیر محصورہ کے لئے کوئی لفظ وضع کر دیتا ہے اس کو وضع عام اور

Marfat.com

موضوع لہٗ خاص کہتے ہیں جیسے اسم ضمیر و اسم اشارہ کہ واضع نے واحد مذکر غائب کا تصور کر کے اس کے تمام افراد غیر محصورہ کے لئے لفظ ھو کو وضع کر دیتا ہے پس مذکورہ بالا صورتوں میں سے اگر پہلی صورت ہو یعنی وضع خاص اور موضوع لہٗ خاص ہو تو امور غیر محصورہ کے لئے وضع کرنا ناممکن ہے لیکن اگر تیسری صورت یعنی وضع عام اور موضوع لہٗ خاص ہو تو امور غیر محصورہ کے لئے وضع کرنا ناممکن ہے اور اسم ضمیر و اسم اشارہ میں یہی صورت پائی جاتی ہے لہٰذا ان دونوں کی وضع امور غیر محصورہ کے لئے ممکن ہے۔ اور لفظ اسم و لفظ ھو میں یہ فرق ہے کہ لفظ اسم کا موضوع لہٗ مفہوم کلی ہے اس لئے اس میں وضع بھی عام ہے اور موضوع لہٗ بھی عام اور لفظ ھو کا موضوع لہٗ امور غیر محصورہ ہیں اس لئے اس میں وضع تو عام ہے لیکن موضوع لہٗ خاص۔

خیال رہے کہ اسم ضمیر و اسم اشارہ کی وضع کے عام ہونے پر سب کا اتفاق ہے لیکن ان دونوں کا موضوع لہٗ عام ہے یا خاص اس میں اختلاف ہے۔ جمہور کا خیال ہے کہ ان دونوں کا موضوع لہٗ خاص ہے اور بعض علماء کا خیال ہے کہ ان دونوں کا موضوع لہٗ بھی عام ہے جس طرح لفظ انسان کا موضوع لہٗ عام ہے۔

مفردٌ وَھو اِمَّا مجرورٌ علیٰ اَنَّہٗ صفۃٌ لمعنیً ومعناہُ ح مالا یدُلُّ جزءُ لفظہٖ علی جزئہٖ و فیہ اِنَّہٗ یوھم اَنَّ اللّفظَ موضوعٌ للمعنی المتصفِ بالاِفرادِ والترکیبِ قبلَ الوضعِ ولیس الامرُ کذٰلک فاِنَّ اتصافَ المعنیٰ بالاِفرادِ والترکیبِ اِنَّما ھُو بعدَ الوضعِ فینبغی اَنْ یرتکبَ فیہِ تجوزٌ کما یرتکبُ فی مثل مَنْ قتلَ قتیلاً فلہٗ سلبہٗ

ترجمہ:—— (جو مفرد ہے) اور مفرد یا تو مجرور ہے اس بناء پر کہ وہ معنی کی صفت ہے اس وقت مفرد کا معنی ہوگا کہ جس کے معنی کے لفظ کا جزء معنی کے جزء پر دلالت نہ کرے اس صورت میں یہ وہم ہوتا ہے کہ لفظ ایسے معنی کے لئے موضوع ہے جو وضع سے پہلے افراد و ترکیب سے متصف ہے حالانکہ وہ اس طرح نہیں کیونکہ معنی کا افراد و ترکیب کے ساتھ متصف ہونا وضع کے بعد ہوتا ہے پس اس وہم کے ازالہ کے لئے مناسب یہ ہے کہ اس میں مجاز کا ارتکاب کیا جاتا ہے جیسے مَنْ قتل قتیلاً فلہٗ سلبہٗ کی مثل میں ارتکاب کیا گیا ہے۔

تشریح:—— قولہ وھو اما مجرورٌ۔ مفرد مجرور ہے یا مرفوع یا منصوب لیکن مجرور اس لئے کہ وہ معنی کی

Marfat.com

صفت ہے اور معنیٰ مجرور ہے اور قاعدہ ہے جو اعراب موصوف کا ہوتا ہے وہی صفت کا ہوگا پس کلمہ کا معنیٰ ہوا کہ وہ ایسا لفظ ہے جو ایسے معنیٰ کے لئے وضع کیا گیا ہے جو مفرد ہو اور معنیٰ مفرد کی تعریف ہوئی کہ وہ معنیٰ ہے جس کے جزء پر لفظ کا جزء دلالت نہ کرے۔ اس احتمال کو احتمال رفع و نصب پر اس لئے مقدم کیا گیا کہ اس صورت میں صفت و موصوف کے درمیان فصل لازم نہیں آتی برخلاف احتمال رفع کہ مفرد کا لفظ کی صفت ہونے کی وجہ سے فصل لازم آتی ہے جو خلاف اصل ہے یہی حال احتمال نصب میں کہ وہ وضع کی ضمیر سے حال ہونے کی وجہ سے حال و ذوالحال کے درمیان لمعنیٰ سے فصل لازم آتی ہے۔

قولہ فیہ اَنہٗ۔ یہ ایک سوال ہے جس کا حاصل یہ کہ مفرد اگر مجرد ہو تو معنیٰ مفرد کا وجود وضع سے پہلے ہونا لازم آئے گا اس لئے کہ مفرد معنیٰ کی صفت ہے اور معنیٰ، وُضِعَ کا متعلق ہے اور وُضِعَ فعل ہے اور قاعدہ ہے فعل یا شبہ فعل کی نسبت جب ایسی شئ کی طرف ہو جو کسی قید کے ساتھ مقید ہو تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ قید کا وجود فعل یا شبہ فعل سے پہلے ہے جیسے ضربتُ رجلاً مشدُوداً سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ مشدود کا وجود ضرب سے پہلے ہے لہٰذا معنیٰ مفرد کا وجود وضع سے پہلے ہونا لازم آئے گا حالانکہ وضع سے پہلے لفظ کا کچھ معنیٰ نہیں ہوتا تو وضع سے پہلے معنیٰ مفرد کا وجود کیسے ہوگا؟ خیال رہے کہ اس سوال کو وہم کے ساتھ تعبیر کیا گیا جبکہ وہ قاعدہ مذکور کی وجہ سے قوی ہے اس کی وجہ یہ کہ اس سوال کا جواب چونکہ ظاہر تھا اس لئے اس کو بدرجۂ ضعیف قرار دے کر وہم سے تعبیر کیا گیا۔

قولہ فینبغی اَنْ۔ یہ جواب ہے سوال مذکور کا جس کا حاصل یہ کہ مفرد کا معنیٰ کی صفت ہونا مجاز بطریق مشارفۃ ہے یعنی وضع سے پہلے ہی معنیٰ کو مفرد کے ساتھ مایؤل کے اعتبار سے مجازاً موصوف کر دیا گیا ہے جس طرح حدیث پاک مَنْ قَتَلَ قتیلاً فلہٗ سلبہٗ میں موصوف کیا گیا ہے حالانکہ قتل کے بعد مقتول ہوتا ہے واضح ہو کہ ارتکاب مجاز یہاں ضروری ہے اس کو ینبغی سے تعبیر کیا گیا جبکہ اس سے امر غیر ضروری کو تعبیر کیا جاتا ہے اس کی وجہ یہ کہ جواب چونکہ ظاہر تھا اس لئے اس کے ظہور کی وجہ سے جواب دینے کو غیر ضروری سمجھ کر ینبغی سے تعبیر کیا گیا۔ اور تعریفات میں ارتکاب مجاز ممنوع ہوتا ہے مگر اس وقت جبکہ قرینہ موجود نہ ہو اور یہاں قرینہ موجود ہے کہ معنیٰ کا مفرد کے ساتھ یونہی مرکب کے ساتھ متصف ہونا وضع کے بعد ہی ہوتا ہے

Marfat.com

اَوْ مَرْفُوْعٌ[1] عَلٰی اَنَّہٗ صِفَۃٌ لِلَّفْظِ وَمَعْنَاہُ حِ مَا لَا یَدُلُّ جُزْؤُہٗ عَلٰی جُزْءِ مَعْنَاہُ وَلَا بُدَّ[2] حِ مِنْ بَیَانِ نُکْتَۃٍ فِیْ اِیْرَادِ اَحَدِ الْوَصْفَیْنِ جُمْلَۃً فِعْلِیَّۃً وَالْاٰخَرِ مُفْرَدًا وَکَانَّ[3] النُّکْتَۃَ فِیْہِ التَّنْبِیْہُ عَلٰی تَقَدُّمِ الْوَضْعِ عَلَی الْاَفْرَادِ حَیْثُ اُتِیَ بِصِیْغَۃِ الْمَاضِیْ بِخِلَافِ الْاَفْرَادِ

ترجمہ :—— مفرد یا مرفوع ہے اس بنا پر کہ وہ لفظ کی صفت ہے اس وقت مفرد کا معنی ہوگا جس کے لفظ کا جزء معنی کے جزء پر دلالت نہ کرے اور اس وقت ضروری ہے لفظ کے دو وصفوں میں سے ایک کو جملہ فعلیہ اور دوسرے کو مفرد لانے میں نکتہ کو بیان کرنا کہ اس میں نکتہ گویا اس امر پر تنبیہ کرنا ہے کہ وضع افراد پر مقدم ہے کیونکہ وضع کو صیغۂ ماضی کے ساتھ لایا گیا ہے برخلاف افراد۔

تشریح —— قولہ[1] اَوْ مَرْفُوْعٌ۔ یہ دوسرا احتمال ہے اور وہ یہ کہ مفرد مرفوع ہے اس لئے کہ وہ لفظ کی دوسری صفت ہے جس طرح وُضِعَ لِمَعْنًی پہلی صفت ہے اور لفظٌ مرفوع ہے اس لئے کہ وہ خبر واقع ہے اَلْکَلِمَۃُ مبتدا کی لہٰذا مفرد بھی مرفوع ہوگا پس کلمہ کا معنی ہوا کہ وہ ایسا لفظ مفرد ہے جو معنی کے لئے موضوع ہے اور لفظ مفرد کا معنی ہوا کہ وہ ایسا لفظ ہے جس کا جزء معنی کے جزء پر دلالت نہ کرے اور معنی مفرد کا معنی گزرا کہ وہ معنی ہے جس کے جزء پر لفظ کا جزء دلالت نہ کرے لہٰذا دونوں کے درمیان تلازم ہے یعنی جب لفظ مفرد ہوگا تو معنی بھی مفرد ہوگا اور جب معنی مفرد ہوگا تو لفظ بھی مفرد ہوگا۔ خیال رہے کہ مفرد کو مرفوع ھو مبتدا محذوف کی وجہ سے بھی قرار دیا جا سکتا ہے لیکن اس سے چونکہ تعریف میں حذف لازم آتا ہے اس لئے اس کو ذکر نہیں کیا گیا۔ البتہ لفظ کی صفت ہونے میں وُضِعَ لِمَعْنًی سے موصوف وصفت کے درمیان فصل لازم آتی ہے لیکن وہ یہاں ممنوع نہیں اس لئے کہ وُضِعَ لِمَعْنًی فصل اجنبی نہیں کیونکہ وہ لفظ کی صفت اول ہے۔

قولہ[2] وَلَا بُدَّ حِ۔ یہ ایک سوال ہے جس کا حاصل یہ کہ مفرد کے مجرور ہونے کی تقدیر پر لفظ کی دو صفتیں ہوں گی ایک وُضِعَ لِمَعْنًی اور دوسری مفرد پہلی صفت کو جملہ اور دوسری کو مفرد لانے کی کیا وجہ ہے؟ پہلی صفت کو بھی مفرد لاکر یہ کہنا چاہئے اَلْکَلِمَۃُ لَفْظٌ مَوْضُوْعٌ لِمَعْنًی مُفْرَدٌ۔

قولہ[3] کَانَّ النُّکْتَۃَ۔ یہ جواب ہے سوال مذکور کا جس کا حاصل یہ کہ لفظ کی دونوں صفت اگر مفرد ہوں تو یہ معلوم نہ ہو سکے گا کہ کون سی صفت حقیقۃً مقدم ہے اور کون سی موخر اس لئے پہلی صفت کو جملہ فعلیہ

Marfat.com

لاکر یہ تنبیہ کی گئی کہ افراد سے وضع حقیقۃً مقدم ہے کیونکہ پہلی صفت کو صیغۂ ماضی کے ساتھ بیان کیا ہے جو زمانۂ گزشتہ پر دال ہے۔ سوال صیغۂ ماضی تقدم زمانی پر دال ہے حالانکہ یہاں تقدم رتبی مقصود ہے یعنی وضع کو مفرد پر مرتبہ میں تقدم حاصل ہے۔ جواب تقدم زمانی سے تقدم رتبی مستعار کرلیا گیا ہے۔ سوال صیغۂ ماضی تقدم زمانی پر دال نہیں کیونکہ زمانہ تعریفات میں مہجور ہوتا ہے کما فی حاشیۃ ملا عبد الغفور۔ جواب تعریفات میں زمانہ اگرچہ مہجور ہوتا ہے لیکن لفظ زمانہ پر پھر بھی دال ہوتا ہے۔ خیال رہے کہ دونوں صفتوں میں قلب یعنی مفرد کو مقدم اور وُضِعَ لمعنیً کو موخر کرکے اَلکلمۃُ لفظٌ مفردٌ وُضِعَ لمعنیً اس لئے نہیں کہا گیا کہ اس تقدیر پر مفرد کا رفع ہونا متعین ہوجاتا ہے اور احتمال نصب و جر ختم ہوجاتا ہے۔

وَاَمَّا[1] نصبُہٗ وَاِنْ لم یُساعِدْہُ رسمُ الخطِ فعلیٰ اَنَّہٗ حالٌ مِن المستکنِ فی وُضِعَ اَوْ مِنَ للمعنیٰ فَاِنَّہٗ[2] مفعولٌ بہٖ بواسطۃِ اللّامِ وَوَجْہُ[3] صحتِہٖ اَنَّ الوضعَ وَاِنْ کان مقدّمًا علی الاَفرادِ بحسبِ الذّاتِ لکنہٗ مقارنٌ لہٗ بحسبِ الزّمانِ وھٰذا القدرُ کافٍ لِصحۃِ الحالیۃِ

ترجمہ: —— اور لیکن مفرد کا نصب ہونا اگرچہ رسم الخط اس کی موافقت نہیں کرتی پس وہ وضع کی ضمیر مستتر یا معنی سے حال ہے کیونکہ معنی بواسطۂ لام جارہ مفعول بہ واقع ہے اور وُضِعَ کی ضمیر سے حال کے صحیح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وضع اگرچہ باعتبار ذات افراد پر مقدم ہے لیکن باعتبار زمانہ اس سے مقارن ہے اور اتنی مقدار صحت حالیت کے لئے کافی ہے۔

تشریح: —— قولہ[1] وَاَمَّا نصبُہٗ۔ یہ تیسرا احتمال ہے اور وہ یہ کہ مفرد منصوب ہے اس لئے کہ وہ وُضِعَ کی ضمیر مستتر یا معنی سے حال واقع ہے لہٰذا کلمہ کا معنی ہوا کہ وہ لفظ ہے جو معنی کے لئے موضوع ہو دراں حالیکہ وہ لفظ، مفرد ہے۔ یا وہ لفظ ہے جو معنی کے لئے موضوع ہو دراں حالیکہ وہ معنی، مفرد ہے۔ خیال رہے کہ مفرد کے مرفوع و مجرور ہونے کی تقدیر پر ماقبل میں اس کا معنی بیان کیا گیا لیکن حال ہونے کی تقدیر پر اس کا معنی اس لئے بیان نہیں کیا گیا کہ وُضِعَ کی ضمیر مستتر (جسکا مرجع لفظ ہے) سے حال ہونے کی تقدیر پر مفرد، لفظ کی صفت ہوتا ہے اور معنی سے حال ہونے کی تقدیر پر معنی کی صفت اور دونوں کا بیان گزر چکا اس لئے الگ سے پھر

Marfat.com

اس کو بیان نہیں کیا گیا۔ اول دونوں احتمال کو اَمَّا مرفوعٌ وَاَمَّا مجرورٌ بصیغۂ اسم مفعول تعبیر کیا گیا لیکن تیسرے احتمال کو اَمَّا منصوبٌ بصیغۂ اسم مفعول تعبیر نہ کر کے اَمَّا نصبُہٗ سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ یہ مشہور ہے کہ جس اسم کے آخر میں تنوین ہو اور تاء تانیث اور الف ممدودہ نہ ہو تو اس اسم کے آخر میں الف لکھا جاتا ہے اور وقف کی حالت میں پڑھا بھی جاتا ہے اور مفرد کے آخر میں نہ تاء تانیث ہے اور نہ الف ممدودہ اس کے باوجود الف کا نہ ہونا رسم خط کے خلاف ہے اور اس عبارت سے اسی رسم خط کے خلاف پر تنبیہ کی گئی کہ یہ عبارت جس طرح دستور سابق کے خلاف ہے اسی طرح رسم خط مشہور کے خلاف ہے اور یہاں رسم خط کے خلاف اس لئے کیا گیا کہ مفرد میں منصوب ہونے کے علاوہ مرفوع و مجرور ہونے کا احتمال بھی ہے اگر اخیر میں الف لکھ دیا جاتا تو دوسرے احتمالات ختم ہو جاتے۔

قولہ فانہٗ مفعولٌ بہٖ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مفرد کو وُضِعَ کی ضمیر سے حال قرار دینا تو صحیح ہے لیکن معنی سے نہیں اس لئے کہ حال، فاعل یا مفعول بہ سے واقع ہوتا ہے اور معنی نہ فاعل ہے اور نہ مفعول بہ بلکہ مجرور ہے۔ جواب یہ کہ مفعول بہ کبھی حرف جر کے واسطہ سے ہوتا ہے اور کبھی بلا واسطہ اور معنی یہاں لام حرف جر کے واسطہ سے مفعول بہ واقع ہے۔ سوال وُضِعَ فعل متعدی ہے اور فعل متعدی کا مفعول بلا واسطہ حرف جر ہوتا ہے۔ جواب وُضِعَ فعل متعدی بیک مفعول ہے جو مفعول اول کی طرف بلا واسطۂ حرف جر متعدی ہوتا ہے لیکن مفعول دوم کی طرف متعدی کے لئے حرف جر کا واسطہ ضروری ہے کیونکہ وہ باعتبار مفعول دوم فعل لازم ہوتا ہے اور وُضِعَ کا مفعول اول چونکہ اس میں ضمیر مستتر ہے اس لئے اس کے مفعول دوم کو لام کے ساتھ لایا گیا۔ سوال مفرد جب معنی سے حال واقع ہے تو اس کو معنی پر مقدم کرنا چاہئے کیونکہ معنی ذوالحال نکرہ ہے اور قاعدہ ہے ذوالحال جب نکرہ ہو تو حال کا مقدم کرنا ذوالحال پر ضروری ہوتا ہے جیسے جاءنی راکبًا رجلٌ میں راکبًا رجلٌ پر مقدم ہے۔ جواب حال کا مقدم کرنا ذوالحال پر اس وقت ضروری ہے جبکہ ذوالحال نکرہ ہو اور مجرور نہ ہو اور جب ذوالحال مجرور ہو تو اس پر حال کا مقدم کرنا جائز نہیں اور یہاں پر معنی چونکہ مجرور ہے اس لئے اس پر مفرد کو مقدم نہیں کیا گیا۔

قولہ وجہ صحتہ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مفرد کو وضع کی ضمیر سے حال قرار دینا درست نہیں اس لئے کہ حال اور ذوالحال کے عامل کے درمیان معیت و مقارنت ضروری ہوتی ہے جیسے جاءنی زیدٌ

Marfat.com

راکباً میں مجئت اور رکوب میں معیت و مقارنت ہے لیکن وضع و افراد میں کوئی معیت و مقارنت نہیں کیونکہ وضع مقدم بالذات ہے اور افراد موخر بالذات۔ جس طرح طلوع شمس مقدم بالذات ہے اور وجود نہار موخر بالذات۔ جواب یہ کہ حال و ذوالحال کے عامل میں مقارنت و معیت ذاتی شرط نہیں بلکہ معیت زمانی بھی کافی ہے یعنی ذوالحال کے عامل کا زمانہ حال کے زمانہ پر مقدم نہ ہو جیسے مثال مذکور میں مجئت کا زمانہ رکوب کے زمانہ پر مقدم نہیں ہے اور وہ یہاں بھی پایا جاتا ہے کیونکہ وضع اگرچہ افراد پر مقدم بالذات ہے لیکن دونوں میں معیت زمانی پائی جاتی ہے یعنی وضع کا زمانہ افراد کے زمانہ پر مقدم نہیں ہے جیسے طلوع شمس کا زمانہ وجود نہار کے زمانہ پر مقدم نہیں حالانکہ طلوع شمس مقدم بالذات ہے اور وجود نہار موخر بالذات۔

وَقَيْدُ[1] الافرادِ لاخراجِ المركّباتِ مطلقًا سواءٌ كانت كلاميةً اَوْ غيرَ كلاميةٍ فيخرج[2] به عن حدِّ الكلمةِ مثلُ اَلرَّجل وقائمةٌ وبصريٌّ واَمثالها ممّا يدلُّ جزءُ اللّفظِ منهُ على جزءِ المعنىٰ لكنّهٗ يُعدُّ لشدّةِ الامتزاجِ واحدةً واُعرب باعرابٍ واحدٍ وبقي[3] مثلُ عبدُ اللهِ علمًا داخلًا فيه مع انّهٗ معربٌ باعرابينِ ولا يخفىٰ[4] على الفطنِ العارفِ بالغرضِ من علمِ النحوِ انّهٗ لو كان الامرُ بالعكسِ لكانَ انسبَ

ترجمہ ـــــ اور افراد کی قید مطلق مرکبات کو خارج کرنے کے لئے ہے خواہ مرکبات کلامیہ ہوں یا غیر کلامیہ پس افراد کی قید سے اَلرَّجلُ اور قائمۃٌ اور بصریٌّ اور ان جیسے مرکبات کہ جن کے لفظ کا جزء معنی کے جزء پر دلالت کرتے ہیں کلمہ کی تعریف سے خارج ہو گئے۔ لیکن شدت اتصال کی وجہ سے ان کو ایک کلمہ شمار کیا جاتا ہے اور ایک اعراب دیا جاتا ہے۔ اور علم نحو کی غرض سے باخبر ہوشیار انسان سے یہ بات پوشیدہ نہ ہوگی کہ اگر یہ معاملہ اس کا برعکس ہوتا تو زیادہ مناسب تھا۔

تشریح:ـــــ [1] قولہ قید الافراد۔ کلمہ کی تعریف میں افراد کی قید، احترازی ہے جس سے مرکبات کلامیہ جیسے اللہُ قائمٌ اور خلقَ الاِنسانَ نکل گئے اسی طرح مرکبات غیر کلامیہ جیسے رسولُ اللہِ اور عالمُ الغیبِ نکل گئے کیونکہ ان کے لفظ کا جزء معنی کے جزء پر دلالت کرتا ہے۔

Marfat.com

قولہ[۲] فیخرج بہ - یہ جواب ہے اس سوال کا کہ کلمہ کی تعریف سے وہ لفظ نکل گیا جو اسم و حرف سے مرکب ہو جیسے الرجلُ کہ اس کے لفظ کا جزء معنی کے جزء پر دلالت کرتا ہے لام تعریف تعین پر دلالت کرتا ہے اور رجل ذات پر اور اسی طرح قائمۃٌ اور بصریٌّ بھی تعریف سے نکل گئے کیونکہ قائمۃٌ میں تاء تانیث مونث ہونے پر دال ہے اور قائمٌ اشتقاقی معنی پر دال ہے اسی طرح بصریٌّ میں بصرہ ایک شہر پر دال ہے اور یاء نسبت منسوب ہونے پر دال ہے۔ جواب یہ کہ جو لفظ اسم و حرف سے مرکب ہو وہ کلمہ نہیں بلکہ مرکب ہے لیکن شدت اتصال کی وجہ سے اس کو ایک کلمہ مان لیا جاتا ہے یعنی وہ حقیقۃً دو لفظ ہیں لیکن حکماً ایک لفظ مان لیا جاتا ہے اس لئے اس پر ایک اعراب آتا ہے۔ خیال رہے کہ لفظ مثل کے بعد امثالُہا کا ذکر بظاہر لغو معلوم ہوتا ہے لیکن ایسا نہیں اس لئے کہ لفظ مثل صرف اپنے مدخول کے عموم کا مقتضی ہے اور یہاں اس کا مدخول اسم معرف بہ لام ہے یا وہ اسم ہے جو تاء تانیث یا یاء نسبت کے ساتھ ہے اور لفظ امثال تمام مرکبات کو عام ہے خواہ مرکبات کلامیہ ہوں جیسے علم البیانَ یا غیر کلامیہ جیسے ربُّ المشرقین والمغربین۔

قولہ[۳] بقی مثلُ - یہ اس سوال کا جواب ہے کہ کلمہ کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں اس لئے کہ عبدُ اللہ جبکہ کسی آدمی کا نام ہو اس میں داخل ہو جاتا ہے کیونکہ لفظ کا جزء آدمی کے جزء پر دلالت نہیں کرتا حالانکہ وہ کلمہ نہیں اس لئے کہ اگر وہ کلمہ ہوتا تو اس پر دو اعراب نہ آتے۔ جواب یہ کہ عبدُ اللہِ بحالت علمیت مصنف کے نزدیک کلمہ ہی ہے اور اس کے دونوں جزؤں پر جدا جدا اعراب وضع سابق کے اعتبار سے ہے یعنی علم ہونے سے پہلے جس طرح اس پر جدا جدا اعراب آتا تھا اسی طرح علم ہونے کے بعد بھی جدا جدا اعراب آتا ہے اور اس لئے بھی کہ کلمہ ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اس پر صرف ایک اعراب آئے بلکہ دو اعراب بھی آسکتے ہیں جس طرح مرکب ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اس پر دو یا اس سے زائد اعراب آئے بلکہ ایک اعراب بھی آسکتا ہے اَلرجلُ و قائمۃٌ و بصریٌّ وغیرہ مرکب ہیں لیکن صرف ایک اعراب آتا ہے۔

قولہ[۴] ولا یخفیٰ - مصنف علیہ الرحمہ نے چونکہ اسم و حرف سے مرکب ہونے والے الفاظ مثلاً الرجلُ و قائمۃٌ وغیرہ کو کلمہ سے خارج کیا تھا اور عبدُ اللہِ بحالت علمیت جیسے کلمات کو کلمہ میں داخل کیا تھا اس لئے علامہ جامی قدس سرہٗ السامی یہ خیال ظاہر فرماتے ہیں کہ اگر اس کا برعکس کیا جاتا تو زیادہ مناسب تھا یعنی اسم و حرف سے مرکب ہونے والے الفاظ کو کلمہ میں داخل کیا جائے اور عبدُ اللہ بحالت علمیت جیسے

Marfat.com

کلمات کو کلمہ سے خارج کیا جائے تو زیادہ بہتر ہے کیونکہ نحویوں کی نظر لفظ کے احوال کی طرف اعراب و بناء افراد و ترکیب کے اعتبار سے ہے اول الذکر پر دو اعراب آتے ہیں اور ثانی الذکر پر ایک اعراب آتا ہے۔ علامہ زمخشری صاحب مفصل کہتے ہیں کہ جس طرح عبداللہ بحالت علمیت جیسے کلمات، کلمہ کی تعریف سے خارج ہیں اسی طرح اسم و حرف سے مرکب ہونے والے الفاظ کو بھی کلمہ کی تعریف سے خارج کیا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔

وَمَا اَوْرَدَهٗ صَاحِبُ الْمُفَصَّلِ فِی تَعْرِیْفِ الْکَلِمَةِ حَیْثُ قَالَ هِیَ اللَّفْظَةُ الدَّالَّةُ عَلٰی مَعْنًی مُفْرَدٍ بِالْوَضْعِ فَمِثْلُ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَمًا خَرَجَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ لَا یُقَالُ لَهٗ لَفْظَةٌ وَاحِدَةٌ وَبَقِیَ مِثْلُ اَلرَّجُلُ وَقَائِمَةٌ وَبَصْرِیٌّ مِمَّا یُعَدُّ لِشِدَّةِ الْاِمْتِزَاجِ لَفْظَةً وَاحِدَةً دَاخِلًا فِیْهِ فَاَخْرَجَهٗ بِقَیْدِ الْاِفْرَادِ وَلَوْ لَمْ یُخْرِجْهُ بِتَرْکِهٖ لَکَانَ اَنْسَبَ لِمَا عَرِفْتَ

ترجمہ ـــــ اور صاحب مفصل علامہ زمخشری نے جو کلمہ کی تعریف میں اَللَّفْظَةُ کو تاء وحدت کے ساتھ لایا ہے جبکہ انہوں نے کلمہ کی تعریف میں هِیَ اللَّفْظَةُ الدَّالَّةُ عَلٰی مَعْنًی مُفْرَدٍ بِالْوَضْعِ کہا تو عبداللہ جیسا مرکب بحالت علمیت اس تعریف سے خارج ہوگیا۔ کیونکہ اس کو لفظ واحد نہیں کہا جاتا اور اَلرَّجُلُ اور قَائِمَةٌ وبصریٌ جیسے الفاظ جو شدت اتصال کی وجہ سے لفظ واحد کہا جاتا ہے کلمہ کی تعریف میں داخل ہونا باقی رہ گیا اس۔ لئے اس کو افراد کی قید سے خارج کر دیا اور اگر صاحب مفصل اس قید کو ترک کر کے قائمۃ وغیرہ کو نہ نکالتے تو زیادہ مناسب تھا اس بناء پر جو آپ پہچان چکے۔

تشریح :ـــــ قولہ وَمَا اَوْرَدَهٗ۔ یعنی کلمہ کی گزشتہ تعریف علامہ ابن حاجب کی تھی لیکن وہ تعریف جس کو صاحب مفصل نے بیان کیا ہے وہ یہ کہ کلمہ وہ ایک لفظ ہے جو معنی مفرد پر وضع سے دلالت کرے۔ اس تعریف میں لفظۃ کی قید سے عبداللہ بحالت علمیت کلمہ ہونے سے نکل گیا۔ کیونکہ اس کو ایک لفظ نہیں کہا جاتا اور الرجلُ و قائمۃٌ وغیرہ باقی رہ گئے کیونکہ ان کو شدت اتصال کی وجہ سے ایک کلمہ کہا جاتا ہے لیکن مفرد کی قید سے وہ بھی نکل گئے کیونکہ ان کے لفظ کا جزء معنی کے جزء پر دلالت کرتا ہے اور اگر صاحب مفصل افراد کی قید کو چھوڑ دیتے اور اَلرَّجُلُ و قائمۃٌ وغیرہ کو نہ نکالتے تو زیادہ مناسب تھا کیونکہ نحویوں کی نظر لفظ کے احوال کی طرف ہے اعراب و بناء و کیفیت افراد و

Marfat.com

ترکیب کے اعتبار سے اور مذکورہ مثال میں صرف ایک اعراب آتا ہے جدا جدا نہیں۔

وَاِعلَم[1] اَنَّ الوضعَ یستلزِمُ الدلالۃَ لِاَنَّ الدلالۃَ کونُ الشیٔ بحیث یفھمُ منہ شیٔ اٰخرُ فمتی تحقَّقَ الوضعُ تحققت الدلالۃُ فبعد ذکرِ الوضعِ لاحاجۃَ اِلیٰ ذکرِ الدلالۃِ کما وقع فی ھذا الکتابِ لٰکنَّ[2] الدلالۃَ لاتستلزِمُ الوضعَ لامکانِ ان تکون بالعقلِ کدلالۃِ لفظِ دیزٍ المسموعِ مِنْ وَراءِ الجدارِ علیٰ وجودِ اللّافظِ واَنْ تکونَ بالطبع کدلالۃِ اُحْ اُحْ علیٰ وجعِ الصدرِ فبعدَ ذکرِ الدلالۃِ لابدَّ مِنْ ذکرِ الوضعِ کما فی المفصّلِ

ترجمہ ——— اور معلوم کیجئے کہ وضع، دلالت کو مستلزم ہے اس لئے کہ دلالت شئ کا اس طرح ہونا ہے کہ اس سے دوسری شئ سمجھ لی جائے پس جب وضع متحقق ہوگی تو دلالت بھی متحقق ہو جائے گی لہذا وضع کے ذکر کے بعد اب دلالت کے ذکر کی کوئی ضرورت نہ رہی جیسا کہ اس کتاب کافیہ میں واقع ہے لیکن دلالت، وضع کو مستلزم نہیں کیونکہ ممکن ہے دلالت عقل سے ہو جیسے لفظ دیز کی دلالت جو دیوار کے پیچھے سے مسموع ہے، بولنے والے کے وجود پر اور ممکن ہے دلالت طبع سے ہو جیسے اُحْ اُحْ کی دلالت سینہ کے درد پر لہٰذا دلالت کے ذکر کے بعد وضع کے ذکر کی کوئی ضرورت نہ رہی جیسا کہ مفصل میں ہے۔

تشریح: ——— قولہ[1] واعلم انّ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مصنف نے کلمہ کی تعریف میں وضع کو ذکر کیا اور صاحب مفصل نے دلالت و وضع دونوں کو ذکر کیا اب دریافت یہ ہے کہ کلمہ میں دلالت کا ہونا ضروری ہے یا نہیں اگر ضروری ہے تو کافیہ میں کیوں نہیں لایا گیا اور اگر ضروری نہیں تو مفصل میں کیوں لایا گیا؟ جواب یہ کہ دلالت عام ہے اور وضع خاص لہذا وضع کے لئے دلالت لازم ہوئی اس لئے کہ خاص کا وجود عام کے وجود کے بغیر ناممکن ہے لیکن دلالت کے لئے وضع لازم نہ ہوئی کیونکہ دلالت طبعیہ وعقلیہ میں دلالت موجود ہے لیکن وضع نہیں لہذا علامہ ابن حاجب نے جب وضع کو ذکر کیا تو اب دلالت کے ذکر کی کوئی ضرورت نہ رہی کہ وہ دلالت کو شامل ہے اور صاحب مفصل نے چونکہ پہلے دلالت کو ذکر کیا ہے اس لئے اس کے بعد وضع کو ذکر کرنے کی ضرورت پیش آئی کہ دلالت وضع کو لازم نہیں ہے۔ سوال دلالت اگرچہ وضع کو مستلزم نہیں لیکن مفرد تو وضع کو مستلزم ہے

Marfat.com

اس لئے کہ افراد و ترکیب کا وجود وضع کے بعد ہوتا ہے لہذا مفرد کے بعد وضع کا ذکر فضول ہوا۔ جواب مفرد کی دلالت وضع پر دلالت التزامی ہے اور دلالت التزامی تعریفات میں مہجور ہوتی ہے اس لئے مفرد کے بعد وضع کو بیان کیا گیا۔

قولہ لکنّ الدلالۃ۔ دلالت جب عام ہے اور وضع خاص تو دونوں میں عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہوئی جس میں ایک مادہ اجتماع کا ہوتا ہے اور دوسرا افتراق کا۔ مادۂ اجتماع تو زید میں ظاہر ہے لیکن مادۂ افتراق جیسے اُخُ اُخُ اور لفظ دیز میں جو دیوار کے پیچھے سے مسموع ہو۔

وھِیَ اَیُ الکلمۃُ اسمٌ وفعلٌ وحرفٌ اَیْ منقسمۃٌ الیٰ ھٰذہ الاقسامِ الثلٰثۃِ ومنحصرۃٌ فیھا

ترجمہ:— (اور وہ) یعنی کلمہ (اسم ہوتا ہے اور فعل اور حرف) یعنی کلمہ ان ہی تین قسموں میں منقسم و منحصر

تشریح:— قولہ اَیُ الکلمۃُ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ لفظ ھی کا مرجع لفظ الکلمۃُ ہے یا اس کا مفہوم لیکن اول باطل ہے اس لئے کہ اُس کے آخر میں تا نیث ہے اور شروع میں لام تعریف لہذا وہ اسم ہوا جس سے تقسیم الشئ الیٰ نفسہٖ والیٰ غیرہٖ لازم آتی ہے کیونکہ اس صورت میں الکلمۃ مقسم ہے اور اسم و فعل و حرف اس کے اقسام لہذا ھی اسم بمعنی اسم، اسم ہوا جو تقسیم الشئ الیٰ نفسہٖ کو لازم ہے اور ھی فعل و حرف بمعنی اسم، فعل و حرف ہوا جو تقسیم الشئ الیٰ غیرہٖ کو لازم ہے اور دوم بھی باطل ہے اس لئے کہ ھی مونث ہے اور الکلمۃ کا مفہوم مذکر لہذا ضمیر مرجع کے مطابق نہ ہوئی جواب یہ کہ مرجع لفظ الکلمۃ ہے لیکن مقسم باعتبار لفظ نہیں کہ محذور مذکور لازم آئے بلکہ باعتبار مفہوم ہے نیز یہ بھی کہ مرجع الکلمۃ کا مفہوم ہے اور وہ مذکر نہیں بلکہ مونث ہے کیونکہ مفہوم لفظ کے تابع ہوتا ہے اور یہاں لفظ الکلمۃ مونث ہے لہٰذا مفہوم بھی مونث ہوگا۔

بیانہ اِسمٌ وفعلٌ وحرفٌ۔ اسم کو تقسیم میں فعل و حرف پر اس لئے مقدم کیا گیا کہ وہ کلام میں مسند و مسند الیہ دونوں ہوتا ہے اور فعل کو حرف پر اس لئے کہ وہ کلام میں مسند ہوتا ہے اور حرف چونکہ کلام میں نہ مسند ہوتا ہے اور نہ مسند الیہ اس لئے اس کو اخیر میں بیان کیا گیا لیکن دلیل حصر میں اس کو فعل پر یونہی اسم پر بھی اس لئے مقدم کیا گیا کہ اس کا مفہوم فعل و اسم کے مفہوم سے مختصر ہے اور

Marfat.com

مختصر مستحق تقدیم ہونے کے زیادہ لائق ہے نیز یہ کہ حرف کا مفہوم اسم وفعل کے مفہوم کی بہ نسبت بسیط ہے کیونکہ اس میں صرف ایک جزء سلبی ہے اور اسم وفعل میں دو جزء ہیں اور جس میں ایک جزء ہو وہ بمنزلۂ بسیط ہوتا ہے اور بسیط طبعًا مرکب پر مقدم ہوتا ہے اس لئے حرف کو ذکر میں بھی مقدم کیا گیا اور اس لئے بھی کہ دلیل میں تردید کے دونوں شق میں سے شق ثانی (اولاتدل) حرف سے زیادہ قریب ہے لیکن فعل کو اسم پر اس لئے مقدم کیا گیا کہ مفہوم فعل کے دونوں جزء وجودی ہیں اور اسم کے ایک جزء وجودی اور دوسرا سلبی اور وجود تصور میں عدم سے طبعًا مقدم ہوتا ہے اس لئے فعل کو ذکر میں بھی مقدم کیا گیا تاکہ ذکر طبع کے موافق ہو جائے۔

قولہ اَیْ مُنقسمۃٌ۔ اس عبارت سے چند سوالوں کا جواب دیا گیا ہے ایک یہ کہ خبر جب مشتق نہ ہو تو اس کے اور مبتدا کے درمیان تذکیر وتانیث میں مطابقت اگرچہ ضروری نہیں لیکن عمدہ ضروری ہوتی ہے۔ دوسرا سوال یہ کہ خبر مبتدا پر محمول ہوتی ہے اور یہاں محمول ہونے کی صلاحیت نہیں کیونکہ کلمہ جنس ہے اور اسم وفعل وحرف اس کی نوعیں اور نوعوں کا حمل جنس پر نہیں ہوتا چنانچہ الحیوانُ انسانٌ کہا نہیں جاتا کیونکہ خبر مبتدا کے جمیع افراد پر محمول ہوتی ہے جیسے اَلنبیّ معصومٌ میں اور یہاں اس تقدیر پر معنی ہوتا ہے کہ افراد کلمہ میں سے ہر فرد از قبیل اسم ہے یونہی از قبیل فعل وحرف یہ صراحۃً باطل ہے۔ کیونکہ یہ حمل خاص بر عام ہے جو ممنوع ہے حالانکہ حمل اس کا برعکس ہوتا ہے یعنی عام کا حمل خاص پر ہوتا ہے جیسے الاِنسانُ حیوانٌ میں یا ہو اوی کا حمل مساوی پر جیسے اَلاِنسانُ ناطقٌ میں۔ تیسرا سوال یہ کہ مشہور ہے اَلضمیرُ اِذا دارَ بین المرجعِ والخبرِ فرعایۃُ الخبرِ اَوْلیٰ یعنی ضمیر جب مرجع وخبر کے درمیان دائر ہو تو خبر کی رعایت اولیٰ ہوتی ہے وہ اس طرح کہ مرجع مذکر کی ضمیر چاہتا ہو اور خبر مونث کی ضمیر یا اس کا برعکس تو خبر کی رعایت اَولیٰ ہوتی ہے اور یہاں خبر کا مرجع چونکہ کلمہ ہے جو مونث کی ضمیر چاہتا ہے اور خبر اسم ہے جو مذکر کی ضمیر چاہتا ہے لہذا ھی اسمٌ کے بجائے ھو اسمٌ کہنا چاہئے تھا۔ جواب ہر ایک سوال کا یہ کہ ھیَ مبتدا ہے لیکن اسمٌ اس کی خبر نہیں بلکہ منقسمۃٌ محذوف ہے لہذا خبر مبتدا کے موافق ہے اور مبتدا سے خبر کی رعایت بھی اور خاص کا حمل عام پر بھی کہ مُنقسمۃٌ بھی عام ہے۔ اور خبر کے محذوف ہونے پر قرینہ کلمہ کے اقسام ہیں کہ وہ ان کی طرف منقسم ہوتا ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ ھیَ مبتدا کی خبر منقسمۃٌ محذوف نہیں بلکہ اسمٌ وفعلٌ وحرفٌ ہی ہے علامہ زینی زادہ فوائد شافعیہ میں لکھتے ہیں کہ

Marfat.com

ھِیَ بکسرِ الباءِ علیٰ الاصل مَرفُوعٌ مبتدأ راجعٌ الیٰ لفظِ الکلمۃ باعتبار ملاحظۃِ مفہومہا فیکونُ الارجاعُ بحسبِ اللفظِ والتقسیم باعتبار المعنیٰ اسمٌ مرفوعٌ خبرُ المبتدا اور ملا نور محمد رقمطراز ہیں وَلیسَ قولہٗ منقسمۃٌ الیٰ ہذہ الاقسام الثلٰثۃِ اِشارۃٌ الیٰ تقدیرِ الخبرِ کما وہمَ لانہٗ تکلفٌ ولا داعیَ الیٰ اعتبارہٖ اور یہ قاعدہ تسلیم نہیں کہ ضمیر جب مرجع وخبر کے درمیان دائر ہو تو خبر کی رعایت اولیٰ ہے کیونکہ صلّتْ فاطمۃُ وھُوَ انسانٌ اور قرأتْ زینبُ وَھُوَ حائضٌ کو کوئی بھی اولیٰ تو درکنار جائز بھی نہیں کہتا اور ھی پر اسم وفعل وحرف کا حمل برسبیل بدلیت نہیں کہ خاص کا حمل عام پر لازم آئے بلکہ برسبیل اجتماع ہے اور مجموع من حیثُ المجموعِ چونکہ حکم میں بمنزلۂ واحد مونث ہوتا ہے اس لئے خبر مبتدا کے مطابق بھی ہے ہاں البتہ کوئی یہ سوال کرسکتا ہے کہ اس عبارت سے جب خبر کے محذوف ہونے کی طرف اشارہ نہیں تو اس کو مقدر کیوں مانا گیا؟ تو اس کا جواب یہ کہ نحویوں کی غرض چونکہ کلمہ وکلام کے احوال کو بیان کرنا ہے اور وہ ان دونوں کی تعریف پر موقوف ہے اس لئے پہلے ان دونوں کی تعریف بیان کی گئی اور اس کے بعد جب وَھِیَ اسمٌ وفعلٌ و حرفٌ کہا گیا تو وہم پیدا ہوا کہ یہ کلمہ کی حالت کا بیان ہے اس لئے اس عبارت سے اس کا ازالہ کیا گیا کہ یہ کلمہ کی حالت کا بیان نہیں بلکہ اس کی تقسیم کا بیان ہے حاشیہ ملا عبدالرحمٰن میں ہے قولہٗ ای منقسمۃٌ اِنّ ہذا تقسیمٌ لابیانُ حکمِ الکلمۃِ۔

خیال رہے کہ تقسیم دو طرح کی ہوتی ہے ایک کل کی تقسیم اجزاء کی طرف دوسری کلی کی تقسیم جزئیات کی طرف پہلی صورت میں مقسم کا اطلاق ہر ایک جزء پر درست نہیں ہوتا جیسے ذراع کا اطلاق ہر ایک بالشت پر اور دوسری صورت میں مقسم کا اطلاق ہر ایک جزء پر درست ہے جیسے حیوان کا اطلاق انسان و فرس و بقر وغیرہ پر۔ اور کلمہ کی تقسیم میں اسم وفعل وحرف کی طرف یہی دوسری صورت ہے کیونکہ کلمہ کا اطلاق ہر ایک پر درست ہے۔

قولہ منحصرۃ فیہا۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ دلیل کسی دعویٰ کی دیجاتی ہے یہاں دلیل موجود ہے لیکن دعویٰ نہیں۔ جواب یہ کہ دعویٰ کبھی عبارت میں مذکور ہوتا ہے اور کبھی ماقبل سے مستفاد ہوتا ہے اور یہاں دعویٰ ماقبل سے مستفاد ہے وہ اس طرح کہ مصنف نے جب مقام تقسیم میں تین قسموں پر اقتصار کیا تو معلوم ہوا کہ اس کی چوتھی قسم نہیں ورنہ اس کو بھی بیان کردیتے اور جب وہ بیان نہیں کیا گیا تو معلوم ہوا کہ کلمہ ان ہی تین قسموں پر منحصر ہے۔ حاشیہ عبدالغفور پر ہے قولہٗ مُنحصِرۃٌ یُفہمُ مِن السکُوتِ فی مَعرِضِ بیان الاقسام وَیتعلّق بہٖ اور حاشیہ عبدالرحمٰن پر ہے اَمّا الانقسامُ فلِاَنّ المقامَ مقامُ التقسیمِ اَمّا الانحصارُ فمِن السکُوتِ فی موضعِ الحاجۃِ الیٰ بیانِ الاَقسامِ۔

Marfat.com

واضح ہو کہ لغت میں حصر کا معنی منع کرنا ہے اسی وجہ سے قلعہ کو حصار کہا جاتا ہے کہ وہ دشمن کے غلبہ کو روکنے والا ہوتا ہے اور اصطلاح میں وہ چار قسم پر ہے (۱) عقلی (۲) قطعی (۳) استقرائی (۴) جعلی حصر عقلی وہ ہے جس میں امر آخر کی استعانت کے بغیر محض اقسام پر نظر کرنے سے انحصار کا جزم حاصل ہو جیسے شئ کا انحصار موجود و معدوم کے درمیان کہ اقسام پر نظر کرنے ہی سے جزم حاصل ہو جاتا ہے اور حصر قطعی وہ ہے جس میں جزم ایسی دلیل سے مستفاد ہو جو قسم آخر کے امتناع پر دال ہے جیسے شئ کا انحصار واجب و ممکن کے درمیان کہ عقل قسم آخر یعنی اجتماع واجب و ممکن کا بھی محتمل ہے لیکن دلیل اجتماع نقیضین اس کو باطل قرار دیتی ہے اور حصر استقرائی وہ ہے جس میں جزم تتبع سے حاصل ہو جیسے ابواب ثلاثی مجرد کا چھ میں انحصار۔ اور حصر جعلی وہ ہے جس میں جزم اس تمایز پر نظر کرنے سے حاصل ہو جس کا تقسیم کرنیوالے نے لحاظ کیا ہے۔ اور یہاں یہ حصر قطعی ہے جس میں عقل کلمہ کے اقسام ثلثہ کے علاوہ چوتھی قسم اجتماع کا بھی احتمال رکھتی ہے لیکن دلیل اجتماع نقیضین۔ اس کو باطل کر دیتی ہے۔

بعض علماء نے حصر کی صرف دو قسمیں بیان کی ہیں ایک حصر عقلی دوسری استقرائی، عقلی وہ ہے جو اثبات و نفی کے درمیان دائر ہو اور استقرائی وہ ہے جو تتبع سے حاصل ہو جیسے شرح تہذیب میں ہے اِعْلَمْ اَنَّ حصرَ القضیۃِ فی الحملیۃِ وَالشرطیۃِ علی ما قررہُ المصنفُ عقلیٌ دائرٌ بین النفی والاثباتِ وَاما حصرُ الشرطیۃِ فی المتصلۃِ وَالمنفصلۃِ فاستقرائیٌ وَھُوَ الذی یظھرُ بعدَ التتبعِ والتصفحِ۔ اس تقدیر پر حصر مذکور عقلی ہے جو اثبات و نفی کے درمیان دائر ہے۔

لِاَنَّھَا[۱] ای الکلمۃَ لمّا کانَتْ موضُوعۃً لِمعنیً والوضعُ[۲] یَستلزمُ الدّلالۃَ

ترجمہ:—— (اس لئے کہ وہ) یعنی کلمہ جب معنی کے لئے موضوع تھا اور وضع دلالت کو مستلزم ہوتی ہے۔

تشریح:—— قولہ[۱] ای الکلمۃُ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ متن میں اَوْلا جو دراصل اَوْلا تَدُلّ ہے حرف کا معنی ہے اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ سرے سے کسی معنی پر دلالت نہ ہو جیسے مہلات دوسری یہ کہ معنی

Marfat.com

پر دلالت ہو لیکن وہ دلالت معنی فی نفسہا پر نہ ہو جیسے مِنْ و اِلیٰ وغیرہ پس یہ تعریف جس طرح مِنْ و اِلیٰ وغیرہ پر صادق آتی ہے اسی طرح مہملات پر بھی صادق آئے گی حالانکہ یہ باطل ہے۔ جواب یہ کہ تدلّ کی ضمیر مرفوع کلمہ کی طرف راجع ہے اور کلمہ وہ ہے جو معنی کے لئے موضوع ہو یہ ناممکن ہے کہ وہ کسی معنی پر دلالت نہ کرے لہٰذا تعریف مذکور مہملات پر صادق نہیں اور اس لئے بھی کہ جب مقید کی نفی کی جاتی ہے تو صرف قید کی نفی ہوتی ہے مثلاً جب کہا جائے رسولُ اللہ لیسَ بضنینٍ یعنی رسول اللہ غیب پر بخیل نہیں تو یہ صاف مطلب ہوتا ہے کہ رسول اللہ موجود تو ہیں لیکن بخیل نہیں اور متن میں بھی نفی صرف قید کی طرف راجع ہے یعنی معنی پر دلالت کرے گا لیکن معنی فی نفسہا پر نہیں پس وہ معنی مہملات پر صادق نہ آئے گا۔

خیال رہے کہ متن میں لام جارہ کا متعلق منحصرۃً ہے جو ماقبل سے مفہوم ہے منقسمۃً نہیں جیساکہ ملا عبدالحکیم لکھتے ہیں اِنّ الدلیلَ المذکورَ دلیلُ الانحصارِ لادلیلَ التقسیم فانّہا عبارۃٌ عن ضمِّ قیودٍ متباینۃٍ اَوْ متخالفۃٍ الیٰ امرٍ مشترکٍ فہی تصویرٌ محضٌ لایحتاجُ الیٰ الدلیلِ۔

قولہ والوضع۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ دلالت کا ذکر جب کلمہ کی تعریف میں نہیں تو دلیل میں اس کا ذکر کیوں کیا گیا؟ جواب یہ کہ تعریف میں وضع کا ذکر ہے اور وضع، دلالت کو مستلزم ہے کیونکہ وہ اس کا مقسم ہے اور مقسم اقسام کو لازم ہوتا ہے پس دلالت اگرچہ تعریف میں صراحۃً مذکور نہیں لیکن التزاماً ضرور مذکور ہے اور دلیل میں اس کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ وہ مقسم ہونے کی وجہ سے وضع سے عام ہے اور ظاہر ہے جب کوئی شئ عام ہونے کے اعتبار سے منحصر ہو تو خاص ہونے کے اعتبار سے بدرجۂ اولیٰ منحصر ہوگا۔

فہی اِمّا مِنْ صفتہا اَنْ تدلّ علیٰ معنیً کائنٍ فی نفسہا اَیْ فی نفسِ الکلمۃِ وَالمرادُ بکونِ المعنیٰ فی نفسِہا اَنْ تدلّ علیہ بنفسِہا مِنْ غیرِ حاجۃٍ الیٰ انضمامِ کلمۃٍ اُخریٰ الیہا لاستقلالہ بالمفہومیۃِ اَوْ مِنْ صفتہا اَنْ لاتدلّ علیٰ معنیً فی نفسِہا بل علیٰ معنیً یحتاج فی الدلالۃِ علیہ الیٰ انضمامِ کلمۃٍ اُخریٰ الیہا لعدمِ استقلالہ بالمفہومیۃ وسیجیءُ تحقیقُ ذٰلِکَ فی بیانِ حدِّ الاسمِ اِنْ شاءَ اللہ تعالیٰ سبحانہٗ

ترجمہ:۔۔۔۔ تو کلمہ (آیا) اس کی صفت میں سے (یہ ہے کہ دلالت کرے گا ایسے معنیٰ پر جو اس کے نفس

Marfat.com

میں ہے) یعنی نفس کلمہ میں ہے اور معنی کے نفس کلمہ میں ہونے سے مراد یہ ہے کہ کلمہ اس معنی پر بذات خود دلالت کرے اس کے بغیر کہ اسے کسی دوسرے کلمہ سے ملنے کی حاجت ہو کیونکہ وہ معنی مستقل بالمفہومیۃ ہے (یا) اس کی صفت میں سے یہ ہے کہ اس معنی پر جو اس کی ذات میں ہے دلالت (نہیں) کرے گا بلکہ اس معنی پر دلالت کرے گا کہ اس پر دلالت کرنے میں کسی دوسرے کلمہ کے ملنے کا محتاج ہو کیونکہ وہ مستقل بالمفہومیۃ نہیں اور اس کی تحقیق اگر خدائے سبحانہٗ تعالیٰ نے چاہا تو تعریف اسم کے بیان میں عنقریب آئے گی۔

تشریح:——— قولہ مِنْ صفتہا۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ لِاَنّہا میں اَنّ حرف مشبہ بہ فعل ہے جس کا اسم ضمیر ہا ہے جو راجع بسوئے کلمہ ہے اور اَنْ تدلّ اس کی خبر اور خبر اسم پر محمول ہوتی ہے اور یہاں وہ محمول نہیں اس لئے کہ کلمہ ذات ہے اور اَنْ تدلّ بتاویل مصدر وصف محض ہوتا ہے جو ذات پر محمول نہیں ہوتا جواب یہ کہ انّ حرف مشبہ بفعل کی خبر اَنْ تدلّ نہیں بلکہ جملہ اسمیہ یا ظرفیہ ہے جو عبارت میں محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے لِاَنّہا اِنّما مِن صفتہا اَنْ تدلّ اس میں مِن صفتہا جار و مجرور مل کر ثابتٌ کے متعلق ہو کر خبر مقدم ہے اور اَنْ تدلّ بتاویل مصدر مبتدا موخر۔ مبتدا موخر اپنی خبر مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر انّ حرف مشبہ بفعل کی خبر ہے یا جار و مجرور مل کر ظرف ہے اور اَنْ تدلّ بتاویل مصدر اس کا فاعل ہے ظرف اپنے فاعل سے مل کر جملہ ظرفیہ ہو کر اَنّ حرف مشبہ بفعل کی خبر ہے۔ علامہ رضی کا خیال ہے کہ اَنْ تدلّ سے پہلے لفظ ذات مضاف مقدر ہے پس ذات پر ذات کا حمل ہوا جو جائز ہے لیکن سید شریف قدس سرہٗ دونوں کا رد فرماتے ہیں کہ اَنْ مصدریہ فعل کو مصدر کے معنی میں نہیں کرتا بلکہ فعل پر اسم کے لفظی احکام ہونے کو جائز کر دیتا ہے مثلاً اس پر حرف جر داخل ہو سکتا ہے لہٰذا اب تقدیر عبارت کی ضرورت نہ ہوگی کیونکہ اَنْ تدلّ کا حمل بلا تکلف جائز و روا ہے۔ واضح ہو کہ عطف اگر بذریعہ اِمّا ہو تو معطوف علیہ پر اِمّا کا دخول لازم ہوتا ہے اور یہاں بذریعہ اَوْ ہے لہٰذا اس کا دخول لازم تو نہیں البتہ جائز و روا ہے اور یہ عطف کے لئے نہیں آتا بلکہ اس شک پر تنبیہ کے لئے جو شروع کلام میں واقع ہوتا ہے۔

قولہ کائن۔ یہ اس وہم کا ازالہ ہے کہ متن میں فی نفسِہا ظرف لغو ہے جو اَنْ تدل کے ساتھ متعلق ہے حاصل ازالہ یہ کہ فی نفسِہا اگر ظرف لغو ہو تو اس میں فی کا بمعنی بار ہونا لازم آئے گا کیونکہ دلالت کا صلہ فی نہیں بلکہ بار یا علیٰ آتا ہے اور فی کا بمعنی بار ہونا یعنی فی نفسہا سے مراد بنفسہا ہونا مجاز غیر متعارف ہے جو تعریفات میں مہجور ہے اس لئے کہ تعریف سے مقصود شئ کی وضاحت ہے اور یہ اس سے مفقود ہے نیز

Marfat.com

یہ اس وہم کا بھی ازالہ ہے کہ فی نفسہا ظرف مستقر ہے جو باعتبار متعلق معنی سے حال واقع ہے حاصل ازالہ یہ کہ تعریف سے مقصود عموم وشمول ہوتا ہے جو حال ہونے کی تقدیر پر مفقود ہے اس لئے کہ حال، عامل ذوالحال کی قید ہوتا ہے اور ظاہر ہے قید عموم وشمول کا منافی ہے۔

قولہ والمراد بکون۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ متن میں اَنْ تدلّ علیٰ معنیً کا مطلب یہ کہ معنی کلمہ کا مدلول ہو اور یہی مطلب فی نفسہا کا بھی ہے کہ معنی کلمہ کا مدلول ہو لہذا عبارت میں حشو لازم آیا۔ جواب یہ کہ اَنْ تدلّ علیٰ معنیً کا مطلب یہ ہے کہ معنی کلمہ کا مدلول ہو خواہ دوسرے کلمہ کو ملا کر ہو یا ملائے بغیر اور یہ فی نفسہا کا مطلب نہیں بلکہ خاص ہے اور وہ یہ کہ معنی کلمہ کا مدلول ہو دوسرے کلمہ کے ملائے بغیر لہذا حشو لازم نہ آیا۔

بیانہ اَوْ۔ سوال متن اَوْلا میں لا حرف نفی ہے جس کا منفی یعنی تدلّ محذوف ہے لہذا حرف عطف باقی رہتے ہوئے معطوف محذوف ہوا جو ممنوع ہے۔ جواب حرف عطف باقی رہتے ہوئے پورا معطوف کا محذوف ہونا ممنوع ہے اور یہاں پورا معطوف محذوف نہیں بلکہ اس کے بعض متعلقات یعنی لا موجود ہے اور اس کے حذف پر سیاق کلام بھی دال ہے تحفۂ خادمیہ میں ہے حُذِفَ المعطوفُ مع بقارِ العاطفِ إنّما یمتنعُ عندعدمِ القرینۃ وبقاربعض متعلقاتہ وَاِمّا عندَ وجُودِ احدِہما اَوْ کلیہما فجائزٌ وہہنا وجد کلاہما۔

اَلقِسمُ الثانی وَہُوَ مالا یدلُّ علی معنیً فی نفسہا الحرفُ لِمن وَالیٰ فاِنّہما یحتاجانِ فی الدّلالۃِ علی معنیہما اَعنی الابتداءَ والانتہاءَ اِلیٰ کلمۃٍ اُخریٰ کالبصرۃِ والکوفۃِ فی قولِک سِرتُ مِنَ البصرۃِ اِلیٰ الکوفۃِ وَاِنّما سُمّیَ ہذا القسمُ حرفًا لِاَنّ الحرفَ فی اللُّغۃِ اَلطّرفُ وہُوَ فی طرفٍ اَیْ جانبِ مقابلٍ للاِسمِ وَالفعلِ حیث یقعَان عمدۃً فی الکلامِ وَہُوَ لا یقعُ عمدۃً فیہ کما ستعرِفُ

ترجمہ:——— قسم (ثانی) جو معنی فی نفسہا پر دلالت نہیں کرتی (حرف ہے) جیسے مِن والیٰ کہ وہ اپنے معنی یعنی ابتدار وانتہار پر دلالت کرنے میں دوسرے کلمہ کا محتاج ہیں جیسے آپ کے قول سرتُ مِنَ البصرۃ الیٰ الکوفۃ میں کہ وہ بصرہ وکوفہ کا محتاج ہیں اور اس قسم کا نام حرف اس لئے رکھا گیا کہ حرف لغت میں طرف وجانب کو کہا جاتا ہے اور حرف اصطلاحی بھی اسم وفعل کے طرف یعنی جانب مقابل میں ہے کیونکہ

Marfat.com

اسم وفعل کلام میں عمدہ واقع ہوتے ہیں اور حرف عمدہ واقع نہیں ہوتا جیسا کہ آپ عنقریب پہچانیں گے۔

تشریح:—— قولہ اَلْقِسمُ۔ یہ اس سوال کے جواب کی طرف اشارہ ہے کہ دلیل حصر میں کلمہ کی دو قسمیں بیان کی گئیں ہیں ایک کلمہ وہ ہے جو معنی فی نفسہا پر دال ہے دوسرا کلمہ وہ ہے جو معنی فی نفسہا پر دال نہیں اس لئے یہاں الثانی الحرف کے بجائے الثانیۃ الحرف کہنا چاہئے تھا کیونکہ الثانیۃ کا موصوف الکلمۃ ہے جو مونث ہے اور ظاہر ہے صفت، موصوف کے موافق ہوتی ہے۔ جواب یہ کہ ثانی سے یہاں قسم ثانی مراد ہے لہذا اصل عبارت یہ ہے القسم الثانی الحرف اور قسم مذکر ہے اگرچہ اس سے مراد کلمہ ہی ہے۔

قولہ کَمِنْ وَاِلٰی۔ مِن والیٰ سے یہاں لفظ من والیٰ مراد ہے اور وہ اسم ہے لہذا اس پر حرف جار کا دخول صحیح ہے اور من والیٰ سے مراد جو لفظ ابتدار وانتہار ہے مطلقاً نہیں کہ وہ اسم ہے بلکہ اس تقدیر پر کہ وہ کسی شئ کی طرف منسوب ہو۔

قولہ اِنَّمَا سُمِّیَ ہٰذَا۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ حرف کو حرف کیوں کہا جاتا ہے؟ جواب یہ کہ حرف لغت میں بمعنی طرف ہے اہل عرب بولتے ہیں فلانٌ فِی حَرْفِ الوادی یعنی طرفِ الوادی اور حرف بھی چونکہ کلام میں کنارے میں واقع ہوتا ہے اس لئے اس کو حرف کہا جاتا ہے۔

قولہ اَیْ جانبِ مقابلٍ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ حرف کنارے میں نہیں بلکہ کبھی بیچ میں بھی ہوتا ہے اور اسم وفعل کنارے میں جیسے قرر زیدٌ فی المدرسۃِ میں فِیْ حرف جار بیچ میں واقع ہے۔ جواب یہ کہ کنارے میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حرف کلام میں اسم وفعل کی جانب مقابل میں ہو نہ کہ ذکر میں کنارے میں ہو۔

قولہ حیثُ یقعَانِ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ حرف کا کلام میں اسم وفعل کے جانب مقابل میں ہونے کا مطلب کیا ہے؟ جواب یہ کہ جانب مقابل میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کلام میں عمدہ نہ ہو یعنی نہ مسند واقع ہو اور نہ مسند الیہ اور جانب موافق میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کلام میں عمدہ ہو یعنی مسند یا مسند الیہ ہو۔ سوال اسم وفعل مستقل ہیں اور حرف غیر مستقل۔ غیر مستقل، مستقل کا مقابل کیسے ہو سکتا ہے؟ جواب مستقل وغیر مستقل میں بھی تقابل ظاہر ہے کہ دونوں کا اجتماع محال ہوتا ہے اور یہی معنی تقابل کا ہے۔

Marfat.com

وَالقِسمُ الاوّلُ وَهُوَ ما یدُلُّ علیٰ معنیً فی نفسها امّا من صفتِها اَنْ یقترِنَ ذٰلکَ المعنیٰ المدلولُ علیہ بنفسِها فِی الفہمِ عنہا بلحدِ الاَزمنۃِ الثلٰثۃِ اَعنی الماضِیَ والحالَ والاستقبالَ ایُ حینَ یُفہَمُ ذٰلک المعنیٰ عنہا یُفہَمُ احدُ الازمنۃِ الثلثۃِ ایضًا مقارنًا لہٗ اَوْمِنْ صفتِہا اَنْ لا یقترنَ ذٰلک المعنیٰ فی الفہمِ عنہا مع احد الازمنۃِ الثلٰثۃِ القِسمُ الثانِی وَہُوَ ما یدُلُّ علیٰ معنیً فی نفسِہَا غیرَ مقترنٍ باحدِ الازمنۃ الثلثۃِ الاسمُ۔

ترجمہ:—— اور قسم (اول) جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو اس کے نفس میں ہے یعنی مستقل بالمفہومیۃ ہے (یا) اس کی صفت سے یہ ہے کہ وہ معنی جو نفس کلمہ میں مدلول علیہ ہے اس کلمہ سے سمجھے جانے میں (تینوں زمانہ) یعنی ماضی وحال واستقبال (سے کسی ایک کے ساتھ ملا ہوا ہوگا) یعنی جس وقت وہ معنی کلمہ سے سمجھا جائے تو تینوں زمانوں میں سے کوئی ایک زمانہ اس معنی کے مقارن ہوکر سمجھا جائے (یا) اس کی صفت سے یہ ہے کہ وہ معنی کلمہ سے سمجھے جانے میں تینوں زمانوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ملا ہوا (نہیں) ہوگا۔ قسم (ثانی) جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو اس کی ذات میں ہے، جو تینوں زمانوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ملا ہوا نہ ہو (اسم ہے)

تشریح:—— قولہ ذالک المعنی۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ یقترِنُ کی ضمیر مرفوع کا مرجع اَلاوّلُ ہے پس ترجمہ ہوا کہ کلمہ زمانہ سے مقترن ہو حالانکہ زمانہ سے معنی مقترن ہوتا ہے جواب یہ کہ ضمیر مرفوع کا مرجع الاوّل نہیں بلکہ معنی فی نفسہا ہے جو اَلاوّلُ کے مفہوم میں مذکور ہے پس مرجع جس طرح صراحۃً مذکور ہوتا ہے اسی طرح ضمنًا بھی جیسے اِعْدِلُوا ھُوَ اقربُ للتقویٰ میں لفظ ہُوَ کا مرجع عدل ہے جو اِعْدِلُوا کے ضمن میں مذکور ہے۔

قولہ فی الفہم عنہا۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مصدر کا معنی بھی زمانہ سے مقترن ہوتا ہے کیونکہ مصدر کے معنی کا وجود کسی زمانہ ہی میں ہوتا ہے جیسے ضَرْب مصدر کا معنی زمانۂ ماضی یا حال یا استقبال کسی میں ضرور پایا جائے گا۔ جس زمانہ میں بھی وہ پایا جائے گا ضَرْب مصدر کا معنی اس کے ساتھ مقترن ہوگا جواب یہ کہ زمانہ سے اقتران کبھی وجود میں ہوتا ہے اور کبھی فہم میں۔ وجود میں کا مطلب یہ کہ معنی کا وجود نہ ہو مگر زمانہ میں اور فہم میں کا مطلب یہ کہ معنی کے ساتھ اُس کا زمانہ بھی فہم وسمجھ میں آئے اور یہاں زمانہ کے

Marfat.com

اقتران سے مراد یہی فہم میں ہے اور ضَرُب مصدر میں جو زمانہ کا اقتران ہے وہ وجود میں ہے فہم میں نہیں اس لئے کہ ضَرُب کے معنی کے ساتھ اُس کا کوئی زمانہ سمجھ میں نہیں آتا۔ سوال زیدٌ ضاربٌ غدًا میں ضاربٌ کے معنی کے ساتھ زمانہ بھی سمجھ میں آتا ہے لہذا وہ فعل ہوگیا حالانکہ وہ اسم ہے۔ جواب فعل میں یہ ضروری ہے کہ معنی اور زمانہ دونوں ایک ہی لفظ سے سمجھ میں آئیں اور مثال مذکور میں معنی ضاربٌ سے سمجھ میں آتا ہے اور زمانہ غدًا سے۔ سوال لفظ غدًا سے ہی معنی اور زمانہ دونوں سمجھ میں آتا ہے اسی طرح لفظ اَمس اور یوم سے بھی لہذا تینوں فعل ہو گئے حالانکہ وہ اسم ہیں۔ جواب فعل میں یہ ضروری ہے کہ باعتبار مادہ معنی پر دلالت کرے اور باعتبار ہیئت وصیغہ زمانہ پر اور لفظ غد وامس وغیرہ ایسے نہیں کیونکہ وہ معنی وزمانہ پر صرف باعتبار مادہ دلالت کرتے ہیں باعتبار ہیئت وصیغہ نہیں۔

قولہ اَعنِیْ الماضِیَ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ صبوح اسم ہے لیکن اس کے معنی کے ساتھ زمانہ بھی سمجھ میں آتا ہے کیونکہ اس کا معنی ہے صبح کے وقت شراب پینا اسی طرح غبوق بھی اسم ہے لیکن اس کے معنی کے ساتھ زمانہ بھی سمجھ میں آتا ہے اس لئے کہ اُس کا معنی ہے رات کے وقت شراب پینا۔ جواب یہ کہ صبوح وغبوق کے معنی کے ساتھ اگرچہ زمانہ بھی سمجھ میں آتا ہے لیکن ماضی وحال واستقبال میں سے ایک بھی نہیں حالانکہ زمانہ سے یہاں یہی مراد ہے یعنی ان دونوں لفظوں سے نہ زمانہ ماضی سمجھ میں آتا ہے اور نہ حال و استقبال بلکہ مطلق صبح اور مطلق رات سمجھ میں آتی ہے گزشتہ ہو یا موجودہ یا آئندہ۔ یہ جواب بھی ممکن ہے کہ فعل کے معنی کے ساتھ جو زمانہ سمجھ میں آتا ہے وہ صیغہ وہیئت کے بدل جانے سے بدل جایا کرتا ہے اور صبوح وغبوق میں زمانہ نہیں بدلتا بلکہ وہ ہمیشہ ایک حال پر قائم رہتا ہے۔

قولہ اَیْ حِین یفہم۔ یہ اُس سوال کا جواب ہے کہ لفظ ماضی کا معنی ہے گزرا ہوا زمانہ اور حال کا معنی ہے موجودہ زمانہ اور استقبال کا معنی ہے آئندہ زمانہ لہذا یہ بھی فعل ہو گئے کہ ان کے معنی بھی فہم میں زمانہ ماضی وحال واستقبال سے مقترن ہے۔ جواب یہ کہ فعل سے دو چیزیں سمجھ میں آتی ہیں ایک معنی اور دوسرا زمانہ مثلاً ضَرَبَ فعل ہے جس سے ایک مارنا سمجھ میں آتا ہے اور دوسرا مارنے کا زمانہ گزشتہ بھی لیکن لفظ ماضی سے صرف ایک چیز اور وہ زمانہ سمجھ میں آتا ہے کیونکہ اس کا معنی بعینہٖ زمانہ ہے یہی حال واستقبال میں ہے۔

Marfat.com

وَهُوَ[1] مَاخُوذٌ مِنَ السِّمْوِ وَهُوَ الْعُلُوُّ لِاِسْتِعْلَائِهٖ عَلٰی اَخَوَیْهِ[2] حَیْثُ یَتَرَکَّبُ مِنْهُ وَحْدَهُ الْکَلَامُ دُوْنَ اَخَوَیْهِ وَقِیْلَ مِنَ الْوَسْمِ وَهُوَ الْعَلَامَةُ لِاَنَّهٗ عَلَامَةٌ عَلٰی مُسَمَّاهُ وَالْقِسْمُ الْاَوَّلُ وَهُوَ مَا یَدُلُّ عَلٰی مَعْنًی فِیْ نَفْسِهٖ مُقْتَرِنٌ بِاَحَدِ الْاَزْمِنَةِ الثَّلٰثَةِ الْفِعْلُ[3] سُمِّیَ بِهٖ لِتَضَمُّنِهِ الْفِعْلَ اللُّغَوِیَّ وَهُوَ الْمَصْدَرُ

ترجمہ:——— اور اسم سمو سے مشتق ہے اور سمو بلندی کو کہا جاتا ہے۔ اس قسم کو اسم کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے دونوں بھائیوں یعنی فعل وحرف پر بلند ہوتا ہے کیونکہ اس سے کلام تنہا مرکب ہوتا ہے اس کے دونوں بھائیوں سے نہیں اور بعض نحویوں نے کہا کہ اسم، وسم سے مشتق ہے اور وسم علامت کو کہا جاتا ہے۔ اس قسم کو اسم کہنے کی وجہ یہ کہ وہ اپنے مسمّٰی پر علامت ہوتا ہے اور قسم (اول) جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو اس کی ذات میں ہے، جو تینوں زمانوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ملا ہوا ہو (فعل ہے) اس قسم کا نام فعل اس لئے رکھا گیا کہ وہ فعل لغوی کو متضمن ہے اور فعل لغوی مصدر ہے۔

تشریح:——— قولہ[1] ہوَ ماخوذٌ۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ اسم مشتق ہے یا جامد اگر مشتق ہے تو اس کا مشتق منہ کون ہے؟ جواب یہ کہ اسم مشتق ہے لیکن اس کے مشتق منہ میں اختلاف ہے بصریوں کے نزدیک اسم سمو بکسر سین وسکون میم سے مشتق ہے آخر سے واؤ حذف کر کے اس کے عوض شروع میں ہمزۂ وصل لایا گیا، اسم ہوا۔ سمو کا معنی لغت میں بلندی ہے اور اسم کو چونکہ فعل وحرف پر بلندی وبرتری حاصل ہے اس لئے اس کو اسم کہا جاتا ہے اور کوفیوں کے نزدیک اسم، وَسم بفتح واؤ وسکون سین سے ماخوذ ہے۔ آخر سے واؤ حذف کر کے شروع میں اس کے عوض ہمزۂ وصل لایا گیا۔ اور وسم کا معنی لغت میں علامت ہے اور اسم چونکہ اپنے مسمّٰی کی علامت ہوتا ہے اس لئے اس کو اسم کہا جاتا ہے بصریین اپنے مدعٰی پر یہ دلیل دیتے ہیں کہ اسم کی جمع اسماء اور اس کی تصغیر سُمَیّ آتی ہے پس اگر اس کی اصل وسم آتی تو جمع اَوْسام اور تصغیر وسیم آنی چاہئے تھی حالانکہ نہ یہ تصغیر آتی ہے اور نہ جمع! اور کوفیین یہ دلیل دیتے ہیں کہ اسم کی اصل اگر سمو ہو تو کثرت تعلیل لازم آئے گی اس لئے کہ پہلے آخر کے حرف کو گرایا جاتا ہے اور اس کے بعد سین کو مبنی علی السکون کیا جاتا ہے پھر شروع میں ہمزۂ وصل لایا جاتا ہے برخلاف اگر اس کی اصل وسم ہو تو اس میں صرف واؤ کو ہمزہ سے بدلا جاتا ہے

Marfat.com

شارح نے کوفیوں کے مسلک کو قیلَ کلمۂ تمریض سے بیان کر کے اُس کے ضعف کی طرف اشارہ فرمایا ہے اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ کلام عرب میں کوئی لفظ بھی ایسا دیکھا نہیں گیا ہے کہ اس کے شروع سے کسی حرف کو گرا کر اس کے عوض ہمزۂ وصل کو لایا گیا ہو اور اس لئے بھی کہ اسم کی طرح فعل و حرف بھی اپنے معنی پر علامت ہوتے ہیں۔ خیال رہے کہ اَخُوین سے مراد فعل و حرف ہیں۔ ان کو اَخُوین سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ جس طرح دو بھائی کے درمیان مماثلت و مناسبت ہوتی ہے کہ وہ ایک باپ سے پیدا ہوتے ہیں اسی طرح فعل و حرف بھی ایک کلمہ سے پیدا ہوتے ہیں۔

قولہ[۲] حَیْثُ یُترکبُ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ اسم سمو سے ماخوذ نہیں کیونکہ بعض افعال اور بعض حروف کو بھی اسم پر بلندی حاصل ہے مثلاً مَنْ موصولہ پر اِستنصرَ اور لیتَ بلند ہیں۔ اس لئے کہ مَن موصولہ دو حرفی ہیں اور اِستنصرَ چھ[۶] حرفی اور لیت تین[۳] حرفی ہیں۔ جواب یہ کہ بلندی سے حروف کی کثرت مراد نہیں بلکہ یہ ہے کہ اسم سے کلام تنہا مرکب ہوتا ہے لیکن تنہا فعل اور تنہا حرف سے نہیں اور نہ فعل و حرف دونوں سے مرکب ہوتا ہے کیونکہ کلام کے لئے مسند و مسندالیہ کا ہونا ضروری ہے اور حرف نہ مسند ہوتا ہے اور نہ مسندالیہ اور فعل صرف مسند ہوتا ہے لیکن مسندالیہ نہیں اور اسم دونوں ہوتا ہے جیسے الشمسُ مشرقۃٌ میں۔

قولہ[۳] سُمّی بہٖ۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ فعل کو فعل کیوں کہا جاتا ہے؟ جواب یہ کہ فعل کا لغوی معنی حدث ہے یعنی معنی مصدری ہونا یا کرنا ہے اور حدث فعل اصطلاحی کا جزء ہے پس جو نام جزء کا تھا وہی مجازاً از قبیل تسمیۃُ الکُلُ باسمِ الجُزء کل کو دے دیا گیا۔

وَقد عُلِمَ بذٰلِكَ[۱] اَیْ بوجہِ[۲] حَصْرِ الکلمۃِ فی الاَقسامِ الثلٰثۃِ حَدُّ کُلِّ واحدٍ منہا ای مِنْ[۳] تلكَ الاَقسامِ

ترجمہ:——— (اور بیشک اس سے) یعنی کلمہ کا تین قسموں میں حصر کی دلیل سے (اُن میں سے) یعنی اقسام ثلٰثہ میں سے (ہر ایک کی تعریف معلوم ہوگئی)۔

تشریح:——— بیانہ[۱] وَقَدْ عُلِمَ۔ قد عُلِم کہا گیا قد عُرِفَ اس لئے نہیں کہ معرفت جزئیات و بسائط کے ادراک کو کہا جاتا ہے اور علم کلیات و مرکبات کے ادراک کو کہا جاتا ہے اسی وجہ سے اولیاء اللہ کو عارف باللہ

Marfat.com

کہا جاتا ہے عالم باللہ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ذہن وخارج دونوں اعتبار سے بسیط ہے اسی طرح وَاللہُ اَعلمُ کہا جاتا ہے واللہ اعرِفُ نہیں کہ اللہ تعالیٰ مدرک کلیات ہے اگرچہ مدرک جزئیات بھی ہے لیکن کلی کا جزئیات پر انطباق کی تقدیر پر۔ اور اقسام ثلثہ چونکہ کلیات یونہی مرکبات بھی ہیں کہ ان کی ترکیب جنس وفصل سے ہوتی ہے اس لئے قد علم کہا گیا اور بذٰلِکَ میں بار جارہ استعانت کے لئے ہے جو علم کے ساتھ متعلق ہے جیسے کتبتُ بالقلمِ۔

قولہ اَیْ بوجہ الحَصْرِ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ ذٰلک کا مشارٌ الیہ لِاَنّہا اَنْ تدل الخ جملہ ہے اور ذٰلکَ مفرد مذکر لہٰذا اسم اشارہ، مشارٌ الیہ کا مطابق نہ ہوا جواب یہ کہ مشارٌ الیہ لِاَنّہا اَنْ تدُلّ الخ نہیں بلکہ وجہ حصر ہے جو اس سے مستفاد ہے ظاہر ہے وجہ حصر مفرد مذکر ہے۔

قولہ اَیْ من تلک الاقسَامِ۔ اس عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ متن میں منہا کی ضمیر مجرور کا مرجع اقسام ثلثہ یعنی اسم وفعل وحرف ہیں لفظ اول وثانی وثالث نہیں اور اس میں مِنْ تبعیضیہ ہے جو وہ اپنے مجرور سے مل کر واحد کی صفت واقع ہے اور واحد کی طرف کل کی اضافت لامیہ ہے جس طرح کل کی طرف حد کی اضافت لامیہ ہے۔

وذٰلِکَ لِاَنّہٗ قد عُلِمَ بہٖ اَیْ بوجہِ الحَصْرِ اَنّ الحَرْفَ کلمۃٌ لاتدُلُّ علیٰ معنیً فی نفسِہا بل تحتاجُ الیٰ انضمامِ کلمۃٍ اُخریٰ والفِعلُ کلمۃٌ تدُلُّ علیٰ معنیً فی نفسہا لکنّہٗ مقترِنٌ باَحَدِ الازمنۃِ الثلٰثۃِ والاِسمُ کلمۃٌ تدُلُّ علیٰ معنیً فی نفسہا غیرَ مقترنٍ باحدِ الازمنۃِ الثلٰثۃِ فالکلِمۃُ مشترِکۃٌ بین الاَقسامِ الثلثۃِ والحرفُ ممتازٌ عَنْ اَخوَیہِ لِعَدمِ الاستقلَالِ فی الدلالۃِ والفعلُ ممتازٌ عَنِ الحَرْفِ بالاستِقلَالِ وعَنِ الاِسمِ بالاقترانِ والاِسمُ ممتازٌ عن الحرفِ بالاِستقلالِ و عَنِ الفِعلِ بعدَمِ الاقترَانِ فعُلِمَ لکلِّ واحدٍ منہا مُعرِّفٌ جامعٌ لِاَفرَادِہٖ مانعٌ عن دخُولِ غیرِھا فیہِ ولیسَ المرادُ بالحدِّ ھٰھنا اِلّا المعرِّف الجامعُ المانعُ وللہِ درُّ المصنّفِ حیث اَشَارَ الیٰ حدودِھا فی ضمن دَلیلِ الحُصرِ ثم نبّہَ علیہا بقولہٖ وقد عُلِمَ بذٰلک ثم صرّح بہا فیما بعدُ بِنَاءً علیٰ تفاوُتِ مراتبِ الطبائعِ

ترجمہ:۔۔۔۔ اور وہ اس لئے کہ دلیل حصر سے یہ معلوم ہوا کہ حرف وہ کلمہ ہے جو ایسے معنی پر دلالت نہیں

Marfat.com

کرتا جو اس کی ذات میں ہے بلکہ وہ دوسرے کلمہ کے ملنے کا محتاج ہوتا ہے اور فعل وہ کلمہ ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے جو اس کی ذات میں ہے لیکن وہ تینوں زمانوں میں سے کسی ایک سے مقترن ہوتا ہے اور اسم وہ کلمہ ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے جو اس کی ذات میں ہے جو تینوں زمانوں میں سے کسی ایک سے بھی مقترن نہیں ہوتا پس کلمہ اقسام ثلثہ میں مشترک ہوا اور حرف دلالت میں مستقل نہ ہونے کی وجہ سے اپنے دونوں نظیر یعنی اسم و فعل سے جدا ہو گیا۔ اور فعل مستقل ہونے کی وجہ سے حرف سے اور مقترن ہونے کی وجہ سے اسم سے جدا ہو گیا۔ اور اسم مستقل ہونے کی وجہ سے حرف سے اور تینوں زمانوں میں سے کسی سے مقترن نہ ہونے کی وجہ سے فعل سے جدا ہو گیا۔ پس ان اقسام ثلاثہ میں سے ہر ایک کی تعریف معلوم ہو گئی جو اپنے افراد کو جامع اور اس میں غیر کے داخل ہونے سے مانع ہے۔ اور یہاں پر حد سے مراد جامع و مانع تعریف ہی ہے اور اللہ تعالیٰ مصنف علیہ الرحمہ کو نیک جزا دے کہ انھوں نے دلیل حصر کے ضمن میں اقسام ثلاثہ کی تعریفوں کی طرف اشارہ فرمایا پھر الیہ کل قد علم بذالک سے ان تعریفوں پر تنبیہ فرمائی پھر بعد میں طلبہ کی طبیعتوں کے مراتب کے مختلف ہونے کی وجہ سے تعریفات کو صراحۃً بیان فرمایا۔

تشریح:——— قولہ ذٰلِک لانہ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ دلیل حصر سے اقسام ثلاثہ میں سے ہر ایک کی تعریف کیسے معلوم ہوئی؟ جواب یہ کہ جب یہ کہا گیا کہ کلمہ معنی فی نفسہا پر دال ہے یا نہیں اگر دال نہیں تو حرف ہے تو اس سے حرف کی تعریف معلوم ہو گئی کہ حرف وہ کلمہ ہے جو معنی فی نفسہا پر دلالت نہیں کرتا بلکہ دوسرے کلمہ کے ملنے کا محتاج ہوتا ہے جیسے مِنْ واِلیٰ، بصرہ و کوفہ کے ساتھ ملنے کا محتاج ہیں اسی طرح جب کہا گیا کہ کلمہ جو معنی فی نفسہا پر دال ہے اگر تینوں زمانوں میں سے کسی ایک کے ساتھ مقترن ہے یا نہیں اگر مقترن ہے تو فعل ہے اور اگر مقترن نہیں تو اسم ہے۔ تو اس سے فعل کی تعریف بھی معلوم ہو گئی کہ فعل وہ کلمہ ہے جو معنی فی نفسہا پر دلالت کرتا ہے اور تینوں زمانوں میں سے کسی ایک کے ساتھ مقترن ہوتا ہے جیسے ضرب و قتل معنی فی نفسہا پر دلالت کے ساتھ زمانۂ ماضی پر دال ہیں اور اسم کی تعریف بھی معلوم ہو گئی کہ اسم وہ کلمہ ہے جو معنی فی نفسہا پر دلالت کرتا ہے اور تینوں زمانوں میں سے کسی ایک کے ساتھ مقترن نہیں ہوتا ہے۔ جیسے زیدٌ و بکر وغیرہ معنی فی نفسہا پر دال ہیں اور فہم معنی کے وقت زمانہ سمجھ میں نہیں آتا پس کلمہ اقسام ثلاثہ کے درمیان مشترک ہوا۔ اور غیر مستقل ہونا حرف کا خاصہ ہے جس سے اسم و فعل خارج ہو گئے اور مستقل و زمانہ سے مقترن ہونا فعل کا خاصہ ہے اول سے حرف اور دوم

Marfat.com

سے اسم خارج ہوگیا اور مستقل وزمانہ سے غیر مقترن ہونا اسم کا خاصہ ہے اول سے حرف اور دوم سے فعل خارج ہوگیا

قولہ ولیس المرادُ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ کلمہ کی بعض قسم تعریف عدمی سے مرکب ہے جیسے حرف کی تعریف میں الکلمۃُ لاتدُلُّ علیٰ معنیً فی نفسہا عدمی ہے اور فعل کی تعریف میں الکلمۃُ لایقترنُ معناہا باَحدِ الاَزمنۃِ الثلٰثۃِ عدمی ہے اور شئ عدمی کسی کی ذاتی وجزئی نہیں ہوتی اس لئے جو تعریف عدمی سے مرکب ہو وہ حد نہیں ہوسکتی کیونکہ حد صرف ذاتیات سے مرکب ہوتی ہے اور ذاتیات شئ کی جنس وفصل ہیں جو وجودی ہیں۔ پس اسم وفعل وحرف میں سے ہر ایک کی تعریف کو حد کہنا درست نہ ہوا۔ جواب یہ کہ حد مناطقہ کے نزدیک صرف ذاتیات سے مرکب ہوتی ہے لیکن یہاں اس سے مراد جامع ومانع تعریف ہے جو تعریف عدمی اور وجودی دونوں کو شامل ہے۔

قولہ ولِلّٰہِ دُرُّ المصنّفِ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مصنف نے دلیل حصر میں اسم وفعل وحرف میں سے ہر ایک کی تعریف کی طرف اشارہ فرمایا پھر قَدْ عُلِمَ سے اس پر تنبیہ فرمائی اس کے بعد ہر ایک کی تعریف کو صراحۃً بیان فرمایا۔ اس انداز بیان میں آخر کیا راز ہے؟ جواب یہ کہ طلبہ کے ذہن چونکہ متفاوت ہوتے ہیں کوئی ذکی ہوتے ہیں کوئی غبی اور کوئی متوسط اس لئے مصنف کا یہ کمال ہے کہ انہوں نے اس کا پورا پورا خیال فرمایا۔ ذکی طالب علم دلیل حصر ہی سے ہر ایک کی تعریف جان لے گا اور جو متوسط ہے اس کو قَدْ عُلِمَ بذالک سے تنبیہ کرنے پر دلیل حصر سے ہر ایک کی تعریف جان لے گا اور جو غبی ہے وہ نہ دلیل حصر سے جانے گا اور نہ قد عُلِمَ بذلک کی تنبیہ سے اس لئے ہر قسم کی تعریف جدا جدا بیان فرمایا۔

خیال رہے کہ دُرّ لغت میں بمعنی دودھ ہے کذا فی الصباح اور اس سے چونکہ کافی بھلائی و خیر حاصل ہوتی ہے اس لئے اہل عرب اس سے مجازاً خیر مراد لیتے ہیں۔ اس لئے مدح میں وہ لوگ لِلّٰہِ دُرُّہٗ کہتے ہیں کیونکہ وہ جب کسی چیز کو عظیم جان لیتے ہیں تو اس کو مولیٰ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں اسی طرح وہ لوگ لادُرُّہٗ کا معنی لاکثرُ خیرہٖ بیان کرتے ہیں۔

الکلامُ فی اللغۃِ ما یتکلّمُ بہٖ قلیلاً کانَ اَوکثیراً وفی اِصطلاحِ النحاۃِ ما تضمّنَ اَیْ لفظٌ تضمّنَ کلمتینِ حقیقۃً اَوحکمًا

Marfat.com

ترجمہ:—— (کلام) لغت میں وہ لفظ ہے جس سے تکلم کیا جائے خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ اور نحویوں کی اصطلاح میں کلام (وہ لفظ ہے جو مشتمل ہو) یعنی جو لفظ (دو کلموں کو) مشتمل ہو حقیقۃً ہو یا حکماً۔

تشریح:—— بیانہ[1] الکلامُ۔ کلمہ کی تعریف اور اس کے اقسام ثلاثہ کے انحصار سے فارغ ہونے کے بعد اب کلام کی تعریف بیان کی جاتی ہے جو علم نحو کا دوسرا موضوع ہے۔ کلام سے پہلے واؤ عاطفہ کو لانا چاہئے تھا تاکہ اس کا کلمہ کے ساتھ ربط پیدا ہو جائے اور یہ ظاہر بھی ہو جائے کہ کلام بھی کلمہ کی طرح علم نحو کا موضوع ہے۔ غالباً اس کی وجہ یہ وہم ہے کہ کلمہ، علم نحو کا موضوع بالاصالۃ ہے کیونکہ وہ معطوف علیہ واقع ہے اور کلام موضوع بالتبعیۃ ہے کیونکہ وہ معطوف واقع ہے حالانکہ دونوں موضوع بالاصالۃ ہیں۔

قولہ[2] فی اللغۃِ ما یتکلمُ۔ کلمہ اور کلام کے اصطلاحی معنی مختلف ہیں لیکن لغوی معنی دونوں کے ایک ہیں کیونکہ لغت میں کلام ہر وہ لفظ ہے جس کا تکلم کیا جا سکے خواہ وہ قلیل ہو جیسے نبی دولی وغیرہ یا کثیر ہو جیسے رسولُ "شفیعٌ"۔ وَجَبَتْ شفاعتی پس کلام لغوی عام ہوا اور کلام اصطلاحی خاص اس لئے کہ (۱) مہمل پر کلام لغوی صادق آتا ہے لیکن کلام اصطلاحی نہیں (۲) جو لفظ نسبت کو شامل نہ ہو مثلاً کریم، رحیم وغیرہ پر کلام لغوی صادق آتا ہے کلام اصطلاحی نہیں (۳) جو لفظ نسبت اضافیہ یا توصیفیہ کو شامل ہو مثلاً رسولُ اللہِ اور اللہُ الرحمٰنُ پر کلام لغوی صادق آتا ہے لیکن اصطلاحی نہیں۔ ہر ایک کی وجہ کلام کے اصطلاحی معنی میں غور کرنے سے عیاں ہے۔

قولہ[3] فی اصطلاحِ النحاۃِ۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ یہ تعریف کلام باری تعالیٰ پر صادق نہیں آتی کیونکہ کلام باری تعالیٰ ما بین الدفتین کو کہتے ہیں جو قلیل و کثیر سب پر بولا جاتا ہے خواہ وہ دو کلموں کو متضمن ہو یا متضمن نہ ہو، اس میں اَسناد ہو یا اسناد نہ ہو جواب یہ کہ کلام باری تعالیٰ نحویوں کی اصطلاح میں کلام ہی نہیں البتہ وہ کلام اہل شرع کے نزدیک ہے جس طرح کلمۂ توحید و کلمۂ شہادت و کلمۂ استغفار اہل شرع کے نزدیک کلمہ ہیں لیکن نحویوں کے نزدیک کلام ہیں لہٰذا ایک اصطلاح کا دوسرے اصطلاح میں داخل ہونا کوئی لازم نہیں آتا۔

قولہ[4] ای لفظٌ "تضمنَ"۔ یہ اُس سوال کا جواب ہے کہ تعریف میں ما سے مراد کیا ہے؟ اگر لفظ ہے تو کلام کی تعریف نعمْ پر بھی صادق آئے گی جو اَقامَ زیدٌ کے جواب میں بولا جاتا ہے کیونکہ وہ بھی دو کلموں ایک قام اور دوسرا زیدٌ کو متضمن ہے جبکہ نعمْ کلمہ ہے کلام نہیں اور اگر مراد شئ ہے تو تعریف اس کاغذ پر صادق آئے گی جس پر زیدٌ قائمٌ مرقوم ہے کیونکہ وہ بھی دو کلموں کو متضمن ہے حالانکہ وہ کلام نہیں اور اگر مراد کلمہ ہے تو جزء کا حمل کل

Marfat.com

پر لازم آئے گا۔ اس لئے کہ ما تضمن الخ حد ہے اور حد محدود پر محمول ہوتی ہے اور محدود یہاں پر کلام ہے پس معنی ہوا الکلامُ کلمۃٌ تضمن یعنی کلام وہ کلمہ ہے اور کلمہ جزء ہے اور کلام کل لہذا کل پر جزء کا حمل لازم آیا جو صراحۃً باطل ہے اور اگر ما سے مراد کلام ہے تو اخذ محدود فی الحد لازم آئے گا اس لئے کہ محدود کلام ہے اور حد بھی اگر کلام ہو تو کلام کا کلام ہونا لازم آئے گا نیز دور بھی لازم آئے گا کیونکہ محدود کی معرفت حد کی معرفت پر موقوف ہوتی ہے تو کلام کی معرفت کلام کی معرفت پر موقوف ہوئی یہی دور ہے۔ جواب یہ کہ مَا سے لفظ ہی مراد ہے اس لئے کہ متضمن ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کلام کل ہو اور دونوں کلمے جزء ہوں اور نعم' جو زید اور قائم کو متضمن ہے وہ اس طور پر نہیں کیونکہ یہ دونوں کلمے اس کے جزء نہیں البتہ اس کی تاویل وتفسیر ہیں اور نعم' ان دونوں کے قائم مقام

قولہ حقیقۃً اَوْ حکماً۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ تعریف زیدٌ ابوہُ قائمٌ جیسے کلام پر صادق نہیں آتی کیونکہ وہ دو کلموں کو متضمن نہیں۔ زیدٌ کلمہ تو ہے لیکن اَبوہُ قائمٌ کلمہ نہیں جملہ ہے۔ جواب یہ کہ تعریف میں دو کلموں سے مراد عام ہے کہ دونوں حقیقۃً ہوں یا ایک حقیقۃً ہو اور دوسرا حکماً اور مثال مذکور میں زیدٌ حقیقۃً کلمہ ہے اور ابوہُ قائمٌ حکماً کلمہ کیونکہ وہ قائمٌ اُلاَبِ کی تاویل میں ہے۔

اَیْ یکونُ کلُّ واحدٍ منھا فی ضمنہٖ فالمتضمِّنُ اِسمُ فاعلٍ ھُوَ المجموعُ وَالمتضمَّنُ اسمُ مفعولٍ کلُّ واحدۃٍ مِنْ کلمتَیْنِ فلا یلزمُ اِتحادُھما بالاِسنادِ اَیْ تضمنًا حاصِلاً بسببِ اِسنادِ اِحدیٰ الکلمتَیْنِ الیٰ الاُخریٰ

ترجمہ:۔۔۔۔ یعنی دونوں کلموں میں سے ہر ایک اس کے ضمن میں ہو تو متضمن صیغۂ اسم فاعل وہ مجموعہ ہے اور متضمن صیغۂ اسم مفعول دونوں کلموں میں سے ہر ایک ہے لہذا متضِمن و متضمن کے درمیان اتحاد لازم نہ آیا (اسناد کے سبب) یعنی ایسا تضمن جو دو کلموں میں سے ایک دوسرے کی طرف اسناد کے سبب حاصل ہو۔

تشریح:۔۔۔۔ قولہ اَیْ یکونُ کلٌّ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ کلام جبکہ وہ لفظ ہے جو دو کلموں کو متضمن ہے، اس سے متضمن (اسم فاعل) اور متضمَن (اسم مفعول) کا اتحاد لازم آتا ہے مثلاً محمدٌ عربیٌ متضِمن ہے اور یہی متضمَن بھی حالانکہ دونوں دو متغائر شئ ہیں جواب یہ کہ متضِمن (اسم فاعل) وہ دو کلمے ہیں جو ہیئت اجتماعیہ کے ساتھ ہوں اور

Marfat.com

متضمَن (اسم مفعول) وہ دو کلمے ہیں جو بطور انفرادی ہیئت اجتماعیہ کے بغیر ہوں پس مثال مذکور میں محمدٌ عربیٌ کا مجموعہ متضمِن (اسم فاعل) ہوا اور محمدٌ اور عربیٌ میں سے ہر ایک متضمَن (اسم مفعول) ہوا لہٰذا دونوں میں کوئی اتحاد لازم نہ آیا۔ خیال رہے کہ وَاحِدٌ منہما میں ضمیر تثنیہ کا مرجع کلمتین ہے اور فی ضمنہ میں ضمیر واحد کا مرجع کلام ہے اور فلا یلزمُ اتحادُ ہما میں ضمیر تثنیہ کے مرجع متضمِن (اسم فاعل) اور متضمَن (اسم مفعول) ہیں۔

قولہ[۲] اَیْ تضمنًا حاصِلًا۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ نحویوں کے نزدیک متن میں بالاسناد تضمن کا مفعول مطلق ہے حالانکہ اس پر مفعول مطلق کی تعریف صادق نہیں آتی کیونکہ مفعول مطلق فعل مذکور کے معنی میں ہوتا ہے اور ظاہر ہے بالاسناد تضمّن کا معنی ہی نہیں۔ جواب یہ کہ بالاسناد جو تضمّن کا مفعول مطلق ہے وہ تنہا نہیں بلکہ تضمنًا موصوف محذوف کے ساتھ اور بالاسناد جو صفت ہے وہ اپنے متعلق حاصِلٌ کے اعتبار سے۔

قولہ[۳] بسببِ الاسنَاد۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ کلام جس طرح دو کلموں کو متضمن ہے اسی طرح اسناد کو بھی متضمن ہے لہٰذا کلمہ کی طرح اسناد بھی کلام کا جزء ہوا اور اسناد مفہوم و معنی ہے اور کلمہ لفظ لہٰذا کلام لفظ و غیر لفظ سے مرکب ہوا جس سے اس کا غیر لفظ ہونا لازم آتا ہے۔ جواب یہ کہ اسناد کو جو کلام متضمن ہے جزء ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ سبب ہونے کی حیثیت سے اور ظاہر ہے سبب مسبب سے خارج ہوتا ہے جس طرح وقت جو وجوب صلوٰۃ کا سبب ہے وجوب صلوٰۃ سے خارج ہے اس بیان سے اس کا بھی رد ہو گیا جو مافیہ الاسنَاد سے کلام کی تعریف بیان کیا ہے جس کا حاصل یہ کہ اس تعریف سے اسناد کا جزء کلام ہونا لازم آتا ہے جو ممنوع ہے۔ خیال رہے کہ شرح میں اسناد کی اضافت اِحدیٰ الکلمتَین کی طرف سے یہ اشارہ مقصود ہے کہ متن میں اسناد پر الف لام مضاف الیہ کے عوض میں ہے۔

وَالاِسنادُ[۱] نِسبۃُ اِحدیٰ الکلمتَینِ حقیقۃً اَوْ حکمًا الیٰ الاُخریٰ بحیثُ تفیدُ المخاطبَ فائدۃً[۲] تامۃً

ترجمہ:—— اور اسناد کہتے ہیں ایک کلمہ کی نسبت کو دوسرے کلمہ کی طرف حقیقۃً یا حکمًا اس طرح کرنے کو جو مخاطب کو پورا پورا فائدہ دے۔

تشریح:—— قولہ[۱] والاسنادُ۔ لغت میں اسناد کا معنی راہ نمودن ہے اور اصطلاح میں ایک کلمہ کی

Marfat.com

نسبت دوسرے کلمہ کی طرف حقیقۃً یا حکماً اس طرح کرنے کو کہتے ہیں جو مخاطب کو فائدہ تامہ دے۔ فائدہ تامہ سے مراد یہ ہے کہ متکلم اگر خاموش ہو جائے تو سامع کو کوئی خبر یا طلب معلوم ہو جیسے النّبیُّ معصومٌ سے نبی کے معصوم ہونے کی خبر اور اَقیموُا الصّلٰوۃ سے نماز کے قائم کرنے کی طلب معلوم ہوتی ہے۔ اس بیان سے اسناد اور نسبت کے درمیان فرق بھی معلوم ہو گیا کہ اسناد خاص ہے کیونکہ اس میں فائدۂ تامہ ضروری ہے اور نسبت عام ہے کہ اس میں فائدہ تامہ ضروری نہیں۔ متن میں اگر بالاسناد کے بجائے بالاخبار کہا جائے یعنی ما تضمن کلمتین بالاخبارِ تو تعریف کلام انشائی پر صادق نہ آئے گی کیونکہ بالاخبار کلام خبری کے ساتھ خاص ہے برخلاف بالاسناد کہ وہ دونوں کو شامل ہے۔ سوال نسبت کی اضافت کلمہ کی طرف درست نہیں اس لئے کہ نسب ثبوت و نفی کو کہا جاتا ہے اور دونوں ہی مدلول کی صفتیں ہیں کلمہ کی نہیں کہ وہ دال ہے۔ جواب نسبت یہاں بمعنی ضمّ ہے اور یہ کلمہ کی صفت ہے یا عبارت میں مضاف الیہ محذوف ہے اصل میں یہ ہے نسبۃ مدلولِ احدی الکلمتینِ کذا علی حاشیۃِ عبد الغفور۔ کلمۂ اولیٰ جس طرح حقیقۃً یا حکماً کے ساتھ عام ہے اسی طرح کلمۂ اُخریٰ بھی لیکن کلمۂ اُخریٰ کی تعمیم کے ذکر کو کلمۂ اولیٰ کے بیان پر اکتفا کرنے کی وجہ سے چھوڑ دیا گیا۔

قولہ فائدۃً تامۃً۔ یعنی سکوت صحیح ہو سکے اور کسی دوسرے امر کا انتظار نہ ہو۔ اور دوسرے امر سے مراد مسند و مسند الیہ ہیں لہٰذا اس سے اس سوال کا بھی رد ہو گیا کہ مثلاً زیدٌ قائمٌ کلام نہیں کہ وہ دوسرے امر جیسے فی الدّارِ اور علی السّقفِ وغیرہ کا محتاج ہے حاصل رد یہ کہ زیدٌ قائمٌ کلام ہے کیونکہ اس میں مسند و مسند الیہ دونوں موجود ہیں اور انتظار جو باقی ہے وہ ان دونوں کے علاوہ کا۔ جس کا کلام کے تحقق میں کوئی دخل نہیں۔ سوال اَلسّمَاءُ فَوقَنَا اور الاَرضُ تحتنا جیسے مرکبات میں اسناد موجود ہے لیکن مخاطب کو فائدۂ تامہ نہیں ہوتا کیونکہ آسمان کے فوق اور زمین کے تحت ہونے کا علم مخاطب کو پہلے ہی سے حاصل ہے اسی طرح وہ کلام بھی جس کو مخاطب کبھی سنا ہی نہ ہو اسی طرح صلہ کے مضمون کو مخاطب پہلے ہی سے جانتا ہے مثلاً جب اکرمتُ الّذِی علّمکَ کہا جائے تو مخاطب کو سکھانے والے کا علم پہلے ہی سے حاصل ہے۔ جواب مقصد یہ ہے کہ فائدہ دینے کی صلاحیت ہو یعنی مخاطب کو اس سے فائدہ تامہ حاصل ہو یا اس پر سکوت صحیح ہو اور مذکورہ بالا مثالیں بھی اسی طرح ہیں کہ خارج سے قطع نظر ان سے بھی مخاطب کو فائدۂ تامہ حاصل ہوتا ہے۔

Marfat.com

فقولہ[1] مایتناول المہملاتِ والمفرداتِ والمرکباتِ الکلامیۃَ وغیرَ الکلامیۃِ وبقید تضمن کلمتینِ خرجتُ المہملاتُ والمفرداتُ وبقیدِ الاسنادِ خرجت المرکباتُ الغیر الکلامیۃُ مثلُ غلامُ زیدٍ وَرجلٌ فاضلٌ وبقیت المرکباتُ الکلامیۃُ سواءٌ کانتْ خبریۃً مثلُ ضربَ زیدٌ وضربتْ ہندٌ وزیدٌ قائمٌ اَوانشائیۃً مثلُ اِضرِبْ وَلاتضرِبْ فاِنّ[2] کلَّ واحدٍ منہما تضمن کلمتینِ احدہما ملفوظۃٌ والاُخریٰ منویۃٌ وبینہما[3] اِسنادٌ یفیدُ المخاطبَ فائدۃً تامۃً

ترجمہ:—— پس مصنف کا قول مَا مہملات ومفردات ومرکبات کلامیہ وغیر کلامیہ کو شامل ہے اور تضمنَ کلمتینِ کی قید سے مہملات ومفردات نکل گئے اور اسناد کی قید سے غلامُ زیدٍ اور رجلٌ فاضلٌ جیسے مرکبات غیر کلامیہ نکل گئے۔ باقی رہ گئے مرکبات کلامیہ عام ہے کہ وہ خبریہ ہوں جیسے ضربَ زیدٌ وضربتْ ہندٌ وزیدٌ قائمٌ یا انشائیہ جیسے اِضرِبْ ولاتضرِبْ کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک دو کلموں کو متضمن ہے جن میں سے ایک ملفوظ ہے اور دوسرا منوی اور جن دونوں کے درمیان ایک اسناد ہے جو مخاطب کو پورا پورا فائدہ دیتی ہے۔

تشریح:—— قولہ[1] فقولہ مَا۔ اس عبارت سے کلام کی تعریف حدی کی طرف اشارہ ہے کہ تعریف میں ما جس سے مراد لفظ ہے وہ بمنزلۂ جنس ہے جو مہملات ومفردات اور مرکبات کلامیہ وغیر کلامیہ سب کو شامل ہے۔ اور تضمن کلمتینِ بمنزلۂ فصل بعید ہے جس سے مہملات ومفردات نکل گئے لیکن مہملات اس لئے کہ وہ کلمہ نہیں اور مفردات اس لئے کہ وہ کلمتین نہیں کیونکہ مفرد کا جزء لفظ جزء معنی پر دلالت نہیں کرتا اور کلمتین کا جزء لفظ جزء معنی پر دلالت کرتا ہے اور اسناد بمنزلۂ فصل قریب ہے جس سے مرکبات غیر کلامیہ نکل گئے جیسے دِینُ محمدٍ اور اَلدین المستقیمُ کے اندر نسبت تو ہے لیکن نسبت تام یعنی اسناد نہیں کیونکہ ان سے مخاطب کو پورا پورا فائدہ حاصل نہیں ہوتا اور وہ مصدر جو قائل کی طرف منسوب ہو اور اسم فاعل واسم مفعول جن سے پہلے نہ حرف نفی ہو اور نہ حرف استفہام ہو اور صفت مشبہ واسم تفضیل بھی اسناد کی قید سے نکل گئے کیونکہ ان کے اندر اسناد مذکور نہیں ہوتا۔ باقی رہ گئے مرکبات کلامیہ خواہ خبریہ ہوں جیسے ضرب زیدٌ وضربتْ ہندٌ وزیدٌ قائمٌ یا انشائیہ جیسے اِضرِبْ اور لاتضرِبْ۔

واضح ہو کہ مرکب کی چھ قسمیں ہیں (۱) اضافی جیسے غلامُ زیدٍ (۲) توصیفی جیسے الصراطُ المستقیمُ (۳) امتزاجی جیسے بعلبک (۴) تعدادی جیسے خمسۃ عشر (۵) صوتی جیسے نفطویہ۔ سیبویہ (۶) اسنادی جیسے زیدٌ قائمٌ۔ مذکورہ

Marfat.com

بالا پہلی پانچوں قسم مرکب ناقص ہیں اور صرف آخری ایک قسم اسنادی مرکب تام ہے جو کلام ہے اس کی دو قسمیں ہیں خبری وانشائی کما مرّ مثالہما۔

قولہ[۲] فاِنّ کلّ واحدٍ۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا اِضرب اور لاتضرِبْ میں سے ہر ایک کلام ہے لیکن دونوں میں سے کوئی دو کلموں کو متضمن نہیں اس لئے کہ اس میں دو کلمے نہ حقیقۃً ہوتے ہیں اور نہ حکماً پس کلام کی تعریف جامع نہ رہی۔ جواب یہ کہ دونوں میں سے ہر ایک دو کلموں کو متضمن ہے ایک فعل اور دوسرا فاعل کو جو ضمیر مستتر ہے اور ضمیر مستتر حقیقۃً کلمہ ہے۔

قولہ[۳] بینہما اِسنادٌ۔ یہ اُس سوال کا جواب ہے کہ لاتضرِب میں ایک کلمہ ملفوظ اور دوسرا منوی نہیں بلکہ دونوں ملفوظ ہیں اس لئے کہ اس میں ایک کلمہ لا ہے اور دوسرا تَضرِبْ ہے۔ جواب یہ کہ تعریف میں کلمتین سے مراد وہ دو کلمے ہیں جن کے درمیان اسناد ہو اور لا اور تَضرِبْ کے درمیان اسناد نہیں کیونکہ اسناد کے لئے ضروری ہے ایک کلمہ مسند الیہ ہو اور دوسرا مسند اور تضرب مسند ہونے کی صلاحیت تو رکھتا ہے لیکن لا نہیں کہ وہ حرف ہے جو نہ مسند ہوتا ہے اور نہ مسند الیہ برخلاف ضمیر مستتر کہ وہ فاعل ہونے کی وجہ سے مسند الیہ واقع ہے۔ خیال رہے کہ اسناد کے بعد یُفیدُ المخاطبَ فائدۃً تامۃً کی قید صفت کاشفہ ہے جیسے الجسمُ الطویلُ العریضُ العمیقُ میں صفت محترزہ نہیں کہ محذور لازم آئے اس لئے کہ ہر اسناد مخاطب کو پورا پورا فائدہ دیتا ہے۔

وحیثُ[۱] کانتُ الکلمتانِ اَعمَّ مِنْ اَنْ تکونا کلمتَیْنِ حقیقۃً اَوْحکمًا دَخلَ فی التعریفِ مِثْلُ زیدٌ ابوہُ قائمٌ اَوْقامَ ابوہُ فاِنَّ الاخبارَ فیہا مع اَنّہا مرکّباتٌ لکنّہا فی حُکمِ الکلمۃِ المفردۃِ اَعنی قائمَ الاَبِ وَدَخلَ[۲] فیہ اَیضًا مثلُ جسقٌ مُہْمَلٌ ودیزٌ مقلوبُ زیدٍ مع اَنّ المسند الیہ فیہما مُہْمَلٌ لیسَ بکلمۃٍ فانّہٗ فی حُکمِ ہٰذا اللّفظِ

ترجمہ: ——— اور جبکہ دونوں کلمے اس سے عام ہوئے کہ حقیقۃً ہوں یا حکماً تو زیدٌ ابوہُ قائمٌ یا قامَ ابوہُ یا قائمٌ ابوہُ جیسے جملے کلام کی تعریف میں داخل ہو گئے اس لئے کہ ان جملوں میں اخبار باوجودیکہ مرکبات ہیں لیکن کلمۂ مفردہ یعنی قائمُ الاَب کے حکم میں ہیں نیز کلام کی تعریف میں جسقٌ مہملٌ اور دیزٌ مقلوبُ زیدٍ جیسے جملے بھی داخل ہو گئے

Marfat.com

باوجودیکہ دونوں میں مسندالیہ مہمل ہے کلمہ نہیں۔ وجہ داخل ہونے کی یہ ہے کہ وہ ہذااللفظ کے حکم میں ہے۔

تشریح:——— قولہ[1] حیث کانت۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ کلام کی تعریف مثلاً زیدٌ ابوہٗ قائمٌ اور زید قائم ابوہٗ اور زیدٌ قائمٌ ابوہٗ پر صادق نہیں آتی کیونکہ ان میں سے ہر ایک چار کلموں کو متضمن ہے دو کلمون کو نہیں۔ جواب یہ کہ مذکورہ مثالوں کے اخبار ابوہٗ قائمٌ اور قائم ابوہٗ اور قائمٌ ابوہٗ اگرچہ مرکبات ہیں لیکن کلمۂ مفردہ یعنی قائمٌ الاَب کے حکم میں ہیں اور یہ ابھی گزرا کہ تعریف میں کلمتین سے مراد عام ہے کہ دونوں کلمے حقیقۃً ہوں یا ایک حقیقۃً ہو اور دوسرا حکماً اور یہاں پر مبتدا کلمۂ واحدہ حقیقۃً ہے اور خبر کلمۂ واحدہ حکماً ہے۔ دوسرا جواب یہ بھی ممکن ہے کہ تعریف میں دو کلموں کا ذکر اقلّ درجہ کو بیان کرنے کے لئے ہے یعنی اس امر کے لئے کہ تحقق کلام کیلئے کم از کم دو کلموں کا ہونا ضروری ہے اور اگر دو کلموں سے زائد ہو جائے تو کوئی حرج نہیں اور تیسرا جواب یہ بھی ممکن ہے کہ کلمتین سے مراد یہ ہے کہ جو ہٰذا اور ذاکَ سے تعبیر کیا جاسکے اور مذکورہ مثالوں کی خبریں بھی ایسے ہی ہیں کہ ہر ایک ذاکَ سے تعبیر کی جاتی ہے۔ خیال رہے کہ قائمٌ الاَب بھی اگرچہ مرکب ہے لیکن خبر مضاف و مضاف الیہ کا مجموعہ نہیں بلکہ صرف مضاف ہے اور وہ مفرد ہے۔ اور تین مثالیں جو بیان کی گئیں اُن میں سے پہلی وہ ہے جس کی خبر جملہ اسمیہ ہے دوسری وہ ہے جس کی خبر جملہ فعلیہ ہے تیسری وہ ہے جس کی خبر شبہ جملہ ہے۔

قولہ[2] دخل فیہ۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ کلام کی تعریف اپنے افراد کو جامع نہیں اس لئے کہ جسقٌ مہملٌ اور دیزٌ مقلوبُ زیدٍ کلام ہیں لیکن اس پر تعریف صادق نہیں آتی کیونکہ پہلی و دوسری مثال کا پہلا جزء مہمل ہے اور مہمل کلمہ نہیں ہوتا کیونکہ وہ لفظ غیر موضوع کو کہتے ہیں۔ جواب یہ کہ جسقٌ مہملٌ مؤوّل ہے اس سے مراد ہٰذا اللفظُ مہملٌ ہے یونہی دیزٌ مقلوبُ زیدٍ بھی مؤوّل ہے جس سے مراد ہٰذا اللفظُ مقلوبُ زیدٍ ہے۔ سوال جسقٌ اور دیزٌ جب مہمل ہیں تو ان پر تنوین کیوں آتی ہے اس لئے کہ تنوین اسم کے ساتھ خاص ہے اور اسم از قسم کلمہ ہوتا ہے مہمل نہیں۔ جواب جسقٌ اور دیزٌ چونکہ ہٰذا اللفظُ کی تاویل میں ہیں اس لئے وہ حکماً لفظ ہوئے اسی بنا پر ان پر تنوین آتی ہے۔ اور اس لئے بھی کہ دخول تنوین اسم کے خاصۂ شاملہ سے ہے جو فعل اور حرف کی بہ نسبت ہے یعنی تنوین فعل و حرف پر داخل نہ ہوگی البتہ موضوع کے علاوہ مہمل پر بھی داخل ہو سکتی ہے۔ سوال جسقٌ اور دیزٌ ہٰذا اللفظُ کی تاویل میں کیوں کی جاتی ہیں۔ جواب لفظ کی تین صورتیں ہیں ایک یہ کہ لفظ بولتے ہیں اور اس سے اس کے علاوہ کوئی دوسری چیز مراد لیتے ہیں جیسے اَلعِلمُ نورٌ میں علم سے لفظ علم مراد نہیں بلکہ اس کا معنی مراد ہے دوسری یہ کہ لفظ سے

Marfat.com

وہی لفظ مراد لیتے ہیں کوئی دوسری چیز نہیں جیسے اَلعلم اسمٌ میں علم سے اس کا معنی نہیں بلکہ خود وہ لفظ مراد لیتے ہیں کہ جس کا پہلا حرف عین مکسور ہے اور دوسرا حرف لام ساکن ہے اور تیسرا حرف میم ہے تیسری یہ کہ لفظ بول کر اس سے نہ وہ لفظ مراد لیتے ہیں اور نہ کوئی دوسری چیز جیسے الحجرُ جسقٌ یا جسقٌ حجرٌ میں جسق سے نہ اس کا معنی مراد ہے اور نہ وہ لفظ کہ جس کا پہلا حرف جیم ہے اور دوسرا سین اور تیسرا قاف ہے۔ پہلی صورت میں علم سے اس کا معنی مراد ہے اس لئے وہ موؤل نہیں اور دوسری صورت میں علم سے اس کا معنی مراد نہیں بلکہ خود وہ لفظ مراد ہے اس لئے علم موؤل ہے اور مراد یہ ہے ہٰذا اللفظُ اِسمٌ یعنی یہ لفظ اسم ہے کہ جس کا پہلا حرف عین مکسور ہے اور دوسرا حرف لام ساکن ہے اور تیسرا حرف میم ہے۔ لیکن تیسری صورت میں جسق سے کوئی چیز مراد نہیں ہے اور نہ وہ لفظ ہی مراد ہے اس لئے جسقٌ موؤل نہیں ہے اور یہاں یہی دوسری صورت ہے کہ جب ہم جسقٌ مہملٌ بولتے ہیں تو جسقٌ سے کوئی دوسری چیز مراد نہیں لیتے بلکہ وہی لفظ مراد لیتے ہیں کہ جس کا پہلا حرف جیم مفتوح ہے اور دوسرا حرف سین اور تیسرا حرف قاف ہے اسی طرح دیزٌ مقلوبُ زیدٍ میں دیز سے وہی لفظ مراد لیتے ہیں کہ جس کا پہلا حرف دال مفتوح ہے اور دوسرا حرف یا ساکن اور تیسرا حرف زے ہے اس لئے جسق اور دیز کی تاویل ہٰذا اللفظُ سے کی جاتی ہے۔

اِعلم[1] اَنّ کلامَ المصنّفِ رحمہُ اللّٰہُ تعالیٰ ظاھرٌ فی اَنّ نحوضربتُ زیداً قائماً بمجموعہ کلامٌ بخلاف[2] کلامِ صاحبِ المفصّلِ حیثُ قالَ الکلامُ ھُوالمرکبُ مِن کلمتینِ اُسندتُ اِحدٰھما اِلی الاُخریٰ فانّہٗ صریحٌ فی اَنّ الکلامَ ھُوضربتُ والمتعلّقاتُ خارجۃٌ عنہ

ترجمہ: ـــــ معلوم کیجئے کہ مصنف علیہ الرحمہ کا کلام اس امر میں ظاہر ہے کہ ضربتُ زیداً قائماً کا مجموعہ کلام ہے۔ صاحب مفصل کا کلام اس کے برخلاف ہے کیونکہ اُنہوں نے کلام کی یہ تعریف بیان کی ہے اَلکلامُ ھو المرکبُ مِن کلمتینِ اُسندتُ اِحدٰھما اِلی الاُخریٰ۔ اس لئے کہ یہ تعریف اس امر میں ظاہر ہے کہ کلام صرف ضربتُ ہے اور متعلقات اس سے خارج ہیں۔

تشریح: ـــــ قولہ[1] اِعلَمْ اَنّ۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ ضربتُ زیداً قائماً کلام ہے لیکن اس پر تعریف صادق نہیں آتی کیونکہ اس میں چار کلمے ہیں۔ جواب یہ کہ مصنف نے جو کلام کی تعریف فرمایا ہے اس کی ظاہر عبارت سے ضربتُ زیداً قائماً کا مجموعہ کلام ہے کیونکہ انہوں نے تعریف میں فقط کی قید بیان کر کے یہ

Marfat.com

نہیں کہا کہ کلام وہ لفظ ہے جو صرف دو کلموں کو متضمن ہو برخلاف صاحب مفصل کہ انہوں نے بھی اگرچہ فقط کی قید کو بیان نہیں کیا ہے لیکن تعریف کے الفاظ صراحۃً اس امر پر دال ہیں کہ کلام صرف ضربتُ ہے متعلقات اس سے خارج ہیں۔ کیوں کہ انہوں نے تعریف معرف باللام سے بیان کیا ہے اس کے علاوہ ضمیر فصل بھی لایا ہے جس سے یہ مستفاد ہے کہ مسندالیہ کا حصر مسند میں ہے یعنی کلام وہی لفظ ہے جو دو کلموں سے مرکب ہو۔

قولہ[۲] بخلاف کلام۔ صاحب مفصل اور مصنف کے درمیان اختلاف ظاہر عبارت کے اعتبار سے ہے لیکن اگر ظاہر عبارت سے قطع نظر کیا جائے تو کوئی اختلاف نہیں کیونکہ مصنف نے تعریف میں تضمن کو اسناد کیساتھ مقید کیا ہے اور جس تضمن کا سبب اسناد ہو وہ تضمن لامحالہ صرف دو کلموں کا ہوگا تین یا اس سے زائد کلموں کا نہیں چنانچہ ضربتُ زیداً قائماً جو چار کلموں کو متضمن ہے سب کے متضمن ہونے کا سبب اسناد نہیں بلکہ دو کلموں کا اسناد ہے اور بقیہ کا نسبت ایقاعیہ وغیرہا ہے یا یہ ممکن ہو کہ مصنف کی تعریف میں کلمتین کے بعد فقط ملحوظ ہے یا صاحب مفصل کی تعریف میں کلمتین سے مراد عام ہے کہ دونوں کلمے حقیقۃً ہوں یا حکماً۔ لہٰذا دونوں کی تعریف کا مقتضیٰ ایک ہوا جس سے کوئی اختلاف نہ رہا۔

ثُمَّ[۱] اعلَمْ اَنَّ صاحبَ المفصَّلِ وصاحبَ اللُّبابِ ذهبا الیٰ ترادُفِ الکلامِ والجملةِ وکلامُ المصنفِ ایضاً ینظرُ اِلیٰ ذلکَ فانَّهٗ قد اکتفیٰ فی تعریفِ الکلامِ بذکرِ الاسنادِ مطلقاً ولم یقیِّدْهُ بکونهٖ مقصوداً[۲] لذاتهٖ ومَنْ جعلهٗ اخصَّ من الجملةِ قیَّدهٗ بهٖ فحینئذٍ یصدُقُ الجملةُ علی الجُملِ الخبریةِ[۳] الواقعةِ اَخبارٍ اَوْ اَوْصافاً بخلافِ الکلامِ وَفی بعضِ[۴] الحواشیٰ اَنَّ المرادَ بالاسنادِ هو الاِسنادُ المقصودُ لذاتهٖ وحینئذٍ یکونُ الکلامُ عند المصنِّفِ ایضاً اَخصَّ من الجملةِ

ترجمہ: ——— پھر معلوم کیجئے کہ صاحب مفصل اور صاحب لباب کلام و جملہ کے مترادف ہونیکی طرف گئے ہیں اور مصنف کا کلام بھی اس طرف ناظر ہے کیونکہ انہوں نے کلام کی تعریف میں مطلقاً اسناد کے ذکر پر اکتفا کیا ہے اور اسناد کو مقصود لذاتہ کیساتھ مقید نہیں فرمایا۔ اور جنہوں نے کلام کو جملہ کیساتھ خاص کیا ہے انہوں نے اسناد کو مقصود لذاتہ کیساتھ مقید کیا ہے پس اس وقت جملہ ان تمام جملے خبریہ پر صادق ہوگا جو اخبار و اوصاف واقع ہیں کلام کے برخلاف اور بعض حواشی میں ہے کہ اسناد سے مراد مقصود لذاتہ ہی ہے پس اس وقت کلام مصنف

Marfat.com

کے نزدیک بھی جملہ سے خاص ہوگا۔

تشریح:۔ قولہ ثمّ اعلَمْ ۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ تعریف دخول غیر سے مانع نہیں اس لئے کہ اکرمنی رجلٌ ابوہُ عالمٌ میں ابوہُ عالمٌ پر تعریف صادق آتی ہے حالانکہ وہ کلام نہیں بلکہ جملہ ہے جواب یہ کہ صاحب مفصل اور صاحب لباب کے نزدیک جملہ وکلام باہم مترادف ہیں اور مصنف کا کلام بھی اسی طرف ناظر ہے پس اس تقدیر پر مثال مذکور میں ابوہُ عالِمٌ پر اگر کلام کی تعریف صادق آجائے تو کوئی حرج نہیں البتہ بعض نحوی مثلاً صاحب تسہیل کے نزدیک جملہ وکلام کے درمیان فرق ہے کلام خاص ہے اور جملہ عام کیونکہ انہوں نے کلام اس لفظ کو کہا ہے جو دو کلموں کو ایسے اسناد کیساتھ متضمن ہو جو مقصود لذاتہ ہو اور جملہ اس لفظ کو کہا ہے جو دو کلموں کو مطلق اسناد کے ساتھ متضمن ہو خواہ وہ اسناد مقصود لذاتہ ہو یا لغیرہ پس اکرمنی رجلٌ بالاتفاق جملہ ہے اور کلام بھی لیکن ابوہُ عالمٌ جملہ ہے کلام نہیں اس لئے کہ متکلم کا مقصود مرد کے اکرام کی خبر دینا ہے اس کے باپ کے عالم ہونیکی نہیں۔ اور ابوہُ عالمٌ سے مرد کا تعارف بیان کرنا ہے اس کی خبر دینا نہیں۔

خیال رہے کہ نحویوں کے نزدیک کلام شرط وجزاء میں سے صرف جزا ہے شرط نہیں اور نہ ہی دونوں کا مجموعہ اس لئے کہ شرط، جزا کی قید ہے کیونکہ اِنْ دخلت الدارَ فانت طالقٌ کا معنی انتِ طالقٌ وقت دخول الدّار ہے اور شرط وجزا کا مجموعہ اگر کلام ہو تو دونوں کے درمیان اسناد کا ہونا لازم ہوگا شرط مسند الیہ ہوگا اور جزا مسند ظاہر ہے وہ یہاں درست نہیں۔

قولہ مقصودٌ لذاتہٖ ۔ اسناد مقصود لذاتہ وہ ہے جس سے اصل مقصود کی خبر دی جائے اور اسناد غیر مقصود لذاتہ وہ ہے جس سے کسی کا تعارف بیان کیا جائے جیسے جارنی رجلٌ ابوہُ قائمٌ سے متکلم کا اصل مقصود مرد کے آنیکی خبر دینا ہے نہ کہ اُس کے باپ کے کھڑے ہونیکی۔ ابوہُ قائمٌ کا ذکر مرد کے تعارف کے لئے کیا گیا ہے تاکہ مخاطب کو یہ معلوم ہو جائے کہ آنیوالا مرد کون ہے۔ پس جار کی اسناد رجل کی طرف اسناد مقصود لذاتہ ہے اور قائمٌ کی اسناد ابوہُ کی طرف اسناد غیر مقصود لذاتہ ہے۔

قولہ الجملُ الخبریۃ ۔ جُمل جمع ہے جملہ کی اور خبریہ اُسی جمل کی صفت ہے اور اخباراً او اوصافاً الواقعۃُ سے تمیز واقع ہیں اور الواقِعۃُ اپنی تمیز سے ملکر جمل کی صفت ثانیہ ہے پس معنی ہوا کہ جملہ ان تمام جملے خبریہ پر صادق آئیگا جو کسی اسم کی اخبار یا اوصاف واقع ہیں جیسے مثال مذکور میں ابوہُ قائمٌ رجل کی صفت ہے اور زیدٌ ابوہُ قائمٌ میں ابوہُ قائمٌ خبر ہے زید کی اور خبریہ جمل کی صفت محترزہ ہے اس لئے جملہ انشائیہ خارج ہے کیونکہ وہ کسی اسم کی خبر یا صفت بنفسہا نہیں بلکہ بتاویل ہوتا ہے جیسے زیدٌ اِضربْہُ زیدٌ مقولٌ فی حقہ اِضربْہُ

Marfat.com

کی تاویل میں ہے۔

قولہ فی بعض الحواشی ۔ بعض حواشی شرح ہندی کو کہتے ہیں اس میں کلام کی تعریف میں اسناد کو اسناد مقصود لذاتہ کے ساتھ خاص کیا گیا ہے یہی مراد مصنف کے کلام میں بھی ممکن ہے کہ اسناد پر الف لام عہد خارجی کا ہے جس سے اسناد مقصود لذاتہ مراد ہے پس اِس تقدیر پر کلام خاص ہوگا اور جملہ عام لیکن تحقیق اس کے برخلاف ہے کیونکہ اس کتاب میں اقسام جملہ کے احکام بیان کئے گئے ہیں اقسام کلام کے نہیں پس اگر دونوں مترادف نہ ہوں تو اقسام کلام کے احوال بتمامہا معلوم نہ ہوسکیں گے اور کلام کی طرح جملہ کی تعریف بھی بیان کرنا لازم ہوگا اس لئے تفسیر اول ہی زیادہ مناسب ہے۔ شرح ہندی کو بعض حواشی سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ نحوی حضرات پہلے بیاض کافیہ کے حاشیہ پر بکثرت شرح مذکور کی عبارت کو لکھا کرتے تھے۔

ولا یتأتی ای لا یحصل ذلک ای الکلام الا فی ضمن اسمین احدھما مسند والاخر مسند الیہ
او فی ضمن اسم مسند الیہ وفعل مسند و فی بعض النسخ او فی فعل واسم

ترجمہ: ـــــ (اور وہ) یعنی کلام (نہیں آئیگا) یعنی حاصل نہ ہوگا (مگر دو اسموں) کے ضمن (میں) جن میں سے ایک مسند ہو اور دوسرا مسند الیہ (یا ایک اسم) مسند الیہ (اور ایک فعل) مسند کے ضمن (میں) کافیہ کے بعض نسخوں میں او فی فعل واسم ہے۔

تشریح: ـــــ بیانہ لا یتأتی ۔ مصنفین کا یہ دستور رہا ہے کہ شئی کی تعریف کے بعد اس کی تقسیم بیان کرتے ہیں اس لئے یہاں بھی کلام کی تعریف کے بعد اُس کی تقسیم بیان کی جاتی ہے جس طرح کلمہ کی تعریف کے بعد اس کی تقسیم بیان کی گئی ہے پھر دلیل حصر جس سے اقسام کے درمیان حصر معلوم ہوتا ہے یہاں تقسیم کو حصر کیساتھ بیان کیا ہے لیکن اس کے بعد دلیل حصر کو اس لئے بیان نہیں کیا کہ یہ دعویٰ بدیہی فطری ہے۔ کلام کے تصور کے لئے چونکہ اسناد کا تصور لازم ہے اس لئے اس سے یہ قیاس مرتب ہوتا ہے کل کلام منضمن علی الاسناد و کل متضمن علی الاسناد منحصر فی القسمین فکل کلام منحصر فی القسمین جس کا حاصل یہ کہ کلام صرف دو ہی اسم کے ضمن میں حاصل ہوگا جن میں سے ایک مسند ہوگا اور دوسرا مسند الیہ جیسے محمد کریم یا کلام صرف ایک اسم اور ایک فعل کے ضمن میں حاصل ہوگا جن میں سے اسم مسند الیہ ہوگا اور فعل مسند جیسے اللہ یرزق من یشاء۔

Marfat.com

قولہ[۲] اَی لا یحصلُ ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ یتاتّٰی فعل مضارع ہے جس کا مصدر تاتّی بروزن تمنی وترجی باب تفعّل کا مصدر ہے تاتی ماخوذ ہے اتیان سے اور اتیان کا معنی ہے آنا اور یہاں آنیکی نسبت کلام کی طرف کی گئی ہے جو درست نہیں اس لئے کہ آنا ذی روح کیساتھ خاص ہے اور ظاہر ہے کلام غیر ذی روح ہے نیز آنے سے پہلے چونکہ آنیوالے کا وجود جس طرح جانے سے پہلے جانیوالے کا وجود ضروری ہوتا ہے اس لئے کلام کا وجود دو اسموں یا ایک اسم اور ایک فعل میں آنے سے پہلے ضروری ہونا چاہیئے حالانکہ مقسم کا وجود اقسام کے وجود کے علاوہ کچھ نہیں ہے ۔ جواب یہ کہ باب تفعّل کی ایک خاصیت ابتدا بھی ہے لہذا تاتی کا معنی آنا نہیں بلکہ حصول ہے اور لا یتاتّٰی کا معنی لا یَحْصلُ ہے ۔

قولہ[۳] اَیْ الکلام ۔ اس تقدیر عبارت سے یہ تنبیہ مقصود ہے کہ ذلک کا مشار الیہ کلام ہے اسناد وتضمن نہیں اس لئے کہ عبارت میں سب سے زیادہ قریب اسناد ہے اور اس سے کچھ بعید تضمن ہے اور سب سے بعید تر کلام ہے اس لئے یہاں کلام کو مشار الیہ قرار دینا مقتضائے اسم اشارہ کے زیادہ موافق ہے کہ وہ مشار الیہ بعید کے لئے آتا ہے اور اس لئے بھی کہ کلمہ کی تعریف کے بعد جس طرح اس کی تقسیم بیان کی گئی اسی طرح کلام کی تعریف کے بعد اس کی تقسیم بھی یہاں مقصود ہے ۔ مشار الیہ اگر اسناد یا تضمن کو قرار دیا جائے جب بھی کلام کی تقسیم ہو جاتی ہے لیکن بالواسطہ اور یہاں اُس کی تقسیم بلا واسطہ مقصود ہے ۔ سوال لا یتاتّٰی کی ضمیر فاعل کا مرجع کلام ہے جس سے کلام کی تقسیم عیاں ہے اب اس کے بعد اسم اشارہ کا ذکر فضول ہے ۔ جواب ضمیر کا مرجع اقرب ہوتا ہے اور یہاں اقرب اسناد ہے لہذا اس سے کلام کی تقسیم عیاں نہ ہوگی اس لئے اسم اشارہ سے اس کی تقسیم کو عیاں کیا گیا اور یہ وہم بھی زائل کیا گیا کہ کلمہ کی طرح کلام علم نحو کا مستقل موضوع نہیں کیونکہ کلام کا وجود کلمہ کے وجود سے ہوتا ہے وہ اس طرح زائل ہوتا ہے کہ ذلک اسم اشارہ بعید کے لئے ہے جو عظمت پر دلالت کرتا ہے کہ کلام بھی کلمہ کی طرح علم نحو کا مستقل موضوع ہے کما قالَ المولیٰ تعالیٰ ذلک الکتابُ لا ریبَ فیہ ۔

بیانہ[۴] الّا فی ۔ یہ مستثنیٰ مفرغ ہے جس کا مستثنیٰ منہ فی اَحَد ترکیب ہے جو عبارت میں محذوف ہے معنی یہ ہے کہ کلام کسی ترکیب میں حاصل نہ ہوگا مگر ان ہی دونوں ترکیبوں میں یعنی دو اسموں میں یا ایک اسم اور ایک فعل میں لیکن یہاں یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ اس عبارت کے مطابق کلام مظروف ہوا اور دو اسموں کا مجموعہ ظرف جو یہ بھی کلام ہے لہذا ظرف ومظروف میں اتحاد لازم آیا اسی طرح اسم وفعل کا مجموعہ بھی ظرف ہے جو یہ بھی کلام ہے اس کو ظرفیۃ الشئ لنفسہ کہتے ہیں جو محال ہے ۔ جواب یہ کہ دو اسموں کا مجموعہ کلام نہیں بلکہ کلام کا

Marfat.com

ایک فرد ہے اسی طرح ایک اسم اور ایک فعل کا مجموعہ کلام کا دوسرا فرد ہے لہٰذا کلام دو اسموں کے مجموعہ یا ایک اسم اور ایک فعل کے مجموعہ میں حاصل ہوگا تو ظرفیۃ الجزئی للکلی لازم آئیگی ظرفیۃ الشئ لنفسہٖ نہیں اور وہ جائز ہے اس لئے کہ جزئی اور کلی دونوں ایک دوسرے متغائر ہیں۔

قولہ[۵] احدُھما مسندٌ۔ یہ اُس وہم کا ازالہ ہے کہ کلام دو اسموں سے حاصل نہیں ہوتا کیونکہ رسول اللہ دو اسموں کو متضمن ہے لیکن کلام نہیں اسی طرح رزقٌ بھی کلام نہیں حالانکہ وہ ایک اسم اور ایک فعل کو متضمن ہے۔ جواب یہ کہ دو اسم سے یہاں وہ مراد ہیں کہ جن میں سے ایک مسند ہو اور دوسرا مسند الیہ اسی طرح اسم و فعل سے وہ مراد ہیں کہ اسم مسند الیہ ہو اور فعل مسند یعنی فعل اسم کی طرف مسند ہو جیسے اللہُ نورٌ واللہُ یرزقُ لمن یشاء۔

قولہ[۶] فی بعض النسخ۔ کلام کی دو قسمیں بیان کی گئیں ایک جملہ اسمیہ اور دوسرا جملہ فعلیہ۔ جملہ اسمیہ وہ ہے جس کا جزء اول اسم ہو جیسے المشکوٰۃُ مصباحٌ لیکن جملہ فعلیہ وہ ہے جس کا جزء اول فعل ہو جیسے اذا جاء نصرُ اللہِ اس لئے کافیہ کے بعض نسخوں میں اس قسم کے بیان میں فعل کو اسم پر مقدم کیا گیا کیونکہ مقام فعل کی تقدیم کو مقتضی ہے چنانچہ مشہور مقولہ ہے لکلِّ مقامٍ مقالٌ ولکلِّ مقالٍ مقامٌ یعنی ہر مقام کے لئے مخصوص گفتگو ہے اور ہر گفتگو کے لئے مخصوص مقام ہے اس لئے مقام حمد میں حمد کو اسم جلالت پر مقدم کیا جاتا ہے حالانکہ اسم جلالت ذات پر دال ہے اور ذات طبعاً مقدم ہوتی ہے لیکن کافیہ کے اکثر نسخوں میں یہ لحاظ نہ رکھکر جزء اشرف کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ جملہ فعلیہ میں جزء اشرف اسم ہے۔

فاتّ[۱] التّرکیبَ الثُّنائیَّ العقلیَّ بینَ الاقسامِ الثلاثۃِ یرتقی الیٰ ستّۃِ اقسامٍ ثلاثۃٌ منھا من جنسٍ واحدٍ اسمٍ واسمٍ وفعلٍ وفعلٍ وحرفٍ وحرفٍ وثلاثۃٌ منھا من جنسَینِ اسمٍ وفعلٍ اسمٍ وحرفٍ فعلٍ وحرفٍ ومن البیّنِ انّ الکلامَ لا یحصلُ بدونِ الاسنادِ والاسنادُ لابدّ لہٗ من مسندٍ ومسندٍ الیہ وھما لا یتحقّقانِ الا فی اسمَینِ او اسمٍ وفعلٍ واما الاقسامُ الاربعۃُ الباقیۃُ ففی الحرفِ والحرفِ کلاھما مفقودانِ وفی الفعلِ والفعلِ وفی الفعلِ والحرفِ المسندُ الیہ مفقودٌ وفی الاسمِ والحرفِ احدُھما مفقودٌ فانّ الاسمَ ان کانَ مسنداً فالمسندُ الیہ مفقودٌ وان کانَ مسنداً الیہ فالمسندُ مفقودٌ ونحو[۲] یانزیدُ بتقدیرِ ادعُ زیداً فلم یکن من ترکیبِ الحرفِ والاسمِ بل من ترکیبِ الفعلِ والاسمِ الذی

Marfat.com

هوالمنویّ فی اَدْعُو وَهُوَ اَنا

ترجمہ: ـــــ کلام کے ان ہی دونوں قسموں میں انحصار کی وجہ یہ ہے کہ ترکیب ثنائی عقلی جو اقسام ثلاثہ کے درمیان ہے چھ قسموں تک ترقی کرتی ہے۔ تین تو ان میں سے ایک جنس سے ہیں اسم و اسم فعل و فعل حرف و حرف اور تین اُن میں سے دو جنس سے اسم و فعل، اسم و حرف، فعل و حرف اور ظاہر ہے کلام اسناد کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ اور اسناد کے لئے مسند و مسندالیہ کا ہونا ضروری ہے اور مسند و مسندالیہ صرف دو اسموں یا ایک اسم اور ایک فعل میں متحقق ہوتے ہیں لیکن باقی چار قسمیں تو حرف و حرف میں دونوں مفقود ہیں اور فعل و فعل اور فعل و حرف میں مسندالیہ مفقود ہے اور اسم و حرف میں ان میں سے ایک مفقود ہے کیونکہ اسم اگر مسند ہے تو مسندالیہ مفقود ہے اور اگر اسم مسندالیہ ہے تو مسند مفقود ہے اور یا زیدُ کی مثل اَدعُو زیداً کی تقدیر پر ہے پس وہ حرف و اسم کی ترکیب سے نہیں بلکہ فعل اور اس اسم کی ترکیب سے جو اَدعُو میں مستتر ضمیر اَنَا ہے

تشریح: ـــــ قولہ فانّ التّرکیبَ۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ کلام صرف ان ہی دو قسموں یعنی دو اسموں اور ایک اسم اور ایک فعل میں کیوں منحصر ہے؟ جواب یہ کہ کلام دو کلموں کو متضمن ہے اور ہر ایک کلمہ تین تین قسموں پر مشتمل ہے پس جب ان تین قسموں کو دو سے ضرب دیا جائے تو چھ قسمیں نکل آئیں گی تین تو متفق الجنس ہوں گی جیسے دو اسم یا دو فعل یا دو حرف اور تین مختلف الجنس ہونگی جیسے ایک اسم اور ایک فعل یا ایک اسم اور ایک حرف یا ایک فعل اور ایک حرف ان چھ قسموں میں سے چار قسمیں ساقط ہو جائیں گی اور صرف دو ہی قسموں میں کلام پایا جائیگا اس لئے کہ کلام کے لئے اسناد ضروری ہے اور اسناد کے لئے مسند و مسندالیہ ضروری ہیں اور ایک ساتھ مسند و مسندالیہ صرف دو اسموں اور ایک اسم اور ایک فعل میں پائے جاتے ہیں اس لئے کہ حرف نہ مسند ہوتا ہے اور نہ مسندالیہ اور فعل مسند ہوتا ہے لیکن مسندالیہ نہیں پس ہر کلام کے لئے ایک اسم کا ہونا ضروری ہے جو مسندالیہ ہو سکے اس کے علاوہ ایک اسم یا ایک فعل کا ہونا بھی ضروری ہے جو مسند ہو سکے لہذا کلام دو حرفوں سے نہ بنے گا کیونکہ اس میں مسند و مسندالیہ دونوں مفقود ہیں اسی طرح دو فعل سے بھی نہ بنے گا کیونکہ اس میں مسند تو ہے لیکن مسندالیہ نہیں یونہی ایک اسم اور ایک حرف یا ایک فعل اور ایک حرف سے بھی نہ بنے گا کیونکہ اوّل میں مسندالیہ تو ہے لیکن مسند نہیں اور دوم میں مسند تو ہے لیکن مسندالیہ نہیں۔

Marfat.com

قولہ[۲] نحو یا زیدُ ۔ یہ اُس سوال کا جواب ہے کہ کلام ایک اسم اور ایک حرف سے مرکب ہوتا ہے مثلاً یا زید یا غوثُ یا خواجہ کلام ہیں لیکن ایک اسم اور ایک حرف سے مرکب ہیں ۔ جواب یہ کہ یا حرف ندا اَدعو فعل کے قائم مقام ہے اور اَدعُو میں ضمیر مستتر فاعل ہے لہذا یا تنہا کلام کے قائم مقام ہوا لیکن حرف ندا چونکہ منادی کے بغیر مستعمل نہیں ہوتا اس لئے اس کے بعد منادی لفظاً یا تقدیراً مذکور ہوتا ہے سوال یا زیدُ جملہ انشائیہ ہے اور اَدعُو زیداً جملہ خبریہ اور جملہ انشائیہ جملہ خبریہ کے قائم مقام نہیں ہوتا ۔ جواب اَدعُو زیداً جملہ خبریہ کو پہلے جملہ انشائیہ مان لیا گیا پھر یا زیدُ کو اس کے قائم مقام مانا گیا ہے اور یہ ایسا جائز ہے جیسے بعتُ واشتریتُ کو مقام بیع وشرا میں جملہ انشائیہ مانا جاتا ہے حالانکہ وہ جملہ خبریہ ہیں ۔

الاسم[۱] ما دلّ[۲] ای کلمۃٌ دلّت علی معنیً کائنٍ[۳] فی نفسہٖ ای فی نفسِ ما دلّ[۴] یعنی الکلمۃُ[۵]

ترجمہ : ـــــ (اسم وہ ہے جو دلالت کرے) یعنی وہ کلمہ ہے جو دلالت کرے (ایسے معنی پر جو اس کی ذات میں ہو) یعنی اس کی ذات میں جو دلالت کرے یعنی کلمہ کی ذات میں ۔

تشریح :ـــــ بیانہ[۱] الاسمُ ۔ کلمہ اور کلام کی تعریف اور انکی تقسیم سے فارغ ہونے کے بعد اب کلمہ کی ہر ایک قسم کو تفصیلاً بیان کیا جاتا ہے اسم کو دوسرے اقسام یعنی فعل وحرف پر اس لئے مقدم کیا گیا کہ اسم کلام عرب میں عمدہ ہے کیونکہ وہ مسند ومسند الیہ دونوں ہوتا ہے لیکن فعل صرف مسند ہوتا ہے مسند الیہ نہیں اور حرف نہ مسند ہوتا ہے اور نہ مسند الیہ اور اس لئے بھی کہ اسم، اجمال یعنی تقسیم کلمہ میں چونکہ فعل وحرف پر مقدم تھا اس لئے اس کو بطور لف ونشر مرتب تفصیل میں بھی مقدم کیا گیا ۔

قولہ[۲] ای کلمۃٌ دلّت ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مَا دلّ میں ما سے مراد شئی نہیں ہو سکتی اور نہ ہی لفظ اور نہ کلمہ اور نہ اسم لیکن شئی اس لئے نہیں ہو سکتی کہ اس تقدیر پر اسم کی تعریف میں دوال اربعہ داخل ہو جاتے ہیں اور وہ زید بھی داخل ہو جاتا ہے جو دیوار پر منقوش ہے کیونکہ وہ بھی شئی ہے جو معنی پر دال ہے اور لفظ اس لئے نہیں ہو سکتا کہ اس تقدیر پر تعریف میں مرکبات داخل ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ بھی لفظ ہیں حالانکہ وہ اسم نہیں کیونکہ اسم مفرد ہوتا ہے اور کلمہ اس لئے نہیں ہو سکتا کہ دلّ کی ضمیر مستتر مذکر ہے اور وہ اس کا مرجع نہیں ہو سکتا کیونکہ ضمیر ومرجع کے تذکیر وتانیث میں مطابقت لازم ہے اور اسم اس لئے نہیں ہو سکتا کہ اس تقدیر پر دور لازم آئیگا اس لئے کہ محدود کی معرفت حد کی

Marfat.com

معرفت پر موقوف ہوتی ہے تو اسم کی معرفت اسم کی معرفت پر موقوف ہو جائیگی جو ممنوع ہے۔ جواب یہ کہ مَا سے یہاں مراد کلمہ ہے اس پر قرینہ یہ ہے کہ اسم کلمہ کی قسم ہے اور قسم مقسم میں ملحوظ ہوتی ہے اور ضمیر و مرجع کے درمیان مطابقت موجود ہے اس لئے کہ کلمہ اگرچہ مونث ہے لیکن ما مذکر ہے اور مرجع یہی ما ہے کلمہ نہیں اسی وجہ سے شرح میں دلّت کہا گیا کیونکہ ضمیر مونث کا مرجع یہاں کلمہ ہے ما نہیں اور ما کی تفسیر کلمہ نکرہ سے یہ اشارہ ہے کہ ما حرفیہ نہیں بلکہ اسمیہ ہے کیونکہ وہ خبر واقع ہے جو مسند ہوتی ہے اور حرف مسند ہونیکی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اور وہ موصوفہ ہے موصولہ نہیں کیونکہ خبر اصل میں نکرہ ہوتی ہے اور ما اگر ما موصولہ ہو تو خبر کا معرفہ ہونا لازم آئیگا لیکن بعض علماء نے ما موصولہ کو نکرہ بھی لکھا ہے اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ اسم موصول بھی لام تعریف کی طرح عہد ذہنی کے لئے آتا ہے اور معہود ذہنی نکرہ ہوتا ہے پس ما موصولہ کی تفسیر نکرہ سے صحیح ہو جائیگی پس اس تقدیر پر بعد میں ما کی تفسیر جوا لکلمۃُ معرفہ کیساتھ اور فتذکیر الضمیر بناءً علیٰ لفظِ الموصولِ اور یَرْجِعُ الیٰ ما الموصولۃ التی ھی عبارۃٌ عن الکلمۃُ کہا گیا ہے درست ہو جائیگا۔ خیال رہے کہ دلّ اگرچہ فعل ماضی ہے لیکن وہ زمانہ پر دال نہیں کیونکہ تعریفات میں جو افعال مذکور ہوتے ہیں وہ زمانہ سے مجرد ہو کر استمرار پر دلالت کرتے ہیں

قولہ۳ کائنٌ۔ اس تقدیر عبارت کی وجہ کلمہ کی دلیل حصر میں گذر چکی ہے کہ متن میں فی نفسہٖ نہ ظرف لغو ہے اور نہ ظرف مستقر بلکہ اپنے متعلق کیساتھ معنی کی صفت ہے کیونکہ جار و مجرور جبتک کسی فعل یا شبہ فعل کا متعلق نہ ہو کسی کی صفت یا خبر نہیں بنتا۔

قولہ۴ اَیْ فی نفس مادلّ۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ متن میں فی نفسہٖ کی ضمیر مجرور کا مرجع اسم نہیں ہو سکتا اور نہ ہی معنی یا کلمہ ہو سکتا ہے لیکن اسم اس لئے نہیں کہ محدود کا استعمال حد میں لازم آتا ہے اور یہ دور کو مستلزم ہے اور معنی اس لئے نہیں ہو سکتا کہ دلیل حصر میں جو اسم کی تعریف مجملاً مذکور ہے اس میں ضمیر کا مرجع کلمہ ہے اور یہاں اُس کا مرجع معنی ہونے سے دونوں میں تخالف لازم آئیگا اور کلمہ اس لئے نہیں ہو سکتا کہ ضمیر مذکر ہے اور کلمہ مونث اور ضمیر و مرجع کے درمیان تذکیر و تانیث میں مطابقت ضروری ہے۔ جواب یہ کہ فی نفسہٖ کی ضمیر مجرور کا مرجع ما اسمیہ ہے جس سے مراد کلمہ ہے اور کلمہ اگرچہ مونث ہے لیکن مرجع ما ہے اور وہ مذکر ہے لہٰذا ضمیر و مرجع کے درمیان مطابقت برقرار ہے۔

قولہ۵ یعنی الکلمۃ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ ما دلّ دو لفظ ہیں ایک ما اور دوسرا دلّ لہٰذا اس کو فی نفسہٖ کی ضمیر مجرور کا مرجع قرار دینا درست نہیں کہ ضمیر مجرور واحد ہے تثنیہ نہیں۔ جواب یہ کہ

Marfat.com

ضمیر مجرور کا مرجع صرف ما اسمیہ ہے لیکن اس کے ساتھ دلّ کا ذکر یہ اشارہ کرنے کے لئے ہے کہ ما موصولہ بغیر صلہ اور ما موصوفہ بغیر صفت کے مذکور نہیں ہوتا حاصل یہ کہ مادلّ اگرچہ دو لفظ ہیں لیکن اس سے مراد صرف ایک لفظ کلمہ ہے۔

فتذکیرُ الضمیرِ بناءً علیٰ لفظِ الموصُولِ قالَ المصنفُ فی الایضاحِ شَرحِ المفصّلِ الضمیرُ فی مَادلّ علیٰ معنیً فی نفسہٖ یرجعُ الیٰ معنیً ای مادلّ علیٰ معنیً باعتبارہٖ فی نفسہٖ وَبالنظرِ الیہِ فی نفسہٖ لا باعتبارِ اَمرٍ خارجٍ عنہ کقولکَ الدّارُ فی نفسہا حکمُہا کذا ای لا باعتبارِ اَمرٍ خارجٍ عنہا ولذلکَ قیلَ الحرفُ مادلّ علیٰ معنیً فی غیرہٖ ای حاصلٍ فی غیرہٖ ای باعتبارِ متعلقہٖ لا باعتبارہٖ فی نفسہٖ انتہیٰ کلامہٗ

ترجمہ :۔۔۔ پس فی نفسہٖ کی ضمیر مجرور کا مذکر ہونا لفظ ما موصولہ کی بناء پر ہے۔ مصنف نے اپنی کتاب ایضاح شرح مفصل میں فرمایا ہے کہ مادلّ علیٰ معنیً فی نفسہٖ کی ضمیر مجرور معنی کی طرف لوٹتی ہے یعنی اسم وہ کلمہ ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو فی نفسہٖ معتبر اور منظور الیہ ہو کسی امر خارج کے اعتبار سے نہیں جیسا کہ آپ کا مقولہ ہے الدار فی نفسہا حکمہا کذا یعنی گھر کی قیمت فلاں ہے اس کی ذات کے اعتبار سے کسی امر خارج کے اعتبار سے نہیں۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ حرف وہ کلمہ ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو اس کے غیر میں ہے یعنی غیر میں حاصل ہے مطلب یہ کہ وہ اپنے متعلق کے اعتبار سے حاصل ہے اپنی ذات کے اعتبار سے نہیں۔ مصنف کا کلام ختم ہوا۔

تشریح :۔۔۔ قولہ فتذکیر الضمیر۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ فی نفسہٖ کی ضمیر مجرور کا مرجع اگر مادلّ میں ما موصولہ ہے تو ما موصولہ سے مراد کلمہ ہے اور کلمہ مونث ہے لہٰذا ضمیر تذکیر و تانیث میں مرجع کے مطابق نہ ہوگی کیونکہ ضمیر مجرور مذکر ہے۔ جواب یہ کہ ما موصولہ میں ایک جہت لفظ ہے اور دوسری جہت معنی و مراد جہت لفظ سے وہ مذکر ہے اور وہ اسی اعتبار سے ضمیر مجرور کا مرجع ہے اور جہت معنی و مراد سے وہ مونث ہے لیکن وہ اس اعتبار سے مرجع نہیں۔

قولہ قالَ المصنّفُ۔ ایضاح مفصل کی شرح ہے اس کا مصنف بھی مصنف کافیہ علامہ ابن حاجب علیہ الرحمہ ہیں۔ انہوں نے ایضاح میں اسم کی تعریف میں فی نفسہٖ کی ضمیر مجرور کا مرجع معنی کو قرار دیا ہے

Marfat.com

جس سے ظرفیۃ الشئ لنفسہ لازم آتی ہے کیونکہ معنی کا حصول معنی میں یہ ایسا ہی ہے جیسے پانی کا حصول پانی میں اور جب مصنف نے اسم کی تعریف میں ضمیر مجرور کا مرجع معنی کو قرار دیا ہے تو ان کے نزدیک حرف کی تعریف میں بھی ضمیر مجرور کا مرجع ضرور معنی ہی ہے اور معنی کا حصول غیر معنی میں بالکل مہمل ولغو ہے جواب یہ کہ ایضاح ہی میں مصنف نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اسم کی تعریف میں فی نفسہ سے پہلے اعتبار محذوف ہے جو فی حرف جار کا متعلق ہے لہذا معنی ہوا کہ اسم ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے جو فی نفسہ اعتبار کئے جانے سے پایا جائے ۔ یہ بلاشبہ جائز ہے اسی طرح حرف کی تعریف میں فی غیرہ سے پہلے اعتبار محذوف ہے لہذا معنی ہوا کہ حرف ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے جو اپنے متعلق میں اعتبار کئے جانے سے پایا جائے اور یہ صحیح ہے کہ حرف کا معنی اپنے متعلق میں اعتبار کئے جانے پر ہی پایا جاتا ہے ۔

قولہ بالنظر الیہ ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ اعتبار کا معنی قیاس ہے جیسے قرآن کریم فاعتبروا یا اولی الابصار میں اعتبار بمعنی قیاس ہے اور نفس معنی میں معنی کے قیاس سے کوئی مطلب نہیں ہوتا لہذا حرف جار کا متعلق اعتبار نہیں ۔ کوئی دوسرا ہے ۔ جواب یہ کہ اعتبار کا معنی اگرچہ قیاس آتا ہے لیکن یہاں اُس کا معنی نظر ہے اسی طرح لحاظ والتفات بھی کہ سب کا مطلب ایک ہی ہے یونہی معتبر و ملحوظ، منظور الیہ و ملتفت الیہ کا مطلب بھی ایک ہی ہے پس اسم کی تعریف کا خلاصہ یہ ہے کہ اسم ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے جس کی طرف فی نفسہ نظر کئے جانے سے وہ پایا جائے یعنی جو معنی منظور الیہ فی نفسہ ہو اور حرف کی تعریف کا خلاصہ یہ کہ حرف ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے جس کی طرف فی غیرہ نظر کئے جانے سے وہ پایا جائے

قولہ کقولک الدار ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ فی کا متعلق اعتبار محذوف ہے اس پر کیا دلیل ہے ؟ جواب یہ کہ جب کوئی چیز فی کے ذریعہ اپنے نفس یا غیر کی طرف منسوب ہو تو وہاں اعتبار کا مقدر ماننا شائع وذائع ہے جیسا کہ عرب کا یہ مقولہ ہے اَلدّارُ فی نفسہا حکمہا کذا یعنی اَلدّارُ باعتبارِ ہا فی نفسہا حکمُہا کذا ۔ مطلب یہ کہ جب کوئی گھر عمدہ بنا ہو اس کی چھت اور دیوار اچھی طرح مزین ہو لیکن اس کے آس پاس جرائم پیشہ لوگ بسے ہوئے ہوں جن سے جان ومال ہر طرح کا خطرہ لاحق ہو تو اس وقت یہ کہا جاتا ہے کہ گھر کے گھر ہونے کے اعتبار سے اس کی قیمت اتنی ہے قطع نظر اس کے جوار وپڑوس کے لوگوں کے

Marfat.com

ومحصولہ ماذکرہ بعض المحققین حیث قال کما انّ فی الخارج موجوداً قائماً بذاتہ وموجوداً قائماً لغیرہ فی الذہن معقولٌ ھو مدرک قصداً ملحوظاً فی ذاتہ یصلح ان یحکم علیہ وبہ ومعقولٌ ھو مدرک تبعاً والہ لملاحظۃ غیرہ فلا یصلح الشیٔ منھما۔

ترجمہ :۔۔۔ اس کا محصول وہی ہے جس کو بعض محققین نے ذکر کیا ہے جب کہ اس نے کہا کہ جس طرح خارج میں ایک موجود قائم بذاتہ ہوتا ہے اور دوسرا موجود قائم بغیرہ ہوتا ہے اسی طرح ذہن میں ایک معقول وہ ہوتا ہے جو قصداً معلوم اور فی ذاتہ ملحوظ ہوتا ہے جو محکوم علیہ ومحکوم بہ ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے اور دوسرا معقول وہ ہوتا ہے جو معلوم بالتبع اور غیر کے لحاظ کا آلہ ہوتا ہے اس لئے وہ محکوم علیہ ومحکوم بہ میں سے کسی کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

تشریح :۔۔۔ قولہ محصولہ ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اسم وحرف کو جو مکان کیساتھ تشبیہ دی گئی ہے یہ تشبیہ معقول بالمحسوس ہے جو ممنوع ہے اس لئے کہ اسم وحرف معقول ہیں اور مکان غیر معقول جواب یہ کہ مکان کو یہاں تشبیہ کے لئے نہیں بلکہ تقریب ذہن کے لئے بیان کیا گیا ہے ہاں البتہ اس کی تشبیہ جیسا کہ بعض محققین نے بیان کیا ہے وہ یہ کہ جس طرح موجود خارجی دو طرح کے ہیں ایک قائم بذاتہ جس کو جوہر کہتے ہیں اور وہ وہ موجود خارجی ہے جو کسی کا ایسا وصف نہیں جو اپنے وجود میں غیر کے وجود کا تابع ہو ۔ دوسرا قائم بغیرہ جس کو عرض کہتے ہیں اور وہ وہ موجود خارجی ہے جو کسی کا وصف ہو اور اپنے وجود میں غیر کے وجود کا تابع ہو اسی طرح موجود ذہنی بھی دو طرح کے ہیں ایک ملتفت الیہ بذاتہ جس کو مستقل بالمفہومیۃ کہتے ہیں اور وہ وہ موجود ذہنی ہے جو قصداً مدرک ہوتا ہے یعنی غیر کے ادراک کا تابع نہیں ہوتا دوسرا ملتفت الیہ لغیرہ ہوتا ہے جس کو غیر مستقل بالمفہومیۃ کہتے ہیں اور وہ وہ موجود ذہنی ہے جو تبعاً مدرک ہوتا ہے یعنی مدرک ہونے میں غیر کے ادراک کا تابع ہوتا ہے البتہ موجود خارجی و موجود ذہنی میں اتنا فرق ہے کہ کوئی موجود خارجی ایسا نہیں ہے جو ایک حیثیت سے قائم بذاتہ ہو اور دوسری حیثیت سے قائم بغیرہ لیکن موجود ذہنی میں ایسا ہے کہ ایک حیثیت سے وہ ملتفت الیہ بذاتہ ہے اور دوسری حیثیت سے ملتفت الیہ بغیرہ مثلاً آئینہ کو جب ہم دیکھتے ہیں تو آئینہ اور چہرہ دونوں نظر آتے ہیں لیکن خریدنے کے وقت جو آئینہ کو دیکھتے ہیں تو آئینہ ملتفت الیہ بذاتہ ہوتا ہے اور چہرہ ملتفت الیہ بالعرض اور منہ دھو کر جب آئینہ کو دیکھتے ہیں تو اس وقت چہرہ ملتفت الیہ بذاتہ ہوتا ہے اور آئینہ ملتفت الیہ بالعرض

Marfat.com

اسی طرح بعض مفہوم مثلاً مفہوم ابتداء کا جب ادراک کیا جاتا ہے تو مفہوم ابتداء اور اس کے متعلق مثلاً سیر و بصرہ کا ادراک ایک ساتھ ہوتا ہے لیکن بعض وقت مفہوم ابتداء کا ادراک مقصود ہوتا ہے لیکن اس کے متعلق کا ادراک تبعاً و اجمالاً ہوتا ہے اور بعض وقت مفہوم ابتداء کا ادراک تبعاً و اجمالاً ہوتا ہے لیکن اس کے متعلق کا ادراک مقصود ہوتا ہے پہلی صورت میں مفہوم ابتداء ملتفت الیہ بذاتہ وملحوظ بذاتہ ہے اور دوسری صورت میں مفہوم ابتداء ملتفت الیہ اور ملحوظ بالعرض ہے پس جو مفہوم ملتفت الیہ بذاتہ اور منظور الیہ فی نفسہ اور ملحوظ فی ذاتہ یونہی معتبر فی نفسہ ہو وہ مستقل بالمفہومیۃ ہے جو محکوم علیہ و محکوم بہ دونوں کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یہی مراد ہے اس قول کی کہ اسم و فعل کے ایسے معنی ہیں جو معنی کلمہ میں ہیں جن پر کلمہ دلالت کرتا ہے اور جو مفہوم ملتفت الیہ بغیرہ اور ملحوظ بغیرہ منظور الیہ بغیرہ اور معتبر بغیرہ ہے وہ غیر مستقل بالمفہومیۃ ہے جو نہ محکوم علیہ کی صلاحیت رکھتا ہے اور نہ محکوم بہ کی یہی مراد ہے اس قول کی کہ حرف کا معنی ایسا ہے جو نفس کلمہ میں نہیں۔

قولہ[۳] بعض المحققین۔ بعض محققین سے مراد حضرت میر سید شریف جرجانی ہیں جن کا یہ بیان شرح رضی اور شرح مطالع کے حاشیہ پر مرقوم ہے۔ شارح نے ان کا نام غالباً ادباً بیان نہیں فرمایا یہ تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ سید جرجانی محقق بھی تھے۔ اور حاشیہ پر اُن کا یہ قول چونکہ مجمل و مختصر تھا اس لئے یہاں اُس کا محصول و خلاصہ بیان کیا گیا۔ خیال رہے کہ حاصل و محصول دونوں کا معنی ایک ہی ہے صراح میں ہے۔ حاصلُ الشئ محصولُہٗ اور قاموس میں ہے۔ الحاصلُ مِن کل شئ ما بقی و ثبت وذھبَ ما سواہُ والمحصولُ الحاصل۔ محصول سے بعض محققین کی دلیل کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے اور حاصل سے شارح اپنی دلیل کا خلاصہ بیان کئے ہیں یا محصول سے جو سوال پیدا ہوا حاصل سے اس کا جواب دیا گیا ہے یا محصول سے دلیل اجمالی دی گئی ہے اور حاصل سے دلیل تفصیلی دی گئی ہے۔

Marfat.com

فالابتداءُ مثلاً اِذا لاحظهُ العقلُ قصداً و بالذاتِ کان معنًی مستقلاً بالمفهومیةِ ملحوظًا فی ذاتهٖ ولزمهٗ تعقّلُ متعلّقهٖ اجمالاً وتبعًا مِن غیرِ حاجةٍ الیٰ ذِکرهٖ وهو بهٰذا الاعتبارِ مدلولُ لفظِ الابتداءِ فقط فلا حاجةَ فِی الدّلالةِ علیهِ اِلیٰ ضمِ کلمةٍ اُخریٰ الیهِ لتدلّ علیٰ متعلّقهٖ وهٰذا هُو المرادُ بقولهم اِنّ للاسمِ والفعلِ معنًی کائنًا فی نفسِ الکلمةِ الدّالةِ علیهِ واذا لاحظهُ العقلُ مِن حَیثُ هو حالةٌ بین السَیرِ والبَصرةِ مثلاً وجَعلهٗ آلةً لتعرّفِ حالِها کان معنًی غیرَ مستقلٍ بالمفهومیةِ ولا یمکن اَن یتعقّلَ الا بذکرِ متعلّقهٖ بخصوصهٖ ولا ان یدلّ علیهِ الا بضمِّ کلمةٍ اُخریٰ دالةٍ علیٰ متعلّقهٖ

ترجمہ: ـــــ پس مثلاً ابتداء کو جب عقل قصداً و بالذات لحاظ کرے تو اس کا معنی مستقل بالمفہومیۃ ملحوظ فی ذاتہٖ ہوگا اور اس کے متعلق کا تعقل اجمالی طور پر اور بالتبع لازم ہوگا یہ ضرورت نہ ہوگی کہ اس کے متعلق کو ذکر کیا جائے۔ اور وہ معنی مستقل بالمفہومیۃ اس اعتبار سے کہ عقل اس کا قصداً و بالذات لحاظ کرے۔ صرف لفظ ابتداء کا مدلول ہے پس اس معنی پر دلالت کرنے کے لئے کسی دوسرے کلمہ کو ملانے کی ضرورت نہ ہوگی کہ وہ اپنے متعلق پہ دلالت کرے اور یہی مراد نحویوں کے قول اِنّ للاسم والفعلِ معنًی کائنًا فی نفسِ الکلمۃِ سے ہے۔ اور جب عقل اس لفظ ابتداء کا اس حیثیت سے لحاظ کرے کہ وہ مثلاً سیر و بصرہ کے درمیان کی حالت ہے اور اس کو دونوں کی حالت معلوم کرنیکا آلہ بنائے تو مفہوم ابتداء ایک معنی غیر مستقل بالمفہومیۃ ہوگا اور جب تک اس کے متعلق کا خصوص کیساتھ ذکر نہ کیا جائے اس کا تعقل ممکن نہ ہوگا اور نہ ہی اس مفہوم پر دلالت کی جا سکتی ہے جب تک کہ اس کیساتھ کوئی دوسرا کلمہ نہ ملایا جائے جو اس مفہوم کے متعلق پر دلالت کرے۔

تشریح: ـــــ قولہ فالابتداء الخ۔ جس فعل کو شروع کیا جائے وہ مبتدا ہے اور جہاں سے شروع کیا جائے وہ مبدأ ہے جیسے ابتداءُ سیری مِن البَصرۃِ اِلیٰ الکوفۃِ میں سیر مبتدا ہے اور بصرہ مبدأ اور ابتداء ایک ایسی نسبت ہے جو مبتدا اور مبدأ کے درمیان پائی جاتی ہے لہذا ابتداء جب بھی متصور ہوگا اس کے ساتھ مبتدا اور مبدأ ضرور متصور ہوں گے پس اس تقدیر پر ابتدا مستقل بالمفہومیۃ نہ ہوگا لیکن جب وہ قصداً مدرک ہو تو ضرور مستقل بالمفہومیۃ ہوگا اگرچہ مبتداء اور مبدأ کے ادراک کے بغیر اس کا ادراک محال ہے۔

قولہ لزمہٗ تعقلُ ـ اس عبارت سے لفظ ابتداء اور لفظ مِنْ کے معنوں کے درمیان تین طرح سے فرق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اوّل یہ کہ لفظ ابتدا کے معنی کے متعلقات یعنی مبتدا اور مبدأ کے ادراک اجمالاً کافی ہے لیکن لفظ مِنْ کے معنی کے متعلقات یعنی مبتدا و مبدأ تفصیلاً شرط ہے دوم یہ کہ لفظ ابتداء کا معنی قصداً مدرک ہے لیکن اس کے متعلقات یعنی مبتدا و مبدأ تبعاً مدرک ہیں اور لفظ مِنْ کے معنی کے مبتدا و مبدأ قصداً مدرک ہیں۔ سوم یہ کہ لفظ

Marfat.com

لفظ ابتداء کے معنی کے ادراک کے لئے مبتدا اور مبداء کا ادراک ضروری نہیں لیکن لفظ مِنْ کے معنی کے ادراک کے لئے
سی خاص مبتدا و مبدا کا ادراک ضروری ہے۔

قولہ وَالفِعلُ ومعنیً۔ سوال اسم کے معنی کی طرح اگر فعل کا معنی بھی مستقل بالمفہومیۃ ہے تو جس طرح اسم محکوم
علیہ و محکوم بہ دونوں ہوتا ہے اسی طرح فعل کو بھی ہونا چاہیئے حالانکہ وہ صرف محکوم بہ ہوتا ہے محکوم علیہ نہیں۔ جواب۔
دونوں کے مستقل بالمفہومیۃ ہونے میں فرق ہے اسم مستقل بالمفہومیۃ باعتبار معنی مطابقی ہے اور فعل باعتبار معنی تضمنی اس لئے
سم محکوم بہ کے علاوہ محکوم علیہ بھی ہوتا ہے اور فعل صرف محکوم بہ ہوتا ہے کیونکہ واضع نے نسبت فعل کو فاعل مَّا کی طرف لازم
قرار دیا ہے کہ وہ فاعل کے بغیر وجود میں نہیں آسکے گا اس لئے وہ محکوم علیہ نہیں ہوتا۔

الحاصل اَنَّ لفظ الابتداءِ موضوعٌ لمعنیً کلیٍّ ولفظۃُ مِنْ موضوعۃٌ لِکلِّ واحدٍ مِنْ جزئیاتہ المخصوصۃِ
المتعلقۃِ مِنْ حیثُ انّہا حالاتٌ لمتعلّقاتٍ اَوْ آلاتٌ لتعرف احوالہا وذلک المعنی الکلی یمکنُ ان یتعقلَ قصداً او یلاحظُ
فی ذاتہٖ فیستقلُّ بالمفہومیۃِ ویصلحُ اَن یکونَ محکومًا علیہ وبہٖ واَمّا تلک الجزئیاتُ فلا تستقلُّ بالمفہومیۃِ
ولا تصلحُ اَنْ تکون محکومًا علیہا وبہا اِذْ لابدّ فی کلِّ واحدٍ منہما اَن یکون ملحوظًا قصداً لیمکن اَن یعتبر النسبۃ
بینہٗ وبین غیرہٖ بل تلک الجزئیاتُ لا تتعقلُ اِلّا بذکرِ متعلّقاتہا لتکون آلاتٍ لملاحظۃ احوالہا وھٰذا
ھوالمرادُ بقولہم اِنَّ الحرفَ کلمۃٌ تدلُّ علیٰ معنیً فِیْ غیرِھا

ترجمہ: ـــــ حاصل وخلاصہ یہ کہ لفظ ابتداء معنیٰ کلی کے لئے موضوع ہے اور لفظ مِنْ اس معنیٰ کلی کی جزئیات مخصوصہ
متعلقہ میں سے ہر ایک کے لئے موضوع ہے اس حیثیت سے کہ وہ اپنے متعلقات کے حالات اور انکے احوال کی
معرفت کے آلات ہیں اور وہ معنیٰ کلی ممکن ہے قصداً تعقل اور فی ذاتہٖ لحاظ کیا جائے پس وہ مستقل بالمفہومیۃ ہوگا اور
محکوم علیہ و محکوم بہ کی صلاحیت رکھے گا اور لیکن وہ جزئیات پس وہ مستقل بالمفہومیۃ نہیں ہوتیں اور نہ محکوم علیہ و محکوم بہ کی
صلاحیت رکھتی ہیں کیونکہ محکوم علیہ و محکوم بہ میں سے ہر ایک میں ضروری ہے کہ وہ قصداً ملحوظ ہو تاکہ اس کے اور اس کے
غیر کے درمیان نسبت کا اعتبار کرنا ممکن ہو بلکہ وہ جزئیات متصور نہیں ہوتے مگر اپنے متعلقات کے ذکر ہی سے تاکہ
وہ اپنے متعلقات کے احوال کے لحاظ کے آلے ہوں پس وہ مراد ہے نحویوں کے قول ان الحرف کلمۃ تدل علیٰ معنیً فی
غیرہا ہے۔

تشریح: ـــــ قولہ والحاصل ـــــ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ ابتداء جب مستقل بالمفہومیۃ ہے اور وہ لفظ من

Marfat.com

کا معنی ہے تو لفظ مِنْ بھی مستقل بالمفہومیۃ ہوا حالانکہ من حرف ہے جو غیر مستقل بالمفہومیۃ ہوتا ہے جواب یہ کہ ابتدار جو مستقل بالمفہومیۃ ہے اس کا معنی ابتدارشئ ما متلبساً بشئ ما ہے اور یہ لفظ من کا معنی نہیں کیونکہ اس کا معنی ہے ابتدارشئ معین متلبساً بشئ معین یہ مستقل نہیں۔ لفظ ابتدار کا معنی کلی ہے اور لفظ من کا معنی اس کلی کے جزئیات مخصوصہ میں سے ہر ہر وہ بر سبیل بدلیت ہے دونوں کے معنی ایک دوسرے کے متبائن ہیں۔

قولہ ذلک المعنی الکلی۔ لفظ ابتدار اور لفظ من کے معنوں کے درمیان محصول میں تین فرقوں کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے اور اب یہاں مزید دو فرقوں کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے ایک یہ کہ لفظ ابتدار کا معنی کلی ہے لیکن لفظ من کا معنی اس کلی کا ہر ہر فرد بر سبیل بدلیت ہے دوسرا یہ کہ معنی کلی ہی محکوم علیہ و محکوم بہ ہونیکی صلاحیت رکھتا ہے اور اس معنیٔ کلی کا کوئی فرد محکوم علیہ و محکوم بہ ہونیکی صلاحیت نہیں رکھتا۔

قولہ اِذ لابدّ۔ ہر جملہ میں ایک نسبت ہوتی ہے اور وہ غیر مستقل ہے جو تبعاً مدرک ہوتی ہے اور محکوم علیہ و محکوم بہ کیساتھ پائی جاتی ہے اس لئے ضروری ہے محکوم علیہ و محکوم بہ مستقل اور قصداً مدرک ہوں ورنہ غیر مستقل کا قیام مستقل کیساتھ لازم آئیگا جو ممنوع ہے۔

قولہ بل تلک الجزئیات۔ یہ جزئیات چونکہ اپنے متعلقات کے احوال جاننے کے آلے ہوتی ہیں اس لئے ان جزئیات کا ادراک و تعقل انکے متعلقات کے ذکر سے ہوتا ہے گویا وہ جزئیات جو لفظ من کے معنی ہیں دوسرے کلمہ میں ہیں۔ سوال فعل کا ادراک و تعقل بھی فاعل کے بغیر نہیں ہوتا لہٰذا وہ بھی غیر مستقل ہے حالانکہ وہ مستقل ہے۔ جواب فعل کا ادراک و تعقل فاعل ما پر موقوف ہے اور یہ استقلال کے منافی نہیں۔

وَاذا عرفتَ هذا علمتَ انّ المرادَ بكينونةِ المعنىٰ فى نفسه استقلالُه بالمفهوميةِ وبكينونةِ المعنىٰ فى نفسِ الكلمةِ دلالتُها عليه مِنْ غيرِ حاجةٍ اِلىٰ ضمِّ كلمةٍ اُخرىٰ اليها لِاستقلالها بالمفهوميةِ فمرجعُ كينونةِ المعنىٰ فى نفسه وكينونتِه فى نفسِ الكلمةِ الدّالةِ عليه اِلىٰ اَمرٍ واحدٍ وهُو استقلالُه بالمفهومية فنى هذا الكتاب الضميرُ المجرورُ الذى فى نفسه يحتملُ اَنْ يرجعَ اِلىٰ ما الموصولةِ التى هى عبارةٌ عن الكلمةِ وهذا هو الظاهرُ ليكونَ علىٰ طبقِ ما سبق فى وجهِ الحصرِ مِنْ كينونةِ المعنىٰ فى نفسِ الكلمةِ ويحتملُ اَنْ يرجعَ اِلى المعنىٰ ولذا ذكرَ الضميرَ تنبيهاً علىٰ صحةِ ارادةِ كلا المعنيينِ ولكن عبارةُ المفصّلِ ظاهرةٌ فى المعنى الاَخيرِ وهو ارجاعُ الضميرِ اِلى المعنىٰ لعدمِ مسبوقيتها بما يدُلّ علىٰ اعتبارِ كينونةِ المعنىٰ فى نفسِ الكلمةِ ولهذا جزمَ المصنّفُ رحمه الله تعالىٰ هناك برجوعِه اِلى المعنىٰ

Marfat.com

ترجمہ: ـــــ اور جب آپ یہ پہچان چکے تو معلوم کر چکے ہونگے کہ معنی کا فی نفسہ ہونے سے مراد مستقل بالمفہومیۃ ہے اور معنی کا نفس کلمہ میں ہونے سے مراد کلمہ کا معنی پر کسی دوسرے کلمہ کے ضم کی طرف احتیاج کے بغیر دلالت کرنا ہے اس لئے کہ وہ مستقل بالمفہومیۃ ہے پس معنی کا نفس معنی اور نفس کلمہ میں ہونے کا مرجع ایک امر ہے اور وہ معنی کا مستقل بالمفہومیۃ ہونا ہے پس اس کتاب کافیہ میں ضمیر مجرور فی نفسہ میں ہے اس امر کا محتمل ہے کہ وہ ما موصولہ کی طرف راجع ہے جو کلمہ سے عبارت ہے اور یہی ظاہر ہے تاکہ وہ اس کے مطابق ہو جائے جو دلیل حصر میں معنی کا نفس کلمہ میں ہونا گذر چکا ہے اور ضمیر مجرور اس امر کا محتمل ہے کہ وہ معنی کی طرف راجع ہے اس لئے مصنف نے دونوں معنی کے مراد کے صحیح ہونے پر تنبیہ کے لئے ضمیر کو مذکر لایا لیکن مفصّل کی عبارت معنیٔ اخیر میں ظاہر ہے اور ضمیر کو معنی کی طرف لوٹانا ہے کیونکہ مفصّل کی اس عبارت سے پہلے کوئی ایسی چیز نہیں گذری ہے جو معنی کے نفس کلمہ میں معتبر ہونے پر دلالت کرے اسی وجہ سے مصنف نے وہاں یعنی ایضاح میں ضمیر کو معنی کی طرف لوٹانا لازم قرار دیا ہے

تشریح: ـــــ قولہ واذا عرفت۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ مصنّف نے ایضاح میں فی نفسہ کی ضمیر مجرور کا مرجع معنی قرار دیا ہے اور یہاں شارح نے اس کا مرجع ما اسمیہ قرار دیا ہے ایسا کیوں جب کہ شارح کو مصنف کی اتباع لازم ہے۔ جواب یہ کہ ضمیر کا مرجع معنی ہو یا ما اسمیہ دونوں کا مآل ایک ہے یعنی مستقل بالمفہومیۃ ہونا ہے کیونکہ بتقدیر اوّل مفہوم یہ ہوتا ہے کہ اسم کا معنی فی نفس المعنی ہوا اور بتقدیر دوم مفہوم یہ ہوتا ہے کہ اسم کا معنی فی نفس الکلمہ ہوا اور اسم کا معنی فی نفس المعنی ہونے کا مطلب معنی کا مستقل بالمفہومیۃ ہونا ہے اور معنی کا فی نفس الکلمہ ہونے کا مطلب معنی پر دلالت کرنے میں دوسرے کلمہ کا محتاج نہ ہونا ہے اوّل یعنی مستقل بالمفہومیۃ ہونا علّت ہے اور دوم یعنی معنی پر دلالت کرنے میں دوسرے کلمہ کا محتاج نہ ہونا معلول ہے اور علّت، معلول کو لازم ہوتی ہے لہذا اسم کا معنی فی نفس المعنی ہونا اسم کا معنی فی نفس الکلمہ ہونے کو لازم ہوا جن دونوں میں سے ایک کا ذکر دوسرے کے ذکر کو مستغنی ہے کیونکہ اس کا برعکس یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ اسم کا معنی مستقل بالمفہومیۃ ہے اس لئے کہ وہ معنی پر دلالت کرنے میں دوسرے کلمہ کا محتاج نہیں اور وہ اپنے معنی پر دلالت کرنے میں دوسرے کلمہ کا محتاج اس لئے نہیں کہ وہ مستقل بالمفہومیۃ ہے۔

قولہ فی ھذا الکتاب۔ اس کتاب یعنی کافیہ میں فی نفسہ کی ضمیر کا مرجع ما موصولہ بھی ہو سکتا ہے، جس سے مراد کلمہ ہے اور معنی بھی لیکن ما موصولہ ہونا ظاہر ہے اس لئے کہ اس تقدیر پر تعریف مجمل کا تعریف مفصل کیساتھ مطابقت برقرار رہتی ہے تقدیر اوّل پر نہیں اسی وجہ سے ضمیر کو یہاں پر مذکر لایا گیا ہے تاکہ دونوں ہی صحیح ہو جائیں برخلاف مفصل کہ اس میں بھی فی نفسہ کا مرجع اگرچہ ما موصولہ بھی ہو سکتا ہے اور معنی بھی لیکن معنی ہونا

Marfat.com

ظاہر ہے اس لئے کہ اس میں اسم کی تعریف صرف مفصل ہے مجمل نہیں اور قاعدہ ہے کہ جب دو چیزیں مرجع بننے کی صلاحیت رکھتی ہوں جن میں سے ایک قریب ہو اور دوسرا بعید اور بعید کو مرجع ملنے کا مرجح موجود ہو تو بعید کو اور اگر موجود نہ ہو تو قریب کو مرجع ماننا ظاہر ہے اس لئے اس کا مرجع معنی ہونا ہی ظاہر ہے اسی وجہ سے مصنّف کافیہ نے ایضاح شرح مفصّل میں صرف معنی ہی کو مرجع قرار دیا ہے ماموصولہ کو نہیں اور کافیہ میں بعید کو مرجع ماننے کا مرجح تعریف مجمل یعنی دلیل حصر ضمیر مؤنث ہے جس کا مرجع کلمہ ہے لہذا تعریف مفصل میں فی نفسہ کا مرجع معنی قرار دینے سے دونوں میں مخالفت لازم آتی ہے اس لئے اس سے احتراز کے لئے ماموصولہ کو مرجع مانا جائے۔

وَبِمَا سَبَقَ مِنَ التَّحْقِيقِ ظَهَرَ اَنَّهٗ لَا يَخْتَلُّ حَدُّ الْاِسْمِ جَمْعًا وَلَا حَدُّ الْحَرْفِ مَنْعًا بِالْاَسْمَاءِ اللَّازِمَةِ الْاِضَافَةِ مِثْلُ ذُو وَفَوْقَ وَتَحْتَ وَقُدَّامَ وَخَلْفَ اِلٰى غَيْرِ ذٰلِكَ لِاَنَّ مَعَانِيَهَا مَفْهُومَاتٌ كُلِّيَّةٌ مُسْتَقِلَّةٌ بِالْمَفْهُومِيَّةِ مَلْحُوظَةٌ فِيْ حَدِّ ذَاتِهَا لَزِمَهَا تَعَقُّلُ مُتَعَلَّقَاتِهَا اِجْمَالًا وَتَبَعًا مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ اِلٰى ذِكْرِهَا لٰكِنْ لَمَّا جَرَتِ الْعَادَةُ بِاسْتِعْمَالِهَا فِيْ مَفْهُومَاتِهَا مُضَافَةً اِلٰى مُتَعَلَّقَاتٍ مَخْصُوصَةٍ لِاَنَّهَا الْغَرَضُ مِنْ وَضْعِهَا لَزِمَ ذِكْرُهَا لِفَهْمِ هٰذِهِ الْخُصُوصِيَّاتِ لَا لِاَجْلِ فَهْمِ اَصْلِ الْمَعْنٰى فَهِيَ دَالَّةٌ عَلٰى مَعَانِيهَا مُعْتَبَرَةً فِيْ حَدِّ اَنْفُسِهَا لَا فِيْ غَيْرِهَا فَهِيَ دَاخِلَةٌ فِيْ حَدِّ الْاِسْمِ لَا فِيْ الْحَرْفِ

ترجمہ:— اور اس تحقیق سے جو گذر چکی یہ بات ظاہر ہو گئی ہے کہ اسم کی تعریف جامع اور حرف کی تعریف مانع ہونے میں ذو و فوق و تحت و قدام و خلف وغیرہ جیسے اسماء لازمۃ الاضافۃ سے خلل واقع نہ ہوگا اس لئے کہ انکے معانی مفہومات کلیہ مستقل بالمفہومیۃ ملحوظ فی حد ذاتہا ہیں۔ ان اسماء کو ان کے متعلقات کا تعقل اجمالاً اور بالتبع لازم ہوگا بغیر یہ کہ ان متعلقات کے ذکر کرنیکی حاجت ہو۔ لیکن جب کہ ان اسماء کو متعلقات مخصوصہ کی طرف مضاف کر کے انکے مفہومات میں مستعمل ہونے کی طرف اہل عرب کی عادت جاری ہو چکی ہے کیونکہ ان اسماء کی وضع سے مقصود مضاف ہونا ہے پس ان متعلقات مخصوصہ کا ذکر لازم ہو گیا ان خصوصیات کو سمجھنے کے لئے۔ اصل معنی کو سمجھنے کے لئے نہیں تو وہ اسماء اپنے معانی پر دلالت کرنے والے ہوئے اور فی حد ذاتہا معتبر ہوئے نہ کہ فی غیرہا پس اسماء لازمۃ الاضافۃ اسم کی تعریف میں داخل ہو گئے حرف کی تعریف میں نہیں۔

تشریح:— قولہ بِمَا سَبَقَ۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ اسم کی تعریف اپنے افراد کو جامع اور حرف کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں کیونکہ اسماء لازمۃ الاضافۃ یعنی وہ اسماء جو اضافت کو لازم ہیں مثلاً ذو و فوق و تحت و قدام و

Marfat.com

خلف وغیرہ اسم کی تعریف سے خارج اور حرف کی تعریف میں داخل ہوجاتے ہیں کیونکہ ان کے معانی مضاف الیہ مثلاً مال و دار وغیرہ کو ذکر کئے بغیر سمجھ میں نہیں آتے اسی وجہ سے اُنکے ساتھ مضاف الیہ کا ذکر لازم وضروری ہوتا ہے۔ جواب یہ کہ جس طرح لفظ ابتداء اسم ہے کیونکہ اس کا معنی کلی ہے جس کا ادراک متعلق خاص کے ادراک کو لازم نہیں کرتا ہاں البتہ مطلق متعلق کے ادراک کو لازم کرتا ہے لیکن یہ اس کے اسم اور کلی ہونے کے منافی نہیں اسی طرح اسماء مذکورہ کے معانی بھی کلی ہیں جس کے مضاف الیہ خاص کا ادراک ضروری نہیں بلکہ مطلق مضاف الیہ کا ادراک بھی کافی ہے مثلاً ذو کا معنی معلوم کرنے کے لئے اس کے مضاف الیہ خاص مثلاً مال و فرس وحمار وغیرہ کا ادراک کافی نہیں بلکہ مطلق مضاف الیہ مثلاً شیٔ مّا کا ادراک کافی ہے جس طرح لفظ ابتداء کے معنی کے متعلق کا ادراک اجمالاً وتبعاً کافی اور اس کے متعلق کے ذکر کرنیکی حاجت نہیں اسی طرح ان اسماء کے معانی کے مضاف الیہ کا ادراک بھی اجمالاً وتبعاً کافی اور ان کے معانی کے مضاف الیہ کے ذکر کی حاجت نہیں۔

قولہ لکن لما جرت۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اسماء لازمۃ الاضافۃ کو ابتداء کیساتھ قیاس کرنا درست نہیں اس لئے کہ ابتداء کا معنی اگرچہ متعلق خاص کے ذکر کا محتاج نہیں لیکن ان اسماء کے معانی مضاف الیہ خاص کے ذکر کا محتاج ہیں کیونکہ انکے ذکر کو لازم ہے۔ جواب یہ کہ اسماء مذکورہ کے معانی مفہومات کلیہ ہیں ان کے ساتھ مضاف الیہ کا ذکر خصوصیت پیدا کرنے کے لئے ہوتا ہے ان کے معانی سمجھنے کے لئے نہیں جس طرح غلام کیساتھ مضاف الیہ کا ذکر خصوصیت پیدا کرنے کے لئے ہوتا ہے اس کے معنی کو سمجھنے کے لئے نہیں کیونکہ اس کا معنی مفہوم کلی ہے جو مستقل بالمفہومیۃ ہے اور اسماء مذکورہ کیساتھ مضاف الیہ کا ذکر اہل عرب کے دستور وعادت کی وجہ سے ہے کہ وہ جب بھی ان کا استعمال کرتے ہیں ان کے ساتھ مضاف الیہ کا بھی ذکر ضرور کرتے ہیں۔

قولہ لانہا الغرض۔ اہل عرب غلام کے استعمال کے وقت اگر خصوصیت کا ارادہ رکھتے تو اُس کے ساتھ مضاف الیہ کو بھی بیان کرتے ہیں اور اگر خصوصیت کا ارادہ نہیں رکھتے تو مضاف الیہ کو ذکر نہیں کرتے لیکن اسماء مذکورہ کا استعمال جب بھی کرتے ہیں تو یہی دستور رہا ہے کہ وہ ہمیشہ خصوصیت کا ارادہ رکھتے اور انکے ساتھ مضاف الیہ کو ذکر کرتے ہیں اس کی وجہ یہ کہ اسماء مذکورہ کو واضع نے چونکہ مفہومات کلیہ کے لئے اس غرض سے وضع کیا ہے کہ ان کو مضاف کرکے ہی استعمال کیا جائے اس لئے اہل عرب جب بھی اُن کا استعمال کرتے ہیں تو مضاف الیہ کے ساتھ ہی کرتے ہیں برخلاف غلام کہ واضع نے انکو بھی اگرچہ مفہوم کلی کے لئے وضع کیا ہے لیکن اس غرض سے نہیں کہ وہ جب بھی استعمال کیا جائے تو مضاف الیہ کیساتھ ہی کیا جائے بلکہ کبھی مضاف الیہ کو ذکر کرسکتے ہیں اور کبھی نہیں

ولما کان الفعل دالاً علیٰ معنًی فی نفسہٖ باعتبار معناہ التضمنی أعنی الحدث وکان ذلک المعنیٰ

Marfat.com

مقترنًا مع احدِ الازمنةِ الثلاثةِ فی الفهمِ عن لفظِ الفعلِ اخرجهٗ بقولهٖ غیرَ مقترنٍ باحدِ الازمنةِ الثلاثةِ ای غیرَ مقترنٍ مع احدِ الازمنةِ الثلاثةِ فی الفهمِ عن لفظهِ الدالِّ علیهِ

ترجمہ:— اور جب فعل معنی فی نفسہ پر اپنے معنی تضمنی یعنی حدث کے اعتبار سے دال تھا اور وہ معنی لفظ فعل سے فہم میں تینوں زمانوں میں سے کسی ایک ساتھ مقترن تھا تو مصنف نے فعل کو اپنے قول غیر مقترن باحد الازمنۃ الثلاثۃ سے نکالدیا یعنی وہ معنی جو لفظ فعل سے ہے جو اس پر دال ہے فہم میں تینوں زمانوں میں سے کسی ایک کیساتھ مقترن نہ ہو۔

تشریح:— قولہ لما کان۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اسم کی تعریف میں معنی فی نفسہ سے مراد معنی مطابقی ہے یا معنی تضمنی یا معنی التزامی اگر معنی مطابقی ہے تو اس سے حرف کے علاوہ فعل بھی نکل جائیگا کیونکہ حرف کا معنی مستقل نہیں اور فعل کا معنی مستقل ہے تو معنی تضمنی کے اعتبار سے، معنی مطابقی کے اعتبار سے نہیں اس لئے کہ فعل کا معنی تین چیزوں سے مرکب ہے حدث۔ زمانہ۔ نسبت اور نسبت جب کہ غیر مستقل ہے اور مستقل وغیر مستقل کا مجموعہ غیر مستقل ہوتا ہے تو فعل باعتبار معنی مطابقی غیر مستقل ہوا اس لئے فعل میں معنی تضمنی یعنی حدث اور وہ معنی مصدری کا اعتبار ہوتا ہے کہ وہ مستقل ہے پس جب فی نفسہ کی قید ہی ہے اسم وحرف دونوں نکل گئے تو اب غیر مقترن باحد الازمنۃ الثلاثۃ کی قید فضول ہوئی کیونکہ تعریف کے جامع ومانع ہونے میں اس کا کوئی دخل نہ رہا اور اگر مراد معنی تضمنی ہے تو اسم کی تعریف جامع نہ ہوگی کیونکہ اس سے اسماء بسیطہ مثلاً نقط اور ضَرْب وقَتْل وغیرہ جیسے مصادر نکل جائیں گے کیونکہ معنی تضمنی ہر ایک کا ہوتا ہے اور یہ بسائط ہیں اور اگر معنی التزامی مراد ہے تو تعریف سے وہ اسماء نکل جائیں گے جن کا کوئی معنی التزامی نہیں پس تعریف جامع نہ ہوگی۔ جواب یہ کہ تعریف مذکور میں معنی فی نفسہ سے مراد مطلق معنیٰ ہے جو اسم کے معنیٰ میں معنی مطابقی کے ضمن میں پایا جاتا ہے اور فعل کے معنی میں معنی تضمنی کے ضمن میں پایا جاتا ہے پس جب فعل فی نفسہ کی قید سے خارج نہ ہوا تو غیر مقترن کی قید لگاکر اس کو خارج کر دیا گیا۔

قولہ فی الفہم۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اسم کی تعریف اپنے افراد کو جامع نہیں اس لئے کہ اس سے مصدر ومشتق خارج ہو جاتے ہیں کیونکہ ان کے معانی تینوں زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ کیساتھ ضرور مقترن ہوتے ہیں کہ ان کا وقوع کسی ایک زمانہ میں ضرور ہوتا ہے۔ جواب یہ کہ تعریف میں اقتران سے مراد فہم میں اقتران ہے تحقق ووقوع میں نہیں اور ظاہر ہے مصدر ومشتق کے اطلاق کے وقت ان کے معانی زمانہ کیساتھ فہم میں مقترن نہیں ہوتے ہاں البتہ اس کا تحقق اقتران ووقوع میں ہوتا ہے

قولہ عن لفظ الفعل۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مثلاً زیدٌ ضارب الآن میں ضارب پر اسم کی تعریف

Marfat.com

صادق نہیں آتی کیونکہ اس کا معنی فہم میں کسی ایک زمانہ کے ساتھ مقترن ہے۔ جواب یہ کہ ضارب کا معنی جو فہم میں کسی ایک زمانہ کیساتھ مقترن ہے وہ اس کے لفظ سے نہیں کیونکہ اس کے لفظ سے صرف معنی متصور ہوتا ہے اور زمانہ تو لفظ آن سے متصور ہوتا ہے حالانکہ فعل وہ ہوتا ہے جو اس کے لفظ ہی سے معنی اور زمانہ دونوں متصور ہوتے ہیں۔

قولہ اَیْ غیر مقترن مع۔ اس عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ باحد الازمنۃ الثلاثۃ میں بار جارہ مصاحبت کے لئے آیا ہے سبب کے لئے نہیں کیونکہ اقتران کا صلہ مع آتا ہے یا بار جو بمعنی مع آتا ہے

نَهُوَ صِفَةٌ بَعْدَ صِفَةٍ لِلْمَعْنٰى فَبِالصِّفَةِ الْاُوْلٰى خَرَجَ الْحَرْفُ عَنْ حَدِّ الْاِسْمِ وَبِالثَّانِيَةِ الْفِعْلُ

ترجمہ:— پس وہ قول صفت ہے معنی کی صفت کے بعد تو پہلی صفت سے حرف اسم کی تعریف سے نکل گیا اور دوسری صفت سے فعل نکل گیا۔

تشریح:— قولہ فَهُوَ۔ فا برائے بیان ہے بعض نسخے میں واؤ کے ساتھ بھی آیا ہے متن میں لفظ غیر مجرور ہے جو معنی کی دوسری صفت ہے پہلی صفت فی نفسہ ہے جس سے حرف نکل گیا کیونکہ وہ معنی فی نفسہ پہ دلالت نہیں کرتا اور دوسری صفت سے فعل نکل گیا چونکہ وہ زمانہ کیساتھ مقترن ہے۔ لفظ غیر منصوب بھی ہو سکتا ہے اور مرفوع بھی لیکن منصوب اس لئے کہ وہ معنی سے حال واقع ہے اور مرفوع اس لئے کہ وہ ہو مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ انسب مجرور ہی ہے لیکن منصوب اس لئے نہیں کہ وہ تکلف پر مبنی ہوتا ہے کیونکہ معنی کو مفعول بھی ٹھہرانا ہوگا اور یہ بھی کہ حال اکثر ذوالحال کے لئے ثابت ہوتا ہے اور کبھی جدا بھی ہوتا ہے مثلاً جاء زیدٌ راکبًا میں رکوب زید کے لئے ثابت ہے اور جدا بھی لہذا حال ماننے سے یہ وہم ہوگا کہ ذوالحال کے لئے عدم اقتران ثابت ہے اور اس سے عدم اقتران جدا بھی حالانکہ یہ باطل ہے اس لئے کہ جس کے لئے عدم اقتران ثابت ہو اس سے عدم اقتران کا جدا ہونا محال ہے اسی وجہ سے ملا عبد الغفور نے اس احتمال کو بعید فرمایا ہے اور مرفوع اس لئے نہیں کہ وہ ارتکاب حذف کو لازم ہے جو بلا ضرورت قبیح شمار کیا جاتا ہے

وَالْمُرَادُ بِعَدَمِ الْاِقْتِرَانِ اَنْ يَكُوْنَ بِحَسَبِ الْوَضْعِ الْاَوَّلِ فَدَخَلَ فِيْهِ اَسْمَاءُ الْاَفْعَالِ لِاَنَّ جَمِيْعَهَا اِمَّا مَنْقُوْلَةٌ عَنِ الْمَصَادِرِ الْاَصْلِيَّةِ سَوَاءٌ كَانَ النَّقْلُ فِيْهَا صَرِيْحًا نَحْوُ رُوَيْدَ فَاِنَّهُ قَدْ يُسْتَعْمَلُ مَصْدَرًا اَيْضًا اَوْ غَيْرَ صَرِيْحٍ نَحْوُ هَيْهَاتَ فَاِنَّهُ وَاِنْ لَمْ يُسْتَعْمَلْ مَصْدَرًا اِلَّا اَنَّهُ عَلٰى وَزْنِ قَوْقَاةٍ مَصْدَرِ قَوْقٰى اَوْ عَنِ الْمَصَادِرِ الَّتِيْ كَانَتْ فِي الْاَصْلِ

Marfat.com

اَصواتًا نحو صَهٍ اَو من الظرفِ اَوالجارِ والمجرورِ نحو اَمامكَ زيدًا اَو عليكَ زيدًا فليس شيءٌ منها الدالة علىٰ احدِ الازمنةِ الثلاثةِ بحسب الوَضعِ الاوّلِ

ترجمہ:— اور عدم اقتران سے مراد یہ ہے کہ وہ وضع اوّل کے اعتبار سے ہو پس اس تعریف میں اسماء افعال داخل ہو جائیں گے اس لئے کہ تمام اسماء افعال آیا مصادر اصلیہ سے منقول ہیں عام ہے کہ اس میں نقل صریح ہے جیسے رُوید میں کہ وہ کبھی مصدر بھی مستعمل ہوتا ہے یا نقل غیر صریح ہے جیسے ہیہات میں کہ وہ اگرچہ مصدر مستعمل نہیں ہوتا لیکن قوقات کے وزن پر ہے جو قوقی کا مصدر ہے یا وہ ان مصادر سے منقول ہیں جو دراصل اصوات تھے جیسے صَہْ یا ظرف سے منقول ہیں یا جار و مجرور سے جیسے امامكَ زيدًا و عليكَ زيدًا پس ان مصادر و ظرف و جار و مجرور میں کسی کی دلالت تین زمانوں میں سے کسی ایک پر بھی وضع اول کے اعتبار سے نہیں ہے

تشریح:— قولہ والمراد ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اسماء افعال اسم کی تعریف سے خارج ہیں کیونکہ اسماء افعال کے معانی زمانہ ماضی و زمانۂ مستقبل کے ساتھ مقترن ہیں۔ جواب یہ کہ اسم کی تعریف میں عدم اقتران سے مراد وضع اوّل میں مقترن نہ ہونا ہے اور اسماء افعال کے معانی وضع اول کے اعتبار سے زمانہ سے مقترن نہیں اس لئے کہ بعض افعال وضع اوّل میں مصدر ہیں اور بعض ظروف ہیں اور بعض جار و مجرور اور بعض اسم صوت ہیں پھر وضع ثانی میں کوئی ماضی کے معنی میں ہوگیا اور کوئی امر کے معنی میں مثلاً ہیہات وضع اوّل میں مصدر یعنی دور ہونے کے معنی میں تھا اور وضع ثانی میں فعل ماضی یعنی بَعُدَ کے معنی میں کر دیا گیا اسی طرح رُوَیدَ وضع اوّل میں مصدر ہے لیکن وضع ثانی میں امر کے معنی میں کر دیا گیا اور صَہْ وضع اوّل میں اسم صوت بلا معنی ہے پھر وضع ثانی میں وہ مصدر یعنی چپ رہنے کے معنی میں ہوگیا پھر وضع ثالث میں امر یعنی اسکت سکوتا کے معنی میں ہوگیا یونہی امامكَ وضع اول میں ظرف تھا لیکن وضع ثانی میں امر یعنی قدّم کے معنی میں کر دیا گیا اسی طرح علیكَ وضع اول میں جار و مجرور تھا لیکن وضع ثانی میں امر یعنی اَلزِمْ کے معنی میں کر دیا گیا اسی وجہ سے ان کو اسماء کے ساتھ افعال بھی کہا جاتا ہے کہ وہ وضع اوّل کے اعتبار سے اسماء ہیں اور وضع ثانی کے اعتبار سے افعال ہیں حالانکہ اعتبار وضع اوّل ہی کا ہوتا ہے اس لئے اس کو اسماء میں شمار کیا جاتا ہے۔

قولہ صریحًا ۔ ایک نقل صریح ہے اور دوسرا نقل غیر صریح، نقل صریح وہ ہے جو لفظ کبھی اپنے معنیٰ اصلی یعنی مصدر میں مستعمل ہو مثلاً رب کریم کے قول اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا میں رُوَيْدًا اپنے معنی مصدری امہال کے معنی میں مستعمل ہے اور نقل غیر صریح وہ ہے جو لفظ کبھی اپنے معنی اصلی میں مستعمل تو نہ ہو لیکن کسی مصدر کے وزن پر ہو

Marfat.com

جیسے ہیہات کہ وہ اگرچہ اپنے معنی مصدری میں مستعمل نہیں لیکن توقات مصدر توقی کے وزن پر ہے۔ خیال رہے کہ توقات کہتے ہیں مرغی کی اس آواز کو جو انڈا دیتے وقت نکالتی ہے۔ توقات دراصل تَوْقِیَۃٌ بروزن دحرجۃٌ تھا یا کے ماقبل چونکہ مفتوح تھا اس یا کو الف سے بدل دیا گیا توقات ہوا۔ اور رُوَید بروزن رُجیل رواد کی تصغیر ہے

وخرج[1] عنه الافعالُ المنسلخةُ عن الزمانِ نحو عسیٰ وکادَ لِاقترانِ معانیها به بحسب اَصْلِ الوُضع وخرج[2] عنه المضارعُ ایضًا فانّهٗ علیٰ تقدیر اشتراکه بین الحالِ والاستقبالِ یدُلّ علیٰ زمانینِ معینینِ مِنَ الاَزمنةِ الثلاثةِ فیدُلّ علیٰ واحدٍ معینٍ ایضًا فی ضمنِهما اذ[3] لا یقدحُ فی الدّلالةِ علیٰ احدِ معیّنِ الدّلالةِ علیٰ ما سواهُ نعم یقدحُ فی ارادةِ المعیّنِ ارادةَ ما سواهُ واَین[4] الدلالةُ مِنَ الارادةِ

ترجمہ: — اور اسم کی تعریف سے وہ افعال نکل گئے جو زمانہ سے خالی ہیں جیسے عسیٰ و کاد کیونکہ ان کے معانی وضع اوّل کے اعتبار سے کسی ایک زمانہ کیساتھ مقترن ہیں اور اسم کی تعریف سے فعل مضارع بھی نکل گیا کیونکہ وہ حال و استقبال کے درمیان اشتراک کی تقدیر پر تینوں زمانوں میں سے دو معین زمانے پر دلالت کرتا ہے تو وہ ان دو کے ضمن میں ایک معین زمانہ پر بھی دلالت کرے گا اس لئے کہ ایک معین زمانے پر دلالت کرنے میں اس کے ماسواہ پر دلالت کرنا کوئی مانع نہیں ہوتا ہاں البتہ ایک معین معنی کے ارادہ کرنے میں اس کے ماسوا کا ارادہ کرنا مانع ہے اور دلالت و ارادہ میں کافی فرق ہے

تشریح: — قولہ[1] خرج عنہ الافعال۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ افعال مدح و ذم اسم کی تعریف میں داخل ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ بھی زمانہ پہ دلالت نہیں کرتے اسی طرح افعال مقاربہ بھی کہ وہ بھی زمانہ پہ دلالت نہیں کرتے ہیں۔ جواب یہ کہ ابھی گذرا کہ اسم کی تعریف میں عدم اقتران سے مراد وضع اول میں مقترن نہ ہونا افعال مدح و ذم اور افعال مقاربہ وضع اوّل میں زمانہ سے مقترن ہیں اگرچہ وضع ثانی میں مقترن نہیں لہذا وہ اسم کی تعریف سے خارج ہیں۔ سوال شَمَّرَ و ضُرِبَ دونوں علم ہیں لیکن وضع اول کے اعتبار سے زمانہ سے مقترن نہیں۔ جواب تعریف میں عدم اقتران سے مراد معنی حالی کا وضع اوّل کے اعتبار سے زمانہ سے مقترن نہ ہونا ہے اور مذکورہ بالا دونوں اسموں کا معنیٰ حالی جو معنیٰ علمی ہے وضع اوّل کے اعتبار سے زمانہ سے مقترن نہیں۔

قولہ[2] خرج عنہ المضارعُ۔ یہ اُس سوال کا جواب ہے کہ اسم کی تعریف فعل مضارع پر بھی صادق آتی ہے کیونکہ وہ تینوں زمانوں میں سے کسی ایک سے نہیں بلکہ دو زمانہ سے مقترن ہے۔ جواب یہ کہ وہ دو زمانے

Marfat.com

سے مقترن نہیں ۔ بلکہ ایک زمانہ سے مقترن ہے کیونکہ ممکن ہے وہ حال میں حقیقت ہو اور استقبال میں مجاز یا اس کا برعکس ہو یا اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ وہ دونوں زمانے میں مشترک ہے تو یہ کہا جائیگا کہ جب مضارع دو زمانوں پر دلالت کرے گا تو دو زمانوں کے ضمن میں ایک زمانہ پر بھی مزور دلالت کرے گا ۔ خیال رہے کہ مضارع میں تین مذہب ہیں ایک یہ کہ وہ حال و استقبال میں مشترک لفظی ہے اور دوسرا یہ کہ حال میں حقیقت ہے اور استقبال میں مجاز اور تیسرا یہ کہ استقبال میں حقیقت ہے اور حال میں مجاز !

قولہ اذ لا یقدح ۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ ذہن امر بسیط ہے پس جس وقت فعل مضارع ذہن میں ایک زمانہ پر دلالت کرے گا تو وہ اس وقت دوسرے زمانہ پر کس طرح دلالت کرے گا ؟ جواب یہ کہ ایک معین معنی پر دلالت کرنے میں اس کے ماسوا پر دلالت کرنا کوئی مانع نہیں اس لئے کہ لفظ مشترک استعمال کے وقت اپنے تمام معانی پر دلالت کرتا ہے البتہ تمام معانی متکلم کی مراد نہیں ہوتے بلکہ کوئی ایک ہی معنی مراد ہوتا ہے جس کے معلوم کرنے کے لئے قرینہ کی ضرورت پیش آتی ہے ۔

قولہ این الدلالۃ ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ ایک معین معنی پر دلالت کے وقت جب اُس کے ماسوا پر دلالت ممکن ہے تو ایک معین معنی کے مراد کے وقت اس کے ماسوا کا مراد لینا بھی ممکن ہوگا ۔ جواب یہ کہ لفظ مشترک جس کے متعدد معانی ہوتے ہیں اطلاق کے وقت ہر ایک پر اس کی دلالت ہوتی ہے لیکن متکلم کی مراد ان میں سے صرف ایک ہی معنی ہوتا ہے ۔ دلالت کے لئے وضع اور اس کا علم کافی ہے لیکن مراد کے لئے قرینہ ضروری ہے ۔ دلالت لفظ کی صفت ہے جو کثیرین پر بھی دلالت کرتا ہے اور مراد ذہن کی صفت ہے کیونکہ قصد و ارادہ ذہن سے ہوتا ہے اور ذہن بسیط ہے جو بیک وقت متعدد کا اقتضا نہیں کرتا ۔

وَلَمَّا فرغَ مِنْ بیانِ حدِّ الاسمِ اَرادَ اَن یذکرَ بعضَ خواصِّہٖ لیفیدَ زیادۃَ معرفۃٍ بہٖ فقال وَمِنْ خواصِّہٖ منہا بصیغۃ جمع الکثرۃِ علیٰ کثرتِہا وَمِنْ التبعیضیۃِ علیٰ انَّ ما ذکرہٗ بعضٌ منہا

ترجمہ :— اور جب مصنف علیہ الرحمہ اسم کی تعریف سے فارغ ہو چکے تو ارادہ فرمایا کہ اس کے بعض خاصوں کو ذکر کیا جائے تاکہ اس کے ذریعہ اسم کی زائد معرفت کا فائدہ ہو جائے تو فرمایا اور اسم کے خواص میں سے جمع کثرت کے صیغہ سے خواص اسم کی کثرت پر اور من تبعیضیہ سے اس امر پر تنبیہ کرتے ہوئے کہ مصنف نے جن خاصوں کو ذکر فرمایا ان میں سے بعض ہیں ۔

Marfat.com

تشریح :۔ قولہ لمّا فرغ۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ مصنف کا طریقہ ہے کہ وہ تعریف کے بعد تقسیم کو بیان کرتے ہیں یہاں اس کے بعد خواص کو کیوں بیان کیا گیا ؟ یا یہ کہ مقصود یہاں چونکہ مرفوعات و منصوبات و مجرورات کو بیان کرنا ہے اس لئے اسم کی تعریف کو بیان کرنا نہیں چاہئے تھا لیکن اس کو اس لئے بیان کیا گیا کہ کسی شئ سے بحث اس کی معرفت کے بعد ہی ہوتی ہے لیکن تعریف کے بعد اس کے خواص کو بیان کرنیکی کیا وجہ ہے ؟ جواب یہ کہ اسم کے دو وجود ہیں ایک ذہنی اور دوسرا خارجی وجود ذہنی تعریف سے معلوم ہوتا ہے اور وجود خارجی خواص سے اس لئے تعریف کے بعد اُس کے خواص کو بھی بیان کیا گیا تاکہ اسم کی مکمل معرفت حاصل ہوجائے یا یہ کہا جائے کہ اسم کا معنی کلی ہے اور کلی کا وجود ذہنی ہی ہے اور خارج میں کلی کے افراد پائے جاتے ہیں جن کے ضمن میں کلی خارج میں پائی جاتی ہے۔ تعریف سے اس کا مفہوم کلی حاصل ہوتا ہے اور خواص سے اُس کے افراد جانے جاتے ہیں۔

قولہ اَرادَ اَن یذکر۔ اس مقام پر کوئی یہ سوال کرسکتا ہے کہ فَرَغَ یہاں شرط ہے اور ارادہ اس کی جزا حالانکہ شرط جب فَرَغَ ہو تو جمہور اس کی جزا شروع بیان کرتے ہیں۔ جواب یہ کہ جزا ہمیشہ شرط کا لازم ہوتی ہے جیسے ان کانت الشمسُ طالعۃً فالنہارُ موجودٌ میں وجود نہار طلوع شمس کا لازم ہے اور ظاہر ہے تعریف اسم سے فراغت کے ساتھ خواص کا شروع کرنا لازم نہیں البتہ ارادہ کرنا لازم ہے اس لئے کہ خواص تتمۂ تعریف سے ہے اور ہر متکلم اپنے کلام کے تام کا ارادہ کرتا ہے۔

قولہ بیانُہ ومِن خواصّہٖ۔ من خواصہ خبر مقدم ہے اور دخول لام وغیرہ مبتدا مؤخر۔ خبر کی تقدیم سے یہ اشارہ ہے کہ دخول لام وغیرہ کا ذکر باعتبار خواص ہے باعتبار ذات نہیں نیز یہ کہ یہاں بعض ہی خواص کو بیان کیا گیا ہے سب کو نہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مِنْ خواصہٖ مبتدا ہو اور دخول لام وغیرہ اس کی خبر لیکن اس تقدیر پر مِنْ بمعنی بعض ہوگا جیسا کہ قول باری تعالیٰ وَمِنَ النّاسِ من یقولُ اٰمنّا باللّٰہِ میں من النّاسِ کو تفسیر کشاف مِنْ مِنْ بمعنی بعض مان کر مبتدا قرار دیا گیا ہے۔

قولہ منبّہًا بصیغۃ۔ اس عبارت سے یکے بعد دیگرے دو سوالوں کے جوابات دیئے گئے ہیں ایک سوال یہ کہ خواص جمع کثرت ہے جس کا اطلاق دس سے زائد پر ہوتا ہے اور یہاں صرف پانچ ہی خاصوں کو بیان کیا گیا ہے جن پر ان کی جمع قلت خاصات کا اطلاق ہوتا ہے لہٰذا یہاں پر جمع کثرت کا اطلاق فضول وعبث ہے۔ جواب یہ کہ جمع کثرت کے صیغہ سے یہ تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ اسم کی خاصیتیں یہی پانچ نہیں بلکہ ان کے علاوہ اکیس ۲۱ ہیں اور وہ یہ ہیں (۱) تا رتانیث متحرکہ (۲) یا رنسبت لفظی (۳) مصغر ہونا (۴) فاعل ہونا (۵) مفعول ہونا

Marfat.com

(۶) موصوف ہونا (۷) ذوالحال ہونا (۸) تمیز ہونا (۹) مثنیٰ ہونا (۱۰) جمع ہونا (۱۱) منادی ہونا (۱۲) مکبّر ہونا (۱۳) منسوب ہونا (۱۴) مستثنیٰ ہونا (۱۵) مستثنیٰ منہ ہونا (۱۶) منصرف ہونا (۱۷) غیر منصرف ہونا (۱۸) نکرہ ہونا (۱۹) معرفہ ہونا (۲۰) مذکر ہونا (۲۱) مؤنث ہونا بلکہ بعض نحویوں نے تیس تک گنائے ہیں۔

دوسرا سوال یہ کہ جمع کثرت کے صیغہ سے جب پانچ سے زائد خاصیتوں کی طرف تنبیہ کرنا مقصود ہے تو اس پر من تبعیضیہ کو کیوں داخل کیا گیا؟ جواب یہ کہ اس سے یہ تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ یہاں جو خاصیتیں بیان کی جائیں گی وہ کل نہیں بلکہ بعض ہی ہوں گی جو کثیر الوقوع ہیں اور اس کی بعضیت کا علم اگرچہ من تبعیضیہ کے علاوہ بھی حاصل ہے کہ متن میں جو خاصیتیں بیان کی جائیں گی وہ بعض ہی ہیں لیکن اس کا علم ان خاصیتوں کے بیان کرنے کے بعد ہی حاصل ہوگا اور مِنْ تبعیضیہ سے شروع ہی سے حاصل ہو جائیگا اس لئے مِنْ تبعیضیہ کو بیان کیا گیا۔

قولہ مِنَ التبعیضیۃِ۔ سوال خواصہ پر مِنْ تبعیضیہ ہے بیانیہ کیوں نہیں اگر تبعیضیہ ہے تو اس پر کیا قرینہ ہے؟ جواب من تبعیضیہ کا مدخول جمع ہوتا ہے مِنْ بیانیہ کا نہیں اور یہاں مدخول خواص جمع ہے جو مِنْ کے تبعیضیہ ہونے پر قرینہ ہے اسی وجہ سے زیدٌ من النّاسِ میں مِنْ کو تبعیضیہ مانا جاتا ہے کہ ناس کا اطلاق جماعت پر ہوتا ہے اور زیدٌ مِنَ الْاِنْسَانِ میں مِنْ کو بیانیہ مانا جاتا ہے کہ زید طبیعت انسانیہ کا بعض نہیں بلکہ اس کا فرد و جزئی ہے

وَھِیَ جمعُ خاصّۃٍ وخاصّۃُ الشیءِ مایختصُّ بہ ولا یُوجدُ فی غیرہٖ

ترجمہ — اور خواص جمع ہے خاصۃ کی اور خاصہ شئ کا وہ ہے جو شئ کے ساتھ خاص ہو اور اس کے غیر میں نہ پایا جائے۔

تشریح:— قولہ وھی جمع۔ یعنی خواص جمع ہے خاصہ کی جس کی تعریف اہل لغت اس طرح کرتے ہیں خاصۃ الشئ مایوجد فیہ ولا یوجد فی غیرہٖ یعنی شئ کا خاصہ وہ ہے جو اس میں پایا جائے اور اس کے غیر میں نہ پایا جائے عام ازیں کہ وہ اس سے خارج اور محمول بحمل مواطات ہو جیسے اَلْاِنسانُ کاتبٌ میں کاتب ہونا انسان سے خارج اور اس پر محمول بحمل مواطات ہے یا اس سے خارج ہو لیکن محمول بحمل مواطات نہ ہو جیسے زیدٌ ہو عجب میں یا اس میں داخل اور محمول بحمل مواطات ہو جیسے الانسانُ ناطق میں۔ خیال رہے کہ خواص کی تعریف بیان نہ کی بلکہ اُس کا واحد

Marfat.com

خاصۃ نکالا پھر اس کی تعریف بیان کی جس سے یہ اشارہ مقصود ہے کہ تعریف صرف واحد کی ہوتی ہے جمع کی نہیں اور خاصہ کی تاء تانیث کے لئے ہے کیونکہ خاصہ شئی کی اس حالت کو کہتے ہیں جو اس کے ساتھ خاص ہو

قولہ ولا یوجد۔ اس مقام پر کوئی یہ سوال کر سکتا ہے کہ تعریف کے اس دوسرے جزء کو پہلا جزء شامل ہے کیونکہ مَا یختصُّ بہ وہی ہے جو شئی میں پایا جائے اس کے غیر میں نہیں لہذا یہ تکرار کیسی ؟ جواب یہ کہ دوسرے جزء کو اگرچہ پہلا جزء شامل ہے لیکن ضمناً ؛ اس لئے اس کو دوبارہ صراحۃً بیان کیا گیا یا یہ کہ یختصُّ یہاں بمعنی یوجد ہے اور یوجد چونکہ لَا یوجد کے معنی کو شامل نہیں اس لئے اس کے دوسرے جزء کو بیان کیا گیا۔ سوال خاصہ کی تعریف دور کو لازم ہے اس لئے خاصہ کی معرفت ما یختصُّ بہ کی معرفت پر موقوف ہے اور ما یختصُّ بہ کی معرفت خاصہ کی معرفت پر موقوف ہے کیونکہ ما یختصُّ مزید ہے اور خاصہ مجرد اور ظاہر ہے مجرد کی معرفت پر مزید کی معرفت موقوف ہوتی ہے لہذا شئی کی معرفت اس چیز سے لازم آئی جس پر اس کی معرفت موقوف ہے اس کو دور کہتے ہیں ۔ جواب دور میں موقوف و موقوف علیہ دونوں ایک ہوتے ہیں اور یہاں ایک نہیں کیونکہ معرّف خاصۂ اصطلاحی ہے اور تعریف (ما یختصُّ) جس خاصہ پر موقوف ہے وہ خاصۂ لغوی ہے دونوں میں کافی فرق ہے

وَهِيَ إِمَّا شَامِلَةٌ لِجَمِيعِ أَفْرَادِ مَا هِيَ خَاصَّةٌ لَهُ كَالْكَاتِبِ بِالْقُوَّةِ لِلْإِنْسَانِ أَوْ غَيْرُ شَامِلَةٍ كَالْكَاتِبِ بِالْفِعْلِ لَهُ

ترجمہ: ــــ اور خاصہ یا اس شئی کے تمام افراد کو شامل ہے جس کا وہ خاصہ ہے جیسے کاتب بالقوۃ انسان کے لئے یا تمام افراد کو شامل نہیں جیسے کاتب بالفعل انسان کے لئے۔

تشریح: ــــ قولہ وَهِيَ إِمَّا شَامِلَةٌ۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ دخول لام اسم کا خاصہ نہیں ہے کیونکہ لام اسم اشارہ و اسم موصول وغیرہ پہ داخل نہیں ہوتا ۔ جواب یہ کہ خاصہ کی دو قسمیں ہیں ایک شاملہ دوسری غیر شاملہ، شاملہ وہ ہے جو شئی کے ان تمام افراد کو شامل ہو جن کے ساتھ وہ خاص ہے جیسے کاتب بالفعل انسان کے تمام افراد کو شامل ہیں ۔

قولہ کالکاتب بالقوۃ ۔ سوال کاتب بالقوۃ خاصۂ شاملہ کی مثال ہے اور کاتب بالفعل خاصۂ غیر شاملہ کی جو دونوں آپس میں ایک دوسرے کے قسیمین ہیں اور قسیمین میں سے ایک کا صدق دوسرے پہ نہیں ہوتا

Marfat.com

حالانکہ کاتب بالقوۃ کاتب بالفعل پر صادق آتا ہے۔ اس لئے کہ بالقوہ سے مراد بالامکان ہے اور بالامکان وہ ہے جس کے فرض عدم وقوع سے محال لازم نہ آئے اور ظاہر ہے یہ بالفعل کو بھی شامل ہے۔ جواب بالقوہ عام ہے اور بالفعل خاص اور عام کو جب خاص کے مقابل میں استعمال کیا جائے تو اس سے اس خاص کا غیر مراد ہوتی ہے مثلاً حیوان کو جب انسان کے مقابل میں لاکر ھذا شئ اُنسانٌ اوحیوانٌ کہا جائے تو حیوان سے انسان کا غیر یعنی فرس، حمار وغیرہ مراد ہوں گے اسی طرح یہاں بھی بالقوہ سے بالفعل کا غیر مراد ہے۔

فَمِنْ خَوَاصِّ الْاِسْمِ دُخُوْلُ اللَّامِ ای لَامِ التَّعْرِیْفِ

ترجمہ:۔ پس اسم کے خواص میں سے دخول لام ہے یعنی لام تعریف ہے

تشریح:۔ بیانہ دُخولُ اللّامِ۔ سوال خواص کی ترتیب بیان میں دخول لام کو دخول جر پر اور دخول جر کو دخول تنوین پر اور دخول تنوین کو اسناد و اضافت پر کیوں مقدم کیا گیا۔؟ جواب خواص کے متعلق دلیل حصر میں جو ترتیب مذکور ہے بعینہ وہی ترتیب یہاں بھی ملحوظ ہے وہ دلیل حصر یہ ہے کہ خاصۂ اسم آیا لفظی ہے یا معنوی اگر لفظی ہے تو اس کا محل ورود اسم کا شروع ہے یا آخر اگر شروع ہے تو لام ہے اور اگر آخر ہے تو وہ نفس حرکت ہے یا اس کا تابع اگر نفس حرکت ہے تو جر ہے اور اگر تابع ہے تو تنوین ہے اور اگر معنوی ہے تو وہ مرکب تام کے ضمن میں ہے یا غیر تام کے ضمن میں اگر مرکب تام کے ضمن میں ہے تو اسناد الیہ ہے اور اگر غیر تام کے ضمن میں ہے تو اضافت ہے۔ سوال دخول لام کو یہاں خاصۂ لفظی میں شمار کیا گیا ہے جب کہ وہ خاصۂ معنوی میں داخل ہے اس لئے کہ خاصہ اصل میں دخول ہے لام نہیں کیونکہ دخول مضاف ہے اور لام مضاف الیہ اور مضاف الیہ حکم مضاف سے خارج ہوتا ہے اور دخول مصدر ہے اور ظاہر ہے مصدر امر معنوی ہوتا ہے۔ جواب دُخولُ لام یہاں از قبیل اضافۃ الصفت الی الموصوف ہے یعنی اَللّامُ الداخلۃُ کے معنی میں جس طرح حصولُ الصُّورۃِ اَلصُّورۃُ الحاصِلۃُ کے معنی میں ہے حاصل کلام یہ کہ خاصۂ اسم حقیقۃً لام ہے دخول نہیں لیکن لام بحیثیت دخول ہے لحوق نہیں کیونکہ لحوق کہتے ہیں شئ کے آخر میں ضم ہونے کو اور دخول کہتے ہیں شروع میں ضم ہونے کو اور کبھی ہر ایک دوسرے کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے جیسے یہیں دخول الجر والتنوین میں دخول بمعنی لحوق ہے کیونکہ جر و تنوین اخیر کلمہ میں ضم ہوتے ہیں اور یلحقہا حرف التنبیہ میں لحوق بمعنی دخول ہے کیونکہ حرف تنبیہ شروع کلمہ میں ضم ہوتا ہے۔

Marfat.com

قولہ ای لام التعریف ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ دخول لام اسم ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ وہ فعل میں بھی پایا جاتا ہے جیسے لیفعل امر غائب و لیضرب فعل مضارع میں ہے جواب یہ کہ لام سے یہاں لام تعریف ہے اور وہ فعل میں نہیں پایا جاتا کیونکہ لیفعل میں جو لام ہے وہ لام امر ہے اور لیضرب میں لام ابتداء ہے لام تعریف نہیں اسی وجہ سے دخول اللام میں لام پر الف لام کو مضاف الیہ کے عوض یا عہد خارجی کے لئے مانا گیا ہے

ولو قال دخولَ حرفِ التعریفِ لکان شاملاً للمیم فی مثل قولہ علیہ السلام لیس من امبر امصیام فی امسفر لکنہ لم یتعرض لہ لعدم شہرتہ

ترجمہ : ۔ اور اگر مصنف دخول حرف تعریف کہتے تو میم تعریف کو بھی شامل ہو جاتا جو نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کے لیس من امبر امصیام فی امسفر جیسے قول میں ہے یعنی سفر میں روزے نیکی سے نہیں ہیں ۔ لیکن مصنف نے حرف تعریف کو اس لئے بیان نہیں فرمایا کہ میم تعریف مشہور نہیں ۔

تشریح :۔ قولہ ولو قال ۔ شارح نے اس عبارت سے سوال کو نقل کر کے اس کا جواب دیا ہے سوال یہ کہ تعریف کے لئے جس طرح لام آتا ہے اسی طرح میم بھی جیسا کہ نبی کریم کے ارشاد لیس من امبر امصیام فی امسفر میں میم تعریف کے لئے آتی ہے اس لئے مصنف کو چاہیے کہ دخول اللام کے بجائے دخول حرف التعریف کہتے تاکہ لام کے علاوہ میم کو بھی شامل ہو جائے ۔ جواب یہ کہ میم بھی اگرچہ تعریف کے لئے آتی ہے لیکن وہ چونکہ مشہور نہیں اس لئے اس کو چھوڑ دیا گیا یہ بھی ممکن ہے کہ دخول لام سے اس اختلاف کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے جو خلیل و مبرد و سیبویہ کے درمیان واقع ہے اور یہ حرف تعریف سے حاصل نہیں ، نیز یہ کہ یہاں چونکہ حرف ان ہی خاصیتوں کو بیان کرنا مقصود ہے جو کلام فصیح میں مستعمل ہو اور میم کلام فصیح میں مستعمل نہیں اس لئے اس کو چھوڑ دیا گیا ۔ سوال میم اگر کلام فصیح میں مستعمل نہیں ہوتی تو سرکار نے اس کو کیوں استعمال فرمایا ؟ حالانکہ کلام نبی افصح کلام عرب ہوتا ہے ۔ جواب سائل نے چونکہ سرکار سے میم ہی سے سوال کیا تھا اس لئے آپ نے میم ہی سے اس کو جواب دیا ۔ قبیلۂ حمیر کا ایک شخص جب کہ رمضان شریف کے ایام میں سفر کو جا رہا تھا تو آپ سے دریافت کیا کہ آمن امبرِ امصیام فی امسفر یعنی روزے سفر میں کیا نیکی سے ہیں ؟ تو آپ نے اس کا جواب دیا کہ لیس من امبر امصیام فی امسفر یعنی روزے سفر میں نیکی سے نہیں ہیں ۔

قولہ لعدم شہرتہ ۔ سوال میم تعریف جب مشہور نہیں تو اس کو کثرت سے بیان کرنا چاہیے

Marfat.com

تاکہ وہ مشہور ہو جائے۔ جواب یہ کہ کافیہ چونکہ مبتدیوں کے لئے لکھی گئی ہے اس لئے اس میں صرف ان ہی خاصوں کو بیان کیا گیا ہے جو مشہور و کثیر الوقوع ہیں اور جو قلیل الوقوع ہیں اس کو چھوڑ دیا گیا ہے یا یہ کہ مشہور نہ ہونے سے یہاں مراد نادر الاستعمال ہے اور ظاہر ہے میم بہ نسبت لام کے نادر الاستعمال ہے

وَفِی[1] اختیارہٖ اللّامَ اشارۃٌ اِلٰی انّ المختارَ عندہٗ مَاذھبَ الیہ سیبویہ[2] مِنْ اَنّ اداۃَ التعریفِ ھی اللّامُ وحدَھا زیدتْ[3] علیھا ھمزۃُ الوصلِ لتعذّرِ الابتداءِ بالسّاکنِ وَاَمّا[4] الخلیلُ فقد ذھبَ اِلٰی انّھا اَلْ کَھلْ والمبردُ اِلٰی انّھا الھمزۃُ المفتوحۃُ وحدَھا زیدتْ[5] اللّامُ للفرقِ بینھا و بین ھمزۃِ الاستفھامِ

ترجمہ:۔ اور مصنف کا لام کے اختیار کرنے میں اس امر کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ ان کے نزدیک وہی مختار ہے جو سیبویہ کا مسلک ہے کہ ادات تعریف صرف لام ہے اس پر ہمزۂ وصل زیادہ کیا گیا ہے کیونکہ ابتداء بالسّاکن محال ہے لیکن خلیل کا مذہب یہ ہے کہ ادات تعریف ال ھل کی مثل ہے اور مبرد کا مذہب یہ ہے کہ ادات تعریف صرف ہمزۂ مفتوحہ ہے۔ لام کو ہمزۂ مفتوحہ و ہمزۂ استفہام کے درمیان فرق پیدا کرنے کے لئے زیادہ کیا گیا ہے۔

تشریح:۔ قولہ[1] فی اختیارہٖ اللّامَ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا اسم کا خاصہ صرف لام نہیں بلکہ الف و لام دونوں ہیں لہذا مصنف کو یوں کہنا چاہئے دخولُ اللّامِ وَالْاَلف۔ جواب یہ کہ نحویوں کے درمیان یہ اختلاف ہے کہ حرف تعریف الف و لام دونوں کا مجموعہ ہے یا صرف الف ہے یا صرف لام۔ سیبویہ کے نزدیک حرف تعریف صرف لام ہے اور ابتداء بالسکون چونکہ محال ہے اس لئے لام کے شروع میں ہمزۂ وصل لایا جاتا ہے خلیل کے نزدیک حرف تعریف الْ بروزن ھلْ دونوں کا مجموعہ ہے اور مبرد حرف تعریف صرف ہمزہ کو کہتے ہیں لیکن اس کے بعد لام کا اضافہ اس لئے کرتے ہیں کہ ہمزۂ تعریف اور ہمزۂ وصل کے درمیان فرق پیدا ہو جائے۔ اور ان تین مذہبوں میں سے سیبویہ کا مذہب چونکہ مصنف کے نزدیک مختار تھا اس لئے اُنہوں نے سیبویہ کے مسلک پر دخول اللام فرمایا دخولُ الْاَلفِ واللّام نہیں۔

قولہ[2] سیبویہ۔ یہ ارباب نحو و لغت کے ایک امام کا لقب ہے اُن کا اصل نام عمرو بن عثمان ہے جو ملک شیراز کے باشندہ تھے۔ سیبویہ اسم (سیب) اور صوت (ویہ) سے مرکب ہے اسم مبنی بر فتح ہے اور صوف مبنی

Marfat.com

برکسر۔ یہی حال عمرویہ ومعدویہ ونفطویہ وغیرہ کا ہے۔ سیبویہ کی وجہ تسمیہ کے متعلق لوگوں کا خیال ہے کہ وہ چونکہ سیب پھل کو بکثرت کھایا کرتے تھے یا ان کا رخسار رنگ وگداز وغیرہ میں سیب کی مانند تھا اس لئے ان کو سیبویہ کہا جاتا تھا۔

قولہ زیدت علیھا ھمزۃ۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ سیبویہ کے نزدیک جب حرف تعریف صرف لام ہے تو اس کے شروع میں ہمزۂ وصل کا اضافہ کیوں کیا جاتا ہے جواب یہ کہ ابتداء بالسکون چونکہ محال ہے اس لئے اس کے شروع میں ہمزۂ وصل کا اضافہ کیا جاتا ہے کیونکہ لام ساکن ہے اور وہ اس لئے کہ وہ تنوین کے مقابل میں آیا ہے یا اس لئے کہ لام کو اگر فتحہ دیا جائے تو اس کا لام ابتداء کے ساتھ التباس لازم آئیگا کیوں کہ لام ابتداء بھی مفتوح ہوتا ہے اور اگر کسرہ دیا جائے تو لام جارہ کے ساتھ التباس لازم آئے گا کیونکہ لام جارہ بھی مکسور ہوتا ہے اور اگر ضمہ دیا جائے تو ایسے امر میں ثقل لازم آئے گا جس کے استعمال کی بکثرت حاجت ہوتی ہے۔ لام کے شروع میں ہمزہ ہی کا اضافہ اس لئے کیا جاتا ہے کہ شروع میں متکلم قوی ہوتا ہے اور ہمزہ بھی حرف قوی ہے یا یہ کہ اکثر مقام میں ہمزہ ہی شروع میں زیادہ کیا جاتا ہے اور ہمزہ کو فتحہ اس لئے دیا جاتا ہے کہ کثرت استعمال کی وجہ سے اس میں خفت مطلوب ہے

قولہ واما الخلیل۔ یعنی خلیل نحوی الْ کو ھل کی مانند مانتے ہیں یعنی حرف تعریف ہمزہ ولام کے مجموعہ کو کہتے ہیں کیونکہ اگر صرف لام ہو اور ہمزہ نہ ہو تو اگر کوئی ہمزہ لام پر داخل ہو جائے تو اس کو ہمیشہ مکسور ہونا چاہئے کیونکہ اس تقدیر پر وہ ہمزۂ وصل ہوگا جو ہمیشہ مکسور ہوتا ہے حالانکہ وہ مکسور نہیں ہوتا اور حرف تعریف کا مقیس علیہ حرف استفہام یعنی ھل کو اس لئے قرار دیا کہ دونوں کو تعین تعریف میں ایک دوسرے کے ساتھ مشابہت حاصل ہے کیونکہ ھل طلب شئی کے لئے آتا ہے جس کے مدخول میں تعین پیدا ہوتا ہے یہی حال حرف تعریف کے دخول سے بھی ہوتا ہے پس جب ھل مرکب ہے تو حرف تعریف بھی مرکب ہوا۔

قولہ زیدت اللام۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مبرد کے نزدیک حرف تعریف جب صرف ہمزۂ مفتوحہ ہے تو اس کے بعد لام کیوں زیادہ کیا جاتا ہے؟ جواب یہ کہ لام کو اس لئے زیادہ کیا جاتا ہے کہ حرف تعریف اور ہمزۂ استفہام کے درمیان فرق پیدا ہو جائے

وَاِنَّمَا اختصَّ دخولُ حرف التَّعریفِ بالاسمِ لِاَنَّہٗ لیتعیّنَ معنی مستقلٌ بالمفہومیۃِ یدُلُّ علیہ اللفظُ مطابقۃً والحرفُ لایدلُّ علیٰ المعنی المستقلِ وَالفعلُ یدلُّ علیہ تضمنًا لامطابقۃً وھذہٖ الخاصۃُ

Marfat.com

لیست شَامِلَةً لجمیع افراد الِاسْم فانّ حرفَ التَّعریفِ لایدخلُ الضمائرَ واسماءَ الاشارةِ وغیرھا کالموصُولاتِ وکذٰلک سائرُ الخواصِّ الخمسِ المذکورةِ ھٰھنا

ترجمہ :— اور دخول حرف تعریف کو اسم کے ساتھ اس لئے خاص کیا گیا کہ وہ معنی مستقل یا مفہومیہ کو متعین کرتا ہے جس پر لفظ بطور مطابقت دلالت کرتا ہے اور حرف معنی مستقل پر دلالت نہیں کرتا اور فعل دلالت کرتا ہے بطور تضمن بطور مطابقت نہیں ۔ اور یہ خاصہ تمام افراد اسم کو شامل نہیں ہے اس لئے کہ حرف تعریف ضمائر و اسماء اشارہ اور ان کے علاوہ مثلاً موصولات پر داخل نہیں ہوتا اور یہی حال باقی اُن پانچ خاصوں کا ہے جو یہاں مذکور ہوئے

تشریح :— قولہ انّما اختصّ ۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ دخول لام تعریف اسم کے ساتھ خاص کیوں ہے ؟ فعل و حرف کیساتھ کیوں نہیں ؟ جواب یہ کہ لام تعریف کو واضع نے معنی مستقل کے تعین کے لئے وضع کیا ہے جو مدلول مطابقی ہو اور حرف کا معنی مستقل ہی نہیں اور فعل کا معنی مستقل تو ہے لیکن مدلول مطابقی نہیں کیونکہ اس کا معنی مستقل حدث ہے جو مدلول تضمنی ہے اس لئے لام تعریف صرف اسم کے ساتھ خاص ہے ۔

قولہ ھذہ الخاصۃ ۔ یہ اُس سوال کا جواب ہے کہ لام تعریف اسم کے ساتھ خاص نہیں کیونکہ وہ اسم ضمیر و اسم اشارہ و اسم موصول پر داخل نہیں ہوتا اس لئے کہ لام تعریف سے اسم معرفہ ہو جاتا ہے اور مذکورہ بالا اسماء چونکہ پہلے ہی سے معرفہ ہیں اس لئے ان پر لام تعریف داخل نہیں ہوتا جواب یہ کہ خاصہ کی دو قسمیں ہیں جیسا کہ گذرا ایک شاملہ اور دوسری غیر شاملہ اور یہاں خاصہ سے مراد غیر شاملہ ہے جو اس کے ان تمام افراد کو شامل نہیں جن کے ساتھ یہ خاص ہے یہی حال بقیہ پانچوں آنے والے خاصوں کا ہے کہ ان سے بھی مراد خاصہ غیر شاملہ ہے

وَمنھا دخولُ الجرِّ انما اختصّ دخولُ الجرِّ بالاسمِ لانّہٗ اثرُ حرفِ الجرِّ فی المجرورِ بہٖ لفظًا اَوْ فی المجرورِ بہٖ تقدیرًا کما فی الاضافۃِ المعنویۃِ ودخولُ حرفِ الجرِّ لفظًا اَوْ تقدیرًا یختصُّ بالاسمِ لانّہٗ موضوعٌ لافضاءِ معنی الفعلِ اِلی الاسمِ فینبغی اَنْ یدخُلَ الاسمَ لیفضِیَ معنی الفعلِ الیہِ

ترجمہ :— (اور) خواص اسم سے (دخول جر) ہے دخول جر کو اسم کیساتھ اس لئے خاص کیا گیا کہ حرف جر کا اثر اسم مجرور بہ میں لفظاً ہے یا اسم مجرور بہ میں تقدیراً ہے جیسا کہ اضافت معنویہ میں ہے اور حرف جر کا دخول لفظاً

Marfat.com

یا تقدیرًا اسم کے ساتھ اس لئے خاص کیا گیا کہ وہ موضوع ہے معنیٔ فعل کو اسم تک پہونچانے کے لئے پس مناسب ہے کہ وہ اسم میں داخل ہو جائے تاکہ معنیٔ فعل کو اسم تک پہونچائے ۔

تشریح:۔ قولہ دخل ۔ لفظ دخول کی تقدیر سے یہ اشارہ مقصود ہے کہ متن میں الجرّ مجرور ہے جس کا معطوف علیہ دخول اللام میں اللام ہے لیکن اس تقدیر پر جب سے اس کا اصطلاحی معنی مراد ہوگا اور اگر لغوی معنی یعنی شئی کا مجرور ہونا مراد ہو تو اس کا عطف اَللّام پر صحیح نہ ہوگا کیونکہ اس تقدیر پر معنی ہوگا مجرور ہونے کا داخل ہونا جو بداہۃً باطل ہے پس اس صورت میں الجرّ مرفوع ہوگا جس کا معطوف علیہ دخولُ اللّام میں دخول ہوگا بتقدیر اول معنی ہوگا جر کا داخل ہونا جو بلاشبہ درست ہے لیکن یہاں دخول سے مراد لحوق ہوگا جیسا کہ گذرا کیونکہ دخول اول کلمہ میں ضم ہونے کو کہتے ہیں اور یہاں آخر کلمہ میں ضم ہوتا ہے۔ اسی طرح اَلتنوین بھی مرفوع اور مجرور ہوگی

قولہ انما اختص ۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ جر اسم کے ساتھ کیوں خاص ہے ؟ جواب یہ کہ جر حرف جر کا اثر ہے اور حرف جر عام ازیں کہ ملفوظ ہو جیسے مَررت بزیدٍ میں یا مقدر ہو جیسے غلامُ زیدٍ میں اور ظاہر ہے حرف جر نہ فعل پر داخل ہوتا ہے اور نہ حرف پر بلکہ صرف اسم پر داخل ہوتا ہے اس لئے جر اسم کے ساتھ خاص ہے ورنہ اثر کا وجود مؤثر کے وجود کے بغیر لازم آئے گا جو باطل ہے ۔ اور جر اسم کے ساتھ خاص اس لئے بھی ہے کہ وہ منصرف و غیر منصرف کے درمیان فرق کے لئے آتا ہے کہ منصرف پر حرف جر داخل ہوتا ہے اور غیر منصرف پر نہیں اور منصرف و غیر منصرف ہونا دونوں اسم کے ساتھ خاص ہیں۔ لہٰذا جر بھی اسم کے ساتھ خاص ہوا خیال رہے کہ مجرور بہ میں جو ضمیر مجرور ہے اس کا مرجع حرف جر ہے جس کی قید لفظًا و تقدیرًا ہے

قولہ دخول حرف الجرّ ۔ یہ اُس سوال کا جواب ہے کہ یہ مانا کہ جر حرف جر کا اثر ہے لیکن یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ اسم کے ساتھ خاص بھی ہے ۔ جواب یہ کہ جر اسم کیساتھ خاص ہے کیونکہ وہ فعل کے معنی کو اسم تک پہونچاتا ہے اس لئے ضروری ہے وہ اسم پر داخل ہو اور اگر فعل یا حرف پر داخل ہو تو فعل کے معنی کو فعل یا حرف تک پہونچانا لازم آئے گا جو مقصود وضع کے خلاف ہے پس جب جر حرف جر کا اثر ہے اور وہ اسم کے ساتھ خاص ہے تو جر بھی اسم کے ساتھ خاص ہوا

وَاَمَّا الاضافۃُ اللفظیۃُ فہی فرعٌ للمعنویۃِ فَیَنبغی اَنْ لا یخالِفَ الاصلَ بِاَنْ یختصَ بما یخالف ما یختصُّ بہ الاصلَ اعنی الفعلَ اَوْ یزیدَ علیہ بِاَنْ یعمَّ الاسمَ والفعلَ

Marfat.com

ترجمہ: ـــــ اور لیکن اضافت لفظیہ تو وہ اضافت معنویہ کی فرع ہے پس مناسب ہے کہ فرع اصل کے مخالف نہ ہو بایں طور کہ فرع خاص ہو اس کے ساتھ یعنی فعل کیساتھ جو اس کا مخالف ہے کہ جس کے ساتھ اصل خاص ہے یا فرع اصل پر بایں طور زائد ہو کہ وہ اسم و فعل دونوں کو عام ہو جائے ۔

تشریح: ـــ قولہ[1] امّا الاضافۃُ ۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ تقریب تام نہیں کیونکہ دلیل دعویٰ کے خلاف ہے اس لئے کہ دعویٰ ہے ہر جر اسم کیساتھ خاص ہے اور دلیل سے معلوم ہوا کہ وہ جر جو حرف جر کا اثر ہے وہ اسم کے ساتھ خاص ہے لیکن جو حرف جر کا اثر نہیں اس کے متعلق معلوم نہ ہو سکا کہ وہ اسم کیساتھ خاص ہے یا نہیں اس لئے کہ اضافت لفظیہ میں مضاف الیہ سے پہلے حرف جر نہ ملفوظ ہوتا ہے نہ مقدر پس اضافت لفظیہ کے مضاف الیہ کا جر کسی حرف جر کا اثر نہ ہوا ۔ جواب یہ کہ اضافت معنویہ اصل ہے اور اضافت لفظیہ فرع اور فرع اپنی اصل کا مخالف نہیں لہذا جب اضافت معنویہ اسم کے ساتھ خاص ہے تو اضافت لفظیہ بھی اسم کے ساتھ خاص ہوا۔ یہ جواب جمہور کے مسلک پر دیا گیا لیکن مصنف نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ جس طرح اضافت معنویہ کے مضاف الیہ سے پہلے حرف جر مقدر ہوتا ہے اسی طرح اضافت لفظیہ کے مضاف الیہ سے پہلے بھی حرف جر مقدر ہوتا ہے کیونکہ اُنہوں نے بحث مجرورات میں مضاف الیہ کی تعریف یہ بیان کی ہے کہ وہ ہر وہ اسم ہے جس کی طرف شئی بواسطہ حرف جر منسوب ہو اور حرف جر عام ہے کبھی ملفوظ ہوتا ہے جیسے مررت بزیدٍ میں اور کبھی مقدر جیسے غلامُ زیدٍ میں اور وہ اضافت جس کے مضاف الیہ میں حرف جر مقدر ہوتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں ایک اضافت معنویہ دوسری اضافت لفظیہ جس سے معلوم ہوا کہ اضافت لفظیہ میں بھی حرف جر مقدر ہوتا ہے ۔

قولہ[2] بان یختصُّ ۔ یہ منفی یعنی یخالف کی قید اور اس کا بیان ہے اور بما میں لفظ ما سے مراد فعل ہے اور یخالف میں ضمیر مرفوع کا مرجع وہی لفظ ما ہے اور ما یختصُّ میں لفظ ما سے مراد اسم ہے پس قرینہ ہوا کہ فرع اصل کے بایں طور مخالف نہ ہو کہ فرع مخصوص ہو اس سے یعنی فعل سے جو اس کا یعنی اسم کا مخالف ہے کہ جس کیساتھ اصل یعنی اضافت معنویہ خاص ہے یا فرع اصل پر اس طرح زائد ہو کہ اسم و فعل دونوں کو عام ہو جائے

وَمنها دخولُ التنوینِ[1] باَقسَامِهٖ الّا تنوینُ الترنّمِ وَسیجیٔ فی اٰخر الکتابِ اِنْ شاءَ اللّٰہ تعالیٰ تعریفُہٗ وبیانُ اَقسَامِہٖ علیٰ وجہٍ یظہرُ جہۃُ اختصَاصِ ما عدا تنوینِ الترنّمِ بہٖ وجہۃُ عدمِ اختصَاصِ تنوینِ الترنّمِ بہٖ

Marfat.com

ترجمہ:۔ (اور) خواص اسم سے دخول (تنوین) ہے۔ تنوین، تنوین ترنم کے علاوہ اپنی تمام اقسام کیساتھ خواص اسم سے ہے اگر خداوند قدوس نے چاہا تو عنقریب آخر کتاب میں تنوین کی تعریف اور اس کے اقسام کا بیان اس طریقہ پر آئیگا کہ تنوین ترنم کے علاوہ کا اسم کیساتھ خاص ہونے اور تنوین ترنم کا اسم کیساتھ خاص نہ ہونے کی وجہ ظاہر ہوجائیگی۔

تشریح:۔ بیانہ التنوین۔ بوجہ مذکور التنوین پر رفع و نصب دونوں ممکن ہیں۔ تنوین پانچ قسم پر ہے (۱) تنوین تمکن جو کلمہ کے منصرف ہونے پر دال ہے جیسے زیدٌ میں (۲) تنوین تنکیر جو اسم فعل نکرہ پر داخل ہوتی ہے جیسے صَہٍ بمعنی اُسکت سکوتاً میں کہ وہ اسم فعل نکرہ ہے اور صَہْ اسم فعل معرفہ ہے کیونکہ اس کا معنی ہے اُسکت السکوت الآن۔ علامہ رضی کا خیال ہے کہ تنوین تنکیر وہ ہے جو اسم نکرہ پر آئے عام ازیں کہ وہ اسم مبنی ہو جیسے صہ یا معرب ہو جیسے رجلٌ (۳) تنوین عوض جو مضاف الیہ کے عوض آتی ہے جیسے یومئذٍ میں جو اصل میں یومَ اذا کانَ کذا تھا (۴) تنوین مقابلہ جو جمع مؤنث سالم کے آخر میں نون جمع مذکر سالم کے مقابل میں آتی ہے جیسے مسلماتٌ میں (۵) تنوین ترنم جو ابیات کے آخر میں آتی ہے جیسے اقِلّی اللّوم عاذِلُ والعتابنْ۔ وقولی اِنْ اَصَبْتُ لقد اَصابَنْ میں لفظ العتابن اور اَصابَنْ میں تنوین ترنم ہے کیونکہ اَلعِتابن اصل میں العتاب تھا اور اَصابنْ اصل میں اَصاب تھا۔ تنوین ترنم چونکہ اسم کے علاوہ فعل و حرف پر بھی داخل ہوتی ہے اس لئے وہ اسم کا خاصہ نہیں ہوسکتی برخلاف بقیہ چاروں اقسام کہ وہ صرف اسم میں داخل ہوتی ہیں اس لئے وہ اسم کے خاصہ ہیں اور متن میں تنوین کو جو اسم کا خاصہ قرار دیا گیا ہے وہ ان ہی چاروں اقسام کے اعتبار سے کیونکہ ہر ایک کا محل اسم ہوتا ہے جیسا کہ گذرا اوّل کا محل اسم منصرف ہے اور دوم کا اسم نکرہ اور سوم کا اسم مضاف اور چہارم کا جمع مؤنث سالم ہے۔ خیال رہے کہ لغت میں تنوین کا معنی ہے کسی شی کو نون والی بنا دیا اور اصطلاح میں وہ نون ساکن ہے جو کلمہ کی آخری حرکت کے تابع اور غیر تاکید کے لئے ہو۔

وَمنها الاسنادُ الیہ ھو بالرّفعِ عطفٌ علی الدخُول لا علی مدخُولہٖ لانّ المتبادرَ مِنَ الدخُولِ الذکرُ فی الاوّلِ اَوِ اللحوقُ فی الاٰخرِ وکلاھما منتفیانِ فی الاسنادِ وکذا فی الاضافۃِ والمرادبہٖ کون الشیٔ مسنداً الیہ وانّما اختصّ ھذا المعنیٰ بالاسمِ لانّ الفعلَ قد وُضِعَ لان یکونَ ابداً مسنداً فقط فلو جُعِلَ مسنداً الیہ یلزم خلافُ وضعِہٖ

Marfat.com

ترجمہ ـــــ (اور) خواص اسم سے (مسندالیہ ہونا) ہے اَلاِسنَادُ الیہ دال کے رفع کیساتھ عطف ہے دخول پر اس کے مدخول یعنی لام پر نہیں کیونکہ دخول سے متنا در حقیقۃً اول کلمہ میں ذکر کرنا ہے یا مجازًا آخر کلمہ میں لاحق ہونا ہے اور دونوں ہی اسناد میں منتفی ہیں یہی حال اضافت میں ہے اور اسناد الیہ سے مراد شئی کا مسندالیہ ہونا ہے اور اس معنی کو اسم کیساتھ اس لئے خاص کیا گیا کہ فعل وضع کیا گیا ہے تاکہ وہ ہمیشہ صرف مسند ہو پس اگر اس کو مسندالیہ بھی کر دیا جائے تو وضع کے خلاف لازم آئیگا۔

تشریح :ـــ قولہ ھو بالرفع ۔ یعنی متن میں اَلاِسنادُ مرفوع ہے جو دخولُ اللّام میں دخول پر معطوف ہے اس کے مدخول پر نہیں کیونکہ اگر مدخول پر معطوف ہو تو معنی ہوگا اسناد کا داخل ہونا اور ظاہر ہے یہ معنی فاسد ہے اس لئے کہ دخول حقیقۃً ذکر فی الاول اور مجازًا لحوق فی الآخر کو کہتے ہیں اور اسناد میں دونوں ہی مفقود ہیں کیونکہ اسناد ایک نسبت ہے جو مسند و مسندالیہ کے درمیان پائی جاتی ہے یہی حال اضافت کا بھی ہے کہ وہ بھی ایک نسبت ہے جو مضاف و مضاف الیہ کے درمیان پائی جاتی ہے جو ذکر فی الاول یا لحوق فی الآخر کی صلاحیت نہیں رکھتی ۔

قولہ والمراد بہ ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اسناد جیسا کہ گذرا وہ ایک نسبت ہے جو مسند و مسندالیہ کے درمیان پائی جاتی ہے پس جب وہ خواص اسم ہے تو مسند و مسندالیہ دونوں کے ساتھ خاص ہوگا اور دونوں کا اسم ہونا لازم آئے گا حالانکہ اسم صرف مسندالیہ ہوتا ہے مسند نہیں کیونکہ وہ کبھی اسم بھی ہوتا ہے اور فعل بھی جیسے اللّٰہُ یَرزقُ من یشاءُ میں۔ جواب یہ کہ خواص اسم سے اسناد نہیں بلکہ اسناد الیہ ہے جس سے مراد مسندالیہ ہونا ہے اور ظاہر ہے یہ معنی مسندالیہ کے ساتھ خاص ہے مسند کیساتھ نہیں۔

قولہ اِنما اختصّ ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مسندالیہ ہونا اسم کے ساتھ خاص ہے تو کس طرح ؟ جواب یہ کہ مسندالیہ معنی مستقل ہوتا ہے اور حرف کا معنی مستقل ہی نہیں اور فعل کا معنی تضمنی اگرچہ مستقل ہوتا ہے لیکن واضع نے اس کو صرف مسند کے لئے وضع کیا ہے کہ وہ ہمیشہ مسند ہی مستعمل ہو پس اگر وہ مسندالیہ بھی مستعمل ہو جائے تو وضع کے خلاف لازم آئے گا اور اس لئے بھی کہ اسم کا معنی مطابقی مسندالیہ ہوتا ہے اور فعل کا معنی تضمنی بھی اگر مسندالیہ ہو جائے تو دونوں میں مساوات لازم آئیگا جو ممنوع ہے ۔ سوال مسندالیہ فعل و حرف بھی ہوتے ہیں جیسے ضربَ فعلٌ ماضٍ میں ضربَ اور مِنْ الابتداء میں مِنْ مسندالیہ واقع ہیں حالانکہ پہلا فعل ہے اور دوسرا حرف ۔ جواب مذکورہ مثالوں میں ضربَ سے فعل اور مِنْ سے حرف مراد نہیں بلکہ لفظ ضربَ اور لفظ مِنْ مراد ہے جو دونوں اسم ہیں ۔ فعل و حرف باعتبار معنی ہوتے ہیں وہ یہاں مراد نہیں ۔

Marfat.com

وَمنها الاضافة اَی کونُ الشیٔ مضافًا بتقدیرِ حرف الجرِّ لا بذکرہٖ لفظًا و وجہُ اختصاصِہا بالاِسم اختصاصُ لوازمِہا مِنَ التعریفِ والتخصیصِ والتخفیفِ بہٖ وانّما فسّرنا الاضافۃَ بکون الشیٔ مضافًا لانّ الفعلَ اَوِ الجملۃَ قد یقعُ مضافًا الیہ کما فی یوم ینفعُ الصّادقینَ صدقُہم وقد یقالُ ہذا بتاویلِ المصدرِ اَیْ یومَ نفعِ الصّادقین فالاضافۃُ بتقدیرِ حرف الجرِّ مطلقًا یختصُّ بالاِسمِ وانّما قیّدناہُ بقولنا بتقدیرِ حرف الجرِّ لئلا ینتقضَ بقولنا مررتُ بزیدٍ فانّ مررتُ مضافٌ اِلیٰ زیدٍ بواسطۃِ حَرْفِ الجرِّ لفظًا

ترجمہ:۔ (اور) خواص اسم سے (اضافت) ہے یعنی شئ کا مضاف ہونا ہے بتقدیر حرف جر اس حرف جر کو لفظًا ذکر کرکے نہیں اور اضافت کا اسم کیساتھ خاص ہونے کی وجہ اس کے لوازم یعنی تعریف و تخصیص و تخفیف کا اسم کے ساتھ خاص ہونا ہے اور ہم نے اضافت کی تفسیر کسی شئ کے مضاف ہونے کے ساتھ اس لئے کیا ہے کہ فعل یا جملہ کبھی مضاف الیہ واقع ہوتا ہے جیسے قول باری تعالیٰ یومَ ینفعُ الصّادقینَ صدقُہم میں اور بعض کا قول ہے کہ ینفعُ الصّادقین مصدر کی تاویل میں ہے یعنی یومَ نفعِ الصّادقین پس اضافت بتقدیر حرف جر مطلقًا اسم کے ساتھ خاص ہے اور ہم نے کونُ الشیٔ مضافًا کو اپنے قول تقدیر حرف جر کیساتھ اس لئے خاص کیا ہے کہ وہ ہمارے قول مررتُ بزیدٍ سے منقوض نہ ہو کیونکہ مررتُ بواسطۂ حرف جر لفظًا زید کی طرف مضاف ہے۔

تشریح:۔ قولہ اَیْ کونُ الشیٔ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اضافت ایک نسبت کا نام ہے جو مضاف و مضاف الیہ کے درمیان پائی جاتی ہے اور جب یہ اسم کے ساتھ خاص ہے تو مضاف و مضاف الیہ دونوں اسم کے ساتھ خاص ہوں گے اور دونوں کا اسم ہونا لازم ہوگا حالانکہ اسم صرف مضاف ہوتا ہے مضاف الیہ نہیں کہ وہ کبھی فعل بھی ہوتا ہے جیسے قول باری تعالیٰ یومَ ینفعُ الصّادقینَ صدقُہم میں ینفعُ فعل مضارع ہے جواب یہ کہ اضافت سے یہاں مراد نسبت نہیں بلکہ مضاف ہونا ہے اور یہ مضاف کیساتھ خاص ہے ظاہر ہے یہ ہمیشہ اسم ہوتا ہے

قولہ بتقدیرِ حرفِ الجرِّ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مضاف ہونا اسم کے ساتھ خاص نہیں کیونکہ فعل بھی مضاف ہوتا ہے جیسے مررت بزیدٍ میں مررت زید کی طرف مضاف ہے جواب یہ کہ مضاف سے یہاں مراد وہ ہے جس کے مضاف الیہ سے پہلے حرف جر مقدر ہو جیسے غلامُ زیدٍ میں زید سے پہلے لام حرف جر

Marfat.com

مقدر ہے۔

قولہ وجہ اختصاصہا۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ یہ کیسے معلوم ہوا کہ مضاف ہونا اسم کے ساتھ خاص ہے جواب یہ کہ مضاف کے لوازم چونکہ تعریف و تخصیص و تخفیف ہیں جو اسم کے ساتھ خاص ہیں اس لئے مضاف ہونا اسم کے ساتھ خاص ہوا کیونکہ لازم کا وجود بدون وجود ملزوم محال ہے۔ سوال اسم کی طرح فعل میں بھی تخصیص پائی جاتی ہے کیونکہ تخصیص، تقیید کو کہتے ہیں اور وہ فعل میں بھی پائی جاتی ہے چنانچہ کہا جاتا ہے ضربتُہ فی السُّوقِ۔ یعنی میں نے اس کو بازار میں مارا یہاں ضرب فعل کو سوق کے ساتھ مقید کیا گیا ہے جواب تخصیص سے یہاں تقیید مراد نہیں بلکہ قلت اشتراک افراد ہے اور فعل کے افراد ہی نہیں ہوتے کہ اس میں قلت ہو۔ کیونکہ وہ ایک ایسی طبیعت یعنی مفہوم مِنْ حیثُ ھو مفہوم کا نام ہے جس کے ساتھ افراد ملحوظ نہیں ہوتے اسی وجہ سے فقہاء کرام نے فرمایا کہ اگر کوئی واللّٰہِ لَا اٰکلُ کہے یعنی خدا کی قسم نہیں کھاؤں گا تو اس سے کوئی خاص کھانا مراد نہ ہوگا بلکہ مطلق کھانا مراد ہوگا۔

قولہ وانما فسرنا۔ اضافت کی تفسیر جو کونُ الشیءِ مضافًا سے کی گئی اس عبارت سے اس کی وجہ بیان کی جاتی ہے کہ اگر شئ کا مضاف ہونا مراد نہ ہو بلکہ عام ہو کہ مضاف ہو یا مضاف الیہ تو اسم کیساتھ خاص نہ رہے گا کیونکہ مضاف الیہ کبھی فعل بھی واقع ہوتا ہے جیسے قول باری تعالیٰ یومَ ینفعُ الصّٰدقین صدقھم میں مضاف الیہ ینفعُ فعل مضارع واقع ہے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اضافت سے مضاف و مضاف الیہ دونوں ہی مراد ہیں لیکن آیت مذکورہ میں مضاف الیہ فعل مضارع نہیں بلکہ وہ بتاویل مصدر مضاف الیہ ہے یعنی یومَ نَفْعِ الصّٰدقین صدقھم ہے کیونکہ یوم ظرف ہے اور ظرف جب جملہ کی طرف مضاف ہو تو وہ حقیقۃً اس جملہ کے مضمون کی طرف مضاف ہوتا ہے جیسا کہ بحث ظروف میں آئے گا اور ینفعُ الصّٰدقین کا مضمون جملہ نفعُ الصّٰدقین ہے یا یہ کہ ینفعُ سے پہلے اَنْ مقدر ہے جس طرح کہ تسمعُ بالمعیدی خیرٌ مِنْ اَن تراہُ میں اَن مقدر ہے۔ جواب دوم میں چونکہ تاویل ہے اور تاویل خلاف اصل ہے اس لئے اس کو قد یقالُ کلمۂ تمریض سے بیان کیا گیا اور لِاَنَّ الفِعْلَ اَوِ الجملۃَ سے شارح نے اختلاف قولین کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مضاف الیہ فعل ہے یا جملہ۔ مصنف اول کے قائل ہیں اس لئے اس کو ذکر میں پہلے بیان کیا اور یہ اختلاف صرف بحسب لفظ ہے لیکن بحسب معنی مضاف الیہ صرف مصدر ہوگا کذا قال الملا عبد الغفور والشیخ الرّضی۔

قولہ انما قیّدنا۔ کونُ الشیءِ مضافًا کے ساتھ بتقدیر حرف الجر کی قید جو بیان کی گئی اس

Marfat.com

عبارت سے اس کی وجہ بیان کی جاتی ہیکہ مصنف اسم ہوتا ہے اور کبھی فعل بھی ۔ فعل وہ مضاف ہوتا ہے جس کے مضاف الیہ سے پہلے حرف جر ملفوظ ہو جیسے مررتُ بزیدٍ میں مررت مضاف ہے جو اس کے مضاف الیہ زید سے پہلے باء حرف جر ملفوظ ہے اور اسم وہ مضاف ہوتا ہے جس کے مضاف الیہ سے پہلے حرف جر مقدر ہو جیسے غلامُ زیدٍ میں غلام مضاف ہے جو اس کے مضاف الیہ زید سے پہلے لام حرف جر مقدر ہے اور یہاں یہی دوسری قسم مراد ہے اس لئے اس کو بتقدیر حرف الجر کی قید کو بیان کر کے واضح کیا گیا ۔

وَھُوَ اَیِ الاسمُ قِسمانِ معربٌ ومبنیٌ لانّہٗ لایخلوا ما اَنْ یکون مرکبًا مع غیرہٖ اَولا والاوّلُ اِمّا اَنْ یشبہَ مبنی الاَصْلِ اَولاَ وھذا اعنی المرکبَ الّذی لم یشبھہ مبنی الاَصْلِ ھُوَ المعربُ وما عداہ اَعنی غیرُ المرکبِ والمرکبَ الذی یشبھہ مبنی الاَصْلِ مبنیٌ

ترجمہ :— (اور وہ) یعنی اسم دو قسم پر ہے (معرب اور مبنی) اس لئے کہ اسم دو حال سے خالی نہیں آیا اپنے غیر کے ساتھ مرکب ہوگا یا مرکب نہ ہوگا اور اول آیا مبنی اصل کے مشابہ ہوگا یا مشابہ نہ ہوگا اور یہ یعنی وہ مرکب جو مبنی اصل کے مشابہ نہیں وہ معرب ہے اور اس کے ماسوا یعنی مرکب کے علاوہ اور وہ مرکب جو مبنی اصل کے مشابہ ہے مبنی ہیں

تشریح :— بیانہٗ وھو ۔ اسم کی تعریف اور اس کے خواص سے جب مصنف فارغ ہو چکے تو اب اس کی تقسیم بیان فرماتے ہیں کیونکہ تقسیم سے بھی معرّف واضح ہو جاتا ہے جس طرح تعریف اور خواص سے معرف واضح ہو جاتا ہے نیز ہر اسم کے احوال یکساں نہیں ہوتے اس لئے تقسیم بیان کیا تاکہ ہر ایک کے احوال جدا جدا معلوم ہو جائیں ۔

قولہٗ اَیِ الاسمُ قسمانِ ۔ ھو کی تفسیر الاسم سے یہ اشارہ ہے کہ یہ تقسیم اسم کی ہے اضافت یا اسناد وغیرہ کی نہیں اور قسمان سے اس سوال کا جواب ہے کہ متن میں ھُو جس کا مرجع اسم ہے وہ عام ہے جو معرب و مبنی دونوں کو شامل ہے اور معربٌ اس کی خبر خاص ہے جو محمول ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا کیونکہ افراد اسم میں سے ہر ایک کا معرب ہونا لازم آتا ہے جو ممنوع ہے حالانکہ بعض افراد اسم مبنی بھی ہے اسی وجہ سے الحیوان انسانٌ کہنا جائز نہیں جواب یہ کہ ھو کی خبر معربٌ نہیں بلکہ قسمان ہے جو عبارت میں محذوف ہے البتہ اس صورت میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ قسمان تثنیہ ہے اور ھو مبتدا مفرد ہے جس پر تثنیہ کا حمل جائز نہیں

Marfat.com

جیسے زید رجلان نہیں کہہ سکتے اس کا جواب یہ کہ مفرد اگر عام یا کل ہو تو اس پر تثنیہ یا اجزاء کا حمل جائز ہے جیسے کتابُ بخاریٍ جلدانِ وشرح وقایۃ جلدانِ وغیرہ جائز ہے کیونکہ کتاب بخاری اور شرح وقایہ میں سے ہر ایک دو جلدوں کو شامل ہے ۔ یہی حال ھُو قسمانِ کا ہے کہ ہو عام ہے جو معرب و مبنی دونوں قسموں کو شامل ہے اور مثال مذکور زیدٌ رجلان میں زید عام نہیں ہے اس لئے اُس پر رجلان کا حمل درست نہیں یا یہ کہا جا سکتا ہے کہ ھو قسمان نہیں بلکہ منقسم الیٰ قسمین ہے جو بوجہ اختصار محذوف ہو گیا ہے اور اس کے متعلق قسمین کو اس کے قائم و مقام کر دیا گیا ہے جس کی وجہ سے وہ قسمان ہو گیا ہے ۔ خیال رہے کہ تقسیم کی دو قسمیں ہیں ایک تقسیم الکلی الیٰ الجزئیات دوسری تقسیم الکل الیٰ الاجزاء یہاں یہ پہلی تقسیم ہے کیونکہ اسم کلی ہے جو کثیرین پر صادق آتا ہے۔

قولہ لانہ لا یخلو ۔ ھُو معربٌ ومبنیٌ کہنے سے چونکہ یہ دعویٰ پیدا ہوا کہ اس کی صرف دو قسمیں ہیں ایک معرب اور دوسری مبنی اس لئے اس عبارت سے اس کی دلیل بیان کی جاتی ہے کہ اسم غیر کے ساتھ مرکب ہے یا مرکب نہیں اگر مرکب ہے تو مبنی اصل کے مشابہ ہے یا مشابہ نہیں اگر مشابہ نہیں تو معرب ہے اور اگر نہیں تو مبنی ہے لہذا اسم دو ہی قسموں پر منحصر ہوا ایک معرب جو مرکب ہے اور مبنی اصل کے مشابہ نہیں جیسے جاء رسول میں رسول ۔ دوسری قسم مبنی جو مرکب نہیں جیسے اسماء معدودہ مثلاً زید عمر وغیرہ یا مرکب ہے اور مبنی اصل کے مشابہ بھی جیسے قام ہولاء میں ہولاء پس اسم ایک صورت میں معرب ہوا اور دو صورتوں میں مبنی ۔

فالمعربُ الّذی ھو قسمٌ من الاسمِ المرکبِ ای الاسمُ الّذی رُکّبَ مع غیرہٖ ترکیبًا یتحقق معہٗ عاملُہٗ فیدخلُ فیہ زیدٌ قائمٌ وھٰؤلاء فی قولک زیدٌ قائمٌ وقامَ ھٰؤلاء بخلافِ مالیسَ بمرکبٍ اصلاً من الاسماءِ المعدودۃ نحو الف با تا زید وعمر و بکر و بخلافِ ما ھُوَ مرکبٌ مع غیرہٖ لکن لا ترکیبًا یتحقق معہٗ عاملُہٗ کغلامِ فی غلامِ زیدٍ فانّ جمیعَ ذلک من قبیلِ المبنیّاتِ عند المصنّفِ

ترجمہ : ــــ (پس معرب) جو اسم کی ایک قسم ہے (وہ مرکب ہے) یعنی وہ اسم ہے جو اپنے غیر کے ساتھ ایسی ترکیب سے مرکب ہو کہ اس کے ساتھ اس کا عامل متحقق ہے پس تعریف میں زیدٌ اور قائمٌ اور ہولاء داخل ہو جائیں گے جو آپ کے قول زیدٌ قائمٌ وقام ہولاء میں ہیں برخلاف وہ جو قطعًا مرکب نہ ہو مثلاً اسماء معدودہ جیسے الف ، با ، زید ، عمر و بکر اور برخلاف وہ اسم جو اپنے غیر کے ساتھ مرکب ہے لیکن اس کی ترکیب ایسی

Marfat.com

نہیں جس کے ساتھ اس کا عامل متحقق ہے جیسے غلام جو غلام زید میں ہے کیونکہ مصنف کے نزدیک وہ تمام از قبیل مبنیات ہیں۔

تشریح: ۔ بیانہ[1] فالمعرب ۔ معرب کو مبنی پر چند وجہوں سے مقدم کیا گیا ہے ایک یہ کہ معرب کا مفہوم وجودی ہے اور مبنی کا مفہوم عدمی اور وجودی تصور میں عدمی سے پہلے ہوتا ہے کیونکہ عدم مقید وجود پر طاری ہوتا ہے دوسری یہ کہ معرب سے معانی معتورہ یعنی فاعلیت و مفعولیت و اضافت کے معانی واضح ہوتے ہیں مبنی سے نہیں کیونکہ معرب پر لفظی و تقدیری دونوں اعراب آتے ہیں اور مبنی پر اعراب محلی آتا ہے تیسری وجہ یہ کہ معرب کی ابحاث مبنی کی ابحاث کی بہ نسبت کثیر ہیں اور سرکار کی حدیث پاک ہے والعزۃ للتکاثر چوتھی یہ کہ معرب اپنی حقیقت اسمیت پر باقی ہے کیونکہ وہ فعل و حرف کی مشابہ نہیں ہوتا اور مبنی مشابہ ہوتا ہے ۔ سوال بحث معرب کو بحث مبنی پر مقدم کرنیکی وجہ تو معلوم ہوگئی لیکن معرب کو اعراب پر مقدم کرنیکی کیا وجہ ہے؟ جب کہ معرب مشتق ہے اور اعراب اُس کا مشتق منہ اور مشتق منہ چونکہ طبعًا مقدم ہوتا ہے اس لئے اس کو ذکر میں بھی مقدم کرنا چاہئے ۔ جواب معرب محل ہے اور اعراب اس کا حال وصفت اور ظاہر ہے محل حال وصفت پر طبعًا مقدم ہوتا ہے اس لئے اس کو ذکر میں بھی مقدم کیا گیا تاکہ ذکر طبع کے موافق ہو جائے ۔

قولہ[2] الّذی ھو قسمٌ ۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ معرب کی تعریف جامع نہیں اس لئے کہ وہ فعل مضارع پر صادق نہیں آتی جواب یہ کہ یہ تعریف مطلق معرب کی نہیں بلکہ اس کی ہے جو اسم کی قسم ہے کیونکہ یہ بحث اسم ہے جو اس کے احوال کے متعلق گفتگو جاری ہے ۔

قولہ[3] اَیُّ الاسمِ ۔ یہ اُس سوال کا جواب ہے کہ معرب کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں کیونکہ وہ فعل ماضی پر بھی صادق آتی ہے مثلاً ضربَ زیدٌ میں ضربَ فاعل کے ساتھ مرکب ہے اور مبنی اصل کے ساتھ مشابہ نہیں بلکہ وہ خود مبنی اصل ہے جواب یہ کہ تعریف میں مرکب سے مراد اسم مرکب ہے اور ضربَ فعل مرکب ہے ۔

قولہ[4] الّذی رُکب مع غیرہٖ ۔ اس عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ المرکب میں الف لام اسم موصول کا ہے جو بمعنی الّذی ہوتا ہے اور مرکب اسم مفعول بمعنی فعل مجہول ہے نیز یہ اس سوال کے جواب کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اسم از قسم کلمہ ہے اور کلمہ لفظ مفرد کو کہتے ہیں لہذا اسم معرب مفرد ہوا پس اس کی تعریف اسم مرکب سے درست نہ ہوئی کہ مرکب مفرد کا منافی ہے اور تعریف منافی سے نہیں ہوتی ۔ جواب یہ کہ ایک شئی کو

Marfat.com

جب دوسری شئی کے ساتھ ملائی جائے تو مجموعہ کو مرکب کہتے ہیں اور اس کے ہر ایک جزء کو بھی اوّل کو مجموع المضمومین کہتے ہیں جیسے اَلکلام مرکبٌ مِنَ اسمینِ وَاسمٍ وفعلٍ اور دوم کو مضموم مع الغیر کہتے ہیں جس کا صلہ مع آتا ہے جیسے البنی مرکب مع صادق فی مثل البنی صادق ۔ مفرد کے منافی پہلی قسم ہے اور یہاں دوسری قسم مراد ہے

قولہ ترکیبًا یتحقق معہ عاملہ۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ معرب کی تعریف مانع نہیں کیونکہ غلامُ زیدٍ میں غلام پر تعریف صادق آتی ہے حالانکہ مصنف کے نزدیک وہ مبنی ہے جواب یہ کہ ترکیب سے یہاں وہ ترکیب مراد ہے جس کے مرکب کیساتھ اس کا عامل بھی متحقق ہو خواہ عامل لفظی ہو یا معنوی اور غلام کے ساتھ دونوں میں سے کوئی نہیں لہذا وہ مبنی ہے ہاں البتہ اگر جاءَ غلامُ زیدٍ کہا جائے تو غلام معرب ہوگا کہ وہ عامل کے ساتھ مرکب ہے اور زید بہر دو تقدیر معرب ہے کیونکہ اس کے ساتھ اس کا عامل مضاف یا حرف جر مقدر متحقق ہے۔

قولہ بخلاف مَا ۔ تعریف میں جو قیود مذکور ہیں اس عبارت سے ان ہی قیدوں کے فوائد کو بیان کیا گیا کہ مرکب کی قید سے اسماء معدودہ مثلاً با۔ تا ۔ ثا۔ جیم یونہی زید۔ بکر نکل گئے اور اسم کی قید سے فعل ماضی نکل گیا اور معرب کیساتھ تحقق عامل کی قید سے غلامُ زیدٍ میں غلام نکل گیا

الّذی لم یُشبِہ اَی لم یناسِبْ مناسبۃً مؤثرۃً فی منعِ الاعرابِ مبنیَ الاصلِ اَی المبنی الّذی ھُو الاَصْلُ فی البناءِ فالاضافۃُ بیانیۃٌ وھو الماضی والامرُ بغیرِ اللّامِ والحرفُ وبھٰذا القیدِ خرج مثلُ ھولاءِ فی مثلِ قَامَ ھولاءِ لکونہ مشابھًا لمبنی الاصلِ کما سیجئ فی بابہ انشاءَ اللّٰہُ تعالٰی

ترجمہ:— (جو مشابہ نہ ہو) یعنی ایسی مناسبت نہ ہو جو غیر منصرف میں مؤثر ہو (مبنی اصل کے) یعنی اس مبنی کے جو بناء میں اصل ہو پس مبنی الاصل میں اضافت بیانیہ ہے اور وہ ماضی اور امر حاضر بغیر لام اور حرف ہیں اور مبنی الاصل کی قید سے قامَ ہولاءِ جیسی ترکیب میں ہولاءِ کی مثل خارج ہوگئی کیونکہ وہ مبنی اصل کے مشابہ جیسا کہ اگر خداوند قدوس نے چاہا تو عنقریب مبنی کے باب میں آئے گا۔

تشریح:— بیانہ لم یشبہ ۔ یہ بروزن لم یکرِمْ باب افعال کا فعل مضارع معروف ہے جس کا معنی ہے مشابہ نہ ہو حالانکہ یہ معنی باب مفاعلت کا ہے اس کی وجہ یہ کہ افعال و مفاعلت کبھی ہم معنی ہوتے ہیں یعنی لم یشبہ کبھی بمعنی لم یشابہ ہوتا ہے۔

Marfat.com

قولہ ای لم یناسب ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ معرب کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں اس لئے کہ اس میں این جو اَین زیدٌ میں ہے داخل ہو جاتا ہے کیونکہ وہ غیر کے ساتھ مرکب ہونے کے علاوہ اس کے ساتھ اس کا عامل معنوی بھی ہے اور مبنی اصل کے مشابہ بھی نہیں اس لئے کہ مشابہت کہتے ہیں کسی وصف لازم میں شریک ہونے کو جیسے مرد شجاع اپنی شجاعت میں شیر کے مشابہ ہے اور ظاہر ہے این کسی مبنی اصل کے کسی وصف میں شریک نہیں اسی طرح اسم فعل بھی تعریف میں داخل ہو جاتا ہے کیونکہ یہ بھی مبنی اصل کے کسی وصف میں شریک نہیں ۔ جواب یہ کہ مشابہت سے یہاں مناسبت مراد ہے مشابہت خاص ہے اور مناسبت خاص ۔ خاص سے مجازاً اعام مراد لیا گیا ہے مناسبت کہتے ہیں کسی وصف یا ماہیت یا جنس یا شکل میں شریک ہونے کو مثلاً مرد شجاع اپنی شجاعت میں شیر کے شریک ہے ۔ زید اپنی ماہیت میں بکر کے شریک ہے ۔ عمر اپنی جنس مین فرس کے شریک ہے ایک بھائی شکل میں دوسرے بھائی کے شریک ہے اسی طرح اَیْنَ معنی میں ہمزۂ استفہام کا شریک ہے اور اسم فعل بھی فعل ماضی یا امر حاضر کے شریک ہے لہذا دونوں ہی معنی اصل کے شریک ہوئے ۔ خیال رہے کہ مشابہت سے جو مجازاً مناسبت مراد ہے اس پر قرینہ مبنی کی تعریف ما ناسب مبنی الاصل ہے یہ معرب کا قسیم ہے جس میں مناسبت مذکور ہے ظاہر ہے کہ اس کے قسیم میں جو اس کا مقابل ہے اس میں عدم مناسبت ملحوظ ہوگا کیونکہ قاعدہ ہے کہ جب دو چیزوں کا تقابل ہو اور ان دونوں میں سے کسی ایک میں قید ایجابی مذکور ہو تو اس کے مقابل میں اس کا عدم ملحوظ ہوتا ہے ۔

قولہ مناسبۃ مؤثرۃً ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مشابہت سے جب مناسبت مراد ہوگا تو کوئی اسم معرب نہ رہے گا کیونکہ ہر اسم کلمہ میں مبنی اصل کے ضرور شریک ہوگا لہذا ہر اسم مبنی ہو جائے گا جواب یہ کہ مناسبت سے یہاں مطلق مناسبت مراد نہیں بلکہ وہ مناسبت ہے جو مؤثرہ ہو ۔

قولہ فی منع الاعراب ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اسم فاعل اپنے حروف اصلیہ اور حدث پر دلالت کرنے میں فعل ماضی کے شریک ہیں اور مناسبت مؤثرہ بھی موجود ہے کہ اسم فاعل اپنے فعل معروف کا عمل کرتا ہے ۔ جواب یہ کہ مناسبت مؤثرہ سے یہاں مراد وہ مناسبت ہے جو اعراب کے روکنے میں مؤثر ہو نہ کہ عمل کے روکنے میں ۔

مناسبت مؤثرہ جو اعراب کو روکتے ہیں آٹھ ہیں جن میں سے پہلی چھ صورتوں کو شارح خود ہی مشابہ مبنی میں بیان فرمائیں گے اور وہ کل یہ ہیں (۱) اسم مبنی اصل کے معنی کو متضمن ہو جیسے این ہمزہ

Marfat.com

استفہام کے معنی کو متضمن ہے اور لارجلَ حرف جر کے معنی کو متضمن ہے کیونکہ وہ دراصل لامِنْ رجلٍ ہے (۲) اسم تعین مراد میں دوسرے کا محتاج ہو جیسے اسماء اشارہ کہ وہ مشار الیہ کے محتاج ہیں اور موصولات صلہ کے محتاج ہیں پس وہ حروف کے مشابہ ہو گئے۔ (۳) وہ اسم مبنی اصل کی جگہ بولا جائے جیسے نزالِ اَنزل کی جگہ اور ہیہات بُعْدَ کی جگہ بولا جاتا ہے (۴) وہ اسم مبنی اصل کی جگہ بولے جانے والے اسم کے وزن پر ہو اور معدول ہونے میں شریک ہو جیسے نزالِ جو اَنزل کی جگہ بولا جاتا ہے اس کے وزن پر فجارِ ہے جو معدول ہے نزالِ کی طرح (۵) مشابہ مبنی اصل کی جگہ بولا جائے جیسے یا زیدُ میں زید کاف ضمیر کی جگہ بولا جاتا ہے جو اَدْعوکَ میں ہے اور وہ کاف خطاب کے مشابہ ہے جو ذٰلکَ میں ہے (۶) جملہ کی طرف مضاف ہو جیسے یومئذٍ یودالذین کفروا میں یوم بواسطہ اِذْ جملہ کی طرف مضاف ہے جو کہ مبنی اصل ہے (۷) وسط کلمہ مانا گیا ہو جیسے مرکب بنائی کا پہلا جزء (۸) تین حروف سے کم حروف اصلی ہوں جیسے کم خبریہ اور ما موصولہ اور ما تامہ جو بمعنی شیٔ یا الشیٔ ہے۔

قولہ المبنی الذی۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ لفظ مبنی اسم مفعول ہے جو اصل میں مبنوی تھا جو مرمیٰ کے قاعدہ سے مبنی ہو گیا ہے اور اسم مفعول جب اپنے مفعول کی طرف مضاف ہو تو اضافت لفظیہ ہوتی ہے لہذا مبنی الاصل کا معنی ہوا المبنیُّ اَصْلُہٗ یہ معنی حرف پر صادق نہیں آتا کیونکہ حرف کی کوئی اصل نہیں اور امر حاضر پر بھی صادق نہیں آتا کیونکہ اس کی اصل فعل مضارع ہے جو مبنی نہیں یونہی فعل ماضی پر بھی صادق نہیں آتا کہ اس کی اصل مصدر ہے لیکن وہ مبنی نہیں۔ جواب یہ کہ مبنی اسم مفعول ضرور ہے لیکن وہ اپنے معمول کی طرف مضاف نہیں ہے اس لئے وہ اضافت لفظیہ نہیں بلکہ اضافت معنویہ کی ایک قسم بیانیہ ہے لہذا اس کا معنی یہ ہے اَلمبنیُّ الذی ھُوَ الاصلُ فی البنَاءِ یعنی وہ مبنی جو بناء میں اصل ہو اور ظاہر ہے حرف و امر حاضر و فعل ماضی بناء میں اصل ہیں۔

قولہ وھُوَ الماضِیْ۔ مبنی اصل سے متعلق سوال کیا گیا کہ وہ کتنے ہیں اور کون کون ہیں؟ تو جواب دیا گیا کہ وہ تین ہیں ایک فعل ماضی ہے دوسرا امر حاضر ہے تیسرا حروف ہیں۔ علامہ زمخشری نے جملہ کو بھی مبنی اصل میں شمار کیا ہے جس کو عنقریب بحث مبنی میں بیان کیا جائے گا۔ سوال شارح نے امر کو بغیر لام کیساتھ مقید کیا ہے حالانکہ نحویوں کے نزدیک امر حقیقۃً وہی ہوتا ہے جو بغیر لام ہو اس لئے اس کو مطلقاً امر حاضر کہا جاتا ہے کیونکہ جو لام کے ساتھ ہوتا ہے وہ امر نہیں بلکہ مضارع مجزوم ہے۔ جواب نحویوں کے نزدیک امر اگرچہ بغیر لام ہی ہوتا ہے لیکن چونکہ صرفیوں کے نزدیک امر باللام اور بغیر لام دونوں

Marfat.com

ہوتا ہے اس لئے مبتدیوں کی خاطر اس قید کا اضافہ کیا گیا جو علم صرف سے فارغ ہوتے ہی علم نحو کی طرف مائل ہوتے ہیں۔

اِعْلَمْ اَنَّ صاحب الکشّافِ جعلَ الْاَسْمَاءَ المعدُودۃَ العَاریۃَ عن المشابھۃِ المذکُورۃِ معربۃً وَلَیْسَ النزاعُ فی المعرَبِ الّذی ھُواسمُ مفعولٍ مِنْ قولکَ اَعربتُ فانّ ذلکَ لایحصلُ الا باجراءِ الاعرابِ علیٰ اٰخرِ الکلمۃِ بعدَ التّرکیبِ بل فی المعربِ اصطلاحًا نا عتبرالعلامۃُ مجردَ الصلاحیۃِ لاستحقاقِ الاَعْرابِ بعد التّرکیبِ وھوالظاھرُ مِنْ کلامِ الامامِ عَبْدِالقاھرِ

ترجمہ: ــــ معلوم کیجئے کہ صاحب کشاف علامہ زمخشری نے ان اسماء معدودہ کو جو مشابہت مذکورہ سے خالی ہیں معرب قرار دیا ہے اور اختلاف اس معرب میں نہیں جو آپکے قول اَعربتُ سے اسم مفعول ہے اس لئے کہ وہ آخر کلمہ پر ترکیب کے بعد اعراب کو جاری کرنے ہی سے حاصل ہوتا ہے بلکہ اختلاف معرب اصطلاحی میں ہے پس علامہ زمخشری نے ترکیب کے بعد استحقاق اعراب محض صلاحیت کا اعتبار کیا ہے اور یہی امام عبدالقاہر جرجانی کے کلام سے ظاہر ہے۔

تشریح: ــــ قولہ اِعْلَمْ اَنَّ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ علامہ ابن حاجب نے معرب کی تعریف میں مرکب کی قید کو بیان کیا ہے علامہ زمخشری نے نہیں آخر اس اختلاف کا نتیجہ کیا ہے؟ جواب یہ کہ اسماء معدودہ جو مشابہت مذکورہ سے عاری ہیں مثلاً با۔ تا۔ زید۔ بکر وغیرہ علامہ زمخشری کے نزدیک معرب ہیں اس لئے انہوں نے تعریف میں مرکب کی قید کو بیان نہیں کیا اور علامہ ابن حاجب کے نزدیک وہ مبنی ہیں اس لئے اُنہوں نے بیان کیا ہے۔ خیال رہے کہ صاحب کشاف وصاحب مفصل دونوں زمخشری کے القاب ہیں اور شرح میں علامہ سے یہی مراد ہیں۔

قولہ وَلَیْسَ النزاعُ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ اسماء معدودہ پر جب داخل نہ ہوگا تو اسے معرب کیسے قرار دیا جائیگا؟ حالانکہ اعراب عامل ہی سے پیدا ہوتا ہے جواب یہ کہ معرب کے دو معنی ہیں ایک لغوی جو "منی اعراب دیا ہوا ہے" دوسرا اصطلاحی جو تعریف میں گذرا اسماء معدودہ بالاتفاق معرب لغوی نہیں لیکن معرب اصطلاحی تو علامہ زمخشری اس کے قائل ہیں کیونکہ انکے نزدیک معرب اصطلاحی وہ ہے جو ترکیب کے بعد محض صلاحیت اعراب کا مستحق ہو سکے اور وہ اسماء معدودہ میں موجود ہے کہ اس میں حصول استحقاق اگرچہ بالفعل نہیں کیونکہ

Marfat.com

وہ ترکیب کے بعد متحقق ہوتا ہے لیکن محض صلاحیت اعراب کا استحقاق موجود ہے۔ یہی عبدالقاہر جرجانی کے کلام سے بھی ظاہر ہے ۔ علامہ ابن حاجب اسماء معدودہ کو مبنی قرار دیتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک معرب اصطلاحی وہ ہے جو صلاحیت اعراب کیساتھ حصول استحقاق بالفعل بھی ہو وہ اسم ترکیب کے بعد اعراب کا بالفعل متحقق بھی ہو مثلاً جاءنی زید میں زید سکون دال کے ساتھ بالفعل اس امر کا مستحق ہے کہ اس پر اعراب دیا جائے پس اگر اعراب دیا گیا تو وہ معرب اصطلاحی کے ساتھ معرب لغوی بھی ہو جائیگا اور یہ اسماء معدودہ نہیں ہوتے کیونکہ بالفعل حصول استحقاق ترکیب کے بعد ہی ہوتا ہے اور ترکیب عامل سے ہوتی ہے اور اسماء معدودہ کے لئے عامل ہی نہیں ہوتا

وَاعتبر المصنفُ مع الصلاحیۃِ حصولَ الاستحقاقِ بالفعلِ ولھذا اَخذَ التَرکیبَ فی تعریفہٖ وَ امّا وجودُ الاعرابِ بالفعل فی کونِ الاسمِ معربًا فلم یعتبرہُ احدٌ ولذٰلک یقالُ لِمَ تعربُ الکلمۃُ وھی معربۃٌ

ترجمہ: ــــ اور مصنف کافیہ نے صلاحیت کے ساتھ حصول استحقاق بالفعل کا بھی اعتبار کیا ہے اس لئے اُنھوں نے معرب کی تعریف میں ترکیب کو بیان فرمایا ہے اور لیکن اسم کے معرب ہونے میں اعراب کا بالفعل موجود ہونا تو اس کا کسی نے اعتبار نہیں کیا ہے اسی وجہ سے کیا جاتا ہے کہ کلمہ کو تم نے اعراب کیوں نہیں دیا حالانکہ وہ معرب ہے۔

تشریح :ــــ قولہ مع الصلاحیۃ۔ سوال استحقاق بالفعل صلاحیت کو لازم ہے لہذا استحقاق بالفعل کے ساتھ صلاحیت کا ذکر فضول ہے ۔ جواب معرب مبنی کا بالمقابل ہے اور مبنی میں استحقاق بالفعل کے ساتھ صلاحیت کا بھی ذکر ہے اور وہ یہ ہے مالا یکونُ فیہ صلاحیۃُ کالمبنی الاَصلِ ولا اِستحقاقَ بالفعلِ کالاسماءِ المعدُودۃِ ۔ یعنی مبنی وہ ہے جس میں صلاحیت اعراب نہ ہو جیسے مبنی اصل اور نہ استحقاق بالفعل ہو جیسے اسماء معدودہ اس لئے معرب میں بھی دونوں کا ذکر کیا گیا تاکہ ۔ ولزنی کا تہ اما ۔ ۔ ۔ رہے ۔

قولہ وامّا وجود ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مصنف کے نزدیک جب معرب میں صلاحیت اعراب کے ساتھ استحقاق بالفعل ضروری ہے تو کیا اعراب کا بالفعل ہونا بھی ضروری ہے ؟ جواب یہ کہ معرب کے لئے بالفعل اعراب کا ہونا مصنف ہی نہیں بلکہ کسی نے بھی اس کا اعتبار نہیں کیا ہے اسی وجہ سے کہا جاتا ہے لِمَ تعرب الکلمۃ وھی معربۃ یعنی اسم جب کسی دوسرے لفظ سے مرکب ہو اور اس کے ساتھ اس کا عامل بھی ہو

Marfat.com

اور اس پر اعراب نہ دیا گیا ہو تو یہ مقولہ بولا جاتا ہے کہ اسم کو تم نے اعراب کیوں نہیں دیا حالانکہ وہ معرب ہے مطلب یہ کہ وہ باتفاق معرب اصطلاحی ہے لیکن اس پر اعراب بالفعل نہیں دیا گیا ہے ۔

وَاِنَّمَا عدلَ المصنّفُ عمّا هو المشهورُ عند الجمهورِ مِنْ اَنّ المعربَ ما اختلف آخرُهٗ باختلافِ العواملِ لانّ الغرضَ من تدوينِ النحوِ اَنْ يُعرفَ بهٖ اَحوالُ اواخرِ الكلمةِ فى التركيبِ مِنْ لم يتتبع لغةَ العربِ ولم يعرفْ احكامَها بالسَّماعِ منهم فانّ العارفَ باَحكامِها كذلك مُستغنٍ عن النحوِ ولا فائدةَ معتدًّا بها فى معرفةِ اصطلاحاتِهم فالمقصودُ مِنْ معرفةِ المعربِ مثلاً اَنْ يعرفَ اَنّهٗ ممّا يختلفُ آخرُهٗ فى كلامهم ليجعلَ آخرَهٗ مختلفًا نيطابقَ كلامهم فمعرفتُهٗ متقدمةٌ على معرفةِ اَنّهٗ مما يختلفُ آخرُهٗ فلوكانَ معرفتُهٗ المتقدمةُ حاصلةً لمعرفةِ هذا الاختلافِ وتعريفُهٗ بهٖ وجبَ اَنْ يعرفَ اوّلاً بانّهٗ مما يختلفُ آخرُهٗ ليعرفَ اَنّهٗ ممّا يختلفُ آخرُهٗ فيلزمُ تقدمُ الشىءِ على نفسهٖ فينبغى اَنْ يعرفَ اوّلاً بغيرِ ما عرّفهُ بهِ الجمهورُ ويجعلُ ما عرّفوهُ بهٖ من جملةِ احكامهٖ كما فعلهُ المصنّفُ

ترجمہ: ــــــ اور مصنف نے اس تعریف سے جو مشہور عند الجمہور ہے کہ معرب وہ ہے جس کے آخر عوامل کے اختلاف سے مختلف ہو اس لئے عدول فرمایا کہ علم نحو کی تدوین سے مقصود یہ ہے کہ جس سے ترکیب میں اواخر کلمہ کے احوال کو وہ جانے جو لغت عرب کی تلاش نہ کرتا ہو اور نہ ہی ان کے احکام کو ان لوگوں سے سن کر معلوم کیا ہو اس لئے کہ اواخر کلمہ کے احوال کو جاننے والا نحو سے اسی طرح مستغنی ہوتا ہے اور ان لوگوں کے اصطلاحات کی معرفت کا ان کو کوئی فائدہ معتد بہا حاصل نہیں ہوتا پس معرب کی معرفت سے مقصود مثلاً یہ ہے کہ یہ جانا جائے کہ معرب اس میں سے ہے کہ جس کے آخر اہل عرب کے کلام میں مختلف ہوتا ہے تاکہ اس کے آخر کو مختلف کیا جائے پس کلام عرب کے مطابق ہو جائے لہذا معرب کی معرفت اس امر کی معرفت پر مقدم ہے کہ معرب اس میں سے ہے کہ جس کے آخر مختلف ہوتا ہے پس اگر اس کی معرفت متقدمہ اس اختلاف کی معرفت سے حاصل ہو اور اس کی تعریف اس سے حاصل ہو تو ضروری ہے پہلے معرب کی تعریف اس طرح سے کی جائے کہ معرب اس میں سے ہے کہ جس کا آخر مختلف ہوتا ہے تاکہ یہ جانا جائے کہ معرب اس میں سے ہے کہ جس کا آخر مختلف ہوتا ہے پس تقدم الشیٔ علیٰ نفسہ لازم آئیگا اس لئے مناسب ہے پہلے معرب کی تعریف اس تعریف کے غیر سے کی جائے جس کو جمہور نے بیان کیا ہے اور جس تعریف کو جمہور نے بیان کیا ہے اس کو جملۂ احکام سے کر دیا جائے جیسا کہ اس کو مصنف علیہ الرحمہ نے کیا ہے

Marfat.com

تشریح: — قولہ وَاِنَّمَا عدل ۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ معرب کی تعریف جو مشہور بین الجمہور ہے وہ یہ ہے ما اختلف آخرہٗ باختلاف العواملِ یعنی وہ اسم ہے جس کے آخر عوامل کے اختلاف سے مختلف ہو مصنّف نے اس سے کیوں عدول فرمایا؟ جواب یہ کہ تعریف مشہور پہ دور لازم آتا ہے اس لئے کہ اختلاف آخر کی معرفت معرب کی معرفت پر موقوف ہے اور معرب کی معرفت تعریف مشہور کے مطابق اختلاف آخر کی معرفت پر موقوف ہے کیونکہ محدود کی معرفت حد کی معرفت پر موقوف ہوتی ہے لہذا اختلاف آخری معرفت اختلاف آخر کی معرفت پر موقوف ہوئی پس تقدم الشئ علیٰ نفسہ لازم آیا جس کو دور کہتے ہیں اور یہ محال ہے ۔ سوال تعریف مشہور پر جب استحالہ لازم آتا ہے تو انہوں نے ایسی تعریف کیوں بیان کی جس سے استحالہ لازم آئے جواب جمہور نے تعریف مذکور کو اختلاف آخر کا موقوف علیہ نہیں بنایا ہے بلکہ مقصد آخر مثلاً حدوث و اعراب وغیرہ کا موقوف علیہ بنایا ہے لہذا دور لازم نہ آئیگا ۔ سوال جب تو جمہور کی تعریف درست ہوئی مصنف نے اس سے عدول کیوں فرمایا؟ جواب جمہور کی تعریف تکلّف درست ہوتی ہے اس لئے مصنف نے وہ تعریف بیان فرمائی جس سے تکلف لازم نہ ہو ۔

قولہ لان الغرض ۔ جمہور کی تعریف پر تقدم الشئ علیٰ نفسہ لازم آتا ہے جس کو دور کہتے ہیں اس کا تفصیلی بیان ایک مقدمہ پر مبنی ہے جس کو علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ موضوع مسئلہ کی تعریف سے مقصود یہ کہ وہ ایسی چیز سے ہو جس کو اگر حد اوسط قرار دیا جائے تو موضوع کا حکم اس کے افراد تک متعدی کر سکتے ہیں مثلاً ایک مسئلہ ہے اَلفَاعِلُ مرفوعٌ جس کا موضوع اَلفَاعِلُ ہے اور حکم مرفوع ہے اور فاعل کی تعریف ما اُسند الیہ الفِعلُ اَوْ شبہہ علیٰ جھۃِ قیامہ بہ کو اگر حد اوسط قرار دیا جائے تو فاعل کا حکم اس کے افراد تک متعدی کر سکتے ہیں جیسے ضربَ زیدٌ میں زید فاعل کا ایک فرد ہے جس کی جانب حکم فاعل کو بایں طور متعدی کریں گے کہ ضربَ زیدٌ میں زید مرفوع ہے اس لئے کہ اس کی جانب فعل کی اسناد بطور قیام ہے اور ہر وہ شئ جس کی جانب فعل کی اسناد بطور قیام ہو وہ مرفوع ہوتی ہے لہذا زید مرفوع ہے پس اسی طرح المعربُ ما اختلف آخرہٗ باختلاف العَوامِل ایک مسئلہ ہے جس کا موضوع المعرب ہے اور حکم ما اختلف آخِرہٗ باختلاف العوامِل ہے جس کو مصنف کی تعریف کے مطابق معرب کے افراد کی جانب بغیر کسی فساد کے متعدی کر سکتے ہیں جیسے مثال مذکور میں زید معرب کا ایک فرد ہے جس کی جانب حکم کو بایں طور متعدی کریں گے کہ زیدٌ مَا اختلف آخرہٗ باختلاف العوامل (دوسری) ۔ لانہ معربٌ ای (صغریٰ) المرکب الذی لم یشبہہ مبنیَ الاَصْلِ و کُلّ معربٍ (کبریٰ) ای المرکب الذی لم یشبہہ مبنیَ الاَصْلِ ما اختلف آخرہٗ باختلاف

العوالَ ، فزیدٌ ما اختلفَ آخرہٗ باختلافِ العوَامِلِ ۔ برخلاف تعریف جمہور کہ اس تقدیر پر حکم مذکور کے متعدی کرنے میں تقدم الشیٔ علیٰ نفسہ لازم آتا ہے کیونکہ اگر ما قبل کی طرح یوں کہا جائے زیدٌ ما اختلفَ آخرہ باختلاف العوامل ۔ لانہ معربٌ ای ما اختلف آخرہٗ باختلاف العوامِلِ وکل معربٍ کذلک ای ما اختلاف آخرہٗ باختلافِ العوالِ ما اختلاف آخرہٗ باختلاف العوال ۔ فزیدٌ ما اختلاف آخرہٗ باختلاف العوامل تو نتیجہ عین صغریٰ ہو جائیگا اور نتیجہ صغریٰ پر موقوف ہوتا ہے اور موقوف علیہ مقدم اور موقوف مؤخر ہوتا ہے اور یہاں جب دونوں ایک ہونگے تو شیٔ اپنے نفس پہ مقدم ہوگی جس کو تقدم الشیٔ علیٰ نفسہ کہتے ہیں ۔

قولہ من لم یتتبع ۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ یہ تسلیم نہیں کہ اختلاف آخر کی معرفت معرب کی معرفت پر موقوف ہے کیونکہ جنکی مادری زبان عربی ہو وہ اختلاف آخر کو معرب کی معرفت کے بغیر پہچانتا ہے جواب یہ کہ علم نحو کی تدوین ان کے لئے ہوئی ہے جنکی مادری زبان عربی نہ ہو اور احوال اواخر سے واقفیت نہ ہو اور وہ جب اختلاف آخر کو جانے گا تو پہلے معرب کی معرفت حاصل کرے گا یعنی پہلے یہ معلوم کریگا کہ اسم معرب ہے پھر معلوم کریگا کہ اس کے آخر عوامل کے بدلنے سے مختلف ہو جاتا ہے لیکن جس کی مادری زبان عربی ہو اور وہ اختلاف آخر کو پہچانتا ہو اس کے لئے علم نحو کی تدوین ہی مقصود نہیں ۔

قولہ لا فائدۃ ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ جس کی مادری زبان عربی ہو وہ علم نحو سے بالکلیہ مستغنی نہیں ہوتا بلکہ فائدہ ضرور حاصل ہوتا ہے احکام سے وہ اگرچہ مستغنی ہوتا ہے لیکن اصطلاحات یعنی تعریفات وتقسیمات کی معرفت کا ضرور محتاج ہوتا ہے ۔ جواب یہ کہ عربی داں کے لئے اصطلاحات کی معرفت سے کوئی خاص فائدہ حاصل نہیں ہوتا کیونکہ وہ اختلاف آخر کو اس کے بغیر بھی جانتا ہے اور علم نحو کی تدوین سے یہی مقصود ہے

قولہ فالمقصود من ۔ اس سے یہ اشارہ ہے کہ فساد مذکور جمہور کی نفس تعریف میں نہیں بلکہ مقصود تعریف میں ہے یعنی تعریف فی نفسہ درست ہے کیونکہ وہ تعریف خارج محمول سے کی گئی ہے اور تعریف خارج محمول سے جائز ہے اور فساد مذکور تعریف کے پیش نظر ہے اور لفظ مثلاً سے اشارہ یہ ہے کہ معرفت معرب کے مقاصد کثیرہ ہیں جن میں سے بعض اختلاف آخر ہے جیسا کہ حکمہٗ کی تفسیر میں شارح نے من جملۃ احکام المعرب سے واضح فرمایا ہے

وحکمہٗ ای من جملۃ احکامِ المعربِ وآثارہ المترتبۃ علیہ من حیث ھو معربٌ ان یختلف آخرہٗ

Marfat.com

اَیُ الحرفُ الّذی ھُوَ آخرُ المعربِ ذاتًا بَانُ یتبدلَ حرفٌ بحرفٍ آخرَ حقیقۃً اَوحکمًا اذا کان اِعرابُہٗ بالحرفِ اَوصفۃً بَانُ یتبدل صفۃٌ بصفۃٍ اُخریٰ حقیقۃً اَوحکمًا اذا کان اعرابُہٗ بالحرکۃِ

ترجمہ: ــــ (اور معرب کا حکم) یعنی معرب کے جملہ احکام اور اس کے اس آثار میں سے جو معرب پر معرب ہونے کی حیثیت سے مرتب ہوتے ہیں (یہ ہیکہ اس کا آخر مختلف ہو) یعنی وہ حرف جو معرب کے آخر ہے ذات کے اعتبار سے بایں طور مختلف ہو کہ ایک حرف دوسرے حرف سے حقیقۃً یا حکمًا بدل جائے جب کہ معرب کا اعراب بالحرف ہو یا وصف کے اعتبار سے بایں طور مختلف ہو کہ ایک صفت دوسری صفت سے حقیقۃً یا حکمًا بدل جائے جب کہ معرب کا اعراب بالحرکۃ ہو۔

تشریح: ــ بیانہ حکمہ، معرب کی تعریف کے بعد اب اس کے حکم کو بیان کیا جاتا ہے کیونکہ تعریف کی طرح حکم بھی موجب انکشاف ہوتا ہے

قولہ اَیُ من جملۃ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ ہم نہیں مانتے کہ معرب کا حکم اختلاف آخر ہے اس لئے کہ بعض اسماء معدودہ جو اپنے عامل کیساتھ ابتداءً مرکب ہے اس کا حکم حدوث اعراب ہے اختلاف اعراب نہیں جواب یہ کہ حکمُ ان یختلفَ قضیہ مہملہ ہے جو بمنزلۂ قضیہ جزئیہ ہوتا ہے جس کا مطلب یہ کہ اختلاف آخر معرب کا بعض حکم ہے کل نہیں یعنی معرب کا حکم اختلاف آخر کے علاوہ مثلاً حدوث اعراب بھی ہے لیکن اختلاف اعراب کو اس لئے بیان کیا گیا تاکہ معرب کی تعریف جمہور سے سبب عدول کی طرف اشارہ ہو جائے۔

قولہ آثارہ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ حکم اسناد کو کہتے ہیں جو دو کلموں کے درمیان ہوتی ہے لہذا حکم مرکب میں ہوگا اور معرب مفرد ہے کیونکہ وہ از قسم اسم ہے اور اسم مفرد ہوتا ہے لہذا حکم کی اضافت مفرد کی طرف درست نہ ہوئی جواب یہ کہ حکم کا اطلاق چار معنوں پر ہوتا ہے (۱) اس اثر پر جو شئی پر مرتب ہو (۲) خطاب باری تعالیٰ پر جو افعال مکلفین کے ساتھ متعلق ہے (۳) اسناد یعنی نسبت تامہ پر جو دو کلموں کے درمیان ہوتی ہے (۴) اذعان پر جو نسبت حکمیہ کیساتھ متعلق ہے اور یہاں حکم سے پہلا معنی اثر مرتب مراد ہے۔

قولہ المرتبۃ علیہ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اب بھی حکم کی اضافت معرب کی طرف درست نہیں ہے اس لئے کہ اثر مؤثر کا ہوتا ہے اور اختلاف آخر عامل کا اثر ہے معرب کا نہیں۔ جواب یہ کہ اثر مؤثر ہی کا ہوتا ہے اور معرب چونکہ اس اثر کا محل ہے جس پر وہ مرتب ہوتا ہے اس لئے اس کی طرف اضافت کر دی گئی ہے لہذا یہ بربنائے علاقۂ محلیت ہے علاقۂ علیت نہیں جس طرح صوم رمضان میں صوم کی اضافت رمضان کی

Marfat.com

طرف کر دی گئی ہے حالانکہ رمضان صائم نہیں۔

قولہ مِنْ حیثُ ھو۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ معرب پر اختلاف اعراب کے علاوہ دوسرے اثرات بھی مرتب ہوتے ہیں مثلاً مرفوع ہوتا ہے اور منصوب ومجرور اور منون وغیرہ تو یہ تمام اثرات معرب کے حکم ہیں یا صرف پہلا؟ جواب معرب ہونیکی حیثیت سے صرف پہلا اثر معرب کا حکم ہے دوسرا نہیں کیونکہ معرب مرفوع ہوتا ہے لیکن فاعل ہونیکی حیثیت سے اور منصوب ہوتا ہے مفعول ہونیکی حیثیت سے اور مجرور ہوتا ہے مضاف الیہ ہونیکی حیثیت سے اسی طرح منون ہوتا ہے منصرف ہونیکی حیثیت سے اور غیر منون ہوتا ہے غیر منصرف ہونیکی حیثیت سے معرب ہونیکی حیثیت سے نہیں۔

قولہ اَیُّ الحرف الذی۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ جاءنی زیدٌ ورأیتُ زیدًا ومررتُ بزیدٍ میں زید معرب ہے لیکن اس کے آخر مختلف نہیں کیونکہ دال تینوں حالتوں میں باقی ہے۔ جواب یہ کہ آخر کا اختلاف عام ہے کہ اختلاف ذاتی ہو یا اختلاف صفتی اختلاف ذاتی یہ ہے کہ معرب کا آخری حرف بدل جائے جیسے جاءنی اَبُوکَ و رأیتُ اَبَاکَ ومررتُ بِاَبِیکَ جب کہ معرب بالحرف ہو اور اختلاف صفتی یہ ہے کہ معرب کی آخری حرکت بدل جائے جیسے جاءنی زیدٌ ورأیتُ زیدًا ومررت بزیدٍ جب کہ معرب بالحرکۃ ہو۔ سوال حرکت کو آخر کلمہ کی صفت قرار دیا گیا ہے حالانکہ صفت وہ ہوتی ہے جو موصوف کیساتھ قائم ہو اور حرکت درحقیقت آخر کلمہ کے ساتھ نہیں بلکہ متکلم کے ساتھ قائم ہوتی ہے اور اس لئے بھی کہ صفت موصوف پر محمول بحمل مواطات ہوتی ہے جیسے عالم زید پر اور ظاہر ہے حرکت آخر کلمہ پر محمول بحمل مواطات نہیں ہوتی۔ جواب صفت سے مراد یہاں وہ ہے جو تلفظ میں حرف کے تابع ہو اور ظاہر ہے حرکت تلفظ میں حرکت کے تابع ہے کہ اس کے بغیر حرکت کا تلفظ نہیں ہوتا۔ سوال زید کے آخر میں نون ساکن تینوں حالت میں ہے پس اس میں نہ اختلاف ذاتی ہے اور نہ اختلاف صفتی۔ جواب زید کا آخری حرف دال ہے جس پر اعراب رفع ونصب وجر تینوں لاحق ہوتے ہیں نون ساکن جس کو تنوین کہا جاتا ہے وہ ایک الگ کلمہ ہے جو حرف ہونیکی وجہ سے مبنی واقع ہے۔

قولہ حقیقۃً اوحکمًا۔ اختلاف ذاتی کی تعمیم اور اختلاف صفتی کی تعمیم سے اس سوال کا جواب دیا گیا ہے کہ تثنیہ وجمع مذکر سالم میں اعراب بالحرف ہے لیکن اس کے آخر میں بحالت نصب وجر اختلاف ذاتی نہیں ہوتا جیسے رأیتُ مسلمین ومررتُ بمسلمین اسی طرح غیر منصرف میں اعراب بالحرکت ہوتا ہے لیکن بحالت نصب وجر اختلاف صفتی نہیں ہوتا جیسے رأیت احمد ومررتُ باحمد جواب یہ کہ اختلاف ذاتی سے مراد عام ہے کہ حقیقی ہو یا حکمی اور تثنیہ وجمع میں اگرچہ اختلاف ذاتی حقیقی نہیں لیکن حکمی ضرور ہے اس لئے کہ یا ناصب کے داخل ہونے کے بعد حکمًا

Marfat.com

نصب بن جاتی ہے جس طرح جار کے داخل ہونے کے بعد حقیقۃً علامت جر بن جاتی ہے اسی طرح اختلاف صفتی سے بھی مراد عام ہے کہ حقیقی ہو یا حکمی اور غیر منصرف میں بھی اگرچہ اختلاف حقیقی نہیں ہے لیکن حکمی ضرور ہے کیونکہ فتحہ حرف جار کے داخل ہونے کے بعد حکمًا علامت جر بن جاتا ہے جس طرح ناصب کے داخل ہونے کے حقیقۃً علامت نصب بن جاتا ہے۔

باختلاف العوامل ای بسبب اختلاف العوامل الداخلۃ علیہ فی العمل بان یعمل بعض منہا خلاف ما یعمل البعض الآخر وانما خصصنا اختلافہا بکونہ فی العمل لئلا ینتقض بمثل قولنا ان زیدا مضروب وانی ضربت زیدا وانی ضارب زیدا او ان العامل فی زید أ فی ہذہ الصور مختلف بالاسمیۃ والفعلیۃ والحرفیۃ مع ان آخر المعرب لم یختلف باختلافہ

ترجمہ: — (عوامل کے اختلاف کے سبب) یعنی اسم معرب پر داخل ہونے والے عوامل کے اس طرح اختلاف فی العمل کے سبب کہ ان میں سے بعض دوسرے بعض کے خلاف عمل کرے اور ہم نے عوامل کے اختلاف کو عمل میں ہونے کے ساتھ اس لئے خاص کیا ہے کہ ہمارے قول ان زیدا مضروب اور انی ضربت زیدا اور انی ضارب زیدا جیسے جملوں سے نہ ٹوٹ جائے کیونکہ ان صورتوں میں زیدًا میں عامل اسمیت وفعلیت وحرفیت کے اعتبار سے مختلف ہے اس کے باوجود معرب کا آخر عامل کے اختلاف کے سبب مختلف نہیں۔

تشریح: — بیانہ العوامل۔ سوال عوامل جمع ہے عامل کی حالانکہ عامل صیغۂ صفت ہے جس کی جمع فواعل کے وزن پر نہیں آتی۔ جواب عامل اگرچہ صیغۂ صفت ہے لیکن نحویوں کے نزدیک مابہ یقوم المعنی المقتضی للاعراب کا اسم ہوگیا ہے اور فاعل کے وزن پر اگر اسم جامد ہو تو اس کی جمع فواعل کے وزن پر آتی ہے جیسے کاہل جو بمعنی شانہ ہے اس کی جمع کواہل آتی ہے۔ سوال عوامل جمع کا اطلاق کم از کم تین عامل پر ہوگا لہذا معرب کم از کم تین عامل کے دخول سے ہی مختلف ہوگا حالانکہ دو عامل کے دخول سے بھی وہ مختلف ہوجاتا ہے۔ جواب جمع سے یہاں ما فوق الواحد یعنی ایک سے زائد مراد ہے ایسا ہی فن کی تمام تعریفات واحکام میں جمع سے ما فوق الواحد مراد ہے یا یہ کہ عوامل جمع مکسر ہے جس پر الف جنسی داخل ہوتا ہے تو اسکی جمعیت باطل ہوجاتی ہے اس لئے یہاں جنس عامل مراد ہے۔

قولہ ای بسبب اختلاف۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ با کبھی استعانت کے لئے آتا ہے اور کبھی مصاحبت کے لئے اور کبھی سبب کے لئے اور باختلاف العوامل میں با ان تینوں میں سے کس کے لئے آیا ہے؟ جواب یہ کہ با

Marfat.com

سبب کے لیئے آیا ہے کہ معرب کے آخر ان ہی عوامل کی وجہ سے مختلف ہوتا ہے

قولہ الداخلۃ علیہ ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ کبھی مبنی کے آخر بھی مختلف ہوتا ہے مثلاً منذُ بمنذِ فیہِ میں ضمیر غائب میں اختلاف ہے لہذا اختلاف آخر معرب کا حکم نہ ہوا کہ وہ جس کا حکم ہوتا ہے اس کیساتھ خاص ہوتا ہے اور یہ غیر میں بھی پایا جاتا ہے ۔ جواب یہ کہ اختلاف آخر جو معرب کا حکم ہے مطلق نہیں بلکہ وہ ہے جس کا سبب اختلاف عامل ہو اور ظاہر ہے یہاں ضمیر غائب کے اختلاف کا سبب اختلاف عامل نہیں کیونکہ اس پر کوئی عامل داخل نہیں ہے سوال کبھی مَنْ استفہامیہ کے آخر میں بھی اختلاف ہوتا ہے مثلاً جب کوئی جاء زیدٌ کہتا ہے تو سوال ہوتا ہے منو یعنی کون مرد آیا اور جب کوئی رائیت زیدًا کہتا ہے تو سوال ہوتا ہے منا یعنی تم نے کس مرد کو دیکھا اور جب کوئی مررتُ بزیدٍ کہتا ہے تو سوال ہوتا ہے منی یعنی تو کس مرد کے پاس سے گذرا ۔ من استفہامیہ مبنی ہے جس کے آخر میں اختلاف ہوتا ہے حالانکہ اختلاف آخر معرب کیساتھ خاص ہے ۔ جواب مَنْ استفہامیہ کے عوامل مقدر ہیں لیکن اس کے آخر میں اختلاف عوامل کی وجہ سے نہیں بلکہ رجل کے عوامل کے مختلف ہونیکی وجہ سے رجل کے آخر میں جو اختلاف پیدا ہوا ہے وہی اعراب حکائی من استفہامیہ پر ہے ۔

قولہ انما خصصنا ۔ یہ جواب اس سوال کا کہ اِنَّ زیدًا مضروبٌ واِنی ضربتُ زیدًا واِنی ضاربٌ زیدًا میں عامل کا اختلاف ہے کہ پہلا حرف ہے دوسرا فعل تیسرا اسم پھر بھی زید کے آخر میں اختلاف نہیں کیونکہ تینوں صورتوں میں منصوب ہے ۔ جواب یہ کہ اختلاف عوامل سے مراد یہ ہے کہ عمل میں اختلاف ہو اور یہاں عمل میں نہیں بلکہ حرف و فعل و اسم ہونے میں اختلاف ہے

لفظًا اَوْ تقدیرًا نُصِبَ علیٰ تمیزہٖ ای یختلفُ لفظُ آخرہٖ اَوْ تقدیرہٖ اَوْ علیٰ المصدریۃِ ای یختلفُ اختلافُ لفظٍ اوتقدیرٍ والاختلافُ لفظًا کما فی قولک جاءنی زیدٌ ورایتُ زیدًا ومررتُ بزیدٍ وتقدیرًا کما فی قولک جاءنی فتیً ورایتُ فتیً ومررتُ بفتیً فانَّ اصلہٗ فتیٌ وفتیًا وبفتیٍ انقلبت الیاءُ الفًا فصار الاعرابُ تقدیرًا

ترجمہ: ــــ (لفظًا یا تقدیرًا) نصب برنبائے تمیز ہے یعنی معرب کے آخر کا لفظ یا آخر کی تقدیر مختلف ہو یا نصب برنبائے مصدریت ہے یعنی معرب کا آخر لفظ یا تقدیر کے اختلاف سے مختلف ہو جائے اور اختلاف لفظی جیسے کہ آپ کے قول جاءنی زیدٌ ورایت زیدًا ومررتُ بزیدٍ میں ہے اور اختلاف تقدیری جیسے کہ آپکے قول جاءنی فتیً اور رایت فتیً اور

Marfat.com

مررتُ بفتیً ہے کیونکہ اس کی اصل فتیٌ اور فتیًا اور بفتیٍ ہے یا الف سے بدل گئی پس اعراب تقدیری ہوگیا

تشریح:۔ قولہ نصب علی التمیز۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ متن میں لفظًا او تقدیرًا کو نصب کی وجہ کیا ہے ؟ جواب یہ کہ نسبت سے تمیز واقع ہے یا مفعول مطلق ہے اور جو تمیز نسبت سے واقع ہوتی ہے وہ کبھی فاعل ہوتی ہے جیسے طابَ زیدٌ نفسًا بمعنی طابَ نفسُ زیدٍ ہے اور کبھی مفعول ہوتی ہے فجرنا الارضَ عیونًا بمعنی فجرنا عیون الارض اور یہاں یختلفُ چونکہ فعل لازم ہے اس لئے تمیز فاعل واقع ہوگی یعنی یختلفُ آخرہٗ لفظًا او تقدیرًا بمعنی یختلف لفظُ آخرہٖ او تقدیرہٗ ہے

قولہ او علی المصدریۃ ۔ یعنی لفظًا او تقدیرًا کو نصب بر بنائے مصدریت یعنی مفعول مطلق کی بناء پر ہے لیکن اس صورت میں یہ سوال ہوسکتا ہے کہ مفعول مطلق فعل مذکور کے معنی میں ہوتا ہے اور یہاں یختلفُ اور لفظًا او تقدیرًا کا معنی الگ الگ ہے تو اس کا جواب یہ کہ مفعول مطلق درحقیقت اختلاف مصدر ہے جو مضاف محذوف ہے جس کا مضاف الیہ لفظًا او تقدیرًا ہے اصل عبارت یہ ہے یختلفُ اختلافَ لفظِہٖ او تقدیرِہٖ مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو مجاز بالحذف کے طور پر اس کے قائم مقام کر دیا گیا اور جو اعراب مضاف کا تھا وہی مضاف الیہ کو دے دیا گیا بعض کا خیال ہے کہ مفعول مطلق اختلافًا مصدر ہے جو موصوف محذوف ہے جس کی صفت لفظًا او تقدیرًا ہے مفعول مطلق کو حذف کر کے اس کی صفت کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا لیکن اس صورت میں چونکہ لفظًا او تقدیرًا اختلاف کی حقیقۃً صفت نہ ہوسکے گا اس لئے لفظیًا او تقدیریًا مراد لیا جائیگا اسی تکلف کی بناء پر شارح علیہ الرحمہ نے اس احتمال کو چھوڑ دیا ۔ کچھ شارحین نے لفظًا او تقدیرًا کو یختلف کے فاعل آخرہٗ سے حال قرار دیا ہے لیکن اس صورت میں مجاز لغوی کے طور پر لفظ بمعنی ملفوظ اور تقدیر بمعنی مقدر ہوگا کیونکہ حال ذوالحال پر محمول ہوتا ہے اور لفظ و تقدیر مصدر ہیں جو محمول ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتے لہٰذا اصل عبارت یہ ہوگی یختلف آخرہٗ ملفوظًا او مقدرًا

واضح ہو کہ مجاز کی تین صورتیں ہیں (۱) مجاز لغوی (۲) مجاز فی الحذف (۳) مجاز فی النسبۃ ۔ مجاز لغوی کہتے ہیں کلمہ کو غیر موضوع لہٗ میں استعمال کرنا جیسے خلق کو بمعنی مخلوق اور لفظ کو بمعنی ملفوظ اور قتل کو بمعنی مقتول استعمال کرنا اس کا دوسرا نام مجاز فی الطرف بھی ہے ۔ مجاز فی الحذف کہتے ہیں ایک کلمہ کو حذف کر کے دوسرے کلمہ کو اس کے قائم مقام کرنا جیسے واسئل القریۃ دراصل واسئل اہل القریۃ تھا اہل کو حذف کر کے قریہ کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا ہے اس کا دوسرا نام مجاز فی الاعراب بھی ہے ۔ مجاز فی النسبۃ کہتے ہیں فعل یا معنیٔ فعل کی نسبت کو اس شئی کی طرف کرنا کہ جس طرف وہ حقیقۃً منسوب نہ ہو جیسے نھر جارٍ میں جارٍ کی نسبت ۔ اس کا دوسرا نام مجاز عقلی بھی ہے ۔

قولہ وا لاختلاف لفظًا۔ اس عبارت سے اختلاف لفظی و تقدیری کی مثالیں بیان کی جاتی ہیں

Marfat.com

اختلاف لفظی کی مثال یہ ہے جیسے جاءنی زیدٌ ورایتُ زیدًا ومررتُ بزیدٍ یہ معرب بالحرکۃ میں ہے لیکن معرب بالحرف میں یہ ہے جاءنی ابوکَ ورایتُ اباکَ ومررتُ بابیکَ اور اختلاف تقدیری مثال یہ ہے جیسے جاءنی فتیً و رایتُ فتیً ومررتُ بفتیً کیونکہ اس کی اصل یہ ہے فتیٌ وفتیًا بفتیٍ یہ معرب بالحرکۃ میں ہے لیکن معرب بالحرف میں یہ ہے ھی عصًا واَخذتُ عصًا وضربتُ بعصًا۔ ھی عصًا میں عصًا دراصل عصوٌ واؤ مضموم ماقبل مفتوح تھا اس لئے اس واؤ کو الف سے بدل دیا گیا عصاً ہوا اور عصًا میں الف ہے اور الف ہمیشہ ساکن ہوتا ہے اس لئے اس پر اعراب لفظی نہیں آتا بلکہ اس کا اعراب تقدیری ہوتا ہے

وَالاختلافُ اللفظیُ والتقدیریُ اَعمُّ مِنْ انْ یکونَ حقیقۃً اوْ حکمًا کما اَشرنا الیہ لئلّا ینتقضَ بمثل قولنا رایتُ احمدَ ومررتُ باحمدَ وقولنا رایتُ مسلمین ومررتُ بمسلمین مثنًی اَوْ مجموعًا فانّہٗ قد اُختلِفَ العوامِلُ فیہ وَلا اِختلافَ فی آخرِ احمدَ حقیقۃً بل حکمًا فانّ فتحۃَ احمد بعد النّاصبِ علامۃُ النصبِ وبعد الجارِ علامۃُ الجرِّ وکذا الحالُ فی التثنیۃِ والجمع فآخرُ المعربِ فی ھٰذہِ الصُورِ یختلفُ باختلافِ العوامِلِ حکماً لاحقیقۃً

ترجمہ: ــــ اور اختلاف لفظی واختلاف تقدیری اس امر سے عام ہیں کہ حقیقۃً ہوں یا حکمًا جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا ہے تاکہ ہمارے قول رایتُ احمدَ اور مررتُ باحمدَ اور ہمارے قول رایتُ مسلمین اور مررتُ بمسلمین بحالت تثنیہ وجمع کی مثل سے نہ ٹوٹ جائے اس لئے کہ اس میں عوامل مختلف ہیں اور احمد کے آخر میں حقیقۃً کوئی اختلاف نہیں بلکہ حکمًا اختلاف ہے کیونکہ احمد کا فتحہ ناصب کے داخل ہونے کے بعد علامت نصب ہے اور جار کے داخل ہونے کے بعد علامت جر ہے اور یہی حال تثنیہ وجمع کا ہے پس معرب کا آخر ان صورتوں میں عوامل کے اختلاف سے حکمًا مختلف ہے حقیقۃً نہیں۔

تشریح: ــــ قولہ والاختلافُ اللفظی۔ اس عبارت سے اختلاف لفظی واختلاف تقدیری کے اقسام اور انکی مثالیں بیان کی جاتی ہیں کہ اختلاف لفظی کبھی حقیقی ہوتا ہے اور کبھی حکمی اسی طرح اختلاف تقدیری بھی کبھی حقیقی ہوتا ہے اور کبھی حکمی اس طرح کل چار قسمیں ہو جائیں گی۔ پھر ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں ذاتی اور صفتی پس کل آٹھ قسمیں ہو جائیں گی جنکی مثالیں یہ ہیں (۱) اختلاف لفظی ذاتی حقیقی جیسے جاءنی ابوکَ ورایتُ اباکَ ومررتُ بابیکَ (۲) اختلاف لفظی ذاتی حکمی جیسے رایتُ مسلمین ومررتُ بمسلمین (۳) اختلاف تقدیری ذاتی حکمی جیسے جاءنی ابوالقوم ورایتُ ابالقوم

Marfat.com

ومررتُ بابی القوم (۴) اختلاف تقدیری ذاتی حکمی جیسے رائیتُ مسلمی القوم ومررتُ بمسلمی القوم (۵) اختلاف لفظی صفتی حقیقی جیسے جاءنی زیدٌ ورائیتُ زیدًا ومررتُ بزیدٍ (۶) اختلاف لفظی صفتی حکمی جیسے رائیتُ عمرَ ومررت بعمرَ (۷) اختلاف تقدیری صفتی حقیقی جیسے جاءنی فتیً ورائیتُ فتیً ومررتُ بفتیً (۸) اختلاف تقدیری صفتی حکمی جیسے رائیتُ ہلیٰ ومررت بہلیٰ غیر منصرف ہونیکی وجہ سے جر کی حالت میں بھی اس پر فتحہ تقدیری ہوتا ہے جو جر علامت ہے

قولہ لئلا ینتقض ۔ یعنی جب اختلاف لفظی اور اختلاف تقدیری عام ہوگئے کہ حقیقی ہوں یا حکمی تو اس سے اس سوال کا بھی جواب ہوگیا کہ رائیتُ احمد ومررتُ باحمد میں عوامل کا اختلاف ہے لیکن احمد میں کوئی اختلاف نہیں اسی طرح رائیتُ مسلمین ومررتُ بمسلمین میں بھی عوامل کا اختلاف ہے لیکن مسلمین میں کوئی اختلاف نہیں حالانکہ دونوں معرب ہیں ۔ جواب یہ کہ ایک اختلاف لفظی ہے دوسرا تقدیری پھر ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں حقیقی وحکمی جیسا کہ گذرا اور مثال اول میں احمد کے اندر اگرچہ اختلاف لفظی حقیقی نہیں لیکن حکمی ضرور ہے کیونکہ احمد کا فتحہ ناصب کے داخل ہونے کے بعد حقیقۃً علامت نصب ہے جس طرح جار کے داخل ہونے کے بعد حکمًا علامت جر ہے یہی حال دوسری مثال میں مسلمین کا ہے کہ یا ناصب کے داخل ہونے کے بعد حکمًا علامت نصب ہے جس طرح جار کے داخل ہونے کے بعد حقیقۃً علامت جر ہے ۔

فَاِنْ قُلْتَ لَا یَتَحَقَّقُ الْاِخْتِلَافُ لَا فِی آخِرِ الْمُعْرَبِ وَلَا فِی الْعَوَامِلِ اِذَا رُکِّبَ بَعْضُ الْاَسْمَاءِ الْمَعْدُوْدَۃِ الْغَیْرِ الْمُشَابِھَۃِ لِمَبْنِیِّ الْاَصْلِ مَعَ عَامِلِہٖ اِذْ لَا یَتَرَتَّبُ عَلَیْہِ اِخْتِلَافُ الْاِعْرَابِ بَلْ ھُنَاکَ حُدُوْثُ الْاِعْرَابِ بِدُخُوْلِ الْعَامِلِ قُلْتُ ھٰذَا حُکْمٌ آخَرُ مِنَ الْاَحْکَامِ الْمُعْرَبِ وَالْاِخْتِلَافُ حُکْمٌ آخَرُ فَلَوْ لَمْ یَدْخُلْ اَحَدُ الْحُکْمَیْنِ فِی الْآخَرِ لَا فَسَادَ فِیْہِ نَانَّ لِلْمُعْرَبِ اَحْکَامًا کَثِیْرَۃً لَمْ تُذْکَرْ ھٰھُنَا فَلْیَکُنْ ھٰذَا الْحُکْمُ مِنْ ھٰذَا الْقَبِیْلِ غَایَۃُ الْاَمْرِ اَنَّ ھٰذَا الْحُکْمَ لَا یَکُوْنُ مِنْ خَوَاصِّہِ الشَّامِلَۃِ

ترجمہ :۔۔۔ پس اگر آپ سوال کریں کہ اختلاف نہ معرب کے آخر میں متحقق ہے اور نہ عوامل میں جب کہ بعض اسماء معدودہ جو مبنی اصل کے مشابہ نہیں اپنے عامل کیساتھ مرکب ہو ۔ اس لئے کہ معرب پر اختلاف اعراب مرتب نہیں ہے بلکہ یہاں حدوث اعراب ہے دخول عامل کی وجہ سے تو میں جواب دوں گا کہ حدوث اعراب یہ دوسرا حکم ہے احکام معرب میں سے اور اختلاف اعراب دوسرا حکم ہے پس اگر دو حکموں میں سے ایک دوسرے میں داخل نہ ہو تو اس میں کوئی نقص نہیں ہے کیونکہ معرب کے بہت سے احکام ہیں جو یہاں مذکور نہیں پس چاہئے کہ یہ حکم حدوث اعراب بھی اسی قبیل سے ہو البتہ یہ کہ یہ حکم حدوث اعراب خواص شاملہ سے نہ ہوگا ۔

Marfat.com

تشریح:— قولہ فان قلت ۔ شارح نے جس سوال کا جواب حکمہ کی تفسیر ای من جملۃ الاحکام سے اجمالاً بیان کیا ہے اور یہاں اسی جواب کو اس کے ساتھ سوال کو بھی تفصیلاً بیان کرتے ہیں وہ سوال یہ کہ بعض اسماء معدودہ جو مبنی اصل کے مشابہ نہ ہو وہ جب ابتداءً عامل کیساتھ مرکب ہو تو وہاں کوئی اختلاف نہیں نہ اس اسم کے آخر میں اور نہ ہی عوامل میں حالانکہ وہ معرب ہے جیسے جاءنی زیدٌ میں جواب یہ کہ معرب کے بہت سے احکام ہیں جن میں سے ایک اختلاف اعراب ہے جس کو متن میں بیان کر دیا گیا ہے اور دوسرا حکم حدوث اعراب ہے جو مثال مذکور ہے کہ عامل کے ابتداءً دخول سے معرب پر اعراب پیدا ہو گیا ہے اختلاف اعراب دوسرے عامل کے دخول سے ہوگا ہر ایک حکم الگ الگ ہے ایک حکم کا دوسرے میں داخل ہونا کوئی ضروری نہیں۔ صرف ایک حکم کو اس لئے بیان فرمایا کہ حکم موجب انکشاف ہوتا ہے جس کے لئے صرف ایک کافی ہے ۔ اختلاف اعراب ہی کو اس لئے بیان فرمایا کہ اس سے معرب کو مبنی سے کامل امتیاز حاصل ہو جاتا ہے کیونکہ معرب میں تغیر پیدا ہوتا ہے جس کو اختلاف کا معنی زیادہ شامل ہے حدوث کا نہیں۔

قولہ غایۃ الامر. یہ جواب ہے اس سوال کا کہ حدوث اعراب بھی جب کہ احکام معرب سے ہے تو وہ معرب کے تمام افراد کو شامل کیوں نہیں اس لئے کہ اس معرب میں جبکہ اختلاف اعراب ہو تو حدوث اعراب پایا نہیں جاتا ۔ جواب یہ کہ خاصہ کی جیسا گذرا دو قسمیں ہیں ایک شاملہ دوسری غیر شاملہ اور حدوث اعراب خاصہ غیر شاملہ ہے جس طرح اختلاف اعراب بھی غیر شاملہ ہے۔

اَلْاِعْرَابُ مَا اَیْ حَرَکَۃٌ اَوْ حَرْفٌ اِخْتَلَفَ آخِرُہٗ اَیْ آخِرُ الْمُعْرَبِ مِنْ حَیْثُ ھُوَ مُعْرَبٌ ذَاتًا اَوْ صِفَۃً بِہٖ اَیْ بِتِلْکَ الْحَرَکَۃِ اَوِ الْحَرْفِ

ترجمہ:— (اعراب وہ) یعنی حرکت یا حرف (ہے کہ معرب کے آخر مختلف ہو) یعنی معرب کے آخر اس حیثیت سے کہ وہ معرب باعتبار ذات یا صفت مختلف ہو (اس کی وجہ سے) یعنی اس حرکت یا حرف کی وجہ سے

تشریح — بیانہ الاعراب ۔ معرب کی تعریف اور اس کے حکم کے بعد اعراب کو اس وجہ سے بیان کیا گیا کہ معرب مشتق ہے اور مشتق کی معرفت مبداء کی معرفت ہی سے مکمل ہوتی ہے اور ظاہر ہے معرب کا مبدأ اعراب ہے اور اس لئے بھی کہ معرب محل ہے اور اعراب حال اور حال کو محل سے قرب حاصل ہے اور اس لئے بھی کہ ما قبل میں حکمہ کے تحت آخر معرب کے اختلاف کا ذکر تھا اس لئے اس کے بعد مابہ الاختلاف کو بیان کیا گیا اور مابہ الاختلاف اعراب ہے کیونکہ اس کی وجہ سے معرب کے آخر میں اختلاف پیدا ہوتا ہے ۔ سوال اعراب سبب ہے اور اختلاف آخر مسبب

Marfat.com

اور سبب طبعًا مسبب پر مقدم ہوتا ہے اور اس لئے بھی کہ اعراب مبدأ ہے اور معرب مشتق اور مبدأ طبعًا مشتق سے پہلے ہوتا ہے اس لئے اعراب کو معرب سے پہلے بیان کرنا چاہیئے تھا۔ جواب معرب ذات ہے اور اعراب وصف اور وصف طبعًا ذات کے بعد ہی ہوتا ہے اس لئے اس کو معرب کے بعد ہی بیان کیا گیا۔

قولہ اَیْ حرکۃ اَوْ حرف ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اعراب کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں اس لئے کہ اس میں عامل و معنی مقتضی داخل ہو جاتے ہیں کیونکہ ان دونوں کی وجہ سے بھی معرب کے آخر مختلف ہوتا ہے جواب یہ کہ تعریف میں لفظ ما سے مراد حرکت ہے یا حرف اور عامل و معنی مقتضی نہ حرف ہیں اور نہ حرکت۔ عامل کے حرف یا حرکت ہونے پر قرینہ مصنف کا آئیوالا قول فالمفرد المنصرف ہے جو اعراب اسم کے حرف یا حرکت کے انحصار پر دال ہے اور حرکت جیسے زیدُ میں ضمہ اور حرف جیسے رجلان میں الف اور مسلمون میں واؤ دونوں آخر کلمہ ہیں نون آخر کلمہ نہیں کہ وہ زیدٌ کی تنوین کی مانند الگ کلمہ ہے لہذا یہاں حرف سے مراد حرف مبانی ہو جو ترکیب کلمات کے لئے موضوع ہوتا ہے جیسے ا۔ ب۔ ت۔ وغیرہ جس کو حرف ہجا بھی کہتے ہیں، حرف معانی نہیں جو معنی کے لئے موضوع ہوتا ہے جیسے حرف شبہ وغیرہ۔

قولہ اَیْ آخر المعربِ ۔ اس عبارت سے اس وہم کا ازالہ ہے کہ متن میں آخرہ کی ضمیر مجرور کا مرجع اعراب ہے لہذا ترجمہ یہ ہوا کہ اعراب وہ حرف یا حرکت ہے جس کی وجہ سے اس حرف یا حرکت کے آخر مختلف ہو۔ اس سے سببیۃ الشی لنفسہ لازم آتی ہے یعنی یہ کہ اعراب کی وجہ سے اعراب کے آخر مختلف ہو جو بداہۃً باطل ہے۔ حاصل ازالہ یہ کہ ضمیر مجرور کا مرجع اعراب نہیں بلکہ معرب ہے پس اس کا ترجمہ یہ ہے کہ اعراب وہ حرف یا حرکت ہے جس کی وجہ سے معرب کا آخر مختلف ہو یہ بلاشبہ درست ہے

قولہ مِنْ حیث ھو معربٌ ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ رائیتُ غلامی میں غلام کے کسرہ پر اعراب کی تعریف صادق آتی ہے کہ پہلے اس پر نصب تھا پھر کسرہ داخل ہوا۔ حالانکہ اس کے کسرہ کو اعراب نہیں کہا جاتا۔ جواب یہ کہ اعراب کی تعریف میں یہ مراد ہے کہ معرب کے آخر میں اختلاف ہو معرب ہونیکی حیثیت سے اور رائیتُ غلامی میں غلام میں اختلاف معرب ہونیکی حیثیت سے نہیں بلکہ یاء متکلم کی حیثیت سے ہے کیونکہ یاء متکلم اپنے ماقبل کسرہ کو مقتضی ہوتی ہے۔

قولہ ذاتًا اَوْ صفۃً ۔ یہ تمیز ہے متن میں اختلاف آخرہٗ کی نسبت سے پس معنی ہوا کہ اعراب وہ ہے جس کی وجہ سے معرب کا آخر باعتبار ذات یا صفت مختلف ہو۔ باعتبار ذات اعراب بالحرف میں مختلف ہوتا ہے اور باعتبار صفت اعراب بالحرکت میں مختلف ہوتا ہے۔ سوال اعراب بالحرف کی صورت میں اختلاف الشیٔ بنفسہٖ لازم آتا ہے کیونکہ

Marfat.com

اس تقدیر پر جو اعراب ہے بعینہ وہی آخر معرب ہے مثلاً جاءنی ابوکَ میں ابو معرب ہے اور اس کے آخر میں واؤ بعینہ یہی اعراب ہے۔ جو اب اعراب و آخر معرب اگرچہ دونوں بالذات ایک ہیں لیکن بالاعتبار الگ الگ ہیں اس لئے کہ آخر معرب ملحوظ بوجہ کلی ہے اور اعراب ملحوظ بوجہ جزئی یعنی واؤ یا الف کے لحاظ کیساتھ۔

قولہ اَیُّ بتلک الحرکۃ اَوُالحرف۔ اس عبارت سے متن میں بہ کی ضمیر مجرور کے مرجع کو بیان کیا گیا ہے کہ اس کا مرجع لفظ ما ہے جس سے مراد حرف ہے یا حرکت اور اس کو معرفہ کیساتھ اس لئے تعبیر کیا گیا تاکہ یہ اشارہ ہو کہ ما جس طرح موصوفہ ہے موصولہ بھی ہو سکتا ہے ماقبل میں اس کے موصوف کی طرف اس لئے اشارہ فرمایا کہ وہ خبر واقع ہے جو اصل میں نکرہ ہوتی ہے اور الحرکۃ اوالحرف کے اوپر تلک کے اضافہ سے یہ اشارہ ہے کہ ہم اشارہ کیساتھ ضمیر کا ارجاع ذہن میں اوقع ہوتا ہے۔

وحین یُرادُ بما الموصُولۃِ الحرکۃُ اَوُالحرفُ لایردُ النقضُ بالعاملِ وَالمعنیٰ المقتضِی ولو ابقیت علیٰ عمومِہَا خرجا بالسببیۃِ المفہومیۃِ مِنْ قولہ بہ فان المتبادرَ مِن السببِ ھوالسببُ القریبُ وَالعاملُ والمعنیٰ المقتضِی مِنَ الاسبابِ البعیدۃِ

ترجمہ:— اور ما موصولہ سے جب حرکت یا حرف مراد ہو تو عامل و معنی مقتضی سے کوئی نقض وارد نہ ہوگا اور اگر ما موصولہ کو عموم پر باقی رکھا جائے تو عامل و معنی مقتضی اس سببیت سے نکل جائیں گے جو مصنف کے قول بہ سے مفہوم ہوتی ہے کیونکہ سبب سے متبادر سبب قریب ہے اور عامل و معنی مقتضی اسباب بعیدہ سے ہیں۔

تشریح:— قولہ وحین یراد۔ ماقبل میں جس سوال کا جواب اَیُّ حرکۃٍ اوحرفٌ سے اجمالاً دیا گیا تھا یہاں سے اسی جواب کو تفصیلاً دیا جاتا ہے وہ سوال یہ کہ اعراب کی تعریف میں عامل و معنی مقتضی بھی داخل ہو جاتے ہیں کیونکہ اس کی وجہ سے بھی معرب کے آخر میں اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ ایک جواب یہ کہ تعریف میں ما سے مراد حرف یا حرکت ہے اور ظاہر ہے عامل و معنی مقتضی دونوں میں سے ایک بھی نہیں لہذا وہ تعریف سے خارج ہیں دوسرا جواب یہ کہ تعریف میں لفظ بہ کا یا برائے سبب ہے اور سبب سے متبادر سبب قریب ہے اور ظاہر ہے آخر معرب کے اختلاف کا سبب قریب اعراب ہی ہے عامل و معنی مقتضی نہیں کیونکہ مثلاً رَئَیتُ زیدًا میں پہلے رائیت کا دخول ہوتا ہے پھر معنیٔ مفعولیت پیدا ہوتا ہے اس کے بعد اعراب داخل ہو کر اختلاف رونما ہوتا ہے تو اختلاف کا سبب قریب اعراب ہی ہوا اور معنی مقتضی سبب بعید اور عامل سبب ابعد ہوا۔

Marfat.com

قولہ وَالعامِلُ والمعنی ۔ عامل اور معنی مقتضی جو فاعلیت ومفعولیت واضافت کے معنی ہیں وہ اسباب بعیدہ سے اس لئے ہیں کہ آخر معرب کے اختلاف کے اسباب بالواسطہ ہیں کیونکہ عامل دو واسطوں سے سبب اختلاف ہے ایک معنی مقتضی دوسرا اعراب اور معنی مقتضی ایک واسطہ سے اور وہ اعراب کے سبب اختلاف ہے لیکن اعراب بلاواسطہ سبب اختلاف ہے ۔ اسی وجہ سے اس کو سبب قریب کہا جاتا ہے ۔

وَبقیدِ الحیثیۃِ خرج حرکۃُ نحوِ غلامِیْ لِاَنَّہٗ معربٌ علیٰ اختیارِ المصنفِ لکن اختلافُ ھذہ الحرکۃِ علیٰ آخرِ المعربِ لیس من حیثُ اَنَّہٗ معربٌ بل من حیثُ اَنَّہٗ ما قبل یاءِ المتکلّمِ

ترجمہ: ـــــ اور حیثیت کی قید سے غلامی کے جیسے کی حرکت نکل گئی کیونکہ وہ مصنّف کے اختیار پر معرب ہے لیکن اس حرکت کا اختلاف آخر معرب پر معرب ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ اس حیثیت سے ہے کہ وہ یاء متکلم کا ماقبل ہے ۔

تشریح: ـــــ قولہ بِقَیْدِ الحَیْثِیَّۃِ ۔ اس عبارت سے اس سوال کا جواب تفصیلاً ہے جو ماقبل میں مِنْ حیث ھُو معربٌ سے اجمالاً دیا جا چکا ہے وہ سوال یہ کہ رائیتُ غلامی میں غلام کے کسرہ پر اعراب کی تعریف صادق آتی ہے کہ پہلے اس پر نصب تھا بعد میں کسرہ ہو گیا حالانکہ اس کا کسرہ اعراب نہیں ہے جواب یہ کہ تعریف میں معرب کے آخر مختلف ہونے سے مراد معرب ہونے کی حیثیت سے ہے اور غلام میں جو اختلاف ہے معرب ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ یاء متکلم کی حیثیت سے جو اپنے ماقبل کسرہ کو مقتضی ہے کیونکہ اگر معرب ہونے کی حیثیت سے اس پر کسرہ ہوتا تو عامل نہ رہنے پر کسرہ باقی نہ رہتا کیونکہ عامل نہ ہو تو اسم معرب نہیں بلکہ مبنی ہو جاتا ہے لیکن غلامی کے ساتھ عامل ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں غلام پر کسرہ ہی آتا ہے جس سے سمجھ میں آتا ہے اختلاف کا سبب معرب ہونا نہیں بلکہ یاء متکلم کا داخل ہونا ہے ۔ خیال رہے کہ نحو غلامی سے مراد ہر وہ اسم ہے جو معرب بالحرکۃ ہو اور یاء متکلم کیطرف مضاف ہو جیسے سلامی، کلامی وغیرہ ۔

قولہ لِاَنَّہٗ معربٌ ۔ یعنی وہ اسم مصنف کے نزدیک معرب ہے جو مضاف بیاء متکلم ہو اور وہ عامل کیساتھ ہو ورنہ مبنی ہوگا دوسرے نحات مطلقاً اس کو مبنی قرار دیتے ہیں خواہ عامل کیساتھ ہو یا نہ ہو انکی دلیل یہ کہ غلام یاء متکلم کیساتھ مرکب ہے جو شدت امتزاج کی وجہ سے کلمۂ واحدہ ہو گیا ہے کیونکہ مضاف و مضاف الیہ کے مابین کافی اتصال ہوتا ہے لہذا غلام کا حرف آخر وسط کلمہ میں واقع ہوا اور وسط کلمہ مبنی ہے ۔ مصنف یہ دلیل

Marfat.com

دیتے ہیں کہ غلام مضاف ہے اور مضاف ہونا معرب کے خواص میں سے اہم خاصہ ہے

وَبِهٰذَا[1] القدرِ تَمَّ حدُّ الاِعْرَابِ جمعًا وَمنعًا لکن المصنفَ اَرادَ اَن یُنبّہَ علیٰ فائدۃِ اختلافِ وَضعِ الاِعْرابِ فضمّہ الیہ قولہٗ لیدلَّ علیٰ المعانی المعتورۃِ علیہِ فکانّہٗ[2] اَرادَ ھٰذا المعنیٰ حیثُ قالَ لیسَ ھذا مِنْ تمامِ الحدِّ لا[3] انّہٗ خارجٌ عن الحدِّ وَاللامُ[4] فی قولہٖ لیدلَّ متعلقٌ بامرٍ خارجٍ عن الحدِّ یعنی وَضعِ الاِعْرابِ المفہومِ مِنْ فحوی الکلامِ فانہٗ بعیدٌ عنِ الفہمِ غایۃُ البُعْدِ فاللامُ فیہ متعلقٌ بقولِہٖ اِختلفَ آخرہٗ

ترجمہ:۔۔۔۔ اور اتنی ہی مقدار سے معرب کی تعریف جامع و مانع ہونے کے اعتبار سے تام ہوگئی لیکن مصنف نے ارادہ فرمایا کہ وضع اعراب کے اختلاف کے فائدے پر تنبیہ کریں تو انہوں نے تعریف مذکور کی جانب اپنے قول لیدل علیٰ المعانی المعتورہِ علیہ کو ضم کر لیا گویا مصنف نے اسی معنیٔ تنبیہ کا ارادہ فرمایا جب کہ اُنہوں نے اس کتاب کی شرح امالی میں فرمایا کہ یہ معنی لیدل تمام تعریف سے نہیں نہ یہ کہ وہ تعریف سے خارج ہے اور لام مصنف کے قول لیدلّ میں اس امر کیساتھ متعلق ہے جو تعریف سے خارج ہے یعنی وضع الاعراب کیساتھ جو مضمون کلام سے مستفاد ہے کیونکہ لام کا امر خارج کیساتھ متعلق ہونا فہم سے کافی بعید ہے پس لام لیدل میں مصنف کے قول اختلاف آخرہ کے ساتھ متعلق ہے۔

تشریح:۔۔۔۔ قولہٗ[1] وبھذا القدر۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اعراب کی تعریف ما اختلف آخرہ باختلاف العوامل تک جامع و مانع ہونے کے اعتبار سے مکمل ہوگئی اب اس کے بعد لیدلّ علی المعانی المعتورۃ علیہ کی قید فضول ہے۔ جواب یہ کہ تعریف کے لئے جو جامع و مانع ہونا ضروری ہے وہ اگرچہ ما اختلف آخرہٗ باختلاف العوامل تک مکمل ہو چکی ہے لیکن بعد کی قید کو اس فائدہ پر تنبیہ کے لئے بیان کیا گیا کہ وضع اعراب میں اختلاف محض اس لئے ہوتا ہے کہ وہ معانی معتورہ پر دلالت کرے مطلب یہ کہ تعریف کے تمام قیود کا جامع و مانع کے لئے ہونا کوئی ضروری نہیں بلکہ کسی فائدے کے لئے بھی بیان کیا جاتا ہے اور وہ فائدہ یہاں یہ ہے کہ معرب کے آخر میں اختلاف بے فائدہ نہیں ہوتا بلکہ معانی معتورہ پر دلالت کے لئے ہوتا ہے

قولہٗ[2] فکانہ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مصنف نے کافیہ کی شرح امالی میں خود ہی تحریر فرمایا ہے کہ یہ قید تمام تعریف سے نہیں یعنی اس کا جز نہیں لہذا اس کو جزء ماننا توجیہ القولِ بما لا یرضیٰ بہ القائل ہے جو ممنوع ہے

Marfat.com

جواب یہ کہ مصنف کا مدعیٰ یہی ہے کہ اس قید کو تعریف کے تمام ہونے میں دخل نہیں یعنی تعریف تمام ہو چکی ہے اس کو دوسرے فائدہ کے لئے بیان کیا گیا ہے۔

قولہ لانہ : اس عبارت سے فاضل ہندی کے اس سوال کا رد ہے کہ جب یہ قید تمام تعریف سے نہیں تو اس سے خارج ہوئی پھر اس کو تعریف میں بیان کیا گیا جواب یہ کہ تمام تعریف سے ہونے سے مراد یہ کہ اس کو تعریف کے تمام ہونے میں یعنی جامع ومانع ہونے میں کوئی دخل نہیں اس کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ وہ تعریف سے خارج ہے۔

قولہ واللام - یہ معطوف ہے جس کا معطوف علیہ انہ کی ضمیر منصوب ہے جس کا مرجع لفظ لیدل ہے لہذا یہ جملہ بھی تحت نفی داخل ہوا جس کا حاصل یہ کہ لیدل اگر تعریف سے خارج ہو تو اس کے لام کا متعلق بھی خارج یعنی وضع الاعراب ہوگا جو مضمون کلام سے مستفاد ہے اور اگر تعریف میں داخل ہے تو لام کا متعلق اختلاف آخرہ میں اختلف ہوگا یہی زیادہ مناسب ہے کیونکہ پہلا فہم سے کافی بعید ہے۔ بعید اس لئے کہ وضع اعراب کی طرف وضع و طبع کسی بھی اعتبار سے ذہن کا متبادر نہیں ہوتا اور کافی اس لئے کہ اختلف آخرہ کی طرف ذہن کا تبادر ہوتا ہے کیونکہ اختلف مذکور ہے اور وضع محذوف۔ ظاہر ہے مذکور کی طرف ذہن زیادہ سبقت کرتا ہے نیز بلا ضرورت حذف ماننا بھی لازم نہیں آتا۔

یعنی اختلف آخرہ لیدل الاختلاف او ما بہ الاختلاف علی المعانی یعنی الفاعلیۃ والمفعولیۃ والاضافۃ المعتورۃ علی صیغۃ اسم الفاعل علیہ ای علی المعرب متعلق بمعتورۃ علی تضمین مثل معنی الورود او الاستیلاء و یقال اعتور والشیٔ وتعاوروہ اذا تداولوہ ای اخذہ جماعۃ واحد بعد جماعۃ علی سبیل النوبۃ والبدلیۃ لا علی سبیل الاجتماع

ترجمہ: ــــ یعنی آخر معرب مختلف ہو (تاکہ دلالت کرے) اختلاف یا وہ جس کی وجہ سے اختلاف ہو (ایسے معانی) یعنی فاعلیت ومفعولیت واضافت (پر جو یکے بعد دیگرے وارد ہوتے ہیں) معتورہ صیغۂ اسم فاعل پر ہے (اس پر) یعنی معرب پر لفظ علیہ متعلق ہے معتورہ کیساتھ معنیٰ ورود واستیلاء کی تضمین کی تقدیر پر کہا جاتا ہے اعتوروا الشیٔ وتعاوروہ جب کہ کسی شیٔ کو ایک جماعت دوسری جماعت کے بعد لے۔ نوبت بنوبت اور بدلیت کے طور پر اجتماع کے طور پر نہیں۔

Marfat.com

تشریح: ـــ قولہ الاختلافُ ۔ علامہ رضی کے نزدیک اعراب چونکہ صرف اختلاف کا نام ہے اور جمہور اعراب مابہ الاختلاف کو کہتے ہیں اس لئے اس عبارت سے دونوں مسلکوں کی طرف اشارہ کیا گیا کہ معانی معتورہ پر دلالت کرنیوالا اختلاف ہے یا مابہ الاختلافُ اول چونکہ جزء ہے اور جزء طبعًا مقدم ہوتا ہے اس لئے اس کو ذکر میں بھی مقدم کیا گیا ۔ دونوں جگہ اختلاف پر الف لام مضاف الیہ کے عوض ہے اصل عبارت یہ ہے اختلافُ آخرِ المعرب سوال ضمیر غائب کا مرجع ما بہ الاختلافُ ماننا صحیح ہے لیکن اختلاف آخر نہیں کیونکہ معتورہ پر مابہ الاختلاف دلالت کرتا ہے جس کو اعراب کہتے ہیں اختلاف آخر نہیں کہ وہ اختلاف معانی معتورہ پر دلالت کرتا ہے ۔ جواب اختلاف آخر جب اختلاف معانی پر دلالت کرتا ہے تو معانی پر لا محالہ دلالت کریگا البتہ پہلی دلالت مطابقی ہے دوسری التزامی اور یہاں دلالت سے مراد عام ہے یا یہ کہ معانی معتورہ پر مابہ الاختلافُ یعنی اعراب دلالت کرتا ہے لیکن معانی معتورہ کے اختلاف پر اختلاف آخر ہی دلالت کرتا ہے البتہ دوسری تقدیر پر حذف عبارت لازم آئیگا یعنی لیدل الاختلاف علیٰ اختلاف المعانی المعتورۃ

قولہ یعنی الفاعلیۃ : معانی کا اطلاق چونکہ امور پر کیا جاتا ہے اس لئے یہاں اس کی تفسیر فاعلیت مفعولیت اضافت سے بیان کی گئی اور ان کو معانی اس لئے کہا جاتا ہے کہ معانی جمع ہے معنی کی اور معنی ما قام بالشیٔ یعنی اس چیز کو کہا جاتا ہے جو کسی شی کے ساتھ قائم ہو اور فاعلیت بھی مثلاً جاءنی زیدٌ میں زید کے ساتھ قائم ہے اور مفعولیت بھی مثلاً ضربتُ زیدًا میں زیدًا کیساتھ قائم ہے اور اضافت بھی مثلاً مررتُ بزیدٍ میں زید کیساتھ قائم ہے

قولہ علیٰ صیغۃ اسم الفاعل ۔ اس عبارت سے شارح ہندی کے اس قول کا رد ہے کہ معتورہ کا مصدر اعتوار ہے اور اعتوار و تعاور متعدی بنفسہ ہے کیونکہ وہ بمعنی اخذ ہے جو متعدی بنفسہ ہے کہا جاتا ہے اعتوروا الشیٔ وتعاوروہ جبکہ باری باری لوگ شیٔ کو لیں یا جب کہ یکے بعد دیگرے لوگ اس شیٔ کو لیں پس لفظ علیٰ کے ذریعہ متعدی نہ ہوگا اس لئے معتورہ یہاں صیغۂ اسم مفعول ہے جس کا مفعول اوّل ضمیر ہے جو اس میں مستتر ہے اور راجع بسوئے معانی ہے مفعول دوم کی طرف علیٰ کے ذریعہ متعدی ہے حاصل رد یہ کہ معتورہ صیغۂ اسم فاعل ہے جس میں واردۃ یا مستولیہ کے معنی کی تضمین ہے اور ورود و استیلاء کے مفعول پر علیٰ داخل ہوتا ہے اور تضمین لغت میں نام ہے چیزے در بغل گرفتن کا اور اصطلاح میں اس کا معنی ہے کسی فعل یا شبہ فعل کے ساتھ کسی مصدری معنی کو اس طرح لحاظ کرنا کہ اس مصدری معنی کا مشتق حال یا صفت ہو پس اصل عبارت یہ ہوئی علیٰ المعانی المعتورۃ واردۃً او مستولیۃً علیہ یا علیٰ المعانی المعتورۃ الواردۃ او المستولیۃ علیہ ۔

قولہ تعاوروہ ۔ یہ اس سوال کا جواب کی طرف اشارہ ہے کہ معتل کا قاعدہ ہے کہ واؤ اگر متحرک ہو اور اس کے ماقبل مفتوح ہو تو اس واؤ کو الف سے بدلا جاتا ہے اور یہ قاعدہ معتورہ پر جاری ہے لہٰذا اس کے

Marfat.com

واؤ کو الف سے کیوں بدلا نہیں گیا ؟ جواب یہ کہ قاعدہ مذکورہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ باب افتعال بمعنی باب تفاعل نہ ہو اور معتورہ چونکہ بمعنی متعاور ہے اس لئے واؤ کو الف سے بدلا نہیں گیا۔

فاذا[1] تداولت المعانی المقتضیۃ للاعراب المعرب متعاقبۃً متناوبۃً غیر مجتمعۃٍ لتضادھا فینبغی ان تکون علاماتھا ایضًا کذلک فوقع[2] بسببھا اختلافٌ فی آخر المعربِ فوضع اصل الاعراب للدلالۃِ علی تلک المعانی ووضع بحیث یختلف بہ آخرُ المعربِ لاختلاف تلک المعانی

ترجمہ :۔ پس جب وہ معانی جو اعراب کو مقتضی ہیں معرب پر یکے بعد دیگرے نوبت بنوبت غیر مجتمع ہو کر وارد ہوتے ہیں کیونکہ وہ آپس میں متضاد ہیں تو مناسب ہوا کہ انکی علامتیں بھی ایسی ہی ہوں پس ان علامتوں کی وجہ سے معرب کے آخر میں اختلاف واقع ہوگا لہذا اصل اعراب کو اس لئے وضع کیا گیا ہے تاکہ ان معانی پر دلالت کرے اور اس حیثیت سے وضع کیا گیا ہے کہ اس اصل اعراب کے ذریعہ معرب کے آخر میں اختلاف ہو کیونکہ وہ معانی مختلف ہیں

تشریح :۔ قولہ[1] فاذا تداولت :۔ معرب پر بیک وقت ایک ہی عامل داخل ہوتا ہے اس لئے اس پر صرف ایک ہی معنی معانی ثلاثہ میں سے وارد ہوگا دو یا اس سے زائد نہیں۔ اس لئے بھی کہ مثلاً معنیٔ فاعلیت ضد ہے معنیٔ مفعولیت کی اور دو ضد ایک جگہ جمع نہیں آتی تو جب معانی ایک ساتھ جمع نہیں آسکتے تو اس کی علامتیں جو رفع، نصب جر ہیں وہ بھی ایک ساتھ جمع نہیں آئینگی بلکہ بدلیت کے طور پر آئیں گی اور اختلاف آخر کا سبب بنیں گی۔

قولہ[2] فوقع بسببھا۔ سوال اس سے مصنف اور شارح کے کلام کے درمیان تعارض لازم آتا ہے اس لئے کہ مصنف کے کلام لیدلّ علی المعانی المعتورۃ سے صراحۃً اختلاف اعراب سبب ہے معانی پر اعراب کی دلالت کا اور شارح کے کلام فوقع بسببھا سے صراحۃً معانی سبب ہیں اختلاف اعراب کے۔ جواب اختلاف اعراب سبب حقیقی ہے معانی پر اعراب کی دلالت کا اور اختلاف معانی علت غائیہ ہے اختلاف اعراب کی، سبب حقیقی نہیں کہ تعارض لازم آئے۔

وانما[1] جُعل الاِعرابُ فی آخرِ الاسمِ المعربِ لانّ نفسَ الاسمِ یدُلُّ علی المسمّٰی والاعرابُ علی صفۃٍ و لاشکّ انّ الصفۃَ متاخرۃٌ عن الموصُوفِ فالانسب انْ یکونَ الدالُّ علیھا ایضًا متاخرًا عن الدالِّ علیہ وھو[2] ماخوذٌ مِنْ اَعربہٗ اِذا اوضحہٗ فان الاعرابَ یوضحُ المعانی المقتضیۃَ اَوْ[3] مِنْ عربتُ معدتہٗ

Marfat.com

اذا فسدتْ علیٰ اَن یکونَ الھمزۃُ للسلبِ فیکون معناہُ اِزالۃ الفسادِ وسُمّیٰ بہٖ لانہٗ یزیلُ فسادَ التباس بعضِ المعَانی ببعضٍ

ترجمہ: ــــ اور اسم معرب کے آخر میں اعراب کو اس لئے کیا گیا کہ نفس اسم معرب ذات مسمّٰی پر دلالت کرتا ہے اور اعراب صفت پر اور کوئی شک نہیں کہ صفت موصوف سے موخر ہوتی ہے پس انسب یہ کہ جو صفت پر دال ہو وہ دال علیٰ الموصوف سے بھی مؤخر ہو اور اعراب اَعرب بہٖ سے مشتق ہے جب کہ اُسے کوئی واضح کرے کیونکہ اعراب معانی مقتضیہ کو واضح کرتا ہے یا وہ عربت معدہ سے مشتق ہے جب کہ معدہ فاسد ہو جائے اس تقدیر پر کہ اعراب کا ہمزہ سلب کے لئے ہو پس اعراب کا معنی ازالۂ فساد ہوا۔ اور اس کو اس نام کیساتھ اس لئے موسوم کیا گیا کہ وہ بعض معانی کا بعض کے ساتھ التباس کے فساد کو زائل کرتا ہے۔

تشریح: ــــ قولہٗ وانّما جعلَ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اعراب کو معرب کے آخر ہی کیوں دیا جاتا ہے؟ حالانکہ شروع پر قرینہ موجود ہے اس لئے کہ اعراب عامل کا اثر ہے اور عامل کا دخول شروع میں ہوتا ہے اس لئے اعراب بھی شروع ہی میں ہونا چاہئے تاکہ اثر موثر کے موافق ہو جائے اور وسط پر قرینہ قیاسًا علی الفعل موجود ہے یعنی اسم معرب کے وسط میں فعل پر قیاس کر کے اعراب ہونا چاہئے کیونکہ افعال میں امتیاز عین کلمہ کی حرکت کی وجہ سے ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ ماضی جب مفتوح العین ہو تو مضارع مکسور العین ہوگا۔ جواب یہ کہ اسم معرب مسمّٰی بہٖ یعنی ذات پر دال ہے اور اعراب صفت پر اور ظاہر ہے مرتبۂ صفت مرتبۂ ذات کے بعد ہوتا ہے اس لئے مناسب ہے جو صفت پر دال ہو وہ ذات پر دلالت کرنے والے سے مؤخر ہو اس لئے اعراب کو معرب کے آخر ہی دیا جاتا ہے۔ سوال اعراب اگر بالحرکۃ ہو تو معرب کے آخر میں ہونا ظاہر ہے اس لئے کہ حرکت حرف کی بہ نسبت بمنزلۂ صفت ہوتی ہے لیکن اگر اعراب بالحرف ہو تو معرب کے آخر میں ہونا ظاہر نہیں کیونکہ اس تقدیر پر اعراب عین آخر معرب ہوتا ہے جواب اعراب بالحرکۃ اعراب بالحرف کی بہ نسبت کثیر الوقوع ہے اور اعراب بالحرکۃ میں چونکہ تاخیر ہوتی ہے اس لئے للاکثر حکم الکل کے تحت مطلقًا تاخیر کا حکم دے دیا گیا۔

قولہٗ وھو ماخوذ۔ اعراب کے لغوی و اصطلاحی معنی کے درمیان اس عبارت سے مناسبت اور اس کی وجہ تسمیہ بیان کی جاتی ہے جس کا حاصل کہ اعراب اَعرب بہٖ بمعنی اَوضحَ سے مشتق ہے لہٰذا اس کا معنی ایضاح ہوا اس معنیٔ اصطلاحی کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ یہ بھی معانی مقتضیہ کو واضح کرتا ہے یعنی اسم معرب کے فاعل ہونے یا مفعول ہونے یا مضاف الیہ ہونے کو بیان کرتا ہے مثلاً جب جاء زیدٌ بسکون دال کہا جائے تو زید کا فاعل ہونا

Marfat.com

رہتا ہے لیکن جب اس پر اعراب داخل کر کے جاء زیدٌ کہا جائے تو فاعل ہونا ظاہر ہو جاتا ہے اس سے معرب کا معنی بھی ظاہر ہو گیا کہ اس کا معنی اظہار کی جگہ ہے اور معرب پر چونکہ اس کے اوصاف فاعلیت ، مفعولیت ۔ اضافت ظاہر ہوتے ہیں اس لئے اس کا نام معرب رکھا گیا یہ جب کہ اسم ظرف ہو لیکن معرب کو اسم مفعول بھی مانا جا سکتا ہے اس صورت میں اس کا معنی ہے مظہر اوصافہ یعنی اس کے اوصاف ظاہر کئے ہوئے ہیں

قولہ اَوْ مِنْ عربتْ معدتہ ۔ اس عبارت سے بھی اعراب کے لغوی و اصطلاحی معنی کے درمیان مناسبت اور اس کی وجہ تسمیہ بیان کی جاتی ہے کہ عربت معدتہ بمعنی فسدت معدتہ سے مشتق ہے پس اس کا معنی ازالۂ فساد ہوا اور اعراب سے چونکہ فساد التباس کا ازالہ ہوتا ہے اس لئے اس کا نام اعراب رکھا جاتا ہے مثلاً جب اعراب کے بغیر قتل شاتم غلام خالد بولا جائے تو فاعلیت ۔ مفعولیت ۔ اضافت کا التباس ہو جائیگا کہ ان میں سے کون فاعل ہے کون مفعول اور کون مضاف الیہ ہے لیکن جب اعراب کیساتھ قتل شاتمٌ غلامَ خالدٍ ۔ شاتم کو رفع غلام کو نصب خالد کو جر تو معلوم ہو جائیگا کہ ان میں سے کون فاعل ہے اور کون مفعول اور کون مضاف الیہ اسی سے معرب کا معنی بھی ظاہر ہو گیا کہ اس کا معنی ازالۂ فساد کی جگہ ہے اور معرب چونکہ فساد التباس کے ازالہ کا محل ہے اس لئے اس کا نام معرب رکھا جاتا ہے یہ جب کہ معرب اسم ظرف ہو لیکن اس کو اسم مفعول بھی مانا جا سکتا ہے اس صورت میں اس کا معنی ہے مزال فسادہٗ یعنی اس کا فساد دور کیا ہوا ۔

قولہ علیٰ اَن یکون ۔ ۔ یعنی باب افعال کی خاصیتوں میں سے ایک سلب ماخذ بھی ہے لہذا عربتْ معدتہ کا معنی فاسد ہونا ہے اور اعراب کا معنی فساد دور کرنا ہے جس طرح شکیٰ کا معنی شکایت کرنا ہے اور اشکیٰ کا معنی شکایت دور کرنا ہے ۔

وَاَنْوَاعُہٗ اَیْ اَنْوَاعُ الْاِعْرَابِ الْاِسْمِ ثَلَاثَۃٌ رَفْعٌ وَنَصْبٌ وَجَرٌّ ھٰذِہِ الْاَسْمَاءُ الثَّلَاثَۃُ مُخْتَصَّۃٌ بِالْحَرَکَاتِ وَالْحُرُوْفِ الْاِعْرَابِیَّۃِ وَلَا تُطْلَقُ عَلَی الْحَرَکَاتِ الْبِنَائِیَّۃِ اَصْلًا بِخِلَافِ الضَّمَّۃِ وَالْفَتْحَۃِ وَالْکَسْرَۃِ فَاِنَّھَا مُسْتَعْمَلَۃٌ فِی الْحَرَکَاتِ الْبِنَائِیَّۃِ غَالِبًا وَفِی الْحَرَکَاتِ الْاِعْرَابِیَّۃِ عَلٰی قِلَّۃٍ

ترجمہ ۔ اور اس کے اقسام ، یعنی اعراب اسم کے اقسام تین ہیں (رفع اور نصب اور جر ہیں) یہ تینوں نام حرکات و حروف اعرابیہ کیساتھ خاص ہیں اور حرکات بنائیہ پر قطعًا اطلاق نہیں کئے جاتے برخلاف ضمہ و فتحہ و کسرہ کہ وہ اکثر حرکات بنائیہ میں مستعمل ہوتے ہیں اور حرکات اعرابیہ پر بطور قلیل ۔

Marfat.com

تشریح:— بیانہ[۱] اَنواعُہٗ۔ اعراب کی تعریف کے بعد اب اس کے اقسام پھر اقسام کی تفصیل بیان کی جاتی ہے کہ تعریف کی طرح اقسام کا بیان بھی موجب انکشاف ہوتا ہے۔ اقسام و انحاء دونوں مترادف المعنی ہیں اسی طرح انواع بھی لیکن اس کا اطلاق صرف کلیات پر ہوتا ہے اور اقسام و انحار کا کلیات وجزئیات دونوں پر۔

قولہ[۲] اَیُّ اَنواع۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ: اعراب کو تین پر منحصر کرنا درست نہیں بلکہ چوتھی قسم جزم بھی اعراب کی ایک قسم ہے۔ جواب یہ کہ جزم مطلق اعراب کی قسم ہے (کہ وہ فعل کا اعراب ہے) اور یہاں مطلق اعراب کی قسم کو بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ اعراب اسم کی قسم کو بیان کرنا ہے جو صرف تین پر منحصر ہے جیسا کہ اس پر قرینہ بحث اسم کا ہونا دال ہے۔ سوال اعراب اسم صرف تین پر کیوں منحصر ہے؟ جواب اعراب کو معانی معتورہ پر دلالت کرنے کے لئے وضع کیا گیا ہے اور معانی معتورہ چونکہ (فاعلیت۔ مفعولیت۔ اضافت) تین ہیں اس لئے اعراب کو بھی تین پر منحصر کیا گیا تاکہ دال و مدلول کی تعداد برابر ہو جائے۔

قولہ[۳] ثلاثۃ۔ یہ اس سوال کے جواب کی طرف اشارہ ہے کہ شئ میں انواعہ مبتدا ہے اور رفع اس کی خبر تو مطلب ہوا کہ رفع اعراب کی ایک نوع نہیں بلکہ انواع ہے جو صراحۃً باطل ہے۔ جواب یہ کہ خبر صرف رفع نہیں بلکہ رفع ونصب وجر کا مجموعہ ہے یعنی عطف مقدم ہے ربط پر اور ظاہر ہے رفع ونصب وجر اعراب کے انواع ہیں۔

بیانہ[۴] رفعٌ۔ رفع کو رفع اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کی ادائیگی کے وقت دونوں ہونٹ رفع یعنی کھڑے ہو جاتے ہیں اور جر کو جر اس لئے کہ اس کی ادائیگی کے وقت دونوں ہونٹ پستی کی طرف کھنچ جاتے ہیں اور اس لئے بھی کہ وہ فعل کے معنی کو اسم کی طرف پہونچاتا ہے۔

قولہ[۵] ھذہ الاسماءُ الثلاثۃُ۔ اس عبارت سے دو سوالوں کا جواب دیا گیا ہے جن میں سے ایک یہ کہ رفع ونصب وجر صرف حرکات اعرابیہ کو کہتے ہیں لہٰذا حروف اعرابیہ یعنی واؤ۔ الف۔ یا کو کیوں چھوڑ دیا گیا؟ دوسرا سوال یہ کہ رفع ونصب وجر سے زیادہ ضمہ وفتحہ وکسرہ مشہور ہیں لہٰذا جو زیادہ مشہور ہو اس کو بیان کرنا چاہئے تھا۔ جواب سوال اول کا یہ کہ رفع ونصب وجر کا اطلاق جس طرح حرکات اعرابیہ پر ہوتا ہے اسی طرح حروف اعرابیہ پر بھی لہٰذا الگ سے حروف اعرابیہ کو بیان کرنا فضول ہے جواب سوال دوم کا یہ کہ یہ مقام چونکہ اسم معرب کے بیان کا ہے اس لئے یہاں اسی اعراب کو بیان کیا گیا ہے جس کا اطلاق صرف اسم معرب کے حرکات وحروف پر ہو اور وہ رفع ونصب وجر ہیں جو صرف اسم معرب کے حرکات وحروف کیساتھ خاص ہیں جس طرح ضم وفتح وکسر صرف اسم مبنی کے حرکات کیساتھ خاص ہیں برخلاف ضمہ وفتحہ وکسرہ کہ اس کا اطلاق جس طرح معرب کے حرکات پر ہوتا ہے اسی طرح مبنی کے حرکات پر بھی بلکہ مبنی کے حرکات پر بکثرت ہوتا ہے جیسا کہ بصریین کا خیال ہے اس لئے کہ کوفیین کہتے ہیں کہ رفع۔ نصب۔ جر

Marfat.com

کا اطلاق حرکات بنائیہ پر بھی ہوتا ہے

بتقدیر اول رفع۔ نصب۔ جر اور ضمہ۔ فتحہ۔ کسرہ میں عموم وخصوص من وجہ کی نسبت ہے کیونکہ جاءنی جعفرٌ ورائیتُ جعفرًا ومررتُ بجعفرٍ میں را کی حرکتوں پر رفع۔ نصب۔ جر اور ضمہ۔ فتحہ۔ کسرہ صادق آتے ہیں لیکن جیم۔ عین فا کی حرکتوں پر ضمہ۔ فتحہ۔ کسرہ صادق آتے ہیں اور رفع۔ نصب۔ جر صادق نہیں آتے اسی طرح جاءنی ابوکَ ورائیتُ اباکَ ومررتُ بابیکَ میں واؤ۔ الف۔ یا پر رفع۔ نصب۔ جر صادق آتے ہیں اور ضمہ۔ فتحہ کسرہ صادق نہیں آتے اور رفع۔ نصب۔ جر اور ضم۔ فتح۔ کسر میں تباین کی نسبت ہے کیونکہ اوّل اعرابیہ ہیں اور دوم بنائیہ اور ضمہ فتحہ کسرہ اور ضم۔ فتح۔ کسر میں عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے ضمہ۔ فتحہ۔ کسرہ عام مطلق ہیں اور ضم۔ فتح۔ کسر خاص مطلق کیونکہ حرکات بنائیہ پر ضمہ۔ فتحہ۔ کسرہ اور ضم۔ فتح۔ کسر صادق آتے ہیں لیکن حرکات اعرابیہ پر ضمہ۔ فتحہ۔ کسرہ صادق آتے ہیں اور ضم۔ فتح۔ کسر صادق نہیں آتے

قولہ لا تطلقُ علی الحرکاتِ۔ یہ اس نفی کی تاکید ہے جو مختصۃٌ بالحرکات سے مستفاد ہے اور ہذہ الاسماءُ میں اسماء سے مراد اسماء اصطلاحیہ نہیں بلکہ لغویہ بمعنی نام ہیں جو فعل وحرف کو بھی شامل ہے اور لغویہ اس لئے مراد ہے کہ اسملہ یہاں رفع۔ نصب جر کو کہا جاتا ہے جو اعراب ہیں اور اعراب کے متعلق علماء کا اختلاف ہے کہ وہ لفظ ہے یا غیر لفظ پس جس نے لفظ کا قول کیا ہے اس کے نزدیک رفع۔ نصب۔ جر کو اسماء کہنا درست ہے اور جو غیر لفظ کا قول کیا ہے اس کے نزدیک درست نہیں۔

فالرفعُ حرکۃٌ کانَ اَوْ حرفٌ علمُ الفاعلیۃِ اَیْ علامۃُ کونِ الشیٔ فاعلاً حقیقۃً اَوْ حکمًا یشمل الملحقاتِ بالفاعل ایضًا کالمبتداءِ والخبرِ وغیرِھما

ترجمہ:۔ (پس رفع) حرکت ہو یا حرف (فاعل ہونے کی علامت ہے) یعنی شئی کے حقیقۃً یا حکمًا فاعل ہونے کی علامت ہے تاکہ وہ ان مرفوعات کو بھی شامل ہو جائے جو فاعل کے ساتھ ملحق ہیں جیسے مبتدا وخبر وغیرہما۔

تشریح:۔ قولہ حرکۃ۔ اس عبارت سے اس وہم کا ازالہ کیا گیا ہے کہ رفع صرف اعراب بالحرکۃ کو کہا جاتا ہے پس اصل عبارت یہ ہوئی فالاعرابُ بالحرکۃِ علمُ الفاعلیۃ یعنی اعراب بالحرکۃ فاعلیت کی علامت ہے حالانکہ اعراب بالحرف بھی فاعلیت کی علامت ہے لہذا اس کو یہاں کیوں چھوڑ دیا گیا؟ جواب یہ کہ رفع کا اطلاق جس طرح اعراب بالحرکۃ پر ہوتا ہے اسی طرح اعراب بالحرف پر بھی لہذا الگ سے اس کو بیان کرنا فضول ہے کذالحالُ فی النصبِ والجر۔

Marfat.com

قولہ[۲] اَیْ عَلَامَۃ ۔ اس عبارت سے دو سوالوں کا جواب دیا گیا ہے ایک سوال یہ کہ رفع اگر فاعلیت کا علم ہو تو علم چونکہ شئ پر محمول ہوتا ہے لہذا اس کو فاعلیت پر محمول ہونا چاہئے حالانکہ ظاہر ہے وہ محمول نہیں ہوتا دوسرا سوال یہ کہ علم کا اطلاق تین معنوں پر ہوتا ہے (۱) اسم پر (۲) علامت پر (۳) جبل (پہاڑ) پر جیسے قرآن کریم وَلَہُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِی الْبَحْرِ کَالْاَعْلَامِ میں اعلام بمعنی جبال ہیں تو یہاں پر علم کا اطلاق کونسا معنی پر کیا گیا ہے جواب یہ کہ علم کا اطلاق یہاں پر علامت پر کیا گیا ہے کیونکہ علامت یہاں معنیٔ فاعلیت کو کہا جاتا ہے اور معنیٔ فاعلیت جس طرح غیر مستقل ہے اسی طرح علامت بھی اور علامت شئ ظاہر ہے شئ پر محمول نہیں ہوتی جیسے علامت اسم مثلاً دخول اللام والجر اسم مثلاً زید پر محمول نہیں ہوتی اور یہ کہا نہیں جاتا زیدٌ دخولُ اللامِ والجرّ۔

قولہ[۳] کونُ الشئ ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ فاعلیت کا معنی ہے فاعل والا تو علم الفاعلیۃ کا معنی ہوا فاعل والے کی علامت اور فاعل والا چونکہ فعل ہوتا ہے اس لئے رفع فعل کی علامت ہوا حالانکہ وہ فعل نہیں بلکہ اسم کی علامت ہے ۔ جواب یہ کہ فاعلیت اسم منسوب نہیں بلکہ مصدر جعلی ہے جس کا معنی ہے فاعل ہونا اور ظاہر ہے وہ اسم میں پایا جاتا ہے پس رفع اسم کی علامت ہوا ۔ واضح ہو کہ مصدر جعلی وہ ہے جو اسم کے آخر میں یاء مشدد اور تاء مدورہ کے بڑھانے سے بنتا ہے جیسے اسم سے اسمیۃ اور فاعل سے فاعلیۃ اور مفعول سے مفعولیۃ اسی وجہ سے اس مصدر کا نام مصدر جعلی رکھا جاتا ہے کہ وہ مشتق منہ نہیں بلکہ مشتق یعنی بنایا جاتا ہے

قولہ[۴] حقیقۃً اَوْ حکمًا ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ رفع کو فاعلیت کی علامت قرار دینا درست نہیں اس لئے کہ رفع جس طرح فاعل میں ہوتا ہے اسی طرح مبتدا و خبر وغیرہ میں بھی ۔ جواب یہ کہ فاعل سے یہاں مراد عام ہے کہ فاعل حقیقی ہو یا فاعل حکمی ۔ مبتدا وغیرہ فاعل حکمی ہیں کیونکہ فاعل حکمی سے وہ مرفوع مراد ہے جو فاعل کی طرح مسند الیہ ہو یا جملہ کا جزء ثانی ہو ۔ مبتدا مسند الیہ ہے اور خبر جملہ کا جزء ثانی ۔

وَالنصبُ حرکۃٌ کانَ اَوْ حرفًا علم المفعولیۃ اَیْ علامۃُ کونِ الشئ مفعولًا[۲] حقیقۃً اَوْ حکمًا لیشمل الملحقاتِ بہٖ وَالجرُّ حرکۃً کانَ اَوْ حرفًا علم الاضافۃِ اَیْ علامۃُ کونِ الشئ مضافًا الیہِ واذا[۳] کانت الاضافۃُ بنفسہا مصدرًا لم تحتج اِلَی الحاقِ الیاءِ المصدریۃِ الیہا کما فی الفاعلیۃِ والمفعولیۃِ

ترجمہ :۔۔۔ (اور نصب) حرکت ہو یا حرف (مفعول ہونے کی علامت ہے) یعنی شئ کے حقیقۃً یا حکمًا مفعول ہونے کی علامت ہے تاکہ وہ ان منصوبات کو شامل ہو جائے جو مفعول کے ساتھ ملحق ہیں (اور جر) حرکت ہو یا

Marfat.com

حرف (مضاف الیہ ہونے کی علامت ہے) یعنی شئی کے مضاف الیہ ہونے کی علامت ہے اور لفظ اضافت جب کہ خود مصدر ہے تو اس کی طرف یا مصدری کو لاحق کرنیکی کوئی ضرورت نہیں جیسا کہ لفظ فاعلیت ومفعولیت میں لاحق کی گئی ہے۔

تشریح:۔ قولہ حرکۃ کان۔ یہاں بھی بعینہٖ وہی سوال وجواب ہیں جو ماقبل میں حرکۃ کان اَوْ حرفًا کے تحت گذر چکے ہیں اور اسی طرح اَیْ علامۃُ کونِ الشئ مفعولًا میں بھی بعینہٖ وہی سوال وجواب ہیں جو اَیُّ علامۃُ کونِ الشئ فاعلًا کے تحت گذر چکے ہیں وَقس علیہ العبارۃ الآتیۃ وَالجرُّ حرکۃً کان اَوْحرفًا عَلَمُ الاضافۃِ اَیْ علامۃ۔

قولہ حقیقۃً اَوْحکمًا۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ نصب کو مفعولیت کی علامت قرار دینا کہاں تک درست ہوگا جب کہ وہ مفعول کی طرح حال وتمیز وغیرہ کو بھی ہوتا ہے۔ جواب یہ کہ مفعول سے یہاں مراد عام ہے کہ مفعول حقیقی ہو یا مفعول حکمی۔ حال وتمیز وغیرہ مفعول حکمی ہیں کیونکہ مفعول حکمی سے وہ منصوب مراد ہے جو مفعول کی طرح فضلہ ہو یعنی رکن کلام نہ ہو یا اس کے بغیر اس کا ناصب تعقل میں تام نہ ہو جس طرح کہ مفعول کے بغیر اس کا ناصب تعقل میں تام نہیں ہوتا ہے پس حال وتمیز رکن کلام نہیں بلکہ فضلہ ہیں اور حروف مشبہ کا اسم رکن کلام تو ہے لیکن اس کے بغیر اس کا ناصب تعقل میں تام نہیں۔

قولہ کونُ الشئ مضافًا الیہ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ جر ہونا مضاف کو لازم نہیں ہے تو مضاف ہونے کی علامت جر کیسے ہوسکتی ہے؟ جواب یہ کہ اضافت سے یہاں مضاف الیہ ہونا مراد ہے مضاف ہونا نہیں اس لئے کہ مضاف الیہ کو جر ہونا لازم ہے اور اس پر یہ قرینہ بھی ہے کہ اضافت کو یہاں فاعلیت ومفعولیت کے مقابل میں بیان کیا گیا ہے اور دو متقابل چونکہ ایک جگہ جمع نہیں آتے اس لئے اضافت بھی فاعلیت ومفعولیت کے ساتھ جمع نہ آئے گی پس اگر اضافت سے مضاف ہونا مراد ہو تو جمع ہونا لازم آئیگا کیونکہ مضاف کبھی فاعل ہوتا ہے جیسے جاءنی غلامُ زیدٍ میں غلام اور کبھی مفعول ہوتا ہے جیسے رائیتُ عبداللہ میں عبداللہ اور یہ مضاف الیہ مراد لینے کی صورت میں لازم نہیں آتا ہے کیونکہ وہ نہ فاعل ہوتا ہے اور نہ مفعول۔

قولہ اِذا کانتِ الاضافۃُ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ متن میں علمُ الاِضافۃِ کہا گیا علم الاضافیۃ نہیں جس طرح علمُ الفاعلیۃِ وعلمُ المفعولیۃ کہا گیا ہے ایسا کیوں؟ جواب یہ کہ فاعل ومفعول چونکہ مصدر نہیں اس لئے ان دونوں میں یاء وتاء لاحق کر کے مصدر بنایا جاتا ہے اور اضافت خود ہی مصدر ہے اسی لئے اس کو مصدر بنانے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ سوال لم تحتج اِلی الحاقِ الیاء المصدریۃِ کی عبارت سے یہ متصور ہوتا ہے کہ اضافت میں اگر یاء وتاء لاحق کیا جائے تو درست ہے لیکن اس کی حاجت نہیں ہے حالانکہ وہ قطعاً صحیح نہیں ہے

Marfat.com

جواب عدم احتیاج سے مراد یہاں عدم صحت ہے یعنی اضافت میں یاونا لاحق کرنا درست نہیں ۔

وَاِنَّمَا اُخْتُصَّ الرفعُ بالفاعلِ والنصبُ بالمفعولِ وَالجرُّ بالمضافِ اليهِ لانَّ الرفعَ ثقيلٌ والفعلُ قليلٌ لانّهٗ وَاحِدَةٌ فَاُعطِيَ الثقيلُ القليلَ وَالنصبُ خفيفٌ وَالمفاعيلُ كثيرةٌ لانَّهَا خمسةٌ فَاُعطِيَ الخفيفُ الكثيرَ ولمّا لم يبقَ للمضافِ اليه علامةٌ غيرُ الجرِّ جُعِلَ علامةً لهٗ

ترجمہ:۔۔۔ اور رفع کو فاعل کیساتھ اور نصب کو مفعول کے ساتھ اور جر کو مضاف الیہ کے ساتھ اس لئے خاص کیا گیا کہ رفع ثقیل ہے اور فاعل قلیل کیونکہ فاعل ایک ہے لہذا قلیل کو ثقیل دیا گیا اور نصب خفیف ہے اور مفاعیل کثیر کیونکہ مفاعیل پانچ ہیں لہذا خفیف کثیر کو دیا گیا اور جب مضاف الیہ کے لئے جر کے علاوہ کوئی علامت باقی نہ رہی تو اس کو مضاف الیہ کی علامت قرار دیا گیا۔

تشریح:۔۔۔ قولہ وانما اختص ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ رفع کو علامت فاعلیت اور نصب کو علامت مفعولیت اور جر کو علامت اضافت کیوں قرار دیا گیا اس کا برعکس کیوں نہیں ؟ جواب یہ کہ فاعل قلیل ہے کیونکہ اس کی صرف ایک قسم ہے باقی ملحقات ہیں اور مفعول کثیر ہیں اس لئے کہ اس کی پانچ قسمیں ہیں اور باقی ملحقات ہیں اور رفع ثقیل ہے اور نصب خفیف ہے لہذا فاعل کو نصب اور مفعول کو رفع دینے سے متکلم کی زبان پر بوجھ زیادہ ہوتا اور فاعل کو رفع اور مفعول کو نصب دینے سے متکلم کی زبان پر بوجھ کم ہو جاتا ہے اس لئے فاعل کو رفع اور مفعول کو نصب دیا گیا اور مضاف الیہ کے لئے جر کے علاوہ کوئی اعراب باقی نہ رہا تو مضاف الیہ کو جر دے دیا گیا۔

وَالعَامِلُ لفظيًا كان اَوْ معنويًا مابهٖ يَقُوْمُ اَيْ يحصلُ المعنَى المقتضِي اَيْ معنى مِنَ المعانى المتواردةِ على المعربِ المقتضيةِ للاعرابِ فنى جاءنى زيدٌ جاء عاملٌ اِذْ بهٖ حصلَ معنى الفاعليةِ فى زيدٍ فجعل الرفعُ علامةً لهٗ وفى رايتُ زيدًا رُئِيَتْ عاملٌ اذ بهٖ حصلَ معنى المفعوليةِ فى زيدٍ فجعِلَ النصبُ علامةً لها وَفى مررتُ بزيدٍ الباءُ عاملٌ اِذْ بهٖ حَصَلَ معنى الاضافةِ فى زيدٍ فجعل الجرُّ علامةً لها

ترجمہ:۔۔۔ (عامل) لفظی ہو یا معنوی (وہ ہے جس کے سبب سے وہ معنی حاصل ہو جو مقتضی ہے) یعنی معرب پر یکے بعد دیگرے وارد ہونے والے ان معانی میں سے کوئی ایک معنی ہو جو (اعراب کا) مقتضی ہیں تو جاءنی زیدٌ میں

Marfat.com

جار عامل ہے جس کی وجہ سے زید میں فاعلیت کا معنی پیدا ہوا پس رفع کو فاعلیت کی علامت قرار دیا گیا اور رائیتُ زیداً میں رائیتُ عامل ہے اس لئے کہ اس کی وجہ سے زید میں مفعولیت کا معنی پیدا ہوا تو نصب کو مفعولیت کی علامت قرار دیا گیا اور مررتُ بزیدٍ میں با عامل ہے کیونکہ اس کی وجہ سے زید میں اضافت کا معنی پیدا ہوا پس جر کو اضافت کی علامت قرار دیا گیا۔

تشریح :۔ بیانُہٗ والعَامِلُ ۔ اعراب اور اس کے اقسام کے بیان سے فارغ ہونے کے بعد اب اس کے عامل کو بیان کیا جاتا ہے ۔ مناسبت ظاہر ہے کہ عامل سبب ہے اور اعراب مسبب اس لئے سبب کو مسبب کے بعد بیان کیا گیا ۔ سوال سبب مسبب پر مقدم ہوتا ہے لہذا عامل کو اعراب سے پہلے بیان کرنا چاہئے ۔ جواب معرب کے آخر میں اختلاف کا سبب اعراب بھی ہے اور عامل بھی لیکن اعراب سبب قریب ہے اور عامل سبب بعید ہے اس لئے معرب کے ذکر کے بعد پہلے اعراب کو پھر عامل کو بیان کیا گیا ۔

قولہ لفظیًا کان ۔ اس عبارت سے اس وہم کا ازالہ کیا گیا ہے کہ عامل سے متبادر چونکہ عامل لفظی ہوتا ہے کہ وہ عمل میں قوی ہے اس لئے عامل سے یہاں مراد عامل لفظی ہے حالانکہ یہ تعریف عامل لفظی کے علاوہ عامل معنوی کو بھی شامل ہے حاصل ازالہ یہ کہ عامل سے اگرچہ عامل لفظی متبادر ہوتا ہے لیکن یہاں اس سے مراد عام ہے کہ عامل لفظی ہو یا عامل معنوی ۔

قولہ بیانُہٗ مابہٖ یتقومُ ۔ سوال بہٖ ظرف ہے جس کا متعلق یتقومُ فعل ہے اور یہ اس کا عامل بھی کیوں کہ ظرف کا عامل وہی متعلق ہوتا ہے اور عامل میں اصل یہ ہے کہ وہ معمول سے پہلے ہو لہذا یتقومُ کو بہٖ سے پہلے بیان کرنا چاہئے یعنی اس طرح العامِلُ ما یتقوّمُ بہٖ المعنی المقتضِی للاعراب ۔ جواب بہٖ کی ضمیر مجرور کا مرجع لفظ ما ہے اور مرجع میں اصل یہ ہے کہ وہ ضمیر سے متصل ہو لہذا اگر بہٖ کو مقدم نہ کیا جائے تو اتصال مفقود ہو جائیگا اور اس لئے بھی کہ لفظ ما سے مراد عامل ہے اور یہاں اسی عامل کی شان کو ظاہر کرنے کے لئے بہٖ کو مقدم کیا گیا ہے کیوں کہ تقدیم کبھی اہتمام شان کیلئے بھی ہوتی ہے ۔

قولہ ای یحصلُ ۔ اس عبارت سے دو سوالوں کے جوابات دیئے گئے ہیں ایک سوال یہ کہ بہٖ میں بائے الصاق ہے جو یتقوم کا صلہ ہے اور تقوم کا صلہ جب با ہو تو عرف میں قیام بالغیر کے معنی میں آتا ہے پس معنی ہوا کہ عامل وہ ہے جس کے ساتھ معنی مقتضی قائم ہو اور ظاہر ہے معنی مقتضی عامل کے ساتھ نہیں بلکہ معرب کے ساتھ قائم ہوتا ہے دوسرا سوال یہ کہ یتقوم، قیام سے مشتق ہے اور قیام کا معنی استواء ہے اور استوار ذوی الارواح کیساتھ خاص ہے اور ظاہر ہے عامل از قبیل ذوی الارواح نہیں ۔ جواب یہ کہ بہٖ میں با برائے سببیت ہے

Marfat.com

برائے الصاق نہیں اور تقوم مشتق ہے قیام بمعنی حصول سے اور حصول ذوی الارواح وغیر ذوی الارواح دونوں کو شامل ہے اور کوئی شک نہیں کہ معنی مقتضی عامل کو حاصل ہے معرب کو نہیں۔ اور حصول وقیام میں مناسبت ظاہر ہے اس لئے کہ حصول، قیام کا لازم ہے پس یہاں ملزوم بول کر لازم مراد لیا گیا ہے۔

قولہ اَیْ معنی من المعانی۔ معنی کی تفسیر نکرہ سے کرنے میں یہ اشارہ مقصود ہے کہ متن میں معنی کے اوپر الف لام عہد ذہنی کا ہے جو بمنزلۂ نکرہ ہوتا ہے عہد ذہنی پر قرینہ یہ ہے کہ یہاں کوئی معین معنی مراد نہیں بلکہ تینوں معنوں میں سے کوئی ایک معنی مراد ہے۔

قولہ رَاَیْتُ عَامِلٌ۔ یہ بر مسلک کوفیین ہے جو فعل و فاعل دونوں کے مجموعہ کو عامل قرار دیتے ہیں لیکن بصریین عامل صرف فعل کو قرار دیتے ہیں لہذا ان کے نزدیک رَاَیْتُ میں صرف رَاَیْ عامل ہے۔

قولہ اَلْبَاءُ عَامِلٌ۔ لفظ زید میں عامل با ہے لیکن اس کے محل میں فعل ہے اس لئے کہ وہ مررتُ کا مفعول ہے پس زید محلاً منصوب ہے جب کہ حرف جر مذکور ہو اور اگر مقدر ہو جیسے غلامُ زیدٍ میں تو اس کے عامل کے متعلق علماء کا اختلاف ہے بعض نے اس کا عامل مضاف الیہ میں حرف جر مقدر کو مانا ہے اور بعض کا خیال ہے کہ عامل مضاف ہے کیونکہ حرف جر یہاں نسیاً منسیاً ہے اسی بناء پر مضاف، مضاف الیہ سے تعریف و تخصیص کا کسب کرتا ہے اور علامہ رضی نے اسی کو ہو الاولیٰ سے ترجیح دیا ہے

فالمفردُ المنصرفُ اَیْ الاسمُ المفردُ الذی لم یکن مثنیً ولا مجموعًا ولا غیرَ منصرفٍ کزیدٍ ورجلٍ وکذا الجمعُ المکسرُ المنصرفُ اَیْ الذی لم یکن بناءُ الواحدِ فیہ سالمًا ولم یکن غیر منصرفٍ کرجالٍ وطلبۃٍ

ترجمہ: ــــ (پس مفرد منصرف) یعنی وہ اسم مفرد جو نہ تثنیہ ہو اور نہ جمع اور نہ غیر منصرف جیسے زید اور رجل (اور یونہی (جمع مکسر منصرف) یعنی وہ جمع جس میں واحد کا وزن سالم نہ ہو اور نہ غیر منصرف ہو جیسے رجال اور طلبہ

تشریح: ــــ بیانہ فالمفرد المنصرف۔ انواع اعراب کے بیان سے فارغ ہونے کے بعد اب ان انواع کی اقسام اور اقسام کے محلوں کو بیان کیا جاتا ہے لیکن اقسام کو اس طریقہ سے کہ رفع کی تین قسمیں ہیں (۱) ضمہ (۲) واؤ (۳) الف اور نصب کی چار قسمیں ہیں (۱) فتحہ (۲) کسرہ (۳) الف (۴) یا اور جر کی تین قسمیں ہیں (۱) کسرہ (۲) فتحہ (۳) یا ہر ایک محلوں کا بیان عنقریب آگے آنیوالا ہے۔ فالمفرد میں فا فصیحہ ہے جو شرط محذوف پر دال ہوتی ہے تفصیلیہ نہیں اس لئے کہ اس سے پہلے اجمال کا ہونا ضروری ہے اور یہاں اس سے پہلے کوئی اجمال نہیں اور اَلْمُفْرَدُ الْمُنْصَرِفُ

Marfat.com

جزائے محذوف کی تفصیل اور اس کا قائم مقام ہے اصل عبارت یہ ہے اِذا عرفتَ انواعَ الاعراب فَاعلم اقسامَھا۔

قولہ اَیُ الاسمُ المفردُ۔ مفرد سے پہلے اَلاِسمُ کی تقدیر سے اس سوال کا جواب دیا گیا ہے کہ مفرد کے اعراب اگر ضمہ و فتحہ و کسرہ ہیں تو مثلاً ضربَ مفرد ہے لیکن اس کا اعراب ان میں سے ایک بھی نہیں جواب یہ کہ مفرد سے یہاں اسم مفرد مراد ہے اور ضربَ فعل مفرد ہے۔

قولہ الذی لم یکن مثنّی۔ الذی اس قاعدہ کی وجہ سے اضافہ کیا گیا ہے کہ الف لام جب اسم فاعل و اسم مفعول پر داخل ہو تو بمعنی الذی ہوتا ہے اور اسم فاعل و اسم مفعول بمعنی فعل ماضی پس مفرد بھی یہاں اسم مفعول ہے اور منصرف اسم فاعل اس لئے ان کے الف لام کو بمعنی اَلّذی بیان کیا گیا لیکن ان کو بمعنی فعل ماضی یعنی اَفرَدَ وانصرفَ اس لئے بیان نہیں کیا گیا کہ مفرد کا اطلاق چونکہ چار معنوں پر ہوتا ہے اور یہاں اس کا اطلاق جس معنی پر کیا گیا ہے وہ معنی الذی کے بعد بیان کر دیا گیا تاکہ عبارت طویل نہ ہو جائے اسی وجہ سے منصرف کے بجائے ولا غیر منصرف کہا گیا تاکہ یہ ظاہر ہو جائے کہ یہ قید احترازی ہے اتفاقی نہیں۔ واضح ہو کہ مفرد کا اطلاق جو چار معنوں پر ہوتا ہے وہ یہ ہیں (۱) وہ معنی جو مرکب کے مقابل میں آتا ہے جیسے بحث کلمہ میں آیا ہے (۲) وہ معنی جو مضاف و شبہ مضاف کے مقابل میں آتا ہے جیسے بحث منادی میں آیا ہے (۳) وہ معنی جو جملہ کے مقابل میں آتا ہے جیسے بحث تمیز میں آیا ہے (۴) وہ معنی جو تثنیہ و جمع کے مقابل میں آتا ہے جیسا کہ یہاں ہے۔ ایک مثال معرفہ کی اور دوسری نکرہ کی اس لئے بیان کیا گیا تاکہ یہ اشارہ ہو کہ مفرد منصرف عام ہے کہ وہ معرفہ بھی ہوتا ہے اور نکرہ بھی۔

قولہ الذی لم یکن بناء۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مکسر جمع کی صفت نہیں بلکہ واحد کی ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ مشتق جب کسی شئی کے ساتھ متصف ہو تو اس کے ساتھ اس کا مبدأ بھی متصف ہوتا ہے لہٰذا جمع کیساتھ جب مکسر متصف ہے تو وہ کسر کے ساتھ بھی متصف ہوگا حالانکہ کسر کیساتھ واحد متصف ہوتا ہے کیونکہ ٹوٹا ہوا واحد ہوتا ہے جمع نہیں۔ جواب یہ کہ صفت دو طرح کی ہوتی ہے ایک صفت بحال نفسہ اور دوسری صفت بحال متعلقہ۔ اول وہ ہے جو موصوف میں موجود ہو جیسے زیدٌ العالِمُ اور دوم وہ ہے جو موصوف کے متعلق میں موجود ہو جیسے رأیتُ رجلاً الذی ابوہُ قائمٌ اور یہاں جمع کی صفت جو مکسر ہے وہ صفت بمتعلقہ ہے جس کا معنی ہے وہ جمع جس کے واحد کا کسر کیا گیا ہو یعنی جس کے واحد کا وزن سالم نہ ہو۔ جو بلاشبہ درست ہے۔ سوال سنون جمع سنۃ اور ضربات جمع ضربۃ جمع مکسر نہیں لیکن اس پر جمع مکسر کی تعریف صادق آتی ہے

Marfat.com

کیونکہ ان کے واحد کا وزن بھی سالم نہیں اس لئے کہ جمع میں تاء باقی نہیں ہے۔ جواب جمع مکسر سے مراد وہ جمع ہے جس کے واحد کے آخر میں واؤ اور نون یا الف و تاء نہ ہوں اور یہ سنون مذکرات میں موجود ہیں اس لئے وہ جمع مکسر نہیں سوال مفرد و جمع مکسر جب کہ دونوں منصرف ہیں تو دونوں کو ایک ساتھ ملاکر یہ کیوں نہیں کہا گیا ۔ فالمفردُ والجمعُ المکسّرُ المنصرفان حالانکہ یہ بھی مقصود پر دال ہے اور مختصر بھی۔ جواب دونوں کو چونکہ الگ الگ لقب سے پکارا جاتا ہے اس لئے ہر ایک کو الگ الگ بیان کیا گیا۔ خیال رہے کہ جمع مکسر سے عام مراد ہے کہ وہ جمع مذکر ہو جیسے رجال جمع رجل یا جمع مؤنث ہو جیسے حمرٌ جمع حمراء۔ اسی وجہ سے جمع سالم کے ساتھ مؤنث کی قید کا اضافہ کیا گیا ہے کیونکہ جمع سالم، مذکر بھی ہوتا ہے۔ جس کا اعراب جمع مؤنث سالم کے اعراب کا غیر ہے۔ اس لئے دونوں کو علٰحدہ کرنے کے لئے مذکر و مؤنث کی قید کو بیان کیا گیا اور یہاں مذکر و مؤنث دونوں کا اعراب ایک یعنی اعراب بالحرکۃ ہے اس لئے اس قید کو بیان نہیں کیا گیا۔

قولہ کرجال۔ دو مثال سے یہ اشارہ کرنا مقصود ہے کہ جمع مکسر سے مراد عام ہے کہ اس کے واحد کا وزن کبھی کسی حرف کے زائد ہونے سے سالم نہیں رہتا جیسے رجال جمع رجل اور کبھی کسی حرف کے کم ہو جانے سے واحد کا وزن سالم نہیں رہتا جیسے طلبۃ جمع طالب اس میں تاء برائے مبالغہ ہے جس طرح نصرۃ میں ہے

فالاعرابُ فی هذین القسمین من الاسم علی الاصلِ من وجهین احدهما انّ الاصلَ فی الاعرابِ ان یکونَ بالحرکةِ والاعرابُ فیهما بالحرکةِ وثانیهما انه اذا کانَ الاعرابُ بالحرکةِ فالاصلُ ان یکونَ بالحرکاتِ الثلاثِ فی الاحوالِ الثلثِ والاعرابُ فیهما بالحرکاتِ الثلثِ فی الاحوالِ الثلثِ

ترجمہ:۔ اسم کی ان دونوں قسموں کا اعراب بدو طریقہ اصل پر ہے ان میں سے ایک طریقہ یہ کہ اعراب میں اصل یہ ہے کہ حرکت کیساتھ ہو اور مفرد منصرف اور جمع مکسر منصرف میں اعراب حرکت کیساتھ ہوتا ہے اور ان میں سے دوسرا طریقہ یہ کہ جب اعراب بالحرکۃ ہو تو اصل یہ ہے کہ تینوں حالتوں میں تین حرکتوں کے ساتھ ہو۔ اور اعراب ان دونوں قسموں میں تینوں حالتوں میں تین حرکتوں کے ساتھ ہے۔

تشریح:۔ قولہ فالاعرابُ۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ اعراب کی اس قسم کو مفرد منصرف اور جمع مکسر منصرف کے ساتھ کیوں خاص کیا گیا؟ جواب یہ کہ مفرد منصرف بدو اعتبار اصل پر ہے (۱) مفرد ہے اور وہ بہ نسبت تثنیہ و جمع اصل پر ہے کیونکہ دونوں مفرد سے بنائے جاتے ہیں (۲) منصرف ہے اور وہ بہ نسبت غیر منصرف اصل پر ہے

Marfat.com

کیونکہ اسم میں انصراف اصلی ہے اور عدم انصراف عارضی یونہی جمع مکسر منصرف بھی بہ نسبت جمع مکسر غیر منصرف جیسے مساجد اصل پر ہے اور اعراب کی یہ قسم بھی بدو اعتبار اصل پر ہے (۱) اعراب بالحرکۃ ہے اور وہ بہ نسبت اعراب بالحرف اصل پر ہے کیونکہ اعراب بالحرکۃ خفیف ہے اور اعراب بالحرف ثقیل پس اعراب بالحرکۃ میں اصل یہ ہے کہ تین حالتوں میں تین حرکات ہوں اس لئے کہ تین حرکات سے تین معانی مقتضیہ میں امتیاز تام ہوتا ہے اور جب کہ اعراب بالحرکۃ اصل ہے اور اس میں بھی اصل یہ ہے کہ تین حالتوں میں تین حرکات ہوں تو بر بنار تناسب اصل کو اصل دیا گیا۔ سوال مفرد کے بعد جمع کو بیان کیا گیا جبکہ اس کے بعد تثنیہ کا مقام ہے اور اگر جمع ہی کو بیان کیا جائے تو جمع سالم کو بیان کرنا چاہئے تھا کہ وہ اصل پر ہے جمع مکسر کو نہیں۔ جواب مفرد کے بعد تثنیہ کو اس لئے بیان نہیں کیا کہ تثنیہ کا اعراب بالحرف ہے اور مفرد کا اعراب بالحرکۃ اور جمع سالم جب کہ مؤنث ہو اس کا اعراب اگرچہ بالحرکۃ ہے لیکن تین حالتوں میں تین حرکات کے ساتھ نہیں بلکہ دو حرکات کیساتھ ہے برخلاف جمع مکسر کہ اس کا اعراب بالحرکۃ ہے اور تینوں حالتوں میں تین حرکتوں کے ساتھ اس لئے مفرد کے بعد اس کو بیان کیا گیا۔

فالاعرابُ فیہما بالضمۃِ رفعًا ای حالۃَ الرفعِ والفتحۃِ نصبًا ای حالۃَ النصبِ والکسرۃِ جرًّا ای حالۃَ الجرِّ فنصبُ قولہ رفعًا ونصبًا وجرًّا علی الظرفیۃِ بتقدیرِ مضافٍ ویحتملُ النصبُ علی الحالیۃِ او المصدریۃِ فالقسمُ الاوّلُ مثلُ جاءنی رجلٌ ورایتُ رجلًا ومررتُ برجلٍ والقسمُ الثانی مثل جاءنی طلبۃٌ ورایتُ طلبۃً ومررتُ بطلبۃٍ

ترجمہ:— ان دونوں قسموں میں اعراب (ضمہ کیساتھ ہے رفع میں) یعنی حالت رفع میں (اور فتحہ کے ساتھ ہے نصب میں) یعنی حالت نصب میں (اور کسرہ کیساتھ ہے جر میں) یعنی حالت جر میں مصنف کے قول رفعًا ونصبًا وجرًّا کا نصب بتقدیر مضاف ظرفیت پر ہے اور وہ نصب کا احتمال حال یا مصدر ہونے کی بناء پر بھی رکھتا ہے پس قسم اوّل جیسے جاءنی رجلٌ ورایتُ رجلًا ومررتُ برجلٍ اور قسم دوم جیسے جاءنی طلبۃٌ ورایتُ طلبۃً ومررتُ بطلبۃٍ۔

تشریح:— قولہ فالاعرابُ فیہما۔ اس عبارت سے یہ اشارہ مقصود ہے کہ متن میں بالضمۃ کا متعلق محذوف ہے بصریین کے نزدیک وہ متعلق یعربان ہے اور کوفیین کے نزدیک معربان ہے

بیانہ بالضمۃ رفعًا۔ حرکت بنائیہ کے وہم سے احتراز کے لئے بالضمۃ کے بعد رفعًا کو بیان کیا گیا

Marfat.com

کیونکہ ضمہ کا اطلاق جس طرح حرکت اعرابیہ پر ہوتا ہے اسی طرح حرکت بنائیہ پر بھی حالانکہ مقصود یہاں صرف حرکت اعرابیہ کو بیان کرنا ہے اور صرف رفعاً پر اس لئے اکتفا نہیں کیا گیا کہ یہ بتانا مقصود ہے کہ ان دونوں قسموں کا اعراب بالحرکۃ ہے اعراب بالحرف نہیں کیونکہ رفع کا اطلاق جس طرح اعراب بالحرکۃ پر ہوتا ہے اسی طرح اعراب بالحرف پر بھی ۔ خیال رہے کہ متن کی یہ ترکیب عاملین مختلفین کے دو معمول پر عطف کے قبیل سے ہے اس لئے کہ الفتحۃ کا عطف الضمۃ پر ہے اور الضمۃ کا عامل حرف با ہے اور نصبًا کا عطف رفعًا پر ہے اس کا عامل فعل مقدر ہے اسی طرح الکسرۃ کا عطف الضمۃ پر ہے اور جرًا کا عطف رفعًا پر ہے اور اس میں مجرور مقدم بھی ہے جیسا کہ مشہور مثال ہے فی الدارِ زیدٌ والحجرۃِ عمروٌ ۔

قولہ اَیُّ حالۃ الرّفع ۔ یہ اُس سوال کا جواب ہے کہ رفعًا اور اس کے ہر دو معطوف کا نصب مفعول فیہ ہونے کی بنا پر ہے یا مفعول مطلق یا حال ہونے کی بنا پر تینوں احتمال باطل ہیں اول اس لئے کہ مفعول فیہ زمان ہوتا ہے یا مکان اور رفعًا وغیرہ دونوں میں سے کوئی نہیں دوم اس لئے کہ مفعول مطلق کو فعل سابق اس طرح مشتمل ہوتا ہے جیسے کل جزء کو اور یہاں یعربان فعل سابق رفعًا وغیرہ کو مشتمل نہیں ۔ سوم اس لئے کہ حال ذوالحال پر محمول ہوتا ہے ۔ اور رفعًا وغیرہ مصدر ہیں جو حمل کی صلاحیت نہیں رکھتے جواب یہ کہ تینوں احتمال درست ہیں لیکن اول تبقدیر مضاف یعنی حالۃ رفعٍ وحالۃ نصبٍ وحالۃ جرٍ اور دوم تبقدیر موصوف اور رفعًا وغیرہ اسم منسوب یعنی یُعربانِ اعرابًا رفعیًا ونصبیًا وجریًا موصوف کو حذف کرکے صفت کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا ۔ سوم رفعًا وغیرہ بمعنی مفعول ہیں یعنی حالَ کونہما مرفوعین ومنصوبین ومجرورین ۔ اخیر دونوں صورتوں کو احتمال سے تعبیر کرنے میں ان کی صفت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ پہلی صورت کی بہ نسبت اخیر دونوں صورتوں میں زیادہ حذف لازم آتا ہے ۔ کیونکہ پہلی صورت میں صرف یک حذف یعنی حذف مضاف لازم آتا ہے اور دوسری صورت میں دو حذف لازم آتے ہیں ایک حذف موصوف اور دوسرا حذف یاء نسبتی اور تیسری صورت میں بھی دو حذف لازم آتے ہیں ایک حذف مفعول اور دوسرا حذف ادوات تثنیہ

جمع المؤنث السالم وھو ما یکون بالالف والتاء واحترز بہ عن المکسر فانہ قد عُلِمَ بالضمۃ رفعًا والکسرۃ نصبًا وجرًا فان النصب فیہ تابعٌ للجر اجراءً للفرع علی وتیرۃ الاصل الذی ھو جمع المذکر السالم فان النصب فیہ تابعٌ للجر کما سیجئ ذکرہ مثل جاءتنی مسلماتٌ ورایتُ مسلماتٍ ومررتُ بمسلماتٍ

Marfat.com

ترجمہ: ـــــ (جمع مؤنث سالم) اور وہ جمع ہے جو الف وتاء کے ساتھ ہو اس قید سے اس کا جمع مکسر سے احتراز ہوگیا کیونکہ جمع مکسر کا حال معلوم ہے (ضمہ کے ساتھ ہے) حالت رفع میں (اور کسرہ کے ساتھ ہے) حالت نصب وجر میں اس لئے کہ جمع مونث سالم میں نصب، جر کے تابع ہے فرع کو اصل کے طریقہ پر جاری کرتے ہوئے جو کہ وہ جمع مذکر سالم ہے کیونکہ جمع مذکر سالم میں نصب، جر کے تابع ہوتا ہے جیسا کہ اس کا ذکر عنقریب آئے گا جیسے جاء تنی مسلماتٌ و رایتُ مسلماتٍ ومررتُ بمسلماتٍ۔

تشریح: ـــ بیانہٗ جمع المؤنث۔ سوال جمع مؤنث سالم کو غیر منصرف پر کیوں مقدم کیا گیا؟ جب کہ غیر منصرف مفرد بھی ہوتا ہے اور مفرد مستحق تقدیم ہے۔ جواب تقدیم کی ایک وجہ یہ کہ جمع مؤنث سالم میں اصل کی مخالفت قلیل اور غیر منصرف میں اصل کی مخالفت کثیر ہے کیونکہ غیر منصرف میں ایک حرکت متروک ہوتی ہے اور تنوین بھی نہیں آتی اور جمع مؤنث سالم میں ایک حرکت متروک ہوتی ہے لیکن تنوین متروک نہیں ہوتی۔ دوسری وجہ یہ کہ غیر منصرف کا مفہوم سلبی ہے اور جمع مؤنث سالم کا مفہوم وجودی اور وجودی کو عدمی پر شرافت حاصل ہے خیال رہے کہ السالم مرفوع ہے جو صفت ہے جمع کی المؤنث کی نہیں اگرچہ وہ لغۃً المؤنث ہی کی صفت ہے کیونکہ سالم دمکسر واحد ہوتا ہے جمع نہیں کما مر لیکن یہاں اس کا یہ اصطلاحی معنی مراد ہے کہ جمع مؤنث سالم وہ جمع ہے جس کے واحد کے آخر میں الف وتاء کا اضافہ کیا گیا ہو پس اس صورت میں اس کا معنی ہوا مؤنث کی جمع سالم نہ کہ مؤنث سالم کی جمع اور جمع چونکہ مضاف ہے معرف باللام کی طرف اس لئے وہ بھی السالم صفت کی طرح معرفہ ہے

قولہ وھو ما یکون۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ یہ اعراب جمع مؤنث سالم کیساتھ خاص نہیں کیونکہ یہ مرفوعات جمع مرفوع ومنصوبات جمع منصوب ومجرورات جمع مجرور میں بھی پایا جاتا ہے حالانکہ جمع مذکر سالم نہیں۔ جواب یہ کہ مرفوعات وغیرہ جمع مؤنث سالم ہیں جمع مذکر سالم نہیں کیونکہ جمع مؤنث سالم اصطلاح میں وہ جمع ہے جس کے واحد کے آخر میں الف وتاء کا اضافہ کیا گیا ہو عام ازیں کہ اس کا واحد مؤنث ہو جیسے مسلمات جمع مسلمۃ یا مذکر ہو جیسے مرفوعات جمع مرفوع وغیرہ۔

قولہ رفعًا۔ اس کے اور نصبًا وجرًا کی تقدیر سے اس وہم کا ازالہ مقصود ہے کہ جمع مؤنث سالم اگر ضمہ وکسرہ کیساتھ ہو تو ایک حالت میں حرف واحد پر دو حرکتوں کا اجتماع لازم آئے گا جو ممنوع ہے حاصل ازالہ یہ کہ جمع مؤنث سالم پر ضمہ وکسرہ ایک حالت میں نہیں بلکہ دو حالتوں میں آتے ہیں حالت رفع میں ضمہ آتا ہے اور حالت نصب وجر میں کسرہ سوال رفعًا ونصبًا وجرًا کو شارح نے بیان فرمایا مصنف نے کیوں نہیں؟ جواب

Marfat.com

امتحان متعلم کے لئے یا لوجہ اختصار یا ماسبق پر اکتفا کرنیکی وجہ سے مصنف نے ان کو بیان نہیں فرمایا۔

قولہ فان النصب ۔ یہ اُس سوال کا جواب ہے کہ جمع مؤنث سالم میں نصب کو جر کے تابع کیوں کیا جاتا ہے؟ جبکہ نصب، جر کی بہ نسبت اصل ہے ۔ جواب یہ کہ جمع مؤنث سالم فرع ہے اور جمع مذکر سالم اس کی اصل اور اصل میں چونکہ نصب، جر کے تابع ہے کما سیاتی! اس لئے فرع میں بھی نصب کو جر کے تابع کیا گیا ہے تاکہ فرع اصل کے مخالف نہ ہو۔ جمع مذکر سالم اصل اور جمع مؤنث سالم فرع اس لئے ہے کہ جمع مذکر سالم کا واحد اکثر مذکر ہوتا ہے اور جمع مؤنث سالم کا واحد اکثر مؤنث ہوتا ہے ۔ سوال جمع مذکر سالم جب کہ اصل ہے اور جمع مؤنث سالم فرع تو جمع مذکر سالم کی طرح جمع مؤنث سالم کا اعراب بھی حروف سے ہی ہونا چاہئے نہ کہ ضمہ وکسرہ سے ۔ جواب جمع مؤنث سالم کے آخر میں کوئی ایسا حرف نہیں جس میں اعراب بننے کی صلاحیت رکھ سکے اس لئے جمع مؤنث سالم کا اعراب بالحروف نہیں ہوا اور اسی وجہ سے اس کو جمع مذکر سالم سے پہلے بیان کیا گیا کیونکہ جمع مذکر سالم کا اعراب بالحروف ہے اور جمع مؤنث سالم کا اعراب بالحرکۃ ہے اور اعراب بالحرکۃ اصل ہے اور اعراب بالحروف فرع۔

غیرُ المنصرفِ بالضمۃِ رفعًا، والفتحۃِ نصبًا وجرًا فالجرُّ فیہ تابعٌ للنصبِ کما سندکرُہٗ نحو جاء نی احمدُ ورایتُ احمدَ ومررتُ باحمدَ

ترجمہ: ـــــ (غیر منصرف ضمہ کیساتھ ہے) حالت رفع میں (اور فتحہ کیساتھ ہے) حالت نصب وجر میں۔ پس اس میں جر، نصب کے تابع ہے اس بناء پر جو ہم اس کو عنقریب بیان کریں گے جیسے جاءنی احمدُ ورایتُ احمدَ ومررتُ باحمدَ۔

تشریح :ـــ بیانہٗ غیر المنصرف ۔ سوال غیر منصرف پر حالت جر میں فتحہ کیوں آتا ہے کسرہ کیوں نہیں؟ جواب وہ فعل کے مشابہ ہے اور فعل پر کسرہ وتنوین نہیں آتی اس لئے اس پر بھی کسرہ وتنوین نہ آئیگی کما سیاتی سوال جمع مؤنث سالم یا جمع مذکر سالم یا تثنیہ کو اگر کسی مؤنث کا علم بنا دیا جائے تو تانیث معنوی اور علمیت کے سبب وہ غیر منصرف ہوں گے لیکن کسی پر بھی غیر منصرف کی طرح اعراب نہیں آتا کہ غیر منصرف کا رفع ضمہ سے ہو اور نصب وجر فتحہ سے ۔ جواب ضمہ سے مراد عام ہے کہ وہ حقیقۃً ہو یا حکمًا اسی طرح فتحہ سے بھی مراد عام ہے کہ وہ حقیقۃً ہو یا حکمًا پس جب تثنیہ کو کسی مؤنث کا علم بنا دیا جائے تو رفع کی حالت میں الف حکمًا ضمہ ہوگا اور نصب وجر کی حالت میں یا ماقبل مفتوح حکمًا فتحہ ہوگا اسی طرح جمع مذکر سالم مثلاً مسلمون کو کسی مؤنث کا علم بنا دیا جائے تو رفع کی حالت

Marfat.com

ہیں واؤ ماقبل مضموم حکماً ضمہ ہوگا اور نصب وجر کی حالت میں یاء ماقبل مکسور فتحہ ہوگا یونہی جمع مؤنث سالم مثلاً مسلمات کو جب کبھی مؤنث کا علم بنادیا جائے تو رفع کی حالت میں ضمہ حقیقۃً ہوگا اور نصب وجر کی حالت میں کسرہ حکماً فتحہ ہوگا ۔ سوال غیر منصرف پر جر کی حالت میں فتحہ کیوں آتا ہے اگر اس پر ضمہ مان لیا جائے تو کیا حرج ہے؟ جواب رفع علامت عمدہ ہے اور جر علامت فضلہ اس لئے جر کو رفع کے تابع کر کے جر کی حالت میں رفع دینا درست نہیں ہاں البتہ جر کو نصب کے تابع کر کے جر کی حالت میں فتحہ دینا درست ہے کیونکہ جر کی طرح نصب بھی علامت فضلہ ہے ۔

اخوكَ وابوكَ وحموكِ بکسر الکاف لان الحمَ قریبُ المرأۃِ من جانبِ زوجِها فلا یضافُ الا الیها وهنوكَ والهنُ الشئ المنکر الذی یستهجن ذکرہٗ کالعورۃِ الغلیظۃِ والصفاتِ الذمیمۃِ والافعالِ القبیحۃِ وهذہ الاسماءُ الاربعۃُ منقوصاتٌ واویۃٌ

ترجمہ: ـــــ (اخوك وابوك وحموك) کاف کے کسرہ کیساتھ اس لئے کہ حم شوہر کی جانب عورت کے رشتہ دار کو کہتے ہیں پس حم کی اضافت عورت ہی کی جانب ہوگی (اور هنوك) اور هنٌ وہ شئی منکر ہے جس کا ذکر قبیح سمجھا جاتا ہو جیسے عورت غلیظہ یعنی شرم گاہ اور بُری عادتیں اور بُرے کام اور یہ چاروں اسماء منقوصات واوی ہیں

تشریح: ـــــ بیانہ اخوك وابوك ۔ اعراب بالحرکۃ کے محلوں کو بیان کرنے کے بعد اب اعراب بالحرف کے محلوں کو بیان کیا جاتا ہے لیکن ان میں سب سے پہلے اسماء ستہ مکبرہ کو اس لئے بیان کیا کہ ان کا اعراب بالحروف تین حالتوں میں تین حروف کیساتھ آتا ہے بقیہ دوسرے اسماء اس طرح نہیں اور اسماء ستہ میں سے اخ کی تقدیم اب پر آیت کریمہ یومَ یفرُّ المرءُ مِنْ اخیہِ وَامہٖ وابیہٖ وصاحبتہٖ وبنیہ کی وجہ سے ہے کہ اس میں بھی اخ کو اب پر مقدم کیا گیا ہے حالانکہ معاملہ برعکس ہے کہ اب کے بعد ہی اَخ کا وجود ہوتا ہے غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں قرابت کا ذکر ہے جس میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کو بتایا گیا ہے اور ظاہر ہے اخ ادنیٰ ہے اور اب اعلیٰ ۔ سوال اخوك ابوك وغیرہ اسماء ستہ مکبرہ کے امثال ہیں جن کو یہاں بیان کرنا اسلوب سابق کے خلاف کے علاوہ اس ضابطہ کے بھی خلاف ہے کہ فن میں مقصود مطلق شئی کے احکام کا بیان ہوتا ہے جیسے سابق میں مفرد منصرف وجمع مکسر منصرف وغیرہ کو بیان کیا گیا ہے او۔ اگر اس کے امثال محدود ہوں تو امثال ہی کو بیان کیا جاتا ہے اور یہاں بھی اسماء ستہ مکبرہ کے امثال محدود ہیں اس لئے

Marfat.com

مثل ہی کو بیان کیا گیا تاکہ ممثل لہٗ پھر اس کے بعد امثال کا بیان موجب طوالت نہ ہو جائے

قولہ لان الحم۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ جس طرح اَبٌ اور اَخٌ کو ضمیر مذکر کی طرف مضاف کیا گیا اسی طرح حم کو بھی ضمیر مذکر کی طرف مضاف کیوں نہیں کیا گیا؟ جواب یہ کہ حمٌ عورت کے اس رشتہ دار کو کہتے ہیں جو شوہر کی طرف سے ہو جیسے عورت کا سسر دیور اس کی ساس و نند سوتیلی بیٹی وغیرہ لہذا وہ ضمیر مؤنث کی طرف مضاف ہوگا بر خلاف اَبٌ و اَخٌ کہ وہ عام ہے اس لئے امتیاز کے لئے اس کو ضمیر مذکر کی طرف مضاف کیا گیا۔

قولہ والھن الشئ۔ شئ منکر ھنٌ کی صفت کاشفہ ہے یعنی ہنٌ اس شئ منکر کو کہتے ہیں جس کا ذکر قبیح ہو مثلاً شرم گاہ کے متعلق یہ کہنا کہ اس کا ذکر طویل ہے یا ٹیڑھا ہے یا اس کا دُبر وسیع ہے اور مثلاً بُرے صفات کے متعلق یہ کہنا کہ اس کی ناک چھوٹی ہے اور چپٹی ہے اور اس کا پیر بڑا ہے اور مثلاً بُرے افعال کے متعلق یہ کہنا کہ وہ چور ہے یا زانی وغیرہ

قولہ وھذہ الاسماء۔ اَبٌ، اَخٌ، حمٌ، ھنٌ منقوصات واوی ہیں جو دراصل ابوٌ، اخوٌ، حموٌ، ھنوٌ بروزن نعلٌ بفتح اول و سکون دوم تھے انکی اصل پر قرینہ یہ ہے کہ ان کی تثنیہ ابوان و اخوان و حموان و ھنوان ہیں ۰ واؤ کی حرکت کو نقل کر کے ماقبل کو دیا گیا پھر اجتماع ساکنین کی وجہ سے واؤ گر گئی یہی وجہ ہے کہ بوقت اضافت واؤ لوٹ آتی ہے اس لئے کہ وہاں اجتماع ساکنین لازم نہیں آتا کیونکہ اضافت مانع تنوین ہوتی ہے۔ منقوص واوی کو اجوف واوی اور لفیف پر اس لئے مقدم کیا گیا کہ منقوص واوی کثیر ہیں اور کثیر کو شرافت حاصل ہے لان العزۃ للکاثر اور اس لئے بھی کہ منقوص میں خلاف قیاس کوئی تغیر نہیں ہوا ہے اور اجوف و لفیف میں خلاف قیاس ایک ایک حرف حذف ہوا ہے اس لئے جو قیاس کے مطابق ہے وہ پہلے بیان کیا گیا۔

وَفُوکَ وھُوَ اجوفُ واوِیٌ لانہٗ ھاءِ اذُ اَصْلُہٗ فوہٌ وذومالٍ وھُوَ لفیفٌ مقرونٌ بالواوینِ اذُ اَصْلُہٗ ذوو وانّما اُضیفَ ذوا لی الاسمِ الظاھرِ دُونَ الکافِ لانہٗ لایضافُ الّا الیٰ اَسماءِ الاجناسِ

ترجمہ:۔ (اور فوک) اور وہ اجوف واوی ہے جس کا لام کلمہ ہا رہے اس لئے کہ اس کی اصل فوہٌ ہے (اور ذومال) اور وہ دو واؤ کی وجہ سے لفیف مقرون ہے اس لئے کہ اس کی اصل ذو و ہے اور ذو کی اضافت اسم ظاہر کی طرف کی گئی کاف کی طرف نہیں اس لئے کہ وہ اسماء اجناس ہی کی طرف مضاف ہوتا ہے۔

تشریح:۔ قولہ وھواجوفٌ۔ یعنی فواجوف واوی ہے جو دراصل فوہٌ تھا اس پر قرینہ یہ ہے کہ اس کی جمع

Marfat.com

انواہ آتی ہے اور فوہ سے با کا حذف خلاف قیاس ہے لیکن وہ اسم جب مضاف نہ ہو تو واؤ کو میم سے دجوباً بدل کر فم کہتے ہیں اور جب وہ اسم مضاف ہو تو واؤ کو میم سے بدلنا اور نہ بدلنا دونوں صورتیں جائز ہیں۔ واؤ کو اگر میم سے بدلا جائے تو فا کو فتحہ افصح ہے جب کہ ضمہ وکسرہ بھی جائز ہے اور اگر واؤ کو نہ بدلا جائے تو حرکت بناء حرکت اعرابیہ کے تابع ہوگی یعنی رفع کی حالت میں فا کو ضمہ اور نصب کی حالت میں فتحہ اور جر کی حالت میں کسرہ ہوگا پس فوک فاک فیک کہا جائیگا۔

قولہ وھو لغیف مقرون۔ یعنی ذو لفیف مقرون ہے جو دراصل ذوو تھا خلاف قیاس تخفیف کے لئے ایک واؤ کو حذف کر دیا گیا۔ اس میں بھی حرکت ذال حرکت اعرابیہ کے تابع ہوتی ہے پس ذو مال و ذا مال وذی مال کہا جائیگا یہ مذکر ہے اس کی مؤنث ذات ہے جو دراصل ذوات تھا تثنیہ ذواتا ہے اور جمع مذکر سالم ذوون اور ذوین ہے۔

قولہ وانما اضیف۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ ذو کو ضمیر کی طرف مضاف کیوں نہیں کیا گیا؟ جب کہ باقی پانچوں اسموں کو مضاف کیا گیا ہے۔ جواب یہ کہ ذو ہمیشہ اسم جنس کی طرف مضاف ہوتا ہے اس لئے اس کو مال کی طرف مضاف کر کے یہ تنبیہ کی گئی کہ وہ ضمیر کی طرف مضاف نہیں ہو سکتا برخلاف باقی پانچوں اسم کہ وہ اسم جنس کی طرف مضاف ہوتے ہیں اور ضمیر کی طرف بھی اس لئے یہاں ضمیر کی طرف مضاف کر کے دونوں میں امتیاز کر دیا گیا

فاعرابُ ھٰذہ الاسماء الستۃ بالواوِ رفعًا والالفِ نصبًا والیاءِ جرًّا ولکن لا مطلقًا بل حالَ کونِھا مکبرۃً اِذ مصغراتھا معربۃٌ بالحرکاتِ نحو جاء نی اُخیکَ ورایتُ اخیکَ ومررتُ باخیکَ وموحدۃً اذا المثنّٰی والجموعُ منھا معربٌ باعرابِ التثنیۃِ والجمع

ترجمہ: — پس ان چھوؤں اسموں کا اعراب (واؤ کیساتھ ہے) حالت رفع میں (اور الف کیساتھ ہے) حالت نصب میں (اور یاء کیساتھ ہے) حالت جر میں لیکن مطلقاً نہیں بلکہ اس حال میں کہ وہ مکبرہ ہوں کیونکہ ان کے مصغرات حرکات کیساتھ معرب ہیں جیسے جاء نی اُخیک ورایت اخیک ومررتُ باخیک اور موحدہ ہوں اس لئے کہ انکی تثنیہ وجمع اعراب تثنیہ وجمع کے ساتھ معرب ہیں۔

تشریح: — قولہ فاعرابُ ھذہ۔ یہ اس سوال کے جواب کی طرف اشارہ ہے کہ متن میں بالواؤ والالف والیاء

Marfat.com

کا ذکر فضول ہے اس لئے کہ اخوک وابوک وغیرہ میں واؤ موجود ہے پھر رفع کی حالت میں واؤ اور نصب کی حالت میں الف اور جر کی حالت میں یاء کہنے کی ضرورت کیا؟ جواب یہ کہ اخوک وابوک وغیرہ میں واؤ وغیرہ اگرچہ مذکور ہے لیکن ضمناً اس لئے اس کو صراحۃً بیان کیا گیا یعنی اسماء مذکورہ بخصوصہا مراد نہیں بلکہ ان کی انواع مراد ہیں جن کو اسماء ستہ سے تعبیر کیا جاتا ہے

قولہ لکن لا مطلقاً۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ جب اسماء ستہ مصغرہ ومثنی ومجموع ہوں تو ان پر یہ اعراب نہیں آتے کیونکہ اگر مصغر ہوں تو ان پر مفرد منصرف کا اعراب ہوگا یعنی تینوں حالتوں میں اعراب بحرکات ثلاثہ لفظی آتا ہے جیسے جاءنی ابیک ورایتُ ابیک ومررتُ بابیک اور اگر وہ مثنی ہوں تو ان پر مثنی کا اعراب ہوگا یعنی حالت رفع میں الف اور حالت نصب وجر میں یاء ماقبل مفتوح ہونگے جیسے جاءنی ابویک ورایتُ ابویک ومررتُ بابویک اور اگر جمع مکسر ہیں تو ان پر جمع مکسر کا اعراب ہوگا یعنی تینوں حالتوں میں اعراب بحرکات ثلاثہ لفظی ہوگا جیسے جاءنی آبارک ورایت آبارک ومررتُ بآبایک اور اگر جمع مذکر سالم ہیں تو جمع مذکر سالم کا اعراب ہوگا یعنی حالت رفع میں واؤ ماقبل مضموم اور حالت نصب وجر میں یاء ماقبل مکسور ہوں گے جیسے جاءنی ابوک ورایتُ ابیک ومررتُ بابیک جواب یہ کہ اسماء ستہ پر جو اعراب مذکور آتے ہیں مطلقاً نہیں بلکہ اس شرط کے ساتھ کہ وہ مکبرہ وموحدہ ہوں پس مکبرہ کی قید سے وہ اسماء نکل گئے جو مصغرہ ہیں اور موحدہ کی قید سے مثنی ومجموع نکل گئے۔ خیال رہے کہ عبارت میں مصغراتھا سے مراد بعض مصغرات ہیں اس لئے کہ بعض اسماء ستہ یعنی ذو کی تصغیر نہیں آتی۔

وانما لم یصرح بھذین القیدین اکتفاءً بالامثلۃ مضافۃً لانھا اذا کان مکبرۃً موحدۃً ولم تکن مضافۃً اصلاً فاعرابھا بالحرکات نحو جاءنی اخ ورایتُ اخاً ومررتُ باخٍ فینبغی ان تکون مضافۃً ولکن الی غیر یاء المتکلم لانھا اذا کانت مضافۃً الی یاء المتکلم فحالھا کسائر الاسماء المضافۃ الیھا ولم یکتفِ فی ھذا الشرط بالمثال لئلا یتوھم اشتراط اضافتھا بکونھا الی الکاف

ترجمہ: ——— اور ان دونوں قیدوں کی مثالوں پر اکتفا کرنے کی وجہ سے صراحۃً بیان نہیں کیا گیا (مضاف ہونے کی حالت میں) اس لئے کہ وہ جب مکبرہ وموحدہ ہوں وہ قطعاً مضاف نہ ہوں تو ان کا اعراب حرکات کے ساتھ ہوگا جیسے جاءنی اخٌ ورایتُ اخاً ومررتُ باخٍ پس مناسب ہے وہ مضاف ہو لیکن (یاء متکلم کے علاوہ کی طرف) اس لئے کہ وہ جب یاء متکلم کی طرف مضاف ہونگے تو ان کا حال باقی ان اسماء کی طرح ہوگا جو یاء متکلم کی طرف مضاف

Marfat.com

ہوتے ہیں اور اس شرط میں مثال پر اکتفا اس لئے نہیں کیا گیا تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ ان اسماء کا کاف کی طرف مضاف ہونا شرط ہے۔

تشریح :۔ قولہ وانما لم یصرح: یہ اس سوال کا جواب ہے کہ جب اسماء ستہ میں مکبرہ و موحدہ کی قید کا لحاظ ہے تو ماتن نے ان کو صراحۃً کیوں نہیں بیان کیا؟ جواب یہ کہ ان قیدوں کو مثالوں پر اکتفا کرنے کی وجہ سے صراحۃً بیان نہیں کیا۔

قولہ لِاَنَّھَا اِذَا کَانَ ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اسماء ستہ میں مضاف کی قید کا لحاظ کیوں ہے؟ جواب یہ کہ وہ اگر مکبرہ و موحدہ ہوں لیکن مضاف نہ ہوں تو ان پر مفرد منصرف کا اعراب ہوگا جیسے جاء نی اخٌ ورئیتُ اخًا ومررتُ باخٍ۔

قولہ لِاَنَّھَا اِذَا کَانَت۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ اسماء ستہ میں غیر یاء متکلم کی طرف مضاف ہونے کی قید کا لحاظ کیوں ہے؟ جواب یہ کہ اسماء ستہ اگر مکبرہ و موحدہ ہوں لیکن یاء متکلم کی طرف مضاف ہوں تو غلامی کی طرح ان کا رفع ضمہ تقدیری سے اور نصب فتحہ تقدیری سے اور جر کسرہ تقدیری سے ہوگا جیسے جاء نی اخی ورئیت اخی ومررتُ باخی خیال رہے کہ غیر یاء متکلم سے مراد عام ہے کہ وہ اسم ظاہر ہو یا ضمیر غائب یا ضمیر متکلم بہر حال وہی اعراب ہوگا جو متن میں مذکور ہے۔

قولہ وَلَمْ یکتفِ ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اسماء ستہ میں جب ماتن نے مکبرہ و موحدہ کی شرط کو مثال پر اکتفا فرمایا تو مضاف اور غیر یاء متکلم کی طرف مضاف ہونیکی شرط کو بھی مثال پر کیوں نہیں اکتفا کیا؟ جواب یہ کہ ان دونوں شرطوں کو بھی مثال پر اکتفا کرنے سے یہ وہم ہو سکتا تھا کہ اسماء ستہ کو اعراب مذکور صرف اس صورت میں ہے جب کہ وہ ضمیر کی طرف مضاف ہوں اور ذو مال کی طرف مضاف ہو حالانکہ ان کو ضمیر کے علاوہ اسم ظاہر کی طرف اور ذو کا مال کے علاوہ کسی بھی اسم ظاہر کی طرف مضاف ہونے سے بھی یہی اعراب دیا جاتا ہے اور یہ دونوں شرط شارح کے نزدیک چونکہ ایک شرط ہے اس لئے انہوں نے نہا الشرطُ لفظ واحد سے تعبیر فرمایا یا یہ کہ شرط کے اوپر الف لام عہد خارجی کا ہے جس کے معہود دونوں ہیں۔

وَانَّمَا جُعِلَ اِعرابُ ھٰذِہٖ الاسماءِ بالحُروفِ لانھم لمّا جعلوا اعرابَ المثنیٰ وجمعِ المذکرِ السّالمِ بالحروفِ اَرادُوا ان یجعلُوا اعرابَ بعضِ الاحَادِ ایضًا کذلک لئلا یکونَ بینھما وبین الاحَادِ وحشۃٌ ومنافرۃٌ تامۃٌ

Marfat.com

ترجمہ: ـــــ اوران اسمول کا اعراب حروف کیساتھ اس لئے کیا گیا کہ نحویوں نے جب تثنیہ وجمع مذکر سالم کا اعراب حروف کے ساتھ کیا تو یہ ارادہ کیا کہ کچھ احاد کا اعراب بھی اسی طرح کر دیا جائے تاکہ تثنیہ وجمع اور احاد کے درمیان اجنبیت اور منافرت نامہ نہ رہے۔

تشریح: ـــــ قولہ وانما جُعلَ ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اسماء ستہ مفرد ہیں اور مفرد میں اصل اعراب بالحرکۃ ہوتا ہے لہذا اسماء ستہ کو اعراب بالحروف کیوں دیا جاتا ہے؟ جواب یہ کہ مفرد کا اعراب چونکہ اعراب بالحرکۃ ہوتا ہے اور تثنیہ وجمع کا اعراب بالحروف ہوتا ہے اس لئے مناسب سمجھا گیا کہ بعض مفرد کا اعراب بھی اعراب بالحروف ہوتا کہ مفرد وتثنیہ وجمع کے درمیان جو منافرت ودوری ہے ختم ہو جائے یہ بھی جواب ممکن ہے کہ باب اعراب میں اعراب بالحروف اگرچہ اعراب بالحرکات کی فرع ہے کیونکہ حرکات خفیف ہوتی ہیں اور حروف ثقیل لیکن حروف حرکات کی بہ نسبت اصل ہیں اس لئے کہ ہر حرف بمنزلۂ دو حرکت ہوتا ہے یا اس سے زائد اس لئے کہ حرکت کے اشباع سے حرف پیدا ہوتا ہے کیونکہ اشباع اگر ایک حرکت کی مقدار ہے تو حرف بمنزلۂ دو حرکت ہوتا ہے اور اگر اشباع دو حرکت کی مقدار ہے تو حرف بمنزلۂ حرکات ہوتا ہے بہرحال حروف قوی ہوئے اس لئے یہ غیر مناسب ہے کہ مثنیٰ ومجموع کو اعراب قوی کے ساتھ خاص کیا جائے کہ اصل پر فرع کی زیادتی لازم آئیگی کیونکہ دونوں مفرد کی فرع ہیں اس لئے کہ مفرد ہی سے وہ مشتق ہوتے ہیں اسی وجہ سے بعض مفردات کو بھی اعراب بالحرف دیا گیا۔

وانما اختاروا اسماءً ستةً لانّ اعرابَ کلٍ من المثنیٰ والمجموعِ ثلاثةٌ فجعلوا فی مقابلةِ کلِ اعرابٍ اسماً وانما اختاروا هذهِ الاسماءَ الستةَ لشابتها المثنیٰ والمجموعَ فی کونِ معانیها منبئةً عن تعددٍ ولوجودِ حرفٍ صالحٍ للاعرابِ فی اواخرِهن الاعرابِ سماعًا بخلاف سائرِ الاسماءِ المحذوفةِ الاعجازِ کیدٍ ودمٍ فانهٗ لم یسمع فیها من العربِ اعادةُ الحرفِ المحذوفةِ عند الاعرابِ

ترجمہ: ـــــ اور نحویوں نے چھ ہی اسموں کو اس لئے اختیار کیا کہ تثنیہ وجمع میں سے ہر ایک کا اعراب تین تھا انہوں نے ہر اعراب کے مقابل میں ایک اسم کو کر دیا اور انہوں نے ان ہی چھ اسموں کو اس لئے اختیار کیا کہ وہ تثنیہ وجمع کے مشابہ ان کے معانی کا تعدد کی خبر دینے میں ہے اور اس لئے کہ ان کے آخر میں ایک ایسا حرف موجود ہے جو بوقت اعراب سماعًا اعراب کی صلاحیت رکھتا ہے برخلاف باقی اسماء محذوفۃ الاعجاز جیسے ید ودم کہ اس میں بوقت اعراب حروف محذوفہ کا اعادہ عرب سے مسموع نہیں۔

Marfat.com

تشریح :— قولہ وانما اختاروا ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ اعراب بالحروف کو چھ ہی اسموں کیساتھ کیوں خاص کیا گیا جواب یہ کہ تثنیہ و جمع کے احوال (رفع ۔ نصب ۔ جر) چھ ہیں تین تثنیہ کے اور تین جمع کے اسلئے ہر حال کے مقابل میں ایک ایک اسم کو رکھا گیا تو کل چھ ہو گئے

قولہ وانما اختاروا یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اعراب بالحروف کو ان ہی چھ اسموں کیساتھ کیوں خاص کیا گیا ؟ دوسرے کیساتھ کیوں نہیں ؟ جواب یہ کہ ان اسموں کے اندر تثنیہ و جمع کے ساتھ لفظی و معنوی دونوں مشابہت موجود ہے معنوی مشابہت یہ کہ تثنیہ و جمع کی طرح ان کے معنی سے بھی تعدد متصور ہے اس لئے کہ اب مستلزم ہے ابن کو اور اخ مستلزم ہے ابن اب کو اور حم مستلزم ہے عورت کو کیونکہ حم شوہر کی جانب عورت کے رشتہ دار کو کہتے ہیں اور ہن مستلزم ہے منکر (اسم فاعل) کو اس لئے کہ شئ منکر (اسم مفعول) مستلزم ہوتا ہے منکر کو اور فم مستلزم ہے ذو فم کو اور ذو مستلزم ہے مصاحبین کو جیسے ذو مال وغیرہ اور لفظی مشابہت یہ کہ تثنیہ و جمع کی طرح ان کے آخر میں بھی ایسا حرف موجود ہے جس کو اعراب قرار دیا جا سکے ۔

قولہ بخلاف سائر ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ اسماء محذوفۃ الاعجاز مثلاً یدٌ و دمٌ وغیرہ میں بھی مشابہت لفظی و معنوی دونوں موجود ہیں لیکن مشابہت لفظی اس لئے کہ یدٌ دراصل یدوٌ اور دمٌ دراصل دموٌ کے آخر میں بھی ایک ایسا حرف موجود ہے جو اعراب کی صلاحیت رکھتا ہے اور مشابہت معنوی اس لئے کہ یدٌ ذو ید کو مقتضی ہے اور دم ذو دم کو مقتضی ہے پس ید و دم کے اعراب کو بھی اسماء ستہ کے اعراب کی طرح ہونا چاہئے حالانکہ ایسا نہیں جواب یہ کہ اسماء ستہ میں چونکہ حروف محذوفہ بوقت اعراب واپس آتے ہیں اور یدٌ و دمٌ کے حروف نہیں اس لئے ان کا اعراب اسماء ستہ کے اعراب کی طرح نہ ہوگا ۔

والمثنیٰ وما یلحق بہ وھو کلا وکلتا ولم یذکرہ لکونہ فرع کلا مضافاً ای حال کون کلا وکلتا مضافاً الی مضمر

ترجمہ :— مثنیٰ ، اور جو اس کے ساتھ لاحق ہے (اور) وہ (کلا) اور یونہی کلتا اور مصنف نے کلتا کو اس لئے بیان نہیں فرمایا کہ وہ کلا کی فرع ہے (جب کہ مضاف ہو) یعنی کلا و کلتا کے مضاف ہونے کے وقت (ضمیر کی طرف)

تشریح :— قولہ وما یلحق بہ ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مثنیٰ کے بعد کلا و کلتا اور اثنان و اثنتان کا ذکر فضول ہے کیونکہ مثنیٰ کے افراد ہیں اور افراد شئ کو شئ شامل ہوتی ہے ۔ جواب یہ کہ یہ مثنیٰ کے افراد سے نہیں کیونکہ مثنیٰ کے افراد سے وہ ہوتا ہے جس کے لئے اس لفظ کا مفرد ہو جیسے رجلان کا مفرد رجل ہے اور کلا و کلتا ایسا نہیں ۔ ہاں البتہ وہ مثنیٰ کے ساتھ ملحق ہیں کیونکہ ملحق وہ ہوتا ہے جس کی صورت مثنیٰ جیسی ہو لیکن اس کے

Marfat.com

لفظ کا مفرد نہ ہوا ور کلا کلتا وغیرہ بھی ایسے ہی ہیں کہ انکی صورت مثنیٰ جیسی تو ہے لیکن ان کے لفظ کا مفرد نہیں

قولہ ولم یذکرہ ۔ یہ اُس سوال کا جواب ہے کہ مصنف نے کلا کے بعد کلتا کو کیوں نہیں بیان کیا جب کہ کلتا بھی ملحقات مثنیٰ سے ہے جواب یہ کہ کلتا، کلا کی فرع ہے اور اصل کا ذکر فرع کے ذکر کو کافی ہوتا ہے سوال اگر ایسا ہے تو پھر اثنان کے بعد اثنتان کو کیوں بیان کیا گیا؟ جب کہ اثنتان بھی اثنان کی فرع ہے ۔ جواب اثنان واثنتان چونکہ اعداد ہیں اور اعداد تذکیر وتانیث میں خلاف قیاس ہوتے ہیں کہ مذکر کے لئے تاء کے ساتھ آتے ہیں اور مؤنث کے لئے بغیر تاء جیسے ثلاثۃ مذکر کے لئے آتا ہے اور ثلاث مونث کے لئے اس لئے اثنان کے بعد اثنتان کو بیان کر کے اس امر کی طرف اشارہ فرما دیا کہ یہ دونوں اگرچہ اعداد سے ہیں لیکن قیاس کے موافق ہیں کہ اثنان مذکر کے لئے ہے اور اثنتان مونث کے لئے ۔

قولہ ای حال کون ۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ متن میں مضافاً منصوب ہے جس کی بارہ قسمیں ہیں اور یہ ان میں سے کون سی قسم ہے؟ جواب یہ کہ یہ ترکیب میں حال واقع ہے جس کے ذوالحال کلا وکلتا دونوں ہیں تقدیر عبارت یہ ہے یعرب کلا وکلتا حال کونہما مضافا۔

وانما قیّد بذلک لانّ کلا باعتبار لفظہ مفردٌ وباعتبار معناہ مثنیً فلفظہ یقتضی الاعراب بالحرکاتِ ومعناہ یقتضی الاعراب بالحروفِ فروعیَ فیہِ کلا الاعتبارَینِ فاذا اُضیفَ الی المظہر الّذی ھُوالاَصل رُوعی جانبُ لفظہ الّذی ھُوالاصلُ واُعرِبَ بالحرکاتِ التی ھِیَ الاصلُ لکن تکون حرکاتہ تقدیریۃً لانّ اٰخرہ الف تسقُط بالتقاءِ الساکنینِ نحو جاءنی کلا الرّجلین ورایتُ کلا الرّجلین ومررتُ بکلا الرّجلین واذا اُضیفَ الی المضمرِ الّذی ھوالفرعُ رُوعی جانبُ معناہ الّذی ھُوالفرعُ واُعرِبَ بالحروف التی ھی الفرعُ نحو جاءنی کلاھما ورایتُ کلیھما ومررتُ بکلیھما فلذلک قیّد کونُ اعرابہ بالحروفِ بکونہ مضافاً الی مضمرٍ

ترجمہ:— اور مصنف علیہ الرحمہ نے کلا کو مضاف ہونیکے ساتھ اس لئے مقید فرمایا کہ کلا باعتبار لفظ مفرد ہے اور باعتبار معنی مثنیٰ تو اس کا لفظ اعراب بالحرکات کا مقتضی ہے اور اس کا معنی اعراب بالحروف کا مقتضی ہے اس لئے کلا میں دونوں اعتبار کی رعایت کی گئی کہ وہ جب مظہر کی طرف مضاف ہو جو کہ وہ اصل ہے تو اس کی جہت لفظ کی رعایت کی جائیگی جو کہ وہ اصل ہے اور اعراب بالحرکات دیا جائیگا جو کہ وہ اصل ہے لیکن انکی

Marfat.com

حرکتیں تقدیری ہوں گی اس لئے کہ کلا کے آخر میں الف ہے جو التقاء ساکنین کی وجہ سے ساقط ہوجاتا ہے جیسے جاء نی کلا الرجلین و رائیت کلا الرجلین ومررت بکلا الرجلین اور جب وہ مضمر کی طرف مضاف ہو جو کہ وہ فرع ہے تو اس کی جہت معنی کی رعایت کی جائیگی جو کہ وہ فرع ہے اور اعراب بالحروف دیا جائے گا جو کہ وہ فرع ہے جیسے جاءنی کلاہما ورائیت کلیہما ومررت بکلیہما اس لئے اعراب بالحروف ہونے کے لئے کلا کو ضمیر کی طرف مضاف ہونے کے ساتھ مقید کیا گیا ہے

تشریح:۔ قولہ وانما قید بذلک ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ اعراب مذکور کے لئے کلا کو ضمیر کی طرف مضاف ہونے کیساتھ کیوں مقید کیا گیا ؟ جواب یہ کہ کلا میں دو حیثیتیں ہیں ایک باعتبار لفظ اور دوسرا باعتبار معنی باعتبار لفظ وہ مفرد ہے اس لئے کہ کل اُس کا مفرد نہیں اور ظاہر ہے مفرد اعراب بالحرکات کا مقتضی ہوتا ہے اور کلا باعتبار معنی مثنیٰ ہے کیونکہ وہ مثنیٰ کی تاکید واقع ہوتا ہے جیسے جاء نی الرجلان کلاہما اور مثنیٰ اعراب بالحروف کا مقتضی ہوتا ہے پس اس میں دونوں حیثیتوں کی رعایت کی گئی کہ وہ جب اسم ظاہر کی طرف مضاف ہو تو اعراب بالحرکات دیا جائیگا اس لئے کہ اسم ظاہر کی طرف مضاف ہونا اصل ہے اور اعراب بالحرکات بھی اصل اسی وجہ سے اصل کو اصل اعراب دیا گیا لیکن اس صورت میں اس کا اعراب تقدیری ہوگا کیونکہ اس کا آخر الف ہے جو التقاء ساکنین کی وجہ سے ساقط ہوجاتا ہے جیسے جاءنی کلا الرجلین ورائیتُ کلا الرجلین ومررتُ بکلا الرجلین اور جب وہ ضمیر کی مضاف ہو تو اعراب بالحروف دیا جائے گا کیونکہ ضمیر کی طرف مضاف ہونا خلاف اصل ہے اور اعراب بالحروف بھی خلاف اصل پس خلاف اصل کو خلاف اصل اعراب دیا جائے گا جیسے جاءنی کلاہما ورائیتُ کلیہما ومررتُ بکلیہما۔

قولہ لکن تکون حرکاتہ ۔ اس عبارت سے اس وہم کا ازالہ ہے کہ کلا وکلتا جب باعتبارِ لفظ مفرد ہیں اور مفرد کا اعراب بالحرکات ہوتا ہے اور اعراب بالحرکات لفظی بھی ہوتا ہے اور تقدیری بھی جس میں سے لفظی اصل ہے لہٰذا کلا وکلتا کا اعراب بالحرکات کو لفظی ہونا چاہئے حالانکہ تقدیری ہوتا ہے حاصل ازالہ یہ کہ ان کا اعراب لفظی نہیں تقدیری ہوگا کیونکہ ان کا آخر الف ہوتا ہے اور الف حرکت کو قبول نہیں کرتا کہ وہ ہمیشہ ساکن ہوتا ہے۔

وَاثنانِ وکذا اثنتانِ وثنتان فانّ ھٰذہ الالفاظ وان کانت مفردۃ لکن صورتہا صورۃ التثنیۃ ومعناہا معنی التثنیۃِ فالحقت بہا بالالفِ رفعًا والیاءِ المفتوحِ ما قبلہا نصبًا وجرًا کما سیجئ

Marfat.com

ترجمہ: ـــ (اور اثنان اور) یونہی (اثنتان) اور ثنتان کو یہ الفاظ اگرچہ مفرد ہیں لیکن ان کی صورت تثنیہ جیسی ہے اور ان کا معنی تثنیہ جیسا معنی ہے اس لئے ان کو تثنیہ کیساتھ لاحق کیا گیا (الف کے ساتھ ہوں گے) حالت رفع میں (اور یاء اس دیار کے ساتھ) کہ اس کے ماقبل مفتوح ہو حالت نصب وجر میں جیسا کہ عنقریب اس کا بیان آئے گا۔

تشریح: ـــ قولہ وکذا۔ اس سے یہ اشارہ ہے کہ اثنتان کا عطف اثنان پر عطف مساوی بر مساوی کے قبیل سے نہیں بلکہ عطف مشبہ بر مشبہ کے قبیل سے ہے خیال رہے کہ اثنان واثنتان دونوں مؤنث ہیں جن کا مذکر اثنان ہے۔ تاء اس میں تانیث کی نہیں کیونکہ تاء تانیث اخیر کلمہ میں ہوتی ہے یہ وسط کلمہ میں ہے کذا فی حاشیہ ملا عبدالغفور۔

قولہ فان ھذہ الالفاظ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ اثنان واثنتان تمام مفردات ہیں کیونکہ اگر وہ مثنی ہوتے تو ان کا مفرد ان ہی میں سے ہونا چاہیے حالانکہ نہیں ہوتا اور اثنی واثنتی نہیں کیا جاتا پس ان کو مثنی کے ساتھ لاحق کرنا درست نہ ہوا۔ جواب یہ کہ یہ اگرچہ باعتبار لفظ مفردات ہیں لیکن چونکہ ان کی صورت مثنیٰ جیسی ہے اور ان کا معنی مثنیٰ کی مثل ہے اس لئے ان کو مثنی کیساتھ لاحق کیا جاتا ہے۔

قولہ المفتوح ما قبلھا۔ اس قید کو مثنیٰ وجمع کے درمیان فرق پیدا کرنے کے لئے بیان کیا گیا ہے کیونکہ مثنیٰ میں یہ حالت نصب وجر یاء قبل مفتوح ہوتی ہے اور جمع مذکر سالم میں یاء ماقبل مکسور ہوتی ہے کما سیاتی وجہہ

جمع المذکر السالم والمراد بہ ما سمی بہ اصطلاحا وھو الجمع بالواو والنون قید خل فیہ نحو سنین و ارضین مما لم یکن واحدہ مذکرا لکن یجمع بالواو والنون وما الحق بہ وھو اولو جمع ذولا عن لفظہ

ترجمہ: ـــ (جمع مذکر سالم) اور اس سے مراد وہ جمع ہے جو اصطلاح میں جس کے ساتھ موسوم ہوتا ہے اور وہ جمع ہے جو واؤ اور نون کے ساتھ ہوتا ہے پس اس میں سنون وارضون جیسی جموع کہ جن کا واحد مذکر نہ تھا لیکن ان کی جمع واؤ اور نون کیساتھ آتی ہے، داخل ہو جائیں گی اور جو جمع مذکر سالم کے ساتھ لاحق کیا جائے (اولو) وہ (اولو) ہے جو ذو کی جمع بغیر لفظہ ہے۔

تشریح: ـــ قولہ والمراد بہ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ جمع مذکر سالم سے مراد آیا حقیقی ہے یعنی وہ ہے جس کا مفرد بغیر تاء ہو یا مجازی ہے یعنی وہ ہے جس کا مفرد تاء کیساتھ ہو دونوں باطل ہیں لیکن اول اس لئے کہ اس تقدیر پر مسلمون ومشرکون وغیرہ اگرچہ جمع مذکر سالم میں داخل ہوتے ہیں کیونکہ ان کا مفرد بغیر تاء آتا ہے

Marfat.com

لیکن سنون وارضون وغیرہ خارج ہوجاتے ہیں کیونکہ ان کا مفرد بغیر تاء نہیں آتا حالانکہ ان کا بھی اعراب یہی آتا ہے اور لیکن دوسرا اس لئے کہ اس تقدیر پر سنون وارضون وغیرہ اگرچہ جمع مذکر سالم میں داخل ہوتے ہیں لیکن مسلمون ومشرکون وغیرہ خارج ہوجاتے ہیں حالانکہ ان کا بھی اعراب یہی آتا ہے۔ جواب یہ کہ جمع مذکر سالم کا معنیٰ لغوی یہ کہ اس کا مفرد مذکر ہو عام ہے حقیقی ہو یا مجازی وہ یہاں مراد نہیں بلکہ مراد معنیٰ اصطلاحی ہے اور وہ یہ کہ اس کے آخر واؤ ماقبل مضموم اور نون مفتوح ہو یا یاء ماقبل مکسور اور نون مفتوح ہو عام ہے اس کا مفرد مذکر ہو جیسے مسلمون ومشرکون جمع مسلم ومشرک یا مؤنث ہو جیسے سنون جمع سنۃ اور ارضون جمع ارض میں تاء مقدر ہے کیونکہ یہ مؤنث سماعی ہے سوال اصطلاحی معنی جس طرح جمع مذکر سالم میں مراد ہے اسی طرح جمع مؤنث سالم میں بھی تو اس کو صرف جمع مذکر سالم میں کیوں بیان کیا گیا ؟ جمع مؤنث سالم میں کیوں نہیں ؟ جواب قید سابق کو قید لاحق پر اکتفا کرنے کی وجہ سے جمع مؤنث سالم میں معنی اصطلاح کو بیان نہیں کیا گیا۔

قولہ وَمَا الْحَقَ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ جمع مذکر سالم کے بعد اُولو وعشرون کا ذکر فضول ہے کیونکہ یہ دونوں بھی جمع ہیں۔ اُولو جمع ہے ذو کی اور عشرون جمع ہے عشرۃ کی۔ جواب یہ کہ یہ دونوں جمع نہیں البتہ اس کے ساتھ ملحق ہیں کیونکہ جمع وہ ہے جس کے مفرد کے آخر میں علامت جمع بڑھائی گئی ہو جیسے مومنون میں مومن اور ان دونوں لفظوں کا مفرد نہیں پس یہ جمع بھی نہیں ہاں انکی صورت جمع کی طرح ہے اس لئے یہ جمع کے ساتھ ملحق ہیں۔

قولہ جمع ذولاعن۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ اولُو جب جمع ہے ذو کی تو وہ جمع مذکر سالم کے افراد سے ہوا ملحقات سے نہیں۔ جواب یہ کہ اولُو اگرچہ جمع ہے ذو کی لیکن اس کے لفظ سے نہیں اور جمع مذکر سالم وہ ہے جس کا مفرد اس کے لفظ سے ہو۔

وعشرون واخواتها اَیْ نظائرُهَا السبعُ وهی ثلثونَ اِلیٰ تسعینَ ولیس عشرونَ جمعُ عشرةٍ وَلا ثلثون جمعُ ثلثةٍ والا تصحُّ اطلاقُ عشرینَ علیٰ ثلثین لانّهٗ ثلاثةُ مقادیر العشرةِ وَاطلاقُ ثلثینَ علی التسعةِ لانها ثلاثةُ مقادیر الثلاثةِ وعلیٰ هٰذا القیاسِ البواقی وایضًا هذه الالفاظُ تدلُّ علیٰ معانٍ معینةٍ ولا تعیُّنَ فی الجموعِ بالواوِ رفعًا وَالیاءِ المکسورةِ ماقبلها نصبًا وجرًّا

Marfat.com

ترجمہ: ـــــ (اور عشرون اور اس کے اخوات) یعنی اس کے نظائر سات ہیں۔ اور وہ ثلاثون سے تسعون تک ہیں اور عشرون، عشرۃ کی جمع نہیں اور نہ ہی ثلاثون، ثلاثۃ کی جمع ہے ورنہ عشرون کا اطلاق ثلاثون پر صحیح ہو جاتا کیونکہ دہ عشرۃ کی تین مقدار ہیں اور ثلاثون کا اطلاق تسعہ پر صحیح ہو جاتا کیونکہ تسعہ، ثلاثۃ کی تین مقدار ہیں اسی قیاس پر بوانی ہیں اور نیز یہ الفاظ معانی معینہ پہ دال ہیں اور جمعوں میں تعین نہیں ہوتا (واؤ کے ساتھ ہیں) حالت رفع میں (اور یاء کے ساتھ) جس کے ماقبل مکسور ہو حالت نصب وجر میں۔

تشریح:۔ قولہ اَیْ نظائرُھا۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اخوات جمع ہے اخت کی اور اخت کا اطلاق ذی روح پر ہوتا ہے اور ثلاثون وغیرہ ذی روح نہیں لہذا یہاں اخوات کا اطلاق درست نہیں ہے جواب یہ کہ اخوات سے یہاں اشباہ ونظائر مراد ہیں اور وہ سات ہیں (۱) ثلاثون (۲) اربعون (۳) خمسون (۴) ستون (۵) سبعون (۶) ثمانون (۷) تسعون

قولہ لیس عشرُون۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اولو اگرچہ جمع نہیں لیکن عشرون جمع ہے کہ اس کا مفرد عشرۃ ہے۔ جواب یہ کہ عشرون بھی جمع نہیں کیونکہ جمع کا اطلاق تین یا اس سے زائد پر ہوتا ہے اور عشرون اگرچہ عشرۃ کی جمع ہو تو لازم آئے گا کہ تین عشرۃ اور زیادہ پر عشرون کا اطلاق صحیح ہو اسی طرح ثلاثون اگر ثلاثۃ کی جمع ہو تو نو پر ثلاثون کا اطلاق صحیح ہو کیونکہ تین ثلاثہ نو ہے حالانکہ یہ بداہۃً باطل ہے یہی حال اربعون وخمسون وغیرہ کا ہے۔

وَاِنَّمَا جُعِلَ اِعْرَابُ الْمُثَنّٰی مَعْ مُلْحَقَاتِہٖ وَالْجَمْعِ مَعْ مُلْحَقَاتِہٖ بِالْحُرُوْفِ لِاَنَّھُمَا فَرْعَانِ لِلْوَاحِدِ وَ فِیْ آخِرِ ھِمَا حَرْفٌ یَصْلُحُ لِلْاِعْرَابِ وَھُوَ عَلَامَۃُ التَّثْنِیَۃِ وَالْجَمْعِ اَنْ یُّجْعَلَ ذٰلِکَ الْحَرْفُ اِعْرَابَھُمَا لِیَکُوْنَ اِعْرَابُھُمَا فَرْعًا لِلْاِعْرَابِ کَمَا اَنَّھُمَا فَرْعَانِ لَہٗ لِاَنَّ الْاِعْرَابَ بِالْحُرُوْفِ فَرْعٌ لِلْاِعْرَابِ بِالْحَرَکَاتِ

ترجمہ: ـــــ اور مثنیٰ کا اعراب اس کے ملحقات کیساتھ اور جمع کا اعراب اس کے ملحقات کیساتھ حروف کے ساتھ اس لئے کیا گیا کہ مثنیٰ وجمع دونوں واحد کی فرع ہیں اور دونوں کے آخر میں ایسا حرف بھی ہے جو اعراب کی صلاحیت رکھتا ہے اور وہ علامت تثنیہ وجمع ہے پس مناسب ہوا کہ اس حرف کو تثنیہ وجمع کا اعراب قرار دیا جائے تاکہ ان دونوں کا اعراب واحد کے اعراب کی فرع ہو سکے جس طرح دونوں واحد کی فرع ہیں کیونکہ اعراب بالحروف اعراب بالحرکات کی فرع ہے۔

Marfat.com

تشریح: ـــ قولہ وانما جُعِلَ ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تثنیہ وجمع مفرد کی فرع ہیں کہ وہ اس سے بنتے ہیں اور اعراب بالحرف اعراب بالحرکۃ کی فرع ہے اس لئے کہ اعراب بالحرکۃ خفیف ہے اور اعراب بالحرف ثقیل اس لئے مفرد کو اعراب بالحرکۃ دیا گیا اور تثنیہ وجمع کو اعراب بالحرف تاکہ اصل کو اصل اعراب اور فرع کو فرع اعراب مل جائے پھر تثنیہ وجمع کے ملحقات کا بھی اعراب بالحرف دیا گیا۔

قولہ فی اٰخرھما ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ تثنیہ وجمع جس طرح مفرد کی فرع ہیں اسی طرح جمع مؤنث سالم بھی پھر کیا وجہ ہے کہ جمع مؤنث سالم کو اعراب بالحرکۃ دیا جاتا ہے اعراب بالحرف نہیں جواب یہ کہ تثنیہ وجمع مذکر سالم کے آخر میں چونکہ ایک ایسا حرف ہے جو اعراب بالحرف کی صلاحیت رکھتا ہے لیکن جمع مؤنث سالم کے آخر میں ایسا حرف نہیں جو اعراب بالحرف کی صلاحیت رکھ سکے اس لئے مجبوراً جمع مؤنث سالم کو اعراب بالحرف دیا گیا ۔ سوال تثنیہ میں الف کو اور جمع مذکر سالم میں واؤ کو اعراب قرار دیا گیا جب کہ اعراب اخیر میں آتا ہے اور الف وواؤ اخیر میں نہیں بلکہ اخیر میں نون ہے جیسے رجلان ومسلمون میں ۔ جواب اخیر کلمہ الف وواؤ ہی ہے نون نہیں کیونکہ تثنیہ وجمع میں نون اس تنوین کی مثل ہے جو مفرد میں ہوتی ہے جس سے کلمہ تام ہوجاتا ہے ۔

وَلَمَّا جُعِلَ اعرَابُھما بالحُروفِ وکان حروفُ الاعْرابِ ثلاثۃً واعرابُھما ستۃ ثلاثۃٌ للمثنّٰی وثلاثۃٌ للمجموع فلو جُعل اعرابُ کلّ واحدٍ منھما بتلک الحروفِ الثلاثۃِ لوقع الالتباس ولو خصّ المثنّٰی بھا بقی المجموعُ بلا اعرابٍ ولو خصّ المجموعُ بقی المثنّٰی بلا اعرابٍ فوزّعت علیھما بانْ جعلوا الالفَ علامۃَ الرّفعِ فی المثنّٰی لانّہ الضمیرُ المرفوعُ للتثنیۃِ فی الفعلِ نحو یضربانِ وضربا والواوُ علامۃُ الرفعِ فی المجموعِ لانہ الضمیرُ المرفوعُ للجمع فی الفعلِ نحو یضربُونَ وضربُوا وجعلُوا اعرابھا بالیاء حالَ الجرِ علی الاَصْلِ وفرّقوا بینھما بانْ فتحوا ما قبلَ الیاءِ فی التثنیۃِ لخفّۃِ الفتحۃِ وکثرۃِ التثنیۃِ وکسروہ فی الجمع لثقلِ الکسرۃِ وقلّۃِ المجموعِ وحملُوا النصبَ علی الجرِ لا علی الرفعِ لمناسبۃِ النصبِ بالجرِ لوقوعِ کلٍ منھما فضلۃً فی الکلامِ

ترجمہ:ـــ اور جب مثنیٰ وجمع کا اعراب بالحروف کیا گیا اور اعراب بالحروف تین ہیں اور مثنیٰ وجمع کے اعراب چھ ہیں تین مثنی کے اور تین جمع کے لہذا اگر مثنیٰ وجمع میں سے ہر ایک کے اعراب کو ان تینوں حروف

Marfat.com

کیساتھ کر دیا جائے تو التباس واقع ہو جائیگا اور اگر تثنی کو ان تینوں حروف کے ساتھ خاص کر دیا جائے تو جمع اعراب کے بغیر رہ جائیگی اور اگر چھ کو ان تینوں اعراب کیساتھ خاص کر دیا جائے تو تثنی اعراب کے بغیر رہ جائیگا۔ اس لئے ان دونوں پر اس طرح تقسیم کی گئی کہ نحویوں نے الف کو تثنیہ میں رفع کی علامت قرار دیا کیونکہ وہ یضربان وضربا جیسے فعل میں تثنیہ کی ضمیر مرفوع ہے اور واؤ کو جمع میں رفع کی علامت قرار دیا کیونکہ وہ یضربون اور ضربوا جیسے فعل میں جمع کی ضمیر مرفوع اور انہوں نے تثنیہ و جمع کے اعراب کو حالت جر میں یاء کیساتھ اصل پر قرار دیا ہے اور انہوں نے ان دونوں کے درمیان اس طریقہ سے فرق کیا ہے کہ تثنیہ میں یاء کے ماقبل فتحہ دیا کیونکہ فتحہ خفیف ہے اور تثنیہ کثیر اور جمع میں اس یاء کو کسرہ دیا کیونکہ کسرہ ثقیل ہے اور جمع قلیل اور انہوں نے نصب کو جر پر حمل کیا ہے رفع پر نہیں اس لئے کہ نصب، جر کیساتھ مناسبت رکھتا ہے کیوں کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کلام میں فضلہ واقع ہوتا ہے

تشریح: ــــ قولہ لما جُعلَ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تثنیہ و جمع کا اعراب اصل کے برخلاف ہے کیونکہ تثنیہ کا اعراب حالت رفع میں الف آتا ہے حالانکہ قیاس ضمہ یا اس کے موافق حرف علت واؤ کو مقتضی ہے کیونکہ رفع، علامت فاعلیت ہے جس کیلئے حروف میں واؤ اور حرکات میں ضمہ آتا ہے اور تثنیہ و جمع کا اعراب حالت نصب میں یاء آتی ہے جب کہ قیاس فتحہ یا اس کے موافق حرف علت الف کو مقتضی ہے کیونکہ نصب علامت مفعولیت ہے جس کے لئے حروف میں الف ہے اور حرکات میں فتحہ آتا ہے اسی طرح جر اضافت کی علامت ہے جس کے لئے کسرہ یا اس کے موافق حرف علت یاء ہونی چاہئے جواب یہ کہ حروف اعرابیہ تین ہیں واؤ الف یاء اور تثنیہ و جمع کے احوال تین تین (رفع۔ نصب۔ جر) یعنی دونوں کے لئے چھ اعراب چاہئے پس اگر تینوں حروف اعرابیہ تثنیہ کو دیا جائے تو جمع اعراب کے بغیر رہ جائیگی اور اگر تینوں حروف اعرابیہ جمع کو دیا جائے تو تثنیہ اعراب کے بغیر رہ جائیگا اور اگر دونوں میں مشترک کر دیا جائے کہ حالت رفع میں دونوں کو واؤ اور حالت نصب میں الف اور حالت جر میں یاء ہو تو تثنیہ جمع سے ممتاز نہ رہے گا۔ اور نہ جمع تثنیہ سے ممتاز رہے گا اس لئے حروف اعرابیہ کو تثنیہ و جمع میں تقسیم کر دیا گیا اس طرح کہ رفع کی حالت میں تثنیہ کو الف اور جمع کو واؤ دیا گیا اور جر کی حالت میں یاء کو دونوں میں مشترک کر دیا گیا اور نصب کے لئے کوئی حرف باقی نہ رہا تو دونوں کا نصب جر کے تابع کر کے اس حالت میں بھی یاء کو دونوں کے درمیان مشترک کر دیا گیا لیکن امتیاز کے لئے تثنیہ میں یاء کے ماقبل فتحہ دیا گیا اور جمع میں یاء کے ماقبل کسرہ دیا گیا۔

قولہ لوقع الالتباس۔ سوال تینوں اعراب کو اگر تثنیہ و جمع میں مشترک کر دیا جائے تو بھی التباس

Marfat.com

واقع نہیں ہوتا جب کہ ایک کا اعراب لفظی قرار دیا جائے اور دوسرے کا تقدیری۔ جواب کسی اسم پر اعراب اس وقت لاحق ہوتا ہے جب کہ اس پر اعراب لفظی دشوار ہو اور ظاہر ہے یہاں کوئی دشوار نہیں

قولہ لانہ الضمیر۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ حالت رفع میں تثنیہ کو الف اور جمع کو واؤ کیوں دیا گیا؟ اس کا برعکس کیوں نہیں؟ جواب یہ کہ فعل کے صیغۂ تثنیہ میں چونکہ الف فاعل کی ضمیر ہوتا ہے اور صیغۂ جمع میں واؤ فاعل کی ضمیر ہوتا ہے جیسے ضربا۔ یضربان۔ ضربوا یضربون اس لئے حالت رفع میں تثنیہ کو الف اور جمع کو واؤ دیا گیا اس کا برعکس نہیں۔

قولہ فرقوا بینہما۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تثنیہ و جمع کے درمیان حالت جر میں یاء کو مشترک کیا گیا ہے تو دونوں کے درمیان التباس لازم آئیگا جواب یہ کہ نحویوں نے دونوں کے درمیان یہ فرق کیا ہے کہ تثنیہ میں یاء سے قبل فتحہ اور جمع میں یاء سے قبل کسرہ دیا جائے اس کی وجہ یہ کہ تثنیہ کثیر ہیں اور جمع قلیل اور فتحہ خفیف ہے اور کسرہ ثقیل اس لئے تثنیہ میں یاء سے قبل فتحہ اور جمع میں یاء سے قبل کسرہ دیا گیا کہ متکلم کی زبان پر مزید بوجھ پیدا نہ ہو اب رہا یہ کہ تثنیہ میں نون اعرابی کو کسرہ اس لئے دیا جاتا ہے کہ چار فتحوں کا پے در پے ہونا لازم نہ آئے کیونکہ مثلاً رجلان میں الف سے قبل ایک فتحہ ہے اور دو فتحہ الف سے پیدا ہوتے ہیں اور چوتھا نون مفتوح ہوگا جو ممنوع ہے برخلاف جمع کہ اس میں یہ لازم نہیں آتا اس لئے اس کے نون اعرابی کو فتحہ دیا جاتا ہے

قولہ حملوا النصب۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ تثنیہ و جمع میں نصب کو جر کے تابع کیا گیا رفع کے کیوں نہیں؟ جواب یہ کہ نصب کو جر سے مناسبت حاصل ہے کیونکہ دونوں فضلہ کی علامت ہیں اور رفع عمدہ کی علامت ہے اور نصب کو عمدہ سے کوئی مناسبت نہیں اس لئے نصب کو جر کے تابع کیا جاتا ہے رفع کے نہیں۔

ولما فرغ من تقسیم الاعراب الی الحرکۃ والحرف وبیان مواضعہما المختلفۃ شرع فی بیان مواضع الاعراب اللفظی والتقدیری الذین اشیر الی تقسیمہما بینما سبق ولما کان التقدیری اقل اشار الیہ اولا ثم بین ان اللفظی فیما عدا ذلک

Marfat.com

ترجمہ : ـــــ اور جب مصنف علیہ الرحمہ تقسیم اعراب حرکت وحرف کی طرف اور ان دونوں کے مختلف مقاموں سے فارغ ہو چکے تو ان اعراب لفظی وتقدیری کے مقامون کے بیان کو شروع فرمائے جن دونوں کی تقسیم کی طرف ماقبل میں اشارہ کیا جا چکا ہے اور جب اعراب تقدیری بہ نسبت اعراب لفظی قلیل تھا تو پہلے اعراب تقدیری کی طرف اشارہ فرمایا پھر اَللَّفظیُّ فیما عداہُ کو بیان فرمایا ۔

تشریح :ـــ قولہ لمّا فرغ ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ ماقبل کو مابعد سے کوئی مناسبت نہیں کیونکہ ماقبل میں جمع مذکر سالم وغیرہ کا بیان ہے اور یہاں اعراب تقدیری ولفظی کا ظاہر ہے دونوں میں کوئی ربط وتعلق نہیں جواب یہ کہ ماقبل میں انواع اعراب کی تقسیم اعراب بالحرکۃ اور اعراب بالحرف کی جانب اور ان کے مواضع مثلاً جمع مذکر سالم وغیرہ کو بیان کیا گیا ہے اور یہاں اعراب بالحرکۃ اور اعراب بالحرف کی تقسیم تقدیری ولفظی کی جانب اور ان کے مواضع مثلاً عصًا وغلامی وغیرہ کو بیان کیا گیا ہے دونوں میں مناسبت ظاہر ہے ۔

قولہ الّذین اُشیرُ ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ کسی شئ کے مواضع کی معرفت سے پہلے اس شئ کی معرفت ضروری ہے لہٰذا اعراب لفظی وتقدیری کے مواضع کے بیان سے پہلے ان دونوں کو بیان کرنا ضروری ہے جواب یہ کہ ان دونوں کے بیان کی طرف حکم معرب یعنی اَنْ یُخْتَلِفَ آخرُہٗ باختلافِ العَوامِلِ لفظًا اَوتقدیرًا کے بیان میں اشارہ کر دیا گیا ہے ۔

قولہ ولمّا کانَ التقدیریُّ ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اعراب لفظی کے بیان کو اعراب تقدیری کے بیان پر مقدم کرنا چاہئے اس لئے کہ اعراب لفظی بہ نسبت اعراب تقدیری اصل ہے اور اصل مستحق تقدیم ہے اور اس لئے بھی کہ اعراب لفظی کو اجمال یعنی حکم معرب کے بیان میں مقدم کیا گیا ہے اس لئے اس کو تفصیل میں بھی مقدم کرنا چاہئے ۔ جواب یہ کہ اعراب لفظی کے مواضع کثیر ہیں اور اعراب تقدیری کے مواضع قلیل ہیں اس لئے متن میں اعراب تقدیری کے مواضع بیان کر کے یہ سمجھ لیا وَاللفظی فی ما عداہُ

فقالَ اَلتقدیرُ اَیْ تقدیرُ الاعرابِ فیما اَیْ فی الاِسمِ المُعربِ الّذی تعذّر الاعرابُ فیہ ای امتنع ظہورُہٗ فی لفظہٖ

ترجمہ : ـــــ پس کہا (تقدیر) یعنی تقدیر اعراب (اس میں ہے کہ) یعنی اس معرب میں ہے کہ جس میں اعراب (متعذر ہو) یعنی جس معرب کے لفظ میں اعراب کا ظہور محال ہو ۔

Marfat.com

تشریح :۔۔۔ قولہ اَیْ تقدیرُ الاعرابِ ۔ یہ اس وہم کا ازالہ ہے کہ تقدیر بحث سے خارج ہے کیونکہ بحث اعراب میں ہے تقدیر میں نہیں جواب۔ یہ کہ تقدیر سے مراد تقدیر اعراب ہے پس اس پر الف لام مضاف الیہ کے عوض ہے یعنی تقدیرُ الاعراب یا عہد خارجی کا ہے ۔ شارح ہندی نے تقدیر سے قبل اعراب موصوف مقدر مانا ہے یعنی الاعراب التقدیریّ لیکن یہ صورت اگرچہ اپنے قسیم اللفظیُ فیما عداہُ یعنی اعراب لفظی کے موافق ہے لیکن حذف کثیر لازم آتا ہے ایک حذف موصوف اور دوسرا حذف یا نسبت برخلاف پہلی صورت کی شق اوّل کہ اس میں حذف ہی نہیں اور دوسری شق میں حذف ہے لیکن صرف ایک مضاف الیہ

قولہ اَیْ فی الاِسْمِ المعربِ ۔ لفظ اسم اور اس کے بعد معرب سے بہم دو سوالوں کے جوابات دئے گئے ہیں ایک سوال یہ کہ تعذّر کا معنی ہے جس میں اعراب کا ظہور متعذر و دشوار ہو اور ماضی و امر حاضر معروف میں بھی اعراب کا ظہور دشوار ہوتا ہے لیکن انکی حرکت کو اعراب تقدیری نہیں کہا جاتا ۔ جواب یہ کہ فیما میں لفظ ما سے مراد اسم ہے معنی ہوا کہ اعراب تقدیری اس اسم میں ہوتا ہے جس میں اعراب کا ظہور متعذّر ہو اور ماضی و امر حاضر معروف اسم ہی نہیں بلکہ وہ فعل ہیں اسی وجہ سے ان کی حرکت کو اعراب تقدیری نہیں کہا جاتا ۔ دوسرا سوال یہ کہ ما سے مراد جب اسم ہے تو معنی ہوا کہ جس اسم میں ظہور اعراب متعذّر ہو حالانکہ ہولاء اسم ہے جس میں حالت رفع و نصب میں اعراب کا ظہور متعذّر ہوتا ہے لیکن اس کی حرکت کو اعراب تقدیری نہیں کہا جاتا جواب یہ کہ ما سے مراد اسم معرب ہے اسم مبنی نہیں اور ہولاء اسم مبنی ہے اس لئے اس کی حرکت کو اعراب تقدیری نہیں کہا جاتا ۔

قولہ اَیْ الاَعرابُ فیہ ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تعذّر کی ضمیر مستتر کا مرجع ما اسمیہ ہو سکتا ہے اور نہ ہی اعراب ما اسمیہ اس لئے نہیں کہ اس سے معنی میں فساد لازم آتا ہے جیسا کہ ظاہر ہے اور اعراب اس لئے نہیں کہ ما اسمیہ کو موصولہ مانا جائے تو صلہ میں کوئی ضمیر ایسی نہ ہوگی جو موصولہ کی طرف راجع ہو سکے اور ما اسمیہ کو اگر موصولہ مانا جائے تو صفت میں کوئی ضمیر ایسی نہ ہوگی جو ما موصوفہ کی طرف راجع ہو سکے جب کہ دونوں میں ضمیر کا ہونا ضروری ہے جو ما موصولہ یا موصوفہ کی طرف راجع ہو سکے جواب یہ کہ ضمیر مستتر کا مرجع اعراب ہے اور ما موصوفہ یا موصولہ کی طرف راجع ہونے والی ضمیر محذوف ہے متن کی اصل عبارت یہ ہے اَلتقدیرُ فیما تعذّرَ فیہِ ۔

قولہ اِمتنعَ ظہورُہٗ ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ متعذّر کا معنی ہے جس کا ظہور دشواری کیساتھ ممکن ہو اور جس کا ظہور کسی طرح ممکن نہ ہو اس کو محال و ممتنع کہتے ہیں اور عصا کے آخر میں چونکہ الف مقصورہ ہے اس میں اعراب کا ظہور ممکن نہیں بلکہ محال ہے اسی طرح غلامی میں اعراب کا ظہور محال ہے لہٰذا متن میں تعذّر

Marfat.com

کے بجائے اِمْتَنَعَ کہنا چاہیے۔ جواب یہ کہ متعذر سے یہاں مراد ممتنع ہے جس پر قرینہ اس کا عطف اَوْ اِستثقلَ ہے کہ عطف مغایرت کو مقتضی ہے پس اس سے مستثقل کا معنی بھی عیاں ہوگیا کہ مستثقل وہ ہے جس کا ظہور محال تو نہ ہو لیکن ظہور دشواری کے ساتھ ہو جیسے جاءنی قاضی میں یا پر ضمہ۔ خیال رہے کہ عصًا اور غلامی پر اعراب لفظی اس لیئے ممتنع ہے کہ محل اعراب اسم کا آخری حرف ہوتا ہے اور عصًا کا آخری حرف الف ہے اور الف پر حرکت ممکن نہیں اسی طرح غلامی میں محل اعراب میم ہے جس پر یا متکلم کی مناسبت سے کسرہ ہے جس کے ہوتے ہوئے میم پر نہ دوسرا کسرہ ممکن نہ ضمہ نہ فتحہ ممکن ہے اس لیئے اس پر اعراب لفظی محال ہے۔ سوال عصًا و غلامی میں جب اعراب کا ظہور محال ہے تو ان کو از قبیل مبنیات اس لیئے شمار نہیں کیا گیا کہ ان کے اندر وہ مناسبات مذکورہ موجود نہیں جو مبنی ہونے کے لیئے ضروری ہیں۔

وذلك اذا لم يكن الحرف الذى هو محل الاعراب قابلاً للحركة الاعرابية كما فى الاسم المعرب بالحركة الذى فى آخره الف مقصورة سواء كانت موجودة فى اللفظ كالعصا بلام التعريف او محذوفة بالتقاء الساكنين كعصاً بالتنوين فان الالف المقصورة فى الصورتين غير قابلة للحركة وكما فى الاسم المعرب بالحركة المضاف الى ياء المتكلم نحو غلامى فانه لما اشتغل ما قبل ياء المتكلم بالكسرة للمناسبة قبل دخول العامل امتنع ان يدخل عليه حركة اخرى بعد دخوله موافقة لها او مخالفة فما ذهب اليه بعض من ان اعراب مثل هذا الاسم فى حالة الجر لفظى غير مرضى مطلقا اى فى الاحوال الثلاث يعنى كون الاعراب تقديريا فى هذين النوعين من الاسم المعرب انما هو فى جميع الاحوال غير مختص ببعضها

ترجمہ:— اور وہ اس وقت ہوگا جب کہ وہ حرف جو محل اعراب ہے حرکت اعرابیہ کا قابل نہ ہو جیسے اس اسم میں جو معرب بالحرکۃ ہے کہ جس کے آخر میں الف مقصورہ ہو خواہ وہ لفظ میں موجود ہے جیسے اَلعصَا لام تعریف کے ساتھ یا محذوف ہے التقاء ساکنین کی وجہ سے (جیسے عصًا) تنوین کے ساتھ اس لیئے کہ الف مقصورہ دونوں صورتوں میں حرکت کو قبول نہیں کرتا اور جیسے اس اسم میں جو معرب بالحرکۃ ہے جو مضاف ہوئے متکلم کے (جیسے غلامی) کیونکہ جب غلامی یا متکلم کے ماقبل دخول عامل سے پہلے مناسبت کی وجہ سے کسرہ کے ساتھ مشغول ہوگیا تو اس کی بنا پر دخول عامل کے بعد کسی دوسری حرکت کا دخول ممکن نہ رہا عام ہے دوسری حرکت

Marfat.com

کسرہ کے موافق ہو یا مخالف پس وہ قول جس کی جانب بعض محققین گئے ہیں کہ اس اسم کی مثل کا اعراب حالت جر میں لفظی ہے ناپسند ہے (مطلقاً) یعنی تینوں حالتوں میں یعنی اسم معرب کی ان دونوں قسموں میں اعراب تقدیری ہونا تمام حالتوں میں ہے کسی ایک حال کیساتھ خاص نہیں

تشریح:۔۔۔ قولہ وذلک یعنی معرب کے آخر میں اعراب کا ظہور اس وقت محال ہوتا ہے جب کہ اس کے آخر میں ایسا حرف ہو جو حرکت اعرابیہ کو قبول نہ کر سکے مثلاً وہ اسم جو معرب بالحرکۃ ہو اور اس کے آخر میں الف مقصورہ ہو عام ہے کہ وہ لام تعریف کی وجہ سے لفظ میں موجود ہو جیسے العصا میں یا اجتماع ساکنین کی وجہ سے محذوف ہو جیسے عصاً میں اور مثلاً وہ اسم جو معرب بالحرکۃ ہو اور مضاف بسوئے یاء متکلم ہو جیسے غلامی کہ اس کے یاء متکلم کا ماقبل جب کسرہ سے گھر گیا تو اس پر دوسری حرکت کا دخول محال ہو گیا کیونکہ ایک حرف پر ایک وقت میں ایک ہی حرکت آسکتی ہے دو نہیں۔

بیانہ کعصاً. اس سے مراد ہر وہ اسم ہے جس کے آخر میں الف مقصورہ ہو عام ہے وہ لفظ میں موجود ہو جیسے العصا میں یا اجتماع ساکنین کی وجہ سے محذوف ہو جیسے عصاً میں لیے اسم کو اسم مقصور کہتے ہیں اس پر اعراب لفظی اس لئے ممتنع ہوتا ہے کہ اسم کا آخری حرف محل اعراب ہوتا ہے اور عصا کا آخری حرف الف ہے اور حرکت ممکن نہیں اس لئے اس پر اعراب تقدیری ہوتا ہے اسی طرح نحو غلامی سے مراد ہر وہ اسم ہے جس کا اعراب مضاف نہ ہونے کی صورت میں حرکت سے ہو اور یاء متکلم کی طرف مضاف ہو اس پر اعراب لفظی اس لئے ممتنع ہے کہ اس میں محل اعراب میم ہے جس پر یاء متکلم کی مناسبت سے کسرہ ہے اس کسرہ کے ہوتے ہوئے میم پر دوسرا کسرہ ممکن نہیں نہ ضمہ اور نہ فتحہ اس لئے اس پر اعراب تقدیری ہوتا ہے

قولہ فماذھب الیہ۔ اس عبارت سے بعض نحویوں کے اس قول کا رد ہے کہ غلامی میں میم کا کسرہ اعراب متعذر کی مثال حرف حالت رفع و نصب ہی میں ہو سکتا ہے حالت جر میں نہیں کیونکہ حالت جر میں اس کا اعراب لفظی ہوتا ہے اس لئے کہ کسرہ عامل و یاء کی اقتضا کے مابین شریک ہے حاصل رد یہ کہ اس کا کسرہ عامل و یاء کی اقتضاء کے مابین شریک نہیں ورنہ دو علت مستقلہ کا توارد معمول واحد پر لازم آئیگا جو باطل ہے خیال رہے کہ ایسے اسم کے متعلق نحویوں کے تین مذہب ہیں ایک یہ کہ تینوں حالتوں میں معرب باعراب تقدیری ہوگا دوسرا یہ کہ حالت رفع و نصب میں اعراب تقدیری ہوگا اور حالت جر میں لفظی تیسرا یہ کہ مبنی ہوگا پہلا مذہب چونکہ مصنف کے نزدیک مختار تھا اس لئے انہوں نے لفظ مطلقاً سے واضح کر دیا کہ غلام تینوں حالتوں میں معرب باعراب تقدیری ہے۔

Marfat.com

قولہ ای فی الاحوالِ الثلاثِ ۔ لفظ فی سے یہ اشارہ ہے کہ متن میں مطلقاً بر بنائے ظرفیت منصوب ہے اور وہ چونکہ نحو غلامی سے متصل ہے اس لئے صرف اسی کی تعمیم متبادر ہوتی تھی عصا کی نہیں اسی وجہ سے یعنی کون الاعراب سے اس کی تفسیر بیان فرما کر مطلقاً اگرچہ نحو غلامی سے متصل ہے لیکن مقصود دونوں کی تعمیم ہے

اَو استثقلَ عطفٌ علیٰ تعذّرَ ای تقدیرُ الاعرابِ فیما تعذّرَ اَو فی الاِسمِ الّذی اِستثقلَ ظهورُ الاعرابِ فی لفظهٖ وَذلکَ اذا کانَ محل الاعرابِ قابلاً لِلحرکَةِ الاعرابیةِ ولکن یکونُ ظهورُہٗ فی اللفظِ ثقیلاً علی اللّسانِ کما فی الاسمِ الّذی فی آخرہٖ یاءٌ مکسورٌ ماقبلها سواءٌ کانتْ محذوفةً بالتقاءِ الساکنینِ کقاضٍ اَو غیرَ محذوفةٍ کالقاضی رفعاً وجرًّا ای فی حالتی الرّفعِ والجرِ لافی حالتِ النصبِ لاستقالِ الضمةِ والکسرةِ علی الیاءِ دُون الفتحةِ

ترجمہ: ــــ (یا جس میں ظہور اعراب ثقیل ہو) تعذر پر عطف ہے یعنی تقدیر اعراب جس میں متعذر ہو یا اس اسم میں جس کے لفظ میں ظہور اعراب ثقیل ہو اور وہ جب کہ محل اعراب حرکت اعرابیہ کو قبول کرے لیکن لفظ میں ظہور اعراب زبان پر ثقیل ہو جیسے اس اسم میں جس کے آخر میں یاء کے ماقبل مکسور ہو عام ہے وہ محذوف ہو اجتماع ساکنین کی وجہ سے (جیسے قاضی) یا محذوف نہ ہو جیسے القاضی میں (رفع وجر کی حالت میں) یعنی رفع وجر کی حالت میں نصب کی حالت میں نہیں کیونکہ یاء پر ضمہ وکسرہ ثقیل ہے فتحہ نہیں۔

تشریح ــــ قولہ عطفٌ علیٰ تعذّر متن میں اَو چونکہ حرف عطف ہے جس کیلئے معطوف ومعطوف علیہ کا ہونا ضروری ہے اس لئے کہتے ہیں کہ استثقل معطوف ہے اور تعذر معطوف علیہ ای تقدیرُ الاعراب سے حاصل عطف کا بیان ہے کہ تقدیر اعراب کبھی اس اسم معرب میں ہوتی ہے جس کے لفظ میں اعراب کا ظہور محال ہے اور کبھی اس اسم میں جس کے لفظ میں اعراب کا ظہور ثقیل ہو۔

قولہ ذلکَ اذا کانَ ۔ یعنی ظہور اعراب زبان پر اس وقت ثقیل ہے جب کہ محل اعراب حرکت اعرابیہ کا قابل ہو لیکن لفظ میں اس کا ظہور دشوار ہو جیسے اس اسم میں جس کے آخر میں یاء ہو اور اس کے ماقبل کسرہ ہو جیسے قاضی میں یاء پر ضمہ وکسرہ کا ظہور حالت رفع وجر میں دشوار ہے لیکن حالت نصب میں یاء پر فتحہ کا ظہور دشوار نہیں کیوں کہ فتحہ اخف حرکات ہے جس کا دخول یاء پر ثقالت کو لازم نہیں کرتا

Marfat.com

قولہ اَیْ فِیْ حَالَتَیْ ۔ یہاں پر بعینہٖ وہی سوال وجواب ہیں جو مفرد و منصرف کی بحث میں بالضمۃِ رفعاً والفتحۃِ نصباً والکسرۃِ جراً کے تحت گذر چکے ہیں ۔ رفعًا۔ نصبًا، جرًا کے نصب میں تین احتمالات ہیں مصدر ۔ حال۔ ظرف یہاں صرف ظرف کے احتمال کو اس لئے بیان فرمایا کہ اس میں حذف قلیل ہوتا ہے اور بقیہ دوسری صورتوں میں حذف کثیر جس کی تفصیل ماقبل میں گذر چکی کذالحال فی العبارۃ الآتیۃ رفعاً ۔

وَنحو مسلمیٰ عطفٌ علیٰ قولہٖ کقافٍ تقدیرُ الاعرابِ للاستثقالِ قد یکونُ فی الاعرابِ بالحرکۃِ وقد یکونُ فِی الاعرابِ بالحرفِ نحو مسلمیٰ بخلاف تقدیرِ الاعرابِ للتعذّرِ فانّہٗ مختصٌّ بالاعرابِ بالحرکۃِ رفعًا یعنی تقدیرُ الاعرابِ فی نحو مسلمیٰ انّما ھُو فی حالۃِ الرّفعِ فقط دُون النصبِ والجرِّ نحو جاءنی مسلمیٰ فانّ اصلہٗ مسلموکَ بسقوطِ النون با لاضافۃِ فاجتمع الواوُ والیاءُ والسّابقُ منھما ساکنٌ فانقلبت الواوُ یاءً واُدغمت الیاءُ فی الیاءِ وکُسر ما قبل الیاء فلم یبقَ علامۃ الرّفع التی ھی الواوُ فی اللفظِ فصار الاعرابُ فی حالۃِ الرفع تقدیریاً بخلافِ حالتی النصبِ والجر فان الادغامَ لا یخرجُ الیاءَ عن حقیقتھا فانّ الیاءَ المدغمۃَ ایضًا یاءٌ ۔

ترجمہ: ـــ (اور جیسے مسلمی) عطف ہے مصنف کے قول کقافٍ پر یعنی تقدیر اعراب جو ثقل کی وجہ سے ہوتی ہے کبھی اعراب بالحرکۃ میں ہوتی ہے اور کبھی بالحرف میں جیسے مسلمی برخلاف تقدیر اعراب جو تعذّر کی وجہ سے ہوتی ہے پس وہ اعراب بالحرکۃ کے ساتھ خاص ہے (رفع کی حالت میں) یعنی مسلمی کی مثل میں تقدیر اعراب صرف رفع کی حالت میں ہوتی ہے نصب وجر کی حالت میں نہیں جیسے جاءنی مسلمیٰ کیونکہ اس کی اصل مسلموی ہے اضافت کی وجہ سے سقوط نون کے ساتھ پس واؤ اور یاء جمع ہوئے جن میں سے پہلا ساکن ہے پس واؤ یاء سے بدل گئی اور یاء کو یاء میں ادغام کر دیا گیا اور یاء کے ماقبل کو کسرہ دے دیا گیا تو علامت رفع جو کہ واؤ ہے لفظ میں باقی نہ رہی پس حالت رفع میں اعراب تقدیری ہو گیا برخلاف نصب وجر کی حالت میں اس لئے کہ ادغام یاء کو اس کی حقیقت سے نہیں نکالتا کیونکہ یاء مدغمہ بھی یاء ہی ہے ۔

تشریح: ـــ قولہ عطفٌ علیٰ قولہٖ ۔ یہ اس وہم کا ازالہ ہے کہ نحو مسلمیٰ کا عطف قافٍ پر ہے اور قافٍ چونکہ کاف جار کا مدخول ہے اس لئے نحو مسلمیٰ بھی کاف جار کا مدخول ہوا تقدیر عبارت یہ ہوئی کنحو مسلمیٰ یہ استدراک کو مستلزم ہے کیونکہ جو معنیٰ نحو کا ہے وہی معنیٰ کاف کا ہے ۔ حاصل ازالہ یہ کہ نحو مسلمیٰ کا عطف کقافٍ پر ہے قافٍ پر نہیں ۔

Marfat.com

قولہ یعنی تقدیرُ الاعرابِ للاشتغالِ ۔ اس عبارت سے دو سوالوں کے جوابات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ایک سوال یہ کہ مسلمیٰ کے ساتھ نحو کا ذکر فضول ہے کیونکہ تمثیل کے لئے کفاضٍ کا کاف کافی ہے جب کہ متن میں ایجاز و اختصار مقصود ہے دوسرا سوال یہ کہ ماقبل میں اعراب متعذر کی دو مثالیں بیان کی گئیں تھیں اور دونوں مثالیں اعراب بالحرکۃ کی تھیں اور یہاں اعراب ثقیل کی بھی دو مثالیں بیان کی گئیں ہیں لیکن ایک اعراب بالحرف کی اور دوسری اعراب بالحرکۃ کی، ایسا کیوں؟ جواب سوال اول کا یہ ہے کہ مسلمی کے ساتھ نحو کا ذکر تمثیل کے لئے نہیں بلکہ یہ اشارہ کرنے کے لئے ہے کہ قاضٍ میں تقدیر اعراب از قبیل حرکات ہے اور مسلمی میں از قبیل حروف ہے اور جواب سوال دوم کا یہ ہے کہ اعراب متعذر چونکہ صرف اعراب بالحرکۃ کیساتھ خاص ہے اس لئے اس کی دو مثالیں ایک ہی نوع کی بیان کی گئیں اور اعراب ثقیل اعراب بالحرکۃ کے علاوہ اعراب بالحرف میں بھی پایا جاتا ہے اس لئے اس کی دو مثالیں دو نوع کی بیان کی گئیں

قولہ یعنی تقدیرا الاعراب ۔ ماقبل کی طرح یہاں بھی رفعًا کی قید احترازی ہے پس معنی یہ ہوا کہ مسلمیٰ میں اعراب تقدیری صرف رفع کی حالت میں ہے نصب وجر کی حالت میں نہیں اس لئے کہ جاء نی مسلمیٰ میں مسلمی کے اصل مسلموی تھی نون اضافت کی وجہ سے ساقط ہو گیا اور واؤ و یا ایک جگہ جمع ہوں جن میں سے پہلا حرف ساکن ہے تو بولنے میں واؤ ثقیل ہوتا ہے اس لئے ایسی صورت میں واؤ کو یاء سے بدل کر یاء مدغم کر دیتے ہیں اور ماقبل میں اگر ضمہ ہو تو اس کو کسرہ سے بدل دیتے ہیں پس مسلمی میں رفع کی حالت میں اعراب لفظی واؤ ساکن ہے جس کے بعد یاء موجود ہے اس لئے وہ واؤ بولنے میں ثقیل ہے اس کو یاء سے بدلکر جب یاء میں مدغم کر دیا گیا تو واؤ ملفوظ نہ رہا اور اعراب تقدیری ہوگا اور نصب وجر کی حالت میں اعراب لفظی یاء ہے اور ایک جگہ دو یاء جمع ہوں تو بولنے میں یاء ثقیل نہیں ہوتی جیسے مکیّ و مدنیّ۔

وَقَدْ یکونُ الاِعرابُ بالحروفِ تقدیریاً فی الاحوالِ الثلاثِ فی مِثلِ جَاءنی ابُوالقومِ ورائیتُ ابا القوم ومررتُ بابی القومِ فانّہٗ لمّا سقطَ حروفُ الاعرابِ عن اللفظِ بالتقاءِ السّاکنینِ لَمْ یبقَ الاعرابُ لفظاً بلْ صارَ تقدیریاً

ترجمہ: ــــ اور کبھی اعراب بالحروف جاءنی ابوالقومِ ورائیتُ ابا القومِ ومررتُ بابی القومِ کی مثل میں تین حالتوں میں تقدیری ہوتا ہے اس لئے کہ جب حروف اعراب التقاء ساکنین کی وجہ سے لفظ سے ساقط ہو گئے تو اعراب

Marfat.com

لفظ میں باقی نہ رہا بلکہ تقدیری ہوگیا

تشریح : ـــــ قولہ قد یکون الاعراب ۔ یعنی اعراب بالحروف جس طرح صرف ایک یعنی رفع کی حالت میں تقدیری ہوتا ہے اسی طرح تینوں حالتوں میں بھی تقدیری ہوتا ہے مثلاً جاءنی ابُوالقوم ورایتُ ابا القوم ومررت بابی القوم میں اعراب بالحروف جب اجتماع ساکنین کی وجہ سے لفظ سے ساقط ہوگیا تو اب وہ لفظی نہ رہا بلکہ تقدیری ہوگیا اس قسم کو اس لئے بیان نہیں کیا گیا کہ وہ قلیل الوقوع ہے ۔

وَاللفظیّ اَیُ الاعرابُ المتلفظُ بہٖ فیما عداہُ یعنی فیما عدا ما ذُکِرَ ممّا تعذّر فیہ الاعرابُ اَوِ استثقلَ ولمّا ذکرنی تفصیلِ المعربِ المنصرفِ وغیرِ المنصرفِ وکانَ غیرُ المنصرفِ اقلّ من المنصرفِ وبمعرفتہٖ یُعرَفُ المنصرفُ علیٰ قیاسِ الاِعرابِ التقدیریّ وَاللفظیّ عرّفَ غیرَ المنصرفِ واکتفیٰ بتعریفہٖ فقال

ترجمہ : ـــــ اور (لفظی) یعنی وہ اعراب جس کا تلفظ کیا جائے (اس کے علاوہ میں ہوتا ہے) یعنی اس مذکور اعراب لفظی کے علاوہ میں ہوتا ہے جس میں اعراب متعذر یا ثقیل ہوتا ہے اور جب مصنف نے معرب کی تفصیل میں منصرف وغیر منصرف کو بیان فرمایا اور غیر منصرف، منصرف سے قلیل تھا اور غیر منصرف کی تعریف سے منصرف کی تعریف اعراب لفظی وتقدیری کے قیاس پر ہو جاتی ہے تو انہوں نے غیر منصرف کی تعریف بیان کی اور اس کی تعریف پر اکتفا کیا پس فرمایا

تشریح : ـــــ قولہ اَیُ الاِعرابُ ۔ الاعراب کے تقدیر کی وجہ یہ ہے کہ اَللفظیّ چونکہ اسم منسوب ہے اور اسم منسوب صفت واقع ہوتا ہے اور صفت کے لئے موصوف کا ہونا ضروری ہے اور اَللفظیّ جب صفت ہے تو اس کا موصوف ہونا چاہئے اس لئے اس سے پہلے اَلاِعرابُ موصوف مقدر مانا گیا اور ما قبل میں اَلتقدیریُ چونکہ اسم منسوب نہیں اس لئے اس کے لئے موصوف نہیں بلکہ مضاف الیہ مقدر مانا گیا جب کہ موصوف کی تقدیر بھی صحیح ہے جیسا کہ شارح ہندی کے کلام سے عیاں ہے ۔

قولہ المتلفظُ بہٖ ۔ اس عبارت سے بھی جواب ہے اس سوال کا کہ اعراب لفظی کو اعراب تقدیری کے مقابل میں بیان کیا گیا ہے جب کہ متقابلین میں سے ایک دوسرے کو شامل نہیں ہوتا اور یہاں اعراب تقدیری کو اعراب لفظی شامل ہے کیونکہ اعراب تقدیری مذکورہ بالا چار مقاموں میں پایا جاتا ہے جن کو اعراب لفظی بھی شامل ہے کیونکہ اعراب لفظی سے مراد عام ہے کہ حقیقی ہو یا حکمی اور ضمہ وفتحہ وکسرہ جو مذکورہ بالا چار مقاموں میں فرض

Marfat.com

کیا جاتا ہے لفظی حکمی ہیں کیونکہ ان پر اعراب لفظی حقیقی کے احکام جاری ہوتے ہیں اس لئے کہ وہ بطور وضع فاعل کی فاعلیت اور مفعول کی مفعولیت پر دال ہوتے ہیں جس طرح لفظی حقیقی دال ہوتا ہے مثلاً جاءنی زیدٌ میں زید پر جس طرح اعراب لفظی حقیقی فاعلیت پر دال ہے اسی طرح جاءنی موسیٰ میں موسیٰ کا ضمہ تقدیری بھی فاعلیت پر دال ہے جواب یہ کہ اللفظیُّ یہاں بمعنی الملتفظ بہ ہے جو صرف اعراب لفظی حقیقی ہوتا ہے حکمی نہیں جیسا کہ قرینۂ تقابل اس پر دال ہے

قولہ یعنی فیما عدا ۱۲ - اس عبارت سے اس وہم کا ازالہ ہے کہ فیما عداہُ میں ھا ضمیر کا مرجع چونکہ ما تعذر وما استثقل ہیں اس لئے اس کو مفرد نہیں بلکہ تثنیہ لانا چاہئے حاصل ازالہ یہ کہ اس کا مرجع ما تعذر وما استثقل نہیں بلکہ ما ذُکر ہے جس سے مراد وہی دونوں ہیں اور ظاہر ہے ما ذُکر مفرد ہے تثنیہ نہیں۔

قولہ ولما ذکر۔ اس عبارت سے تین سوالوں کے جوابات دیئے گئے ہیں اور ان میں سے تیسرا سوال دوسرے سوال کے جواب سے پیدا ہوتا ہے پہلا سوال یہ کہ اعراب لفظی تقدیری کے بعد غیر منصرف کو بیان کیا گیا جب کہ اس کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں دوسرا سوال یہ کہ غیر منصرف کی تعریف سے پہلے منصرف کی تعریف بیان کرنی چاہئے کیونکہ منصرف اصل ہے اور اصل مستحق تقدیم ہوتی ہے جواب سوال اوّل کا لما ذکر فی تفصیل سے دیا گیا ہے جس کا حاصل یہ کہ معرب کی تفصیل میں منصرف وغیر منصرف کا بیان تھا یعنی فالمفردُ المنصرف میں منصرف کا اور غیرُ المنصرف بالفتحہ میں غیر منصرف کا لیکن وہاں تعریف کو بیان نہیں کیا گیا تھا اس لئے یہاں اسکی تعریف کو بیان کیا جاتا ہے جواب سوال دوم کا بمعرفتہ یُعرف سے دیا گیا ہے جس کا حاصل یہ کہ منصرف اگرچہ غیر منصرف سے اصل ہے لیکن چونکہ منصرف کی تعریف غیر منصرف کی تعریف سے حاصل ہوتی ہے کیونکہ منصرف، غیر منصرف کی ضد ہے اور ایک ضد سے دوسری ضد معلوم ہو جاتی ہے جیسے مشہور ہے تعرفُ الاشیاءُ باضدادہا یعنی شئ ضدوں سے پہچانی جاتی ہے اس لئے پہلے غیر منصرف کی تعریف بیان کی گئی پھر منصرف کی تیسرا سوال یہ کہ اس کا برعکس یہ کیوں نہیں کیا گیا کہ پہلے منصرف کی تعریف بیان کی جائے جس سے غیر منصرف کی تعریف معلوم ہو جائے جواب اس کا وکانَ غیرُ المنصرف سے دیا گیا جس کا حاصل یہ کہ غیر منصرف چونکہ منصرف کی بہ نسبت قلیل ہے کیونکہ وجود غیر منصرف کے لئے شرائط کا ہونا ضروری ہے جن سے منصرف مستغنی ہوتا ہے اور ظاہر ہے جس کے لئے شرائط ہوں وہ قلیل الوقوع ہوتا ہے اور قلیل سے کثیر کی معرفت بآسانی ہوتی ہے دوسرا جواب یہ بھی ممکن ہے کہ منصرف کی تعریف عدمی ہے اور غیر منصرف کی وجودی اور وجودی تصور میں پہلے ہوتی ہے اس لئے پہلے غیر منصرف کی تعریف بیان کی گئی۔ خیال رہے کہ منصرف صرف سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے فضل وزیادہ ہونا اور اس کیساتھ منصرف کو مناسبت یہ ہے کہ وہ زیادت اعراب یعنی تنوین پر مشتمل ہوتا ہے یا زیادت تمکن کیساتھ متصف ہوتا ہے اسی عدم اتصاف کی وجہ سے غیر منصرف کو غیر منصرف کہا جاتا ہے

Marfat.com

غیرُ المنصَرِفِ

مَا اَیُ[1] اسمُ معربٍ فیہ علتانِ توثّرانِ[2] باجتماعِہما واستجماعِ[3] شرائطہما فیہ اَثرًا سیجئ ذکرہٗ من عللِ[4] تسعٍ اَوْ علۃٍ واحدۃٍ منہا اَیْ من تلک التسعِ تقومُ ھٰذہٖ العلۃُ الواحدۃُ مقامَہما ای مقامَ ھاتینِ العلتینِ بانْ[5] توثرَ وحدَھا تاثیرَھما

ترجمہ: ــــ (غیر منصرف وہ) یعنی اسم معرب (ہے جس میں دو علتیں ہوں) جو اپنے اجتماع اور اپنی شرائط کو جامع ہونے کی وجہ سے اسم معرب میں اثر کریں جس کا ذکر عنقریب آئیگا۔ (نو علتوں میں سے (یا ایک) علت (ہو ان میں سے) یعنی ان نو علتوں میں سے (جو) وہ ایک علت (قائم مقام دو کے ہو) یعنی قائم مقام ان دو علتوں کے اس طریقہ سے ہو کہ تنہا ان دو کا اثر کرے

تشریح: ــــ قولہ[1] اَیُ اسم معرب۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ غیر منصرف کی تعریف میں ضربتُ داخل ہو جاتا ہے کیونکہ اس میں بھی دو علتیں پائی جاتی ہیں ایک وزن فعل اور دوسری تانیث حالانکہ وہ مبنی ہے اسی طرح حضارِ بھی اس میں داخل ہو جاتا ہے کیونکہ حضارِ میں ایک علّت علمیت پائی جاتی ہے اور دوسری تانیث اس لئے کہ وہ ایک پہاڑ کا نام ہے جو بصرہ اور یمامہ کے درمیان واقع ہے جب تک وہ مبنی ہے جواب یہ کہ تعریف میں ما سے مراد اسم معرب ہے اور ضربتُ اسم ہی نہیں بلکہ فعل ہے اور حضارِ اسم تو ہے لیکن معرب نہیں بلکہ مبنی ہے۔

قولہ[2] توثرانِ باجتماعہما۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ حُبلیٰ کو اگر کسی شخص کا علم قرار دیا جائے اسی طرح مصابیح کو بھی تو ہر ایک میں دو علّتیں پائی جائیں گی اوّل میں علمیت و تانیث پائی جائیں گی اور دوم میں علمیت وصیغۂ منتہی الجموع پس ان دونوں کو غیر منصرف کی پہلی قسم میں شمار کرنا چاہئے جس میں دو علتیں ہوتی ہیں حالانکہ ان کو دوسری قسم میں شمار کیا جاتا ہے جس میں ایک علت قائم مقام دو علت کے ہوتی ہے جواب یہ کہ علتان سے مراد وہ دو علت ہیں جو غیر منصرف میں موثر ہوں اور ظاہر ہے علمیت۔ الف تانیث اور صیغہ منتہی الجموع کے ساتھ مؤثر نہیں ہوتی پس دونوں میں ایک ہی علت ہوئی جو دو علت کے قائم مقام ہوتی ہے تو وہ دوسری قسم سے ہوئے۔

Marfat.com

قولہ وَاستجماعِ شرائطِہما۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ تعریف میں لفظ نوح داخل ہوجاتا ہے کیونکہ اس میں بھی دو علت پائی جاتی ہیں جو دونوں مؤثر ہیں ایک عجمہ اور دوسری علمیت حالانکہ مذہب مختار پر اس کو منصرف پڑھا جاتا ہے جواب یہ کہ دونوں کا علّت موثرہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ دونوں اپنی شرائط کے ساتھ موجود ہوں اور عجمہ کی شرط یہ ہے کہ اس کا وسط متحرک ہو یا تین حرف سے زائد ہو اور لفظ نوح میں دونوں مفقود ہیں نہ اس کا وسط متحرک ہے اور نہ تین حرف پر زائد ہے اس لئے وہ منصرف پڑھا جاتا ہے۔

قولہ علَلٍ۔ اس عبارت سے علامہ رضی کے اس قول کا رد ہے کہ متن میں تسع کا مضاف الیہ محذوف ہے یعنی تسعِ علَلٍ۔ رد کا حاصل یہ کہ تسع کا مضاف الیہ نہیں بلکہ موصوف محذوف ہے یعنی عللٍ تسعٍ کیونکہ اگر مضاف الیہ محذوف ہو تو اس کے معطوف اَو واحدۃٍ میں بھی واحدۃٍ کا مضاف الیہ محذوف ہونا چاہئے یعنی اَو واحدۃٍ علّۃٍ جب کہ یہ بداہۃً باطل ہے کیونکہ عدد کا مضاف الیہ تمیز واقع ہوتا ہے اور واحدۃ واثنین کی تمیز ہی نہیں ہوتی۔

قولہ بأنّ تؤثر۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ علّت کو قیام کیساتھ موصوف کرنا درست نہیں ہے اس لئے کہ قیام کا معنی کھڑا ہونا ہے جو اجسام کی صفت ہے اور اجسام جوہر ہوتے ہیں اور علّت عرض ہوتی ہے۔ جواب یہ کہ قیام سے یہاں تاثیر مراد ہے جو اجسام کی صفت نہیں کیونکہ اجسام کی صفت قیام بمعنی ایستادن ہے پس معنی ہوا کہ ایک علّت دو علّت جیسی تاثیر کرتی ہو پس تعریف میں ما بمنزلۂ جنس ہے جس میں تمام اسماء معرب منصرف وغیر منصرف داخل ہیں اور فیہ علّتانِ بمنزلۂ فصل ہے جس سے منصرف خارج ہوگیا۔

خیال رہے کہ علل تسعہ میں سے ہر ایک علت ناقصہ ہے اور دو علت کا مجموعہ علت تامہ ہے جیسا کہ لفظ تقریب کی شرح سے ظاہر ہے کیونکہ ایک ہی علّت اگر علّت تامہ ہو تو غیر منصرف کا تحقق اسی ایک علّت سے ہوجانا چاہئے حالانکہ اس کا تحقق دو علتوں سے ہوتا ہے۔ اور علّت ناقصہ سے مراد عام ہے کہ حقیقۃً ہو یا حکماً پس غیر منصرف کی پہلی قسم میں دونوں علتوں کا تحقق حقیقۃً ہوتا ہے اور دوسری قسم میں ایک علت کا تحقق حقیقۃً ہوتا ہے اور دوسرے کا حکماً۔

وَھِیَ اَیُ العللُ التسعُ مجموعُ مَافی ھٰذین البیتینِ من الاُمورِ التسعۃِ لا کلُّ واحدٍ حتی یقالَ لا یصحُّ الحکمُ علی العللِ التسعِ بکلِ واحدٍ مِنْ ھٰذہ الاُمورِ

ترجمہ: ــــ (اور وہ) یعنی وہ نو علتیں اس کا مجموعہ ہیں جو ان دونوں شعروں میں نو امور میں سے ہیں نہ کہ ہر ایک

Marfat.com

یہاں تک کہ کہا جائے کہ ان نوامور میں سے ہر ایک کا اُن نو علتوں پر حکم لگانا صحیح نہیں۔

تشریح:۔ قولہ[1] اَیُ العِلَلُ التِّسعُ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ متن میں ھی مبتدا ہے جس کا مرجع علل تسعہ ہے اور خبر عدل و وصف وغیرہ میں سے ہر ایک ہے پس یہ لازم آئے گا کہ ہر ایک نو علتیں ہیں یعنی عدل نو علتیں ہیں وصف نو علتیں ہیں وغیرہ جواب یہ کہ یہ محذور اس وقت لازم آئے گا جب کہ حکم، عطف پر مقدم ہو یعنی ہر ایک کو خبر قرار دیا جائے حالانکہ عطف حکم پر مقدم ہے یعنی معطوف علیہ کو تمام معطوفات سے ملانے کے بعد ہی مجموعہ کو خبر قرار دیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ عدل تمام معطوفات سے مل کر نو علتیں ہیں۔ سوال جب کہ مجموعہ خبر ہے ہر ایک نہیں تو پھر ہر ایک پر جدا جدا اعراب کیوں آتا ہے صرف ایک اعراب مجموعہ کے آخر میں ہونا چاہئے تھا۔ جواب یہ کہ مبتدا چونکہ باعتبار معنی متعدد ہے اس لئے خبر کے ہر جزء پر اعراب دیا جاتا ہے

وَذٰلِکَ[1] المجموعُ شعر۔ عدلٌ ووصفٌ وتانیثٌ ومعرفۃٌ۔ وعجمۃٌ ثم جمعٌ ثم ترکیبٌ وَالعدولُ[2] فی عطفِ ھاتینِ العلّتینِ من الواوِ الیٰ ثم لمجردِ المحافظۃِ علی الوزنِ والنون زائدۃٌ من قبلھا الفٌ۔ و وزنُ فعلٍ وھٰذا القولُ تقریبٌ فقولہ[3] زائدۃً منصوبٌ علی انّہٗ حالٌ اِذ المعنیٰ وتمنعُ النونُ الصرفَ حالَ کونِھا زائدۃً وقولہ[4] الفٌ فاعلُ الظرفِ اَعنی من قبلھا اَو مبتدأٌ خبرہٗ الظرفُ المتقدمُ

ترجمہ:۔ اور وہ مجموعہ شعر ہے۔ (عدل اور وصف اور تانیث اور معرفہ۔ اور عجمہ پھر جمع پھر ترکیب) اور جمع و ترکیب کی علتوں کے عطف میں واؤ سے ثم کی طرف عدول محض وزن شعر کی حفاظت کے لئے ہے۔ (اور نون دراں حالیکہ الف اس سے پہلے زائد ہو اور وزن فعل ہیں اور یہ قول تقریبی ہے) پس مصنف کا قول زائدۃً بر بنائے حال منصوب ہے کیونکہ معنی ہے کہ نون صرف کو منع کرتا ہے اس حال میں کہ نون زائد ہے اور مصنف کا قول الف ظرف یعنی من قبلہا کا فاعل ہے یا وہ مبتدا ہے جس کی خبر ظرف مقدم ہے

تشریح:۔ قولہ[1] وذلک المجموعُ۔ یعنی علل تسعہ کا مجموعہ یہ دونوں بیت ہیں جس کے قائل ابو سعید انباری ہیں۔ ان دونوں سے پہلے ایک بیت یہ بھی ہے موانعُ الصرفِ تسعٌ کلما اجتمعت ثنتانِ منھا فما للصرف تصویبٌ۔ یعنی موانع صرف میں سے دو سبب جس اسم میں جمع ہو جائیں وہ اسم غیر منصرف ہو جائیگا۔ اس بیت کا مفہوم چونکہ تعریف سے ظاہر تھا اس لئے یہاں اس کو چھوڑ دیا گیا اور اس لئے بھی کہ اس میں غیر منصرف کی صرف پہلی قسم کا صراحۃً بیان ہے دوسری قسم کا نہیں یعنی یہ صراحۃً مذکور نہیں کہ ایک علت جو دو علتوں کے قائم مقام ہو تو

Marfat.com

اسم غیر منصرف ہو جائیگا اگرچہ شاعر کی مراد عام ہے کہ دو علتیں حقیقۃً ہوں یا حکماً اور جو علت دو علتوں کے قائم مقام ہو وہ حکماً دو علت ہوتی ہے۔

خیال رہے کہ متن میں دونوں بیت کی ابتداء عدلٌ سے ہے دَھِیَ سے نہیں جیسا کہ متبادر ہے۔

قولہ والعدول فی۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ ثم تراخی کے لئے آتا ہے جس سے یہ ظاہر ہے کہ پانچ علتوں کے بعد جمع علت ہے اور جمع کے بعد ترکیب علت ہے حالانکہ ہر ایک علت متساوی الاقدام ہے یعنی دوسری علتوں کی طرح جمع و ترکیب بھی مستقل علّت ہیں۔ جواب یہ کہ ثم یہاں بمعنی واوٗ ہے اور واوٗ سے ثم کی طرف عدول ضرورت شعری کی وجہ سے کیا گیا ہے تاکہ وزن محفوظ رہے اور مصرعہ وزن سے نہ گر جائے۔

قولہ نقولہ زائدۃً۔ یہ جواب اُس سوال کا کہ مصنف کے قول زائدۃً کو اگر النون کی صفت قرار دیکر مرفوع پڑھا جائے تو جائز نہیں کیونکہ اس تقدیر پر موصوف معرفہ ہوگا اور صفت نکرہ جو ممنوع ہے اور اگر اس کو النون سے حال قرار دیکر منصوب پڑھا جائے تو بھی جائز نہیں اس لئے کہ ذوالحال فاعل ہوتا ہے یا مفعول اور النون نہ فاعل ہے اور نہ مفعول بلکہ باعتبار عطف ھی کی خبر ہے جواب یہ کہ زائدۃً منصوب ہے اس بناء پر کہ وہ النون سے حال واقع ہے کیونکہ وہ اگرچہ بظاہر خبر باعتبار عطف ہے لیکن حقیقۃً فاعل ہے اس لئے کہ اس کا معنی یہ ہے تمنع النونُ الصرفَ حالَ کونہا زائدۃً۔ یہ بھی ممکن ہے کہ زائدۃً صفت ہو اور النون اس کا موصوف لیکن نون پر لام تعریف عہد ذہنی کا ہوگا جس کا مدخول نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے۔

قولہ فقولہ الفُ۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ الفُ فاعل ہے مِنْ قبلہا ظرف کا اصل عبارت یہ ہے ثبتَ مِنْ قبلہا الفُ اور بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ الفُ مبتدا مؤخر ہے اور من قبلہا ظرف اس کی خبر مقدم ہے اصل عبارت یہ ہے الفٌ ثابتٌ مِنْ قبلہا پس بتقدیر اول جملہ فعلیہ ہوگا اور بتقدیر دوم جملہ اسمیہ ہوگا۔

وَلَا یَخْفٰی اَنَّہٗ لَا یُفْہَمُ مِنْ ھٰذَا التَّوْجِیْہِ زِیَادَۃُ الْاَلِفِ مَعَ اَنَّہَا اَیْضًا زَائِدَۃٌ وَلِھٰذَا یُعْتَبَرُ عَنْھُمَا بِالْاَلِفِ وَالنُّوْنِ الزَّائِدَتَیْنِ وَلَوْ جُعِلَ الْاَلِفُ نَاءِبًا لِقَوْلِہٖ زَائِدَۃً وَالظَّرْفُ مُتَعَلِّقًا بِالزِّیَادَۃِ اُرِیْدَ بِزِیَادَۃِ الْاَلِفِ قَبْلَ النُّوْنِ اِشْتِرَاکُھُمَا فِیْ وَصْفِ الزِّیَادَۃِ وَتَقَدُّمُ الْاَلِفِ عَلَیْھَا فِیْ ھٰذَا الْوَصْفِ فَھُمَا زِیَادَتُھَا جَمِیْعًا وَھٰذَا کَمَا اِذَا قُلْتَ جَاءَنِیْ زَیْدٌ رَاکِبًا مِنْ قَبْلِہٖ اَخُوْہُ فَاِنَّہٗ یَدُلُّ عَلٰی اِشْتِرَاکِھِمَا فِیْ وَصْفِ الرُّکُوْبِ وَتَقَدُّمِ اَخِیْہِ عَلَیْہِ فِیْ ھٰذَا الْوَصْفِ

Marfat.com

ترجمہ: ـــــ اور مخفی نہ رہے کہ اس توجیہ سے الف کا زائد ہونا منصور نہیں ہوتا۔ حالانکہ الف بھی زائد ہے اسی وجہ سے دونوں کو الف ونون زائدتان کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور اگر الف کو مصنف کے قول زائدۃ کا فاعل قرار دیا جائے اور ظرف زیادت کیساتھ متعلق ہو اور الف کا نون سے پہلے زائد ہونے سے دونوں کا وصف زیادت میں شریک ہونا اور الف کا وصف زیادت میں نون سے پہلے ہونا مراد لیا جائے تو دونوں کا ایک ساتھ زیادہ ہونا متصور ہوتا ہے اور یہ توجیہ اس مقور کے مشابہ ہے جیسے آپ کہیں گے جاء زیدٌ من قبلہ اخوہُ پس وہ زید اور اس کے بھائی کا وصف رکوب میں اور اس وصف میں زید کے بھائی کا زید پر مقدم ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

تشریح: ـــ قولہ ولا یخفیٰ۔ اس عبارت سے من قبلہا الفٌ کی مذکورہ بالا دونوں توجیہوں پر سوال پھر اس کا جواب دیا گیا ہے سوال لا یخفیٰ سے کیا گیا ہے اور جواب ولو جُعلَ الالفُ سے دیا گیا ہے۔ سوال یہ کہ دونوں توجیہوں پر یہ معنی ہوتا ہے کہ منصرف ہونے کو منع کرتا ہے نون اس حال میں کہ نون زائد ہے جس سے پہلے الف۔ اس سے صرف نون کی زیادتی سمجھ میں آتی ہے الف کی نہیں حالانکہ نون کی طرح الف بھی زائد ہے اسی وجہ سے الف نون زائدتان کہا جاتا ہے۔ جواب یہ کہ من قبلہا الفٌ کی اصل توجیہ وہ نہیں بلکہ یہ ہے کہ زائدۃ شبہ فعل ہے اور الف اس کا فاعل ہے اور من قبلہا ظرف زائدۃ کے ساتھ متعلق ہے معنی یہ ہوگا کہ منصرف ہونے کو منع کرتا ہے نون اس حال میں کہ نون سے پہلے الف زائد ہے اس تقدیر پر الف ونون دونوں کی زیادتی سمجھ میں آتی ہے

قولہ وھذا کما۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اس توجیہ پر بھی صرف الف کی زیادتی صراحۃً سمجھ میں آتی ہے نون کی نہیں اس لئے کہ زائدۃ شبہ فعل کا فاعل صرف الف ہے نون نہیں۔ جواب یہ کہ اس توجیہ پر نون کی زیادتی بھی صراحۃً سمجھ میں آتی ہے اس لئے کہ عرف میں ہے کہ ایک چیز سے پہلے دوسری چیز کسی صفت کے ساتھ موصوف ہو تو اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اس صفت کیساتھ دونوں چیزیں موصوف ہیں لیکن ایک چیز پہلے موصوف ہے اور دوسری چیز اس کے بعد موصوف ہے مثلاً علم زیدٌ قبل بکر سے یہ متصور ہوتا ہے کہ علم زید قبل علم بکر اسی طرح جاءنی زیدٌ راکبًا من قبل اخوہُ سے یہ متصور ہوتا ہے کہ جاءنی زیدٌ راکبًا من قبلِ رکوبِ اخوہُ اسی طرح تمنعُ النونُ الصرفَ زائدۃً من قبلہا الفٌ سے تمنعُ النونُ الصرفَ زائدۃً من قبل زیادتہا الفٌ مستفاد ہوتا ہے۔

وقولہ وھذا القول تقریبٌ یعنی انّ ذکرَ العللِ بصورۃِ النظمِ تقریبٌ لہا الی الحفظِ لانّ حفظ النظمِ اَسہلُ اَوِ القولُ بانّ کلّ واحدٍ من الاُمور التسعۃِ علۃٌ قولٌ تقریبیٌّ لا تحقیقیٌّ اذ العلۃُ فی الحقیقۃِ اثنانِ منہا لا واحدٌ اَوِ القولُ بانہا تسعٌ تقریبٌ لہا اِلی الصوابِ لانّ فی عددِہا

Marfat.com

خلافاً فقالَ بعضُهم انها تسع وقال بعضهم اثنانِ وقالَ بعضُهم اَحدَ عشرَ لکن القولَ بانها تسعٌ تقریبٌ لها اِلیٰ ماھوالصوابُ من المذاھبِ الثلاثۃِ

ترجمہ :۔۔۔۔ اور مصنف کے قول وہذا القولُ تقریبٌ سے مراد یہ ہے کہ علتوں کو نظم کی صورت میں ذکر کرنا ان کو حفظ کی طرف قریب کر دیتا ہے اس لئے کہ نظم کو یاد کرنا زیادہ آسان ہے یا یہ قول کرنا کہ امور تسعہ میں سے ہر ایک علت ہے قول تقریبی ہے ۔ تحقیقی نہیں اس لئے کہ علت حقیقۃً ان نو علتوں میں سے دو ہیں ایک نہیں یا یہ قول کرنا کہ علتیں نو ہیں درستگی کی طرف قریب کر دیتا ہے کیونکہ ان کی تعداد میں اختلاف ہے بعض نحویوں نے دو علتوں کا قول کیا ہے اور بعض نے گیارہ کا لیکن یہ قول کرنا کہ نو ہیں ان تین مذہبوں میں سے جو حق ہے اس کی طرف قریب کر دیتا ہے ۔

تشریح ۔۔۔ قولہ وقولہ ھذا ۔ اس عبارت سے شعر میں تقریب کے معنی کی تین توجیہ بیان کی گئی ہیں ایک یہ کہ یہ قول جو منظوم ہے علل تسعہ کو حفظ سے قریب کر دینے والا ہے کیونکہ نثر کے مقابل میں نظم کو یاد کرنا آسان ہے پس اس تقدیر پر تقریب بمعنی مقرب اسم فاعل ہوا ۔ دوسری توجیہ یہ کہ امور تسعہ میں سے ہر ایک کو علت قرار دینا قول تقریبی ہے ۔ تحقیقی نہیں اس لئے کہ اسم کے غیر منصرف ہونے کے لئے حقیقۃً دو علتیں ہوتی ہیں ایک نہیں ۔ اس تقدیر پر تقریب در اصل تقریبی یا بہ نسبت کیساتھ ہے جس کا معنی ہے غیر تحقیقی یعنی مجازی تیسری توجیہ یہ کہ اسم کے غیر منصرف ہونے کیلئے جو نو علتیں بیان کی گئیں ہیں حق وصواب سے زیادہ قریب ہے اس لئے کہ علتوں کی تعداد میں اختلاف ہے بعض نحویوں نے نو علتوں کا قول کیا ہے اور بعض نے دو کا اور بعض نے گیارہ کا پس اگر دو علتوں کو مانا جائے تو تفریط ہے اور اگر گیارہ کو مانا جائے تو افراط ہے اور دونوں کو مانا جائے تو غیر مناسب ہے اس لئے خیر الامور اوسطہا کے طور پر نو علتوں کو قرار دیا گیا جو حق سے زیادہ قریب ہے ۔

قولہ فقالَ ۔ نو علتیں تو متن میں مذکور ہو چکیں لیکن دو علتوں میں سے ایک یہ ہے کہ حکایت ہو دوسری یہ کہ ترکیب ہو پس جس اسم میں بھی ان دونوں میں سے کوئی ایک ہوگا تو وہ غیر منصرف ہو جائے گا ۔ کیونکہ حکایت نام ہے نقل من الفعل الی الاسم کا یعنی فعل سے اسم کی طرف منقول ہو جانے کا پس اس تقدیر پر حکایت صرف وزن فعل میں پائی جائیگی جب کہ وہ وصف کے ساتھ ہو جیسے اعلم یا علمیت کے ساتھ ہو جیسے بزید کیونکہ دونوں حکایت فعلیت کے طریقہ پر غیر منصرف کہ جس طرح ان پر منقول ہونے سے پہلے کسرہ وتنوین

Marfat.com

کا دخول نہیں ہوتا تھا اسی طرح منقوص ہونے کے بعد بھی دخول نہیں ہوتا ہے اور ترکیب باقی علتوں میں پائی جائیگی لیکن اختلاف معنی کے ساتھ۔ تانیث بالتاء میں بایں طور کہ وہ علمیت کے ساتھ متحقق ہے اور تانیث بالف مقصورہ وممدودہ میں بایں طور کہ اسم کے ساتھ متحقق ہے اور عدل میں بایں طور کہ وہ علمیت کے ساتھ متحقق ہے جیسے عمر میں یا، وصفیت کیساتھ متحقق ہے جیسے ثلث ومثلث میں اور جمع میں بایں طور کہ وہ بمنزلہ دو جمع ہے اور الف نون زائدتان میں بایں طور کہ علمیت کے ساتھ متحقق ہے جیسے عمران میں یا، وصفیت کیساتھ متحقق ہے جیسے سکران میں اور عجمہ میں بایں طور کہ علمیت کے ساتھ متحقق ہے جیسے ابراہیم میں اور ترکیب میں بمعنی معروف یعنی ضرورۃ کلمتین او اکثر کلمۃ واحدۃ من غیر حرفیۃ جزء۔

قولہ وقال۔ جن گیارہ علتوں کا نحویوں نے جو قول کیا ہے ان میں سے نو تو وہی ہیں جو متن میں مذکور ہیں اور دسواں مراعات اصل ہے جیسے احمر جب کہ وہ کسی کا علم بنا دیا جائے پھر نکرہ کر دیا جائے تو یہ منصرف ہو جائیگا اس لئے کہ اس میں ایک سبب وزن فعل ہے اور دوسرا مراعات اصل ہے وصف نہیں اس لئے کہ وہ علمیت کی وجہ سے ساقط ہو گیا ہے کیونکہ دونوں میں منافات ہے اور جو ساقط ہو جائے وہ پھر واپس نہیں آتا۔ گیارہواں عنت تانیث کے الف مقصورہ کی مشابہت ہے۔ اس سے وہ الف مقصورہ مراد ہے جو تانیث کے لئے نہ ہو اور کسی اسم کے آخر میں زیادہ کر کے اس اسم کو علم بنا دیا گیا ہو۔ عام ہے کہ وہ الف الحاق کیلئے ہو یا الحاق کیلئے نہ ہو الحاق کی مثال ارطیٰ ہے وہ اس درخت کو کہتے ہیں جس سے دباغت دی جاتی ہے اس کے آخر میں الف کو جعفر کیساتھ لاحق کرنے کے لئے اضافہ کیا گیا ہے۔ اور غیر الحاق کی مثال قبعثریٰ ہے اس کے آخر میں الف زائد ہے لیکن الحاق کے لئے نہیں کیونکہ کوئی اسم سداسی نہیں ہوتا کہ جس کے ساتھ قبعثریٰ کو ملحق مانا جائے۔ ھھنا مذاھب اُخر لتعداد العلل قد ترکتہ لخوف الطوالۃ

ثم انہ ذکر امثلۃ العلل المذکورۃ علی ترتیب ذکرھا فی البیتین فقال مثل عمر مثال للعدل واحمر مثال للوصف وطلحۃ مثال للتانیث وزینب مثال للمعرفۃ وفی ایراد زینب مثالا للمعرفۃ بعد طلحۃ اشارۃ الی قسمی التانیث اللفظی والمعنوی وابراھیم مثال للعجمۃ ومساجد مثال للجمع ومعدیکرب مثال للترکیب وعمران مثال للالف والنون واحمد مثال لوزن الفعل

Marfat.com

ترجمہ: ـــــ پھر مصنف علیہ الرحمہ نے علل مذکورہ کی مثالوں کو دو شعروں میں ان کے ذکر کی ترتیب پر بیان کر کے فرمایا (جیسے عمر) عدل کی مثال ہے (اور احمر) وصف کی مثال ہے (اور طلحہ) تانیث کی مثال ہے (اور زینب) معرفہ کی مثال ہے اور معرفہ کے لئے طلحہ کے بعد زینب کو مثال لانے میں تانیث کی دو قسموں لفظی و معنوی کی طرف اشارہ کرنا ہے (اور ابراہیم) عجمہ کی مثال ہے (اور مساجد) جمع کی مثال ہے (اور معد یکرب) ترکیب کی مثال ہے (اور عمران) الف نون زائدتان کی مثال ہے اور احمد وزن فعل کی مثال ہے۔

تشریح: ـــــ قولہ ثم انہ ذکر۔ اس عبارت سے دو سوالوں کے جوابات دئے گئے ہیں ایک سوال یہ کہ غیر منصرف کی متعدد مثالیں دی گئی ہیں جب کہ ایک مثال سے بھی مقصود واضح ہو جاتا ہے دوسرا سوال یہ کہ عمر کے بعد احمر اور احمر کے بعد طلحہ الیٰ آخرہ اس ترتیب بیان میں کیا راز ہے؟ جواب سوال اوّل کا اَنّہٗ ذکر سے دیا گیا ہے جس کا حاصل یہ کہ متعدد مثالیں متعدد ممثلات کی وجہ سے دی گئیں ہیں یعنی علتیں چونکہ نو ہیں اس لئے مثالیں بھی نو دی گئیں ہیں۔ جواب سوال دوم کا علیٰ ترتیب ذکر سے دیا گیا ہے جس کا حاصل یہ کہ مثالوں کا بیان لف و نشر مرتب کے طور پر ہے یعنی دونوں شعر میں علل تسعہ کو جس ترتیب پر بیان کیا گیا ہے اسی ترتیب پر مثالوں کو بھی بیان کیا گیا ہے کہ عدل کی مثال عمر ہے اور وصف کی مثال احمر ہے اور تانیث کی مثال طلحہ ہے اور معرفہ کی مثال زینب ہے اور عجمہ کی مثال ابراہیم ہے اور جمع کی مثال مساجد ہے اور ترکیب کی مثال معد یکرب ہے اور الف نون زائدتان کی مثال عمران ہے اور وزن فعل کی مثال احمد ہے۔

بیانہٗ مثل عمر۔ غیر منصرف زفر ہے جو غیر منصرف ہونے میں مثل عمر ہے اور مثل عمر جب کہ غیر منصرف ہے تو خود عمر بطریق اولیٰ غیر منصرف ہوگا اور لفظ مثل کو اس لئے بیان کیا گیا ہے تاکہ انحصار کا وہم زائل ہو جائے اور یہ متصور نہ ہو کہ جو اسماء یہاں مذکور ہیں صرف وہی غیر منصرف ہیں ان کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں۔

قولہ وفی ایراد۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ طلحہ جس طرح تانیث کی مثال ہے اسی طرح معرفہ کی بھی پھر طلحہ کے بعد زینب کو کیوں بیان کیا گیا؟ جواب یہ کہ اس سے یہ اشارہ کرنا مقصود ہے کہ تانیث کی دو قسمیں ہیں ایک لفظی دوسری معنوی اور غیر منصرف کا سبب تانیث کی دونوں قسمیں ہیں

بیانہٗ معد یکرب۔ یہ ایک صحابی کا نام ہے جو ترکیب کی مثال واقع ہے وہ مرکب ہے ایک اسم معدی اور دوسرا کرب سے، اس میں تین لغتیں ہیں لیکن ہر لغت میں معدی یا ر ساکن کے ساتھ ہے اور وہ اسم مفعول ہے مرمی کے وزن پر اور کرب فعل ماضی ہے جس کا مصدری معنی ہے زمین کھودنا اور مشہور یہ ہے کہ کرب میں را کو کسرہ ہے

Marfat.com

وحکمہٗ ای حکم غیر المنصرف والاثر المرتب علیہ من حیث اشتمالہ علی علتین او واحدۃ منہا تقوم مقامہما ان لا کسرۃ فیہ ولا تنوین

ترجمہ ——— (اور اس کا حکم، یعنی غیر منصرف کا حکم اور وہ اثر جو غیر منصرف کی دو علتوں یا ایک علت جو قائم مقام دو علت کے ہو پھر مشتمل ہونے کی حیثیت سے اس پر مرتب ہو (یہ کہ) اس میں نہ کسرہ ہوگا اور نہ تنوین)

تشریح : ——— قولہ ای حکم غیر المنصوف ۔ غیر منصرف کی تعریف اور اس کی مثالوں کو بیان کرنے کے بعد اب اس کے حکم کو بیان کیا جاتا ہے کیونکہ تعریف کی طرح حکم بھی موجب انکشاف ہوتا ہے ۔ یہ عبارت درحقیقت جواب ہے اس سوال کا کہ حکم اثر مرتب کو کہتے ہیں اور اثر مرتب کی اضافت مؤثر کی طرف ہوتی ہے اور یہاں اس کی اضافت غیر منصرف کی طرف کی گئی ہے جب کہ موثر وہ نہیں بلکہ دو علت ہیں یا وہ ایک علت جو دو علت کے قائم مقام ہے ۔ جواب یہ کہ غیر منصرف اگرچہ اثر نہیں لیکن چونکہ وہ اس کا محل ہے یعنی دو علتوں یا ایک علت کے اثر کا ظہور غیر منصرف پر ہی ہوتا ہے اس لئے اثر کی اضافت غیر منصرف کی طرف کر دی گئی

قولہ من حیث اشتمالہ ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ غیر منصرف پر کسرہ و تنوین کے داخل نہ ہونے کے علاوہ دوسرے اثرات بھی مرتب ہوتے ہیں مثلاً مرفوع ہونا ۔ منصوب ہونا ۔ مجرور ہونا ۔ عوامل کے اختلاف سے معرب کے آخر مختلف ہونا تو غیر منصرف کے حکم کل اثرات ہیں یا کوئی خاص اثر ؟ جواب یہ کہ دو علت یا ایک علت پر مشتمل ہونے کی حیثیت سے غیر منصرف پر جو اثر مرتب ہو صرف وہی اثر غیر منصرف کا حکم ہے اور وہ کسرہ و تنوین کا داخل نہ ہونا ہے ۔ دوسرے اثرات غیر منصرف پر اس حیثیت سے مرتب نہیں ہوتے بلکہ اس حیثیت سے کہ وہ معرب ہے یا وہ فاعل یا مفعول یا مضاف الیہ ہے ۔

قولہ فیہ ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ لائے نفی جنس جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے اور وہ یہاں کسرہ و تنوین پر داخل ہوا ہے جو دونوں مفرد ہیں ۔ جواب یہ کہ کسرہ و تنوین کے بعد فیہ عبارت میں محذوف ہے اور ان لا کسرۃ ولا تنوین میں پانچ صورتیں جائز ہیں جس طرح لاحول ولاقوۃ میں جائز ہیں ۔ خیال رہے کہ غیر منصرف پر کسرہ کا داخل نہ ہونا اگرچہ اعراب کے بیان ہی میں غیر المنصرف بالضمۃ والفتحۃ کے تحت معلوم ہو چکا تھا لیکن اس پر چونکہ تنوین کے داخل نہ ہونے کے متعلق معلوم نہ تھا اس لئے دونوں ایک ساتھ بیان کیا گیا

Marfat.com

تاکہ حفظ وضبط میں آسانی ہو۔

وَ ذٰلِکَ لِاَنَّ لِکُلِّ عِلَّۃٍ فَرْعِیَّۃٌ فَاِذَا وَقَعَ فِی الْاِسْمِ عِلَّتَانِ حَصَلَ فِیْہِ فَرْعِیَّتَانِ فَیُشْبِہُ الْفِعْلَ مِنْ حَیْثُ اَنَّ لَہٗ فَرْعِیَّتَیْنِ بِالنِّسْبَۃِ اِلَی الْاِسْمِ اَحَدُھُمَا اِفْتِقَارُہٗ اِلَی الْفَاعِلِ وَاُخْرَاھُمَا اِشْتِقَاقُہٗ مِنَ الْمَصْدَرِ فَمُنِعَ مِنْہُ الْاِعْرَابُ الْمُخْتَصُّ بِالْاِسْمِ وَھُوَ الْجَرُّ وَالتَّنْوِیْنُ الَّذِیْ ھُوَ عَلَامَۃُ التَّمَکُّنِ

ترجمہ: ــــ اور وہ اس لئے کہ ہر علت کے لئے فرعیت ہوتی ہے پس جب اسم معرب میں دو علّت واقع ہوں تو اس میں دو فرعیت پیدا ہوں گی پس اس حیثیت سے وہ فعل کے مشابہ ہوگا کہ بہ نسبت اسم کے فعل کی دو فرعیت ہیں۔ ان میں سے ایک فعل کا فاعل کی طرف محتاج ہونا اور دوسرا فعل کا مصدر سے مشتق ہونا پس اس اسم معرب سے وہ اعراب روک دیا جائیگا جو اسم کیساتھ خاص ہے اور وہ جر و تنوین ہے جو متمکن ہونے کی علامت ہے۔

تشریح: ــــ قولہ وذلک۔ یہ اُس سوال کا جواب ہے کہ غیر منصرف پر کسرہ و تنوین کے داخل نہ ہونے کی وجہ کیا ہے؟ جواب یہ کہ غیر منصرف مشابہ ہے فعل کے اور فعل پر کسرہ و تنوین داخل نہیں ہوتے اس لئے غیر منصرف پر بھی کسرہ و تنوین داخل نہ ہوں گے لیکن فعل پر تنوین داخل نہ ہونے کی وجہ خواص اسم کے بیان میں گذر چکی ہے کہ اس پر تنوین ترنم کے علاوہ کوئی تنوین داخل نہ ہوتی ہے۔ تفصیل تنوین کے بیان میں آئے گی۔ لیکن اس پر کسرہ اس لئے داخل نہیں ہوتا کہ اس کے آخر میں جب یاء متکلم لاحق ہوتی ہے تو یاء ما قبل کو کسرہ چاہتی ہے لیکن کسرہ نہیں دیا جاتا بلکہ اس کے لئے نون وقایہ لایا جاتا ہے جیسے ضربنی وما کرنی۔ لیکن غیر منصرف فعل کے مشابہ اس لئے ہے کہ ہر علت کسی چیز کی فرع ہوتی ہے، عدل معدول عنہ کی فرع ہے اور تانیث تذکیر کی فرع ہے پس غیر منصرف دو چیزوں کی فرع ہوا اور فعل بھی دو چیزوں کی فرع ہے ایک فاعل اور دوسرا مصدر۔ اس لئے کہ فعل رکن کلام میں اپنے فاعل کا محتاج ہوتا ہے اور مشتق ہونے میں مصدر کا محتاج ہوتا ہے پس جب غیر منصرف بھی دو چیزوں کی فرع ہے اور فعل بھی تو غیر منصرف فعل کے مشابہ ہوگیا اور جس طرح فعل پر کسرہ و تنوین داخل نہیں ہوتے اسی طرح غیر منصرف پر بھی داخل نہ ہوں گے۔

قولہ فیشبہ الفعل۔ اسم کی مشابہت فعل کیساتھ تین طرح ہوتی ہے (۱) اقویٰ وہ جو کہ اسم

Marfat.com

ہیں فعل کا معنی پایا جائے جیسے اسماء افعال ۔ اس تقدیر پر اسم، فعل کی طرح مبنی ہوتا ہے اور اسی کی طرح عمل بھی کرتا ہے (۲) اوسط وہ جو کہ اسم میں فعل کے حروف اصلیہ پائے جائیں اور بعض معنی فعل کے موافق ہو جیسے مصادر ومشتقات ۔ اس تقدیر پر اسم، فعل کی طرح عمل کرتا ہے لیکن مبنی نہیں ہوتا (۳) ادنیٰ وہ جو کہ اسم میں وصف فرعیت ہو جیسے غیر منصرف کہ وہ دو چیزوں کی فرع ہے اس تقدیر پر اسم نہ مبنی ہوتا ہے اور نہ فعل کی طرح عمل کرتا ہے بلکہ اس سے بعض خاصہ مسلوب ہو جاتا ہے یعنی اس پر کسرہ وتنوین داخل نہیں ہوتے

قولہ الذی ھو علامۃ التمکن ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ غیر منصرف پر بھی تنوین آسکتی ہے اس لئے کہ مثلاً مسلمات کو اگر کسی کا علم قرار دیا جائے تو تانیث وعلمیت کی وجہ سے وہ غیر منصرف ہو جاتا ہے اس کے باوجود اس پر تنوین آتی ہے ۔ جواب یہ کہ تنوین سے یہاں مراد تنوین تمکن ہے اور مسلمات میں جو تنوین ہے وہ تنوین تمکن نہیں بلکہ تنوین مقابلہ ہے جو نون جمع مذکر سالم کے مقابلہ میں آتی ہے

وَاِنَّمَا قُلْنَا لِكُلِّ عِلَّةٍ فَرْعِيَّةٌ لِاَنَّ الْعَدْلَ فَرْعُ الْمَعْدُوْلِ عَنْهُ وَالْوَصْفُ فَرْعُ الْمَوْصُوْفِ وَالتَّانِيْثُ فَرْعُ التَّذْكِيْرِ لِاَنَّكَ تَقُوْلُ قَائِمٌ ثُمَّ قَائِمَةٌ وَالتَّعْرِيْفُ فَرْعُ التَّنْكِيْرِ لِاَنَّكَ تَقُوْلُ رَجُلٌ ثُمَّ الرَّجُلُ وَالْعُجْمَةُ فِيْ كَلَامِ الْعَرَبِ فَرْعُ الْعَرَبِيَّةِ اِذِ الْاَصْلُ فِيْ كُلِّ كَلَامٍ اَنْ لَّا يُخَالِطَهٗ لِسَانٌ آخَرُ وَالْجَمْعُ فَرْعُ الْوَاحِدِ وَالتَّرْكِيْبُ فَرْعُ الْاِفْرَادِ وَالْاَلِفُ وَالنُّوْنُ الزَّائِدَتَانِ فَرْعُ مَا زِيْدَ تَاعَلَيْهِ وَوَزْنُ الْفِعْلِ فَرْعُ وَزْنِ الْاِسْمِ لِاَنَّ الْاَصْلَ فِيْ كُلِّ نَوْعٍ اَنْ لَّا يَكُوْنَ فِيْهِ الْوَزْنُ الْمُخْتَصُّ بِنَوْعٍ آخَرَ فَاِذَا وُجِدَ فِيْهِ هٰذَا الْوَزْنُ كَانَ فَرْعًا لِوَزْنِهِ الْاَصْلِيِّ

ترجمہ :۔۔۔ اور ہم نے کہا کہ ہر علت کے لئے فرعیت ہے کیونکہ عدل فرع ہے معدول عنہ کی اور وصف فرع ہے موصوف کی اور تانیث فرع ہے تذکیر کی کیونکہ آپ کہیں گے قائمٌ پھر قائمۃٌ اور تعریف فرع ہے تنکیر کی کیونکہ آپ کہیں گے رجلٌ پھر الرجلُ اور عجمہ کلام عرب میں فرع ہے لغت عربیہ کی اس لئے کہ ہر کلام میں اصل یہ ہے کہ اس کے ساتھ دوسری زبان کا اختلاط نہ ہوا اور جمع فرع ہے واحد کی اور ترکیب فرع ہے افراد کی اور الف ونون زائدتان فرع ہیں جس پر وہ دونوں زیادہ کئے جائیں اور وزن فعل فرع ہے وزن اسم کی کیونکہ ہر قسم میں اصل یہ ہے کہ اس میں وہ وزن نہ ہو جو دوسری قسم کے ساتھ خاص ہے پس جب یہ وزن اس میں موجود ہوگا تو وہ فرع ہوگا اپنے وزن اصلی کی ۔

Marfat.com

تشریح: — قولہ[1] وانما قلنا ۔ یہ اس دعویٰ کی دلیل ہے کہ ہر علت کسی چیز کی فرع ضرور ہے جس کا حاصل یہ کہ عدل فرع ہے معدول عنہ کی کیونکہ جو اسم اپنے حال پر برقرار ہوگی وہ اصل ہوگی اور جو اپنے حال پر برقرار نہ ہوگی وہ فرع ہوگی اور عدل چونکہ معدول عنہ سے عدول کیا جاتا ہے اس لئے وہ فرع ہے معدول عنہ کی اسی طرح وصف فرع ہے موصوف کی کیونکہ وصف بغیر موصوف کے پایا نہیں جاتا اور تانیث خلقت و مرتبہ و تلفظ میں تذکیر کی فرع ہے لیکن اول دونوں میں تو ظاہر ہے اس لئے کہ پہلے سیّدنا آدم علیہ السّلام کا وجود ہوا پھر سیّدنا حوا علیہا السّلام کا اور نبوت صرف مرد کو حاصل ہوئی عورت کو نہیں اور تلفظ میں اس لئے کہ پہلے قائمٌ بولا جاتا ہے پھر قائمۃٌ اور تعریف لفظ و معنی میں تنکیر کی فرع ہے لیکن لفظ میں اس لئے کہ پہلے رجلٌ بولا جاتا ہے پھر الرجل اور معنی میں اس لئے کہ تصور اجمالی، تصور تفصیلی پر مقدم ہے کیونکہ عام کے تصور کے ضمن میں خاص کا تصور ہوتا ہے اور عجمہ کلام عرب میں لغت عربیہ کی فرع ہے اس لئے کہ ہر کلام میں اصل یہ ہے کہ اس کے ساتھ دوسری زبان کا اختلاط نہ ہو اور جمع فرع ہے واحد کی اس لئے کہ پہلے واحد موجود ہوتا ہے پھر جمع اور ترکیب فرع ہے افراد کی اس لئے کہ پہلے مفرد کا علم ہوتا ہے پھر مرکب کا اور الف نون زائدتان فرع ہیں ما زیدتا لہٗ کی جیسا کہ ظاہر ہے اور وزن فعل فرع ہے وزن اسم کی اس لئے کہ ہر قسم میں اصل یہ ہے کہ اس میں ایسا وزن نہ ہو جو دوسری قسم کیساتھ خاص ہو پس جب کسی قسم میں دوسری قسم کا وزن پایا جائے تو یہ دوسری قسم کا وزن پہلی قسم کے لئے فرع ہوگا۔

وَیجوزُ[1] اَیْ لا یمتنعُ سواءٌ کان ضروریاً اَوْ غیرَ ضروریٍّ صرفہٗ اَیْ[2] جعلہٗ فی حکم المنصرفِ بادخالِ الکسرۃِ وَالتنوینِ فیہ لا جعلہٗ منصرفاً حقیقۃً فانّ غیرَ المنصرفِ عندَ[3] المصنفِ ما فیہ علّتانِ او واحدۃٌ تقومُ مقامھما وبادخالِ الکسرۃِ والتنوینِ لا[4] یلزمُ خلوُ الاسمِ عنھما وقیل المرادُ بالصرفِ معناہُ اللغویّ لا الاصطلاحیّ والضمیرُ فی صرفہٖ راجعٌ اِلیٰ حکمہٖ

ترجمہ: — (اور جائز ہے) یعنی محال نہیں خواہ ضروری ہو یا ضروری نہ ہو (اس کو منصرف کے حکم میں کرنا) یعنی کسرہ و تنوین کو غیر منصرف پر داخل کر کے اس کو منصرف کے حکم میں کرنا نہ کہ حقیقۃً اس کو منصرف کرنا اس لئے کہ مصنف کے نزدیک غیر منصرف وہ ہے جس میں دو علتیں ہوں یا ایک علت جو دو علت کے قائم مقام ہو اور کسرہ و تنوین کے داخل ہونے سے اسم کا اپنی دونوں علتوں سے خالی ہونا لازم نہیں آتا ہے اور بعض نے کہا کہ صرف

Marfat.com

سے مراد اس کا معنی لغوی ہے اصطلاحی نہیں اور صرفہٗ کی ضمیر حکمہٗ کی طرف راجع ہے

تشریح ـــــ قولہ اَیْ لَا یَمْتَنِعُ ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ یجوز صرفہٗ کہنا درست نہیں ہے اس لئے کہ غیر منصرف کو منصرف کے حکم میں کرنا اگرچہ تناسب کی وجہ سے اولیٰ ہے لیکن ضرورت شعری کی وجہ سے واجب ہے جب کہ جواز میں کرنا اور چھوڑنا دونوں برابر ہے ۔ جواب یہ کہ جواز کا ایک معنی ہے سلب الوجوب یعنی واجب نہ ہونا اور دوسرا معنی ہے سلب الامتناع یعنی محال نہ ہونا اور تیسرا معنی ہے سلب الوجوب والامتناع یعنی واجب و محال نہ ہونا اور یہاں دوسرا معنی مراد ہے یعنی غیر منصرف کو منصرف کے حکم میں کرنا محال نہیں ہے خواہ ضروری نہ ہو جیسے تناسب کے سبب یا ضروری ہو جیسے ضرورت شعری کے سبب

قولہ اَیْ جَعَلَہٗ ۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ غیر منصرف، منصرف کیسے ہو جائیگا ؟ جب کہ کسرہ وتنوین کے داخل ہونے کے بعد بھی اس میں دو علتیں موجود رہتی ہیں ۔ جواب یہ کہ غیر منصرف کا منصرف ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ کسرہ وتنوین کے داخل ہونے میں منصرف کے حکم میں ہو جاتا ہے حقیقۃً نہیں دوسرا جواب یہ کہ صرف سے یہاں مراد اس کا لغوی معنی پھیرنا ہے اور ضمیر مجرور کا مرجع حکمہٗ ہے پس معنی ہوا غیر منصرف کے حکم کو پھیرنا یعنی غیر منصرف پر کسرہ وتنوین داخل نہ ہوتے تھے مگر اب داخل ہو سکتے ہیں پہلا جواب معنیٰ اصطلاحی کے اعتبار سے ہے اور دوسرا معنی لغوی کے اعتبار سے دوسرے جواب کو کلمۂ تمریض سے بیان کرنے میں اس کے ضعف کی طرف اشارہ ہے وجہ ضعف یہ ہے کہ صرف سے متبادر اس کا اصطلاحی معنی منصرف ہونا ہے معنیٰ لغوی پھیرنا نہیں اور مقتضائے بحث بھی اس پر دال ہے ۔

قولہ عِنْدَ الْمُصَنِّفِ ۔ اس عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ مصنف کے نزدیک کسرہ وتنوین کے داخل ہونے سے غیر منصرف حقیقۃً منصرف نہیں ہو جاتا البتہ علامہ زمخشری کے نزدیک حقیقۃً منصرف ہو جاتا ہے کیونکہ ان کے نزدیک غیر منصرف، وہ ہوتا ہے جس پر کسرہ وتنوین داخل نہ ہوں اور جب اس پر کسرہ وتنوین داخل ہوں گے تو وہ حقیقۃً منصرف ہو جائیگا ۔

قولہ لَا یَلْزَمُ ۔ اس مقام پر یہ سوال ممکن ہے کہ کسرہ وتنوین کے داخل ہونے کے بعد دونوں علتیں اگر موجود ہیں تو دونوں مؤثر ہیں یا مؤثر نہیں اگر موثر ہیں تو اثر کے وجود کے بغیر مؤثر کا وجود لازم آئیگا جو ممتنع ہے اور اگر موثر نہیں تو اس پر غیر منصرف کی تعریف صادق نہ آئیگی کیونکہ غیر منصرف میں جو علتیں ہوتی ہیں وہ ضرور مؤثر ہوتی ہیں اس کا جواب یہ کہ اس میں دونوں علتیں موجود ہیں اور مؤثر بھی اور موثر سے اثر کا تخلف اس وقت ممنوع ہے جب کہ کوئی مانع نہ ہو اور یہاں پر مانع موجود ہے اور وہ تناسب وضرورت شعری ہے

Marfat.com

للضرورة اى لضرورة وزن الشعر او رعاية القافية فاذا وقع المنصرف في الشعر فكثيرا ما يقع من منع صرفه انكسار يخرجه عن الوزن او انزحاف يخرجه عن السلاسة اما الاول فكقوله شعر صببت علي مصائب لو انها ـ صببت على الايام صرن لياليا واما الثاني فكقوله شعرا اعد ذكر نعمان لنا انّ ذكره ـ هو المسك ما كررته يتضوع ـ فانه لو نوّن نون نعمان من غير تنوين يستقيم الوزن ولكن يقع فيه زحاف يخرجه عن السلاسة كما يحكم به سلامة الطبع

ترجمہ: ـــــ (بوجہ ضرورت) یعنی بوجہ ضرورت وزن شعر یا رعایت قافیہ پس جب شعر میں غیر منصرف واقع ہو تو اکثر غیر منصرف سے انکسار واقع ہوتا ہے جو شعر کو وزن سے نکال دیتا ہے یا انزحاف واقع ہوتا ہے جو شعر کو سلاست سے نکال دیتا ہے اور لیکن اوّل جیسے کہ شاعر کا قول ہے شعر صببت علی الخ یعنی میرے اوپر ایسی مصیبتیں ڈال دی گئیں کہ اگر ان کو دنوں پر ڈال دی جائیں تو دن رات ہو جاتے اور لیکن دوسرا جیسے شاعر کا قول ہے شعرا اعد ذکر الخ یعنی نعمان بن ثابت کا ذکر ہم سے بار بار کیجیے کیونکہ ان کا ذکر مشک ہے جب تک اس کی تکرار کریں گے پھیلتی جائے گی اس لئے کہ لفظ نعمان کے نون کو اگر بغیر تنوین کے فتحہ دیا جائے تو وزن قائم رہتا ہے لیکن اس میں زحاف واقع ہوتا ہے جو وزن کو سلاست سے نکال دیتا ہے جیسا کہ سلاست طبع اس کا حکم دیتی ہے ۔

تشریح: ـــــ قولہ اى لضرورة ۔ اس عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ متن میں ضرورت کے اوپر الف لام مضاف الیہ کے عوض ہے اور مضاف الیہ وزن شعر ہے یا رعایت قافیہ اور وزن شعر کی ضرورت دو قسموں پر ہے ایک انکسار کہ غیر منصرف کو اگر منصرف نہ پڑھا جائے تو شعر وزن ہی سے گر جاتا ہے اور دوسری انزحاف کہ منصرف پڑھنے کی صورت میں شعر سلاست سے نکل جاتا ہے۔ سوال مصنف نے تناسب کی مثال بیان فرمایا ضرورت کی کیوں نہیں؟ جواب ضرورت کی وجہ سے چونکہ غیر منصرف کو منصرف کے حکم میں کرنا ظاہر تھا اس لیے اس کی مثال کو چھوڑ دیا گیا لیکن تناسب کی وجہ سے غیر منصرف کو منصرف کے حکم میں کرنا ظاہر نہیں تھا اس لیے اس کی مثال کو بیان کیا گیا۔ سوال ضرورت و تناسب کی وجہ سے جس طرح غیر منصرف کو منصرف کے حکم میں کیا جاتا ہے اسی طرح منصرف کو غیر منصرف کے حکم میں کیوں نہیں کیا جاتا؟ جواب اسم میں انصراف اصل ہے اور عدم انصراف خلاف اصل اور ضرورت و تناسب کی وجہ سے اصل کی طرف رجوع کرنا حرج نہیں ہے لیکن خلاف اصل کی طرف رجوع کرنا حرج ہے البتہ کوفیین کے نزدیک ضرورت شعری کی وجہ سے منصرف کو غیر منصرف کے حکم میں کرنا جائز ہے

Marfat.com

جب کہ منصرف غیر منصرف ہو جیسے اس شعر میں ہے فما کان حصن ولا جالس ۔ یفوقان مرداس فی مجمع ۔ اس میں مرداس علم منصرف ہے جو بوجہ ضرورت شعری غیر منصرف کے حکم میں کیا گیا ہے اسی وجہ سے اس پر تنوین داخل نہیں ہوئی ۔

قولہ اما الاول ۔ یعنی انکسار کی مثال حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کا یہ شعر ہے صُبَّتْ علیَّ مصائبٌ لو انہا ۔ صُبَّتْ علی الایامِ صِرْن لیالیا ۔ رسول گرامی علیہ التحیۃ والثناء کا جب وصال پاک ہوا تو حضرت فاطمہ الزاہراء آپ کے مزار اقدس پر حاضر ہوئیں اور اس کی خاک پاک آنکھوں پر لگا کر زار زار رونے لگیں اور یہ شعر گنگنانے لگیں جس کا ترجمہ یہ ہے کہ مجھ پر ایسی مصیبتیں اوندیل دی گئیں ہیں جو دنوں پر اوندیل دی جاتیں تو وہ دن رات ہو جاتے ۔ اس سے پہلے ایک شعر یہ بھی ہے ۔ ماذا علیٰ من تسمّ تربۃ احمد + ان لا یشمّ مدیٰ الزمانِ غوالیا ۔ یعنی اس پر کیا واجب ہے جس نے قبر شریف کی مٹی سونگھ لی اس پر یہ واجب ہے کہ عمر بھر دوسری خوشبوئیں نہ سونگھے (کیونکہ اُن میں وہ کیف ہی نہیں جو اس میں ہے) اس میں موضع استشہاد مصائبٌ ہے جو جمع ہونے کی وجہ سے غیر منصرف تھا لیکن اگر اس پر تنوین داخل نہ کیا جائے تو شعر وزن سے گر جاتا ہے اس لئے کہ وہ شعر بحر کامل مزحف مضمر میں ہے جس کے اوزان سالم متفاعلن، متفاعلن ہیں مگر مصرعۂ اول کے صدر اور عروض میں اور مصرعۂ ثانی کی ابتداء وعروض میں زحاف اضمار واقع ہونے کی وجہ سے وہ مستفعلن میں تبدیل ہو گئے ہیں ۔ اس کی تقطیع اس طرح ہے صُبَّتْ علیُ + مستفعلن ۔ یَ مصائبٌ + متفاعلن لو انّہا + مستفعلن ۔ صبت علی ال + مستفعلن ۔ ایّام صِرْ + مستفعلن ۔ ن لیا لیا + متفاعلن ۔ اس میں علی مصدر ہے اور لو انہا عروض اور صبت علی ال ابتداء اور ایام صرعشو ہے کیونکہ مصرعۂ اوّل کے جزء اول کو صدر اور جزء سوم کو عروض کہا جاتا ہے اور مصرعۂ اول و دوم کے جزء ثانی کو حشو کہا جاتا ہے اور مصرعۂ ثانی کے جزء اول کو ابتدا اور جزء سوم کو ضرب کہا جاتا ہے ۔ اس شعر میں مصائبٌ کو اگر تنوین نہ دیا جائے تو زحاف کف واقع ہو کر وزن بجائے متفاعلن کے متفاعل رہ جائیگا اور یہ اس بحر میں جائز نہیں واضح ہو کہ سالم وہ بحر ہے جو زحاف سے محفوظ رہے اور مُزحَّف وہ بحر ہے جس میں زحاف واقع ہو اور زحاف وہ تغیر ہے جو بحر کو سلامت سے خارج کر دے ۔ مضمر وہ بحر ہے جس میں اضمار ہو اور اضمار دوسرے متحرک کو ساکن کرنا ہے جیسے متفاعلن سے مستفعلن اور کامل وہ بحر ہے جس کے ارکان متفاعلن متفاعلن ہوں ۔

قولہ اما الثانی ۔ یعنی انزحاف کی مثال حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کا یہ شعر ہے جو ہمارے امام

Marfat.com

اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کی شان میں بیان کیا تھا ۔ اَعِدْ ذِکْرَ نعمان لنا اَنَّ ذکرہٗ + ہُوَ المسکُ ماکررتہٗ یتضوعُ ۔ پہلا شعر یہ ہے ہنیئًا لارباب النعیم نعیمہم + وللعاشقِ المسکینِ ما یتجرعُ ۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ہمارے سامنے نعمان بن ثابت کے ذکر کی تکرار کرو ! کیونکہ وہ مشک کی طرح مہکے گا جب تک تکرار کروگے ۔ ارباب نعمت کو ان کی نعمتیں مبارک ہوں اور عاشق مسکین کو جدائی کی گھونٹ ۔ اس میں موضع استشہاد نعمان ہے جو علمیت والف نون زائدتان کی وجہ سے غیر منصرف ہونے کے باوجود کسرہ و تنوین داخل کیے گئے ہیں اس لئے کہ اگر اس کو بغیر تنوین کے صرف فتحہ دیا جائے تو وزن اگرچہ درست رہے گا مگر اس میں زحاف کف واقع ہوکر سلاست سے نکل جائے گا جیساکہ ذوق سلیم بخوبی اندازہ کرسکتا ہے لیکن وزن اس لئے درست رہے گا کہ یہ شعر بحر طویل مزحف مقبوض میں ہے جس کے اوزان فعولن ، مفاعیلن ہیں مگر مفاعیلن عروض وضرب میں زحاف قبض واقع ہونے کی وجہ سے مفاعلن سے تبدیل ہوگیا ہے ۔ اس کی تقطیع اس طرح ہے ۔ اَعِدْ ذِکْ فعولن ۔ رنعمانِ + مفاعیلن ۔ لنا اَن فعولن ۔ ن ذکرہٗ + مفاعلن ۔ ہوالمس + فعولن ۔ ک ماکرّر + مفاعیلن ۔ تہٗ ی + فعولن ۔ تضوعُ ۔ مفاعلن اس میں ن ذکرہٗ عروض اور تضوع ، ضرب ہے جن میں قبض واقع ہے اور یہاں لفظ نعمان پر اگر تنوین نہ دیا جائے تو زحاف کف واقع ہوکر وزن مفاعیلن کے بجائے مفاعیل رہ جائیگا جو اس بحر میں اگرچہ جائز ہے لیکن حسن نہیں اس لئے وزن اگرچہ منکسر نہیں ہوتا لیکن سلاست جاتی رہتی ہے

خیال رہے کہ قبض پانچویں ساکن کے حذف کرنے کو کہتے ہیں جیسے فعولن سے فعول اور مفاعیلن سے مفاعلن اور کف ساتویں ساکن کے حذف کرنے کو کہتے ہیں جیسے مفاعیلن سے مفاعیل اور فاعلاتن سے فاعلات وغیرہ ۔

فاِنْ قُلتَ الاحترازُ عن الزحافِ لیس بضروریٍّ فکیفَ یشملُہٗ قولُہٗ للضرورۃِ قلنا الاحترازُ عن بعضِ الزّحافاتِ اِذا اَمکنَ الاحترازُ عنہ ضروریٌّ عند الشعراءِ واَمّا الضرورۃُ الواقعۃُ لرعایۃِ القافیۃِ فکما فی قولہٖ شعر سلامٌ علیٰ خیرِ الانامِ وسیدہٖ ۔ حبیبِ الٰہِ العالمین محمدٍ ۔ بشیرٍ نذیرٍ ھاشمیٍّ مکرمٍ + عطوفٍ رؤفٍ مَن یُسمّیٰ باَحمدٍ ۔ فانّہٗ لو قالَ باحمدَ بالفتحِ لاستقامَ بالوزنِ ولکنّہٗ یخلُّ بالقافیۃِ فانّ حرفَ الرویِّ فی سائرِ الابیاتِ الدالیۃِ المکسورۃِ

Marfat.com

ترجمہ: ــــ پس اگر آپ سوال کریں کہ زحاف سے احتراز کرنا کوئی ضروری نہیں پس اس کو مصنف کا قول للضرورۃ کیسے شامل ہوگا؟ تو ہم جواب دیں گے کہ بعض زحافات سے جب احتراز ممکن ہو تو شعراء کے نزدیک اس سے احتراز ضروری ہوتا ہے اور لیکن وہ ضرورت جو رعایت قافیہ کی وجہ سے ہوتی ہے تو وہ جیسا کہ شاعر کے قول میں ہے شعر۔ سلامٌ علیٰ خیر الانام وسیدٍ + حبیب الہٰ العالمین محمد۔ بشیرٍ نذیرٍ ہاشمی مکرم + عطوفٍ رؤفٍ من یُسمّیٰ باحمد۔ کیونکہ باحمد کو اگر شاعر فتحہ کے ساتھ کہتا تو وزن میں کوئی خلل نہیں پڑتا لیکن قافیہ میں خلل پڑ جاتا ہے اس لئے کہ تمام بیتوں میں حرف ردی دال مکسورہ ہے۔

تشریح: ــــ قولہٗ فان قلتَ۔ اس عبارت سے سوال پھر آگے اس کا جواب دیا گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ زحاف کی وجہ سے شعر چونکہ وزن سے نہیں گرتا ہے اس لئے اس سے احتراز کوئی لازم نہ ہوا پس اس کو مصنف کا قول للضرورۃ شامل نہ ہوگا۔ جواب یہ کہ زحاف دو طرح کا ہوتا ہے ایک وہ جس سے احتراز ممکن ہو اور دوسرا وہ جس سے احتراز ممکن نہ ہو اور یہاں زحاف سے پہلی قسم مراد ہے جس سے شعراء کے نزدیک احتراز لازمی ہے۔

قولہٗ واما الضرورۃ۔ یعنی رعایت قافیہ کی وجہ سے جو ضرورت پیش آتی ہے اس کی مثال حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا یہ شعر ہے۔ سلامٌ علیٰ خیر الانام وسیدٍ + حبیب الہٰ العالمین محمد۔ بشیرٍ، نذیرٍ ہاشمی مکرم عطوفٍ رؤفٍ من یُسمّیٰ باحمد۔ اس میں موضع استشہاد باحمد ہے کہ دال کو کسرہ کے بجائے اگر فتحہ دیا جائے تو وزن میں کوئی خرابی لازم نہ آئیگی، لیکن قافیہ میں ضرور آئے گی کیونکہ حرف ردی یعنی آخری حرف تمام بیتوں میں دال مکسورہ ہے لیکن وزن میں خرابی اس لئے لازم نہ آئے گی کہ یہ بحر طویل مزحف مقبوض ہے جس کے اوزان فعولن، مفاعیلن ہیں مگر مفاعیلن عروض وضرب میں قبض واقع ہونے کی وجہ سے تبدیل ہوگیا ہے۔ تقطیع اس کی اس طرح ہے کہ سلامٌ۔ فعولن۔ علیٰ خیرِ۔ مفاعیلن۔ انام + فعولن۔ وسیّد مفاعلن۔ حبیب۔ فعولن۔ الہٰ العا مفاعیلن۔ لیس + فعولن۔ محمد + مفاعلن۔ بشیر + فعولن۔ نذیرہا مفاعیلن۔ شمی + فعولن۔ مکرم + مفاعلن۔ عطوف + فعولن۔ رؤف مَنْ + مفاعیلن۔ یسمّیٰ + فعولن۔ باحمد مفاعلن۔ اس میں وسیّد اور مکرم عروض اور محمد اور باحمد ضرب ہیں جن کے اندر قبض واقع ہوتا ہے اور اس کے اندر باحمد کو کسرہ کے بجائے اگر فتحہ دیا جائے تو وزن میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا کیونکہ دونوں صورتوں میں مفاعلن کا وزن برقرار ہے البتہ قافیہ میں فرق پیدا ہو جاتا ہے اس لئے کہ قافیہ کا مدار حرف ردی پر ہے اور حرف ردی تمام بیتوں میں دال مکسور ہے پس اگر اس کو فتحہ دیا جائے تو قافیہ ہی بدل جائے گا

Marfat.com

خیال رہے کہ بیت کے آخر میں دو ساکن سے پہلے جو متحرک ہو اس سے اخیر بیت تک قافیہ ہے اور ردی وہ حرف ہے جو تمام بیتوں کے آخر میں مکرر ہو۔ پس مذکورہ بالا شعر میں دال حرف ردی ہے اور سید کی سین اور محمد کی حاء سے اخیر تک اور باسمہ کے ہمزہ سے انیز تک قافیہ ہے پس معلوم ہوا کہ قافیہ کبھی بعض کلمہ ہوتا ہے جیسے محمد میں حمد اور کبھی پورا کلمہ ہوتا ہے جیسے سید

اَوْ لِلتَّنَاسُبِ اَیْ وَیَجُوْزُ صَرْفُ غَیْرِ الْمُنْصَرِفِ لِیَحْصُلَ التَّنَاسُبُ بَیْنَهٗ وَبَیْنَ الْمُنْصَرِفِ لِاَنَّ رِعَایَةَ التَّنَاسُبِ بَیْنَ الْکَلِمَاتِ اَمْرٌ مُهِمٌّ عِنْدَهُمْ وَاِنْ لَمْ یَصِلْ اِلٰی حَدِّ الضَّرُوْرَةِ مِثْلُ سَلَاسِلَا وَاَغْلَالَا حَیْثُ صُرِفَ سَلَاسِلَا لِتَنَاسُبِ الْمُنْصَرِفِ الَّذِیْ یَلِیْهِ اَعْنِیْ اَغْلَالَا فَقَوْلُهٗ سَلَاسِلَا وَاَغْلَالَا مِثَالٌ لِمَجْمُوْعِ غَیْرِ الْمُنْصَرِفِ الَّذِیْ صُرِفَ وَالْمُنْصَرِفِ الَّذِیْ صُرِفَ غَیْرُ الْمُنْصَرِفِ لِتَنَاسُبِهٖ

ترجمہ:— (یا بوجہ تناسب) یعنی غیر منصرف کو منصرف کے حکم میں کرنا جائز ہے تاکہ غیر منصرف و منصرف کے درمیان تناسب حاصل ہو جائے کیونکہ کلمات کے درمیان رعایت تناسب نحویوں کے نزدیک اہم ہے اگرچہ حد ضرورت کو نہیں پہونچتا (جیسے سلاسلا و اغلالا) اس لئے کہ سلاسلا کو اس منصرف کی وجہ سے منصرف کیا گیا جو اس سے متصل یعنی اغلالا ہے پس مصنف کے قول سلاسلا و اغلالا مثال ہے اس غیر منصرف کا جس کو منصرف کیا گیا اور اس منصرف کا جس کی مناسبت سے غیر منصرف کو منصرف کیا گیا، کے مجموعہ کی۔

تشریح — قولہ اَیْ یَجُوْزُ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ للتناسب مفعول لہٗ ہے یجوز کا اور مفعول لہٗ شئی کی علت ہوتا ہے اور علت کا وجود معلول کے وجود سے پہلے ہوتا ہے اور یہاں تناسب کا وجود انصراف کے وجود کے بعد واقع ہے کہ غیر منصرف کو منصرف کے حکم میں کرنے کے بعد تناسب پیدا ہوتا ہے جواب یہ کہ مفعول لہٗ دو طرح کا ہوتا ہے ایک وہ جو کسی شئی کو حاصل کرانے کے لئے فعل کا صدور ہو جیسے ضربتہ تادیبا میں ادب کو حاصل کرانے کے لئے ضرب کا صدور ہے دوسرا وہ جو کسی شئی کے وجود کے باعث فعل کا صدور ہو جیسے قعدت عن الحرب جبنا میں بزدلی کے وجود کے باعث قعود کا صدور ہے۔ بتقدیر اول علت اگرچہ تصور میں معلول سے پہلے ہے لیکن وجود میں اس کے بعد ہے اور بتقدیر دوم علت تصور و وجود دونوں میں معلول سے پہلے ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ پہلی صورت یہاں موجود ہے کہ تناسب اگرچہ وجود میں انصراف کے بعد واقع ہے لیکن تصور میں اس سے پہلے ہے

Marfat.com

قولہ لان رعایۃ ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ غیر منصرف کو منصرف کے حکم میں کرنا کسی خاص وجہ سے ہوتا ہے اور رعایت تناسب کوئی خاص وجہ نہیں ہے کہ جس بناء پر غیر منصرف کو منصرف کے حکم میں کیا جائے جواب یہ کہ نحویوں کے نزدیک تناسب بھی خاص وجہ ہے اگرچہ وہ حد ضرورت کو نہیں پہونچتا۔

بیانہ مثل سلاسلاً واغلالاً ۔ آیت کریمہ انا اعتدنا للکافرین سلاسلاً واغلالاً میں سلاسلاً غیر منصرف ہے جو اغلالاً کے انصراف کی وجہ سے اس کو تنوین دیکر غیر منصرف کے حکم میں کر دیا گیا اور سلاسلاً واغلالاً مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے اگرچہ محلاً مجرور ہے لیکن اس کو نصب حکایۃً دیا گیا ہے ۔ سلاسل جمع ہے سلسلۃ کی جو بمعنی زنجیر ہے اور اغلال جمع ہے غل کی جو بمعنی طوق ہے

قولہ فقولہ سلاسلاً ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ سلاسلاً کے بعد اغلالاً کا ذکر فضول ہے کیونکہ یہاں مقصود صرف اس غیر منصرف کی مثال کو بیان کرنا ہے جو تناسب کی وجہ سے منصرف کے حکم میں کر دیا گیا ہے ۔ جواب یہ کہ تناسب اشتراک کو مقتضی ہے اور اشتراک دو امر کو لازم ہے اس لئے ضروری ہوا کہ ایک امر سلاسلاً غیر منصرف کو بیان کیا جائے جو منصرف کے حکم میں کیا گیا ہے اور دوسرا اغلالاً منصرف کو بیان کیا جائے کہ جس کی مناسبت سے غیر منصرف کو منصرف کے حکم میں کیا گیا ہے ۔

وَمَا یَقُوْمُ مَقَامَهُمَا اَیِ الْعِلَّةُ الْوَاحِدَةُ الَّتِیْ تَقُوْمُ مَقَامَ الْعِلَّتَیْنِ مِنَ الْعِلَلِ التِّسْعِ عِلَّتَانِ مُکَرَّرَتَانِ قَامَتْ کُلُّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا مَقَامَ الْعِلَّتَیْنِ لِتَکْرَارِهِمَا

ترجمہ :۔ اور جو دو علت کے قائم مقام ہے، یعنی وہ ایک علت جو علل تسعہ میں سے دو علت کے قائم مقام ہو دو مکررہ علتیں ہیں کہ جن میں سے ہر ایک کی علت اپنی تکرار کی وجہ سے دو علتوں کے قائم مقام ہے ۔

تشریح :۔ قولہ اَیِ الْعِلَّةُ الْوَاحِدَةُ ۔ اس عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ متن میں لفظ ما اسم موصول بمعنی التی ہے اور لفظ ما چونکہ مذکر ہے اس لئے اس کے صلہ کو بھی یقوم فعل مذکر لایا گیا ہے اور ہما سے مراد چونکہ علت واحدہ ہے اور یہ مؤنث ہے اس لئے شرح میں اس کے صلہ کو بھی تقوم فعل مؤنث لایا گیا ہے اور ہما کی ضمیر مجرور کا مرجع علتان ہے ۔

قولہ علتان مکررتان ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ متن میں مایقوم مبتدا ہے جس کی خبر الجمع

Marfat.com

والفا التانیث ہے اور جب چند امور بذریعہ عطف مذکور ہوں تو کبھی سب کا مجموعہ خبر ہوتا ہے جیسے اَلنواعُ الاسمِ رفعٌ ونصبٌ وجرٌ اور کبھی ہر ایک خبر ہوتا ہے جیسے وہی اسمٌ وفعلٌ وحرفٌ پس یہاں بھی خبر بذریعہ عطف واقع ہے ان میں سے کون سی صورت مراد ہے ؟ جواب یہ کہ یہاں دوسری صورت مراد ہے یعنی جو علّت دو علّتوں کے قائم مقام ہوتی ہے وہ دو علتیں ہیں جن میں سے ایک علت جمع ہے اور دوسری علت تانیث کا الف مقصورہ والف ممدودہ ہے

احدھما الجمعُ البالغُ اِلیٰ صیغۃ منتھی الجُموعِ فانّہ قد تکرّر فیہ الجمعیۃُ حقیقۃً کالکالبَ واساوِرَ و اناعیمَ اَوحکماً کالجُموعِ الموافقۃِ لھا فی عَددِ الحُروفِ والحرکاتِ والسکناتِ کمساجدَ ومصابیحَ

ترجمہ : ـــــ ان دونوں میں سے ایک (جمع ہے) جو صیغہ منتہی الجموع کو پہونچتی ہے اس لئے کہ اس میں جمعیت کی تکرار حقیقۃً ہوتی ہے جیسے اکالب واساور وانا عیم یا حکماً ہوتی ہے جیسے وہ جموع جو جموع حقیقۃً کے عدد حروف وحرکات وسکنات میں موافق ہوتی ہے جیسے مساجد ومصابیح ۔

تشریح : ـــــ قولہ البالغ اِلیٰ صیغۃ ۔ یہ اُس سوال کا جواب ہے کہ جمع غیر منصرف کی علت نہیں ہو سکتی ؟ اس لئے کہ مسلمون ورجال وغیرہ بھی جمع ہیں لیکن وہ غیر منصرف نہیں جواب یہ کہ جمع سے یہاں مراد جمع منتہی الجموع ہے اور وہ جیسا کہ عنقریب آئے گا یہ ہے کہ اس کا پہلا حرف مفتوح اور تیسرا حرف الف ہو اور الف کے بعد دو حرف یا تین حرف ہوں جس کے درمیان والا حرف ساکن ہو اور ظاہر ہے مسلمون ورجال اس طرح نہیں ۔

قولہ فانّہ قد تکرر ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ جمع منتہی الجموع ایک علّت ہے وہ دو علّت کے قائم مقام کیسے ہو سکتی ہے ؟ جواب یہ کہ جمع کی تکرار کبھی حقیقۃً ہوتی ہے جیسے اساور جمع ہے اسورۃ کی اور یہ جمع ہے سوار بکسر سین بمعنی کنگن کی اور جیسے اکالب جمع ہے اکلب کی اور یہ جمع ہے کلب بمعنی کتا کی اور اناعیم جمع ہے انعام کی اور یہ جمع ہے نعم بمعنی چوپایہ کی اور کبھی جمع کی تکرار حکماً ہوتی ہے جیسے مساجد ومصابیح کہ دونوں کی جمع میں اگرچہ تکرار نہیں لیکن وزن یعنی عدد حروف وحرکات وسکنات میں اساور وانا عیم کے موافق ہیں

وثانیھما اَلتانیثُ لکنْ لا مطلقاً بل بعضُ اقسامہٖ وھو الفا التانیثِ المقصورۃِ والممدودۃِ اَیْ کلٌّ

واحدۃ منہما کجبلیٰ وحمراءَ لانہما لازمتانِ لکلمۃٍ وضعًا لا تفارقانہا اَصلًا فلا یقالُ فی جُبلیٰ جبلٌ ولا فی حمراءَ حمرٌ فیجعلُ لزومُہما للکلمۃِ بمنزلۃِ تانیثٍ آخرَ فصارَ التانیثُ مکررًا بخلافِ التاءِ فانہا لیستْ لازمۃً للکلمۃِ بحسب اَصلِ الوضعِ فانہا وُضعتْ فارقۃً بین المذکرِ والمؤنثِ فلو عرضَ اللزومُ بعارضٍ کالعلمیۃِ مثلًا لم یقوِ قوۃَ اللزومِ الوضعیِ

ترجمہ: ـــــ اور ان دونوں میں سے دوسری علت تانیث ہے لیکن مطلقاً نہیں بلکہ اس کے بعض اقسام (اور) وہ (تانیث کے دو الف) مقصورہ وممدودہ یعنی ان دونوں میں سے ہر ایک جیسے جبلیٰ وحمراء کیونکہ وہ کلمہ کو وضعی طور پر لازم ہیں کہ اس سے قطعًا جدا نہیں ہوتے ۔ اس لئے جبلیٰ میں جبل نہیں کہا جاتا اور نہ حمراء میں حمر کہا جاتا ہے پس ان دونوں کے لزوم کلمہ کو تانیث آخر کے منزلہ میں کر دیا گیا تو تانیث مکرر ہو گئی برخلاف تاء اس لئے کہ وہ اصل وضع کے اعتبار سے کلمہ کو لازم نہیں ہوتی کیونکہ وہ مذکر ومؤنث کے درمیان فرق پیدا کرنے کے لئے وضع کی گئی ہے پس اگر کسی عارض جیسے علمیت مثلًا کی وجہ سے لزوم عارض ہو تو وہ لزوم وضعی کی قوت میں نہیں ہو سکتا ۔

تشریح: ـــ قولہ لکن لا مطلقًا ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تانیث غیر منصرف کی علت نہیں ہو سکتی ؟ اس لئے کہ قائمۃ "وجالسۃ" میں بھی تانیث ہے لیکن وہ غیر منصرف نہیں ۔ جواب یہ کہ غیر منصرف کی علت مطلق تانیث نہیں بلکہ وہ ہے جو الف مقصورہ والف ممدودہ کیساتھ ہو اور قائمۃ "وجالسۃ" میں تانیث تاء کیساتھ ہے اس لئے وہ غیر منصرف نہیں ۔

قولہ اَیْ کلُّ واحدۃٍ منہما ۔ اس عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ خبر جب تثنیہ ہو تو کبھی مجموعہ خبر ہوتا ہے جیسے اخوک اثنانِ اور یہاں الفا التانیث بھی خبر تثنیہ ہے لیکن اس سے مراد ہر ایک ہے یعنی جو علت دو علتوں کے قائم مقام ہوتا ہے وہ تانیث کے دو الفوں (الف مقصورہ والف ممدودہ) میں سے ہر ایک ہے

قولہ لانہما لازمتان ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ الف مقصورہ والف ممدودہ میں سے ہر ایک دو علتوں کے قائم مقام کیسے ہے ؟ جواب یہ کہ یہ الف جس اسم میں ہوتا ہے اس میں تانیث مکرر ہوتی ہے وہ اس طرح کہ اس میں ایک تو تانیث ہوتی ہے اور دوسری لزوم تانیث یعنی یہ الف اس اسم میں اصل وضع ہی سے لازم ہوتا ہے بلکہ استعمال میں بھی اس سے جدا نہیں ہوتا کیونکہ جبلیٰ کو الف مقصورہ کے بغیر جبل اور حمراء کو الف ممدودہ کے بغیر حمر نہیں کہا جاتا ۔

Marfat.com

قولہ بخلاف التاء ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ الف مقصورہ والف ممدودہ کی طرح تاء تانیث بھی کلمہ کو لازم ہوتی ہے جب کہ وہ کسی کا علم ہو جیسے طلحۃ تو اس کو بھی دو تانیث کے قائم مقام ہونا چاہیے۔ جواب یہ کہ تانیث کی وضع چونکہ مذکر و مؤنث کے درمیان فرق پیدا کرنے کے لئے کی گئی ہے اس لئے وہ کلمہ کو ہمیشہ لازم نہیں ہوتی البتہ علمیت عارض ہو جانے پر لازم ہو جاتی ہے اور الف مقصورہ والف ممدودہ اسم کو اصل وضع ہی سے لازم ہوتے ہیں پس تاء تانیث کا لزوم عارضی ہے اور الف مقصورہ والف ممدودہ کا لزوم وضعی اور لزوم عارضی اتنا قوی نہیں ہوتا جو دوسری تانیث کے قائم مقام ہو سکے۔

فالعدل مصدر مبنی للمفعول ای کون الاسم معدولا اخروجه ای خروج الاسم ای کونه مخرجا عن صیغة الاصلیة ای عن صورته التی تقتضی الاصل والقاعدة ان یکون ذلک الاسم علیها

ترجمہ: ــــ (پس عدل) مصدر مبنی للمفعول ہے یعنی اسم کا معدول ہونا (اس کا نکلنا ہے) یعنی اسم کا نکلنا ہے یعنی اسم کا نکالا ہوا ہونا ہے (اپنی صورت اصلیہ سے) یعنی اس صورت سے جس کو اصل و قاعدہ مقتضی ہے کہ وہ اسم اسی صورت پر ہے

تشریح: ــــ بیانه فالعدل ۔ عدل کو اجمال میں چونکہ مقدم کیا گیا تھا اس لئے اس کو تفصیل میں بھی لف و نشر مرتب کے طور پر مقدم کیا گیا لیکن اجمال میں اس کو اس لئے مقدم کیا گیا کہ وہ مطلق ہے جس میں کوئی شرط نہیں اور باقی علتوں میں شرط ہے اور مطلق طبعاً مقید پر مقدم ہوتا ہے اس لئے اس کو ذکر میں بھی مقدم کیا گیا سوال صرف عدل کی تعریف بیان کی گئی باقی علتوں کی کیوں نہیں؟ جواب جمہور نے عدل کی جو تعریف بیان کی ہے مصنف نے اس سے عدول فرمایا ہے اس لئے انکی تعریف بیان کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ اور باقی علتوں ایسا نہیں ہے۔

خیال رہے کہ عدل کے اوزان استقراء کے طور پر چھ ہیں جن کو شاعر نے نظم میں اس طرح بیان کیا ہے

اوزان عدل شش بود اے صاحب کمال ۔ فُعَل فَعَلُ فُعَال و فُعَل و مَفْعَل و فَعَالِ ۔ از ہر یکے مثال بگویم ترا اے عزیز ۔ اَمْسِ سَحَرُ ثُلٰثَ و عُمَرُ مَثْلَث و نزالِ ۔

قولہ مصدر مبنی للمفعول ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ عدل بمعنی صرف صفت متکلم ہے اور خروج

Marfat.com

صفت اسم ہے اور اسم و متکلم دو متباین ہیں پس خروجہٗ کا حمل عدل پر درست نہ ہوا اس لئے کہ اس میں ایک متباین کی صفت کا حمل دوسرے متباین کی صفت پر لازم آتا ہے جو ممنوع ہے۔ جواب یہ کہ عدل مصدر ہے جو معنیٰ حدثی کو کہتے ہیں اور معنیٰ حدثی جب تک فاعل یا مفعول کی طرف منسوب نہ ہو وہ متصور نہیں ہوتا کیونکہ وہ امر انتزاعی ہے جو اس حیثیت سے کہ فاعل سے حادث ہوتا ہے فاعل کیساتھ قائم ہے اور مفعول کے ساتھ اس حیثیت سے قائم ہے کہ وہ فاعل سے صادر ہوکر مفعول پر واقع ہوتا ہے پس وہ بتقدیر اول مبنی للفاعل ہے اور بتقدیر دوم مبنی للمفعول اور عدل یہاں مبنی للمفعول ہے جو بمعنی کون الاسم معدولًا ہے اور ظاہر ہے یہ اسم کی صفت ہے متکلم کی نہیں۔

قولہ ای کون الاسم۔ اس عبارت سے ان دو سوالوں کا جواب دیا گیا ہے جن میں سے ایک یہ کہ عدل بمعنی معدول ذات مع الوصف ہے اور خروج وصف محض ہے پس وصف محض کا حمل ذات مع الوصف پر لازم آیا جو ممنوع ہے دوسرا سوال یہ ہے کہ اسباب منع صرف از قبیل اوصاف ہیں اور یہ از قبیل ذوات ہے جواب یہ کہ عدل بمعنی معدول سے مراد کون الاسم معدولًا ہے اور ظاہر ہے یہ اوصاف سے ہے

قولہ ای خروج الاسم یہ جواب ہے اس سوال کا کہ خروجہٗ کی ضمیر مجرور کا مرجع اسم ہے یا عدل اگر اسم ہے تو اضمار قبل الذکر لازم آئے گا جو ممنوع ہے اور اگر عدل ہے تو اخذ محدود فی الحد لازم آئے گا جو یہ بھی ممنوع ہے۔ جواب یہ کہ مرجع اس کا اسم ہے اس قرینہ سے کہ یہ مقام بحث اسم کا ہے جیسا کہ آیت کریمہ ولابویہ لکل واحدٍ منہما السدس میں ضمیر مجرور کا مرجع بقرینۂ مقام مورث ہے

قولہ ای کونہ مخرجًا۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ عدل مصدر متعدی ہے اور خروج مصدر لازم ہے پس متعدی کی تفسیر لازم سے ہوئی جو ممنوع ہے جواب یہ کہ خروج کا معنی ہے کون الاسم مخرجًا جیسا کہ عدل کا معنی ہے کون الاسم معدولًا پس تفسیر بھی متعدی ہے جس طرح مفسر متعدی ہے

قولہ ای عن صورتہ۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ اسم مادہ وصورت دونوں کے مجموعہ کو کہتے ہیں اور صیغہ بھی مادہ وصورت کے مجموعہ کو کہتے ہیں چنانچہ بولا جاتا ہے ضرب ماضی کا صیغہ ہے پس اس سے کل کا خروج کل سے لازم آیا جو ممنوع ہے۔ جواب یہ کہ صیغہ سے یہاں مراد وہ ہے جو نحویوں کے نزدیک معروف ہے اور نحویوں کے نزدیک صیغہ صرف صورت کو کہتے ہیں۔

قولہ انی تقتضی۔ اصلیت میں یاء چونکہ نسبت کے لئے ہے اور نسبت منتسبین کے مابین مناسبت کو مقتضی ہے اس لئے اس عبارت سے اس مناسبت کو بیان کیا جاتا ہے کہ اسم اپنی اس صورت

Marfat.com

صورت سے معدول ہو جس کو اصل و قاعدہ مقتضی ہے کہ وہ اسم اسی صورت پر ہو پس اصل معطوف اپنے معطوف علیہ قاعدہ سے مل کر تقتضی کا فاعل ہے اور اَن یکونَ ذلکَ الاسمُ علیہا اس کا مفعول اور علیہا کی ضمیر مجرور کا مرجع صورت ہے ۔ اور اصل کا اطلاق چونکہ چار معنوں یعنی قاعدہ ۔ دلیل ۔ راجح سابق پر ہوتا ہے اس لئے اصل کے بعد قاعدہ کو بیان کر کے یہ اشارہ کیا گیا کہ اصل سے یہاں مراد قاعدہ ہے پس قاعدہ کا عطف اصل پر تفسیری ہے

ولا یخفی اَنّ صیغۃَ المصدرِ لیست صیغۃَ المشتقّاتِ فباضافۃِ الصیغۃِ اِلیٰ ضمیرِ الاسمِ خرجت المشتقّاتُ کلہا واَنّ المتبادرَ مِن خروجہٖ عن صیغتہ الاصلیۃِ اَن تکونَ المادۃُ باقیۃً والتغیّرُ انما وقع فی صورۃٍ فقط فلا ینتقضُ بما حذف عنہ بعضُ الحروفِ کالاسماءِ المحذوفۃِ الاعجازِ مثل یدٍ ودمٍ فانّ المادۃَ لیستْ باقیۃً فیہا واَنّ خروجَہٗ عن صیغتہ الاصلیۃِ یستلزمُ دخولہٗ فی صیغۃٍ اُخریٰ اَی مغایرۃٍ للاولیٰ ۔

ترجمہ : ـــــ اور مخفی نہیں ہے کہ مصدر کا صیغہ مشتقات کا صیغہ نہیں ہے پس اسم کی ضمیر کی طرف صیغہ کی اضافت سے تمام مشتقات نکل گئے اور مخفی نہیں ہے کہ خروجہٗ عن صیغتہ الاصلیۃ سے متبادر یہ ہے کہ مادہ باقی اور تغیر صرف صورت میں واقع ہو پس اس کلمہ سے تعریف منقوض نہ ہوگی کہ جس سے بعض حروف محذوف ہیں جیسے ید اور دم کی مثل جو اسماء محذوفۃ الاواخر ہیں کیونکہ ان کے اندر مادہ باقی نہیں اور مخفی نہیں ہے کہ اسم کا اپنے اصلی صیغہ سے نکلنا اس کا دوسرے صیغہ یعنی پہلے صیغہ کے مغایر میں داخل ہونے کو مستلزم ہے ۔

تشریح ـــــ قولہ ولا یخفیٰ ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ تعریف میں اسماء مشتقات بھی داخل ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ بھی اپنے اصلی صیغہ مصدر سے معدول ہیں ۔ جواب یہ کہ مصدر کا صیغہ مشتق کا صیغہ نہیں ہے کیونکہ کسی کا صیغہ وہ ہے جس سے اس کا معنی پیدا ہو جیسے ماضی کا صیغہ وہ ہے جس سے ماضی کا معنی پیدا ہو اور مضارع کا صیغہ وہ ہے جس سے مضارع کا معنی پیدا ہو اور ظاہر ہے مشتق کا معنی مصدر کے صیغہ سے پیدا نہیں ہوتا مثلاً ضربٌ سے ضاربٌ کا معنی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ دونوں کے معنی مختلف ہیں اس لئے دونوں کے صیغے بھی مختلف ہوئے پس صیغہ کی اضافت سے اسم کی ضمیر کی طرف اسماء مشتقہ نکل گئے اسی

Marfat.com

طرح اسمار مصغرہ بھی نکل گئے کہ مصغر و مکبر کے معانی جدا جدا ہیں مثلاً رجل اور رجیل کے معنی مختلف ہیں اس لئے دونوں کے صیغے بھی مختلف ہوئے پس رجیل، رجل سے معدول نہ ہوگا

قولہ ان المتبادر۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تعریف دخول غیر سے مانع نہیں کیونکہ اس میں اسمار محذوفۃ الاعجاز جیسے یدو دم وغیرہ داخل ہوتے ہیں اس لئے کہ یدٌ دراصل یدیٌ تھا اور دمٌ دراصل دموٌ تھا جو اپنے اصلی صیغہ سے نکالے گئے ہیں اسی طرح اسمار محذوفۃ الاوائل بھی جیسے عدۃٌ دراصل وَعْدٌ تھا یونہی اسمار محذوفۃ الاوسط بھی جیسے مقولٌ دراصل مَقْوول تھا یونہی وہ اسمار بھی جن کے اندر ایک حرف دوسرے حرف سے بدل جائے جیسے مقام دراصل مَقْوَم تھا جو اپنے اصلی صیغہ سے نکالا گیا ہے حالانکہ ان کو معدول نہیں کہا جاتا جواب یہ کہ عدل کے لئے یہ ضروری ہے کہ مادہ باقی رہے تغیر حرف صورت میں ہو جیسا کہ مصنف کے قول عن صیغۃ سے مستفاد ہے اور اسمار مذکورہ میں تغیر مادہ وصورت دونوں میں ہے اس لئے وہ معدول نہیں سوال جب تو ثلاث و مثلث کو بھی معدول نہیں کہنا چاہئے کیونکہ ان کا بھی مادہ باقی نہیں ہے اس لئے کہ ثلثۃ میں جو تار ہے وہ ثلاث و مثلث میں مفقود ہے۔ جواب مادہ باقی رہنے کی جو شرط ہے وہ حرف اصلی میں اور تار حرف اصلی نہیں بلکہ زائد ہے۔ خیال رہے کہ اس عبارت کا عطف ان صیغۃ المصدر پر ہے اسی طرح ان خروجہ عن صیغۃ الاصلیۃ کا بھی اور لا یخفی کا تعلق تینوں عبارتوں کے ساتھ ہے۔

قولہ المحذوفۃ الاعجاز۔ اسمار محذوفہ کے ساتھ اعجاز کی قید اتفاقی ہے اس لئے کہ یہ سوال جس طرح محذوفۃ الاعجاز سے پیدا ہوتا ہے اسی طرح محذوفۃ الاوائل و محذوفۃ الاواسط سے بھی جیسا کہ گذرا۔

قولہ ای مغایرۃٍ للاولیٰ۔ یہ اُس سوال کا جواب ہے کہ لفظ آخر اسم تفضیل ہے جس کا معنی ہے اَشَدُّ تاخرًا اور ظاہر ہے وہ یہاں درست نہیں جواب یہ کہ لفظ آخر اگرچہ اسم تفضیل ہے لیکن وہ مغایرت کے معنی میں منقول ہوگیا ہے۔

وَلَا یبعدُ اَنْ یُعتبرَ مغایرتُھا فی کونِھا غیرَ داخلۃٍ تحت اصلٍ وقاعدۃٍ کما کانت الاولیٰ داخلۃً تحتہٗ فخرجت عناء المغیّرات القیاسیۃ واَمّا المغیراتُ الشاذۃُ فلا نسلِم لانّھا مخرجۃٌ عن الصیغِ الاصلیۃِ فانّ الظاھرَ اَنّ مثلَ اقوسٍ واینُبٍ من الجموعِ الشاذۃِ لیست مخرجۃً عمّا ھو القیاسُ فیھا اَعنی اقواسًا واَنیابًا بل انّما جُمِعَ القرسُ والنابُ ابتداءً علیٰ اقوُسٍ واینُبٍ علیٰ خلافِ القیاسِ من غیر اَن یعتبرَ جمعھا اوّلًا علیٰ اقواسٍ واَنیابٍ واخراج اقوسٍ واینبٍ عنھما

Marfat.com

ترجمہ ـــــ اور یہ بعید نہیں ہے کہ دوسرے صیغے کی پہلے صیغہ سے مغایرت کا اس بات میں اعتبار ہو گا کہ وہ کسی اصل و قاعدہ کے تحت نہ ہو جیسا کہ پہلا صیغہ اصل و قاعدہ کے تحت داخل تھا پس اس توجیہ سے مغیرات قیاسیہ تعریف سے خارج ہو گئے اور رہا مغیرات شاذہ کا معاملہ تو ہم یہ تسلیم ہی نہیں کرتے کہ وہ اپنے اصلی صیغہ سے نکالے گئے ہیں اس لئے کہ ظاہر ہے کہ اقوس و اینب جیسے کلمات جموع شاذہ سے ہیں ان جموع سے نکالے ہوئے نہیں ہیں کہ جن میں قیاس ہے بلکہ قوس و ناب کو ابتداء ہی سے خلاف قیاس اقوس و اینب کے وزن پر جمع بنا یا گیا ۔ بغیر اس کے کہ ان کی جمع کا پہلے اقواس و انیاب کے وزن پر اعتبار کیا جائے اور اس کے بعد اقوس و اینب کو اقواس و انیاب سے نکالا جائے ۔

تشریح: ـــــ قولہ ولا یبعد ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ تعریف میں مغیرات قیاسیہ بھی داخل ہو جاتے ہیں کیونکہ ان کی صورت بھی تعلیل کے بعد بدل جاتی ہے اور مادہ باقی رہتا ہے جیسے مبیع کہ اصل میں مبیوع تھا اور رام اصل میں رامیٌ تھا اور داع اصل میں داعیٌ تھا کہ تغیر ان کی صورت میں ہے لیکن مادہ باقی ہے ۔ جواب یہ کہ عدل کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ اپنے اصلی صیغہ سے نکل کر دوسرے ایسے صیغہ میں داخل ہو جائے جو کسی قاعدہ کے تحت نہ ہو اور مذکورہ بالا تینوں صیغے قاعدہ کے تحت ہیں کیونکہ مبیعٌ قاعدہ مرمیٌ کے تحت ہے اور رام و داع قاعدہ قاض کے تحت ہیں ۔

قولہ واما المغیرات الشاذۃ ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تعریف میں مغیرات شاذہ مثلاً اقوس و اینب وغیرہ بھی داخل ہو جاتے ہیں کیونکہ اقوس جو جمع ہے قوس بمعنی کمان کی اصل میں اقواس تھا اسی طرح اینب جو جمع ہے ناب بمعنی دندان کی وہ اصل میں انیاب تھا اس لئے کہ وہ اجوف ہیں جن کی جمع بر وزن افعال آتی ہے جیسے قول کی جمع اقوال اور خیر کی جمع اخیار آتی ہے ۔ جواب یہ کہ یہ اس وقت صحیح ہو گا جب کہ یہ تسلیم کیا جائے کہ قوس و ناب کی جمع اولاً اقواس و انیاب آتی ہیں پھر ان سے اقوس و اینب نکالا گیا ہے حالانکہ قوس و ناب کی جمع ابتداءً اقوس و اینب آتی ہیں اسی وجہ سے ان کو جموع شاذہ کہا جاتا ہے

وقال بعض الشارحین قد جوّز بعضھم تعریف الشئ بما ھو اعمّ منہ اذا کان المقصود تمییزہ عن بعض ما عداہ فیمکن ان یقال المقصود ھھنا تمییز العدل عن سائر العلل لا عن کلّ ما عداہ فیمتنع حصل بتعریفہ ھذا التمییز لا باس بکونہ اعمّ منہ فحینئذٍ لا حاجۃ فی تصحیح ھذا التعریف الی ارتکاب تلک التکلفات

Marfat.com

ترجمہ: ـــــ اور بعض شارحین نے کہا ہے کہ بعض معرفین نے شئی کی تعریف ایسے معرف سے جائز قرار دیا ہے جو شئی سے عام ہو جب کہ تعریف سے مقصود شئی کو بعض ماسوا سے امتیاز کرنا ہو پس یہ کہنا ممکن ہے کہ یہاں پر مقصود عدل کو باقی علتوں سے امتیاز کرنا ہے نہ کہ جمیع ماسوا سے پس جب اس تعریف سے یہ امتیاز حاصل ہو گیا تو تعریف کا معرف سے عام ہونے میں کوئی مضائقہ نہ رہا پس اس وقت اس کے تعریف کے درست کرنے میں ان تکلفات کے ارتکاب کی کوئی حاجت نہیں۔

تشریح:ـــــ قولہ وقال بعض الشارحین۔ اس سے قبل تعریف عدل پر مانع ہونے کے اعتبار سے سوالات کے جوابات جو الگ الگ دئے گئے تھے اس عبارت سے ان کا مجموعی طور پر جواب دیا جاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ کچھ لوگوں نے خاص کی تعریف کو عام سے جائز قرار دیا ہے کیونکہ مقصود یہاں عدل کو باقی علتوں سے امتیاز کرنا ہے جو تعریف عام سے بھی حاصل ہے۔ یہ جواب شارح کی طرف سے ہے لیکن مذکورہ بالا جوابات مصنف کی طرف سے ہیں جو انہوں نے کافیہ کی شرح امالی میں تحریر فرمایا ہے

قولہ فحینئذٍ۔ اس عبارت سے مصنف کے بیان کردہ جوابات پر یہ سوال وارد کیا ہے کہ تعریف عدل سے مقصود باقی علتوں سے امتیاز کرنا ہے جو تعریف عام سے بھی حاصل ہے پس تعریف مذکور کو درست کرنے کے لئے قیود کا اضافہ تکلفات بعیدہ کا مرتکب ہونا ہے۔ مصنف کی جانب سے یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ عام سے تعریف متقدمین کے نزدیک جائز ہے لیکن متاخرین اس کو ممنوع قرار دیتے ہیں اور مصنف کے نزدیک چونکہ متاخرین کا مسلک مختار تھا اس لئے انہوں نے قیود کا اضافہ کر کے جوابات دئے اور ان جوابات کو تکلفات سے اس لئے تعبیر فرمایا کہ قیود مذکورہ کا لحاظ تعریف میں لازم آتا ہے جن پر عبارت تعریف صراحۃً دلالت نہیں کرتی۔ ہکذا قال الفاضل السمرقندی

وَاعْلَمْ اَنَّا نَعْلَمُ قَطْعًا اَنَّهُمْ لَمَّا وَجَدُوْا ثُلٰثَ وَمَثْلَثَ وَاُخَرَ وَجُمَعَ وَعُمَرَ غَيْرَ مُنْصَرِفٍ وَلَمْ يَجِدُوْا لَهَا سَبَبًا ظَاهِرًا غَيْرَ الْوَصْفِيَّةِ اَوِ الْعَلَمِيَّةِ اِحْتَاجُوْا اِلٰى اعْتِبَارِ سَبَبٍ آخَرَ وَلَمْ يَصْلُحْ لِلْاِعْتِبَارِ اِلَّا الْعَدْلُ فَاعْتَبَرُوْهُ فِيْهَا لِاَنَّهُمْ تَنَبَّهُوْا لِلْعَادِلِ فِيْمَا عَدَا عُمَرَ مِنْ هٰذِهِ الْاَمْثِلَةِ فَجَعَلُوْهُ غَيْرَ مُنْصَرِفٍ لِلْعَدْلِ وَسَبَبٍ آخَرَ

Marfat.com

ترجمہ: ـــــ اور معلوم کیجیے کہ ہم یقینی طور پر یہ بات جانتے ہیں کہ نحویوں نے جب ثلٰث ومثلث و اُخرو جمع وعمر کو غیر منصرف پایا اور انہوں نے ان کے اندر وصفیت یا علمیت کے علاوہ کوئی دوسرا ظاہری سبب بھی نہ پایا۔ تو وہ لوگ ایک دوسرے سبب کے اعتبار کی طرف محتاج ہوئے اور اس اعتبار کے لئے عدل کے علاوہ کوئی دوسرا سبب صلاحیت نہیں رکھتا تھا تو انہوں نے ان کے اندر عدل کا اعتبار کر لیا یہ نہیں کہ وہ لوگ ان مثالوں سے عمر کے ماسوا میں عدل پر متنبہ ہوئے پس ان کو عدل اور دوسرے سبب کی وجہ سے غیر منصرف قرار دیا۔

تشریح :ـــ قولہ واعلم ۔ اس عبارت سے علامہ رضی اور شارح ہندی کے اُس قول کا رد ہے کہ عدل کا اعتبار غیر منصرف پڑھنے پر مقدم ہے یعنی اسم میں پہلے عدل کا اعتبار کیا جاتا ہے پھر اس پر غیر منصرف ہونے کا حکم لگایا جاتا ہے حاصل رد یہ ہے کہ اسم پہلے غیر منصرف پڑھا جاتا ہے پھر اس میں عدل کا اعتبار کیا جاتا ہے کیونکہ اہل عرب نے جب ثلٰث ومثلث واُخرو جمع کے اندر غیر منصرف جیسا اعراب پایا اور عمر میں علمیت اور اس کے علاوہ چاروں میں وصفیت کے علاوہ دوسرا سبب ظاہری نہیں کہ جس کی وجہ سے ان کو غیر منصرف کہا جاسکے کیونکہ عمر میں صرف علمیت ہے باقی علتیں نہیں۔ لیکن وصف اس لئے نہیں کہ وہ عموم کو مقتضی ہے اور علمیت خصوص کو اور ظاہر ہے عموم خصوص کا مباین ہے اسی وجہ سے علمیت کیساتھ وصفیت پائی نہیں جاتی اور تانیث اس لئے کہ نہیں کہ عمر مرد مذکر کا نام ہے اور عجمہ اس لئے نہیں کہ وہ عربی ہے اور ترکیب اس لئے نہیں کہ وہ مفرد ہے اور الف ونون زائدتان اس لئے نہیں کہ اس کے آخر میں الف ہے اور نہ نون اور وزن فعل اس لئے نہیں کہ وہ وزن اسم ہے اسی طرح ثلٰث ومثلث واُخرو جمع میں بھی وصف کے علاوہ باقی علتیں نہیں اور وصف اسی طرح علمیت بھی ایسی علت بھی نہیں ہے جو ایک علت دو علتوں کے قائم مقام ہوسکے کیونکہ وہ تو صرف جمع ہے اور الف مقصورہ والف ممدودہ اسی وجہ سے ان کے اندر عدل فرض کیا جاتا ہے پس عدل کا اعتبار غیر منصرف پڑھنے کے بعد متحقق ہوا۔

قولہ لا انھم ۔ یعنی جمہور نے مذکورہ مثالوں میں غیر منصرف پڑھنے کے بعد عدل کا اعتبار کیا ہے یہ نہیں کہ وہ لوگ اس میں عدل پر پہلے ہی سے متنبہ ہوگئے تھے پھر غیر منصرف پڑھے بلکہ انہوں نے عدل کا اعتبار اس وقت کیا جب کہ مثالوں پر غیر منصرف جیسا اعراب دیکھا۔

ولکن لابدّ فی اعتبار العدلِ من امرین احدُھما وجودُ اصلٍ للاسمِ المعدولِ وثانیھما اعتبارُ

Marfat.com

اِخراجہٖ عن ذلک الاصلِ اِذ لا یتحقق الفرعیۃُ بدون اعتبارِ ذلک الاخراجِ ففی بعض تلک الاَمثلۃِ یُوجدُ دلیلٌ غیرُ منعِ الصرفِ علیٰ وجودِ الاصلِ المعدولِ عنہ فوجودہٗ محققٌ بلاشکٍ و فی بعضھا لا دلیلَ غیر منعِ الصرفِ فیفرضُ لہٗ اصلٌ لیتحقق العدلُ باخراجہٖ عن ذلک الاصلِ فانقسامُ العدلِ اِلی التحقیق والتقدیر انّما ھو باعتبارِ کون ذلک الاصلِ محققًا او مقدرًا واَمّا الاعتبارُ اخراجُ المعدولِ عن ذلک الاصلِ لیتحقق العدلُ فلا دلیلَ علیہ الّا منعُ الصرفِ فعلیٰ ھذا قولہٗ تحقیقًا معناہُ خروجًا کائنًا عن اصلٍ محققٍ یدُلُّ علیہ دلیلٌ غیرُ منعِ الصرفِ

ترجمہ: — اور لیکن عدل کے اعتبار کرنے میں دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے ایک تو اسم معدول کے لئے اصل یعنی معدول عنہ کا وجود اور دوسرا اس اصل یعنی معدول عنہ سے اخراج کا اعتبار۔ اس لئے کہ اس اخراج کے اعتبار کئے بغیر فرعیت متحقق نہیں ہو سکتی پھر ان مثالوں میں سے بعض میں غیر منصرف پڑھنے کے علاوہ اصل معدول عنہ کے وجود پر دلیل پائی جاتی ہے پس اس کا وجود بلا شبہ محقق ہوا اور ان میں سے بعض میں غیر منصرف پڑھنے کے علاوہ کوئی دلیل نہیں تو اس کے لئے ایک اصل کو فرض کیا جائے گا تاکہ معدول کے اس اصل سے اخراج کی وجہ سے عدل متحقق ہو سکے پس عدل کا تحقیقی و تقدیری کی طرف منقسم ہونا اصل کے محقق یا مقدر ہونے کے اعتبار سے ہے اور رہا معدول کا اس اصل سے اخراج کا اعتبار تاکہ عدل متحقق ہو سکے تو اس پر غیر منصرف پڑھنے کے علاوہ کوئی دلیل نہیں تو اس بناء پر مصنف کا قول ہے (تحقیقی طور پر) اس کا معنی ہے اسم کا اصل محقق سے خارج ہونا کہ جس پر غیر منصرف پڑھنے کے علاوہ کوئی دلیل دلالت کرتی ہو۔

تشریح: — قولہٗ ولکن لابدّ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ گذشتہ بیان سے یہ معلوم ہوا کہ مذکورہ مثالوں میں غیر منصرف جیسا اعراب ہونے کی وجہ سے عدل اعتباری فرض کیا جاتا ہے تو عدل کی صرف ایک قسم یعنی فرضی و تقدیری ہوئی جب کہ اس کی دوسری قسم تحقیقی بھی ہے۔ جواب یہ کہ عدل کی جو دو قسمیں تحقیقی و تقدیری ہیں وہ معدول عنہ کے اعتبار سے اخراج کے اعتبار سے نہیں یعنی معدول عنہ اگر محقق ہو تو عدل تحقیقی ہے اور اگر مقدر ہو تو عدل تقدیری ہے پس عدل کی تقسیم کے لئے صرف معدول عنہ کا اعتبار ضروری ہوا لیکن رہا عدل تو اس کے اعتبار کے لئے دو امر کا ہونا ضروری ہے ایک معدول عنہ کا اور دوسرا اس سے اعتبار اخراج کا کیونکہ اعتبار اخراج کے بغیر فرعیت متحقق نہیں ہوتی اور بعض مذکورہ مثالوں میں غیر منصرف پڑھنے کے علاوہ اس کے معدول عنہ کے وجود پر دلیل موجود ہے مثلاً ثلث و مثلث میں

Marfat.com

معنی کی تکرار ہے جس سے یہ ظاہر ہے کہ ان کا معدول عنہ ثلاثہ ثلاثہ ہے لیکن عمرو زفر میں غیر منصرف پڑھنے کے علاوہ اس کے معدول عنہ کے وجود پر کوئی دوسری دلیل نہیں اسی وجہ سے اس کیلئے معدول عنہ فرض کیا جاتا ہے پس عدل کی تقسیم تحقیقی و تقدیری کی طرف معدول عنہ کے محقق و مقدر ہونے کے اعتبار سے ہے لیکن معدول عنہ سے اخراج کا اعتبار! تو اس پر غیر منصرف پڑھنے کے علاوہ کوئی دوسری دلیل نہیں ہے

قولہ فعلیٰ ھذا۔ یعنی اس تقدیر پر کہ عدل کی تقسیم معدول عنہ کے اعتبار سے ہوتی ہے مصنف کا قول تحقیقاً و تقدیراً متفرع ہے جس کا حاصل یہ کہ عدل تحقیقی وہ عدل ہے جس کے معدول عنہ کے وجود پر غیر منصرف پڑھنے کے علاوہ کوئی دوسری دلیل ہو اور عدل تقدیری اس کا برعکس ہے کہ جس کے معدول عنہ کے وجود پر غیر منصرف پڑھنے کے علاوہ کوئی دوسری دلیل نہ ہو۔

واضح ہو کہ اس مقام پر جمہور اور محققین کے درمیان اختلاف ہے جمہور کہتے ہیں کہ عدل تحقیقی کا معدول عنہ محقق ہے اور اس سے دوسرے صیغہ کی طرف اخراج بھی مفروض ہے پس جمہور کے نزدیک عدل تحقیقی اور عدل تقدیری میں معدول عنہ اور اخراج دونوں کے اعتبار سے فرق ہوا کہ عدل تحقیقی کا معدول عنہ بھی محقق اور اخراج بھی محقق ہے اور عدل تقدیری کا معدول عنہ بھی مفروض اور اخراج بھی مفروض ہے لیکن محققین کے نزدیک عدل تحقیقی کا معدول عنہ محقق ہے اور اس سے دوسرے صیغہ کی طرف اخراج مفروض ہے اور عدل تقدیری کا معدول عنہ بھی مفروض اور اخراج بھی مفروض ہے لیکن محققین کے نزدیک عدل تحقیقی کا معدول عنہ بھی مفروض اور اخراج بھی مفروض ہے اور عدل تقدیری کا معدول عنہ محقق ہے اور اس سے دوسرے صیغہ کی طرف اخراج مفروض ہے اور عدل تقدیری کا معدول عنہ بھی مفروض اور اخراج بھی مفروض ہے پس محققین کے نزدیک عدل تحقیقی و تقدیری میں صرف معدول عنہ کے اعتبار سے فرق ہوا کہ عدل تحقیقی میں معدول عنہ محقق ہے اور عدل تقدیری میں معدول عنہ مفروض ہے لیکن اخراج تو وہ دونوں قسموں میں مفروض ہے

قولہ خروجاً۔ اس عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ تحقیقاً اور تقدیراً اپنے موصوف محذوف یعنی خروجاً کے اعتبار سے خروجٌ کا مجازاً مفعول مطلق ہے۔ مجازاً اس لئے کہ مفعول مطلق حقیقۃً چونکہ وہ ہوتا ہے جس سے پہلے فعل مذکور ہو جیسے ضربتُ ضرباً میں مصدر سے پہلے ضربتُ فعل مذکور ہے اور تحقیقاً اور تقدیراً سے پہلے فعل مذکور نہیں بلکہ مصدر یعنی خروج مذکور ہے اس لئے اس کی تاویل کی جاتی ہے کہ خروج بمعنی اَن یخرج ہے پس اصل عبارت یہ ہے فالعدلُ اَن یخرجَ خروجاً تحقیقاً او تقدیراً۔ یہ بھی ممکن ہے کہ تحقیقاً او تقدیراً کانَ محذوف کی خبر ہو یعنی تحقیقاً کان الخروجُ او تقدیراً یا فعل محذوف کا مفعول مطلق ہو یعنی حقق العدل تحقیقاً او قدر العدلُ تقدیراً۔

Marfat.com

یا اس سے پہلے مضاف محذوف ہو یعنی خروج تحقیقِ او تقدیرِ مضاف کو تخفیف کی وجہ سے حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کی جگہ پر رکھ دیا گیا اور جو اعراب مضاف کا تھا وہی مضاف الیہ کو دیدیا گیا۔

قولہ کائنًا۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تحقیقًا او تقدیرًا کو خروج کی صفت قرار دیا گیا ہے جب کہ صفت وہ ہوتی ہے جو موصوف کے ساتھ اتصاف کی صلاحیت رکھ سکے اور ظاہر ہے تحقیق و تقدیر خروج کیساتھ اتصاف کی صلاحیت نہیں رکھتی کیونکہ یہ کہا نہیں جاتا خروج تحقیق بلکہ خروج متحقق کہا جاتا ہے۔ جواب یہ کہ تحقیقًا او تقدیرًا خروج کی صفت بنفسہٖ نہیں بلکہ اپنے موصوف یعنی اصل کے اعتبار سے ہے اور اصل متعلق ہے کائنًا کے ساتھ اور کائنًا خروجًا کی صفت ہے اور صفت کا متعلق چونکہ موصوف کا متعلق ہوتا ہے اس لیے تحقیقًا و تقدیرًا خروجًا کی صفت اس کے متعلق کے اعتبار سے ہے لیکن تحقیقًا و تقدیرًا بمعنی اسم مفعول یعنی محقق و مقدر ہوگا کیونکہ اصل تحقیق و تقدیر نہیں کہا جاتا بلکہ اصل محقق و مقدر کہا جاتا ہے

کثلثٍ ومثلثٍ والدلیلُ علیٰ اَصلِھما اَنّ فی معناھما تکرارًا دون لفظھما والاصلُ انہٗ اِذا کانَ المعنیٰ مکررًا یکون اللفظُ ایضًا مکررًا کما فی جاءنی القومُ ثلٰثۃً ثلٰثۃً فعُلِمَ اَنّ اصلَھما لفظٌ مکررٌ وھُو ثلٰثۃٌ ثلٰثۃٌ وکذا الحالُ فی احادٍ وموحدٍ وثناءٍ ومثنیً اِلیٰ رباعٍ ومربعٍ بلاخلافٍ وفیما وراءَ اِلیٰ عشارٍ ومعشرٍ خلافٌ والصوابُ مجیئھا وَالسببُ فی منعِ صرفِ ثلٰثَ ومثلثَ واخواتھما العدلُ والوصفُ لانّ الوصفیۃَ العرضیۃَ التی کانت فی ثلٰثۃٍ ثلٰثۃٍ صارتْ اصلیۃً فی ثلٰثَ ومثلثَ لاعتبارِھا ایاھا وضعًا

ترجمہ ——— (جیسے ثلٰث ومثلث) اور دلیل ان دونوں کے اصل پر ان دونوں کے معنی میں تکرار ہے لفظ میں نہیں اور قاعدہ ہے کہ جب معنی مکرر ہو تو لفظ بھی مکرر ہوتا ہے جیسے جاءنی القوم ثلاثۃً ثلاثۃً میں پس معلوم ہوا کہ ثلاث ومثلث کی اصل لفظ مکرر اور وہ ثلاثۃً ثلاثۃً ہیں اور یہی حال احاد وموحد اور ثناء ومثنیٰ میں رباع ومربع تک باتفاق ہے اور ان کے علاوہ میں عشار ومعشر تک اختلاف ہے اور صحیح ان کا غیر منصرف آنا ہے اور ثلاث ومثلث اور ان دونوں کے نظائر میں ایک سبب عدل ہے اور دوسرا سبب وصف ہے کیونکہ ثلاثۃً ثلاثۃً میں جو وصفیت عرضیہ تھی وہ ثلاث ومثلث میں اصلیہ ہوگئی ہے کیونکہ وہ وصفیت اس معنی میں معتبر ہے جس کیلئے ثلاث ومثلث وضع کیا گیا ہے

تشریح ——— قولہ والدلیل۔ یعنی ثلاث ومثلث عدل تحقیقی کی مثال ہیں اس لیے کہ اہل عرب ان

Marfat.com

دونوں کو غیر منصرف پڑھتے ہیں اور غیر منصرف کے لئے چونکہ دو سبب کا ہونا ضروری ہے اور یہاں صرف ایک سبب یعنی وصف اصلی موجود ہے اس لئے اس میں دوسرا سبب عدل تحقیقی کا اعتبار کیا گیا جس پر غیر منصرف پڑھنے کے علاوہ دوسری دلیل بھی دلالت کرتی ہے اور وہ دلیل ان دونوں کے معنی میں تکرار ہے کیونکہ ثلاث کا معنی ہے تین تین اسی طرح مثلث کا معنی بھی تین تین ہے۔ اہل عرب کہتے ہیں جاءنی القوم ثلاث یعنی میرے پاس قوم آئی تین تین اسی طرح جاءنی القوم مثلث یعنی میرے پاس قوم آئی تین تین اور قاعدہ ہے کہ معنی کی تکرار لفظ کی تکرار پر دلالت کرتی ہے اور لفظ مکرر نہیں تو معلوم ہوا کہ یہ لفظ مکرر سے معدول ہیں ثلاث معدول ہے ثلاثۃ ثلاثۃ سے اسی طرح مثلث معدول ہے ثلاثۃ ثلاثۃ سے۔ خیال رہے کہ ثلاثۃ ثلاثۃ منصوب ہے قوم سے حال ہونیکی بنا پر اور موّول بلفظ واحد ہے یعنی مفصلاً بہذا التفصیل

قولہ وکذا الحال۔ یعنی ثلث و مثلث جس طرح معنی میں تکرار کی وجہ سے ثلاثۃ ثلاثۃ سے معدول ہیں اسی طرح احاد و موحد بھی کہ وہ احاد احد سے معدول ہیں اور ثناء مثنی تثنیۃ تثنیۃ سے معدول ہیں اور رباع و مربع ربعۃ اربعۃ سے معدول ہیں کیونکہ چاروں کے معنی میں تکرار ہے اور معنی کی تکرار لفظ کی تکرار پر دلالت کرتی ہے اور ان تمام میں عدل تحقیقی ہونے میں سب کا اتفاق ہے کیونکہ ان کا غیر منصرف پڑھا جانا اہل عرب سے مسموع ہے اور ارشاد باری تعالیٰ بھی ہے فانکحوا ما طاب لکم مثنی و ثلث و رباع لیکن ان کے علاوہ مثلاً خماس و نحمس و سداس و مسدس و سباع و مسبع و ثمان و مثمن و تساع و متسع و عشار و معشر میں عدل تحقیقی ہونے میں اختلاف ہے کیونکہ ان کے معنی میں اگرچہ تکرار ہے لیکن اہل عرب سے یہ مسموع نہیں کہ وہ لوگ ان کو غیر منصرف پڑھتے ہیں۔ مبرد اور کوفیین عدل تحقیقی کے قائل ہیں اور یہی شارح کا مذہب مختار بھی ہے وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ فعال و مفعل کا وزن جس طرح احاد و موحد و رباع و مربع میں جاری ہے اسی طرح خماس و نحمس و سداس و مسدس میں بھی کیونکہ ما فوق ما تحت پر قیاس کیا جاتا ہے اور دونوں میں علت مشترکہ بھی ہے اور وہ ہر ایک کا اصول اعداد سے ہونا پس جب ما تحت میں عدل تحقیقی مانا جائے تو ما فوق میں مانا جائیگا علامہ رضی کا خیال ہے کہ خماس و نحمس و سداس و مسدس وغیرہ یا نسبتی کے ساتھ اہل عرب سے مسموع ہیں چنانچہ خامسی و سداسی و سباعی وغیرہ کہا جاتا ہے عبارت میں الیٰ رباع و مربع اور الیٰ عشار و معشر کے اندر الیٰ بمعنی مع ہے جیسا کہ ظاہر ہے

قولہ والسبب۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ ثلث و مثلث میں ایک سبب عدل تحقیقی ہے اور دوسرا سبب وصف ہے لیکن اصلی نہیں بلکہ عارضی ہے کیونکہ معدول عنہ میں بھی وصف عارضی ہے حالانکہ وصف کا غیر منصرف کے سبب ہونے کے لئے اصلی ہونا شرط ہے پس ان کو منصرف ہونا چاہئے غیر منصرف نہیں۔ جواب

Marfat.com

یہ کہ معدول عنہ ثلاثۃ ثلاثۃ میں وصف اگرچہ عارضی ہے لیکن معدول میں اصلی ہوگیا ہے کیونکہ عدل وضع ثانی کے قائم مقام ہوتا ہے ۔ سوال معدول عنہ میں جب وصف عارضی ہے اور معدول میں اصلی تو دونوں کے اندر معنی میں اتحاد نہ رہا جبکہ عدل کیلئے معنی میں اتحاد ضروری ہے جواب صرف اصل معنی میں اتحاد ضروری ہے اور وہ یہاں موجود ہے کیونکہ ثلاثۃ ثلاثۃ کا معنی جسطرح تین تین ہے اسی طرح ثلاث و مثلث کا معنی بھی تین تین ہے ۔

قولہ فیما وضعا لہ ۔ لفظ ما سے مراد موضوع لہٗ ہے اور لہٗ کی ضمیر مجرور کا مرجع لفظ ما ہے اور وضعا کی ضمیر تثنیہ کا مرجع ثلاث و مثلث ہیں ۔

وَاُخَرُ جَمْعُ اُخْرٰی مونثُ آخَرَ وآخَرُ اسمُ التفضیلِ لاَنَّ معناہُ فی الاصلِ اَشَدُّ تاخراً ثم نُقِلَ اِلٰی معنی غیر وقیاسُ اسمِ التفضیلِ اَنْ یُستعمَلَ باللاّمِ اَوِ الاضافۃِ اَوْ کلمۃِ مِنْ وحیثُ لم یستعمل بواحدٍ منھا عُلِمَ انّہٗ معدولٌ مِنْ احدِھا فقالَ بعضُھم اَنّہٗ عمّا فیہ اللامُ اَیْ عن الآخِرِ وقالَ بعضُھم ھو معدولٌ عمّا ذُکِرَ معہٗ مِنْ اَیْ عن آخرَ مِنْ

ترجمہ: ـــــ (اور اُخَر) جمع ہے اُخْرٰی کی جو آخر کی مؤنث ہے اور آخر اسم تفضیل ہے اس لئے کہ اصل میں اُس کا معنی ہے اشدّ تاخرًا پھر غیر کے معنی کی طرف منقول ہوگیا ہے اور اسم تفضیل کا قیاس یہ ہے کہ لام کے ساتھ مستعمل ہو یا اضافت یا من کے ساتھ اور یہاں اُن تینوں میں سے کسی ایک کیساتھ مستعمل نہیں تو معلوم ہوا کہ اُخر ان تینوں میں سے کسی ایک سے معدول ہے تو بعض نحویوں نے کہا کہ اُخر اس اسم سے معدول ہے جس میں لام ہو یعنی اَلْاٰخر سے اور بعض نحویوں نے کہا کہ وہ اس اسم سے معدول ہے جس کے ساتھ مِن مذکور ہو یعنی اٰخر مِن سے

تشریح :ـــ قولہ جمع اُخْرٰی ۔ عدل تحقیقی کی یہ تیسری مثال ہے جو کلام عرب میں غیر منصرف پڑھا جاتا ہے اور اس میں بجز وصف کے کوئی دوسرا سبب نہیں اور صرف ایک سبب غیر منصرف ہونے کے لئے کافی نہیں تو مجبورًا عدل تحقیقی کا اعتبار کر لیا گیا ۔ کہ اس کے وجود اصل پر غیر منصرف پڑھنے کے علاوہ بھی دلیل موجود ہے اور وہ یہ کہ اُخر اسم تفضیل ہے جو اُخریٰ کی جمع ہے اور اُخریٰ مؤنث ہے آخر کی اور اسم تفضیل کا استعمال تین طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ پر ہوتا ہے الف لام کے ساتھ یا من کیساتھ یا اضافت کے ساتھ اور اُخر ان تینوں میں سے کسی ایک کے ساتھ مستعمل نہیں تو پتہ چلا کہ اُخر کا معدول عنہ الْاٰخر ہے یا اٰخر مِن

Marfat.com

پہلا بصیغۂ جمع ہے اور دوسرا بصیغۂ واحد کیونکہ اسم تفضیل منْ کے ساتھ ہمیشہ واحد مستعمل ہوتا ہے اور الف لام کیساتھ موصوف کے مطابق کبھی واحد اور کبھی جمع مستعمل ہوتا ہے جیساکہ اسم تفضیل کے بیان میں اِنْشَاءاللہ تعالیٰ آئے گا۔

قولہ لانّ معناہُ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ آخر اگر اسم تفضیل ہوتا تو اشدّ تاخّرًا کے معنی میں مستعمل ہوتا حالانکہ وہ اسم صفت غیر کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے جاءنی زیدٌ ورایتُ زیدًا آخر یعنی زیدًا غیرہٗ جواب یہ کہ آخر پہلے اشد تاخرًا کے معنی میں تھا پھر غیر کے معنی میں مستعمل ہوگیا ہے۔ سوال آخر کا بمعنی اشدُّ تاخرًا ہونا اسم تفضیل ہونے پر دلیل نہیں بلکہ ممکن ہے وہ مبالغہ کا صیغہ ہو نیز یہ کہ وہ ہمیشہ غیر کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے پس اگر وہ اسم تفضیل ہوتا تو اشدُّ تاخرًا کے معنی میں بھی کبھی مستعمل ہونا چاہئے تھا۔ جواب آخر کا صیغہ اسم تفضیل کے وزن پر ہے جو اس طرح گردانا جاتا ہے آخرُ آخرانِ آخرون اور آخر اگرچہ غیر کے معنی میں مستعمل ہے لیکن من کل الوجوہ نہیں اس لئے کہ غیر، جنس و غیر جنس دونوں میں مستعمل ہوتا ہے اور آخر صرف جنس میں مستعمل ہوتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے جاءنی زیدٌ وآخر یعنی رجلٌ آخر نہ کہ حمارٌ آخرُ یا امرأۃ آخرُ۔

قولہ قیاس اسم۔ یعنی قیاس یہ ہے کہ اسم تفضیل ہمیشہ الف لام کیساتھ مستعمل ہوتا ہے یا من کے ساتھ یا اضافت کے ساتھ اور اُخران تین طریقوں میں سے کسی طریقہ پر مستعمل نہیں جس سے معلوم ہوا کہ وہ معدول ہے ان تینوں میں سے کسی ایک سے بعض کا خیال ہوا کہ وہ معدول ہے معرف باللام یعنی الاُخر سے کیونکہ اُخر جس طرح جمع کا صیغہ ہے اسی طرح الاُخر بھی بعض کا خیال ہوا کہ وہ معدول ہے آخر منْ سے کیونکہ آخر جس طرح نکرہ ہے اس طرح آخر من بھی اس لئے وہ نکرہ کی صفت ہوتا ہے جیسے جاءنی زیدٌ ورجال اُخر مذہب اول نے مذہب دوم پر یہ سوال کیا ہے کہ اُخر اگر معدول ہے آخر منْ سے تو جمع کا واحد سے معدول ہونا لازم آئے گا جو ممنوع ہے کیونکہ اسم تفضیل من کے ساتھ ہمیشہ واحد مستعمل ہوتا ہے لیکن الف لام کے ساتھ جمع بھی مستعمل ہوتا ہے۔ جواب یہ کہ آخر من میں جو آخر ہے وہ بمعنی اسم جنس ہے جو واحد و جمع دونوں کو شامل ہے جیسے علمائنا افضلُ من علماءھم میں افضل کا اطلاق جمع پر ہے۔ مذہب دوم نے مذہب اول پر یہ سوال کیا ہے کہ اُخر اگر معدول ہے الاُخر سے تو نکرہ کا معرفہ سے معدول ہونا لازم آئیگا جو ممنوع ہے کیونکہ اُخر نکرہ ہے اور الاُخر معرفہ جواب یہ کہ اُخر معدول ہے الاُخر سے لفظًا بھی اور معنًی بھی یعنی اُخر کا لفظ اپنا اصلی صیغہ چھوڑ کر دوسرے صیغہ پر ہے اور اُخر کا معنی اپنی صفت چھوڑ کر دوسری صفت پر ہے پہلے وہ معرفہ

Marfat.com

تھا اب نکرہ ہوگیا ہے۔

وَاِنَّمَا لَمْ یَذْهَبْ اِلٰی تَقْدِیْرِ الْاِضَافَةِ لِاَنَّهَا تُوْجِبُ التَّنْوِیْنَ اَوِ الْبِنَاءَ اَوْ اِضَافَةً اُخْرٰی مِثْلَهَا نَحْوُ حِیْنَئِذٍ وَقَبْلُ وَیَا تَیْمُ تَیْمَ عَدِیٍّ وَلَیْسَ فِیْ اُخَرَ شَیْءٌ مِنْ ذٰلِكَ فَتَعَیَّنَ اَنْ یَّكُوْنَ مَعْدُوْلًا عَنْ اَحَدِ الْاٰخَرَیْنِ

ترجمہ:۔ اور تقدیر اضافت کی طرف کوئی نہیں گیا اس لئے کہ اضافت، تنوین یا بناء یا دوسری اضافت کو واجب کرتی ہے جیسے حینئذٍ اور قبلُ اور یا تیمُ تیمَ عدیٍّ اور اُخر میں اُن میں سے کچھ نہیں ہے پس متعین ہوگیا کہ اُخر دوسرے دو میں سے کسی ایک سے معدول ہوگا۔

تشریح:۔ قولہ وانما لم یذھب۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مضاف کے احتمال کا قول کسی نے کیوں نہیں کیا؟ کہ اُخر، آخرہٗ سے معدول ہے۔ جواب یہ کہ مضاف الیہ جب محذوف ہوتا ہے تو تین امور میں سے ایک امر واجب ہوتا ہے (۱) مضاف مبنی ہوتا ہے جیسے لِلّٰہِ الامرُ من قبلُ ومن بعدُ ای مِنْ قبل کلِّ شیءٍ ومن بعدِ کل شیءٍ (۲) مضاف پر تنوین آتی ہے جیسے حینئذٍ (۳) اس کے بعد اس کی مثل دوسری اضافت ہوتی ہے جیسے یا تیمُ تیمَ عدیٍّ اور ظاہر ہے اُخر نہ مبنی ہے نہ اس پر تنوین ہے نہ اس کے بعد کوئی دوسری اضافت ہے تو پتہ چلا کہ اُخر کا معدول عنہ مضاف نہیں ہے۔

خیال رہے کہ اکثر نسخوں میں لم یذہب فعل واحد آیا ہے جس کی ضمیر مرفوع کا مرجع مذکورہ بالا دونوں مذہبوں میں سے ہر ایک ہے اور بعض نسخوں میں لم یذہبا فعل تثنیہ آتا ہے جس کی ضمیر مرفوع کا مرجع مذکورہ بالا دونوں مذہب ہیں اور لانہا میں ضمیر منصوب کا مرجع ہے۔ الاضافۃ حال کونہا قاطعۃً عنہا اور بعض نسخوں میں عن احد الآخرین میں الآخرین کے بجائے الامرین آیا ہے

وَجُمِعَ جَمْعُ جَمْعَاءَ مُؤَنَّثُ اَجْمَعَ وَكَذٰلِكَ كُتَعُ وَبُتَعُ وَبُصَعُ وَقِیَاسُ فُعْلَاءَ مُؤَنَّثُ اَفْعَلَ اِنْ كَانَتْ صِفَةً اَنْ تُجْمَعَ عَلٰی فُعْلٍ كَحَمْرَاءَ عَلٰی حُمْرٍ وَاِنْ كَانَتْ اسْمًا اَنْ تُجْمَعَ عَلٰی فَعَالٰی اَوْ فَعْلَاوَاتٍ كَصَحْرَاءَ عَلٰی صَحَارٰی اَوْ صَحْرَاوَاتٍ فَاَصْلُهَا اِمَّا جَمْعٌ اَوْ جَمَاعٰی اَوْ جَمْعَاوَاتٌ فَاِذَا اُعْتُبِرَ اِخْرَاجُهَا عَنْ وَاحِدَةٍ مِنْهَا تَحَقَّقَ الْعَدْلُ فَاَحَدُ السَّبَبَیْنِ فِیْهَا الْعَدْلُ التَّحْقِیْقِیُّ وَالْاٰخَرُ الصِّفَةُ الْاَصْلِیَّةُ وَاِنْ صَارَتْ بِالْغَلَبَةِ فِیْ بَابِ التَّاكِیْدِ

Marfat.com

اسماً وفی جمع واخواتہ احدُ السببینِ وزنُ الفعلِ والآخرُ الصفۃُ الاصلیۃُ ۔

ترجمہ: ـــــ (اور جمع) جمع ہے جملکی جو اجمع کی مؤنث ہے اور اسی طرح کُتع اور بُتع اور بُصع ہیں اور فعلاء کا قیاس جو افعل کی مؤنث ہے۔ اگر فعلاء اسم صفت ہو تو اس کی جمع فعل کے وزن پر آئیگی جیسے حمراء کی جمع حمرٌ کے وزن پر آتی ہے اور اگر فعلاء اسم ذات ہو تو اس کی جمع فعلیٰ یا فعلاوات کے وزن پر آئے گی جیسے صحراء کی جمع صحاریٰ یا صحراوات کے وزن پر آتی ہے پس جمع کی اصل یا تو جمعٌ ہے یا جماعیٰ یا جمعاوات پس جب جُمَعٌ کا ان میں سے کسی ایک سے اخراج کا اعتبار کیا جائے تو عدل متحقق ہو جائے گا پس اس میں دو سببوں میں سے ایک سبب عدل تحقیقی ہوگا اور دوسرا صفت اصلیہ ہوگا اگرچہ جمع باب تاکید میں غلبۂ استعمال کی وجہ سے اسم ہوگئی ہے اور اجمع اور اس کی نظیروں میں دو سببوں میں سے ایک سبب تو وزن فعل ہے اور دوسرا صفت اصلیہ ہے۔

تشریح: قولہ جمع جمعاء۔ جُمَعَ بضم جیم وبفتح میم عدل تحقیقی کی چوتھی مثال ہے جو کلام عرب میں غیر منصرف پڑھا جاتا ہے اور اس میں بجز وصفیت اصلیہ کے کوئی دوسرا سبب نہیں پایا جاتا اور ایک سبب غیر منصرف ہونے کے لئے کافی نہیں ہے اس لئے مجبوراً عدل تحقیقی کا اعتبار کر لیا گیا کہ اس کے اصلی صیغہ کے وجود پر غیر منصرف پڑھنے کے علاوہ دلیل بھی موجود ہے اور وہ یہ کہ جُمَعٌ جمعاء کی جمع ہے جو اجمع کی مؤنث ہے اور فعلاء کا وزن اگر اسم صفت ہو تو اس کی جمع فعلیٰ یا فعلاوات کے وزن پر آتی ہے جیسے حمراء کی جمع حمرٌ ہے اور اگر اسم ذات ہو تو اس کی جمع فعالیٰ یا فعلاوات کے وزن پر آتی ہے جیسے صحراء کی جمع صحاریٰ یا صحراوات ہے پس جماء کی جمع جمعٌ کے وزن پر آئیگی یا جماعیٰ یا جماعات کے وزن پر اور جُمَعٌ جو جمعاء کی جمع ہے ان تینوں وزن میں سے کسی وزن پر نہیں ہے جس سے پتہ چلا کہ جُمَعٌ کا اصلی صیغہ جمعٌ ہے یا جماعیٰ یا جماعات یہی حال کُتع وبُتع وبُصع کا ہے کہ وہ کتعاء وبتعاء وبُصعاء کی جمع ہیں جو مؤنث ہے اکتع وابتع وابصع کی وہ غیر منصرف ہیں اس لئے کہ ان میں ایک سبب عدل تحقیقی ہے اور دوسرا وصف اصلی ہے۔

قولہ افعل ۔ افعل کلام عرب میں تین قسم پر ہے۔ (۱) اسمی (۲) وصفی (۳) تفضیلی افعل اسمی وہ اسم ہے جو افعل کے وزن پر ہو اور ایسی ذات پر دلالت کرے جو صفات سے خالی ہو جیسے اَصْبُعٌ بمعنی انگشت اور اخیلٌ بمعنی طائر اور افعل وصفی وہ اسم ہے جو افعل کے وزن پر ہو اور ایسی ذات پر دلالت کرے جو بعض صفات کیساتھ متصف ہو اور غیر پر زیادتی کا قصد نہ ہو جیسے احمر بمعنی سرخ اور اسمر بمعنی گندم گوں اور افعل تفضیلی وہ

Marfat.com

اسم ہے جو افعل کے وزن پر ہو اور مشتق ہو اور ایسی ذات پر دلالت کرے جو زیادتی کے ساتھ متصف ہو اور وہ زیادتی باعتبار غیر ہو جیسے زیدٌ انصرُ من بکرٍ یعنی زید بسیار یاری دہندہ از بکر

قولہ وان صارت بالغلبۃ ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ جُمَعُ تاکید معنوی ہے اور تاکید معنوی اسم ذات ہوتی ہے جیسے جاء تی القوم اجمعون میں اجمعون تاکید ہے قوم کی جس سے مراد وہ ذات ہیں جو وصف جمعیت کے ساتھ متصف ہو بلکہ جماعت مخصوصہ ہے اور وہ اسم ذات ہے اور اسم ذات وصف اصلی کا مغایر ہوتا ہے پس جُمَع میں وصف اصلی معتبر نہ ہوگا ۔ جواب یہ کہ جُمَعُ اصل میں وصف ہی ہے اگرچہ وہ باب تاکید میں غلبۂ استعمال کی وجہ سے اسم ہوگیا ہے اور غیر منصرف کا سبب جو وصف ہے وہ وصف اصلی ہے پس وصف اصلی اسم حالی کی وجہ سے ساقط نہ ہوگا ۔

قولہ وفی اجمع ۔ اس عبارت سے اس وہم کا ازالہ ہے کہ جُمَعُ میں جب دو سببوں میں سے ایک سبب عدل تحقیقی ہے تو اجمعُ واکتعُ وابصعُ وابتعُ میں بھی دو سببوں میں سے ایک سبب عدل تحقیقی ہوگا ۔ حاصل ازالہ یہ کہ اجمع واکتع وغیرہ میں عدل تحقیقی نہیں بلکہ ایک سبب وزن فعل ہے اور دوسرا وصف اصلی ہے کیونکہ عدل کا اعتبار اس وقت کیا جاتا ہے جب کہ اس کے علاوہ صرف ایک سبب موجود ہو اور یہاں اس کے علاوہ دو سبب موجود ہیں نیز عدل کے اوزان استقراء کے مطابق جیسا کہ مذکور ہوا چھ ہیں ۔ جن پر مذکورہ امثال نہیں اُترتے پس ان کے اندر عدل کا اعتبار نہیں ہوسکتا ۔

وعلیٰ ماذکرنا لا یردُ الجموعُ الشاذۃُ کانیبٍ واقوسٍ فانہٗ لم یعتبرُ اخراجُھما عمّا ھو القیاسُ کالانیابِ والاقواسِ کیف ولو اُعتبرَ جمعُھما اوّلاً علیٰ انیابٍ واقواسٍ فلا شذوذَ فی ھٰذہ الجمعیۃِ ولا قاعدۃَ للاسمِ المخرجِ لیلزم من مخالفتھا الشذوذ فمن این یحکمُ فیھا بالشذوذِ ومن ھٰذا تبیّن الفرقُ بین الشّاذِ والمعدولِ

ترجمہ: ۔۔۔ اور اس پر جو ہم نے خُرُوجٌ عن صیغۃ الاصلیۃ کی تشریح میں بیان کیا کہ انیب واقوس جیسے جموع شاذہ سے اعتراض نہ ہوگا اس لئے کہ انیب واقوس کے اخراج کا اعتبار ان جموع سے نہیں کیا گیا ہے جن میں قیاس ہے جیسے انیاب واقواس کیسے اعتبار کیا جاسکتا ہے حالانکہ اگر ان دونوں کی جمع کا اعتبار اوّلاً انیاب واقواس کے وزن پر کیا جائے تو اس جمعیت میں کوئی شذوذ نہ ہوتا اور اسم مخرج میں کوئی قاعدہ ہی

Marfat.com

نہیں ہے کہ اس قاعدہ کی مخالفت سے شذوذ لازم آتا ہو پس ان کے اندر شذوذ کا حکم کہاں سے لگایا جاتا ہے؟ اور اس بیان سے شاذ اور معدول کے درمیان فرق واضح ہوگیا۔

تشریح :۔ قولہ وعلیٰ ماذکرنا۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ عدل کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں کیونکہ اس میں اقوس واینب داخل ہوجاتے ہیں اس لئے کہ اقوس کا اصلی صیغہ اقواس اور اینب کا اصلی صیغہ اینا ب ہے دلیل یہ ہے کہ قوس وناب اجوف ہے اور اجوف جب بر وزن فعلٌ ہو تو اس کی جمع افعال کے وزن پر آتی ہے جیسے قول کی جمع اقوال پس قوس وناب کی جمع اصل میں اقواس واینا ب تھی لیکن ان سے اقوس واینب کا عدول کیا گیا۔ جواب یہ کہ عدل میں اصل صیغہ سے اخراج کا اعتبار ضروری ہوتا ہے اور اقوس واینب میں کوئی ضروری نہیں کیونکہ مثلاً ثلث ومثلث کو اہل عرب چوں کہ غیر منصرف پڑھتے ہیں اس لئے اس میں بیورا عدل تحقیقی مانا گیا لیکن یہ مجبوری اقوس واینب میں نہیں ہے کیونکہ وہ لوگ ان کو منصرف پڑھتے ہیں۔

قولہ ولو اعتبر۔ یہ جواب تسلیمی ہے کہ اقوس واینب کو جموع شاذہ کہا جاتا ہے اگر مان لیا جائے کہ قوس وناب کی جمع ابتداءً اقواس واینا ب آئی ہے اس سے اقوس واینب کا عدول ہوا ہے تو اس کو جموع شاذہ کہنا نہیں چاہئے حالانکہ وہ اسی نام سے یاد کیا جاتا ہے

قولہ ولا قاعدۃ۔ یہ اُس سوال کا جواب ہے کہ اقوس واینب کو جو جموع شاذہ کہا جاتا ہے اس کی وجہ غالبًا یہ ہے کہ اس کا خروج کسی قاعدہ کے تحت نہیں ہوا ہے۔ جواب یہ کہ اسم معدول کے لئے کوئی قاعدہ نہیں ہوتا کہ جس کی مخالفت سے شذوذ لازم آئے۔ اس تقریر سے شاذ ومعدول کے درمیان فرق بھی واضح ہوگیا کہ شاذ وہ ہے جو خلاف قیاس ہو اور معدول وہ ہے جو قیاس کے موافق ہو کیونکہ معدول کے لئے اخراج کا اعتبار یہی موافق قیاس ہے

أو تقديرًا أي خروجًا كائنًا من أصلٍ مفترضٍ يكون الداعي الى تقديره وفرضه منع الصرف لا غير كعمر وكذلك زفر فانهما لما وجدا غير منصرفين ولم يوجد فيهما سبب ظاهر الا العلمية اعتبر فيهما العدل والتوقف اعتبار العدل على وجود الأصل ولم يكن فيهما دليل على وجوده غير منع الصرف قدر فيهما أن اصلهما عامر وزافر عدل عنهما الى عمر وزفر

Marfat.com

ترجمہ: ـــــ (یا تقدیری طور پر) یعنی ایسی اصل سے اسم کا خروج جو مقدر و مفروض ہو اور اس کی تقدیر و فرض کی طرف غیر منصرف پڑھنے کے علاوہ کوئی دوسرا داعی نہ ہو (جیسے عمر) اور اسی طرح زفر ہے کیونکہ جب وہ دونوں غیر منصرف پائے گئے اور ان کے اندر علمیت کے علاوہ کوئی دوسرا سبب ظاہر نہ پایا گیا تو ان دونوں کے اندر عدل کا اعتبار کر لیا گیا اور جب عدل کا اعتبار اصل کے وجود پر موقوف ہے اور ان دونوں کے اندر اصل کے وجود پر غیر منصرف پڑھنے کے علاوہ کوئی دوسری دلیل نہیں تو ان دونوں میں یہ فرض کر لیا گیا کہ ان کی اصل عامر اور زافر ہے جن کو عمر اور زفر کی طرف عدول کیا گیا ہے

تشریح: ـــــ قولہ أی خروجا۔ اس کا تفصیلی بیان تحقیقاً کے ضمن میں گذر چکا ہے البتہ مقدر کے بعد مفروض کا ذکر اس لئے ہے کہ مقدر کبھی اندازہ کے معنی میں بھی آتا ہے اور یہاں اس سے مراد مفروض ہے اور مفروض کبھی اس کے فرض و تقدیر کی طرف داعی ہوتا ہے اور کبھی داعی نہیں ہوتا اس لئے یکون الداعی سے یہ بتایا گیا کہ یہاں وہ مفروض ہے جس کے فرض و تقدیر کا داعی ہے اور وہ اسم کا اہل عرب کے نزدیک غیر منصرف پڑھا جانا۔ سوال فرض و تقدیر کا داعی صرف غیر منصرف پڑھا جانا ہی نہیں بلکہ مزید دو امر بھی ہیں ایک عمر کی مثل میں علمیت کے سوا دوسرے سبب کا نہ پایا جانا اور دوسرا عدل کے علاوہ دوسرے سبب کے اعتبار کی صلاحیت نہ رکھنا۔ جواب داعی امر وجودی ہوتا ہے اور امر وجودی صرف غیر منصرف پڑھا جانا ہی ہے اور بقیہ دونوں امر عدمی ہیں اور عدمی داعی ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

قولہ وکذلک زفر۔ عدل تقدیری کی ایک مثال عمر ہے اور دوسری مثال زفر ہے کیونکہ جب ان دونوں پر غیر منصرف جیسا اعراب دیکھا گیا اور اس میں صرف ایک سبب علمیت ہے جو قائم مقام دو سبب بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ اس لئے اس میں دوسرا سبب عدل اعتبار کر لیا گیا اور عدل کے لئے معدول عنہ کا ہونا ضروری ہے اور اس کے وجود پر غیر منصرف پڑھنے کے علاوہ کوئی دوسری دلیل نہیں اس لئے عمر کے لئے عامر اور زفر کے لئے زافر کو معدول عنہ فرض کر لیا گیا۔

وَمِثْلُ بَابِ قَطَامَ الْمَعْدُولَةِ عَنْ قَاطِمَةٍ وَاِرَادَ بِبَابِهَا كُلَّ مَا هُوَ عَلٰى فَعَالِ عَلَمًا لِلْاَعْيَانِ الْمُؤَنَّثَةِ مِنْ غَيْرِ ذَوَاتِ الرَّاءِ فِي لُغَةِ بَنِي تَمِيمٍ فَاِنَّهُمْ اُعْتُبِرُوا الْعَدْلَ فِي هٰذَا الْبَابِ حَمْلًا لَهٗ عَلٰى ذَوَاتِ الرَّاءِ فِي الْاَعْلَامِ الْمُؤَنَّثَةِ مِثْلُ حَضَارِ وَ قَطَامِ فَاِنَّهُمَا مَبْنِيَّانِ وَلَيْسَ فِيهِمَا اِلَّا سَبَبَانِ الْعَلَمِيَّةُ وَالتَّانِيثُ وَالسَّبَبَانِ لَا يُوجِبَانِ الْبِنَاءَ فَاعْتُبِرَ فِيهِمَا الْعَدْلُ لِتَحْصِيلِ سَبَبِ الْبِنَاءِ فَلَمَّا اعْتُبِرُوا فِيهِمَا الْعَدْلَ لِتَحْصِيلِ سَبَبِ الْبِنَاءِ اعْتَبَرُوا فِيمَا عَدَاهُمَا مِمَّا جُعِلَ

Marfat.com

معرباً غیر منصرفٍ ایضاً حملاً لہٗ علیٰ نظائرہٖ مع عدم احتیاج الیہ لتحقق السببینِ لمنع الصرفِ العلمیۃُ
والتانیثُ فاعتبارُ العدلِ فیہِ انّما ھو للحملِ علیٰ نظائرہٖ لا لتحصیل سببِ منع الصرفِ ولھٰذا یُقال
ذکرُ بابِ قطامَ ھٰھنا لیس فی محلّہٖ لانّ الکلامَ فیما قُدِّرَ فیہ العدلُ لتحصیلِ سببِ منع الصَّرفِ

ترجمہ: — (اور باب قطام) کی مثل جو فاطمۃ سے معدول ہے اور مصنف نے باب قطام سے ہر اس لفظ کا ارادہ فرمایا ہے جو فعالِ کے وزن پر اعیان مؤنثہ غیر ذوات الراء کا علم ہو۔ بنی (تمیم) کی لغت (میں) کیونکہ بنی تمیم نے اس باب میں اعلام مونثہ میں ذوات الراء پر حمل کرنے کی وجہ سے عدل کا اعتبار کیا ہے جیسے حضار وطمار کہ دونوں مبنی علی الکسر ہیں اور ان کے اندر علمیت وتانیث کے سوا کچھ نہیں اور دو سبب بناء کا موجب نہیں ہوتے تو نحویوں نے حضار وطمار میں سبب بناء کی تحصیل کے لئے عدل کا اعتبار کیا۔ جب نحویوں نے حضار وطمار میں سبب بناء کی تحصیل کے لئے عدل کا اعتبار کیا تو ان دونوں کے ماسوا اس فعال میں کہ اس کو بھی انہوں نے معرب غیر منصرف قرار دیا۔ عدل تقدیری کا اعتبار کیا تاکہ اس معرب غیر منصرف کا اس کی نظیروں پر حمل ہو جائے باوجودیکہ منع صرف کے دو سبب علمیت اور تانیث کے تحقق کی وجہ سے عدل کے اعتبار کرنے کی حاجت نہ تھی پس باب قطام میں عدل کا اعتبار کرنا محض اس کے نظائر پر حمل کرنے کی وجہ سے ہے سبب بناء کی تحصیل کے لئے نہیں۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ باب قطام کا ذکر یہاں اپنے محل پر نہیں ہے اس لئے کہ کلام اس اسم معرب میں ہے کہ جس میں سبب منع صرف کی تحصیل کے لئے عدل مقدر مانا جائے۔

تشریح: — قولہ ومثل۔ لفظ مثل کا ذکر اگرچہ یہاں فضول ہے کہ اس کے لئے کمر میں کاف تمثیل ہی کافی ہے لیکن اس کو یہاں یہ اشارہ کرنے کے لئے بیان کیا گیا ہے کہ قطام میں جو عدل تقدیری کا اعتبار ہے وہ عمر میں عدل تقدیری کے اعتبار کی طرح نہیں ہے کیونکہ عمر میں عدل تقدیری کا اعتبار غیر منصرف کے لئے ہوتا ہے اور قطام میں حمل علی النظیر کے لئے جس کا تفصیلی بیان آگے آئیگا۔ خیال رہے کہ قطام کی صفت معدولۃ مونث لاکر یہ بتانا مقصود ہے کہ وہ مؤنث معنوی ہے جو فاطمۃ سے معدول ہے وہ اس عورت کو کہتے ہیں جو جھگڑتے وقت دانت سے کاٹتی ہو۔

قولہ واراد ببابھا۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ عدل تقدیری باب میں ثابت ہوتا ہے قطام میں نہیں کیونکہ قطام مضاف الیہ ہے اور حکم مضاف کو لاحق ہوتا ہے مضاف الیہ کو نہیں۔ جواب یہ کہ باب قطام سے ترکیب اضافی مراد نہیں بلکہ وہ اسم مراد ہے جو فعال کے وزن پر ہو اور ذات مؤنث کا علم ہو اور غیر ذات الراء

Marfat.com

ہو یعنی اس کے آخر میں را نہ ہو جیسے قطام وغلاب کہ یہ دو عورت کے نام ہیں

قولہ لغۃ بنی۔ لغت کی تقدیر سے جواب ہے اس سوال کا کہ بنی تمیم کو باب قطام کا ظرف قرار دیا گیا ہے جب کہ ظرف کی دو قسمیں ہیں ایک حقیقی جیسے زمان ومکان اور دوسری اعتباری جیسے صفات کا موصوف کے لئے چنانچہ کہا جاتا ہے زیدٌ فی العلم والکرم کامِلٌ اور ظاہر ہے بنی تمیم دونوں میں سے کوئی نہیں۔ جواب یہ کہ ظرف حقیقۃً بنی تمیم نہیں بلکہ لغت ہے جو عبارت میں مضاف محذوف ہے اور ظاہر ہے کہ لغت باب قطام کی صفت واقع ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے بابُ قطامُ الّذی ھُولغۃُ بنی تمیم۔

قولہ فانھم اعتبروا۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ باب قطام بنی تمیم کی لغت میں غیر منصرف ہے جس میں ایک سبب علمیت ہے اور دوسرا تانیث معنوی پھر اس میں عدل کیوں مانا جاتا ہے؟ جواب یہ کہ بنی تمیم نے باب قطام کو غیر منصرف بنانے کے لئے عدل کا اعتبار نہیں کیا بلکہ حمل علی النظیر کے لئے کیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ جو اسم فعالِ کے وزن پر ہو اور ذات مؤنث کا علم ہو پس اگر وہ ذات الرا ہو تو باب حضار وطمار کہلاتا ہے۔ حضار ایک ستارہ کا نام ہے اور طمار ایک بلند جگہ کا نام ہے۔ اور اگر غیر ذات الرا ہو تو باب قطام کہلاتا ہے پس باب قطام ذات مؤنث کے علم ہونے میں باب حضار کی نظیر ہوا لیکن باب قطام لغت بنی تمیم میں غیر منصرف ہے اور باب حضار مبنی ہے اور باب حضار میں چونکہ صرف دو سبب ہیں ایک علمیت دوسرا تانیث معنوی جس سے وہ مبنی اصل کے مشابہ نہیں ہوتا اس لئے اس میں عدل مقدر مانا گیا تاکہ وہ مبنی ہو جائے اور جب باب حضار میں عدل مانا گیا تو بنی تمیم نے باب قطام میں بھی عدل فرض کر لیا کہ وہ معدول ہے قاطمۃ سے لیکن اس لئے نہیں کہ باب قطام کو مبنی بنانا ہے جس طرح باب حضار کو مبنی بنایا گیا ہے کیونکہ اس میں عدل مانے بغیر ہی دو سبب موجود ہیں ایک علمیت دوسرا تانیث معنوی بلکہ اس میں عدل محض حمل علی النظیر کیلئے یعنی شئ کو اس کی نظیر کے بعض احکام میں شریک کرنے کے لئے مانا گیا ہے تاکہ مناسبت ملحوظ رہے

قولہ فانھما مبنیتان۔ یہ اُس سوال کا جواب ہے کہ بنی تمیم نے جو باب قطام جو غیر ذات الرا ہے اس میں عدل کا اعتبار ذات الرا پر حمل کرنے کے لئے کیا ہے تو خود ذات الرا مثلاً حضار میں عدل کا اعتبار کس لئے ہے؟ جواب یہ کہ ذات الرا مبنی ہے اور مبنی اصل کی مشابہت عدل مانے بغیر نہیں ہوتی کیوں کہ مبنی اصل کے ساتھ مشابہت کے جو آٹھ طریقے معرب کی تعریف میں گذر چکے ان میں سے چھٹا طریقہ یہ ہے کہ مبنی اصل کی جگہ بولے جانے والے اسم کے وزن پر ہو اور راس کی طرح معدول بھی ہو جیسے قطام اس لئے کہ

Marfat.com

انزل مبنی اصل ہے جس کی جگہ پر نزالِ بولا جاتا ہے اور اس کے وزن پر حجار ہے اور نزال کی طرح فجار بھی معدول ہے

قولہ[۱] ولھذا یقال۔ بعض بنی تمیم باب قطام میں عدل مانتے ہی نہیں اور اہل حجاز عدل مانتے ہیں لیکن مبنی اصل کے ساتھ مشابہت کے لئے اور اکثر بنی تمیم بھی عدل مانتے ہیں لیکن حمل علی النظیر کے لئے بہرحال باب قطام میں کسی کے نزدیک بھی عدل غیر منصرف کے [illegible] ہے اس کا ذکر یہاں بے محل ہے۔ جواب میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ مقام [illegible] عدل کے بیان میں ہے خواہ وہ غیر منصرف کا سبب ہو یا سبب نہ ہو اول جیسے ثلث ومثلث میں اور دوم جیسے باب قطام میں

وَانَّمَا[۱] قَالَ فِی تَمِیمٍ لِاَنَّ الحِجَازِیِّینَ یَبْنُونَہٗ فَلَا یَکُونُ مِمَّا نَحْنُ فِیہِ وَالمُرَادُ[۲] مِنْ بَنِی تَمِیمٍ اَکْثَرُھُمْ فَاِنَّ الاَقَلِّینَ مِنْھُمْ لَمْ یَجْعَلُوا ذَوَاتَ الرَّاءِ مَبْنِیَّۃً بَلْ جَعَلُوھَا غَیْرَ مُنْصَرِفَۃٍ فَلَا حَاجَۃَ اِلٰی اِعْتِبَارِ العَدْلِ فِیھَا لِتَحْصِیلِ سَبَبِ البِنَاءِ وَحَمْلِ مَا عَدَاھَا عَلَیْھَا

ترجمہ: ـــــ اور مصنف نے بنی تمیم اس لئے فرمایا کہ اہل حجاز فعال کو مبنی مانتے ہیں پس اس صورت میں یہ اُس قبیل سے نہ ہوگا جس میں ہماری بحث ہے اور بنی تمیم سے مراد اکثر بنی تمیم ہیں اس لئے کہ اقل بنی تمیم ذوات الراء کو مبنی قرار نہیں دیتے بلکہ وہ باب قطام کو غیر منصرف ٹھہراتے ہیں پس اس میں سبب بناء کی تحصیل کے لئے ذوات الراء میں عدل کے اعتبار کرنے اور اس کے ماسوا کو ذوات الراء پر حمل کرنے کی ضرورت نہیں۔

تشریح: ـــ قولہ[۱] وانما قال: یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ باب قطام لغت بنی تمیم میں جو ہے وہ معلوم ہوگیا لیکن دوسری لغت میں کیا ہے وہ معلوم نہ ہوسکا؟ جواب یہ کہ لغت اہل حجاز میں باب قطام مبنی ہے بلکہ اس لغت میں ہر فعال کا وزن خواہ ذوات الراء ہو یا غیر ذات الراء مبنی سمجھا جاتا ہے

قولہ[۲] والمراد۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ لغت بنی تمیم میں ذات الراء مثلاً حضارِ وطمارِ علمیت وتانیث معنوی کی وجہ سے غیر منصرف ہے جس طرح غیر ذات الراء مثلاً باب قطام علمیت وتانیث معنوی کی وجہ سے غیر منصرف ہے پس اس میں عدل تقدیری ماننا فضول ہے جواب یہ کہ لغت بنی تمیم سے اکثر بنی تمیم مراد ہیں اس میں ذات الراء کو مبنی قرار دیا جاتا ہے جس کے سبب بناء کی تحصیل کے لئے عدل تقدیری مانا جاتا ہے

Marfat.com

اور اس پر حمل علی النظیر کے لئے غیر ذات الراء میں بھی عدل تقدیری مانا جاتا ہے اور غیر منصرف قرار دینا وہ بعض بنی تمیم کے لغت میں ہے وہ یہاں مراد نہیں ۔

الوصف وھو یکون الاسم دالاً علیٰ ذاتٍ مبھمۃٍ ماخوذۃٍ مع بعضِ صفاتھا سواءٌ کانت ھٰذہ الدلالۃ بحسبِ الوضع مثل احمر فانہ موضوعٌ لذاتٍ ما اُخذت مع بعضِ صفاتھا التی ھی الحمرۃ اَو بحسبِ الاستعمالِ مثل اربع فی مررت بنسوۃٍ اربعٍ فانہ موضوعٌ لمرتبۃٍ معینۃٍ من مراتبِ العددِ لا وصفیۃ فیہ بحسبِ الوضعِ بل قد تعرضُہ الوصفیۃ کما فی المثالِ المذکورِ فانہ لما اُجری فیہ علی النسوۃِ التی ھی من قبیلِ المعدوداتِ لا الاعدادِ عُلِمَ انّ معناہ مررتُ بنسوۃٍ موصوفۃٍ باربعیۃٍ وھٰذا معنی وصفی عرض لہ فی الاستعمال لا اصلی بحسبِ الوضعِ والمعتبرُ فی سببیۃِ منع الصرفِ ھُوَ الوصفُ الاصلیُّ لا صالتہ لا العرضیّ لعرضیتہ فلذلک قال المصنفُ رحمہ المولیٰ تعالیٰ

ترجمہ :۔۔۔۔ (وصف) اور وہ اسم کا ایسی ذات مبہم پر دلالت کرنا ہے جو اپنی بعض صفتوں کیساتھ ملحوظ ہو خواہ وہ دلالت باعتبار وضع ہو جیسے احمر کہ وہ ایسی ذات کے لئے موضوع ہے جو اپنی بعض صفتوں کے ساتھ جو حمرت ہے ملحوظ ہو یا باعتبار استعمال ہو جیسے اربع جو مررت بنسوۃٍ اربعٍ میں ہے موضوع ہے مراتب عدد کے مرتبۂ معینہ کے لئے جس میں باعتبار وضع کوئی وصفیت نہیں بلکہ اس کو وصفیت عارض ہوتی ہے جیسے مثال مذکور میں اربع جو اس نسوۃ پر محمول ہے جو از قبیل معدودات ہے از قبیل اعداد نہیں معلوم ہوا کہ مثال مذکور کا معنی مررتُ بنسوۃٍ موصوفۃٍ باربعیۃٍ ہے اور وہ معنی وصفی ہے جو بوقت استعمال اس کو عارض ہوتا ہے اصلی نہیں جو باعتبار وضع ہوتا ہے اور غیر منصرف کے سبب ہونے میں جو وصف معتبر ہے وہ وصف اصلی ہے ۔ اس کے اصل ہونے کی وجہ سے ۔ وصف عرضی نہیں ۔ اس کے عرض ہونے کی وجہ سے اسی وجہ سے مصنف علیہ الرحمہ نے فرمایا ۔

تشریح ۔۔۔ بیانہ الوصف ۔ عدل کے بعد وصف کو بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ بعض اسماء معدولہ جیسے ثلاث ومثلث میں مؤثر ہوتا ہے اور وصف کے بعد تانیث کو اس لئے بیان کیا کہ دونوں شریک ہیں وضعی وعارضی کی طرف منقسم ہونے میں جن میں سے صرف وضعی موثر ہے عارضی نہیں اور تانیث کے بعد معرفہ

Marfat.com

کو اس لئے بیان کیا کہ وہ تانیث کی شرط ہے اور معرفہ کے بعد عجمہ کو اس لئے بیان کیا کہ عجمہ کی شرائط میں سے تعریف علمی بھی ہے اور جمع کو اس لئے بیان کیا کہ وہ قائم مقام دو سبب ہونے میں تانیث کے مشابہ ہے اور ترکیب کو اس کے بعد اس لئے بیان کیا کہ دونوں شریک ہیں مفرد کے فرع ہونے میں اور ترکیب کے بعد الف نون زائدتان کو اس لئے بیان کیا کہ وہ ترکیب کے مشابہ ہے اس لئے کہ اس میں بھی زیادت مذکورہ اور مزید علیہ سے ترکیب ہوتی ہے اور جب کوئی سبب باقی نہ رہا تو اخیر میں وزن فعل کو بیان کیا۔

قولہ دھوکون۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ غیر منصرف کے اسباب عدل و تانیث و معرفہ و ترکیب وغیرہ از قبیل مصادر ہیں لیکن وصف مصدر نہیں بلکہ وہ تابع ہے جو متبوع میں پایا جائے جواب یہ کہ نحویوں کے نزدیک وصف کے دو معنی ہیں ایک وہ جو مذکور ہوا اور دوسرا وہ دلالت کرنا ہے ایسی ذات مبہم پر جس میں اس کی بعض صفتوں کا لحاظ کیا گیا ہو ظاہر ہے وصف کا یہ معنی مصدری ہے

قولہ سواء کانت۔ اس عبارت سے اس وہم کا ازالہ ہے کہ اسم کا ذات مبہم پر دلالت کرنا مطلق ہے جو بوقت اطلاق فرد کامل مراد ہوتا ہے اور یہاں اس کا فرد کامل دلالت باعتبار وضع ہے حاصل ازالہ یہ کہ فرد کامل جب مراد ہوتا ہے جب کہ عموم پر کوئی قرینہ نہ ہو اور یہاں شرط اَنْ یکونَ فی الاصل قرینہ موجود ہے کیونکہ تخصیص تعمیم کے بعد ہی متحقق ہوتی ہے خلاصہ یہ کہ اسم کا ذات مبہم پر دلالت کرنا عام ہے خواہ باعتبار وضع ہو جیسے احمر کہ وہ ایسی ذات کے لئے موضوع ہے جو ایک ذات غیر معین پر دلالت کرتا ہے جس میں اس کی صفت سرخی کا لحاظ کیا گیا ہے یا وہ دلالت باعتبار استعمال ہو جیسے مررتُ بنسوۃٍ اربعٍ میں اربع اگرچہ ایک مخصوص عدد کا نام ہے جو تین اور پانچ کے درمیان ہو جس میں اس کے کسی وصف کا لحاظ نہ کیا گیا ہو لیکن نسوۃ کی صفت واقع ہونے کی وجہ سے وہ وصف عارضی ہو گیا اب وہ دلالت کرے گا عورتوں کی غیر معین جماعت پر جس میں اس کی ایک صفت چار ہونے کا لحاظ کیا گیا ہو۔

قولہ والمعتبر۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ وصف جب دو طرح کا ہے ایک اصلی اور دوسرا عارضی تو یہاں ان دونوں میں سے کون مراد ہے؟ جواب یہ کہ غیر منصرف کے سبب ہونے میں وصف اصلی معتبر ہے وصف عارضی نہیں کیونکہ وصف اصلی میں یہ قوت ہے کہ اصل کو غیر اصل کی طرف یعنی انصراف کو عدم انصراف کی طرف پھیر دے اور یہ قوت وصف عارضی میں نہیں ہے کیونکہ وہ معرض زوال میں ہوتا ہے

Marfat.com

شرطہ[1] اَیْ شرطُ الوصفِ فی سببیۃ[2] منع الصرفِ اَنْ یکونَ وصفًا فی الاصلِ الّذی[3] ھوالوضعُ بانْ[4] یکونَ وضعہٗ علی الوصفیّۃِ لاانْ تعرضہٗ الوصفیّۃُ بعدَ الوَضعِ فی الاستعمالِ سواء بقی علی الوصفیّۃِ الاصلیّۃِ اَوْزالتْ عنہ

ترجمہ:۔ ــــ (اس کی شرط) یعنی وصف کی شرط منع صرف کے سبب ہونے میں (یہ ہے کہ وہ) وصف (اصل میں ہو) اصل جو کہ وہ وضع ہے بایں طور کہ اس کی وضع وصفیت پر ہو، یہ نہیں کہ اس کو وصفیت وضع کے بعد استعمال میں عارض ہو عام ہے وہ وصفیت اصلیہ پر باقی ہو یا اس سے زائل ہو۔

تشریح:۔ ــــ قولہ[1] اَیْ شرطُ الوصفِ ۔ اس عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ شرطہٗ کی ضمیر مجرور کا مرجع وصف ہے لیکن یہاں وصف سے مراد اس کی تاثیر ہے کیونکہ شرط سبب کی نہیں بلکہ اس کی تاثیر کی ہوتی ہے اسی طرح شرط کی اضافت جہاں بھی اسباب کی طرف ہو تو اس سے یہی تاثیر مراد ہوگی۔

واضح ہو کہ شرط کہتے ہیں لغت میں علامت کو اور اصطلاح میں اس امر خارج کو کہتے ہیں جس پر شئی موقوف ہو جیسے طہارت نماز پر اور رکن اس امر داخل کو کہتے ہیں جس سے شئی قائم ہو جیسے قیام و قعود نماز کے لئے اور فرض دونوں کو عام ہے

قولہ[2] فی سببیۃ ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ شرط کے بغیر مشروط پایا نہیں جاتا حالانکہ مررتُ بنسوۃٍ اربعٍ میں اَربع میں وصف موجود ہے لیکن اصلی نہیں جواب یہ کہ وصف کا اصلی ہونا غیر منصرف کے موجود ہونے کی شرط نہیں بلکہ اس کو غیر منصرف کا سبب ماننے کی ہے اور مثال مذکور میں وصف تو موجود ہے لیکن اصلی نہیں اس لئے وہ منصرف ہے

قولہ[3] الّذی ھُوالوضعُ ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ اصل جب کسی وصف کے ساتھ بولا جائے تو اس سے مراد موصوف ہوتا ہے اور ہر وصف چونکہ موصوف میں ہوتا ہے اس لئے یہ کہنا غلط ہوگا کہ وصف موصوف میں ہو۔ جواب یہ کہ اصل سے یہاں موصوف نہیں بلکہ وضع مراد ہے کیونکہ اصل کہتے ہیں مایبتنیٰ علیہ الشئ کو اور ظاہر ہے افادہ و استفادہ میں دلالت مطابقی و تضمنی و التزامی میں سے ہر ایک کی بناء وضع پر ہوتی ہے یعنی ہر ایک کے مفہوم میں وضع داخل ہے اس لئے اصل سے وضع مراد لیا گیا معنی یہ ہے کہ وصف کو غیر منصرف کا سبب ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ وضع میں ہو یعنی وہ وصف اصلی ہو عارضی نہ ہو

Marfat.com

پس اصل پر الف لام عہد خارجی کا ہے جو وضع پر دال ہے

قولہ بان یکون ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ فی جارہ ظرف مکان پر داخل ہوتا ہے یا ظرف زمان پر اور اصل نہ ظرف زمان ہے اور نہ مکان پس اصل پر فی کا داخل غلط ہے جواب یہ کہ فی یہاں بمعنی عند ہے اصل عبارت یہ ہے شرط اَنْ یکون عند الاصلِ یعنی شرط یہ ہے کہ وصفیت وضع کے وقت ہو یعنی وضع وصفیت پر ہو، یہ نہیں کہ وضع کے بعد استعمال میں وصفیت عارض ہو۔ بعض شارحین نے اصل سے پہلے زمان کو مقدر مانا ہے یعنی اَنْ یکون فی زمان الاصل ۔

فلا تضرہٗ بانْ تخرجہٗ عن سببیۃ منع الصرفِ الغلبۃُ ای غلبۃُ الاسمیۃِ علی الوصفیۃِ ومعنی الغلبۃِ اختصاصُہٗ ببعضِ افرادہٖ بحیثُ لا یحتاجُ فی الدلالۃِ علیہ الیٰ قرینۃٍ کما انّ اسودَ کانَ موضوعًا لکلِّ ما فیہ سوادٌ ثم کثُرَ استعمالُہٗ فی الحیّۃِ السوداءِ بحیثُ لا یحتاجُ فی الفہمِ عنہ الیٰ قرینۃٍ

ترجمہ: —— (پس وصف کو ضرر نہ دے گا) بایں طور کہ اس کو منع صرف کے سبب ہونے سے نکال دیگا (غلبہ) یعنی وصفیت پر اسمیت کا غالب ہونا اور غلبہ کا معنی ہے وصف کا اپنے بعض افراد کے ساتھ اس طرح خاص ہونا کہ جس پر دلالت کرنے میں کسی قرینہ کا محتاج نہ ہو جیسے اسود موضوع ہے ہر ایسی شئ کے لئے جس میں سواد ہو پھر کالے سانپ کے لئے اس کا استعمال اس طرح کثیر ہو گیا کہ لفظ اسود سے فہم میں کسی قرینہ کا محتاج نہیں ہے

تشریح: —— قولہ بان تخرجہٗ ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ غلبہ سے وصف چونکہ زائل ہو جاتا ہے اس لئے یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ غلبہ سے وصف کو ضرر نہیں پہونچتا جواب یہ کہ ضرر نہ پہونچنے کا مطلب یہ ہے کہ غلبہ وصف کو غیر منصرف کا سبب ہونے سے نہیں روکتا یعنی وصف جس طرح غلبہ سے پہلے غیر منصرف کا سبب ہوتا ہے اسی طرح غلبہ کے بعد غیر منصرف کا سبب ہوتا ہے ۔ فلا تضرہٗ میں فا برائے تفریع ہے پس عبارت کا معنی یہ ہوا کہ غیر منصرف کا سبب بننے کے لئے جب وصف اصلی شرط ہے تو غلبۂ اسمیت وصف کو ضرر نہ دے گا پس غلبہ پر الف لام مضاف الیہ اسمیہ کے عوض میں ہے اور غلبہ چونکہ منتین کو مقتضی ہوتا ہے ایک وہ جو غالب ہوا اور دوسرا وہ جس پر غالب ہوا اس لئے شرح میں غلبہ کے بعد علی الوصفیہ کا اضافہ کیا گیا ہے ۔

قولہ معنی الغلبۃ ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ غلبہ سے جب وصف زائل نہیں ہوتا تو آخر غلبہ

Marfat.com

کا معنی کیا ہے ؟ جواب یہ کہ غلبہ کا معنی یہ ہے کہ اسم کا اپنے بعض افراد نوعی کیساتھ اس طرح خاص ہو جانا کہ اس کا دوسرے افراد پہ دلالت کرنے کے لئے قرینہ کا محتاج ہو اور خود اس فرد پہ دلالت کرنے کے لئے قرینہ کا محتاج نہ ہو مثلاً اسود کو واضع نے ہر کالی چیز کے لئے وضع کیا ہے خواہ وہ نباتات ہو یا جمادات یا حیوانات پھر اصطلاح میں وہ کالے سانپ کے لئے اس طرح خاص ہو گیا ہے کہ گورے آدمی پہ دلالت کرنے کے لئے قرینہ کا محتاج ہے اور خود کالے سانپ پر دلالت کرنے کے لئے قرینہ سے مستغنی ہے۔

فلذلك المذكور من اشتراط اصالة الوصفية وعدم مضرة الغلبة صرف لعدم اصالة الوصفية باربع في قولهم مررت بنسوة اربع وامتنع من الصرف لعدم مضرة الغلبة اسود وارقم حيث صارا اسمين للحية الاول للحية السوداء والثاني للحية التي فيها سواد وبياض وادهم حيث صار اسماً للقيد من الحديد لما فيه من الدهمة اعني السواد

ترجمہ:— (پس اسی) مذکور یعنی وصفیت اصلیہ کی شرط اور غلبۂ اسمیت کے ضرر نہ دینے کی وجہ سے منصرف ہوا) کیونکہ اہل عرب کے قول (مررت بنسوۃ اربع) میں اربع کے اندر وصفیت اصلیہ نہیں ہے (اور منع ہوئے) منصرف ہونے سے غلبۂ اسمیت کے ضرر نہ دینے کی وجہ سے (اسود وارقم) کیونکہ دونوں نام ہو گئے ہیں (سانپ کے لئے) پہلا نام ہے کالا سانپ کا اور دوسرا نام ہے اُس سانپ کا جس میں سیاہی وسفیدی دونوں ہوں (وادرادہم) کیونکہ وہ نام ہو گیا ہے لوہے کی (بیڑی کے لئے) اس لئے کہ اس میں دھمت یعنی سیاہی ہوتی ہے

تشریح:— قولہ المذکور۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ ذلک سے دو امروں کی طرف اشارہ مقصود ہے ایک یہ کہ اصل وضع میں وصف ہونا شرط ہے دوسرا یہ کہ غلبہ سے وصف کو ضرر نہیں ہوتا جب کہ ذلک واحد ہے جس سے صرف ایک امر کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے جواب یہ کہ ذلک سے صرف ایک امر اور وہ مذکور کی طرف اشارہ مقصود ہے البتہ مذکور سے دو امر مراد ہیں جو گذر چکے جیسا کہ سیاق کلام اس پر دال ہے کیونکہ مررت بنسوۃ اربع میں اربع کا منصرف ہونا امر اول پر متفرع ہے اور اسود وارقم کا غیر منصرف ہونا امر دوم پر متفرع ہے

قولہ لعلم۔ اس عبارت یہ اشارہ ہے کہ مررت بنسوۃ اربع میں اربع کا منصرف ہونا امر اول پر متفرع ہے جس کا حاصل یہ کہ اربع ایک مخصوص عدد کا نام ہے جو تین اور پانچ کے درمیان ہے جس

Marfat.com

میں کسی قسم کی وصفیت ملحوظ نہیں ہے البتہ مثال مذکور میں یہ وصف عارض ہوا ہے کہ اب وہ عورتوں کی غیر معین جماعت پر دال ہے جس میں اس کی ایک صفت چار ہونے کا لحاظ کیا گیا ہے حالانکہ غیر منصرف کا سبب وہ وصف ہے جو اصلی ہو۔

قولہ اربع فی قولھم۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مُرِفَ فعل مجہول کا نائب فاعل مررتُ بنسوۃٍ اربعٍ کو قرار دیا گیا ہے پس معنی ہوا کہ مررتُ بنسوۃٍ اربعٍ منصرف ہوگیا حالانکہ وہ جملہ ہے جو مبنی اصل ہوتا ہے اور مبنی منصرف نہیں ہوتا۔ جواب یہ کہ عبارت میں نائب فاعل اگرچہ مجازاً جملہ کو قرار دیا گیا ہے لیکن حقیقۃً نائب فاعل اربع ہے جو جملہ مذکورہ کا جزء ہے پس یہ مجاز فی الاسناد ہے یا یہ کہ جملہ بول کر یہاں اس کا جزء یعنی اربع مراد ہے پس یہ مجاز مرسل ہے۔

قولہ من الصرف۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ متن میں امتنع فعل ہے جس کا فاعل اسود ہے پس معنی ہوا کہ اسود ممتنع ہے حالانکہ بلے شمار کالے سانپ موجود ہیں۔ جواب یہ کہ امتنع کا صلہ من الصرف محذوف ہے اور اسود سے یہاں لفظ اسود مراد ہے پس معنی ہوا کہ لفظ اسود کا منصرف ہونا ممتنع ہے اسی طرح ارقم وادہم کا منصرف ہونا بھی ممتنع ہے جو بلاشبہ درست ہے

قولہ الاول للحیۃ۔ یعنی اسود کی وضع ہر کالی چیز کے لئے ہوئی ہے خواہ کالی کوئی چیز ہو جمادات ہو یا نباتات یا حیوانات پھر استعمال میں وہ کالے سانپ کا نام ہوگیا۔ ارقم کی وضع ہر چت کبڑی چیز کے لئے ہوئی ہے خواہ چت کبڑی کوئی چیز ہو پھر استعمال میں وہ چت کبڑی سانپ کا نام ہوگیا اسی طرح ادہم کی وضع ہر کالی چیز کے لئے ہوئی ہے پھر استعمال میں وہ لوہے کی بیڑی کا نام ہوگیا کیوں کہ اس میں دہمت یعنی سیاہی ہے

فَاِنَّ ھٰذِہِ الْاَسْمَاءَ وَاِنْ خَرَجَتْ عَنِ الْوَصْفِیَّۃِ بِغَلَبَۃِ الْاِسْمِیَّۃِ لٰکِنَّھَا بِحَسَبِ اَصْلِ الْوَضْعِ اَوْصَافٌ لَمْ یُعْتَبَرِ اسْتِعْمَالُھَا فِی مَعَانِیْھَا الْاَصْلِیَّۃِ اَیْضًا بِالْکُلِّیَّۃِ فَالْمَانِعُ مِنَ الصَّرْفِ فِی ھٰذِہِ الْاَسْمَاءِ الصِّفَۃُ الْاَصْلِیَّۃُ وَوَزْنُ الْفِعْلِ وَاَمَّا عِنْدَ اسْتِعْمَالِھَا فِی مَعَانِیْھَا الْاَصْلِیَّۃِ فَلَا اِشْکَالَ فِی مَنْعِ صَرْفِھَا لِوُزُنِ الْفِعْلِ وَالْوَصْفِ فِی الْاَصْلِ وَالْحَالِ

ترجمہ:۔۔۔ کیونکہ یہ اسماء غلبۂ اسمیت کی وجہ سے اگرچہ وصفیت سے نکل گئے ہیں لیکن وہ باعتبار اصل

Marfat.com

وضع اوصاف ہیں جن کا اپنے معانی اصلیہ میں استعمال بھی بالکلیہ متروک نہیں ہوا ہے پس ان اسماء میں منصرف ہونے سے مانع صفت اصلیہ اور وزن فعل ہیں اور لیکن ان کا اپنے معانی اصلیہ میں استعمال کے وقت ان کے منع صرف ہونے میں کوئی اشکال نہیں ہے وزن فعل اور وصف اصل وحال میں ہونے کی وجہ سے

تشریح :۔ قولہ[1] فان ھٰذہ الاسماء ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ اسود جب کالے سانپ کا علم ہوگیا اور ارقم چت کبڑی سانپ کا اور ادہم لوہے کی بیڑی کا تو اب ان میں وصف ملحوظ نہ ہوگا کیونکہ وصف عموم کا مقتضی ہے جو منافیٔ علم ہے ۔ جواب یہ کہ ان اسموں سے وصف اگرچہ علم کی وجہ سے زائل ہوجاتا ہے لیکن اصل وضع کے اعتبار سے ان میں وصف موجود رہتا ہے اسی وجہ سے وہ کبھی معنیٔ وصفی میں بھی مستعمل ہوتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے عندی اسودُ من الرّجال وحمارٌ اسودُ وانسانٌ اسودُ پس اس میں وصف اصلی بھی ہوگا اور حالی بھی

قولہ[2] وزن الفعل ۔ اس مقام پر کوئی یہ سوال کرسکتا ہے کہ اسود میں وزن فعل نہیں کیونکہ اس کے لئے عدم قبول تاء کی شرط ہے حالانکہ اسود تاء کو قبول کرتا ہے کیونکہ مونث سانپ کو اسودۃ کہا جاتا ہے ۔ جواب یہ کہ اسود جو تاء کو قبول کرتا ہے وہ غلبۂ استعمال کی وجہ سے اس وصف اصلی کی وجہ سے نہیں جو غیر منصرف کا سبب ہے اور اسود جو وزن فعل ہے وہ اسی اعتبار سے جیسا کہ بحث وزن فعل میں آئے گا ۔

وَضعف[1] منعُ اَفعیٰ اسماً للحیّۃِ علیٰ زُعم وَصفیتہٖ لتوھُّم[2] اشتقاقِہٖ مِنَ الفعوۃِ التی ھی الخُبثُ وکذٰلک منعُ اَجدَلَ للصقر علیٰ زُعم وصیفتہٖ لتوھُّمِ اشتقاقہٖ من الجَدْلِ بمعنی القوّۃِ واَخیلَ للطائرِ ذی خیلانٍ علیٰ زُعمَ وصیفتہٖ لتوھُّمِ اشتقاقہٖ من الخالِ

ترجمہ :۔ (اور غیر منصرف ہونا ضعیف ہے افعیٰ کا ۔ جو نام ہوگیا ہے (ایک سانپ کے لئے) اس کی وصفیت کے زعم کی بناء پر کیونکہ وہم ہے کہ اس کا اشتقاق فعوۃٌ سے ہو جو خبث ہے اسی طرح (اجدل) کا غیر منصرف ہونا (جو شکرہ کے لئے ہے) اس کی وصفیت کے زعم کی بناء پر کیونکہ وہم ہے کہ اس کا اشتقاق جدل بمعنی قوت سے ہو (اور اخیل کا پرندے کے لئے) یعنی نقطوں والے پرندے کے لئے اس کی وصفیت کے زعم کی بناء پر اس لئے کہ وہم ہے کہ اس کا اشتقاق خال سے ہو ۔

تشریح :۔ بیانہٗ[1] وضعف منع ۔ یعنی افعیٰ اس سیاہ زہریلے سانپ کا نام ہے جس کے ساتھ نظریں دوچار ہونے سے انسان اندھا ہوجاتا ہے ۔ فارسی میں افعیٰ بکسر عین مستعمل ہے وہ غیر منصرف ہے کیونکہ اس میں دو سبب

Marfat.com

ہیں ایک وزن فعل اور دوسرا وصفِ اصلی لیکن وزن فعل ہونا تو ظاہر ہے اور وصف ہونا اس لئے کہ وہ مشتق ہے فَعَوۃٌ سے اور فعوۃٌ کا معنی ہے خبث پس افعٰی کا معنی ہوا ذو فعوۃٌ یعنی خبث والا اور یہ گذر چکا کہ وصف اصلی غلبۂ اسمیت کی وجہ سے زائل نہیں ہوتا اسی طرح اجدل جو شکرہ کا نام ہے غیر منصرف ہے کیونکہ اس میں وزن فعل کے علاوہ وصف اصلی بھی ہے اس لئے کہ وہ مشتق ہے جدل بمعنی قوت سے پس اجدل کا معنی ہوا ذو جدل یعنی قوت والا اسی طرح اخیل اس پرندہ کو کہتے ہیں جس کے پروں پہ بکثرت تل کی مانند نشانات ہوں جس کو شطرنج بھی کہا جاتا ہے وہ غیر منصرف ہے کیونکہ اس میں وزن فعل کے علاوہ وصف اصلی بھی ہے کیونکہ وہ مشتق ہے خال سے اور خال تل کو کہتے ہیں جو بدن پر ہوتا ہے پس اخیل کا معنی ہوا ذو خال یعنی تل والا

قولہ لتوھم ۔ اس مقام پر یہ سوال ممکن ہے کہ یہ دلیل ہے زعم کی اور زعم کہتے ہیں ظن کو اور ظن طرف راجح کا نام ہے اور وہم طرف مرجوح کا پس وہم سے زعم کی دلیل درست نہیں ہے جواب یہ کہ زعم جسطرح طرف راجح کو کہا جاتا ہے اسی طرح طرف مرجوح کو بھی اور یہاں یہی طرف مرجوح مراد ہے جو معنی ہے وہم کا پس وہم سے زعم کی دلیل درست ہے

وَوَجْهُ ضُعْفِ مَنْعِ الصَّرْفِ فِی هٰذِهِ الْاَسْمَاءِ عَدَمُ الْجَزْمِ بِكَوْنِهَا اَوْصَافًا اَصْلِيَّةً فَاِنَّهَا لَمْ يُقْصَدْ بِهَا الْمَعَانِی الْوَصْفِيَّةُ مُطْلَقًا لَا فِی الْاَصْلِ وَلَا فِی الْحَالِ مَعَ اَنَّ الْاَصْلَ فِی الْاِسْمِ الصَّرْفُ .

تشریح: ـــ قولہ ووجہ ضعف ۔ غیر منصرف کے ضعیف ہونے کی وجہ ان کے اوصاف اصلیہ ہونے کا یقین نہ ہونا ہے کیونکہ ان اسموں سے ان کے وصفی معنوں کا مطلقاً قصد نہیں کیا گیا نہ اصل وضع میں اور نہ حال یعنی استعمال میں باوجودیکہ اسم میں اصل منصرف ہونا ہے ۔

تشریح: ـــ قولہ ووجہ ضعف ۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ مذکورہ بالا اسموں میں جب دو سبب موجود ہیں ایک وزن فعل اور دوسرا وصف اصلی تو وہ غیر منصرف ہوئے پھر ان کے غیر منصرف ہونے کو ضعیف کیوں کہا جاتا ہے ؟ جواب یہ کہ ان اسموں میں وصف اصلی ہونا یقینی نہیں ہے کیونکہ ان کا استعمال وصفی معنی میں کبھی بھی ثابت نہیں نہ نام ہونے سے پہلے نہ اس کے بعد اس لئے یقین سے یہ کہا نہیں جاتا کہ افعٰی مشتق ہے فعوۃ سے اور اَجْدَل جدل سے اور اَخْیَل خال سے ۔

قولہ مع ان الاصل ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ اُن اسموں میں جس طرح وصف اصلی ہونا یقینی

Marfat.com

نہیں اسی طرح وصف اصلی نہ ہونا بھی یقینی نہیں ہے تو ان کا منصرف ہونا اور غیر منصرف ہونا بھی دونوں برابر ہوئے تو منصرف ہونے کو اصل اور غیر منصرف ہونے کو ضعیف کیوں کہا جاتا ہے ؟ جواب یہ کہ ان کے غیر منصرف کے ضعیف ہونے کی وجہ تو گذر چکی لیکن منصرف کے اصل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اسم معرب میں اصل منصرف ہونا ہے کیونکہ وہ کسی سبب کا محتاج نہیں ہوتا جب کہ غیر منصرف ہونا محتاج ہے۔

اَلتانیثُ اللفظیُّ الحاصِلُ بالتاءِ لا بالاَلفِ فانّہٗ لاشرطَ لہٗ

ترجمہ: ـــــ (تانیث) لفظی (جو تا سے) حاصل (ہے) الف سے نہیں۔ اس لئے کہ جو تانیث الف سے حاصل ہو اس کی کوئی شرط نہیں۔

تشریح: ـــــ قولہ اَللفظی۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تانیث معنوی بھی تانیث بالتا ہی ہے لہذا اس کو تانیث بالتاء کے مقابل بیان کرنا درست نہیں۔ جواب یہ کہ تانیث سے یہاں مطلق تانیث مراد نہیں بلکہ تانیث لفظی ہے جو بلا شبہ تانیث معنوی کے مقابل ہے تانیث لفظی وہ ہے جس میں علامت تانیث حقیقۃً ملفوظ ہو جیسے سلمۃ و ظلمۃ وغیرہ اور تانیث معنوی اس کا برعکس ہے یعنی جس میں علامت تانیث حقیقۃً ملفوظ نہ ہو جیسے زینب و ہندہ وغیرہ۔ تانیث لفظی کا ایک معنی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جس کے مقابل میں کوئی حیوان مذکر نہ ہو جیسے ظلمۃٌ و سقرٌ دونوں معنوں کے درمیان عموم و خصوص من وجہ کی نسبت ہے ظلمۃٌ پر دونوں صادق ہیں اور سلمۃٌ پر پہلا معنی صادق ہے دوسرا نہیں اور سقر پر دوسرا معنی صادق ہے پہلا نہیں۔ خیال رہے کہ تا، تانیث سے مراد تا، زائدہ ہے جو اسم کے آخر میں لاحق ہوتی ہے اور حالت وقف میں یا، ہوز ہو جاتی ہے اور اس سے پہلے مفتوح ہوتا ہے پس افتٌ کی تا اس سے خارج ہے۔

قولہ الحاصل۔ اس تقدیر عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ متن میں بالتاء ظرف مستقر ہے جو اپنے متعلق کے اعتبار سے تانیث لفظی کی صفت واقع ہے اور اسی وجہ سے اس کو معرفہ بیان کیا ہے کیونکہ نکرہ کی صورت میں وہ حال ہو جائیگا اور حال کا ثبوت ذوالحال کے لئے صرف ثبوت عامل کے زمانہ میں ہوتا ہے جس طرح جاءنی زیدٌ راکبًا میں وصف رکوب صرف آنے کے زمانہ کے ساتھ ہے اسی طرح تاء کا ثبوت تانیث لفظی کو صرف ایک زمانہ میں حاصل ہوگا حالانکہ مدعیٰ تمام زمانہ میں ہے اور یہ صرف صفت ہی کی صورت میں ممکن ہے۔ خیال رہے کہ لفظ حاصل اگرچہ اسم فاعل ہے جو حدوث پر دلالت کرتا ہے لیکن یہاں بمعنی دوام و استمرار ہے اور اس پر الف لام برائے تعریف ہے

Marfat.com

قولہ فانہ لاشرط۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تانیث لفظی جس طرح تانیث بالتاء ہوتی ہے اس طرح تانیث بالف مقصورہ وممدودہ بھی پھر تانیث لفظی کو تانیث بالتاء کے ساتھ کیوں خاص کیا گیا؟ جواب یہ کہ اس تانیث لفظی کے آگے علمیت کی شرط بیان کی گئی ہے جو صرف تانیث بالتاء کیساتھ خاص ہے کیونکہ تانیث بالف مقصورہ وممدودہ کی کوئی شرط نہیں بلکہ اسی سے اسم تنہا غیر منصرف بن جاتا ہے کیونکہ وہ لزوم وضعی کی وجہ سے قائم مقام دو سبب کے ہوتی ہے۔

شرطہ فی سببیۃ منع الصرف اَیْ علمیۃ الاسم المونث لیصیر التانیث لازما لانّ الاعلام محفوظۃ عن التصرف بقدر الامکان ولانّ العلمیۃ وضع ثان وکلّ حرف وضعت الکلمۃ علیہ لا ینفکّ عن الکلمۃ

ترجمہ: ــــ (اس کی شرط) غیر منصرف کے سبب ہونے میں (علمیت ہے) یعنی اسم مونث کا علم ہونا ہے تاکہ تانیث کلمہ کو لازم ہو جائے اس لئے کہ اعلام بقدر امکان تصرف سے محفوظ ہوتے ہیں اور اس لئے کہ علمیت وضع ثانی ہے اور ہر وہ حرف جس پر کلمہ کی وضع ہو وہ کلمہ سے جدا نہیں ہوتا۔

تشریح: ــــ قولہ فی سببیۃ منع الصرف۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تانیث بالتاء کے وجود کے لئے علمیت کا ہونا کوئی ضروری نہیں کیونکہ قائمۃ وجالسۃ میں تانیث بالتاء موجود ہے لیکن علمیت نہیں۔ جواب یہ کہ علمیت کی شرط تانیث بالتاء کے وجود کے لئے نہیں بلکہ غیر منصرف کے سبب بننے کے لئے ہے مثلاً ظلمۃ کہ اگر اس کو کسی کا علم مانا جائے تو وہ غیر منصرف ہوگا اور اگر علم مانا نہ جائے تو غیر منصرف نہ ہوگا۔

قولہ اَیْ علمیۃ الاسم المونث۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ علمیت میں یاء مصدری ہے پس اس کا معنی ہوا کونہ علماً۔ اس کی ضمیر مجرور کون کا اسم ہے جس کا مرجع تانیث مصدر ہے اور علماً اس کی خبر ذات ہے اور خبر چونکہ اسم پر محمول ہوتی ہے اس لئے ذات کا حمل مصدر پر لازم آئیگا جو ممنوع ہے۔ جواب یہ کہ علمیت پر الف لام مضاف الیہ مافیہ التانیث کے عوض ہے اصل عبارت یہ ہے علمیۃ مافیہ التانیث ظاہر ہے مافیہ التانیث اسم مونث کو کہتے ہیں پس مضاف الیہ الاسم المونث ہوا اور یہ اضافت اضافت ظرفیہ ہوئی۔

قولہ لیصیر التانیث۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تانیث بالتاء کے لئے علمیت کیوں شرط ہے؟ جواب یہ کہ تانیث بالتاء چونکہ اسم کو لازم نہیں ہوتی چنانچہ دافعۃ سے دافع ہوتا ہے اس لئے اس کی

Marfat.com

تاثیر اتنی قوی نہیں ہوتی جس سے وہ غیر منصرف کا سبب بن سکے اور اس کے ساتھ علمیت پائی جائے تو وہ اسم کو لازم ہو جاتی ہے کیونکہ اعلام میں بقدر امکان تغیر نہیں ہوتا اور اس لئے بھی کہ علمیت بمنزلۂ وضع ثانی ہے اور کلمہ کی وضع جس جس حرف پر ہوتی ہے وہ حرف اس کلمہ کو لازم ہوتا ہے اس سے جدا نہیں ہوتا جیسے زید سے دال یا زے پس جب تانیث بالتاء کلمہ کو لازم ہو گئی تو اس کا ضعف زائل ہو جائے گا اور وہ غیر منصرف کا سبب قوی بن جائیگا۔

قولہ بقدر الامکان ۔ اعلام بقدر امکان تصرف سے اس لئے محفوظ ہوتے ہیں کہ شان و مقام برقرار رہے ۔ اس کو قدر امکان کیساتھ اس لئے مقید کیا گیا کہ اعلام میں تصرف کبھی ضروری ہوتا ہے جیسے ترخیم میں کہ غیر منادیٰ میں تصرف ضرورت شعری کی وجہ سے ہوتا ہے اور منادیٰ میں اس لئے کہ وہ مقام تخفیف ہے کہ متکلم کلام سے جلد فارغ ہونا چاہتا ہے ۔

وَالتَّانِيثُ المعنويُّ كذٰلكَ اَیْ كالتانيثِ اللفظيِّ بالتاءِ فی اشتراطِ العلميةِ فيهِ الّا بينما فرقًا انّ التانيثَ اللفظيَّ بالتاءِ شرطٌ لوجوبِ منعِ الصرفِ وفی المعنوی شرطٌ لجوازِهٖ

ترجمہ: ـــــ (اور) تانیث (معنوی ایسے ہی) یعنی تانیث لفظی بالتا کی طرح علمیت کی اس میں شرط ہونے میں مگر دونوں کے درمیان یہ فرق ہے کہ علمیت تانیث لفظی بالتاء میں غیر منصرف کے وجوب کی شرط ہے اور تانیث معنوی میں غیر منصرف کے جواز کی شرط ہے ۔

تشریح :ـــ قولہ التانیث ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ المعنوی اسم منسوب ہے اور اسم منسوب ہمیشہ صفت ہوتا ہے پس اس کا موصوف کیا ہے ؟ جواب یہ کہ موصوف محذوف ہے اصل عبارت یہ کہ التانیث المعنوی ۔ اس کو اس لئے حذف کیا گیا کہ اس کا ذکر ماقبل میں ہو چکا ہے اور متن کا مقتضیٰ بھی اختصار ہے ۔

قولہ ای کالتانیث ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تانیث معنوی میں علامت تانیث مقدر ہوتی ہوتی ہے اور تانیث لفظی میں ملفوظ پس تانیث معنوی ، تانیث لفظی کے مشابہ نہ ہوئی حالانکہ تشبیہ کے لئے اشتراک ضروری ہے ۔ جواب یہ کہ تشبیہ صرف علمیت کی شرط ہونے میں ہے دوسری چیزوں میں نہیں یعنی تانیث معنوی علمیت کی شرط ہونے میں تانیث لفظی کی طرح ہے کیونکہ تشبیہ کے لئے کسی ایک امر میں مماثلت کافی ہے جیسے زید کالاسد میں زید بہادر ہونے میں شیر کی مانند ہے درندہ یا کسی دوسری چیزوں میں نہیں

Marfat.com

قولہ الآن بینھما۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ تشبیہ اگر صرف علمیت میں ہے تو بھی درست نہیں اس لئے کہ تانیث لفظی بالتار میں اگر علمیت ہو تو اسم کا غیر منصرف ہونا ضروری ہو جاتا ہے لیکن اگر تانیث معنوی میں ہو تو ضروری نہیں ہوتا بلکہ وہ منصرف بھی ہوتا ہے اور غیر منصرف بھی جیسے ہند میں۔ جواب یہ کہ تشبیہ صرف اس بات میں ہے کہ علمیت دونوں کے لئے شرط ہے یعنی علمیت کے بغیر نہ تانیث لفظی بالتار غیر منصرف کا سبب بنے گی اور نہ تانیث معنوی البتہ یہ فرق ہے کہ علمیت پائی جائے تو تانیث لفظی بالتار کو غیر منصرف پڑھنا واجب ہے اور تانیث معنوی کو غیر منصرف پڑھنا صرف جائز ہے یعنی علمیت تانیث لفظی بالتار میں شرط وجوب ہے اور تانیث معنوی میں شرط جواز۔ شرط وجوب کے لئے دوسری وجوب کے لئے دوسری شرط ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تانیث لفظی بالتا اصل ہے جس کی شرط وجوب کے لئے صرف علمیت کافی ہے اور تانیث معنوی فرع ہے جس کی شرط وجوب کے لئے علمیت کافی نہیں بلکہ دوسری شرط بھی ضروری ہے۔ خیال رہے کہ تانیث بالتاء میں جو علمیت شرط ہے عام ہے کہ مؤنث کا علم ہو جیسے مسلمۃ یا مذکر کا علم ہو جیسے طلحۃ لیکن تانیث معنوی میں مؤنث کا علم ہونا شرط ہے جب کہ ثلاثی ہو اس لئے کہ مذکر کا علم ہونے پر تانیث معنوی زائل ہو جاتی ہے

وَلَابُدَّ فِی وُجُوبِہٖ مِن شَرطٍ آخَرَ کَمَا اَشَارَ اِلَیہِ بِقَولِہٖ وَشَرطُ تَحَتُّمِ تَاثِیرِہٖ اَیْ شَرطُ وُجُوبِ تَاثِیرِ التَّانِیثِ المَعنَوِیِّ فِی مَنعِ الصَّرفِ اَحَدُ الاُمُورِ الثَّلَاثَۃِ الزِّیَادَۃُ عَلَی الثَّلَاثَۃِ اَیْ زِیَادَۃُ حُرُوفِ الکَلِمَۃِ عَلٰی ثَلَاثَۃٍ مِثلُ زَینَبَ اَوتَحَرُّکُ الحَرفِ الاَوسَطِ مِن حُرُوفِھَا الثَّلَاثَۃِ مِثلُ سَقَرَ اَوالعُجمَۃُ مِثلُ مَاہَ وجُورَ

ترجمہ: ــــــ اور تانیث معنوی کے وجوب کے متعلق دوسری شرط ضروری ہے جیسا کہ مصنف نے اپنے اس قول سے اس کی طرف اشارہ فرمایا (اور اس کے تحتم تاثیر کی شرط) یعنی غیر منصرف میں تانیث معنوی کے وجوب تاثیر کی شرط تین امور میں سے ایک ہے (تین حرف پر زائد ہونا ہے) یعنی کلمہ کے حروف کا تین پر زائد ہونا جیسے زینب (یا متحرک ہونا) حرف (اوسط کا) کلمہ کے تین حروف سے جیسے سقر (یا عجمہ ہونا) جیسے ماہ وجور

تشریح: ــــــ قولہ ولابد۔ تانیث معنوی چونکہ سبب قوی نہیں یعنی اس سے اسم کا غیر منصرف ہونا جائز ہوتا ہے واجب نہیں ہوتا اس لئے اس کے واجب ہونے کے لئے تین امور میں سے کسی ایک کا ہونا لازم قرار دیا جاتا ہے اور اس شرط وجوب پر چونکہ متن میں تحتم تاثیر کی دلالت مراحۃً ہے اس لئے شارح کو قال کہنا

Marfat.com

چاہیئے تھا اشارۃ نہیں کہ وہ دلالت خفیہ کے لئے بولا جاتا ہے۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ اشارۃ الیہ میں ضمیر مجرور کا مرجع صرف شرط وجوب نہیں بلکہ شرط وجوب وجواز ہے جو یا تو بطور بدلیت ہے یا بتاویل مذکور اور تحتم تاثیر کی دلالت شرط وجوب پر اگرچہ صراحۃً ہے لیکن شرط جواز پر اشارۃً ہے کیونکہ شرط وجوب سے شرط جواز مستفاد ہوتی ہے

قولہ[۲] ای وجوب۔ اس تفسیر سے یہ اشارہ کیا گیا ہے کہ تاثیرہٗ کی ضمیر مجرور کا مرجع تانیث معنوی ہے اور تاثیر کا ظرف منع صرف ہے اور تحتم اگرچہ مزید ہے لیکن یہاں بمعنی مجرد یعنی حتم بمعنی وجوب ہے کیوں کہ تحتم بمعنی تجوّد آتا ہے اور کبھی بمعنی توجّب اور یہاں دونوں ممنوع ہیں کیونکہ تجوّد کا معنی ہے عمدہ چیز کا انتخاب کرنا اور توجّب کا معنی ہے دن میں ایک مرتبہ کھانا اور احد الامور الثلاثۃ سے یہ اشارہ ہے کہ متن میں اَوْ برائے تردید و تشکیک نہیں بلکہ برائے تنویع ہے اور شرط تحتم تاثیرہ سے اگرچہ تتابع اضافات لازم آتا ہے لیکن وہ یہاں مخل فصاحت نہیں جیسا کہ آیت کریمہ میں ہے مثلَ دابِ قومِ نوحٍ اور ذکر رحمۃ ربک عبدہٗ اور کَدَأبِ آلِ فرعونَ۔

قولہ[۳] ای زیادۃ حروف۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ زینب غیر منصرف ہے لیکن اس پر امرا دل صادق نہیں آتا کیونکہ اس کی حرکت تین پر زائد نہیں جواب یہ کہ زیادت پر الف لام مضاف الیہ کے عوض ہے اور وہ کلمہ کے حروف ہیں حرکات نہیں اور ظاہر ہے زینب میں کلمہ کے حروف تین پر زائد ہیں۔

قولہ[۴] الحرف۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ اوسط ہمیشہ صفت واقع ہوتا ہے پس اس کا موصوف یہاں کیا ہے؟ جواب یہ کہ موصوف محذوف ہے یعنی الحرف الاوسط۔

قولہ[۵] من حروفها الثلاثۃ۔ اس عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ اسم اگر متحرک الاوسط ہو تو اس کا تین حروف پر زائد ہونا یا عجمہ ہونا کوئی ضروری نہیں اسی طرح اگر عجمہ ہو تو تین حروف پر زائد ہونا یا متحرک الاوسط ہونا کوئی ضروری نہیں پس متن میں اَوْ منع خلو کے لئے ہے یعنی تینوں امور میں سے ہر ایک کا ارتفاع محال ہے لیکن اجتماع ممکن ہے مثلاً لفظ ابراہیم جب کسی مؤنث کا علم ہو تو اس پر تینوں امور صادق آتے ہیں تین حروف پر زائد ہونا اور متحرک الاوسط ہونا اور عجمہ ہونا بھی۔

---

[۱] وَاِنَّمَا اِشْتُرِطَ فِی وُجُوْبِ تَاثِیْرِ الْمَعْنَوِیِّ اَحَدُ الْاُمُوْرِ الثَّلَاثَۃِ لِیَخْرُجَ الْکَلِمَۃُ بِثِقَلِ الْاُمُوْرِ الثَّلَاثَۃِ عَنِ الْخِفَّۃِ الَّتِیْ مِنْ شَانِهَا اَنْ یُعَارِضَ ثِقَلَ اَحَدِ السَّبَبَیْنِ فَتُزَاحِمَ تَاثِیْرَهٗ وَثِقَلُ الْاَوَّلَیْنِ ظَاهِرٌ

Marfat.com

وکذا العجمۃ لان لسان العجم ثقیل علی العرب

ترجمہ: ـــــ اور تانیث معنوی کے وجوب تاثیر کی شرط تین امور میں سے ایک کا ہونا اس لئے شرط لگایا گیا کہ کلمہ تینوں امور کے ثقل کی وجہ سے اس خفت سے نکل جائے جس کی شان یہ ہے کہ دو سببوں میں سے ایک کے ثقل سے معارض ہوکر تانیث معنوی کی تاثیر میں مانع ہوتی ہے اور پہلی دونوں شرطوں کا ثقل تو ظاہر ہے اور اسی طرح عجمہ ہے کیونکہ عجمہ کی زبان اہل عرب پر ثقیل ہے۔

تشریح ـــــ قولہ[1] وانما اشترط۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تانیث معنوی کی تاثیر واجب ہونے کے لئے ثلاثی وساکن الاوسط اور عجمی ہونے کی شرط کیوں ہے؟ جواب یہ کہ ثلاثی ساکن الاوسط غیر عجمی خفیف ہوتا ہے کیونکہ ثلاثی رباعی کے مقابل میں خفیف ہوتی ہے اور ساکن الاسط متحرک الاوسط کے مقابل میں خفیف ہوتا ہے اسی طرح عجمی کے مقابل میں غیر عجمی خفیف ہوتا ہے اور جب ثلاثی ساکن الاوسط غیر عجمی خفیف ہے تو اس کی خفت تانیث کے ثقل کے معارض ہوکر اس کی تاثیر کو کمزور کر دیتی ہے اس لئے غیر منصرف پڑھنا ضروری نہیں ہوتا اور جب وہ رباعی یا ساکن الاوسط یا عجمی ہو تو اس میں خفت نہیں ہوتی جو تانیث کے ثقل کو کمزور کرے اس لئے غیر منصرف پڑھنا ضروری ہوتا ہے۔

---

[1] فھند یجوز صرفہ نظرا الی انتفاء شرط تحتم تاثیر التانیث المعنوی ای احد الامور الثلاثۃ ویجوز عدم صرفہ نظرا الی وجود السببین فیہ وزینب وسقر علما لطبقۃ من طبقات النار وماہ وجور علمین لبلدتین ممتنع صرفھا امازینب فللعلمیۃ والتانیث المعنوی مع شرط تحتم تاثیرہ وھو الزیادۃ علی الثلاثۃ وامّا سقر فللعلمیۃ والتانیث المعنوی مع شرط تحتم تاثیرہ وھو تحرک الاوسط وامّا ماہ وجور فللعلمیۃ والتانیث المعنوی مع شرط تحتم تاثیرہ وھو العجمۃ

ترجمہ: ـــــ (پس ہند کو منصرف پڑھنا جائز ہے) تانیث معنوی کے تحتم تاثیر کی شرط یعنی تینوں امور میں سے کسی ایک کے انتفاء کی طرف نظر کرتے ہوئے۔ اور اس کو غیر منصرف پڑھنا جائز ہے یہ نظر کرتے ہوئے کہ اس میں دو سبب موجود ہیں (اور زینب اور سقر) جہنم کے طبقوں میں سے کسی ایک طبقہ کے علم ہونے کی صورت میں (اور ماہ وجور) دو شہروں کے علم ہونے کی صورت میں (ممتنع ہے) ان کا منصرف پڑھنا لیکن زینب تو علمیت

Marfat.com

اور تانیث معنوی کی وجہ سے جو اپنے تحتم تاثیر کی شرط یعنی تین حروف پر زائد ہونے کے ساتھ ہے اور لیکن سقر تو علمیت اور تانیث معنوی کی وجہ سے جو اپنے تحتم تاثیر کی شرط یعنی تحرک اوسط کے ساتھ ہے اور لیکن ماہ وجور تو علمیت اور تانیث معنوی کی وجہ سے جو اپنے تحتم تاثیر کی شرط یعنی عجمہ کے ساتھ ہیں۔

تشریح: ـــــ بیانہ[1] فھندٌ۔ ہند پر فا برائے تفریع ہے اور یہ تفریع عدمی ہے اور زینب وسقر ماہ وجور تفریع وجودی اور تفریع عدمی کو تفریع وجودی پر اختصار کی وجہ سے مقدم کیا گیا ہے جس کا حاصل یہ کہ ہند میں وجوب تاثیر کی شرط یعنی تین حروف پر زائد ہونا اور تحرک حرف اوسط اور عجمی کے مفقود ہونے کی وجہ سے تانیث معنوی کمزور ہوگئی اسی وجہ سے وہ منصرف پڑھا جائیگا اور غیر منصرف بھی اس لئے کہ اس میں دو سبب موجود ہیں ایک علمیت اور دوسرا تانیث معنوی پس شرح میں نظراً دونوں جگہ یجوز کا مفعول لہٗ ہے۔ واضح ہو کہ ثلاثی ساکن الاوسط جو علم مذکر سے منقول ہو اور کسی مونث کا علم ہو۔ مثلاً زید تو خلیل وسیبویہ وابو حمزہ اس کو ماہ وجور کی طرح غیر منصرف پڑھتے ہیں اور ابو زید وموسیٰ وجری ہند کی طرح دونوں امر جائز قرار دیتے ہیں لیکن منصرف پڑھنے کو ترجیح دیتے ہیں کیونکہ وہ اصل ہے

قولہ[2] علماً لطبقۃ۔ زینب کا مؤنث معنوی ہونا چونکہ ظاہر تھا کہ وہ ایک عورت کا نام ہے اس لئے اس کی وضاحت نہ کی گئی اور سقر کے متعلق کہا گیا کہ وہ دوزخ کے پانچویں طبقہ کا نام ہے اور ماہ ایک شہر کا نام ہے اسی طرح جور بھی ایک شہر کا نام ہے سقر کی تفسیر طبقہ سے کرنے میں اس کی تانیث معنوی کی طرف اشارہ ہے اسی طرح ماہ وجور کی تفسیر بلد تین سے کرنے میں بھی تانیث معنوی کی طرف اشارہ ہے لیکن اگر انکی تفسیر مکان سے کی جائے تو ان کے اندر تانیث معنوی نہ ہوگی لیکن ناچیز کی رائے ہے کہ ماہ وجور اور سقر کو مذکر ہی سے تعبیر کیا جائے جو اصل ہے تاکہ ان کو اصل یعنی منصرف ہی پر برقرار رکھا جائے کیونکہ مؤنث سے تعبیر کرنے میں غیر منصرف ہونا لازم آتا ہے جو خلاف اصل ہے۔

واضح ہو کہ سقر دوزخ کے پانچویں درجہ کا نام ہے جس میں ستارہ پرست ڈالے جائیں گے پہلا درجہ کا نام ہاویہ ہے جس میں منافقین اور آل فرعون اور اصحاب مائدہ ڈالے جائیں گے اور دوسرے درجہ کا نام لظیٰ ہے جس میں مجوسی وابلیس اور اس کے متبعین ڈالے جائیں گے اور تیسرے درجہ کا نام حُطمہ ہے جس میں یہود رکھے جائیں گے اور چوتھے درجہ کا نام سعیر ہے جس میں نصاریٰ رکھے جائیں گے اور چھٹے درجہ کا نام جحیم ہے جس میں مشرکین رکھے جائیں گے اور ساتویں درجہ کا نام جہنم ہے جس میں سب سے ہلکا عذاب ہوگا اس میں امت مسلمہ کے گناہگار کچھ دنوں کے لئے رکھے جائیں گے

Marfat.com

قولہ صرفہا ۔ اس عبارت سے تین سوالوں کے جوابات دئے گئے ہیں ایک سوال یہ کہ زینب وسقر وماہ وجور مبتدا ہیں جن کی خبر ممتنع ہے حالانکہ خبر افراد وتعدد میں مبتدا کے موافق ہوتی ہے اور ظاہر ہے یہاں مبتدا متعدد ہے اور خبر منفرد دوسرا سوال یہ کہ خبر تذکیر وتانیث میں مبتدا کے موافق ہوتی ہے اور یہاں مبتدا مؤنث ہے اور خبر مذکر تیسرا سوال یہ کہ زینب وسقر وماہ وجور کو ممتنع کہا گیا ہے حالانکہ وہ موجود ہیں ۔ جواب تیسرے سوال کا یہ ہے کہ ممتنع کے بعد صرفہا محذوف ہے پس معنی ہوا زینب وسقر وماہ وجور کا منصرف ہونا ممتنع ہے جو بلاشبہ درست ہے اس سے اول دونوں سوالوں کا جواب بھی حل ہوگیا اول کا اس لئے کہ خبر صرف ممتنع نہیں بلکہ ممتنع صرفہا ہے جس کی ضمیر مجرور تعدد خبر پر دال ہے اور دوم کا اس لئے کہ خبر میں بھی تانیث ہے کیونکہ اس کی ضمیر ہا تانیث پر دال ہے۔

قولہ واما زینب ۔ تانیث معنوی کے تحتم تاثیر کے چونکہ تین امور مذکور ہوئے اس لئے اس پر تین مثالوں کو متفرع کیا گیا ہے ۔ زینب کو امر اول پر متفرع کیا گیا ہے کہ اس کے حروف تین پر زائد ہیں اور سقر کو امر دوم پر متفرع کیا گیا ہے کہ اس کا بیچ والا حرف متحرک ہے اور ماہ وجور کو امر سوم پر متفرع کیا گیا ہے کہ دونوں لغت عجم میں دو شہروں کے نام ہیں اور ماہ کے بعد جور کا ذکر امتیاز کے لئے ہے کہ ماہ سے یہاں مراد مہینہ نہیں بلکہ ایک مشہور شہر کا نام ہے ۔

فان سُمِّیَ بہٖ ای المونث المعنوی مُذکرٌ شرطہ فی سببیۃ منع الصرف الزیادۃ علی الثلاثۃ لان الحرف الرابع فی حکم تاء التانیث قائمٌ مقامہا

ترجمہ:— (پس اگر اس) یعنی مونث معنوی (کے ساتھ کسی مذکر کا نام رکھا جائے تو اس کی شرط) منع صرف کے سبب ہونے میں (اسم کا تین حرف پر زائد ہونا ہے) کیونکہ چوتھا حرف جو تاء تانیث کے حکم میں ہے اس کے قائم مقام ہے ۔

تشریح:— بیانہ فان سُمِّیَ بہٖ ۔ فا برائے عطف ہے معطوف علیہ ھذا اذا لم یسم بہ مذکرا محذوف ہے اور ضمیر مجرور کا مرجع مؤنث معنوی ہے جیسا کہ شرح میں بیان کیا گیا ہے ای المونث المعنوی ممکن ہے یہ اس وہم کا ازالہ بھی ہو کہ مونث لفظی بالتا کو بھی اگر کسی مذکر کا علم رکھ دیا جائے تو اس کی تانیث بھی زائل ہو جاتی ہے پس اس میں بھی غیر منصرف ہونے کے لئے تین حرف سے زائد ہونا ضروری ہے حاصل

Marfat.com

ازالہ یہ کہ یہ حکم صرف مؤنث معنوی کیساتھ خاص ہے کیونکہ مؤنث لفظی بالتاء کو اگر کسی مذکر کا علم رکھ دیا جائے تو اس کی تانیث زائل نہیں ہوتی بلکہ وہ برقرار رہتی ہے پس وہ بہرحال غیر منصرف کا سبب رہے گی خواہ مؤنث کا علم ہو جیسے سلمۃ یا مذکر کا علم ہو جیسے طلحۃ لیکن تانیث معنوی غیر منصرف کا سبب اس وقت ہوگی جب کہ وہ مؤنث کا علم ہو اور اگر مذکر کا علم ہو تو اس کی تانیث زائل ہو جاتی ہے اسی وجہ سے اس کے لئے ایک دوسری شرط ضروری ہوتی ہے کہ وہ تین حرف پر زائد ہو تاکہ چوتھا حرف تانیث کے قائم مقام ہو سکے بیانہ الزیادۃ علی الثلاثۃ۔ وجوب تاثیر کی تین صورتوں میں سے پہلی صورت کا اعتبار یہاں اس لئے کیا گیا کہ تین حرف پر زائد ہونا تاء تانیث کے قائم مقام ہوتا ہے پس اگر تحرک اوسط تار تانیث کے قائم مقام ہو تو قائم مقام کا قائم مقام ہونا لازم آئیگا اس لئے کہ تحرک اوسط قائم مقام ہے چوتھا حرف کا اور چوتھا حرف قائم مقام ہے تار تانیث کا اسی طرح عجمہ امر معنوی ہے جو لفظ میں ظاہر نہیں ہوتا پس وہ تار تانیث کے قائم مقام نہ ہو سکے گا۔ خیال رہے کہ اس کے علاوہ تین امور عدمی بھی ہیں جن کو طوالت کی وجہ سے چھوڑ دیا گیا ہے ایک یہ کہ وہ باعتبار اصل مذکر نہ ہو پس وہ مؤنث جو مذکر سے منقول ہو اگر مذکر کا نام رکھ دیا جائے تو منصرف ہی پڑھا جائیگا جیسے رباب کہ وہ ایک عورت کا نام ہے جو پہلے سحاب مذکر کے معنی میں تھا پس اگر اس کو کسی مرد کا نام رکھا جائے تو منصرف ہی پڑھا جائے گا حالانکہ وہ تین حرف پر زائد ہے دوسرا امر یہ کہ اس کی تانیث ایسی نہ ہو جو تاویل غیر لازم کا محتاج ہو جیسے رجال میں تانیث بمعنی جماعت مراد لینے پر ہے کہ بمعنی جماعت مراد لینا تاویل غیر ضروری ہے جبکہ جمع کا معنی ظاہر ہے۔ تیسرا یہ کہ باعتبار معنی جنسی اس کا استعمال مذکر میں غالب نہ ہو ہکذا علی حاشیۃ ملا عبدالغفور۔

قولہ لِاَنَّ الحَرفَ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مؤنث معنوی جب کسی مذکر کا نام رکھا جائے تو غیر منصرف ہونے کے لئے تین حرف پر زائد ہونے کی شرط کیوں ہے؟ جواب یہ کہ مذکر کا نام رکھنے پر تانیث معنوی زائل ہو جاتی ہے پس اسم اگر رباعی ہو تو چوتھا حرف تار تانیث کے قائم مقام ہوگا اور اگر خماسی ہو تو پانچواں حرف تار تانیث کے قائم مقام ہوگا کذا اللہ اسی کیونکہ کلام عرب میں تار تانیث ما فوق الثلاثہ ہے پس اسم ایک سبب تانیث حکمی اور دوسرا علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہوگا۔

فقدم وھو مونث معنوی سماعی باعتبار معناہ الجنسی اذا سمی بہ رجل منصرف لان التانیث الاصلی زال بالعلمیۃ للمذکر من غیر ان یقوم شیء مقامہ والعلمیۃ وحدھا لا تمنع الصرف

Marfat.com

وعقربُ وھُومونثٌ معنوِیٌّ سماعیٌّ باعتبارِ معناہُ الجنسیِّ اذا سُمِّیَ بہٖ رجلٌ ممتنعٌ صرفُھا لانہ وانِ زال التانیثُ وبعلیتہٖ للمذکرِ نَا لحرفُ الرابعُ قائمٌ مقامَہٗ

ترجمہ: ـــــ (پس قدمٌ) اور وہ اپنے معنیٰ جنسی کے اعتبار سے مؤنث معنوی سماعی ہے جب کہ اس سے کسی مرد کا نام رکھا جائے (منصرف ہے) اس لئے کہ تانیث اصلی مذکر کے علم ہونے کی وجہ سے زائد ہو چکی سوائے یہ کہ اس کی جگہ پر کسی کو قائم کیا جائے اور علمیت تنہا منصرف ہونے کو منع نہیں کرتی۔ (اور عقرب) اور وہ اپنے معنیٰ جنسی کے اعتبار سے مؤنث معنوی سماعی ہے جب کہ اس سے کسی مرد کا نام رکھا جائے (ممتنع ہے) اس کا منصرف پڑھنا۔ اور اگرچہ مذکر کے علم ہونے کی وجہ سے تانیث اصلی زائل ہو چکی ہے تاہم چوتھا حرف اس کے قائم مقام ہے۔

تشریح: ـــ بیانہ فقدمٌ۔ یہ تفریع ہے حکم مذکور پر کہ مؤنث معنوی کو اگر کسی مذکر کا نام رکھ دیا جائے تو غیر منصرف ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ تین حرف پر زائد ہو تاکہ اس کا چوتھا حرف تا تانیث کے قائم مقام ہو سکے پس قدمٌ منصرف ہوا کیونکہ وہ اپنے معنیٰ جنسی کے اعتبار سے اگرچہ مؤنث معنوی ہے لیکن اگر اس کو کسی مرد کا نام رکھ دیا جائے تو اس کی تانیث معنوی زائل ہو جاتی ہے اور تنہا علمیت غیر منصرف ہونے کے لئے کافی نہیں ہوتی۔ لیکن عقرب غیر منصرف ہے کیونکہ وہ اپنے معنیٰ جنسی کے اعتبار سے مؤنث معنوی ہے اور اگر اس کو کسی مرد کا نام رکھ دیا جائے تو اس کی تانیث معنوی اگرچہ زائل ہو جاتی ہے لیکن اس کا چوتھا حرف تا تانیث کے قائم مقام ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس میں دو سبب موجود ہوتے ہیں ایک علمیت اور دوسرا تانیث حکمی۔

قولہ باعتبار معناہُ۔ قدمٌ جو مؤنث معنوی ہے وہ اپنے معنیٰ جنسی یعنی کف پا میں مستعمل ہونے کی وجہ سے کیونکہ اہل عرب جب بھی اس کی صفت بیان کرتے یا ضمیر لاتے ہیں تو مؤنث کے ساتھ اسی طرح عقرب مؤنث معنوی ہے اپنے معنیٰ جنسی یعنی موذیہ من الموذیات میں مستعمل ہونے کی وجہ سے۔ پس معلوم ہوا کہ قدمٌ اور عقرب مؤنث معنوی مطلقاً نہیں بلکہ اپنے معنیٰ جنسی میں مستعمل ہونے کے اعتبار سے

بدلیلِ انہٗ اذا صُغّرَ قدمٌ ظھرَ التاءُ المقدرۃُ کما تقتضیہُ قاعدۃُ التصغیرِ فیقالُ قُدیمۃٌ بخلافِ عقربَ فانہٗ اذا صُغّرَ یقالُ عقیربٌ من غیرِ اظھارِ التاءِ لانّ الحرفَ الرابعَ قائمٌ مقامَہٗ

Marfat.com

نعقربُ اذا سُمّیَ بہٖ رجُلٌ امتنعَ صرفُہٗ للعلمیۃِ والتانیثِ الحکمیّ

ترجمہ: ـــــ اس دلیل سے کہ جب قدمٌ کی تصغیر کی جائے تو تاء مقدرہ ظاہر ہو جاتی ہے جیسا کہ قاعدۂ تصغیر اس کا مقتضی ہے پس قُدیمۃٌ کہا جائیگا برخلاف عقرب کہ جب اس کی تصغیر کی جائے تو عقیرب تاء کو ظاہر کئے بغیر کہا جاتا ہے کیونکہ چوتھا حرف اس کا قائم مقام ہے پس جب عقرب کیساتھ کسی مرد کا نام رکھا جائے تو علمیت اور تانیث حکمی کی وجہ سے اس کا منصرف پڑھنا روک دیا جائیگا۔

تشریح: ـــــ قولہ بدلیل انہٗ۔ اس عبارت سے گذشتہ ان دو دعوؤں کی دلیل دی گئی ہے جن میں سے ایک یہ کہ قدم میں حرف تانیث کے قائم مقام کوئی حرف نہیں۔ اور دوسرا دعویٰ یہ کہ عقرب میں حرف تانیث کے قائم مقام چوتھا حرف موجود ہے۔ دعویٰ اوّل کی دلیل یہ ہے کہ قدم میں تصغیر کے وقت قدیمۃٌ باظہار التاء کہتے ہیں پس اگر قائم مقام کوئی حرف ہوتا تو باظہار التاء نہ کہا جاتا کیونکہ اصل و نائب کا اجتماع درست نہیں اور دعویٰ دوم کی دلیل یہ ہے کہ تصغیر کے وقت عقرب میں عقیرب بغیر اظہار التاء کہتے ہیں پس اگر قائم مقام کوئی حرف نہ ہوتا تو باظہار التاء کہا جاتا اس لئے کہ بوقت تصغیر اصل و نائب دونوں کا خلو بھی درست نہیں۔

المُعرِفَۃُ ای التعریفُ لانّ سببَ منعِ الصرفِ ھُووصفُ التعریفِ لاذاتُ المعرفۃِ شرطُھَا ای شرطُ تاثیرِھا فی منعِ الصرفِ ان تکون علمیۃً ای کونُ ھذا النوعِ من جنسِ التعریفِ علیٰ انْ یکونَ الیاءُ مصدریۃً اَومنسوبۃً اِلَی العلمِ بانْ تکونَ حاصلۃً فی ضمنہٖ علیٰ ان یکونَ الیاءُ للنسبۃِ

ترجمہ: ـــــ (معرفہ) یعنی تعریف اس لئے کہ منع صرف کا سبب وصف تعریف ہے ذات معرفہ نہیں (اس کی شرط) یعنی منع صرف میں معرفہ کے مؤثر ہونے کی شرط (یہ ہے کہ علمیت ہو) یعنی اس نوع کا جنس تعریف سے ہونا اس بناء پر کہ یاء مصدری ہو یا منسوب ہو علم کی طرف اس طرح کہ وہ تعریف علم کے ضمن میں پائی جائے اس بناء پر کہ یاء نسبت کی ہو۔

تشریح: ـــــ قولہ ای التعریف۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ معرفہ اس اسم کو کہتے ہیں جو معین چیز پر

Marfat.com

دلالت کرے وہ مصدر نہیں حالانکہ غیر منصرف کے اسباب مصادر ہوتے ہیں جیسے عدل وتانیث وترکیب وغیرہ جواب یہ کہ معرفہ سے یہاں مجازاً تعریف مراد ہے جواز قبیل اطلاق محل وارادۂ حال ہے۔ تعریف کو یہاں اس لئے بیان نہیں کیا گیا کہ تفصیل اجمال کے موافق ہو جائے۔ اور اجمال میں معرفہ کو اس لئے بیان کیا گیا کہ وزن شعر میں خلل نہ پڑ جائے جیسا کہ تقطیع سے بخوبی ظاہر ہے اور اس لئے بھی کہ علمیت کے تحت معرفہ ہونا ظاہر ہے لیکن تحت تعریف ہونا نہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ معرفہ سے پہلے مضاف مقدر ہے یعنی تعریف المعرفۃ خیال نہ ہے کہ وصف کی اضافت جو یہاں تعریف کی طرف کی گئی ہے اضافت بیانیہ ہے جس طرح ذات کی اضافت معرفہ کی طرف اضافت بیانیہ ہے۔

قولہ[۲] ای شرط۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ اسم معرفہ کے لئے علمیت کی شرط درست نہیں اس لئے کہ وہ علمیت کے بغیر بھی پایا جاتا ہے جیسے الرجل میں جواب یہ کہ علمیت وجود تعریف کے لئے شرط نہیں بلکہ غیر منصرف کا سبب ہونے کے لئے ہے۔

قولہ[۳] ای کون ھذا النوع۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تکون فعل ناقص کا اسم ضمیر مستتر ھی ہے جس کا مرجع المعرفۃ ہے اور المعرفۃ سے مراد التعریف ہے جو مصدر ہے اور خبر علمیۃ ہے جو مصدر ہے اور فعل ناقص کی خبر اس کے اسم پر محمول ہوتی ہے پس علمیۃ کا حمل التعریف مصدر پر ہونا چاہئے حالانکہ نہیں ہوتا کیونکہ ایک مصدر کا حمل دوسرے مصدر پر صحیح ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ دونوں مترادف ہوں جیسے القعودُ جلوسٌ اور ظاہر ہے التعریف مصدر ہے اور علمیت مصدر باہم مترادف نہیں جواب یہ کہ حمل صحیح ہونے کے لئے دونوں مصدر کا مترادف ہونا ضروری ہے یا یہ کہ ایک مصدر عام ہو اور دوسرا خاص ہو جیسے الوجود وجود زید یا وجودُ زیدٍ وجودٌ اور ظاہر ہے تعریف مصدر علمیۃ مصدر سے عام ہے کیونکہ علمیت قسم ہے اور تعریف مقسم جو علمیت کے علاوہ دوسرے چھ قسموں کو بھی شامل ہے لہذا تعریف مصدر علمیت مصدر سے عام ہوئی پس معنی یہ ہوا کہ وہ تعریف علمیت ہو جو جنس تعریف کی نوع ہے یا یہ کہ علمیۃ بھی یاء مصدری نہیں بلکہ یاء نسبت ہے معنی یہ ہوا کہ وہ تعریف علم کی طرف منسوب ہو اس طرح کہ وہ تعریف علم کے ضمن میں پائی جائے۔

---

[۱] وانّما جُعِلتْ مشروطۃً بالعلمیۃِ لانّ تعریفَ المضمراتِ والمبھماتِ لایُوجدُ الا فی المبنیاتِ ومنعِ الصرفِ من احکامِ المعرباتِ والتعریفُ باللامِ اَوِ الاضافۃِ یجعلُ غیرَ المنصرفِ منصرفًا کما سیجیٔ فلا یتصوّرُ کونُہٗ سببًا لمنعِ الصرفِ فلم یبقَ الا التعریفُ العلَمیُّ

Marfat.com

ترجمہ: ـــــ اور معرفہ کو علمیت کیساتھ اس لئے مشروط کیا گیا کہ تعریف مضمرات ومبہمات صرف مبنیات ہی میں پائی جاتی ہے اور غیر منصرف ہونا احکام معربات سے ہے اور تعریف باللام یا بالاضافۃ غیر منصرف منصرف کر دیتی ہے جیسا کہ اس کا بیان عنقریب آئیگا پس اس کو غیر منصرف کا سبب ہونا متصور نہیں ہوتا پس صرف تعریف علمی ہی باقی رہی۔

تشریح: ـــــ قولہ انما جعلت : یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تعریف کو غیر منصرف کا سبب ماننے کے لئے علمیت کی شرط کیوں ہے؟ جواب یہ کہ معرفہ کی سات قسمیں ہیں (۱) مضمرات (۲) موصولات (۳) اسماء اشارات (۴) مضاف (۵) معرف باللام (۶) منادی (۷) تعریف علمی۔ پہلی تینوں قسم مبنی ہیں چوتھی اور پانچویں قسم مضاف اور معرف باللام غیر منصرف کو منصرف یا اس کے حکم میں کر دیتی ہیں چھٹی قسم منادی اگر مفرد معرفہ ہے تو وہ مبنی ہوگا جو غیر منصرف میں نہیں پایا جاتا اور اگر مضاف یا مشابہ مضاف ہے تو وہ بھی غیر منصرف کا سبب نہ بن سکے گی رہ گئی صرف آخری قسم تعریف علمی اس لئے اس کو غیر منصرف کا سبب ہونے کے لئے علمیت کی شرط لگائی جاتی ہے واضح ہو کہ علم سے یہاں مراد عام ہے کہ علم شخصی ہو جیسے طلحۃ یا علم جنسی ہو جیسے اُسامہ۔

وانما جُعِلَ المعرفۃُ سببًا والعلمیۃُ شرطُھا ولم یُجعَل العلمیۃُ سببًا کما جعل البغضُ لانَّ فرعیّۃَ التعریفِ للتنکیرِ اَظھرُ من فرعیّۃِ العلمیۃِ لہٗ

ترجمہ: ـــــ اور معرفہ کو سبب بنایا گیا اور علمیت کو اس کی شرط اور علمیت کو سبب نہیں بنایا گیا جیسا کہ بعض نحوی یعنی علامہ زمخشری نے علمیت کو سبب بنایا ہے کیونکہ تعریف کا تنکیر کی فرع ہونا علمیت کا تنکیر کی فرع ہونے سے زیادہ ظاہر ہے۔

تشریح: ـــــ قولہ انما جُعل المعرفۃ ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ معرفہ کو سبب اور علمیت کو اس کی شرط ماننے میں تطویل ہے اگر علمیت کو سبب مانتے تو اختصار ہوتا جیسا کہ علامہ زمخشری صاحب مفصل نے علمیت کو سبب مانا ہے۔ جواب یہ کہ غیر منصرف کے سبب ہونے کا مدار فرع ہونے اور تعریف کا تنکیر کی فرع ہونا زیادہ ظاہر ہے علمیت کی فرع ہونے سے کیونکہ تنکیر کے مقابل تعریف بولا جاتا ہے علمیت نہیں اور ماتن علمیت کو سبب غالباً علامہ زمخشری کے مسلک پر کہا گیا ہے یا بطور مجاز

Marfat.com

ہے کہ علمیت سے تعریف علمی مراد ہے از قبیل اطلاق ملزوم وارادۂ لازم

العجمۃ وھی کون اللفظ مما وضعہ غیر العرب ولتاثیرھا فی منع الصرف شرطان شرطھا الاول ان تکون علمیۃ ای منسوبۃ الی العلم فی اللغۃ العجمیۃ بان تکون متحققۃ فی ضمن العلم فی العجم حقیقۃ کابراھیم او حکما بان ینقلہ العرب من لغۃ العجم الی العلمیۃ من غیر تصرف فیہ قبل النقل کقالون فانہ کان فی العجم اسم جنس سمی بہ احد رواۃ القراءۃ لجودۃ قراءتہ قبل ان یتصرف فیہ العرب فکانہ کان علما فی العجمۃ

ترجمہ: ـــــ (عجمہ) اور وہ لفظ کا اس میں سے ہونا ہے جس کو غیر عرب نے وضع کیا ہے اور عجمہ کا غیر منصرف میں موثر ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں (اس کی شرط) اول (یہ ہے کہ علمیت ہو) یعنی منسوب ہو علم کی طرف لغت (عجمیہ میں) اس طرح سے کہ وہ عجم میں علم کے ضمن میں حقیقۃً متحقق ہو جیسے ابراہیم یا حکماً متحقق ہو اس طرح سے کہ عرب نے اس کو لغت عجم سے علمیت کی طرف نقل کیا ہے۔ نقل سے پہلے اس میں تصرف کئے بغیر جیسے قالون کہ وہ عجم میں اسم جنس تھا اس کو عرب کے تصرف کرنے سے پہلے جودت وعمدگی قرأت کی وجہ سے روایت کرنے والے قاریوں میں سے ایک قاری کا نام رکھ دیا گیا گویا وہ لغت عجمیہ ہی میں علم تھا

تشریح: ـــــ قولہ وھی کون اللفظ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ لغت میں عجمہ کا معنی ہے لکنت اور یہ زبان کی صفت ہے حالانکہ غیر منصرف کے اسباب لفظ کے صفات سے ہیں۔ جواب یہ کہ عجمہ کا یہاں لغوی معنی نہیں بلکہ اصطلاحی معنی مراد ہے اور وہ یہ ہے کہ لفظ کا اس میں سے ہونا ہے جس کو غیر عرب نے وضع کیا ہے، واضح ہو کہ اسماء عجمیہ کے اوزان سے متعلق بعض علماء کا خیال ہے کہ وہ موزوں ہوتے ہیں لیکن یہ ظاہر کے خلاف ہے اور بعض علماء کا خیال ہے کہ وہ موزوں نہیں ہوتے کیونکہ وزن اصل وزائد پر موقوف ہے اور وہ اشتقاق سے جانا جا سکتا ہے اور ظاہر ہے اسماء عجمیہ میں اشتقاق نہیں ہوتا۔ البتہ اس کو دریافت کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ ان کے صیغے کلام عرب کے صیغے کے مغایر ہوتے ہیں دوسرا طریقہ یہ کہ صاد اور جیم ایک کلمہ میں جمع ہوتے ہیں جیسے صیروج تیسرا طریقہ یہ کہ راء نون کے تابع ہوتی ہے جیسے نرجس یا راء معجمہ دال مہملہ کے تابع ہوتی ہے جیسے مبدز

قولہ ولتاثیر۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ عجمہ علمیت کے بغیر ہی پایا جاتا ہے جیسے لجام

Marfat.com

جواب یہ کہ علمیت کی شرط عجمہ کے وجود کے لئے نہیں بلکہ اس کو غیر منصرف کا سبب ہونے کے لئے ہے

قولہ ای منسوبۃ الی العلم ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ متن میں تکون فعل ناقص کی ضمیر مستتر یعنی ھی اسم ہے جس کا مرجع العجمۃ مصدر ہے اور اس کی خبر علمیۃ مصدر ہے جس کا حمل اسم پر درست نہیں کیونکہ دونوں مصدر باہم مترادف نہیں نہ دونوں میں عموم وخصوص کی نسبت ہے کیونکہ علمیۃ عجمہ کی نوع نہیں جس طرح وہ تعریف کی نوع ہے ۔ جواب یہ کہ علمیت مصدر نہیں بلکہ اسم منسوب ہے جس میں یاء نسبت کی ہے پس معنی یہ ہوا کہ علمیۃ عجمی لغت میں علم کی طرف منسوب ہوا اس طرح کہ عجمی لغت میں وہ عجمہ علم کے ضمن میں پایا جائے ۔

قولہ اللغۃ ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ العجمۃ اسم منسوب ہے جو ہمیشہ صفت واقع ہوتا ہے پس یہاں اس کا موصوف کیا ہے ؟ جواب یہ کہ اس کا موصوف اللغۃ ہے جو عبارت میں محذوف ہے

قولہ بان تکون ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ عجمہ کو غیر منصرف کا سبب ماننے کے لئے اگر عجمی زبان میں علم ہونا شرط ہے تو لفظ قالون کو غیر منصرف نہ ہونا چاہئے کیونکہ قالون لفظ عجمی ہے جو رومی زبان میں عمدہ چیز کو کہا جاتا ہے پس وہ عجمی زبان میں علم نہیں نکرہ ہوا پھر اہل عرب سے امام نافع نے اپنی راوی عیسیٰ کا نام ان کے جودت قراءت کی وجہ سے قالون رکھدیا پس قالون زبان عربی میں علم ہوا تو اس میں صرف ایک سبب علمیت ہوا اور بس کیونکہ عجمہ کی شرط مفقود ہے کہ وہ عجمی زبان میں علم نہیں ۔ جواب یہ کہ عجمی زبان میں علمیت کی شرط ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ عجمی زبان میں علمیت حقیقۃً ہو یا حکماً ۔ حقیقۃً کا مطلب یہ کہ وہ عجمی زبان میں واقعۃً علم ہو جیسے ابراہیم کہ وہ لفظ عجمی زبان میں علم ہو کر ہی مستعمل ہے اور حکماً کا مطلب یہ کہ عربی زبان میں علم بنائے جانے سے پہلے کسی دوسرے معنی کے لئے عربی زبان میں مستعمل نہ ہوا ہو جیسے قالون کہ وہ عربی زبان میں ابتداءً علم ہی مستعمل ہوا ہے اور علم بنائے جانے سے پہلے عربی زبان میں کسی دوسرے معنی کے لئے مستعمل نہیں ہوا ہے ۔

وَاِنَّمَا جُعِلَتْ شَرْطًا لِئَلَّا يَتَصَرَّفَ فِيهَا الْعَرَبُ مِثْلَ تَصَرُّفَاتِهِمْ فِي كَلَامِهِمْ فَتَضْعُفُ فِيهِ الْعُجْمَةُ فَلَا تَصْلُحُ سَبَبًا لِمَنْعِ الصَّرْفِ فَعَلَى هٰذَا الْوُرْقِيُّ بِمِثْلِ لَجَامٍ لَا يَمْتَنِعُ صَرْفُهُ لِعَدَمِ عَلَمِيَّتِهِ فِي الْعُجْمَةِ

Marfat.com

ترجمہ: ـــــ اور علمیت کو شرط اس لئے بنایا گیا تاکہ عرب اس میں تصرف نہ کر سکے جیسے وہ لوگ اپنے کلام میں تصرفات کرتے ہیں اس میں عجمہ ضعیف ہو جائیگا پس غیر منصرف کے سبب ہونے کی صلاحیت نہ رکھ سکے گا۔ تو اس تقدیر پر لجام کی مثل کو اگر کسی کا نام رکھ دیا جائے تو وہ غیر منصرف نہ ہوگا کیونکہ لغت عجم میں علمیت نہیں

تشریح: ـــــ قولہ وانما جُعلت ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ عجمہ میں علمیت کی شرط کیوں ہے؟ جواب یہ کہ غیر منصرف کے سبب ہونے کا مدار ثقل پر ہے اور اسم اگر لغت عجم میں علم ہو تو اہل عرب اس میں تصرف کرنے لگیں گے جس سے اس کا ثقل زائل ہو جائے گا پس عجمہ کا سبب ہونا کمزور ہو جائیگا اور عجمہ اہل عرب کے نزدیک ثقیل ہے پس اگر وہ لغت عجم ہی میں علم ہو تو اس کا ثقل برقرار رہے گا کیونکہ اعلام بقدر امکان تغیر سے محفوظ ہوتے ہیں پس لجام منصرف ہوا کیونکہ وہ لغت عجم میں علم نہیں بلکہ لگام کے معنی میں مستعمل ہے

وَشَرْطُهَا الثَّانِي اَحَدُ الْاَمْرَيْنِ تَحَرُّكُ الْحَرْفِ الْاَوْسَطِ اَوِ الزِّيَادَةُ عَلَى الثَّلَاثَةِ اَيْ عَلٰى ثَلَاثَةِ اَحْرُفٍ لِئَلَّا يُعَارِضَ الْخِفَّةَ اَحَدُ السَّبَبَيْنِ فَنُوحٌ مُنْصَرِفٌ هٰذَا تَفْرِيعٌ بِالنَّظَرِ اِلَى الشَّرْطِ الثَّانِي فَانْصِرَافُ نُوحٍ اِنَّمَا هُوَ لِانْتِفَاءِ الشَّرْطِ الثَّانِي

ترجمہ: ـــــ اور عجمہ کی دوسری شرط دو امروں میں سے ایک ہے حرف اوسط کا متحرک ہونا یا تین پر (یعنی تین حرف پر) زیادہ ہونا) تاکہ خفت ان دو سببوں میں سے کسی ایک کے معارض نہ ہو جائے (پس نوح منصرف ہوا) یہ تفریع ہے شرط ثانی کے لحاظ سے پس نوح کا منصرف ہونا محض شرط ثانی کے انتفاء کی وجہ سے ہے۔

تشریح: ـــــ قولہ الحرف ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ الاوسط ہمیشہ صفت واقع ہوتا ہے پس اس کا موصوف یہاں کیا ہے؟ جواب یہ کہ موصوف الحرف ہے جو عبارت میں محذوف ہے خیال رہے کہ امر ثانی پر سب کا اتفاق لیکن امر اول کا اکثر نحات بالخصوص سیبویہ نے کوئی اعتبار نہیں کیا ہے۔

قولہ اَیْ عَلٰی ثَلَاثَةِ ۔ اس عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ متن میں ثلاثۃ پر الف لام مضاف الیہ یعنی اَحْرُفٍ کے عوض ہے اور لئلا یعارض الخ سے جواب ہے اس سوال کا کہ عجمہ کے لئے متحرک الاوسط ہونے یا تین حرف پر زائد ہونے کی شرط کیوں ہے؟ جواب یہ کہ ساکن الاوسط ہونا یا تین حرفی ہونا خفیف ہے کہ اس

Marfat.com

کی خفت غیر منصرف کے دو سببوں میں سے کسی ایک سبب عجمہ یا علمیت کے ثقل کے معارض ہو جاتی ہے پس اس کا غیر منصرف پڑھنا ضروری نہیں ہوتا۔

قولہ ھذا التفریع :- عجمہ کو غیر منصرف کا سبب ماننے کے لئے دوسری شرط یہ ہے کہ تین حرفی متحرک الاوسط ہو یا تین حرف پر زائد ہو اول جیسے شَتَر دوم جیسے ابراہیم پس یہ دونوں غیر منصرف ہیں لیکن نوح منصرف ہے کیونکہ وہ نہ متحرک الاوسط ہے اور نہ تین حرف پر زائد ہے۔ یہ تفریع عدمی ہے اور اول دونوں تفریع وجودی لیکن تفریع عدمی کو اس لئے مقدم کیا گیا کہ وہ بمنزلہ مفرد ہے اور تفریع وجودی بمنزلہ مرکب کہ وہ دوام پر متفرع ہے ظاہر ہے مفرد طبعاً مرکب پر مقدم ہوتا ہے

وھذا اختیار المصنف لان العجمۃ سبب ضعیف لانہ امر معنوی فلا یجوز اعتبارھا مع سکون الاوسط وامّا التانیث فان لہ علامۃ مقدرۃ تظھر فی بعض التصرفات فلہ نوع قوۃ فجاز ان یعتبر مع سکون الاوسط وان لا یعتبر

ترجمہ: ـــــ اور یہی مصنف کا مختار مذہب ہے کیونکہ عجمہ سبب ضعیف ہے اس لئے کہ عجمہ امر معنوی ہے پس اس کا اعتبار سکون اوسط کیساتھ جائز نہیں اور لیکن تانیث معنوی تو اس کے لئے ایک علامت مقدرہ ہے جو بعض تصرفات مثلاً تصغیر میں ظاہر ہوتی ہے پس تانیث کے لئے ایک قسم کی قوت ہے جس کا سکون اوسط کے ساتھ اعتبار کرنا اور نہ کرنا دونوں جائز ہے۔

تشریح: ـــــ قولہ وھذا اختیار۔ یعنی نوح کا منصرف ہونا مصنف کے نزدیک ہے کیونکہ علامہ زمخشری کا خیال ہے کہ عجمہ کے لئے عجمی زبان میں علم ہونا حقیقۃً یا حکماً شرط جواز ہے اور متحرک الاوسط ہونا یا تین حرف پر زائد ہونا شرط وجوب ہے پس اس تقدیر پر نوح کو ہند کی طرح منصرف و غیر منصرف دونوں طرح پڑھنا جائز ہے عجمہ کو مصنف سکون اوسط کیساتھ موثر نہیں مانتے کیونکہ وہ سبب ضعیف ہے اس لئے کہ وہ امر معنوی ہے جس کے لئے امر لفظی درکار ہے وہ آیا متحرک الاوسط ہوگا یا تین حرفی سے زائد اور نوح میں دونوں ہی مفقود ہیں اور صحیح بھی یہی ہے کہ وہ اگر غیر منصرف ہوتا تو اہل عرب اس کو غیر منصرف استعمال کرتے حالانکہ ایسا دیکھا نہیں گیا ہے اور یہ اس ضابطہ کے خلاف بھی ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام کے اسماء مبارکہ کے منصرف و غیر منصرف کے متعلق مروی ہے اور نوح کو ہند پر قیاس کرنا درست نہیں ہے اس لئے کہ ہند میں عجمہ کے علاوہ تانیث معنوی بھی

Marfat.com

ہے جو عجمہ کی تاثیر میں مزید قوت بخشتی ہے اور یہ نوح میں مفقود ہے۔

قولہ لانہ امر معنوی۔ اس کی ضمیر منصوب کا مرجع عجمہ ہے اس کو مذکر اس لئے لایا گیا ہے کہ اس کی خبر امر معنوی مذکر ہے۔ قاعدہ ہے کہ اَلضمیرُ اذا دار بین المرجع والخبر فرعایۃُ الخبرِ اولیٰ یعنی خبر جب مذکر ہو تو ضمیر کو بھی مذکر لانا اولیٰ ہے اور اگر خبر مؤنث ہو تو ضمیر کو بھی مؤنث لانا اولیٰ ہے خواہ مرجع کچھ بھی ہو حاصل یہ کہ عجمہ ایک ایسا وصف ہے جس کی کوئی علامت کسی حال میں ظاہر نہیں ہوتی لیکن تانیث معنوی وہ وصف ہے جس کی علامت کبھی ظاہر ہوتی ہے جیسے تصغیر کے وقت اور کبھی اس کے قائم مقام کوئی حرف ہوتا ہے جیسے رباعی میں چوتھا حرف اسی وجہ سے ثلاثی ساکن الاوسط کی خفت عجمہ کے ثقل کو بالکلیہ زائل کر دیتی ہے لیکن تانیث معنوی کے ثقل کو بالکلیہ زائل نہیں کرتی اول جیسے نوح کہ اس کو منصرف پڑھنا ضروری ہے اور دوم جیسے ہند کہ اس کو منصرف و غیر منصرف پڑھنا دونوں طرح جائز ہے

فَاِنْ قُلْتَ قَدِ اعْتَبَرْتَ الْعُجْمَةَ فِی مَاهَ وَجُوَرَ مَعَ سُکُوْنِ الْاَوْسَطِ فَمَا سَبَبُ فَلِمَ لَمْ تَعْتَبِرْهَا هُنَا قُلْنَا اِعْتِبَارُهَا فِیْمَا سَبَقَ اِنَّمَا هُوَ لِتَقْوِیَةِ سَبَبَیْنِ آخَرَیْنِ لِئَلَّا یُقَاوِمَ سُکُوْنُ الْاَوْسَطِ اَحَدَهُمَا فَلَا یَلْزَمُ مِنْ اِعْتِبَارِهَا لِتَقْوِیَةِ سَبَبٍ آخَرَ اِعْتِبَارُهَا بِالْاِسْتِقْلَالِ

ترجمہ: ــــ پس اگر آپ سوال کریں کہ ماقبل میں آپ نے ماہ وجور میں عجمہ کا اعتبار سکون اوسط کے ساتھ کیا تو یہاں نوح میں آپ نے عجمہ کا اعتبار کیوں نہیں ؟ تو ہم جواب دیں گے کہ ماقبل میں عجمہ کا اعتبار دوسرے سبب کو محض قوت دینے کے لئے تھا تاکہ سکون اوسط ان دو سببوں میں سے کسی ایک کے معارض نہ ہو جائے پس دوسرے سبب کو قوت دینے کے لئے عجمہ کا اعتبار کرنے سے اس کو مستقل سبب ہونے کا اعتبار کرنا لازم نہیں آتا

تشریح: ــــ قولہ فان قلت :۔ اس عبارت سے گذشتہ تقریر پر سوال پھر اس کا جواب دیا گیا ہے سوال کا خلاصہ یہ کہ ماہ اور جور ثلاثی ساکن الاوسط ہیں جن کے اندر بحث تانیث میں عجمہ کا اعتبار کیا گیا تو یہاں نوح میں عجمہ کا اعتبار کیوں نہیں کیا گیا ؟ جواب کا خلاصہ یہ کہ بحث تانیث میں عجمہ کا اعتبار دوسرے سبب کو قوت دینے کے لئے تھا تاکہ سکون اوسط اس کا معارض نہ ہو جائے اور یہاں اس کا اعتبار مستقل ہونے کے لئے ہے یا یہ کہئے کہ ماقبل میں عجمہ تانیث معنوی کی شرط ہے اس لئے سکون اوسط کے باوجود ماہ وجور میں عجمہ کا اعتبار کیا گیا اور یہاں نوح میں عجمہ سبب ہے اس لئے سکون اوسط کی وجہ سے یہیں عجمہ کا اعتبار نہیں کیا گیا کہ وہ سبب

Marfat.com

ضعیف ہو گیا ہے۔

وَشتر وھو[1] اسمُ حصنٍ بدیار بکرٍ وابراھیمُ ممتنعٌ صرفھما[2] لوجود الشرطِ الثانی فیھما فانّ فی شتر تحرکَ الاوسطِ وفی ابراھیم الزیادۃ علی الثلاثۃ وانما خصّ التفریعُ بالشرطِ الثانی لانّ غرضَہ التنبیہُ علی ماھو الحقُ عندہٗ من انصرافِ نحو نوحٍ ولھذا قُدِّمَ انصرافُہٗ مع انّہٗ متفرعٌ علی انتفاء الشرطِ الثانی والاولیٰ تقدیمُ ماھو متفرّعٌ علی وجودہٖ کما لا یخفیٰ

ترجمہ: ـــــ (اور شتر) اور وہ دیار بکر میں ایک قلعہ کا نام ہے (اور ابراہیم کا) منصرف ہونا (ممتنع ہے) کیونکہ ان دونوں میں دوسری شرط پائی جاتی ہے اس لئے کہ شتر میں تحرک اوسط ہے اور ابراہیم میں تین حرف پر زائد ہونا ہے اور تفریع کو دوسری شرط کیساتھ اس لئے خاص کیا گیا کہ مصنف کا مقصود نوح کی مثل کو منصرف ہونے پر تنبیہ کرنا ہے جو ان کے نزدیک حق ہے اسی وجہ سے نوح کے منصرف ہونے کو پہلے بیان کیا باوجودیکہ وہ متفرع ہے دوسری شرط کے انتفاء پر حالانکہ اولیٰ اس کا مقدم کرنا تھا جو دوسری شرط کے وجود پر متفرع ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔

تشریح: ـــــ قولہ[1] وھو اسمُ حصنٍ۔ دیار بکر نام ہے ایک شہر کا جس کے قلعہ کو شتر کہا جاتا ہے اور شتر کی تفسیر حصن مذکر سے کی گئی جب کہ قلعہ مونث سے بھی کی جا سکتی ہے اس کی وجہ غالباً اس وہم کا ازالہ کرنا ہے کہ شتر غیر منصرف علمیت و تانیث کی وجہ سے ہے حاصل ازالہ یہ کہ وہ غیر منصرف علمیت و عجمہ کی وجہ سے ہے کیونکہ وہ ہمیشہ مذکر ہی استعمال کیا جاتا ہے اور اس کی طرف مذکر کی ضمیر لوٹائی جاتی ہے کما قال علی حاشیۃ ملا عبد الغفور۔

قولہ[2] صرفھما۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ شتر و ابراہیم مبتدا متعدد ہیں جن کی خبر ممتنع منفرد ہے حالانکہ خبر مبتدا کے موافق ہوتی ہے جواب یہ کہ ممتنعٌ کے بعد صرفھما عبارت میں محذوف ہے اس کی ضمیر تثنیہ شتر و ابراہیم کی طرف راجع ہے۔

قولہ[3] وانما خصّ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ عجمہ کی دوسری شرط منتفی ہونے کی وجہ سے نوح کا منصرف ہونا متفرع ہے اور دونوں شرط پائے جانیکی وجہ سے شتر اور ابراہیم کا غیر منصرف ہونا متفرع ہے تو جو عدم پر متفرع ہے اس کو کیوں مقدم کیا گیا؟ جب کہ وجود پر متفرع کو تقدم حاصل ہے جواب یہ کہ دوسری

Marfat.com

شرط کا امر ثانی متفق علیہ ہے لیکن امر اول کو بعض لوگ مانتے ہیں اور بعض لوگ انکار کرتے ہیں اور مصنف کے نزدیک چونکہ اول مختار ہے اس لئے انہوں نے اس کے حق ہونے پر تنبیہ کرنے کے لئے اس کی تفریع کو مقدم کیا گیا جب کہ اس کی تفریع عدم پر ہے۔

وَاعْلَمْ اَنَّ اسماءَ الانبیاءِ علیہم السَّلامُ ممتنعةٌ عن الصرفِ الّا ستةٌ محمدٌ وصالحٌ وشعیبٌ وھودٌ لکونھا عربیةً ونوحٌ ولوطٌ لخفتھما وقیلَ اَنَّ ھودًا کنوحٍ لانّہ سیویہ قرنہ معہ ویؤیّدہ مایقالُ من اَنَّ العربَ من وُلدِ اسماعیلَ ومَن کانَ قبل ذلکَ لیسَ بعربیٍّ وھودٌ قبلَ اسماعیلَ فیمایذکرُ فکانَ کنوحٍ

ترجمہ: ـــــ اور معلوم کیجئے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اسماء مبارکہ چھ کے علاوہ سب غیر منصرف ہیں چھ میں سے چار یعنی محمد وصالح وشعیب وہود منصرف اس لئے ہیں کہ وہ عربی ہیں اور دو یعنی نوح ولوط منصرف اس لئے ہیں کہ وہ خفیف ہیں اور بعض کا قول ہے کہ ہود، نوح کی طرح ہے کیونکہ سیبویہ نے ہود کو نوح کیساتھ ملایا ہے اور اس کی تائید وہ قول کرتا ہے جو کہا گیا کہ عرب سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہے اور جو ان سے پہلے ہے وہ عربی نہیں اور تواریخ میں مذکور ہے کہ حضرت ہود حضرت اسماعیل سے پہلے ہیں پس ہود نوح کی مثل ہوا۔

تشریح: ـــــ قولہ واعلم ان ۔ اعلم کا استعمال تین مقاموں پر ہوتا ہے جیسا کہ شروع کتاب میں گذرا اور یہاں اس سوال کے جواب کے لئے آیا ہے کہ نوح اور ابراہیم دونوں انبیاء کرام علیہم السلام کے اسماء حسنہ ہیں اور گذشتہ تقریر سے معلوم ہوا کہ نوح منصرف ہے اور ابراہیم غیر منصرف لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ ان دو کے علاوہ کتنے اسماء مبارکہ منصرف ہیں اور کتنے غیر منصرف ؟۔ شارح نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ انبیاء کرام کے کل اسماء طیبہ غیر منصرف ہیں لیکن ان میں سے چھ منصرف ہیں اور وہ یہ ہیں۔ محمد۔ صالح۔ شعیب۔ ہود۔ نوح۔ لوط۔ پہلا چار اس لئے منصرف ہیں کہ وہ عربی ہیں عجمی نہیں اور صرف ایک سبب علمیت غیر منصرف ہونے کے لئے کافی نہیں اور اخیر دونوں اس لئے منصرف ہیں کہ وہ اگرچہ عجمی ہیں لیکن عجمہ کی شرط تحرک اوسط مفقود ہے اس لئے ان دونوں میں بھی صرف ایک سبب علمیت رہی جو غیر منصرف ہونے کے لئے کافی نہیں۔ یہ شعر میں اس طرح مرقوم ہے ۔ گر ہمی خواہی کہ دانی اسم ہر پیغمبری + تا کدام است اے برادر نزد نحوی منصرف ۔ صالح وہود و محمد با شعیب

Marfat.com

ونوح ولوط + منصرف داں ؛ یں ہمہ باقی ہمہ لاینصرف ۔

قولہ لانہ سیبویہ ۔ نوح بالاتفاق منصرف ہے لیکن ہود کو بعض نے نوح کی مثل منصرف ہونے کا قول کیا ہے وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ سیبویہ نے ہود کو نوح کیساتھ اس طرح ملایا ہے محمد وصالح و شعیب ونوح وہود ولوط ۔ ہود کو نوح کیساتھ ملایا گیا ہے شعیب کیساتھ نہیں جس سے پتہ چلا کہ ہود نوح کی مثل ہے یعنی نوح کی طرح ہود بھی عجمی ہے اگر وہ عربی ہوتا تو شعیب کے ساتھ ملایا جاتا کہ وہ بھی عربی ہے اس کی تائید اس طرح بھی ہوتی ہے کہ عرب اولاد اسماعیل سے ہے پس جس کا زمانہ ان کے زمانہ سے قبل کا ہے وہ عربی نہ ہوا اور ظاہر ہے حضرت ہود کا زمانہ حضرت اسماعیل کے زمانہ سے قبل کا ہے لہذا ہود، نوح کی مثل عجمی ہوا ۔ خیال رہے کہ ذلک کا مشار الیہ حضرت اسماعیل میں انکی اولاد نہیں پس اس تقدیر پر حضرت اسماعیل عربی ہوں گے یا وہ عربی اصل قریب کی وجہ سے ہیں ۔ یہ اختلاف علماء کے درمیان ہے کہ حضرت اسماعیل عربی ہیں یا عجمی اس کی وجہ یہ روایت ہے کہ حضرت اسماعیل کے پاس دنیا میں جنت سے ایک حور آیا جن سے آپ نے نکاح فرمایا اولادیں ہوئیں اور ارباب جنت چونکہ عربی داں ہوتے ہیں اس لئے ان سے حضرت اسماعیل اور انکی اولاد نے عربی سیکھا اور بعض کا خیال ہے کہ جنت سے حور ضرور آیا لیکن انہوں نے ان سے عربی نہ سیکھا۔

اَلْجَمْعُ وَهُوَ سَبَبٌ[1] قَائِمٌ مَقَامَ اثْنَيْنِ شَرْطَهُ[2] اَیْ شَرْطُ تَمَامِهٖ مَقَامَ السَّبَبَيْنِ صِيْغَةُ[3] مُنْتَهَى الْجُمُوْعِ وَهِيَ[4] الصِّيْغَةُ الَّتِيْ كَانَ اَوَّلُهَا مَفْتُوْحًا وَثَالِثُهَا اَلِفًا وَبَعْدَ الْاَلِفِ حَرْفَانِ اَوْ ثَلَاثَةٌ اَوْسَطُهَا سَاكِنٌ وَهِيَ[5] الَّتِيْ لَا تَجْمَعُ جَمْعَ التَّكْسِيْرِ مَرَّةً اُخْرٰى وَلِهٰذَا سُمِّيَتْ صِيْغَةَ مُنْتَهَى الْجُمُوْعِ لِاَنَّهَا جُمِعَتْ[6] فِيْ بَعْضِ الصُّوَرِ مَرَّتَيْنِ تَكْسِيْرًا فَانْتَهٰى تَكْسِيْرُهَا الْمُغَيِّرُ لِلصِّيْغَةِ

ترجمہ: ـــــ (جمع) اور وہ سبب ہے جو قائم مقام ہے دو سببوں کے (اس کی شرط) یعنی جمع کو دو سببوں کے مقام پر قائم کرنے کی شرط (صیغہ منتہی الجموع ہے) اور وہ صیغہ ہے جس کا پہلا حرف مفتوح ہو اور اس کا تیسرا حرف الف ہو اور الف کے بعد دو حرف ہوں یا تین حرف ہوں کہ جن کے درمیان والا حرف ساکن ہو اور وہ وہ صیغہ ہے جس کی دوسری بار جمع تکسیر نہیں لائی جاتی اسی وجہ سے اس کا نام صیغہ منتہی الجموع رکھا گیا کیونکہ اس کی جمع تکسیر بعض صورتوں میں دو مرتبہ لائی جاتی ہے پس اس کی جمع تکسیر جو صیغہ میں تغیر

Marfat.com

پیدا کرنی ہے انتہا کو پہونچ جانی ہے

تشریح:۔۔۔ قولہ وھو سبب ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ غیر منصرف کے اسباب مصادر ہوتے ہیں جیسے عدل ۔ تانیث ۔ ترکیب وغیرہ ظاہر ہے جمع مصدر نہیں کیونکہ وہ اس اسم کو کہتے ہیں جو دو سے زائد پر دلالت کرے ۔ جواب یہ کہ جمع کے اوپر الف لام عہد خارجی کا ہے جس سے مراد وہ جمع ہے جو غیر منصرف کا سبب ہو اور وہ معنی مذکور نہیں بلکہ یہ ہے کون الاسم دالاً علیٰ اثنین فصاعدًا یعنی اسم کا دو یا اس سے زائد پر دلالت کرنا ہے ۔

قولہ ای شرط قیامہ ۔ اس عبارت سے متن میں شرط کی ضمیر مجرور کے مرجع کی طرف اشارہ ہے اور اس سوال کا جواب بھی کہ جمع صیغہ منتہی الجموع کے بغیر بھی موجود ہے جیسے رجال جمع ہے رجل کی لیکن صیغہ منتہی الجموع نہیں جواب یہ کہ جمع ہونے کیلئے صیغہ منتہی الجموع شرط نہیں بلکہ جمع کو دو سببوں کے قائم مقام ہونے کے لئے صیغہ منتہی الجموع ہونا شرط ہے بالفاظ دگر یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ایک شرط وجود ہے اور دوسری شرط تاثیر تیسری شرط قیام مقام غیر ہے اور یہاں پہلی تیسری قسم مراد ہے ۔

بیانہ صیغہ منتہی الجموع ۔ جموع پر الف لام برائے عہد خارجی ہے جس سے مراد جموع مکسر ہے اور منتہی مصدر میمی ہے جو اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے پس معنی ہوا کہ وہ صیغہ جو جموع مکسر کی انتہا ہے یا منتہی اسم ظرف ہے پس معنی ہوا کہ وہ صیغہ جو جموع مکسر کا منتہی ہے ۔

قولہ وھی الصیغۃ ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مسلمون جمع ہے اور صیغہ منتہی الجموع بھی کہ اس کے بعد جمع نہیں آتی لیکن وہ منصرف ہے جواب یہ کہ صیغہ منتہی الجموع سے مراد جمع مکسر کا وہ صیغہ ہے جس کا پہلا حرف مفتوح ہو اور تیسرا حرف الف ہو جس کے بعد دو حرف ہوں جیسے مساجد یا تین حرف ہوں کہ جنکے درمیان والا حرف ساکن ہو جیسے مصابیح و مسانید پس اس میں کمالات و سکاریٰ داخل ہوں گے ۔ کمالات اس لئے کہ وہ جمع مکسر نہیں اور سکاریٰ اس لئے کہ اس کا پہلا حرف مفتوح نہیں ۔ اس اعتبار سے بطور استقراء جمع منتہی الجموع کے سترہ وزن نکلتے ہیں (۱) مفاعل جیسے مساجد (۲) مفاعیل جیسے مصابیح (۳) فواعل جیسے جواہر (۴) افاعل جیسے اصابع (۵) فعالل جیسے جعافر (۶) فعائل جیسے صحائف (۷) فعالیٰ جیسے ذراریٰ (۸) فعالن جیسے بلاغن جمع بلغن بمعنی بلاغت (۹) تفاعل جیسے تجارت (۱۰) تفاعیل جیسے تماثیل (۱۱) فعالیل جیسے قناویل (۱۲) افاعیل جیسے اناعیم (۱۳) فعالین جیسے سلاطین (۱۴) فعالیّ جیسے کراسیّ (۱۵) فعالیٰ جیسے صحاریٰ (۱۶) فعالئۃ جیسے فرزانۃ ملائکۃ (۱۷) افاعلۃ جیسے اشاعرۃ ۔ ان میں سے آخری دونوں وزن منصرف ہیں کیونکہ ان میں تاء تانیث ہے باقی تمام غیر منصرف ہیں بعض علماء نے پندرہواں وزن کو جمع منتہی الجموع

Marfat.com

کے اوزان میں شمار نہیں کیا ہے لیکن وہ بھی ان کے نزدیک غیر منصرف ہے

قولہ وھی التی ۔ یہ بھی اگرچہ بظاہر صیغہ منتہی الجموع کی تعریف معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقۃً اس کی تعریف نہیں بلکہ اس کا حکم ہے یا یہ کہ پہلی تعریف باعتبار لفظ ہے اور دوسری باعتبار معنی تاکہ تکرار لازم نہ آئے۔

قولہ لانھا جمعت ۔ اس مقام پر یہ سوال ہوسکتا ہے کہ جس جمع کی ایک مرتبہ جمع لائی جائے جیسے مساجد جمع مسجد یا دو مرتبہ جمع لائی جائے جیسے اناعیم جمع انعام وہ صیغہ منتہی الجموع نہ ہوگی کیونکہ جموع، جمع کی جمع کی ہے اور جمع کا اقل مرتبہ تین ہے پس منتہی الجموع وہ ہوا جو جمع کے تیسرے یا چوتھے مرتبہ میں ہو جواب یہ کہ جمع سے مراد ما فوق الواحد یعنی ایک سے زائد ہے اور وہ کم سے کم دو مرتبہ ہے وہ بھی عام ہے کہ دو مرتبہ جمع کبھی حقیقۃً ہوتی ہے اور کبھی حملاً علیٰ موازنہ ۔ حقیقۃً جیسے اکالیب جمع اکلب ۔ اکلب جمع کلب بمعنی کتا۔ اناعیم جمع انعام ۔ انعام جمع نعم بمعنی چوپایہ اور حملاً علیٰ موازنہ جیسے مساجد جمع مسجد۔ مصابیح جمع مصباح اگرچہ دو مرتبہ جمع نہیں لیکن اس کے وزن پر یعنی اکالیب واناعیم کے وزن پر ضرور ہیں ۔

فَاَمَّا جَمْعُ السَّلَامَةِ فَاِنَّهٗ لَا یُغَیِّرُ الصِّیْغَةَ فَیَجُوْزُ اَنْ یُّجْمَعَ جَمْعَ السَّلَامَةِ کَمَا تُجْمَعُ اَیَامِنُ جَمْعُ اَیْمِنٍ عَلٰی اَیَامِنِیْنَ وَصَوَاحِبُ جَمْعُ صَاحِبَةٍ عَلٰی صَوَاحِبَاتٍ

ترجمہ : ـــــ اور لیکن جمع سلامت تو وہ صیغہ میں تغیر پیدا نہیں کرتی پس جائز ہے جمع سلامت کی جمع لانا جیسے ایامن جمع ایمن کی جمع ایامنون لائی جاتی ہے اور صواحب جمع صاحبۃ کی جمع صواحبات لائی جاتی ہے ۔

تشریح : ـــــ قولہ فاما جمع السلامۃ ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ گذشتہ بیان سے معلوم ہوا کہ جمع منتہی الجموع وہ ہے جس کی دوبارہ جمع نہ آئے اور اس کا وزن افاعل اور فواعل بیان کیا گیا جب کہ افاعل کے وزن پر ایامن جمع ایمن ہے اور فواعل کے وزن پر صواحب جمع صاحب ہے لیکن ایامن کی جمع ایامنون آتی ہے اور صواحب کی جمع صواحبات آتی ہے جواب یہ کہ جمع منتہی الجموع سے مراد وہ جمع تکسیر ہے جس کی دوبارہ جمع تکسیر نہ آئے اور ایامن کی جمع اور صواحب کی جمع جو آتی ہے وہ جمع تکسیر نہیں بلکہ جمع سالم ہے ۔ جمع تکسیر کے بعد جمع سالم آسکتی ہے کیونکہ اس سے وزن میں تغیر پیدا نہیں ہوتا ۔ ممکن ہے عبارت بالالا یجمع جمع التکسیر میں جمع التکسیر کی قید کے فائدہ کا بیان ہو ۔

Marfat.com

وَانَّمَا[1] اشترطتُ لتكونَ صيغتُهُ مصُونةً عن قبُولِ التغيّرِ فتوثر بغيرِهَاءٍ منقلبةٍ[2] عن تاءِ التانيثِ حالةَ الوقفِ اَوِ المرادُ بهاءِ تاءُ التانيثِ باعتبارِ مايؤلُ اليه حالةَ الوقفِ فلايردُ نحو فوارهٍ جمعُ فارهةٍ وانّما[3] اشترطَ كونُها بغيرِهاءٍ لانها لوكانتْ معهاءٍ كانتْ على زنةِ المفرداتِ كفرازنةٍ فانها على زنةِ كراهيةٍ وطواعيةٍ بمعنى الكراهةِ والطاعةِ فيدخلُ فى قوةِ جمعيتِهِ فتورٌ

ترجمہ : ـــــ اور جمع کو صیغۂ منتہی الجموع کے ساتھ اس لئے مشروط کیا گیا تاکہ اس کا صیغہ قبول تغیر سے محفوظ ہوکر موثر ہوسکے (جو ہا کے بغیر ہو) جو کہ حالت وقف میں تا رتانیث سے بدل جاتی ہے یا ہا رسے مراد تا رتانیث ہے اس اعتبار سے کہ تا رتانیث حالتِ وقف میں ہا رہو جاتی ہے پس فوارہ جیسے کلمہ سے جو فارہۃ کی جمع ہے اعتراض وارد نہ ہوگا اور صیغۂ منتہی الجموع کو ہا رکے بغیر ہونے کی شرط اس لئے کی گئی کہ وہ اگر ہا ر کے ساتھ ہوگا تو مفردات کے وزن پر ہوگا جیسے فرازنۃ کہ یہ کراھیۃ اور طواعیۃ بمعنی کراہۃ وطاعت کے وزن پر ہے پس اس کی قوت جمعیت میں ضعف ونقص واقع ہوجائے گا۔

تشریح : ـــ قولہ[1] وانما اشترطت۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ جمع کے لئے صیغہ منتہی الجموع کی شرط کیوں ہے ؟ جواب یہ کہ اس سے جمع تغیر سے محفوظ ہوجائیگی۔ کیونکہ جمع جب انتہار کو پہونچ جائیگی تو اس کے بعد پھر جمع تکسیر نہ ہوگی۔

قولہ[2] منقلبۃ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ فوارہ جمع ہے فارہۃ کی جس کے آخر میں ہا رہے مگر اس کے باوجود وہ غیر منصرف ہے۔ جواب یہ کہ ہا رسے یہاں مراد ہا رتانیث ہے جو حالت وقف میں تا رتانیث سے بدلی جاتی ہے یا ہا رسے مجازاً تا رتانیث مراد ہے اس اعتبار سے کہ تا رتانیث حالت وقف میں ہا رہو جاتی ہے۔ اور فوارہ کے آخر میں ہا رنہ مجازاً تا رتانیث ہے اور نہ ہی ہا رتانیث ہے جو حالت وقف میں تا رتانیث سے بدلی جاتی ہے بلکہ وہ اصلی ہے کیونکہ فوارہ فارۃ بمعنی چوہا کی جمع نہیں بلکہ فارہۃ کی جمع ہے جو بمعنی خوبصورت جوان لڑکی ہے اس کا صیغہ مذکر فارہٌ ہے جو بمعنی مرد زیرک ہے۔

قولہ[3] وانما اشترط کونہا۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ جمع کے لئے یہ شرط کیوں ہے کہ اس کے آخر میں ہا رتانیث نہ ہو جواب یہ کہ جمع اگر ہا ر کے ساتھ ہو تو مفرد کے موازن ہوجائیگا مثلاً فرازنۃ جمع ہے فرزین یا فرزان بکسر فا رکی جو شطرنج کے وزیر کو کہتے ہیں۔ فرازنۃ ہا ر کے ساتھ کراہیۃ وطواعیۃ کے وزن پر ہے اور یہ دونوں مفرد

Marfat.com

ہیں اور جو جمع مفرد کے وزن پر ہو اس کی جمعیت میں فتور و خلل پیدا ہو جاتا ہے جس سے وہ غیر منصرف کا سبب کمزور ہو جاتا ہے۔

ولا حاجة إلى إخراج نحو مدائني فانه مفرد محض ليس جمعا لا في الحال ولا في المآل وإنما الجمع مدائن وهو لفظ آخر بخلاف فرازنة فانها جمع فِرزين أو فِرزان بكسر الفاء

ترجمہ:۔ ــــ اور مدائنی جیسے کلمہ کو خارج کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ مدائنی مفرد محض ہے نہ فی الحال جمع ہے اور نہ ہی مآل کے اعتبار سے اور مدینہ کی جمع مدائن ہے اور یہ دوسرا لفظ ہے برخلاف فرازنہ کیونکہ وہ جمع ہے فرزین یا فرزان بکسر فا کی۔

تشریح۔ ــــ قولہ ولا حاجۃ۔ یہ جواب ہے علامہ رضی کے اس سوال کا کہ جمع منتہی الجموع کے آخر میں جب یاء نسبتی لاحق ہو تو وہ منصرف ہو جاتی ہے جیسے مدائنی پس اس کو خارج کرنے کے لئے بغیر ہاء کے ساتھ بغیر یاء النسبۃ کی قید کو بھی بیان کرنا ضروری تھا جواب یہ کہ مدائنی کو نکالنے کے لئے بغیر یاء النسبۃ کی قید کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ جمع نہیں بلکہ مفرد محض ہے جو بغداد کے قریب ایک شہر کا نام ہے۔ اس لئے کہ یاء نسبتی کے لاحق ہونے کے بعد مجموعہ مفرد ہو جاتا ہے عام ہے کہ یاء نسبتی واحد کے آخر میں لاحق ہو جیسے کوفی و بصری یا جمع کے آخر میں لاحق ہو جیسے انصاری۔ سوال مدائنی اگرچہ مفرد ہو گیا ہے لیکن وہ اصل میں جمع تھا کیونکہ مدائنی اصل میں مدائن تھا جو جمع ہے مدینہ کی اور اصل میں جمع منتہی الجموع کا صیغہ ہونا بھی غیر منصرف ہونے کے لئے کافی ہے جیسے حضاجر علم ہو گیا ہے لیکن وہ اصل میں جمع منتہی الجموع تھا اس لئے وہ غیر منصرف ہے۔ جواب مجموعہ مرکب مزجی محض ہے جو نہ فی الحال جمع ہے نہ اصل میں اور حضاجر ایسا نہیں بلکہ وہ اصل میں جمع تھا لیکن علم ہو جانے کی وجہ سے مفرد ہو گیا ہے۔

قولہ بخلاف فرازنۃ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مدائنی کو جب مفرد ہونے کی وجہ سے جمع سے نہیں نکالا گیا تو فرازنہ بھی مفرد ہے اس کو بغیر ہاء کی قید سے کیوں نکالا گیا؟ جواب یہ کہ فرازنہ مفرد نہیں بلکہ جمع منتہی الجموع ہے فرزین یا فِرزان بکسر فا کی جو شطرنج کے وزیر کے معنی میں آتا ہے

نعلم مما سبق أن صيغة منتهى الجموع على قسمين أحدهما ما يكون بغير هاء وثانيهما ما يكون بهاء فأما

Marfat.com

ما کان بغیرِ ھاءٍ فمتنعٌ صرفہ لوجودِ شرطِ تاثیرِھا کمساجدَ مثالٌ[2] لما بعد الفہ حرفانِ ومصابیحَ مثالٌ لما بعد الفہ ثلاثۃُ احرُفٍ اَوسطُھا ساکنٌ

ترجمہ: ـــــ پس ماسبق سے معلوم ہوا کہ منتہی الجموع کا صیغہ دو قسم پر ہے ایک وہ ہے جو ہاء کے بغیر ہو اور دوسرا وہ ہے جو ہاء کے ساتھ ہو لیکن جو صیغہ ہا کے بغیر ہے وہ غیر منصرف ہے کیونکہ اس کی شرط تاثیر موجود ہے (جیسے مساجد) مثال ہے اس جمع کی جس کے الف کے بعد دو حرف ہیں (اور مصابیح) مثال ہے اس جمع کی جس کے الف کے بعد تین حرف ہیں اس کا درمیان والا حرف ساکن ہے

تشریح: ـــــ قولہ[1] فعلم مما سبق ۔ اس عبارت سے امّا فرازنۃٌ پر وارد ہونے والا اس سوال کا جواب ہے کہ امّا فرازنۃٌ میں امّا برائے تفصیل ہے یا برائے استیناف؟ جواب یہ کہ امّا یہاں برائے تفصیل ہے جس سے پہلے اجمال یہ ہے کہ جب یہ کہا گیا کہ جمع منتہی الجموع بلا ہاء ہو تو اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ جمع منتہی الجموع دو طرح کا ہے ایک وہ جو ہاء کیساتھ ہے اور دوسری وہ جو ہاء کے بغیر ہے لیکن جو ہاء کے ساتھ ہے مثلاً فرازنۃٌ وہ منصرف ہے اور جو ہاء کے بغیر ہے مثلاً مساجد و مصابیح وہ غیر منصرف ہے

قولہ[2] مثال لما بعدہٗ ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مثال صرف ممثل لہٗ کی وضاحت کے لئے ہوتی ہے جو صرف ایک سے کافی ہو جاتی ہے یہاں دو مثالیں کیوں بیان کی گئیں؟ جواب یہ کہ دو ممثل لہٗ کی وجہ سے دو مثالیں بیان کی گئیں ہیں کیونکہ مساجد جو مسجد کی جمع ہے اس صیغہ منتہی الجموع کی مثال ہے جس میں الف کے بعد دو حرف ہیں اور پہلا حرف مفتوح ہے وہ مفاعل کے وزن پر ہے اور مصابیح جو جمع ہے مصباح کی اس صیغہ منتہی الجموع کی مثال ہے جس میں الف کے بعد تین حرف ہیں اور ان کے درمیان والا حرف ساکن ہے وہ مفاعیل کے وزن پر ہے ۔

وامّا فرازنۃٌ وامثالُھا[1] ممّا ھی علیٰ صیغۃِ منتھی الجموعِ مع الھاءِ فمنصرفٌ[2] لفواتِ شرطِ تاثیرِ الجمعیۃِ وھو کونُھا بلا ھاءٍ

ترجمہ: ـــــ (اور لیکن فرازنۃٌ) اور اس کے امثال اس قبیل سے کہ جو منتہی الجموع کے صیغہ پر ہاء کے ساتھ ہوتے ہیں (تو منصرف ہے) کیونکہ اس میں تاثیرِ جمعیت کی شرط مفقود ہے اور وہ شرط بلا ہاء ہونا ہے

Marfat.com

تشریح : ـــــ قولہ[1] وامثالہا ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ یہ حکم صرف فرازنۃ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ صیاقلۃ جمع صیقل کو بھی شامل ہے جس کا معنی ہے صیقل کرنے والا ۔ کیونکہ صیاقلۃ بھی کراھیۃ مفرد کے وزن پر ہے پس فرازنۃ کیساتھ صیاقلۃ کو بھی بیان کرنا چاہئے ۔ جواب یہ کہ فرازنۃ سے یہاں مراد ہر وہ اسم ہے جو فعالۃ کے وزن پر ہو پس فرازنۃ کا ذکر یہاں بطور مثال ہے حکم مذکور اس کے علاوہ دوسرے امثال کو بھی شامل ہے ۔

بیانہ[2] فمنصرف ۔ یہ خبر ہے فرازنۃ مبتدا کی اور یہ اگرچہ لغۃً مبتدا کے موافق نہیں کہ مبتدا مؤنث ہے اور خبر مذکر لیکن یہاں اس کا اصطلاحی معنی مراد ہے یعنی وہ اسم مراد ہے جس میں دو علت نہ ہوں یا ایسی ایک علت نہ ہو جو دو علتوں کے قائم مقام ہے یا یہ کہ فرازنۃ سے قبل مثل مضاف محذوف ہے یعنی وامثال فرازنۃ فمنصرف

---

[1] وحضاجرُ علماً للضبعِ[2] ھذا جوابُ سوالٍ مقدّرٍ[3] تقديرُہٗ انّ حضاجرَ علمُ جنسٍ للضبعِ يطلقُ على الواحدِ والكثيرِ كما انّ اُسامةَ علمُ جنسٍ للاسدِ فلا جمعيةَ فيه وصيغةُ منتهى الجموعِ ليستْ من اسبابِ منعِ الصرفِ بل هي شرطٌ للجمعيةِ فينبغي ان يكونَ منصرفاً لكنّهٗ غيرُ منصرفٍ وتقريرُ الجوابِ انّ حضاجرَ حالَ كونِها علماً للضبعِ غيرُ منصرفٍ لا للجمعيةِ الحاليةِ بل للجمعيةِ الاصليةِ لانّهٗ منقولٌ عن الجمعِ فانّهٗ كانَ في الاصلِ جمعُ حضجرٍ بمعنى عظيمِ البطنِ سُمّيَ به الضبعُ مبالغةً في عظيمِ بطنِها كانّ كلَّ فردٍ منها جماعةٌ من هذا الجنسِ فالمعتبرُ في منعِ صرفِه هو الجمعيةُ الاصليةُ

ترجمہ : ـــــ (اور حضاجر بجو کا علم ہونے کی حالت میں) یہ جواب ہے اس سوال مقدر کا کہ جس کی تقدیر یہ ہے کہ حضاجر علم ہے جنس بجو کا جس کا اطلاق واحد و کثیر پر کیا جاتا ہے جیسا کہ اُسامہ علم ہے جنس شیر کا پس حضاجر میں جمعیت نہیں ہے اور صیغہ منتہی الجموع اسباب منع صرف سے نہیں بلکہ وہ جمع ہونے کی شرط ہے پس مناسب ہوا کہ وہ منصرف ہو لیکن وہ غیر منصرف ہے اور جواب کی تقریر یہ ہے کہ حضاجر بجو کا علم ہونے کی حالت میں وہ غیر منصرف ہے، جمعیت حالیہ کی وجہ سے نہیں بلکہ جمعیت اصلیہ کی وجہ سے (کیونکہ وہ منقول ہے جمع سے) اس لئے کہ وہ اصل میں جمع ہے حضجر بمعنی عظیم البطن کی بجو کا نام حضاجر اس کے بڑے پیٹ ہونے میں مبالغہ کی وجہ سے رکھا گیا گویا بجو کا ہر فرد اس جنس یعنی عظیم البطن کی ایک جماعت ہے پس حضاجر کے غیر منصرف ہونے میں جمعیت اصلیہ معتبر ہے ۔

Marfat.com

تشریح: ـــــ بیانہ[1] وَحضاجرُ علمًا للضبع ۔ یہ جواب ہے ایک سوال مقدر کا جیسا کہ دونوں کی تفصیل شرح میں مسطور ہے ۔ واؤ اس میں مستانفہ ہے ۔ علمًا کو بعض نسخوں میں مرفوع بھی دیکھا گیا ہے لیکن اکثر نسخوں میں منصوب دیکھا گیا ہے ۔ مرفوع کی صورت میں وہ مبتدا محذوف کی خبر ہوگا اور منصوب کی صورت میں حضاجر سے حال ہوگا اور حضاجر اگرچہ مبتدا ہے لیکن ابن مالکی نے مبتدا سے بھی حال ہونے کو جائز قرار دیا ہے جب کہ حال فاعل یا مفعول سے واقع ہوتا ہے اور ضبع ضاد معجمہ کے فتحہ اور بائے موحدہ کے سکون وضمہ کے ساتھ فارسی میں بمعنی کفتار اور ہندی میں بمعنی بجو ہے اور وہ ایک درندہ ہے جو قبر سے مردہ کو نکال کر کھا لیتا ہے ۔ اس کی کنیت اُمّ عامر ۔ امّ قبور ، اُمّ نوفل ، اُمّ بعثر ہے اس کے نر کو ابو عامر ، ابو کلاز ، ابو الہیر کہا جاتا ہے

قولہ[2] ھذا جواب ۔ یعنی مصنف کا قول حضاجر علمًا جواب ہے اس سوال کا کہ تقریر مذکور کے مطابق حضاجر کو منصرف ہو جانا چاہئے اس لئے کہ وہ جمع نہیں بلکہ علم جنس ہے بجو کا جس کا اطلاق واحد و کثیر سب پر ہوتا ہے جس طرح اُسامہ علم جنس ہے اسد کا جس کا اطلاق واحد و کثیر سب پر ہوتا ہے اور حضاجر جمع منتہی الجموع کا صیغہ ضرور ہے لیکن سبب نہیں بلکہ اس کی شرط ہے جواب یہ کہ جمع سے یہاں مراد عام ہے کہ جمع فی الحال ہو یا فی الاصل اور حضاجر اگرچہ جمع فی الحال نہیں کہ وہ علم جنس ہے لیکن جمع فی الاصل ضرور ہے کیونکہ وہ اصل میں جمع تھا حضجر کی جو بمعنی بڑے پیٹ والا ہے پھر اس کو نقل کر کے مبالغہ کے طور پر بجو کا علم قرار دیا گیا اس مناسبت سے کہ اس کا ہر فرد بہ نسبت اس کے جسم کے اتنا بڑا پیٹ والا ہے کہ گویا اس کا ہر فرد حضجر کی جماعت ہے خیال رہے کہ تقدیرہٗ دال و راء دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے جب کہ رائے کے ساتھ جمہور کے نزدیک زیادہ مشہور ہے اور دال کیساتھ سوال مقدر کے زیادہ مناسب ہے ۔

قولہ[3] علم جنس ۔ اسم کی تین قسمیں ہیں ایک اسم جنس دوسری علم جنس تیسری علم شخصی اسم جنس وہ اسم ہے جو بوقت وضع تمام خصوصیات سے قطع نظر صرف ماہیت متصور ہو جیسے اسد سے صرف ماہیت حیوان مفترس متصور ہے ۔ علم جنس وہ اسم ہے جو بوقت وضع ماہیت کے ساتھ خصوصیات ذہنیہ بھی متصور ہوں جیسے حضاجر سے ماہیت عظیم البطن کے ساتھ اس کے افراد بھی متصور ہیں ۔ علم شخصی وہ ہے جو بوقت وضع ماہیت کے ساتھ خصوصیات شخصیہ وخارجیہ بھی متصور ہوں جیسے زید سے ماہیت انسانیہ کے ساتھ تشخصات خارجیہ یعنی ہاتھ پاؤں ، رنگ وغیرہ بھی متصور ہیں ۔

---

[1] فان قلتَ لاحاجۃَ فی منع صرفہٖ فانَّ فیہِ العلمیۃَ والتانیثَ لِاَنَّ الضَّبعَ ھی اُنثیٰ الضبعانِ قلنا علمیۃٌ

Marfat.com

غیرُ مؤثرۃٍ والّا[2] لکانَ بعدَ التنکیرِ منصرفًا والتانیثُ غیرُ مسلّمٍ لانّہٗ علمٌ لجنسِ الضبعِ مذکرًا کانَ اومؤنثًا وانّما[3] اکتفیٰ المصنّفُ فی التنبیہِ علیٰ اعتبارِ الجمعیۃِ الاصلیۃِ بھذا القولِ ولم یقلِ الجمعُ شرطُہٗ اَنْ یکونَ فی الاصلِ کما قالَ فی الوصفِ لئلّا یتوھّمَ انّ الجمعیۃَ کالوصفِ قد تکونُ اصلیۃٌ معتبرۃً وقد تکونُ عارضۃٌ غیرَ معتبرۃٍ ولیسَ الامرُ کذٰلکَ اِذ لا یتصوّرُ العروضُ فی الجمعیۃِ

ترجمہ:۔ ــــ پس اگر آپ سوال کریں کہ حضاجر کے غیر منصرف ہونے کے لئے جمعیت اصلیہ کے اعتبار کرنے کی کوئی ضرورت ہے کیونکہ اس میں علمیت وتانیث موجود ہیں اس لئے کہ ضبع مؤنث ہے ضبعان کی تو ہم جواب دیں گے کہ حضاجر کی علمیت مؤثر نہیں ہے ورنہ تنکیر کے بعد اس کو منصرف ہو جانا چاہئے اور تانیث بھی مسلم نہیں کیونکہ وہ علم ہے جنس ضبع کا عام ہے وہ مذکر ہو یا مؤنث اور مصنف نے اسی قول یعنی لانہٗ منقول عن الجمع کے ساتھ اکتفا کیا جمعیت اصلیہ کے اعتبار پر تنبیہ کرنے میں اور یہ نہیں فرمایا الجمع شرطہٗ اَنْ یکون فی الاصل جیسا کہ وصف کے بیان میں فرمایا تھا تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ جمعیت وصف کی طرح کبھی اصلی معتبر ہوتی ہے اور کبھی عارضی غیر معتبر ہوتی ہے حالانکہ معاملہ ایسا نہیں ہے اس لئے کہ جمعیت میں عروض متصور نہیں ہوتا۔

تشریح: ــــ قولہ[1] فان قلت۔ یہ سوال پیدا ہوا جواب مذکور سے کہ حضاجر کو غیر منصرف ہونے کے لئے جمع فی الاصل ماننے کی کوئی ضرورت نہیں اس لئے کہ اس میں دو سبب موجود ہیں ایک علمیت دوسرا تانیث معنوی کیونکہ وہ علم ہے ضبع کا اور ضبع مؤنث ہے ضبعان کی جو نر بجو کو کہا جاتا ہے۔ جواب یہ کہ حضاجر میں علمیت ضرور ہے لیکن وہ علمیت مؤثر نہیں کیونکہ اگر وہ موثر ہوتی تو تنکیر کے بعد حضاجر کو منصرف ہو جانا چاہئے جب کہ وہ غیر منصرف ہی رہتا ہے اور اس میں تانیث بھی نہیں ہے کیونکہ وہ علم ہے جنس ضبع کا عام ہے وہ مذکر ہو یا مونث صراح میں ہے حضاجر کفتار وضبع کفتار اور ضبعان بالکسر کفتار اور ضبعانہ کفتار مادہ

قولہ[2] والا لکان۔ یہ ملازمہ کہ "حضاجر میں اگر علمیت مؤثر ہوتی تو تنکیر کے بعد اس کو منصرف ہو جانا چاہئے" ممنوع ہے کیونکہ ممکن ہے تنکیر کے بعد جمعیت لوٹ آئے اس لئے کہ جمعیت کا منافی علمیت تھی اور جب وہ زائل ہو گئی تو جمعیت لوٹ آئے گی جس طرح احمر میں تنکیر کے بعد زائل شدہ وصفیت لوٹ آتی ہے جیسا کہ سیبویہ کا خیال ہے اگرچہ اخفش اس کے مخالف ہیں۔

قولہ[3] وانما اکتفیٰ۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ غیر منصرف میں جب جمع اصلی معتبر ہے تو مصنف کو یوں بیان کرنا چاہئے الجمع شرطہٗ صیغۃ منتھی الجموع بغیر ھاء وان یکون فی الاصل جس طرح وصف میں

Marfat.com

الوصف شرطہ ان یکون فی الاَصْلِ جواب یہ کہ وصف کبھی عارضی ہوتا ہے اور کبھی اصلی اور غیر منصرف میں صرف وصف اصلی معتبر ہے اس لئے مصنف نے اصلی کو خاص فرمایا لیکن جمع وہ ہمیشہ اصلی ہی ہوتی ہے اس لئے اس کو بیان نہیں فرمایا تاکہ یہ وہم نہ ہو جمع بھی اصلی ہوتی ہے اور عارضی بھی اور غیر منصرف میں اصلی معتبر ہے۔

وَسَرَاوِیلُ جوابٌ عَنْ سوالٍ مقدّرٍ تقدیرُہٗ اَنْ یُقَالَ قَدْ تفصّیتَ عن الاِشکالِ الوَارِدِ علیٰ قاعِدَۃِ الجمعِ بحضاجر بجعل الجمعِ اعمَّ من اَنْ یکونَ فی الحالِ اَوْ فی الاَصْلِ فما تقولُ فی سراویلَ فانّہٗ اسمُ جنسٍ یُطلقُ علی الواحدِ والکثیرِ ولا جمعیّۃَ فیہ لا فی الحالِ وَلا فِی الْاَصْلِ

ترجمہ: ـــــ (اور سراویل) جواب ہے سوال مقدر کا جس کی تقریر یہ ہے کہ کہا جائے کہ آپ نے جمع کو فی الحال اور فی الاصل سے عام کر کے اس اشکال سے رہائی حاصل کر لی ہے جو جمع کے قاعدہ پر حضاجر سے وارد ہوتا تھا تو آپ سراویل کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ کیونکہ وہ اسم جنس ہے جس کا اطلاق واحد و کثیر پہ ہوتا ہے اور اس میں جمعیت نہیں نہ فی الحال ہے اور نہ فی الاصل۔

تشریح: ـــــ قولہ جوابٌ عن سوالٍ۔ مصنف کے قول سراویل سے جواب ہے اس سوال کا کہ قاعدہ جمع پر حضاجر سے جو اشکال وارد ہوا تھا اس کا جواب آپ نے جمع کو عام کر کے یہ دیا کہ جمع عام ہے وہ کبھی حالی ہوتی ہے اور کبھی اصلی لیکن سراویل کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے وہ نہ جمع حالی ہے اور نہ اصلی بلکہ اسم جنس بمعنی ازار ہے جو واحد و کثیر دونوں پہ بولا جاتا ہے اس کے باوجود وہ غیر منصرف پڑھا جاتا ہے۔ جواب یہ کہ سراویل کے منصرف و غیر منصرف ہونے میں علماء کا اختلاف ہے اکثر علماء اس کے غیر منصرف ہونے کے قائل ہیں اور بعض علماء منصرف پڑھتے ہیں۔ اکثر علماء کے بھی دو گروہ ہیں کچھ علماء اس کو عربی مانتے ہیں اور کچھ عجمی پس جس نے اس کو عجمی مانا ہے اس کے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ جمع سے مراد عام ہے کہ حقیقی ہو یا حکمی۔ جمع حکمی سے مراد یہ ہے کہ وہ لفظ عربی کے جمع منتہی الجموع کے وزن پہ ہو اور سراویل بھی عربی کے جمع منتہی الجموع اناعیم و مصابیح کے وزن پہ ہے اور جس نے سراویل کو عربی مانا ہے اس کے نزدیک جواب یہ ہے کہ جمع سے مراد عام ہے کہ جمع تحقیقی ہو یا تقدیری اور سراویل چونکہ عربی ہے اس لئے وہ جمع تحقیقی نہیں بلکہ تقدیری ہے یعنی سراویل غیر منصرف ہے جس میں دو سبب کا ہونا ضروری ہے اور وہ دونوں اس میں مفقود ہیں البتہ جمع منتہی الجموع کے وزن پہ ضرور ہے لیکن وہ غیر منصرف کا سبب نہیں بلکہ جمع کی شرط ہے اس لئے یہ فرض کر لیا گیا کہ سراویل جمع ہے سروالۃ کی۔

Marfat.com

فاجاب بانّه قد اختلف فی صرفه وصنعه منه فهو اذا لم یصرف وهو الاکثر فی موارد الاستعمال فیرد به الاشکال علی قاعدة الجمع کما قلت فقد قیل فی التفصّی عنه انّه اسمٌ اعجمیٌّ لیس بجمع لا فی الحال ولا فی الاصل حُمل فی منع الصرف علی موازنه ای علی ما یوازنه من الجموع العربیة کاتاعیم ومصابیح فانّه فی حکمها من حیث الوزن فهو ان لم یکن من قبیل الجمع حقیقةً لکنّه من قبیله حکماً فالجمعیة علی هذا التقدیر اعمّ من ان تکون حقیقةً او حکماً فبناءً هذا الجواب علی تعمیم الجمعیة لا علی زیادة سببٍ آخر علی الاسباب التسعة وهو الحمل علی الموازن

ترجمہ: ـــــ تو مصنف نے اس کا جواب بایں طور دیا کہ سراویل کے منصرف وغیر منصرف ہونے میں اختلاف کیا گیا ہے پس سراویل (جبکہ غیر منصرف ہو اور یہی اکثر ہے) مواضع استعمال میں پس اس سے جمع کے قاعدہ پر اشکال وارد ہوگا جیسا کہ آپ نے سوال کیا (تو بعض نے کہا) اس سے رہائی حاصل کرنے میں کہ سراویل اسم اعجمی ہے، نہ جمع فی الحال ہے اور نہ فی الاصل غیر منصرف ہونے میں (اپنے ہموزن پر محمول ہے) یعنی اس پر جو جموع عربیہ میں ہے اس کے ہم وزن ہیں جیسے اناعیم ومصابیح پس سراویل وزن کے اعتبار سے جموع عربیہ کے حکم میں ہے اگرچہ وہ حقیقةً جمع کے قبیل سے نہیں لیکن حکماً جمع کے قبیل سے ہے تو اس تقدیر پر جمعیت عام ہوگئی کہ وہ حقیقةً ہو یا حکماً پس اس جواب کی بنیاد جمعیت کی تعمیم پر ہے اسباب تسعہ پر کسی دوسرے سبب کے زیادہ ہونے پر نہیں اور وہ حمل علی موازن ہے۔

تشریح۔ ـــ قولہ قد اختلف۔ یہ خبر ہے انّ کی ضمیر اسم کی جس کا مرجع سراویل ہے اور یہ خبر بطور اجمال ہے اور فهو اذا لم یصرف بھی اس کی خبر ہے لیکن بطور تفصیل اور ایسا فصحاء کے کلام میں شائع وذائع ہے

قولہ فی موارد الاستعمال۔ اس عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ متن میں وهو الاکثر کا تعلق مقامات استعمال کیساتھ ہے پس معنی یہ ہوا کہ سراویل مقامات استعمال میں اکثر غیر منصرف پڑھا جاتا ہے لیکن اگر اس کا تعلق مذہب کیساتھ کیا جائے تو زیادہ بہتر ہے اس لئے کہ پہلی صورت اس امر کے جاننے پر موقوف ہے کہ سراویل کا غیر منصرف میں مستعمل ہونا بہ نسبت منصرف میں مستعمل ہونے کے اکثر ہے اور یہ دشوار ہے اور دوسری صورت بھی اگرچہ اس امر پر موقوف ہے کہ سراویل کے منصرف وغیر منصرف ہونے میں نحویوں کے درمیان اختلاف ہے

Marfat.com

لیکن یہ شارح کے قول قد اختلف سے معلوم ہو چکا ہے لہذا یہ دشوار نہیں لیکن ملا عصام نے پہلی صورت ہی کو راجح اور دوسری صورت کو مرجوح قرار دیا ہے کما قالہٗ علی حاشیتہ۔

قولہ۳ فیرد بہ الاشکال۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ متن میں اذا لم یصرف شرط ہے اور نقد قبل اعجمی اس کی جزا اور جزا شرط پر مرتب ہوتی ہے لیکن یہ اس پر مرتب نہیں اس لئے کہ نقد نقیل سے جواب ہے جس سے پہلے اشکال ضروری ہے اور یہاں اس سے پہلے کوئی اشکال نہیں۔ جواب یہ کہ جانب شرط میں اشکال محذوف ہے اصل عبارت یہ ہے اذا لم یصرف فیرد بہ الاشکال یعنی سراویل کو جب غیر منصرف پڑھا جائے تو اس سے قاعدۂ جمع پر اشکال وارد ہوتا ہے

قولہ۴ فی التفصی عنہ۔ تفصی مصدر ہے باب تفعّل کا جس کا معنی ہے رہائی حاصل کرنا یا خلاصی پانا اس کی اصل تفصّیٌ، بضم صاد تھی۔ صاد کو یاء کی مناسبت سے کسرہ دیا گیا متن میں فقد قیل سے چونکہ اشکال کو دفع کیا گیا ہے جس کے لئے صلہ کا ہونا ضروری ہے اس لئے کہ اس کے بعد اس کا صلہ فی التفصی بیان کیا گیا پس معنی ہوا کہ بعض نے اس اشکال کے دفع وخلاصی کے لئے یہ کہا ہے کہ سراویل اسم اعجمی ہے اور بعض سے یہاں مراد ہیں علامہ سیبویہ اور ابو علی اور مبرد اور قیل کا مقول اعجمی ہے جو ترکیب میں ہو مبتدا محذوف کی خبر واقع ہے۔

قولہ۵ ای علی ما یوازنہ۔ اس عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ متن میں علیٰ موازنہ میں ضمیر مجرور کا مرجع لفظ ما ہے جس سے مراد مجموع عربیہ ہیں اور مُوازن بضم میم اسم فاعل مفرد ہے اور یوازنہ کی ضمیر مرفوع کا مرجع سراویل ہے اور ضمیر منصوب کا مرجع لفظ ما ہے اور من حیث الوزن میں حیثیت سے مراد حیثیت تعلیلیہ ہے جو علت ہے سراویل کا مجموع عربیہ کے حکم میں ہونے کی۔ واضح ہو کہ حیثیت تعلیلیہ کہتے ہیں جو محیث میں معنیٰ زائد کا افادہ کرے اور حکم صرف محیث پر ہو جیسے زیدٌ مکرمٌ مِنْ حَیْثُ ہُوَ عَالِمٌ دوسری قسم حیثیت اطلاقیہ اور تیسری قسم حیثیت تقییدیہ بھی ہیں۔ حیثیت اطلاقیہ کہتے ہیں جو محیث میں معنیٰ زائد کا افادہ نہ کرے جیسے اَلْاِنْسَانُ من حیث ھو انسان اور حیثیت تقییدیہ وہ ہے جس کے محیث اور حیثیت دونوں پر حکم لگایا جائے جیسے زیدٌ من حیث ہو متشخص شخصٌ جب کہ تشخص کو شخص میں جزء تصور کیا جائے۔

قولہ۶ فبناء ھذا۔ یہ رد ہے بعض شارحین کے اس قول کا کہ جواب مذکور سے غیر منصرف کے دس سے زائد سببوں کا ہونا لازم آتا ہے کیونکہ حمل علیٰ موازن مذکورہ بالا سببوں کے علاوہ ایک دوسرا سبب ہے حاصل۔ دیہ کہ جمع حمل علیٰ موازن کو شامل ہے کیونکہ جمع سے مراد عام ہے کہ جمع حقیقی ہو یا حکمی اور حمل علیٰ موازن جمع حکمی ہے کہ سراویل اگرچہ حقیقۃً مفرد ہے لیکن جموع عربیہ کے وزن پر ہونے کی وجہ سے

Marfat.com

جمع مان لیا گیا ہے ۔

وَقِيْلَ هُوَ اسْمٌ عَرَبِيٌّ لَيْسَ[1] بِجَمْعٍ تَحْقِيْقًا لِاَنَّهٗ اسْمُ جِنْسٍ يُطْلَقُ عَلَى الْوَاحِدِ وَالْكَثِيْرِ لٰكِنَّهٗ جَمْعُ سِرْوَالَةٍ تَقْدِيْرًا وَفَرْضًا[2] فَاِنَّهٗ لَمَّا وُجِدَ غَيْرَ مَصْرُوْفٍ وَمِنْ قَاعِدَتِهِمْ اَنَّ هٰذَا الْوَزْنَ بِدُوْنِ الْجَمْعِيَّةِ لَمْ يَمْنَعِ الصَّرْفَ قُدِّرَ حِفْظًا لِهٰذِهِ الْقَاعِدَةِ اَنَّهٗ جَمْعُ سِرْوَالَةٍ فَكَاَنَّهٗ سُمِّيَ كُلُّ قِطْعَةٍ مِنَ السَّرَاوِيْلِ سِرْوَالَةً ثُمَّ جُمِعَتْ سِرْوَالَةٌ عَلٰى سَرَاوِيْلَ

ترجمہ: ـــــ (اور بعض نے کہا) کہ وہ اسم (عربی ہے) تحقیق کے طور پر جمع نہیں کیونکہ وہ اسم جنس ہے جو واحد وکثیر پر بولا جاتا ہے لیکن وہ (جمع ہے سروالۃ کی تقدیرًا) اور فرضًا کیونکہ جب وہ غیر منصرف پایا گیا اور یہ بات نحویوں کے قاعدے سے ہے کہ یہ وزن جمعیت کے سوا منصرف پڑھنے کو مانع نہیں تو اس قاعدہ کی حفاظت کرنے کے لئے فرض کرلیا گیا کہ وہ جمع ہے سروالۃ کی گویا سراویل کے ہر ٹکڑے کا نام سروالہ رکھ دیا گیا پھر سروالہ کو سراویل کے وزن پر جمع لایا گیا۔

تشریح: ـــــ قولہ[1] لیس بجمع ۔ سراویل جمع تقدیری ہے جمع تحقیقی نہیں اس لئے کہ وہ غیر منصرف پڑھا جاتا ہے حالانکہ اس میں دو سبب یا ایسا ایک سبب موجود نہیں جو دو سبب کے قائم مقام ہو سکے البتہ وہ منتہی الجموع کے وزن پر ضرور ہے لیکن وہ غیر منصرف کا سبب نہیں بلکہ جمع کی شرط ہے اسی وجہ سے یہ فرض کرلیا گیا کہ سراویل جمع ہے سروالۃ کی گویا سراویل کا ہر ٹکڑا سروالہ ہے تاکہ یہ قاعدہ منقوض نہ ہو کہ منتہی الجموع کا وزن بدون جمع غیر منصرف کا سبب نہیں ہوتا ۔

قولہ[2] وفرضًا ۔ اس میں واؤ برائے تفسیر ہے جس سے یہ اشارہ ہے کہ تقدیر کا معنی کبھی فرض ہوتا ہے اور کبھی قدرت اور یہاں اس سے مراد قدرت ہے اور فانہ لما وجد سے دلیل ہے سراویل کا جمع تقدیری وفرضی ہونے کی اور کان سے یہ اشارہ ہے کہ سراویل کا جمع ہونا جس طرح مفروض ہے اسی طرح سروالۃ بھی کہ وہ بھی مفروض ہے یا عمامہ کے ٹکڑے کے لئے جبکہ وہ مطلق کپڑا کے ٹکڑا کے لئے موضوع تھا۔ فیکون المفرد کالجمع کذا قال الملا عبد الغفور ۔

[1] وَاِذَا صُرِفَ اَیْ سَرَاوِيْلُ بَعْدَ تَحَقُّقِ جَمْعِيَّتِهٖ تَحْقِيْقًا وَالْاَصْلُ فِي الْاَسْمَاءِ الصَّرْفُ فَلَا اِشْكَالَ بِالنَّقْضِ[2]

Marfat.com

بہٖ علیٰ قاعِدَۃِ الجمعِ لیحتاج اِلیٰ النقضِ عنہ

ترجمہ: ـــــ (اور جب) سراویل کو (منصرف پڑھا جائے) کیونکہ اس کی جمعیت تحقیقی طور پر ثابت نہیں اور اسموں میں اصل منصرف ہونا ہے (تو کوئی اشکال نہیں رہتا) قاعدۂ جمع پر سراویل کی وجہ سے نقض کا تاکہ اس سے خلاصی کی حاجت پیش آئے۔

تشریح: ـــــ بیانہٗ اذا صُرِفَ۔ یعنی قاعدۂ جمع پر سراویل سے جو اشکال وارد ہوا اور اس کا جواب دیا گیا یہ اس وقت ہے جب کہ اس کو غیر منصرف پڑھا جائے اور اگر منصرف پڑھا جائے چونکہ وہ حقیقۃً جمع نہیں اور اسم میں اصل منصرف ہونا بھی ہے تو کوئی اشکال وارد نہ ہوگا کہ اس کے جواب دینے کی حاجت پیش آئے۔

قولہٗ بالنقض۔ یہ صلہ ہے اشکال کا جس سے یہ اشارہ ہے کہ نفی یہاں جنس اشکال کی نہیں بلکہ اس اشکال کی ہے جو نقض سے وارد ہوتا ہے کیونکہ ممکن ہے اس کے علاوہ دوسرے طریقے سے بھی اشکال وارد ہو اور وہ طریقہ یہ ہے کہ سراویل جب منصرف ہے تو وہ مفرد ہوگا اور یہ گذر چکا کہ جمع مفرد کے وزن پر ہونے سے اس کی جمعیت میں فتور پیدا ہو جاتا ہے پس مصابیح وانامیم چونکہ سراویل کے وزن پر ہیں اس لئے ان کی جمعیت میں بھی فتور پیدا ہو جائیگا اور وہ دونوں منصرف ہو جائیں گے حالانکہ وہ غیر منصرف ہیں۔ جواب یہ کہ سراویل کا منصرف ہونا قلیل ہے جیسا کہ الاکثر سے ظاہر ہے پس اس کا مفرد ہونا بھی قلیل ہوا اور قلیل دوسرے کا مقیس علیہ نہیں ہو سکتا کیونکہ مقیس علیہ اکثر ہوتا ہے یا وہ جس پر سب کا اتفاق ہو۔

وَنَحْوُ جَوَارٍ اَیْ کُلُّ جَمْعٍ مَنْقُوْصٍ عَلٰی فَوَاعِلَ یَائِیًّا کَانَ اَوْ وَاوِیًّا کَالْجَوَارِیْ وَالدَّوَاعِیْ رَفْعًا وَجَرًّا اَیْ فِیْ حَالَتَیِ الرَّفْعِ وَالْجَرِّ کَقَاضٍ اَیْ حُکْمُہٗ حُکْمُ قَاضٍ بِحَسَبِ الصُّوْرَۃِ فِیْ حَذْفِ الْیَاءِ عَنْہُ وَاِدْخَالِ التَّنْوِیْنِ عَلَیْہِ تَقُوْلُ جَاءَ تْنِیْ جَوَارٍ وَمَرَرْتُ بِجَوَارٍ کَمَا تَقُوْلُ جَاءَنِیْ قَاضٍ وَمَرَرْتُ بِقَاضٍ

ترجمہ: ـــــ (اور جوار جیسی جمع) یعنی ہر جمع منقوص فواعل کے وزن پر یائی ہو یا وادی جیسے جواری اور دواعی در رفع اور جر میں) یعنی رفع اور جر کی دونوں حالتوں میں (قاضٍ کی طرح ہے) یعنی اس کا حکم باعتبار صورت جوار سے یاء کے حذف کرنے اور اس پر تنوین کے داخل کرنے میں بعینہٖ قاضٍ کے حکم کی طرح ہے آپ کہیں گے جارتی جوارٍ و مررتُ بجوارٍ جس طرح آپ کہتے ہیں جارنی قاضٍ و مررت بقاضٍ۔

Marfat.com

تشریح : ـــــ قولہ ای کل جمع ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ قاضٍ کیساتھ نحو جوارٍ کو تشبیہ دیا گیا ہے جوارٍ کو نہیں کیونکہ نحو مضاف ہے اور جوارٍ مضاف الیہ اور حکم مضاف کو لاحق ہوتا ہے مضاف الیہ کو نہیں پس اس سے جوارٍ کا حال معلوم نہ ہو سکے گا جب کہ مقصود اس کے حال کو بھی معلوم کرنا ہے جواب یہ کہ نحو جوارٍ سے مراد ترکیب اضافی نہیں بلکہ وہ جمع منقوص ہے جو صیغۂ منتہی الجموع کے وزن پر ہو عام ہے کہ منقوص یائی ہو جیسے جواری یا واوی ہو جیسے دواعی اور یہ معنی نحو جوارٍ اور جوارٍ دونوں کو شامل ہے اور منقوص یائی کو یہاں منقوص واوی پر مقدم کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ کہ یاء بہ نسبت واؤ کے اصل ہے کیونکہ واؤ ، یاء کی طرف رجوع کرتی ہے جب کہ واؤ چوتھا یا اس سے زائد مقام پر واقع ہو

قولہ کالجواری ۔ جَوارِیٌ جمع مکسر ہے جاریۃٌ مثل رامیۃٌ کی اور وہ ماخوذ ہے جریٌ مثل رمیٌ سے اور اس کی جمع سالم جارون مثل رامون آتی ہے اور دواعِیٌ اصل میں دواعُوٌ بر وزن تفاعلٌ تھا واؤ چونکہ چوتھا حرف واقع ہے اس لئے واؤ کو یاء سے بدل کر اس کے ماقبل کے ضمہ کو کسرہ سے بدل دیا گیا ۔ دواعِیٌ جمع مکسر ہے داعیۃٌ مثل غازیۃٌ کی اور وہ دعا مثل غزا سے ماخوذ ہے اس کی جمع سالم داعون مثل غازون آتی ہے ۔

قولہ ای فی حالتی ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ متن میں رفعًا وجرًا منصوب ہیں حال کی بناء پر یا ظرف کی بناء پر دونوں باطل ہیں اول اس لئے کہ حال فاعل سے ہوتا ہے یا مفعول سے اور اگر وہ حال نحو جوارٍ سے ہو تو وہ نہ فاعل ہے اور نہ مفعول بلکہ مبتدا واقع ہے اور دوم اس لئے کہ ظرف کی دو قسمیں ہیں زمان و مکان اور ظاہر ہے رفعًا و نصبًا نہ ظرف زمان بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور نہ ظرف مکان بننے کی جواب یہ کہ وہ منصوب ظرف کی بناء پر ہیں لیکن منصوب بنزع خافض ہیں یعنی حالت مضاف محذوف ہے جس کو حذف کر کے رفع و نصب مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا ہے ۔ اور اس کا عامل وہ مماثلت ہے جو کقاضٍ کے کاف سے مستفاد ہے کذا علی حاشیۃ ملا عبد الغفور ۔ یہ بھی ممکن ہے رفعًا و جرًا حال کی بناء پر منصوب ہوں کیونکہ ابن مالکی نے مبتدا سے بھی حال کو جائز قرار دیا ہے پس اس کا معنی یہ ہوگا حال کو نہ مرفوعًا و مجرورًا

قولہ ای حکمہ حکم قاضٍ ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ جوارٍ کو قاضٍ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جب کہ جوارٍ جمع ہے اور قاضٍ مفرد اور ظاہر ہے جمع کو مفرد کیساتھ کوئی مشابہت نہیں ۔ جواب یہ کہ جوارٍ کو قاضٍ کے ساتھ تشبیہ حکم میں دی گئی ہے افراد و ترکیب میں نہیں یعنی جو حکم حالت رفع و جر میں قاضٍ کا ہے وہی حکم جوارٍ کا بھی ہے ۔

قولہ بحسب الصورۃ ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ جوارٍ کو قاضٍ کے ساتھ حکم میں بھی تشبیہ نہیں

Marfat.com

دے سکتے اس لئے کہ قاضٍ کا منصرف ہونا متفق علیہ ہے اور جوارٍ کے منصرف ہونے میں اختلاف ہے ۔ جواب یہ کہ جوارٍ کا حکم قاضٍ کی طرح بحسب صورت ہے یعنی آخر سے یاء کے محذوف ہونے اور تنوین کے لاحق ہونے میں جوارٍ قاضٍ کی طرح ہے مطلب یہ کہ جو اعلال رفع وجر کی حالت میں قاضٍ میں ہوتا ہے وہی اعلال جوارٍ میں بھی ہوتا ہے ۔

وَاَمَّا فِی حَالَةِ النَّصْبِ فَالْيَاءُ مُتَحَرِّكَةٌ مَفْتُوحَةٌ نَحْوُ رَاَيْتُ جَوَارِيَ فَلَا اِشْكَالَ فِی حَالَةِ النَّصْبِ لِاَنَّ الْاِسْمَ غَيْرُ مُنْصَرِفٍ لِلْجَمْعِيَّةِ مَعَ صِيغَةِ مُنْتَهَى الْجُمُوعِ بِخِلَافِ حَالَتَیِ الرَّفْعِ وَالْجَرِّ فَاِنَّهُ قَدْ اُخْتُلِفَ فِيهِ

ترجمہ: ــــ اور لیکن حالت نصب میں تو یاء متحرک مفتوح ہوگی جیسے رایتُ جواریَ پس حالت نصب میں کوئی اشکال نہ ہوگا کیونکہ اسم غیر منصرف ہے اس وجہ سے کہ اس میں جمعیت موجود ہے صیغہ منتہی الجموع کے ساتھ بر خلاف رفع اور جر کی دونوں حالتوں میں کیونکہ ان کے اندر اختلاف کیا گیا ہے

تشریح ۔ ــــ قولہ واما فی حالۃ النصب ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ جوارٍ کا حکم جس طرح رفع و جر کی حالت میں بحسب صورت ہے اسی طرح نصب کی حالت میں بھی کہ یاء آخر میں مفتوح ہوتی ہے ۔ جواب یہ کہ نصب کی حالت میں قاضٍ کے آخر میں یاء مفتوح منون ہوتی ہے اور جوارٍ کے آخر میں تاء مفتوح بلا نون ہوتی ہے اسی وجہ سے جوارٍ حالت نصب میں بالاتفاق غیر منصرف ہے کیونکہ یاء مفتوح ہونے کی وجہ سے اس میں تعلیل نہیں ہوتی ۔ اور جمع اپنی شرط صیغہ منتہی الجموع کے ساتھ باقی رہتی ہے بر خلاف حالت رفع وجر میں کہ اس وقت یاء کے مضموم ومکسور ہونے کی وجہ سے اس میں تعلیل ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس کی جمعیت میں فتور پیدا ہو جاتا ہے اس وجہ سے اس کے غیر منصرف ہونے میں نحویوں کے درمیان اختلاف ہے ۔

فَذَهَبَ بَعْضُهُمْ اِلَى اَنَّ الْاِسْمَ مُنْصَرِفٌ وَالتَّنْوِينُ فِيهِ تَنْوِينُ الصَّرْفِ لِاَنَّ الْاِعْلَالَ الْمُتَعَلِّقَ بِجَوْهَرِ الْكَلِمَةِ مُقَدَّمٌ عَلَى مَنْعِ الصَّرْفِ الَّذِی هُوَ مِنْ اَحْوَالِ الْكَلِمَةِ بَعْدَ تَمَامِهَا فَاَصْلُ جَوَارٍ فِی قَوْلِكَ جَاءَنِی جَوَارٍ جَوَارِیٌ بِالضَّمَّةِ وَالتَّنْوِينِ بِنَاءً عَلَى اَنَّ الْاَصْلَ فِی الْاِسْمِ الصَّرْفُ فَبُنِیَ الْاِعْلَالُ عَلَى مَا هُوَ الْاَصْلُ ثُمَّ اُسْقِطَتِ الضَّمَّةُ لِلثِّقَلِ وَالْيَاءُ لِالْتِقَاءِ السَّاكِنَيْنِ فَصَارَ جَوَارٍ عَلَى وَزْنِ سَلَامٍ وَكَلَامٍ فَلَمْ يَبْقَ عَلَى صِيغَةِ مُنْتَهَى الْجُمُوعِ فَهُوَ بَعْدَ الْاِعْلَالِ اَيْضًا مُنْصَرِفٌ وَالتَّنْوِينُ فِيهِ لِلصَّرْفِ كَمَا كَانَ قَبْلَ الْاِعْلَالِ كَذَا

Marfat.com

ترجمہ: ـــــ اور بعض نحوی اس طرف گئے ہیں کہ اسم جوارٍ منصرف ہے اور اس میں تنوین، تنوین صرف ہے کیونکہ اعلال جو ذات کلمہ کے ساتھ متعلق ہے غیر منصرف ہونے پر مقدم ہے جو احوال کلمہ سے ہے اس کے مکمل ہو جانے کے بعد آپ کے قول جاء تنی جوارٍ میں جوارٍ کی اصل ہے جواریٌ ضمہ اور تنوین کے ساتھ اس بنا پر کہ اسم معرب میں اصل منصرف ہونا ہے پس اعلال کی بنیاد اس پر رکھی گئی جو اصل ہے پھر ثقل کی وجہ سے ضمہ اور التقاء ساکنین کی وجہ سے یاء ساقط کر دیا گیا تو جوارٍ ہو گیا سلامٍ و کلامٍ کے وزن پر پس وہ منتہی الجموع کے وزن پر باقی نہ رہا تو وہ بعد اعلال بھی منصرف رہا جیسے قبل اعلال منصرف تھا اور اس میں تنوین صرف کی ہے جس طرح قبل اعلال تنوین صرف کی تھی اسی طرح بعد اعلال بھی۔

تشریح: ـــــ قولہ فذھب بعضھم۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ جوارٍ رفع و جر کی حالت میں آخر سے یاء محذوف ہوتی ہے اور تنوین آخر میں لاحق ہوتی ہے لیکن وہ اس حالت میں غیر منصرف ہی رہتا ہے یا منصرف ہو جاتا ہے؟ جواب یہ کہ اس میں اختلاف ہے زجاج کا مذہب یہ ہے جوارٍ قبل اعلال بھی منصرف ہے اور بعد اعلال بھی منصرف ہے اور کسائی و ابوزید و عیسیٰ بن عمر کا مذہب یہ ہے کہ قبل اعلال بھی غیر منصرف ہے اور بعد اعلال بھی غیر منصرف ہے اور سیبویہ و خلیل کا مذہب یہ ہے کہ قبل اعلال منصرف ہے اور بعد اعلال غیر منصرف لیکن قبل اعلال غیر منصرف ہونا اور بعد اعلال منصرف ہونا تو اس کا قائل کوئی نہیں ہے اس لئے اسکو یہاں بیان نہیں کیا گیا۔

قولہ لان الاعلال۔ یہ دلیل ہے مذہب زجاج کی جس کا حاصل یہ کہ قبل اعلال اس لئے منصرف ہے کہ اسم میں اصل منصرف ہونا ہے کیونکہ وہ کسی علت کا محتاج نہیں اور غیر منصرف دو علتوں کا محتاج ہے اور بعد اعلال اس لئے منصرف ہے کہ اعلال غیر منصرف ہونے پر مقدم ہے کیونکہ اعلال ذات کلمہ کے ساتھ متعلق ہوتا ہے یعنی اس سے ذات کلمہ متغیر ہوتی ہے اور غیر منصرف سے وصف کلمہ متغیر ہوتا ہے اور اس لئے بھی کہ اعلال کا سبب قوی یعنی ثقل محسوس ہے اور غیر منصرف ہونے کا سبب ضعیف یعنی مشابہت غیر محسوس ہے اس لئے اعلال غیر منصرف ہونے پر مقدم ہے پس بحالت رفع جاءتنی جوارٍ میں جوارٍ کی اصل جواریٌ ہوئی ضمہ اور تنوین کے ساتھ اور بحالت جر مررت بجوارٍ میں جوارٍ کی اصل جواریٍ ہوئی کسرہ و تنوین کے ساتھ یاء پر ضمہ و کسرہ چونکہ ثقیل ہوتے ہیں اس لئے یاء کا ضمہ و کسرہ ساقط کر دیا گیا پھر اجتماع ساکنین کی وجہ سے یاء گر گئی پس جوارٍ ہو گیا۔ اور اب منتہی الجموع کا صیغہ نہ رہا اس لئے بعد اعلال بھی وہ منصرف رہا اور اس پر تنوین تنوین تمکن و صرف کی ہے۔

قولہ بناء علی ان۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ اعلال جو ذات کلمہ کیساتھ متعلق ہے وہ جس طرح

Marfat.com

غیر منصرف ہونے پر مقدم ہے اسی طرح منصرف ہونے پر بھی مقدم ہے کیونکہ دونوں احوال کلمہ سے ہیں لہذا یہ کہنا درست نہ ہوا کہ اعلال صرف غیر منصرف ہونے پر مقدم ہے ۔جواب یہ کہ منصرف ہونا بھی اگرچہ کلمہ کے احوال سے ہے لیکن اس کا لحاظ اعلال پر مقدم ہے کہ اسم پہلے منصرف ملحوظ ہوتا ہے پھر اس پر اعلال کیا جاتا ہے کیونکہ اسم میں اصل منصرف ہونا ہے یہ بھی ممکن ہے کہ یہ عبارت علت ہو اس بات کی کہ جوارٍ کی اصل جواریٌ ضمہ و تنوین کے ساتھ ہے صرف ضمہ کیساتھ نہیں کیونکہ اصل کا لحاظ کر کے اس کو منصرف پڑھا گیا ہے اور منصرف پر تنوین بھی داخل ہوتی ہے ۔

قولہ نصار جوارٍ ۔ یعنی جوارٍ منصرف اس لئے ہے کہ اسم میں اصل منصرف ہونا ہے اور اس لئے بھی کہ وہ سلام و کلام جیسے مفردات کے وزن پر ہے پس وہ منتہی الجموع کے وزن پر نہ رہا اور یہ شرط ہے جمع کی لہذا جمع بھی مفقود ہو گئی جیسا کہ مشہور ہے اذا فات الشرط فات المشروط ۔ سوال جوارٍ اگرچہ فی الحال منتہی الجموع کے وزن پر نہیں لیکن اصل میں وہ اس وزن پر تھا اور تحقق شرط کے لئے صیغۂ اصلیہ ہی کافی ہے جیسے حفاجر میں جمع اصلی کافی ہے ۔جواب جمع میں جمع اصلی معتبر ہے لیکن صیغۂ اصلی نہیں بلکہ اس میں صیغۂ حالیہ کا اعتبار ضروری ہے

وَذَهَبَ بعضُهم إلى انّهُ بعدَ الاعلالِ غيرُ منصرفٍ لانّ فيهِ الجمعيةَ مع صيغةِ منتهى الجموعِ لانّ المحذوفَ بمنزلةِ المقدّرِ ولهذا لا يجرى الاعرابُ على الرّاءِ والتّنوينُ فيه تنوينُ العوضِ فانّهُ لما أُسقِطَ تنوينُ الصّرفِ عُوِّضَ من اليارِ المحذوفةِ أو عن حركتِها هذا التنوينُ وعلى هذا القياسِ حالةُ الجرِّ بلا تفاوتٍ

ترجمہ : ـــــ اور بعض نحوی اس طرف گئے ہیں کہ جوارٍ بعد اعلال غیر منصرف ہے کیونکہ اس میں جمعیت صیغۂ منتہی الجموع کے ساتھ موجود ہے اس لئے کہ محذوف بمنزلۂ مقدر ہے اسی وجہ سے راء پر اعراب جاری نہیں ہوتا اور اس میں تنوین تنوین عوض ہے کیونکہ جب تنوین صرف کو ساقط کر دیا گیا تو یاء محذوفہ یا اس کی حرکت کے عوض اس تنوین کو لایا گیا اور اسی قیاس پر حالت جر بھی بلا تفاوت ہے ۔

تشریح : ـــــ قولہ وذهب بعضهم ۔ یہ سیبویہ و خلیل کا مذہب ہے کہ جوارٍ قبل اعلال منصرف ہے اور اور بعد اعلال غیر منصرف ۔قبل اعلال اس لئے منصرف ہے کہ اسم میں اصل منصرف ہونا ہے جیسا کہ گذرا اور بعد اعلال غیر منصرف اس لئے ہے کہ وہ جمع منتہی الجموع کے وزن پر حکماً باقی ہے کیونکہ یاء محذوفہ بمنزلۂ یاء مقدرہ ہے اور یاء مقدرہ بمنزلۂ یاء ملفوظہ ہے اسی وجہ سے راء پر اعراب نہیں آتا اور اس پر تنوین عوض ہے جو یاء محذوفہ یا

Marfat.com

اس کی حرکت کے عوض آتی ہے تنوین ممکن نہیں جو اعلال سے پہلے تھی ۔

قولہ لان المحذوف ۔ اس عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ محذوف و مقدر دونوں ایک نہیں بلکہ الگ الگ ہیں مقدر وہ ہے جو لفظ میں متروک ہو اور نیت میں موجود ہو جیسے واسئل القریۃ میں اہل اگرچہ لفظ میں متروک ہے لیکن نیت میں ہنوز موجود ہے کیونکہ مسئول عنہ ہونے کی صلاحیت آبادی کے اندر نہیں بلکہ آبادی والے کے اندر ہے اور محذوف وہ ہے جو لفظ و نیت دونوں میں متروک ہو جیسے یدودم کے آخر سے واؤ لفظ و نیت دونوں میں متروک ہے ۔ محذوف چونکہ متروک فی اللفظ ہونے میں مقدر کے ساتھ مشابہ ہے اس لئے اس کو بمنزلہ مقدر کہا گیا ۔ خیال رہے کہ محذوف میں متروک کبھی علی الدوام یعنی نسیاً منسیاً ہوتا ہے جیسے یدودم میں اور کبھی متروک علی الزوال یعنی اعلال اگر نہ ہو تو پڑھا جائے جیسے قاضٍ و داعٍ میں اور یہاں قاضٍ سے یہی دوسری قسم مراد ہے اور اس پر الف لام برائے عہد خارجی ہے جو دوسری قسم پر دال ہے

قولہ والتنوین فیہ ۔ یہ اُس سوال کا جواب ہے کہ جوارٍ اگر اعلال کے بعد غیر منصرف ہے تو اس پر تنوین کیوں آتی ہے ؟ جبکہ وہ کسرہ و تنوین کو قبول نہیں کرتا ۔ جواب یہ کہ غیر منصرف پر تنوین ممکن نہیں آتی اور جوارٍ پر تنوین عوض ہے جو حرف یا اس کی حرکت کے عوض ہے ۔

قولہ عوض من الیاء ۔ تنوین کا معوض عنہ یا رمحذوفہ ہے یا اس کی حرکت ۔ نحویوں کا اس کے متعلق دو قول ہیں اس لئے شارح نے دونوں قول کو نقل فرمایا ۔ آخر میں تنوین اس لئے آتی ہے کہ یا رمحذوفہ کے واپس آنیکی امید منقطع ہو جائے کیونکہ یا رساکن ہے اور تنوین بھی ساکن پس اگر یا رواپس آئے تو دو ساکن کا اجتماع لازم آئیگا جو ممنوع ہے

وفی لغۃ بعض العرب اثبات الیاء فی حالۃ الجر کما فی حالۃ النصب تقول مررت بجواری کما تقول رایت جواری وبناء ھذہ اللغۃ علی تقدیم منع الصرف علی الاعلال فانہ حینئذ تکون الیاء مفتوحۃ فی حالۃ الجر والفتحۃ خفیفۃ فیما وقع فیہ اعلال واما فی حالۃ الرفع فاصل جوارٍ جواری بالضمۃ بلا تنوین حذفت الضمۃ للثقل وعوض عنہا التنوین فسقطت الیاء لالتقاء الساکنین نصار جوارٍ وعلی ھذہ اللغۃ لا اعلال الا فی حالۃ واحدۃ بخلاف اللغۃ المشہورۃ فانہ فیہ الاعلال فی حالتین کما عرفت

Marfat.com

ترجمہ: ـــــ اور بعض عرب کی لغت میں حالت جر میں یاء ثابت کیا گیا ہے جیسا کہ حالت نصب میں ثابت کیا گیا ہے آپ کہیں گے مررت بجواری جس طرح آپ کہتے ہیں رأیت جواریَ اور اس لغت کی بنا غیر منصرف کو اعلال پر مقدم کرنا ہے کیونکہ اس وقت یاء حالت جر میں مفتوح ہوتی ہے اور فتحہ خفیف ہے پس اس حالت میں اعلال واقع نہ ہوگا اور لیکن رفع کی حالت میں تو جوارٍ کی اصل جواریٌ ضمہ کے ساتھ بلا تنوین ہے ضمہ ثقل کی وجہ سے حذف کر دیا گیا اور دونوں کے عوض میں تنوین لائی گئی پس یاء التقاء الساکنین کی وجہ سے ساقط ہو کر جوارٍ ہو گیا اور اس لغت پر اعلال صرف ایک حالت میں ہوگا برخلاف لغت مشہورہ کہ اس میں اعلال دونوں حالتوں میں ہوگا جیسا کہ آپ پہچان چکے۔

تشریح: ـــــ قولہ وفی لغۃ۔ یہ کسائی وغیرہ کا مذہب ہے کہ جوارٍ رفع کی حالت میں قبل اعلال بھی غیر منصرف ہے اور بعد اعلال بھی غیر منصرف ہے کیونکہ ان کے مذہب میں غیر منصرف ہونا اعلال پر مقدم ہے پس رفع کی حالت میں جواریٌ یاء پر ضمہ بلا تنوین ہے اور یاء پر ضمہ ثقیل ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا گیا اور اس کے عوض تنوین لائی گئی پھر اجتماع ساکنین کی وجہ سے یاء گر گئی تو جوارٍ ہو گیا۔ کسائی کے نزدیک یاء محذوفہ بمنزلہ یاء ملفوظہ ہے اس لئے جمع منتہی الجموع کا صیغہ حکماً موجود ہے پس جوارٍ بعد اعلال بھی غیر منصرف ہوگا لیکن جر کی حالت میں جواریَ یاء کو فتحہ کے ساتھ بلا تنوین پڑھا جائے گا جس طرح نصب کی حالت میں بالاتفاق یاء کو فتحہ بلا تنوین پڑھا جاتا ہے۔ اعلال صرف رفع کی حالت میں ہوگا نصب و جر کی حالت میں نہیں کیونکہ اعلال کا سبب جو ثقل ہے وہ موجود نہیں اس لئے کہ یاء پر ضمہ ہے نہ کسرہ بلکہ فتحہ ہے۔

قولہ وعلیٰ ھذا اللغۃ۔ کسائی وغیرہ کے مذہب پر صرف حالت رفع میں اعلال ہوگا اور زجاج وسیبویہ کے مذہب پر رفع و جر دونوں حالتوں میں اعلال ہوگا متن میں جو نحو جوارٍ رفعاً وجراً کا قائل کہا گیا ہے زجاج اور سیبویہ کے مذہب پر کیوں ان دونوں کا مذہب لغت مشہورہ پر ہے اور کسائی وغیرہ کا مذہب لغت مشہورہ کے خلاف ہے۔

التركيبُ وهُو صيرورةُ كلمتينِ أو أكثر كلمةً واحدةً من غير حرفيةٍ جزءٍ فلا يردُ النجمُ وبصريٌّ علمَينِ شرطُهُ العلميةُ ليأمن من الزوالِ فيحصلُ له قوةٌ فيؤثرُ بها فى منعِ الصرفِ

Marfat.com

ترجمہ:- ـــــ (ترکیب) اور وہ دو یا اس سے زائد کلموں کا ایک کلمہ ہو جانا ہے بغیر یہ کہ کوئی جزء حرف ہو پس اعتراض نہ ہوگا النجم اور بصریٌ سے جب کہ دونوں علم ہوں (اس کی شرط علم ہونا ہے) تاکہ ترکیب زوال سے محفوظ رہے پس اس کے لئے ایک ایسی قوت حاصل ہوگی کہ جس سے وہ غیر منصرف ہونے میں موثر ہو سکے۔

تشریح:- ـــــ قولہ[1] وھو صیرورۃ۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ اَلنجمُ اور بصریٌ اور قائمۃٌ کو اگر کسی کا علم بنا دیا جائے تو ہر ایک کو غیر منصرف ہو جانا چاہئیے کیونکہ ہر ایک میں علمیت اور ترکیب موجود ہیں۔ جواب یہ کہ ترکیب سے یہاں مراد یہ ہے کہ چند کلموں کا ملکر ایک کلمہ اس طرح ہو جانا ہے کہ کوئی جزء حرف نہ ہو اور یہ مذکورہ تینوں مثالوں میں مفقود ہے کیونکہ النجم میں لام تعریف جزء ہے اور بصریٌ میں یاء نسبت جزء ہے اور قائمۃٌ میں تاء تانیث جزء ہے لیکن تینوں حرف ہیں۔

قولہ[2] لیامن من الزوال۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ ترکیب میں علمیت کی شرط کیوں ہے؟ جواب یہ کہ علمیت کی وجہ سے ترکیب زوال سے محفوظ ہو جاتی ہے کیونکہ علم میں بقدر امکان تغیر نہیں ہوتا جس سے یہ قوت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ غیر منصرف کا سبب بن سکے۔ خیال رہے کہ ترکیب کا غیر منصرف کے سبب ہونے کے لئے تین شرط ہیں ایک وجودی یعنی علم ہونا اور دو عدمی یعنی اضافت کا نہ ہونا اور اسناد کا نہ ہونا۔ وجودی کو اس لئے مقدم کیا گیا کہ اس کو عدمی پر تقدم طبعی حاصل ہے اور اس لئے بھی کہ وجودی ایک ہے اور عدمی دو اور ایک کا دو پر تقدم طبعی ہونا ظاہر ہے۔

وَاَنْ لَا یَکُوْنَ بِاِضَافَۃٍ لِاَنَّ[1] الاضافۃَ تُخْرِجُ المضافَ الی الصرفِ اَوالی حکمہٖ فکیفَ تؤثِّرُ فی المضافِ الیہ مایضادُّہٗ اعنی منعَ الصرفِ ولا اسنادٍ لِاَنَّ[2] الاعلامَ المشتملۃَ علی الاِسنادِ من قبیلِ المبنیاتِ نحو تابَّطَ شرًّا فانّھا باقیۃٌ فی حالۃِ العلمیۃِ علی ما کانتْ علیھا قبلَ العلمیۃِ فانَّ التسمیۃَ بھا انّما ھی لدلالتھا علی قصۃٍ غریبۃٍ فلو تطرّقَ الیھا التغیّرُ یمکنُ اَنْ تفوتَ تلکَ الدلالۃُ واذا کانتْ من قبیلِ المبنیّاتِ فکیفَ یتصوّرُ فیھا منعُ الصرفِ الذی ھو من احکامِ المعرباتِ

ترجمہ:- ـــــ (اور یہ کہ اضافت کے ساتھ نہ ہو) کیونکہ اضافت مضاف کو منصرف یا اس کے حکم کی طرف نکال دیتی ہے تو وہ اس اسم میں جو منصرف کی طرف مضاف ہے کیسے اثر کر سکتی ہے؟ جو اس اسم مضاف کے متضاد ہو یعنی منع صرف (اور نہ اسناد کے ساتھ ہو) اس لئے کہ اعلام جو اسناد پر مشتمل ہوتے ہیں مبنیات

Marfat.com

کے قبیل سے ہیں جیسے تابطّ شراً کیونکہ اعلام حالت علمیت میں اسی حالت پر باقی رہتے ہیں جس پر وہ علمیت سے پہلے تھے کیونکہ ان اعلام کے ساتھ نام رکھنا عجیب وغریب قصّہ پر دلالت کرنے کے لئے ہوتا ہے پس اگر ان اعلام کی طرف تغیر کو راستہ مل جائے تو ممکن ہے وہ دلالت فوت ہو جائے اور جب وہ اعلام مبنیات کے قبیل سے ہوئے تو ان کے اندر غیر منصرف ہونے کا تصور کیسے ہو سکتا ہے جو احکام معربات سے ہے۔

تشریح: ـــــ قولہ لانّ الاِضَافَۃَ ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ ترکیب میں یہ شرط کیوں ہے کہ اضافت کیساتھ نہ ہو؟ جواب یہ کہ اضافت مضاف کو منصرف یا اس کے حکم میں کر دیتی ہے تو وہ مضاف الیہ کو اس کی ضد یعنی غیر منصرف بنانے میں کیسے مؤثر ہو سکے گی۔ خیال رہے کہ اضافت سے یہاں مراد مرکب تقییدی ہے یعنی وہ ترکیب ہے کہ جس میں دوسرا جزء پہلے جزء کی قید ہو خواہ وہ ترکیب اضافی ہو جیسے رسول اللہ یا توصیفی ہو جیسے اَلعِلمُ نورٌ۔

قولہ لان الاعلامَ ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ ترکیب میں یہ شرط کیوں ہے کہ اسناد کے ساتھ نہ ہو؟ جواب یہ کہ غیر منصرف معرب ہوتا ہے اور جس اسم میں اسناد ہو وہ مبنی ہوتا ہے اس لئے جس علم میں اسناد ہوگی وہ غیر منصرف نہ ہوگا مثلاً تابطَ شراً جملہ ہے جس میں اسناد ہے وہ ایک شخص کا نام ہو گیا ہے پس وہ جس طرح پہلے مبنی تھا اسی طرح علم ہونے کے بعد بھی مبنی ہوگا۔

قولہ علیٰ قصۃٍ غریبۃٍ ۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص جنگل سے لکڑی کا گٹھیا بغل میں دبا کر مکان پہونچا اور جب اس کی بیوی نے گٹھیا کھولا تو اس سے ایک زہریلا سانپ برآمد ہوا جس سے وہ بے ساختہ چیخ پڑی اور منہ سے یہ جملہ نکلا تابطَ شراً یعنی اس نے شر کو بغل میں دبا لیا جب یہ واقعہ مشہور ہو گیا تو لوگ اس کو اسی نام سے پکارنے لگے اور اب یہ ہر شریر و بدمعاش کو کہا جاتا ہے کیونکہ اس کے ساتھ بھی شرارت و بدمعاشی ہوتی ہے۔

فان قلت کان علی المصنف ان یقول وان لا یکون الجزء الثانی من المرکب صرتا ولا متضمنا بحرف العطف لیخرج مثل سیبویہ ونفطویہ ومثل خمسۃ عشر وستۃ عشر علمین قلنا کانّہ اکتفیٰ فی ذلک بما ذکرہ فیما بعد انہما من قبیل المبنیات واما الاعلام المشتملۃ علی الاسناد فلم یذکر بناءھا اصلا فلذلک احتاج الی اخراجہا

Marfat.com

ترجمہ : ـــــ پس اگر آپ سوال کریں کہ مصنّف پر یہ کہنا ضروری تھا کہ مرکب کا جزء ثانی صوت نہ ہو اور نہ متضمن ہو کسی حرف عطف کو تاکہ تعریف سے سیبویہ اور نفطویہ کی مثل نکل جائے اور خمسۃ عشر و ستۃ عشر کی مثل بھی نکل جائے جبکہ دونوں علم ہوں ۔ ہم جواب دیں گے کہ مصنف نے گویا دونوں قیدوں کے بیان نہ کرنے میں اس پر اکتفا کیا ہے جو بعد میں بیان کریں گے کہ دونوں ترکیب مبنیات کے قبیل سے ہیں اور رہے وہ اعلام جو اسناد پر مشتمل ہیں تو انہوں نے ان کے مبنی ہونے کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے اس لئے اس کے نکالنے کی ضرورت پیش آئی ۔

تشریح : ـــــ قولہ فان قلت ۔ شارح کی طرف سے ماتن کا یہ سوال ہے کہ ترکیب صوتی جیسے سیبویہ و نفطویہ اور ترکیب بنائی جیسے خمسۃ عشر و ستۃ عشر کو اگر کسی کا علم بنا دیا جائے تو وہ غیر منصرف نہیں ہوتے پس مصنّف کو یہ بھی کہنا چاہیے وانہ لا یکون الجزء الثانی من المرکب صوتاً ولا متضمناً بحرف العطف خیال رہے کہ علم ہونے کی قید جس طرح خمسۃ عشر و ستۃ عشر میں ملحوظ ہے اسی طرح سیبویہ و نفطویہ میں بھی لیکن اس کو صرف اول میں اس لئے بیان کیا گیا کہ سیبویہ و نفطویہ کا علم ہونا مشہور ہے کیونکہ وہ نحو کے دو امام کے نام ہیں اور خمسۃ عشر و ستۃ عشر عدد کے لئے موضوع ہیں اس لئے ان کا علم ہونا معلوم نہیں ۔ سیبویہ کی وجہ تسمیہ تفصیل کے ساتھ آگے بیان کی جائیگی لیکن نفطویہ کی یہ ہے کہ نفط کے معنی آبلہ ہے اور ان کے جسم پر چونکہ کافی آبلہ پڑ چکا تھا جس کی وجہ سے اُن کے مُنہ سے بے ساختہ ویہ ویہ کی آواز نکلتی تھی اس لئے ان کو نفطویہ کہا جاتا ہے ۔

قولہ قلنا ۔ یہ جواب ہے سوال مذکور کا جس کا حاصل یہ ہے کہ غیر منصرف معرب ہے اور ترکیب صوتی اور ترکیب بنائی مبنی ہیں اور ان دونوں کو چونکہ بعد میں بحث مبنی میں بیان کیا جائے گا ؛ لئے یہاں اُن کو مابعد کے بیان پر اکتفا کرتے ہوئے چھوڑ دیا گیا ۔

قولہ کانّہ اس عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ خمسۃ عشر اور سیبویہ کا ذکر بحث مبنی میں ایک طرح نہیں بلکہ اوّل کے مبنی ہونے کا ذکر صراحۃً ہے اور دوم کے مبنی ہونے کا ذکر اشارۃً ہے وہ اس طرح کہ فان تضمن الجزء الثانی حرفاً بُنیا کخمسۃ عشر والا فاعرب الثانی الخ یعنی جزء ثانی اگر کسی حرف کو متضمن ہو تو دونوں مبنی ہوں گے ورنہ جزء اول کو اعراب دیا جائے گا مگر اس شرط کے ساتھ کہ وہ ترکیب سے پہلے مبنی نہ ہو ورنہ اپنے بناء پر قائم رہے گا جیسے سیبویہ و نفطویہ وغیرہ ۔

قولہ واما الاعلام ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مرکب صوتی اور مرکب بنائی کو ماتن نے اس لئے نہیں

Marfat.com

نکالا کہ وہ مبنی ہیں اور غیر منصرف معرب ہے تو ان اعلام کو کیوں نکالا جن کے اندر اسناد ہوتی ہے جب کہ وہ بھی مبنی ہیں۔ جواب یہ کہ وہ اعلام کہ جن کے اندر اسناد ہوتی ہے وہ بھی اگرچہ مبنی ہیں لیکن ان کو یہاں اس لیے نکالا گیا کہ ان کے بنا ر کا ذکر کہیں بھی نہیں ہے برخلاف مرکب بنائی و مرکب صوتی کہ وہ بحث مبنی میں مذکور ہیں اس لئے یہاں ان کو نہیں نکالا گیا۔

مِثْلُ بعلبكَ فانّهٗ علمٌ لبلدةٍ مركبٌ من بَعلٍ وهُواسمُ صنمٍ وبَكٍّ واسمُ صاحبِ هٰذهِ البلدةِ جُعِلا اسماً واحداً مِن غيرِ اَن يُقصدَ بهما نسبةٌ اضافيةٌ اَو اِسنادية اَو غيرُهما

ترجمہ: ـــــ (جیسے بعلبک) اس لئے کہ وہ ایک شہر کا نام ہے جو مرکب ہے بعل سے جو ایک بت کا نام ہے اور بک سے جو اس شہر کے مالک کا نام ہے دونوں کو ایک نام کر دیا گیا بغیر یہ کہ ان دونوں کے درمیان قصد کیا جائے نسبت اضافیہ کا یا اسنادیہ کا یا ان دونوں کے علاوہ کا۔

تشریح: ـــــ یعنی بعلبک ملک شام کے ایک شہر کا نام ہے جو مرکب ہے بعل اور بک سے بعل ایک بت کا نام ہے جس کو حضرت الیاس علیہ السلام کی امت پوجتی تھی رب تعالیٰ کا ارشاد ہے اتدعون بعلاً وتذرون احسن الخالقین۔ اور بک اس ملک کے بادشاہ کا نام ہے جو بعل بت کا پجاری تھا پس عابد و معبود کا نام ملا کر ملک شام کے ایک شہر کا نام رکھ دیا گیا۔

الالفُ والنونُ المعدُودتانِ من اَسبابِ منعِ الصرفِ تسمّيانِ مزيدَتينِ لانهما من الحُروفِ الزوائدِ وتسمّيانِ مضارعتينِ ايضاً لمضارعتِهما الالفَ التانيثِ فى منعِ دُخولِ تاءِ التانيثِ عليهما وللنحاةِ خلافٌ فى اَنّ سببَهما لمنعِ الصرفِ اِمّا لكونِهما مزيدتينِ وفرعيتِهما للمزيدِ عليهِ واِمّا لمشابهتِهما الالفَ التانيثِ والراجحُ هو القولُ الثانى

ترجمہ: ـــــ (الف ونون) جو اسباب منع صرف سے شمار ہوتے ہیں ان دونوں کا نام مزیدتان رکھا جاتا ہے کیونکہ دونوں حروف زوائد سے ہیں اور ان دونوں کا نام مضارعتان یعنی مشابہتان بھی رکھا جاتا ہے کیوں کہ ان دونوں کو تانیث کے دونوں الفوں کیساتھ مشابہت حاصل ہے ان دونوں پر تاء تانیث کے داخل نہ ہونے

Marfat.com

ہیں اور نحویوں کا اس امر میں اختلاف ہے کہ الف ونون کا غیر منصرف کا سبب ہونا اس وجہ سے ہے کہ دونوں مزید تان ہیں اور فرع ہیں مزید علیہ کے اور یا اس وجہ سے کہ دونوں مشابہ ہیں تانیث کے دونوں الفوں کے اور راجح یہی دوسرا قول ہے۔

تشریح: ـــــ قولہ[1] المعدودتان ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ حسّان میں الف ونون موجود ہیں اور علمیت بھی کہ وہ ایک مدّاح رسول جلیل القدر صحابی کا نام ہے لیکن وہ غیر منصرف نہیں بلکہ منصرف پڑھا جاتا ہے جواب یہ کہ الف ونون پر الف لام عہد خارجی کا ہے جس سے مراد وہ الف ونون ہیں جو غیر منصرف کے اسباب سے شمار ہوتے ہیں اور وہ وہ ہیں جو اسم کے آخر میں لاحق ہوں اور اس کے حروف اصلی سے زائد ہوں اور حسّان میں الف ونون زائد نہیں بلکہ نون اصلی ہے کہ اس کا مادہ حسن ہے۔

قولہ[2] تسمیانِ مزیدتین ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ الف ونون کو مزیدتان بھی کہا جاتا ہے اور مضارعتان بھی۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ جواب یہ کہ اس کو مزیدتان نحات کوفی کہتے ہیں وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ الف ونون حروف زوائد سے ہیں یا یہ کہ وہ تین حروف اصلیہ پر زائد ہوتے ہیں جیسے عثمان وسکران اور اس کو مضارعتان نحات بصری کہتے ہیں وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ مضارع بمعنی مشابہ ہے اور وہ چونکہ تانیث کے دونوں الف یعنی الف مقصورہ والف ممدودہ کیساتھ اس امر میں مشابہ ہیں کہ جس اسم میں الف مقصورہ والف ممدودہ لاحق ہوتے ہیں اس میں تاء تانیث نہیں آتی اسی طرح جس اسم میں الف ونون لاحق ہوتے ہیں اس میں تاء تانیث نہیں آتی اس لئے ان دونوں کو مضارعتان یعنی مشابہتان کہا جاتا ہے خیال رہے کہ تسمیان یہاں بمعنی توصفان ہے کیونکہ الف ونون پر زائد ہونے یا مشابہ ہونے کا اطلاق بطور صفت ہے بطور تسمیہ نہیں۔

قولہ[3] للنحاۃ خلافٌ ۔ نحات کوفی کے نزدیک چونکہ الف ونون کا نام مزیدتان ہے اس لئے ان کے نزدیک الف ونون کا غیر منصرف کا سبب ہونا زائد ہونے کے اعتبار سے ہے کیونکہ زائد مزید علیہ کی فرع ہوتا ہے پس ان سے اسم میں فرعیت پائی جائیگی اور نحات بصری کے نزدیک الف ونون کا نام مضارعتان ہے پس ان کے نزدیک الف ونون کا سبب ہونا الف مقصورہ والف ممدودہ کے مشابہ ہونے کی وجہ سے ہے تو یہ الف ونون مشبّہ ہوئے اور الف مقصورہ والف ممدودہ مشبہ بہ اور ظاہر ہے مشبہ مشبہ بہ کی فرع ہوتا ہے پس ان سے اسم میں فرعیت پائی جائیگی۔

قولہ[4] والراجح ۔ قول دوم راجح اس لئے ہے کہ قول اول پر ندمان کا غیر منصرف ہونا لازم آتا ہے

Marfat.com

جب کہ وہ بالاتفاق منصرف ہے کیونکہ اس کے آخر میں تا ء تانیث لاحق ہوتی ہے جس کی وجہ سے الف ونون کا تانیث کے الف مقصورہ والف ممدودہ کے ساتھ مشابہت زائل ہو جاتی ہے پس وہ منصرف ہو جاتا ہے لیکن قول اوّل پر ندمان کے آخر میں چونکہ الف ونون زائدتان موجود ہیں اس لئے وہ غیر منصرف ہو جائے گا۔

ثُمَّ اَنَّهُمَا اِنْ كَانَتَا فِی اسْمٍ یعنی بِهٖ مَا یُقَابِلُ الصِّفَةَ فَاِنَّ الْاِسْمَ الْمُقَابِلَ لِلْفِعْلِ وَالْحَرْفِ اِمَّا اَنْ لَا یَدُلَّ عَلٰی ذَاتٍ مَا لُوْحِظَ مَعَهَا صِفَةٌ مِنَ الصِّفَاتِ کَرَجُلٍ وَفَرَسٍ اَوْ یَدُلَّ کَاَحْمَرَ وَضَارِبٍ وَمَضْرُوْبٍ فَالْاَوَّلُ یُسَمّٰی اِسْمًا وَالثَّانِیْ صِفَةً فَالْمُرَادُ بِالْاِسْمِ الْمَذْکُوْرِ هٰهُنَا هُوَ هٰذَا الْمَعْنٰی لَا الْاِسْمُ الشَّامِلُ لِلْاِسْمِ وَالصِّفَةِ فَشَرْطُهٗ اَیْ شَرْطُ الْاَلِفِ وَالنُّوْنِ فِیْ مَنْعِهِمَا مِنَ الصَّرْفِ وَاِفْرَادُ الضَّمِیْرِ بِاعْتِبَارِ اَنَّهُمَا سَبَبٌ وَاحِدٌ اَوْ شَرْطُ ذٰلِكَ الْاِسْمِ فِیْ امْتِنَاعِهٖ مِنَ الصَّرْفِ الْعَلَمِیَّةُ تَحْقِیْقًا لِلُزُوْمِ زِیَادَتِهِمَا اَوْ لِیَمْتَنِعَ دُخُوْلُ التَّاءِ عَلَیْهِمَا فَیَتَحَقَّقُ شَبَهُهُمَا بِاَلِفَیِ التَّانِیْثِ کَعِمْرَانَ

ترجمہ: ـــــ پھر وہ دونوں (اگر اسم میں ہوں) اسم سے مراد وہ ہے جو صفت کے مقابل ہو کیونکہ اسم جو فعل وحرف کے مقابل ہے وہ یا تو کسی ایسی ذات پر دلالت نہ کرے گا جس کے ساتھ کوئی صفت ملحوظ ہو صفات میں سے جیسے رجل وفرس یا دلالت کرے گا جیسے احمر وضارب ومضروب پس اول کا نام اسم رکھا جائیگا اور دوم کا صفت تو اسم مذکور سے مراد یہاں یہی معنی ہے وہ اسم نہیں جو اسم اور صفت دونوں کو شامل ہے (تو اس کی شرط) یعنی الف ونون کی شرط ان دونوں کے غیر منصرف کے سبب ہونے میں اور متن میں ضمیر کو مفرد اس اعتبار سے لایا گیا ہے کہ دونوں ایک سبب ہیں یا اس اسم کی شرط اس کے غیر منصرف ہونے میں (علمیت ہے) تاکہ ان دونوں کے زیادہ ہونے کا لزوم متحقق ہو جائے یا تاکہ ان دونوں پر تاء کا دخول ممتنع ہو جائے پس ان دونوں کی مشابہت تانیث کے دونوں الفوں کیساتھ متحقق ہو جائیگی (جیسے عمران)

تشریح: ـــــ قولہ یعنی بہ مایقابل۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اسم اس کلمہ کو کہتے ہیں جس کا معنی مستقل ہو اور وہ فہم میں کسی زمانہ کے ساتھ مقترن نہ ہو اور یہ معنی صفت کو بھی شامل ہے پس دونوں کے درمیان اَوْ صفۃ سے تقابل درست نہ ہوا جواب یہ کہ اسم سے یہاں مراد عام نہیں جو مذکور ہوا بلکہ اس سے مراد اسم ذات ہے جو اسم صفت کے مقابل ہوتا ہے۔ اسم صفت وہ اسم ہے جو ایسی ذات پر دلالت کرے جس میں اس کی کوئی صفت ملحوظ ہو جیسے ضارب کہ وہ ایسی ذات پر دال ہے جس میں اس کی صفت ضرب ملحوظ

Marfat.com

ہے اور اسم ذات وہ اسم ہے جو ایسی ذات پر دلالت کرے جس میں اس کی کوئی صفت ملحوظ نہ ہو جیسے رجل و فرس

قولہ علی ذات ما۔ ذات کی قید سے مصدر نکل گئے جیسے ضرب و قتل اور ما لوحظ معہا کی قید سے رجل و فرس اور اسم ظرف و اسم آلہ بھی نکل گئے اور معہا میں لفظ مع مصاحبت کے لئے آیا ہے جو ملاحظۂ ذات و ملاحظۂ صفت کے برابر ہونے پر دلالت کرتا ہے یعنی عام ہے کہ اصل ملاحظۂ ذات ہو یا ملاحظۂ صفت۔

قولہ ای شرط الالف والنون ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ متن میں شرطہٗ کی ضمیر مجرور کا مرجع الف و نون کو قرار دیا گیا ہے حالانکہ ضمیر مرجع کے مطابق نہیں کیونکہ ضمیر واحد ہے اور مرجع دو ہیں جواب یہ کہ الف و نون اگرچہ وجود میں دو ہیں لیکن سبب ہونے میں ایک ہیں کیونکہ یہ شرط ان کے سبب ہونے کی ہے جو دونوں مل کر ہیں اسی وجہ سے فشرطہٗ میں شرط کی اضافت ضمیر واحد کی طرف کی گئی ہے اور کانتا فی اسم میں کانتا کو تثنیہ لایا گیا ہے یہ بھی ممکن ہے کہ مرجع الف و نون نہیں بلکہ وہ اسم ہو جس کے آخر میں الف و نون لاحق ہوتے ہیں لیکن یہ ظاہر کے خلاف ہے اسی وجہ سے اس کو بعد میں بیان کیا گیا ہے کیونکہ سابق میں تمام شرائط اسباب کی طرف راجع ہیں اس لئے یہاں بھی مناسب ہوا کہ اس کی اضافت سبب یعنی الف و نون زائدتان کی طرف ہو۔

قولہ فی منعہما من الصرف۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ ندمان میں الف و نون زائدتان موجود ہیں لیکن علمیت نہیں جواب یہ کہ علمیت جو الف و نون زائدتان کی شرط ہے وجود کے لئے نہیں بلکہ غیر منصرف کا سبب ہونے کے لئے ہے۔

قولہ تحقیقا للزوم ۔ ماقبل میں چونکہ یہ بتایا گیا تھا کہ الف و نون کو کوفیین مزیدتان کہتے ہیں اور بصریین مضارعتان یعنی مشابہتان کہتے ہیں اس لئے یہاں دونوں مذہبوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے مذہب اوّل کی طرف تحقیقا للزوم زیادتہما سے اور مذہب دوم کی طرف یمتنع دخول التاء سے اول کا حاصل یہ کہ الف و نون میں علمیت کی شرط اس لئے لگائی جاتی ہے کہ وہ دونوں اسم کو لازم ہو جائے کیونکہ علم میں بقدر امکان تغیر نہیں ہوتا۔ جس سے ان دونوں میں اتنی قوت پیدا ہو جائے گی کہ وہ غیر منصرف کا سبب بن سکے اور دوم کا حاصل یہ کہ علمیت کی وجہ سے تاء تانیث کا لحوق ممتنع ہو جاتا ہے کیونکہ علم میں بقدر امکان قید زائد لاحق نہیں ہوتی پس ان کو الف مقصورہ و الف ممدودہ کے ساتھ تاء تانیث کے لاحق ہونے میں مشابہت پختہ ہو جائیگی کیونکہ الف مقصورہ و الف ممدودہ کو بھی تاء تانیث کا لاحق ہونا ممتنع ہے اس لئے کہ الف خود ہی تانیث پر دال ہے پس اس پر تاء تانیث کا لحوق فضول ہوگا۔

Marfat.com

أَوْ كَانَتَا فِي صِفَةٍ فَانْتِفَاءُ فَعْلَانَةٍ أَيْ إِنْ كَانَ الْأَلِفُ وَالنُّونُ فِي صِفَةٍ فَشَرْطُهُ انْتِفَاءُ فَعْلَانَةٍ يَعْنِي امْتِنَاعُ دُخُولِ تَاءِ التَّانِيثِ عَلَيْهِ لِيَبْقَى مُشَابَهَتُهُمَا لِأَلِفَيِ التَّانِيثِ عَلَى حَالِهَا وَلِذَا انْصَرَفَ عُرْيَانٌ مَعَ أَنَّهُ صِفَةٌ لِأَنَّ مُؤَنَّثَهُ عُرْيَانَةٌ

ترجمہ: ــــ (یا) وہ الف ونون (صفت) میں (ہوں تو انتفاء فعلانہ ہے، یعنی الف ونون اگر صفت میں ہوں تو اس کی شرط انتفاء فعلانہ ہے یعنی اس پر تاء تانیث کے دخول کا ممتنع ہونا ہے تاکہ الف ونون کی مشابہت تانیث کے دونوں الفوں کے ساتھ اپنے حال پر باقی رہے اسی وجہ سے عریانٌ منصرف ہے باوجودیکہ وہ صفت ہے کیونکہ اس کی مؤنث عریانۃ آتی ہے۔

تشریح: ــــ قولہ کانتا۔ اس عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ فی صفۃٍ کا عطف فی اسمٍ پر نہیں بلکہ وہ معمول ہے کانتا فعل ناقص کا اور پورا جملہ معطوف ہے ماقبل میں کانتا فی اسمٍ فشرطہ العلمیۃ معطوف علیہ پر صرف کانتا کو مقدر ماناگیا ہے ان شرطیہ کو نہیں وجہ یہ کہ کانتا کا حذف شائع ہے لیکن ان شرطیہ کا نہیں جیسے مشہور ہے ان خیراً فخیرٌ اور حرف أَوْ احد الامرین کے لئے نہیں بلکہ تقسیم کے لئے آیا ہے پس اس سے الف ونون زائدتان کا دو قسموں میں منقسم ہونا معلوم ہوتا ہے ایک یہ کہ الف ونون زائدتان اسم ذات میں ہوتے ہیں دوسری یہ کہ وہ دونوں اسم صفت میں ہوتے ہیں۔

قولہ ای ان کان الالف۔ الالف والنون سے کانتا میں ضمیر تثنیہ کے مرجع کو بیان کیا گیا ہے اور فشرطہ انتفاء فعلانۃ سے جواب ہے اس سوال کا کہ متن میں فانتفاء فعلانۃ جزا ہے شرط مذکور کی لیکن جزا ہمیشہ جملہ ہوتا ہے اور یہ جملہ نہیں جواب یہ کہ انتفاء فعلانۃ سے پہلے لفظ شرط، مبتدا ہے جو بقرینۂ سابق عبارت سے حذف کر دیا گیا ہے اور فا جزائیہ خبر پر داخل کر دیا گیا ہے۔

قولہ یعنی امتناع۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ متن میں فعلانۃ اگر فا کے فتحہ کیساتھ ہے تو عریان کو غیر منصرف ہو جانا چاہئے کیونکہ وہ بضم فا صیغۂ صفت ہے جس میں الف ونون زائدتان اور انکی شرط انتفاء فعلانۃ بھی موجود ہیں کیوں کہ اس کی مؤنث عُریانۃ بضم عین آتی ہے اس کے باوجود وہ منصرف پڑھا جاتا ہے اور اگر فعلانۃ بضم فا ہے تو ندمان کو غیر منصرف ہو جانا چاہیئے کیونکہ اس کی مونث ندمانۃ فتحہ کے ساتھ آتی ہے حالانکہ وہ منصرف پڑھا جاتا ہے۔ جواب یہ کہ انتفاء فعلانۃ سے مراد یہ ہے کہ اس کی مؤنث کے آخر

Marfat.com

میں تاء تانیث کا لحوق ممتنع ہو خواہ وہ فتحہ کے ساتھ ہو یا ضمہ کیساتھ اور عریان و ندمان کی مؤنث پر چوں کہ تاء تانیث کا لحوق ممتنع نہیں اس لئے وہ دونوں منصرف ہیں واضح ہو کہ الف و نون زائدتان اگر صفت میں ہوں اور وہ فعلیٰ کے وزن پر ہو تو صفت ہمیشہ مفتوح العین آتی ہے اور اگر اس کی مؤنث فعلانۃ کے وزن پر ہو تو وہ کبھی بضم فا آتی ہے جیسے عُریان اور کبھی بفتح فا آتی ہے جیسے ندمان لیکن بکسر فا کبھی نہیں آتی اور اگر الف و نون زائدتان اسم میں ہوں تو اسم تینوں صورتوں کے ساتھ آتا ہے جیسے شعبان بفتح فاء اور عمران بکسر فاء اور نُعمان بضم فاء

وَقِيلَ شَرْطُهُ وُجُودُ فُعْلَىٰ لِأَنَّهُ مَتَىٰ كَانَ مُؤَنَّثُهُ فُعْلَىٰ لَا يَكُونُ فَعْلَانَةً فَيَبْقَىٰ مُشَابَهَتُهَا لِأَلِفَيِ التَّانِيثِ عَلَىٰ حَالِهَا

ترجمہ: ــــ (اور بعض نے کہا کہ) اس کی شرط (وجود فُعلیٰ ہے) کیونکہ جب اس کی مؤنث فُعلیٰ ہوگی تو فعلانۃ نہ ہوگی پس الف و نون زائدتان کی مشابہت تانیث کے دونوں الفوں کے ساتھ اپنے حال پر باقی رہے گی۔

تشریح: ــــ قولہ شَرْطُهُ ۔ اس عبارت سے قیلَ وجودُ فُعلیٰ کا ماقبل کے ساتھ ربط قائم کیا جاتا ہے جس کا حاصل یہ کہ الف و نون زائدتان اگر اسم ذات میں ہوں تو اس کی شرط جمہور نحات کے نزدیک انتفاء فعلانہ ہے اور بعض نحات کے نزدیک وجود فعلیٰ ہے دونوں کا مآل اگرچہ بظاہر ایک ہے کہ جس کی مونث اگر فعلیٰ کے وزن پر ہو تو اس کی مونث فعلانہ کے وزن پر نہ آئیگی لیکن رحمٰن میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے جیسا کہ تفصیل آگے مذکور ہے۔

قولہ لِأَنَّهُ مَتَىٰ ۔ اس عبارت سے دونوں شرطوں کے درمیان تلازم کو بیان کیا گیا ہے کہ جس کی مونث فعلیٰ کے وزن ہو تو اس کی مونث فعلانۃ کے وزن پر نہ آئے گی اسی طرح اس کا برعکس کیونکہ جس کی مونث فعلیٰ کے وزن پر ہو تو اس کے اخیر میں تاء تانیث کا لاحق ہونا ممتنع ہوتا ہے یہی حال انتفاء فعلانہ کا ہے کہ جس کی مؤنث فعلانۃ کے وزن پر نہ ہو تو اس کے اخیر میں تاء تانیث کا لاحق ہونا ممتنع ہوتا ہے پس دونوں کی مشابہت تانیث کے دونوں الفوں یعنی الف مقصورہ و الف ممدودہ کے ساتھ برقرار رہتی ہے

Marfat.com

وَمِن ثَمَّ اَیْ وَمِن اَجلِ المخالفةِ فی الشرطِ اُختلِفَ فی رحمٰن فی انّهٗ منصرفٌ اَو غیرُ منصرفٍ فانّهٗ لیس لهٗ مونثٌ لارحمٰی ولا رحمانةٌ لِانّهٗ صِفةٌ خاصةٌ للّٰه تعالیٰ لَا یُطلقُ علیٰ غیرِهٖ تعالیٰ لاعلیٰ مذکرٍ ولاعلیٰ مونثٍ فعلیٰ مذهبِ مَن شرَطَ انتفاءَ فعلانةٍ فهو غیرُ منصرفٍ وعلیٰ مذهبِ مَن شرَطَ وجودَ فعلیٰ فهو منصرفٌ

ترجمہ: ــــــ (اور اسی وجہ سے) یعنی شرط میں مخالفت کی وجہ سے (رحمٰن میں اختلاف ہوا) اس امر میں کہ وہ منصرف ہے یا غیر منصرف کیونکہ اس کی کوئی مونث نہیں نہ رحمیٰ ہے اور نہ رحمانۃ اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے غیر پر نہیں ہوتا نہ مذکر پر اور نہ مونث پر پس اس شخص کے مذہب پر کہ جس نے انتفاء فعلانہ کی شرط لگائی ہے وہ غیر منصرف ہے اور اس شخص کے مذہب پر کہ جس نے وجود فعلیٰ کی شرط لگائی ہے وہ منصرف ہے۔

تشریح: ــــــ قولہ اَیْ ومن اجل۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ ثمّ کی وضع اشارہ کرنے کے لئے ہے مکان کی طرف جیسا کہ متن میں آگے مرقوم ہے امّا ثمّہ وھنا وھنّا فللمکان اور یہاں اس سے کس مکان کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جواب یہ کہ ثمّ بفتح ثا و تشدید میم اگرچہ مکان حسّی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے وضع کیا گیا ہے لیکن اس سے یہاں بطور استعارہ حکم سابق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور اس کے آخر میں ہا ساکتہ وقف اور وصف دونوں حالتوں میں لاحق ہوتا ہے جس سے ثمّ کی حرکت بنائیہ محفوظ ہو جاتی ہے۔

قولہ فی انّهٗ منصرف۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ رحمٰن اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے جس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں جواب یہ کہ اختلاف رحمٰن کے صفت ہونے میں نہیں بلکہ اس کے منصرف وغیر منصرف ہونے میں ہے پس جس کے نزدیک انتفاء فعلانہ کی شرط ہے اس کے نزدیک رحمٰن غیر منصرف ہے کیونکہ اس کی مؤنث رحمانۃ نہیں آتی اور جس کے نزدیک وجود فعلیٰ کی شرط ہے اس کے نزدیک رحمٰن منصرف ہے کیونکہ اس کی مؤنث رحمیٰ نہیں آتی۔

قولہ لانه صفة۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ ماقبل میں دونوں شرطوں کے درمیان یہ ملازمہ بیان کیا گیا ہے کہ جس کی مؤنث اگر فعلیٰ کے وزن پر آئے تو اس کی مونث فعلانۃ کے وزن پر نہ آئے گی اور اگر فعلانۃ کے وزن پر آئے تو فعلیٰ کے وزن پر نہ آئے گی تو دریافت ہے کہ رحمٰن کی مؤنث اگر رحمانۃ نہیں

Marfat.com

تو رحمیٰ ضرور آنی چاہئے جواب یہ کہ رحمٰن اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے جو غیر پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا پس اس کی مؤنث نہ رحمیٰ آئے گی اور نہ رحمانۃ کیونکہ مونث و مذکر ہونا صفات مخلوقات سے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ پاک و منزہ ہے۔

---

[1] دون سکرانَ فانّہٗ لاخلافَ فی منع صرفہٖ لوجُود الشرطِ علیٰ المذھبینِ فانّہٗ مؤنثہٗ سکریٰ لاسکرانۃ وَدُون ندمانَ فانہٗ لاخلاف فی صرفہٖ لانتفاء الشرطِ علیٰ المذھبینِ لِانّ مونثہٗ ندمانۃٌ لاندمیٰ ھذا[2] اذا کانَ ندمانُ بمعنی الندیمِ واما اذا کانَ بمعنی النادمِ فھو غیرُ منصرفٍ بالاتفاقِ لانّ مونثہٗ ندیٰ لاندمانۃٌ

ترجمہ: ـــــ (نہ سکران) اس لئے کہ دونوں مذہبوں پر شرط کے پائے جانے کی وجہ سے اس کے غیر منصرف ہونے میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ اس کی مونث سکریٰ آتی ہے سکرانہ نہیں (اور) نہ (ندمان میں) اس لئے کہ دونوں مذہبوں پر شرط کے منتفی ہونے کی وجہ سے اس کے منصرف ہونے میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ اس کی مونث ندمانۃ آتی ہے ندمیٰ نہیں یہ جب کہ ندمان بمعنی ندیم ہو اور لیکن جب ندمان بمعنی نادم ہو تو وہ بالاتفاق غیر منصرف ہے کیونکہ اس کی مونث ندمیٰ آتی ہے ندمانۃ نہیں۔

تشریح: ـــــ بیانہ[1] دون سکرانَ۔ یہ اور دون ندمان دونوں حال ہیں رحمٰن سے پوری عبارت اصل میں یہ ہے من اَجلِ الاختلافِ فی الشرطِ اُختُلِفَ فی رحمٰنَ مُتَجَاوِزًا عن سکرانَ وندمانَ یعنی شرط میں اختلاف کی وجہ سے رحمٰن میں اختلاف ہے تجاوز کرتے ہوئے سکران و ندمان سے پس شرط میں اختلاف سبب بناء بعض اسم میں اختلاف کا جیسے رحمٰن میں اور دوسرے بعض میں اتفاق کا جیسے سکران و ندمان میں کیونکہ سکران باتفاق غیر منصرف ہے اس لئے اس کی مؤنث سکریٰ آتی ہے نہ کہ سکرانہ پس اس میں وجود فعلیٰ اور انتفاء فعلانہ دونوں شرط موجود ہیں اور اسی طرح ندمان میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ وہ باتفاق منصرف ہے کیونکہ اس کی مؤنث ندمانۃ آتی ہے نہ کہ ندمیٰ پس اس میں دونوں شرط مفقود ہیں۔

قولہ[2] ھذا اذا کان۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ ندمان باتفاق غیر منصرف ہے منصرف نہیں کیونکہ اس کی مونث ندمیٰ آتی ہے نہ کہ ندمانۃ پس اس میں دونوں شرط موجود ہیں جواب یہ کہ ندمان کے دو معنی ہیں ایک بمعنی ندیم یعنی ہمنشیں اور دوسرا بمعنی نادم یعنی شرمندہ تو ندمان اگر بمعنی نادم ہو تو وہ بلاشبہ باتفاق غیر منصرف ہے

Marfat.com

کیونکہ اس میں دونوں شرط موجود ہیں اس لئے کہ اس کی مؤنث ندمیٰ آتی ہے نہ کہ ندمانۃ لیکن یہاں وہ بمعنی ندیم مراد ہے جس کی مؤنث ندمانہ آتی ہے نہ کہ ندمیٰ پس اس میں دونوں شرط مفقود ہونے کی وجہ سے وہ باتفاق منصرف ہے۔

وَزنَ الفعلِ وَھوکونُ الاسمِ علیٰ وزنٍ یعدُّ من اَوزانِ الفعلِ وَھٰذا القدرُ لا یکفی فی سببیۃِ منعِ الصرفِ بَلْ شرطُہٗ فیھا احدُ الامرینِ اِمَّا اَنْ یختصَّ فی اللغۃِ العربیۃِ بہٖ ای بالفعلِ بمعنیٰ انہٗ لا یوجدُ فی الاسمِ العربیِّ اِلّا منقولاً من الفعلِ کشمّرٍ علیٰ صیغۃِ الماضی المعلومِ من التشمیرِ فانہٗ نُقِلَ مِنْ ھٰذہِ الصیغۃِ وجُعِلَ علمًا للفرسِ وکذلک بذّرَ لماءٍ و عثّرَ لموضعٍ وخصّمَ لرجلٍ اَفعالٌ نُقِلَتْ اِلَی الاسمیۃِ

ترجمہ: ــــ (وزن فعل) اور وہ اسم کا ایسے وزن پر ہونا ہے جو اوزان فعل سے شمار کیا جاتا ہے اور اس قدر غیر منصرف کے سبب ہونے میں کافی نہیں بلکہ سبب ہونے میں (اس کی شرط) دو امروں میں سے ایک ہے یا (یہ ہے کہ وہ وزن خاص ہو) لغت عربیہ میں (اس کے ساتھ) یعنی فعل کے ساتھ بایں معنی کہ وہ اسم عربی میں فعل ہی سے منقول ہوکر پایا جاتا ہو۔ (جیسے شمّر) ماضی معلوم کے صیغہ پر وہ ماخوذ ہے تشمیر سے کیونکہ وہ اس صیغہ سے نقل کر کے ایک گھوڑے کا نام کر دیا گیا ہے اور اسی طرح بذّر پانی کے لئے اور عثّر ایک جگہ کے لئے اور خصّم ایک مرد کے لئے افعال ہیں جو اسمیت کی طرف منقول ہیں

تشریح: ــــ قولہ وھو کون۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ وزن فعل کو غیر منصرف کے اسباب سے شمار کیا گیا ہے جبکہ وزن فعل اوصاف فعل سے ہے اور اسباب اوصاف اسم سے ہیں جواب یہ کہ وزن فعل سے یہاں مراد اسم کا ایسے وزن پر ہونا ہے جو فعل کے اوزان سے شمار کیا جاتا ہو پس یہ بربنائے منقول اصطلاحی اسم کے اوصاف سے ہوا۔ خیال رہے کہ وزن کی تفسیر کون سے کی گئی جب کہ وزن اس حالت کو کہتے ہیں جو لفظ کو حروف کی ترتیب جیسے حرکات وسکنات سے حاصل ہو اور کون کہتے ہیں ہیئت کے ساتھ لفظ کے متصف ہونے کو غالبًا اس کی وجہ سیاق کلام ہے کہ ماقبل میں جس طرح اسباب کی تفسیر کون سے کی گئی اسی طرح یہاں بھی وزن کی تفسیر کون سے کی گئی ہے۔

قولہ بعدّ من اَوزان۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ وزن کی اضافت فعل کی طرف سے ہی یہ ظاہر ہے کہ وہ وزن فعل کیساتھ خاص ہو پھر اس کے بعد یہ کہنا کہ وہ وزن فعل کے ساتھ خاص ہو فضول ہوا جواب

Marfat.com

یہ کہ اضافت سے صرف اتنا ظاہر ہے کہ وہ اسم ایسے وزن پر ہو جو فعل کا وزن شمار کیا جائے ممکن ہے وہ فعل کیساتھ خاص نہ ہو اس لئے کہا گیا کہ غیر منصرف کا سبب ہونے کے لئے اس اسم کا فعل کے وزن کے ساتھ خاص ہونا ضروری ہے پس وہذا القدر میں واؤ بمعنی فا ہے جو بیّن کی تفریع کے لئے آیا ہے۔

قولہ فی اللغۃ العربیۃ۔ فعل چونکہ لغت عربیہ ہی کیساتھ خاص نہیں بلکہ لغت عجمیہ میں بھی پایا جاتا ہے جیسا کہ زدہ در زماں گذشتہ بعینہ ضرب کا معنی ہے اس لئے ان یختصّ کے بعد فی اللغۃ العربیۃ کی قید کو بیان کیا گیا کہ وہ وزن جس پر اسم ہے لغت عربیہ میں فعل کیساتھ خاص ہو تاکہ فرعیّت متحقق ہو سکے کیونکہ اسم میں اصل یہ ہے کہ وہ ایسے وزن پر نہ ہو جو فعل کے ساتھ خاص ہو پس اگر وہ ایسے وزن پر ہوگا تو فرع ہو جائیگا۔ ان یختصّ سے پہلے لفظ امّا کا اضافہ اس قاعدہ کی وجہ سے ہے کہ عطف اگر بذریعہ اَوْ ہو تو معطوف علیہ پر اَمّا کا دخول انسب ہے کما قال المصنف فی بحث العطف

قولہ بمعنی انہ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ وزن فعل اسم میں پایا جائے گا یا نہیں اگر اسم میں پایا جائے تو فعل کے ساتھ خاص نہ ہوگا کیونکہ شئ کا خاصہ شئ میں پایا جاتا ہے دوسرے میں نہیں اور اگر اسم میں نہ پایا جائے تو وہ غیر منصرف میں موثر نہ ہو سکے گا کیونکہ اس کے لئے اسم ہونا ضروری ہے۔ جواب یہ کہ فعل کے ساتھ خاص ہونے کا یہ معنی نہیں کہ وہ اسم میں پایا ہی نہ جائے بلکہ یہ ہے کہ وہ اسم میں ابتداءً نہ پایا جائے بلکہ فعل سے منقول ہو کر اسم میں پایا جائے جیسے شمّر نام ہے مجاج بن یوسف کے گھوڑے کا جو منقول ہے شمّر فعل ماضی معروف سے وہ مشتق ہے تشمیر بمعنی تیز گذرنے سے۔ وہ گھوڑا بھی چونکہ بہت تیز چلا کرتا تھا اس لئے اس کو شمّر کہا جاتا تھا پس وہ غیر منصرف ہے علمیت اور وزن فعل کی وجہ سے اسی طرح بذّر نام ہے پانی کا جو منقول ہے بذّر فعل ماضی معروف سے وہ مشتق ہے تبذیر سے جس کا معنی ہے اسراف و فضول خرچی کرنا مناسبت یہ کہ پانی کو ہر شخص بلا روک ٹوک خرچ کرتا ہے قاموس میں ہے کہ وہ نام ہے مکہ مکرمہ کے ایک کنواں یعنی زمزم کا اسی طرح عثّر بمعنی پھسلنا و گر پڑنا فعل ماضی معروف ہے جو منقول ہے بلند جگہ کے لئے مناسبت یہ کہ اندھیری رات میں چلنے والا بلند جگہ سے ٹھوکر کھا کر گر پڑتا ہے اسی طرح خضّم بمعنی منہ بھر کر کھانا کھانا فعل ماضی معروف ہے جو منقول ہے بنی تمیم کے ایک شخص عمر کے لئے مناسبت یہ کہ وہ شخص بھی منہ بھر کر بہت سا کھانا کھایا کرتا تھا۔

وَاَمّا نحو بقّمَ اسماً لصبغ مَعروفٍ وَهو العندمُ وشلّمَ علماً لموضعٍ بالشامِ فهو من الاَسماءِ العجميةِ

Marfat.com

المنقولةِ الیٰ العربیةِ فلا یقدحُ فی ذلکَ الاختصاصِ

ترجمہ: ـــــ اور لیکن بقّم کی مثل ایک مشہور رنگ اور وہ دم الاخوین کے نام اور شلّم شام میں ایک جگہ کے علم ہونے کی حالت میں تو وہ منقول ہیں اسماء عجمیہ سے عربیہ کی طرف پس ان اسموں کے غیر منصرف ہونے میں اختصاص بالفعل پہ کوئی قدح واعتراض نہیں کیا جا سکتا۔

تشریح: ـــ قولہ واما نحو بقم۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ وزن فعل وہ ہے جو ابتداءً فعل میں پایا جائے پھر اس سے اسمیت کی طرف منقل کیا جائے لیکن بقم اور شلّم میں ایسا نہیں ہے کیونکہ بقّم نام ہے ایک سرخ رنگ لکڑی کا جس کو عربی میں دم الاخوین اور ہندی میں منجیٹھ کہا جاتا ہے جس کا درخت بڑا ہوتا ہے اور پتے بادام کی طرح ہوتے ہیں اس سے کپڑے رنگتے ہیں اور شلّم عبرانی زبان میں نام ہے بیت المقدس کا کما قال الرضی پس دونوں نقل سے پہلے بھی اسم میں پائے جاتے ہیں۔ جواب یہ کہ یہ دونوں اسماء عجمیہ سے ہیں جو لغت عربیہ کی طرف نقل کئے گئے ہیں حالانکہ مراد یہ ہے کہ لغت عربیہ میں فعل سے اسم کی طرف نقل کیا ہے خیال رہے کہ بقّم اسماً میں اسماً اور شلّم علماً میں علماً دونوں بہ ترتیب بقم اور شلّم سے حال واقع ہیں۔

وَمثلُ ضُرِبَ علیٰ البناءِ للمفعولِ اِذا جُعلَ علماً لشخصٍ فانّہٗ ایضاً غیرُ منصرفٍ للعلمیۃِ ووزنِ الفعلِ وَانّما قیّدنا بالبناءِ للمفعولِ فانّہٗ علی البناءِ للفاعلِ غیرُ مختصٍّ بالفعلِ ولَمْ یَذھبْ اِلیٰ منعِ صرفِہٖ اِلّا بعضُ النحاۃِ

ترجمہ: ـــ (اور) جیسے (ضُرِبَ) مبنی للمفعول کی بناء پر جب کہ اس کو کسی شخص کا علم کر دیا جائے کیونکہ وہ بھی غیر منصرف ہے علمیت اور وزن فعل کی وجہ سے اور ہم نے اس کو مبنی للمفعول کے ساتھ اس لئے مقید کیا ہے کہ وہ مبنی للفاعل کی بناء پر فعل کے ساتھ مختص نہیں اور اس کے غیر منصرف ہونے کی طرف صرف بعض نحات ہی گئے ہیں۔

تشریح: ـــ قولہ علی البناء للمفعول۔ ضُرِبَ بھی شَمّر کی طرح جب کہ وہ کسی کا علم ہو تو غیر منصرف ہے علمیت اور وزن فعل کی وجہ سے اور یہاں علی البناء للمفعول کی قید احترازی ہے جو تقابل کے لئے بیان کی گئی ہے جب کہ شمّر کے بعد علی صیغۃ المعلوم کی قید اتفاقی ہے کیونکہ شمّر معروف ہو یا مجہول دونوں صورتوں میں فعل کے ساتھ

Marfat.com

خاص ہے اور ضُرِبَ مجہول ہو تو فعل کیساتھ خاص ہے اور معروف ہو تو نہیں کیونکہ وہ اسم میں بھی پایا جاتا ہے جیسے فرس و مجرد مدراسی وجہ سے اس کو صرف بعض نحوی ہی غیر منصرف کا قول کئے ہیں سوال ضُرِبَ کو شمّر سے موخر کیا گیا جب کہ ضُرِبَ ثلاثی مجرد ہے اور شمّر ثلاثی مزید جواب ایک وجہ یہ کہ شمّر فعل معروف ہے اور ضُرِبَ فعل مجہول اور معروف کو مجہول پر شرافت حاصل ہے دوسری وجہ یہ کہ شمّر بالفعل غیر منصرف ہے کہ اس میں وزن فعل اور علمیت موجود ہیں لیکن ضُرِب اس وقت غیر منصرف ہوگا جب کہ اس کو کسی کا علم فرض کیا جائے ۔

اَوْ یکونَ غیرَ مختصٍّ وَلٰکن یکون فی اوّلہٖ اَیْ فی اوّلِ وزنِ الفعلِ واوّلِ مَا کانَ علیٰ وزنِ الفعلِ زیادۃً اَیْ زیادۃُ حَرْفٍ اَوْحرفٌ زائدٌ من حروفِ اَتَیْنَ کزیادتہٖ اَیْ مثلُ زیادۃِ حرفٍ اَوْحرفٍ زائدٍ فی اوّلِ الفعلِ

ترجمہ :- ــــ (یا ہو) فعل کیساتھ غیر مخصوص لیکن ہو (اس کے شروع میں) یعنی وزن فعل کے شروع میں یا اس کے شروع میں جو فعل کے وزن پر ہو (زیادت) یعنی کسی حرف کی زیادت یا حروف اَتَیْن میں سے کوئی حرف زائد ہو (اس کی زیادت کی طرح) یعنی حرف کی زیادت کی طرح یا فعل کے شروع میں کوئی حرف زائد ہو ۔

تشریح : ــــ قولہ غیر مختصٍّ ۔ اس عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ متن میں لفظاً اَوْ محمول ہے انفصال حقیقی پر جب کہ منع خلو پر حمل کرنا اولیٰ ہے کیونکہ دونوں شقوں کے درمیان نسبت عموم وخصوص من وجہ کی ہے جس میں ایک مادہ اجتماع کا ہوتا ہے اور دو مادے افتراق کے ہوتے ہیں ۔ شمّر میں شق اوّل موجود ہے کہ وہ وزن فعل کے ساتھ خاص ہے شق ثانی نہیں کہ اس کے شروع میں حروف اتین میں سے کوئی نہیں اور احمر میں شق ثانی موجود ہے کہ اس کے شروع میں حروف اتین میں سے ہمزہ ہے شق اوّل نہیں کہ وہ فعل کیساتھ خاص نہیں اور یزید و ینکر میں دونوں شقیں موجود ہیں کہ وہ وزن فعل کے ساتھ خاص ہیں اور ان کے شروع میں حروف اتین میں سے یا ہے ۔

قولہ اَیْ فی اوّلہٖ ۔ اس عبارت سے متن میں فی اولہ کی ضمیر مجرور کے مرجع کو بیان کیا گیا ہے کہ مرجع وزن فعل بھی ہو سکتا ہے اور موزوں یعنی وہ اسم بھی جو وزن فعل پر ہو لیکن اول بطور مجاز ہے اور

Marfat.com

دوم بطور حقیقت ۔ بطور مجاز اس لئے کہ زیادت حقیقۃً اسی اسم پر ہوتی ہے جو فعل کے وزن پر ہو کیونکہ زیادت اگر وزن فعل پر ہو تو زیادۃ الشئ علیٰ نفسہٖ لازم آئیگی اس لئے کہ وزن فعل اسی وقت متحقق ہوگا جب کہ کسی حرف کی زیادتی حروف اتین میں سے ہو پھر اگر اس پر زیادت غیر منصرف کے لئے ہو تو زیادت پر زیادت لازم آئیگی جو ممنوع ہے اور اس کو بطور حقیقت پر اس لئے مقدم کیا گیا کہ وہ ظاہر کے موافق ہے کیونکہ یختص کی ضمیر مرفوع کا مرجع وزن فعل متعین ہے اس لئے فی اولہ کی ضمیر مجرور کا مرجع وزن فعل قرار دینا ظاہر کے موافق ہے۔

قولہ[۵] اَیْ زیادۃ حرف ۔ اس تفسیر سے یہ اشارہ ہے کہ متن میں زیادت پر تنوین حرف مضاف الیہ کے عوض ہے یا یہ کہ زیادت مصدر بمعنی زائد ہے اور یہ چونکہ صفت ہے جس کے لئے موصوف کا ہونا ضروری ہے اس لئے اس سے پہلے حرف موصوف کو مقدر مانا گیا۔

قولہ[۶] اَیْ مثل زیادۃ ۔ کاف کی تفسیر مثل سے یہ اشارہ ہے کہ یہ کاف اسمی ہے جو بمعنی مثل ہے اور وہ ترکیب میں زیادت کی صفت ہے اور ماقبل میں زیادت کی جیسے دو تفسیر بیان کی گئی اسی طرح یہاں بھی زیادتہ میں ضمیر کا مرجع دو قرار دیا گیا ہے۔

غیرَ قابلٍ[۱] اَیْ حالَ کونِ وزنِ الفعلِ اَوْ ما کانَ علیٰ وزنہٖ غیرَ قابلٍ للتاء لِاَنَّہٗ[۲] یُخرِجُ الوزنَ بِھٰذہِ التاءِ لاختصاصِھا بالاِسمِ عَنْ اَوزانِ الفِعلِ ولَوْ[۳] قالَ غیرَ قابلٍ للتاءِ قیاسًا وبالاعتبارِ الذی امتنعَ مِنَ الصرفِ لِاَجلہٖ لَمْ یرِدْ علیہِ اَرْبعٌ اِذا سُمِّیَ بہٖ فاِنَّ لحوقَ التاءِ بہٖ للتذکیرِ فلا یکونُ قیاسًا ولا اسود فاِنَّ مجیَ التاءِ فی اَسْودۃٍ للحیۃِ الانثیٰ لیسَ باعتبارِ الوصفِ الاَصلی الذی لِاَجلہٖ لا یمتنعُ مِنَ الصرفِ بل باعتبارِ غلبۃِ الاسمیۃِ العارضیۃِ

ترجمہ: ــــ (دراں حالیکہ قبول نہ کرسکے) یعنی وزن فعل ہونے کے وقت یا جو فعل کے وزن پر ہو دراں حالیکہ (تار کو) قبول نہ کرسکے کیونکہ اس تار کی وجہ سے وزن فعل کے اوزان سے نکل جائیگا اس لئے کہ تار اسم کے ساتھ خاص ہے اور اگر مصنف کہتے کہ وہ وزن فعل بطور قیاس اور اس اعتبار سے کہ جس کی وجہ سے غیر منصرف ہوا تار کو قبول نہ کرسکے تو مصنف پر اربع کا اعتراض وارد نہ ہوتا جب کہ اس کو کسی کا نام رکھ دیا جائے کیونکہ اربع کے ساتھ تار کا لاحق ہونا تذکیر کی وجہ سے ہے پس وہ بطور قیاس نہ ہوا اور نہ اسود کا اعتراض

Marfat.com

ہوتا کیونکہ اسودۃ میں تاء کا آنا مؤنث سانپ کے لئے اس وصف اصلی کے اعتبار سے نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے وہ غیر منصرف ہوا بلکہ اس اسمیت کے غلبہ کی وجہ سے جو عارض ہوئی۔

تشریح: ـــ قولہ[1] اَیْ حال کون۔ متن میں غیر قابل حال ہے فی اولہ کی ضمیر مجرور سے جس کا مرجع باختلاف قولین وزن فعل ہے یا وہ اسم ہے جو وزن فعل پر ہو اور ذوالحال اگرچہ اکثر فاعل ہوتا ہے یا مفعول لیکن وہ کبھی مضاف الیہ مجرور بھی ہوتا ہے جس کو اگر مضاف کی جگہ پر رکھا جائے تو فاعل یا مفعول ہو سکے اور معنی میں فساد نہ ہو اور اوّل اگرچہ لفظاً مجرور ہے لیکن محلاً مفعول ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے بَلْ نَتَّبِعُ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا میں حنیفًا ابراہیم سے حال واقع ہے حالانکہ ابراہیم مضاف الیہ ہے ملۃ مفعول کا اسی طرح اَنْ یَاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا میں میتًا حال ہے اَخیہ سے

قولہ[2] لانہ یخرج۔ یہ دلیل ہے وزن فعل کا تاء کے قبول نہ کرنے کی جس کا حاصل یہ کہ تاء سے یہاں مراد تاء تانیث ہے جو اسم کیساتھ خاص ہے اور وزن فعل جو تاء کو قبول کرے گا اس کی مشابہت فعل کے ساتھ کمزور ہو جائیگی اور اسم کے ساتھ قوی ہو جائے گی پس وہ غیر منصرف میں مؤثر نہ ہو سکے گا حالانکہ اس کی تاثیر غیر منصرف میں فعل کیساتھ مشابہت کی وجہ سے تھی اس لئے وہ تاء کو قبول نہ کرے گا۔

قولہ[3] ولو قال۔ اس عبارت سے شارح نے ماتن پر دو اعتراضات کر کے یہ مشورہ دیا ہے کہ اگر وہ ایسا کہتے تو ان پر آنے والے دونوں اعتراضات وارد نہ ہوتے ایک اعتراض یہ کہ اربع کو اگر کسی کا علم قرار دیا جائے تو وہ علمیت اور وزن فعل کی وجہ سے غیر منصرف ہو جائے گا حالانکہ وہ تاء کو قبول کرتا ہے قرآن مجید میں ہے فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ پس اگر ماتن غیر قابلٍ للتاء قیاسًا کہتے تو یہ اعتراض نہ ہوتا کیونکہ اربع تاء کو بطور قیاس نہیں بلکہ قیاس کے خلاف قبول کرتا ہے اس لئے کہ تاء قیاسًا تانیث کے لئے آتی ہے اور یہ تذکیر کے لئے آئی ہے کما سیاتی فی بحث الاعداد دوسرا اعتراض یہ کہ اسود غیر منصرف ہے وصف اور وزن فعل کی وجہ سے حالانکہ وہ تاء کو قبول کرتا ہے کیونکہ مادہ سانپ کے لئے اسودۃ کہا جاتا ہے پس اگر ماتن یہ کہتے غیر قابل للتاء باعتبار الذی امتنع من الصرفِ لاجلہ تو یہ اعتراض نہ ہوتا کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اس اعتبار سے تاء کو قبول نہ کرے جس کی وجہ سے وہ غیر منصرف ہے یعنی تاء کو وضع کے اعتبار سے قبول نہ کرے اور اسود تاء کو غلبۂ اسمیت کی وجہ سے قبول کرتا ہے اس لئے کہ افعل صیغۂ صفت کی مؤنث وضع کے اعتبار سے فعلاء کے وزن پر آتی ہے پس اسود کی مونث سوداء آئے گی اسودۃ نہیں۔ ماتن کی طرف سے دونوں کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ قیاسًا اور بالاعتبار دونوں قید

Marfat.com

نکہ مشہور ہیں اس لئے ان کو صراحۃً بیان نہیں کیا اور للتاء میں الف لام سے دونوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

---

[1] مِنْ ثَمَّ اَیْ وَمِنْ اَجْلِ اِشْتِرَاطِ عَدَمِ قَبُوْلِ التَّاءِ اِمْتَنَعَ اَحْمَرُ عَنِ[2] الصَّرْفِ لِوُجُوْدِ الزِّیَادَۃِ الْمَذْکُوْرَۃِ مَعَ عَدَمِ قَبُوْلِ التَّاءِ وَانْصَرَفَ یَعْمَلُ لِقَبُوْلِہٖ التَّاءَ لِمَجِیْءِ یَعْمَلَۃَ لِلنَّاقَۃِ الْقَوِیَّۃِ عَلَی الْعَمَلِ وَالسَّیْرِ

ترجمہ: ـــــ (اور یہیں سے) یعنی تاء کو قبول نہ کرنے کی شرط لگانے کی وجہ سے (ممتنع ہوا احمر) منصرف ہونے سے کیونکہ زیادت مذکورہ تاء کو قبول نہ کرنے کیساتھ پائی جاتی ہے (اور منصرف ہوا یعملُ) اس لئے کہ وہ تاء کو قبول کرتا ہے کیونکہ یعملۃٌ اس اونٹنی کے لئے آتا ہے جو کام اور چلنے پر قوت رکھتی ہے۔

تشریح: ـــ بیانہ من ثمّ۔ یہ تفریع ہے شرط مذکور غیر قابل للتاء پر وجوداً و عدماً۔ وجوداً جیسے احمر میں ہمزہ حروف اتین سے اس کے شروع میں ہے اور تاء کو قبول نہیں کرتا پس وہ غیر منصرف ہے کیونکہ اس کی مؤنث حمراء آتی ہے احمرۃ نہیں اور عدماً جیسے یعمل کہ سیر و عمل پر قوی اونٹ کو کہا جاتا ہے اس کے شروع میں اگرچہ یاء زائد ہے لیکن وہ چونکہ تاء کو قبول کرتا ہے اس لئے وہ منصرف ہے۔ کیونکہ اس کی مؤنث یعملۃٌ آتی ہے جو سیر و عمل پر قوی اونٹنی کو کہا جاتا ہے البتہ یعمل اگر کسی مرد کا نام رکھ دیا جائے تو غیر منصرف ہو جائے گا کیونکہ وہ اس وقت تاء کو قبول نہیں کرتا۔

قولہ[2] عن الصرف۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ احمر کو ممتنع کہا گیا ہے جب کہ سیکڑوں سرخ چیزیں موجود ہیں۔ جواب یہ کہ احمر کا ممتنع ہونا وجود میں نہیں بلکہ منصرف ہونے میں ہے

---

[1] وَمَا فِیْہِ عَلَمِیَّۃٌ مُؤَثِّرَۃٌ اَیْ[2] کُلُّ اسْمٍ غَیْرُ مُنْصَرِفٍ تَکُوْنُ فِیْہِ عَلَمِیَّۃٌ[3] مُؤَثِّرَۃٌ[4] فِیْ مَنْعِ الصَّرْفِ بِالسَّبَبِیَّۃِ الْمَحْضَۃِ اَوْ مَعَ الشَّرْطِ بِسَبَبٍ آخَرَ وَاحْتَرَزَ بِذٰلِکَ عَمَّا تَجَامَعَ اَلْفَیِ التَّانِیْثِ وَصِیْغَۃِ مُنْتَہَی الْجُمُوْعِ فَاِنَّ کُلَّ وَاحِدٍ مِنْہُمَا کَافٍ فِیْ مَنْعِ الصَّرْفِ لَا تَاْثِیْرَ فِیْہِ لِلْعَلَمِیَّۃِ اِذَا نُکِّرَ بِاَنْ یُؤَوَّلَ[5] الْعَلَمُ بِوَاحِدٍ مِنَ الْجَمَاعَۃِ الْمُسَمَّاۃِ بِہٖ نَحْوُ ھٰذَا زَیْدٌ وَرَاَیْتُ زَیْدًا آخَرَ فَاِنَّہٗ اُرِیْدَ بِہِ الْمُسَمّٰی بِزَیْدٍ اَوْ یُجْعَلُ عِبَارَۃً عَنِ الْوَصْفِ الْمُشْتَہِرِ صَاحِبُہٗ بِہٖ نَحْوُ قَوْلِہِمْ لِکُلِّ فِرْعَوْنٍ مُوْسٰی اَیْ لِکُلِّ مُبْطِلٍ مُحِقٌّ صُرِفَ

Marfat.com

ترجمہ: ـــــ (اور وہ جس میں علمیت موثر ہو) ہر وہ اسم غیر منصرف جس کے منع صرف ہونے میں علمیت موثر ہو محض سبب یا شرط کیساتھ کسی دوسرے سبب کی وجہ سے اور مصنف نے موثرۃ کی قید سے اس علمیت سے احتراز فرمایا جو تانیث کے دو الفوں الف ممدودہ والف مقصورہ یا صیغہ منتہی الجموع کے ساتھ جمع ہو کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک منع صرف ہونے میں کافی ہے جس میں علمیت کی کوئی تاثیر نہیں ہوتی (جب اس کو نکرہ کیا جائے) بایں طور کہ علم کو اس نام والی جماعت میں سے کسی ایک فرد کیساتھ تاویل کی جائے جیسے ہذا زیدٌ ورأیتُ زیدًا آخر کیونکہ اس سے زید کا مسمّٰی مراد ہے یا بایں طور کہ اس علم کو اس وصف سے عبارت ہو کہ صاحب وصف اس وصف سے مشہور ہو جیسے اہل حق کا قول ہے لکلِّ فرعونٍ موسیٰ یعنی ہر باطل پرست کے لئے حق پرست ہوتا ہے (تو منصرف ہو جائیگا)

تشریح: ـــــ بیانہ ما فیہ علمیۃ۔ غیر منصرف کے کل نو اسباب بالتفصیل گذر چکے اب اس کے بعد ایک ضابطہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جس اسم میں علمیت مؤثر ہو اگر اس کو نکرہ کر دیا جائے تو منصرف ہو جائے گا۔ علمیت کے مؤثر ہونے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ وہ صرف علّت ہو دوسری یہ کہ تاثیر علت کے لئے دو شرط بھی ہو اول جیسے عدل تقدیری و وزن فعل کہ ان کی تاثیر علمیت کیساتھ مشروط نہیں اور علمیت جمع منتہی الجموع والف مقصورہ والف ممدودہ کیساتھ بھی مؤثر نہیں ہوتی کیونکہ ان میں سے ہر ایک دو علتوں کے قائم مقام ہے اور علمیت وصف کے ساتھ بھی جمع نہیں آتی کیونکہ وصف عموم کا متقاضی ہے اور علمیت خصوص کا دوم جیسے تانیث، عجمہ، ترکیب، الف ونون زائدتان جب کہ اسم میں ہوں ان کی تاثیر علمیت کے ساتھ مشروط ہے پس اس صورت میں اسم نکرہ کر دینے کے بعد منصرف ہو جائیگا کیونکہ تنکیر سے علمیت زائل ہو جاتی ہے پس اس سے دوسری علّت کی تاثیر بھی زائل ہو جاتی ہے جس کیلئے یہ شرط تھی کیونکہ شرط فوت ہونے سے مشروط بھی فوت ہو جاتا ہے اِذا فات الشرطُ فات المشروط۔ پس جب اسم میں کوئی علت باقی نہ رہے گی تو وہ منصرف ہو جائے گا اور پہلی صورت میں اس لئے کہ تنکیر سے علمیت زائل ہو جاتی ہے جس سے صرف ایک علّت باقی رہ جاتی ہے جو غیر منصرف ہونے کے لئے کافی نہیں اس لئے وہ منصرف ہو جاتا ہے۔ اور عبارت میں ما موصولہ بھی ہو سکتا ہے اور موصوفہ بھی اگر موصولہ ہو تو علمیۃٌ موثرۃٌ موصوف صفت مل کر اس کا صلہ ہوگا اور موصول اپنے صلہ سے مل کر مبتدا اور فیہ اس کی خبر ہے اور اگر ما موصوفہ ہو تو علمیۃٌ موثرۃٌ اس کی صفت ہوگا اور موصوف اپنی صفت سے مل کر مبتدا اور فیہ اس کی خبر ہے۔

قولہ أی کل اسم۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ ما فیہ علمیۃٌ موثرۃٌ قضیہ مہملہ ہے جو مناطقہ کے

Marfat.com

نزدیک بمنزلۂ قضیہ جزئیہ ہوتا ہے پس اصل عبارت یہ ہوگی بعضُ الاسمِ غیرُ منصرفٍ اِذا نکّرصُرِفَ ۔ حالانکہ یہ حکم عام ہے کہ جس اسم غیر منصرف کو بھی نکرہ کر دیا جائے وہ منصرف ہو جائیگا جواب یہ کہ قضیہ مہملہ کا استعمال کبھی محاورات و مجالس میں ہوتا ہے اور کبھی علوم میں اور مناطقہ کے نزدیک جو قضیہ مہملہ بمنزلۂ قضیہ جزئیہ ہوتا ہے وہ مجالس و محاورات میں استعمال ہونے سے علوم میں نہیں کیونکہ علوم میں وہ بمنزلۂ قضیہ کلیہ ہوتا ہے کہ اس لئے کہ علوم کے مسائل کلیہ ہوتے ہیں ۔

قولہ علمیۃ ۔ غیر منصرف چار قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ ہے جس میں علمیت ہی نہیں ہوتی جیسے عدل تحقیقی مثلاً ثلاث و مثلث و اُخر و جُمع دوسرا وہ ہے جس میں علمیت ہو مگر غیر منصرف کا سبب نہ ہو جیسے الف مقصورہ مثلاً حبلیٰ اور الف ممدودہ مثلاً حمراء اور جمع منتہی الجموع مثلاً مصابیح جب کہ وہ کسی کا علم بنا دیا جائے تیسرا وہ ہے جس میں علمیت سبب ہو مگر کسی دوسرے سبب کی شرط نہ ہو جیسے عدل تقدیری مثلاً عمر و زفر اور وزن فعل مثلاً احمر وغیرہ چوتھا وہ ہے جس میں علمیت سبب بھی ہو اور کسی دوسرے سبب کی شرط بھی جیسے تانیث بالتاء مثلاً طلحہ اور الف و نون زائدتان مثلاً عمران و عثمان ۔ پہلی قسم شروع ہی سے نکرہ ہے اس لئے اس کو نکرہ بنانا ممکن نہ ہوگا دوسری قسم کو نکرہ بنانا اگرچہ ممکن ہے لیکن وہ نکرہ ہونے کے بعد بھی غیر منصرف ہی رہے گی اس لئے یہاں علمیۃ کی قید سے پہلی قسم کو خارج کر دیا گیا اور مؤثرۃ کی قید سے دوسری قسم کو کیونکہ اس میں علمیت تو ہے لیکن موثر نہیں یہ قاعدہ صرف تیسری اور چوتھی قسم پر جاری ہوگا ۔

قولہ مؤثرۃ ۔ ماقبل میں موثر معرفہ کو کہا گیا ہے اور علمیت کو اس کی شرط تاثیر یہاں علمیت ہی کو موثر کہا گیا اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ موثر تو حقیقۃً معرفہ ہی ہے لیکن علمیت کو موثر مجازاً کہا گیا ہے یا یہ کہ علمیت سے مجازاً تعریف علمی مراد ہے یا یہ عبارت دوسرے نحوی کی اصطلاح پر مبنی ہے جو علمیت ہی کو موثر کہتے ہیں تعریف کو نہیں ۔

قولہ بان یؤوّل ۔ شارح نے علم کو نکرہ بنانے کی دو صورتیں بیان کیا ہے ایک یہ کہ علم سے مراد وہ ذات لیا جائے کہ جماعت میں سے جس جس کا یہ نام ہو جیسے زید سے خاص زید مراد نہ ہو بلکہ ہر وہ آدمی مراد ہو کہ جماعت میں سے جس جس کا نام زید ہو مثلاً ہذا زیدٌ میں خاص زید مراد ہے لیکن رأیت زیدًا آخر میں زید سے ہر وہ آدمی مراد ہے جس جس کا نام زید ہو اب یہ نکرہ ہو جائے گا کیونکہ متعدد آدمی کو ایسا دیکھا گیا جس کا نام زید ہے ۔ دوسری صورت یہ ہے کہ علم سے مراد وہ وصف لیا جائے جس سے

Marfat.com

علم والا مشہور ہو جیسے فرعون خدائی کا دعویٰ کرنے والا ایک بادشاہ کا نام ہے اس لئے وہ مبطل کے وصف سے مشہور ہوگیا اور حضرت موسیٰ ایک پیغمبر کا نام ہے جو خدائی کا دعویٰ کرنے والا فرعون کو ہلاک کیا اس لئے وہ محق کے وصف سے مشہور ہوگیا پس اگر فرعون بول کر مبطل مراد لیا جائے اور موسیٰ بول کر محق مراد لیا جائے تو فرعون و موسیٰ نکرہ بن جائیں گے چنانچہ کہا جاتا ہے بکلّ فرعونٍ موسیٰ اس میں فرعون و موسیٰ دونوں نکرہ ہیں کیونکہ فرعون سے مبطل اور موسیٰ سے محق مراد ہے پس اس مقولہ کا معنی ہوا لکلّ مبطلٍ محقٌ"۔

لما تبیّنَ ای ظهرَ حین بین اَسبابِ منع الصرفِ وشرائطها فیما سبقَ من انّها ای العلمیة لا تجامعُ مؤثرةً اِلّا ما ای السبب الّذی هی العلمیةُ شُرِطَ فیهِ وذلک فی التانیثِ بالتّاءِ لفظًا اَو معنًی والعجمةِ والترکیبِ والالف والنونِ المزیدتینِ فانّ کلّ واحدٍ من هذه الاسبابِ الاربعةِ مشروطٌ بالعلمیةِ اِلّا العدلُ ووزنُ الفعلِ استثناءٌ ممّا بقیَ من الاستثناءِ الاوّلِ ای لا تجامعُ غیرَ ما هی شُرِطَ فیه اِلّا العدلُ ووزنُ الفعلِ فانّ العلمیةَ تجامعُها مؤثرةً کما فی عمرَ واحمدَ ولیستْ شرطًا فیهما کما فی ثلاثَ واحمرَ

ترجمہ: ــــ (اس دلیل کی وجہ سے جو روشن ہوئی) یعنی ظاہر ہوئی جب کہ مصنف نے ماقبل میں غیر منصرف کے اسباب اور ان کے شرائط بیان فرمایا (یعنی وہ) یعنی علمیت (مؤثر ہوکر جمع نہیں ہوتی مگر اس کے ساتھ) یعنی اس سبب کے ساتھ کہ (وہ) یعنی علمیت (اس سبب میں شرط ہو اور علمیت کا شرط ہونا تانیث بالتاء میں ہے عام ہے تاء لفظی ہو یا معنوی اور عجمہ و ترکیب و الف و نون زائدتان میں کیونکہ ان چاروں اسباب میں سے ہر ایک علمیت کیساتھ مشروط ہے (بجز عدل و وزن فعل کے) یہ استثناء ہے اس سے جو استثناء اوّل سے باقی رہا یعنی علمیت اس سبب کے علاوہ کہ جس میں علمیت شرط ہے کہ دوسرے سبب کیساتھ جمع نہیں ہوتی بجز عدل و وزن فعل کہ علمیت ان دونوں کیساتھ موثر ہوکر جمع ہوتی ہے جیسے کہ عمر و احمد میں ہے حالانکہ علمیت ان دونوں میں شرط نہیں جیسے کہ ثلاث و احمر میں ہے۔

تشریح: ــــ بیانہ لما تبین۔ لام حرف جار ہے اور ما موصولہ ہے یا موصوفہ اور تبیّن فعل ماضی معروف باب تفعّل سے بمعنی ظہر ہے جس کا فاعل ضمیر مستتر ہے جو ما کی طرف راجع ہے اور جملہ فعلیہ بتقدیر اوّل صلہ ہوگا اور بتقدیر دوم صفت اور ما اپنے صلہ یا صفت سے مل کر لام حرف جار کا مجرور ہوگا اور وہ متعلق ہوگا

Marfat.com

ضُرِبَ فعل کا یہ دلیل ہے دعویٰ مذکور کی جس کا حاصل یہ کہ جس غیر منصرف میں علمیت مؤثر ہو اس کو اگر نکرہ کر دیا جائے تو وہ منصرف اس لئے ہو جائیگا کہ بعض میں علمیت شرط ہے اور اس کو نکرہ کر دینے کے بعد علمیت ختم ہو جاتی ہے جس سے دوسرا سبب بھی ختم ہو جاتا ہے جس کے لئے علمیت شرط ہے کیونکہ شرط کے بغیر مشروط کا وجود نہیں ہوتا اور جس میں علمیت شرط نہیں وہ منصرف اس لئے ہو جائے گا کہ نکرہ کر دینے کے بعد علمیت ختم ہو جاتی ہے اور صرف ایک سبب باقی رہتا ہے جو غیر منصرف ہونے کے لئے کافی نہیں

بیانہ من انّھا۔ مِنْ بیان ہے اس ما کا جو لما تبیّن میں ہے اور ہا اِنّ کا اسم ہے جس کا مرجع علمیت ہے اور اس کی خبر جملہ فعلیہ ہے اور موثرۃ حال ہے تجامع کی ضمیر فاعل سے اور الا ما فی میں اِلّا حرف استثناء ہے اور ما موصولہ ہے یا موصوفہ اور ھی مبتدا ہے اور شرطا اس کی خبر اور فیہ متعلق ہے اس مقدر کیساتھ جو شرط کی صفت ہے اور اس کی ضمیر کا مرجع ما ہے جس سے مراد سبب ہے اور مبتدا اپنی خبر سے مل کر ما کا صلہ ہے یا اس کی صفت اور موصول اپنے صلہ یا موصوف اپنی صفت سے مل کر مستثنیٰ ہے اس کا مستثنیٰ منہ محذوف ہے اصل عبارت یہ ہے لا تجامع العلمیۃ سببًا من الاسباب حالۃ کونھا موثرۃً اِلّا السبب الّذی اَو سببًا ھی شرطٌ فیہ

قولہ وذلک۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ علمیت کی شرط کتنے اسباب میں اور کس کس میں ہے جواب یہ کہ علمیت کی شرط چار اسباب میں ہے وہ یہ ہیں (۱) تانیث بالتاء تاء عام ہے لفظی ہو یا معنوی (۲) عجمہ (۳) ترکیب (۴) الف ونون زائدتان جب کہ اسم میں ہوں۔

قولہ استثناء مما۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ متن میں مستثنیٰ منہ سببًا من الاسباب ہے جو عبارت میں محذوف ہے اور وہ ایک ہے اور مستثنیٰ دو ہیں ایک الا ما ہی شرط فیہ اور دوسرا الا العدل و وزن الفعل اور ایک مستثنیٰ منہ کا دو مستثنیٰ اگر عطف کیساتھ ہوں تو جائز ہے لیکن یہاں عطف کے بغیر ہے جو ممنوع ہے۔ جواب یہ کہ مستثنیٰ منہ بھی یہاں دو ہیں کیونکہ پہلا استثناء جمیع علل سے ہے اور دوسرا باقی ماندہ سے اصل عبارت یہ ہے لا تجامع موثرۃً جمیع العلل الا ما ھی شرط فیہ ولا تجامع موثرۃً غیر ما ھی شرط فیہ الا العدل ووزن الفعل۔ استثناء کے بعد صرف تین اسباب باقی رہ جاتے ہیں جن کے ساتھ علمیت پائی نہیں جاتی ایک جمع ہے دوسرا تانیث بالف مقصورہ وممدودہ کیونکہ یہ خود دو سبب کے قائم مقام ہے تیسرا وصف ہے کیونکہ وہ عموم کا مقتضی ہے اور علمیت خصوص کا اور وہ اسباب کہ جن کے ساتھ علمیت موثر بن کر پائی جاتی ہے یہ ہیں (۱) عدل (۲) وزن فعل (۳) تانیث بالتاء عام ہے

Marfat.com

تا لفظی ہو یا معنوی (۴) الف ونون زائدتان (۵) عجمہ (۶) ترکیب ان چھ میں سے دو یعنی عدل و وزن فعل کے لئے علمیت موثر ضرور ہیں جیسے عمر و احمد میں لیکن شرط نہیں جیسے ثلاث و احمر میں البتہ باقی چار کے لئے علمیت شرط ہے۔

وَھُمَا[1] العدلُ وَوزنُ الفعلِ متضادّان لانّ[2] الاَسماءَ المعدولةَ بالاستقراءِ علیٰ اَوزانٍ مخصوصةٍ لَیْسَ شیٔ منھا مِنْ اَوزانِ الفعلِ المعتبرةِ فی منع الصرفِ فلا یکون معھا اَیْ لا یوجدُ معھا شیٔ مِنَ الامرِ الدائرِ بین مجموعِ ھٰذین السببینِ وبین احدِھما فقط اِلّا احدھما فقط لا مجموعھما

ترجمہ: ــــ (اور وہ دونوں) یعنی عدل اور وزن فعل (متضاد ہیں) کیونکہ اسماء معدولہ باستقراء اوزان مخصوصہ پر منحصر ہیں کہ ان میں سے کوئی فعل کے اُن اوزان سے نہیں ہے جو منع صرف میں معتبر ہیں (پس اس کے ساتھ نہ ہوگا) یعنی علمیت کے ساتھ کوئی چیز نہ پائی جائے گی اس امر سے جو ان دو سببوں کے اور دو سببوں میں سے صرف ایک کے درمیان دائر ہے (مگر) صرف (ان دو میں سے ایک) نہ کہ دونوں کا مجموعہ۔

تشریح: ــــ بیانہ وھما[1]۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ دعویٰ مذکور تسلیم نہیں کیونکہ ممکن ہے ایک اسم ایسا ہو جس میں علمیت و عدل و وزن فعل تینوں موجود ہوں اور جب اس کو نکرہ کر دیا جائے تو علمیت زائل ہو جائے گی لیکن وہ منصرف نہ ہوگا بلکہ غیر منصرف ہی رہے گا کیونکہ اس میں دو سبب ایک عدل دوسرا وزن فعل موجود ہیں جواب یہ کہ عدل و وزن فعل دونوں متضاد ہیں کیونکہ فعل کا وزن قیاسی ہے اور عدل کا غیر قیاسی پس علت دونوں میں سے ایک ہی کیساتھ ہو سکتی ہے تو جب علمیت زائل ہو جائے گی تو صرف ایک علت باقی رہے گی جو غیر منصرف ہونے کے لئے کافی نہیں۔

قولہ[2] لان الاسماء۔ یہ دلیل ہے عدل اور وزن فعل کے متضاد ہونے کی جس کا حاصل یہ کہ فعل کا وزن قیاسی ہے اور عدل کا وزن غیر قیاسی۔ استقراء کے مطابق عدل کے اوزان چھ ہیں جن میں سے کسی وزن پر بھی کوئی فعل نہیں آتا وہ چھ اس نظم میں مذکور ہیں۔ اوزان عدل را بنامی تو شش شمر۔ مَفْعَل و فُعَل مثالھا ثلث و عمر۔ فعلِ است ہمچو اَمْسِ فُعال ست چوں ثلاث۔ دیگر فَعالِ داں چوں قطامِ فَعَلٗ سحر۔ خیال رہے کہ عدل اور وزن فعل کے درمیان تضاد باعتبار مفہوم نہیں جیسا کہ علمیت و وصفیت کے درمیان ہے بلکہ باعتبار مصداق ہے کیونکہ کلام عرب میں کوئی کلمہ بھی ایسا دیکھا نہیں گیا ہے جس میں عدل و وزن فعل دونوں جمع ہوں

Marfat.com

اگرچہ عقلاً جمع ہونا ممکن ہے کیونکہ جب نحویوں نے ان الفاظ کے تتبع و تلاش کیا جس میں عدل مانا گیا ہے تو وہ صرف چھ وزن پر ہیں جو مذکور ہوئے۔

قولہ اَیْ لَا یوجد معھا۔ اس عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ تن میں یکون فعل تام ہے جو خبر کا محتاج نہیں اور شئ من الامر الدائر سے جواب ہے کہ اس سوال کا کہ تن میں لایکون کی ضمیر مرفوع کا مرجع مطلق سبب ہے یا عدل و وزن فعل دونوں یا ان دونوں میں سے ایک۔ بتقدیر اول معنی ہوگا لایکون شئ من الاسباب الا احدھما یعنی علمیت کیساتھ کوئی سبب بھی موجود نہ ہوگا مگر عدل اور وزن فعل میں سے ایک۔ یہ صراحۃً باطل ہے اس لئے کہ علمیت کے ساتھ جمع، تانیث، ترکیب، عجمہ، الف ونون زائدتان بھی پائے جاتے ہیں بتقدیر دوم ضمیر، مرجع کے مطابق نہ ہوگی کیونکہ ضمیر واحد ہے اور مرجع دو اور بتقدیر سوم معنی ہوگا لایکون احدھما الا احدھما ظاہر ہے یہ استثناء الشئ بنفسہ ہے جو باطل ہے۔ جواب یہ کہ ضمیر کا مرجع شئ من الامر الدائر ہے یعنی وہ امر ہے جو عدل و وزن فعل دونوں کے مجموعہ یا ان دونوں میں سے ایک کے درمیان دائر ہے الا احدھما کے بعد فقط کا ذکر احتراز کے لئے ہے کیونکہ احدہما عام ہے جو احدھما مع الاخر کو شامل ہے اور بدون الاخر کو بھی اور لا مجموعھما کا ذکر مزید وضاحت کے لئے ہے۔

فَاِذَا نُکِّرَ غَیْرُ الْمُنْصَرِفِ الَّذِیْ اَحَدُ اَسْبَابِہِ الْعَلَمِیَّۃُ بَقِیَ بِلَا سَبَبٍ اَیْ لَمْ یَبْقَ فِیْہِ سَبَبٌ مِنْ حَیْثُ ھُوَ سَبَبٌ فِیْمَا ھِیَ شَرْطٌ فِیْہِ مِنَ الْاَسْبَابِ الْاَرْبَعَۃِ الْمَذْکُوْرَۃِ لِاَنَّہٗ قَدِ انْتَفٰی اَحَدُ السَّبَبَیْنِ الَّذِیْ ھُوَ الْعَلَمِیَّۃُ بِذَاتِھَا وَالسَّبَبُ الْاٰخَرُ الْمَشْرُوْطُ بِالْعَلَمِیَّۃِ مِنْ حَیْثُ وَصْفُ سَبَبِیَّتِہٖ فَلَا یَبْقٰی فِیْہِ سَبَبٌ مِنْ حَیْثُ ھُوَ سَبَبٌ اَوْ عَلٰی سَبَبٍ وَاحِدٍ فِیْمَا لَیْسَتْ بِشَرْطٍ فِیْہِ مِنَ الْعَدْلِ وَوَزْنِ الْفِعْلِ ھٰذَا

ترجمہ: ــــ (پس جب نکرہ کیا جائے) اس غیر منصرف کو کہ جس کے اسباب میں سے ایک علمیت ہے (تو وہ بلا سبب باقی رہے گا) یعنی اس غیر منصرف میں کوئی سبب اس حیثیت سے باقی نہیں رہے گا کہ وہ اس مقام میں مذکورہ چاروں اسباب میں سے ایک سبب ہے کہ جس میں علمیت شرط ہے کیوں کہ دو سببوں میں سے ایک سبب جو کہ بذاتہا علمیت ہے اور دوسرا سبب جو کہ علمیت کیساتھ مشروط تھا اپنے وصف سببیت کے اعتبار سے منتفی ہو گئے پس اس میں سبب ہونے کی حیثیت سے کوئی سبب باقی نہ رہا (یا ایک سبب پر) اس اسم میں کہ جس میں علمیت شرط نہیں یعنی عدل اور وزن فعل میں اس کو محفوظ کرلو۔

Marfat.com

تشریح: ـــ بیانہ فاذانکر۔ قاعدہ مذکورہ پر چونکہ سوال وارد ہوا تھا اس لئے اس کا جواب دینے کے بعد ماتن پھر اسی قاعدہ کو بطور خلاصہ بیان فرماتے ہیں کہ جس غیر منصرف میں علمیت موثر ہو اس کو اگر نکرہ کر دیا جائے تو وہ منصرف ہو جائیگا اگر اس میں علمیت شرط ہے تو وہ بلا سبب باقی رہے گا اور اگر شرط نہیں صرف موثر ہے تو سبب واحد پر باقی رہے گا اوّل جیسے تانیث بالتأ عام ہے تا لفظی ہو یا معنوی۔ عجمہ۔ ترکیب الف ونون زائدتان۔ دوم جیسے عدل۔ وزن فعل۔

قولہ من حیث ھو۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ علمیت اگر شرط ہو تو نکرہ کر دینے کے بعد وہ بلا سبب نہیں رہے گا جیسے علمیت تانیث کے لئے شرط ہے لیکن اس کے زائل ہونے کے بعد تانیث زائل نہیں ہوتی بلکہ برقرار رہتی ہے جواب یہ کہ علمیت جس سبب کے لئے شرط ہے اس کے زائل ہونے کے بعد سبب ہونا زائل ہو جاتا ہے یعنی اس کی تاثیر زائل ہو جاتی ہے ذات سبب نہیں

قولہ ھذا۔ اس کا مشار الیہ بیان مذکور ہے۔ تقدیر عبارت میں مختلف اقوال ہیں بعض نے کہا اس سے پہلے خُذ مقدر ہے یعنی خذ ہذا بعض نے کہا مُر مقدر ہے یعنی مُر ہذا بعض نے کہا اُحفظ مقدر ہے یعنی اُحفظ ہذا۔ اس کا استعمال اس وقت کیا جاتا ہے جب کہ کوئی اہم شئی مذکور ہو

وَقَدْ قِیْلَ عَلٰی قَوْلِہٖ وَھُمَا مُتَضَادَّانِ اِنَّ اِصْمُتْ بِکَسْرَتَیْنِ عَلَمًا لِلْمُفَازَۃِ مِنْ اَوْزَانِ الْفِعْلِ مَعَ وُجُوْدِ الْعَدْلِ فِیْہِ فَاِنَّہٗ اَمْرٌ مِنْ صَمَتَ یَصْمُتُ وَقِیَاسُہٗ اَنْ یَّجِیْءَ بِضَمَّتَیْنِ فَلَمَّا جَاءَ بِکَسْرَتَیْنِ عُلِمَ اَنَّہٗ مَعْدُوْلٌ عَنْہُ وَالْجَوَابُ اَنَّ ھٰذَا اَمْرٌ غَیْرُ مُحَقِّقٍ لِجَوَازِ وَرُوْدِ اِصْمُتْ بِکَسْرَتَیْنِ وَاِنْ لَّمْ یَشْتَھِرْ فَالْاَوْزَانُ الَّتِیْ تَحَقَّقَ فِیْہِ الْعَدْلُ تَحْقِیْقًا کَانَ اَوْ تَقْدِیْرًا لَمْ تَجَامِعْ مِنْ وَزْنِ الْفِعْلِ وَاَیْضًا قَدْ عَرَفْتَ فِیْمَا تَقَدَّمَ اَنَّ مُجَرَّدَ وُجُوْدِ اَصْلٍ مُحَقَّقٍ لَا یَکْفِیْ فِیْ اعْتِبَارِ الْعَدْلِ التَّحْقِیْقِیِّ بِدُوْنِ اقْتِضَاءِ مَنْعِ الصَّرْفِ اِیَّاہُ وَاِعْتِبَارِ خُرُوْجِ الصِّیْغَۃِ عَنْ ذٰلِکَ الْاَصْلِ وَھٰھُنَا لَا یَقْتَضِیْہِ لِوُجُوْدِ السَّبَبَیْنِ فِیْ اِصْمُتْ وَرَاءَ الْعَدْلِ وَھُمَا الْعَلَمِیَّۃُ وَالتَّانِیْثُ

ترجمہ: ـــ اور بعض نے مصنف کے قول وھما متضادان پر سوال کیا ہے کہ اصمت کسرتین کیساتھ علم کی صورت میں جنگل کے لئے فعل کے اوزان سے ہے باوجودیکہ اس میں عدل ہے کیونکہ وہ امر ہے صَمَتَ یَصْمُتُ کا اور اس کا قیاس یہ ہے کہ ضمتین کے ساتھ آئے پس جب اِصمت کسرتین کے ساتھ آیا تو معلوم ہوا کہ وہ

Marfat.com

دل ہے ضمنین سے اور جواب یہ ہے کہ یہ امر تحقیقی نہیں ہے کیونکہ اِصُمت کا کسرتین کے ساتھ وارد ہونا جائز ہے
ہ مشہور نہیں ہے پس وہ اوزان کہ جن کے اندر عدل تحقیقی یا تقدیری ثابت ہو وہ وزن فعل کے ساتھ جمع
ہوں گے اور نیز آپ نے ماسبق میں جان لیا کہ منع صرف کے عدل کا تقاضہ کئے بغیر اور اس اصل سے خروج
یغہ کے اعتبار کئے بغیر عدل تحقیقی کے اعتبار کرنے میں محض اصل محقق کا وجود کافی نہیں اور یہاں اِصُمت عدل
قاضہ نہیں کرتا کیونکہ اِصُمت میں) عدل کے علاوہ دو سبب موجود ہیں اور وہ دونوں علمیت و تانیث ہیں۔

شریح ـــ قولہ وقد قیل۔ اس عبارت سے شارح نے مصنف کے قول وُہما متضادان پر سوال پیدا کر کے اس
جواب دیا ہے سوال یہ کہ عدل اور وزن فعل میں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ اِصُمت ایک جنگل کا نام ہے
س میں دونوں جمع ہیں وزن فعل ہونا ظاہر ہے کیونکہ وہ اِضرِبُ کے وزن پر باب ضَرَبَ یَضرِبُ کا امر ہے
س کا پہلا حرف ہمزہ ہے حروف اتین سے لیکن عدل اس لئے کہ اس کا اصلی صیغہ جو قیاس کے مطابق ہونا چاہئے
ہ اُصمُتُ ہے اُنصر کے وزن پر کیونکہ صموت باب نصر ینصر کا مصدر ہے پس جب اصمت کو نکرہ کیا جائے گا تو اس
یں دو سبب باقی رہیں گے ایک عدل اور وزن فعل

قولہ والجواب۔ جواب سوال مذکور کے دو ہیں ایک یہ کہ اُصمُتُ کا انصر کے وزن پر ہونا غیر یقینی ہے
کیونکہ جائز ہے کہ وہ اِضرِبُ کے وزن پر باب ضرَبَ یضرِبُ کا امر ہو کیونکہ صموت کا باب نصر ینصر سے مصدر ہونا
اگرچہ مشہور ہے لیکن یہ بھی جائز ہے کہ وہ باب ضرب یضرب کا بھی مصدر ہو جس طرح بقاء باب سمع یسمع کا مصدر
ہے اور باب ضرب یضرب کا بھی پس جب اصمت اضرب کے وزن پر بھی ہو سکتا ہے تو اس میں عدل ہونا ثابت
نہ ہوا اور نہ عدل و وزن فعل کا جمع ہونا لازم آیا کیونکہ وہ اوزان کہ جن کے اندر عدل تحقیقی یا تقدیری ثابت
ہو وہ وزن فعل کے ساتھ جمع نہیں ہوتے۔ دوسرا جواب یہ کہ یہ تسلیم ہے کہ اصمت جو اضرب کے وزن پر ہے
اس کا اصلی صیغہ انصر کے وزن پر ہے لیکن اصلی صیغہ کے ثابت ہو جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس میں عدل
مانا جائے جیسا کہ گذرا کہ اصلی صیغہ کا وجود عدل تحقیقی کے اعتبار کے لئے کافی نہیں کیونکہ عدل تحقیقی ہو یا
تقدیری بدرجۂ مجبوری مانا جاتا ہے وہ یہ کہ اہل عرب کے نزدیک وہ غیر منصرف پڑھا جاتا ہو اور اس میں
عدل مانے بغیر غیر منصرف ہونا ممکن نہ ہو تو مجبوراً اس میں عدل مانا جاتا ہے اور اصمت میں کوئی مجبوری نہیں کیونکہ
عدل مانے بغیر بھی اس میں دو سبب موجود ہیں ایک علمیت اور دوسرا تانیث معنوی۔

ثُمَّ اَنَّہٗ اَشارَ اِلیٰ اِستِثناءِ مِثلِ اَحمَرَ عَلَمًا اِذا نُکِّرَ عَن ھٰذِہِ القاعِدَۃِ عَلیٰ قَولِ سیبَوَیہِ بِقَولِہٖ

Marfat.com

وَخَالَفَ سِيبَوَيْهِ الْأَخْفَشَ الْمَشْهُورَ هُوَ اَبُو الْحَسَنِ تِلْمِيذُ سِيبَوَيْهِ

ترجمہ: ــــ پھر مصنف نے احمر جیسے اسم کے بحالت علم جب کہ نکرہ کیا جائے بہ قول سیبویہ اس قاعدہ سے استثناء کی طرف اپنے قول سے اشارہ فرمایا (اور سیبویہ نے مخالفت کی اخفش کی) اخفش جو مشہور ہے وہ ابوالحسن ہے جو سیبویہ کا شاگرد ہے۔

تشریح: ــــ قولہ ثم انہ اشار۔ یہ تمہید ہے مصنف کے آنے والے قول کی اور جواب ہے اس سوال کا کہ جس غیر منصرف میں علمیت موثر ہو اس کو اگر نکرہ کر دیا جائے تو اس کا منصرف ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ احمر جیسے اسم کو اگر کسی کا علم بنا دیا جائے تو اس میں علمیت مؤثر ہو گی پھر اگر اس کو نکرہ کر دیا جائے تو منصرف نہ ہو گا بلکہ وزن فعل اور وصفیت اصلیہ کی وجہ سے غیر منصرف ہی رہے گا جواب یہ کہ احمر جیسے اسم کو نکرہ کر دینے کے بعد اخفش کے نزدیک منصرف ہو جائیگا لیکن سیبویہ کے مذہب پر غیر منصرف ہی رہے گا پس سیبویہ کے مذہب پر احمر جیسا اسم بمنزلۂ مستثنیٰ ہے اور مصنف نے آنے والے قول سے اسی استثناء کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

بیانہ خالف سیبویہ۔ سیبویہ اور اخفش کے درمیان یہ اختلاف ہے کہ احمر جیسا اسم جب کہ کسی کا علم بنا دیا جائے پھر اگر اس کو نکرہ کر دیا جائے تو اس کی وصفیت اصلیہ کا جو علمیت کی وجہ سے زائل ہو چکی تھی دوبارہ اعتبار کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ سیبویہ کے نزدیک اس کا اعتبار کیا جا سکتا ہے اور اخفش کے نزدیک نہیں۔ سیبویہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ وصفیت اصلیہ جو علمیت کی وجہ سے زائل ہو چکی تھی چونکہ وصفیت علمیت کو چاہتی ہے اور علمیت خصوص کو اس کو جب نکرہ کر دیا گیا تو اس کی علمیت زائل ہو جائے گی اور زائل شدہ وصفیت لوٹ آئے گی کیونکہ اس کا مزاحم اب کوئی نہ رہا اور اخفش یہ دلیل دیتے ہیں کہ وصفیت اصلیہ جب علمیت کی وجہ سے زائل ہو چکی تو پھر اس کا اعتبار دوبارہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس کے اعتبار کرنے کے لیے ضرورت داعیہ لازم ہے جو یہاں مفقود ہے۔

قولہ المشہور۔ اخفش لغت میں اس شخص کو کہتے ہیں کہ جس کی آنکھیں چھوٹی اور بینائی کمزور ہو نحویوں میں اس نام کے تین شخص گذرے ہیں ایک ابوالخطاب عبدالحمید بن عبدالحمید ہیں جو سیبویہ کے استاد تھے دوسرا ابوالحسن سعید بن مسعدہ ہیں جو سیبویہ کے شاگرد تھے اور عمر میں اُن سے بڑے ان کی وفات باختلاف روایت سنہ ۲۱۵ھ یا سنہ ۲۲۱ھ میں ہوئی ان کو اخفش اوسط کہا جاتا ہے تیسرے ابوالحسن علی بن

Marfat.com

ہمان ہیں جن کی وفات باختلاف روایت ۳۱۵ھ یا ۳۱۶ھ میں بمقام بغداد ہوئی ان کو اخفش اصغر کہا جاتا ہے یہ مبرد کے شاگرد تھے اور یہاں اخفش سے اوسط مراد ہیں اور وہی چونکہ اس لقب سے زیادہ مشہور ہیں اس لئے یہاں اس کو اوسط کیساتھ مقید نہیں کیا گیا۔ خیال رہے کہ استاذ ذال معجمہ کیساتھ عربی ہے اور ذال مہملہ کے ساتھ فارسی ہے کمافی البلاسولی اور یہاں دونوں طرح مروی ہے۔

لمّا کان قولُ التلمیذِ اَظهرَ مع موافقتِه لِمَا ذکرہٗ مِنَ القاعِدۃِ جعلہٗ اصلًا واُسنِدَ المخالفۃُ الی الاستاذِ وانْ کانَ غیرَ مستحسنٍ تنبیهاً علیٰ ذٰلک فی انصرافِ مثل احمرَ علمًا اِذا نکّرَ والمرادُ بمثلِ احمرَ ما کانَ معنی الوصفیۃِ فیہِ قبل العلمیۃِ ظاهرًا غیرَ خفیٍ فیدخُلُ فیہ سکرانُ وامثالُہٗ

ترجمہ: ــــ اور جب کہ شاگرد کا قول اظہر تھا باوجودیکہ اخفش کا قول اس قاعدہ کے موافق ہے جس کو مصنف نے بیان فرمایا تو مصنف نے اخفش کے قول کو اصل قرار دیا اور مخالفت کی نسبت استاذ کی طرف کردی اگرچہ شاگرد کے قول کو اصل بنا کر مخالفت کی نسبت استاذ کی طرف کرنا مستحسن نہیں۔ انہوں نے ایسا کیا شاگرد کے قول کے اظہر ہونے پر تنبیہ کرنے کے لئے (احمر جیسے اسم بحالت علم، منصرف ہونے میں جب کہ نکرہ کیا جائے اور مثل احمر سے مراد ہر وہ اسم ہے جس میں وصفیت کا معنی علمیت سے قبل ظاہر و غیر خفی ہو پس اس اختلاف میں سکران اور اس کے امثال بھی داخل ہو گئے۔

تشریح: ــــ قولہ ولما کان۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مخالفت کی نسبت سیبویہ کی طرف نہیں بلکہ اخفش کی طرف کرنی چاہئے تھی کیونکہ سیبویہ استاذ ہیں اور اخفش اس کا شاگرد۔ جواب یہ کہ شاگرد کا قول چونکہ اظہر ہونے کے علاوہ قاعدہ مذکورہ کے موافق بھی ہے اس لئے اس کو اصل قرار دیکر مخالفت کی نسبت استاذ کی طرف کردی گئی۔ قاعدہ مذکورہ کے موافق ہونا تو ظاہر ہے لیکن اظہر اس لئے کہ وصفیت اصلیہ علمیت کی وجہ سے ساقط و معدوم ہوگئی ہے جو اس کے بعد دوبارہ عود نہیں کرتی اور سیبویہ کے مذہب پر عود کرنا لازم آتا ہے کیونکہ انہوں نے علمیت کے زائل ہونے کے بعد وصفیت اصلیہ کے اعتبار کو جائز قرار دیا ہے۔

قولہ واسند المخالفۃ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ ممکن ہے مخالفت کی نسبت شاگرد کیطرف ہو کیونکہ جائز ہے خالف کا فاعل اخفش ہو اور مفعول سیبویہ ہو مفعول کو یہاں فاعل پر اس لئے مقدم کیا گیا ہے

Marfat.com

کہ سیبویہ استاذ ہے جس کو تقدم شرفی حاصل ہے جواب یہ کہ متن میں اعتباراً للصفۃ الاصلیۃ مفعول لہٗ ہے جو منصوب ہے لام کی تقدیر کے ساتھ اور اس کے نصب کی شرط میں سے فعل و مفعول لہٗ دونوں کے فاعل کا ایک ہونا ہے اور ظاہر ہے صفت اصلیہ کے اعتبار کا فاعل یعنی اعتبار کرنے والا سیبویہ ہیں تو خالف کا فاعل بھی سیبویہ ہی ہوں گے اخفش نہیں اگرچہ یہ مستحسن نہیں ہے۔

قولہ[۲] والمراد بمثل۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ سیبویہ و اخفش کے درمیان اختلاف جس طرح احمر میں ہے اسی طرح سکران میں بھی پس یہاں صرف احمر کو بیان کیا گیا سکران کو نہیں جواب یہ کہ متن میں صرف احمر نہیں بلکہ مثل احمر مرقوم ہے جس سے مراد ہر وہ اسم ہے جس میں علمیت سے پہلے وصفی معنی ظاہر ہو اور اس میں وصف کے علاوہ کوئی دوسرا سبب بھی موجود ہو جیسے احمر میں وصف کے علاوہ وزن فعل ہے اور سکران میں الف و نون زائدتان ہے اور ثلاث میں عدل پس جب ان اسموں کو علم بنا دیا جائے تو وصف اصلی زائل ہو جائے گا کیونکہ علم وصف کے منافی ہے پس وہ اسم علمیت اور دوسرے سبب کی وجہ سے غیر منصرف ہی رہیں گے۔ لیکن جب اُن کو نکرہ کر دیا جائے تو اخفش کے نزدیک منصرف ہو جائیں گے اور سیبویہ کے نزدیک غیر منصرف ہی رہیں گے جیسا کہ گذرا۔

---

[۱] ویخرجُ عنہ اَفعلُ التاکیدِ نحو اجمع فانّہٗ منصرفٌ عند التنکیرِ بالاتفاقِ لضعف معنی الوصفیۃِ فیہ قبل العلمیۃِ لکونہٖ بمعنی کل وکذلک افعلُ التفضیلِ المجرّدُ عن مِنَ التفضیلیۃِ فانّہٗ بعدَ التنکیرِ منصرفٌ بالاتفاقِ لضُعفِ معنی الوصفیۃِ فیہ حتیٰ صار افعلُ اسماً وان کانَ معہٗ مِنْ فلا ینصرفُ بلا خلافٍ لظہورِ معنی الوصفیۃِ فیہ بسببٍ مِن التفضیلیۃِ اعتباراً للصفۃِ الاَصلیۃِ[۲] ای انما خالفَ سیبویہ الاَخفَشَ لاجلِ اعتبارہ الوصفیۃَ الاصلیۃَ بعدَ التنکیرِ فانّہٗ لمّا زالتِ العلمیۃُ بالتنکیرِ لم یبقَ فیہ مانعٌ مِن اعتبارِ الوصفیۃِ فاعتبرَھا وجعلہٗ غیرُ منصرفٍ للصفۃِ الاَصلیۃِ وسببٍ آخر کوزنِ الفعلِ والالفِ والنونِ المزیدتینِ

ترجمہ: ـــــ اور اس سے افعل تاکید خارج ہو گیا جیسے اجمع کہ وہ بوقت تنکیر بالاتفاق منصرف ہے کیونکہ اس میں علمیت سے قبل وصفیت کے معنی کا ضعف ہے اس لئے کہ اجمع کل کے معنی میں ہے اور اسی طرح افعل تفضیل بھی خارج ہو گیا جو مِنْ تفضیلیہ سے خالی ہے اس لئے کہ وہ تنکیر کے بعد باتفاق منصرف ہے کیونکہ

Marfat.com

س میں وصفیت کا معنی ضعیف ہے یہانتک کہ افعل اسم ہوگیا اور اگر افعل کے ساتھ مِنْ ہو وہ بغیر اختلاف کے غیر منصرف ہے کیونکہ اس میں وصفیت کا معنی مِنْ تفضیلیہ کے سبب ظاہر ہے (وصفیت اصلیہ کے اعتبار کرنے کی وجہ سے) یعنی سیبویہ نے اخفش کی مخالفت وصفیت اصلیہ کے اعتبار کرنے کی وجہ ہی سے کیا ہے (تنکیر کے بعد) اس لئے کہ علمیت جب تنکیر سے زائل ہوگئی تو اس میں وصفیت کے اعتبار کرنے سے کوئی مانع باقی نہ رہا پس سیبویہ نے وصفیت اصلیہ کا اعتبار کیا اور مثل احمر کو صفت اصلیہ اور دوسرا سبب جیسے وزن فعل اور الف ونون زائدتان کی وجہ سے غیر منصرف بنادیا۔

تشریح: ـــــ قولہ[1] یخرج عنہ ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ سیبویہ واخفش کے درمیان مثل احمر میں اختلاف ہے لیکن اجمع میں ان کا کیا خیال ہے؟ جواب یہ کہ اجمع افعل التاکید سے ہے جس کو اگر علم بنا کر نکرہ دیا جائے تو بالاتفاق وہ منصرف ہو جائے گا کیونکہ اس میں علمیت سے پہلے وصفی معنی ظاہر نہیں بلکہ وہ کل کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے پس وہ قید مذکور ہی سے خارج ہے اسی طرح وہ اسم تفضیل بھی جو مِن کے بغیر مستعمل ہو جیسے اکرم کہ اس کو بھی علم بنا کر اگر نکرہ کر دیا جائے تو وہ بھی بالاتفاق منصرف ہو جائیگا کیونکہ مِنْ تفضیلیہ نہ ہونے کی وجہ سے اس میں وصفی معنی ظاہر نہیں البتہ وہ اسم تفضیل جو من کے ساتھ مستعمل ہو اگر اس کو کسی کا علم بنا دیا جائے اور پھر نکرہ کر دیا جائے تو بالاتفاق غیر منصرف رہے گا کیونکہ نکرہ ہو جانے کے بعد اس میں وصفی معنی ظاہر ہے۔

قولہ[2] ای انما خالف ۔ متن میں خالف جن پانچ امور کا متقاضی تھا اس عبارت سے ان میں سے تین امور کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ایک یہ کہ خالف کا فاعل سیبویہ ہے اور دوسرا اس کا مفعول اخفش ہے اور تیسرا وجہ مخالفت کہ جس کو مفعول لہ کہا جاتا ہے وہ اعتبار وصفیت اصلیہ ہے کیونکہ مخالفت فعل اختیاری ہے جو غایت ووجہ پر موقوف ہوا کرتی ہے کما فی الحکمۃ باقی دو میں سے ایک محل مخالفت ہے جس کی طرف مثل احمر سے اشارہ کر دیا گیا ہے اور دوسرا وقت مخالفت ہے جس کی طرف آگے بعد التنکیر سے اشارہ کیا جائے گا۔

---

[1] فَاِنْ قُلْتَ کما اَنَّہٗ لامانعَ مِنْ اعتبارِ الوصفیۃِ الاَصْلیۃِ لا باعِثَ اعتبارِھَا ایضًا فلِمَ اعتبرھا وذھبَ الیٰ ما ھُوخلافُ الاَصْلِ اَعنی منعَ الصرفِ قیلَ[2] الباعِثُ علیٰ اعتبارِھَا امتناعُ اسودَ وارقمَ مع زوالِ الوصفیۃِ عنھما حینئذٍ وفیہ[3] بحثٌ لانَّ الوصفیۃَ لم تزلْ عنھما بالکلیۃ

Marfat.com

بل بقی فیھما شائبۃٌ مِنَ الْوَصْفِیَّۃِ لانّ الاسودَ اسمٌ للحیّۃِ السّوداءِ والارقمُ اسمٌ للحیۃِ التی فیھا سوادٌ وبیاضٌ وفیھما شمۃٌ من الوصفیۃِ فلا یلزمُ من اعتبارِ الوصفیۃِ فیھما اعتبارُ ھافی اَحمَرَ بعد التنکیرِ لانھا قد زالَتْ بالکلیۃِ

ترجمہ: ـــــ پس اگر آپ سوال کریں کہ جس طرح وصفیت اصلیہ کے اعتبار کرنے سے کوئی مانع نہیں اسی طرح اس کے اعتبار کرنے پر کوئی باعث بھی تو نہیں پس سیبویہ نے وصفیت اصلیہ کا اعتبار کیوں کیا ؟ اور خلاف اصل یعنی غیر منصرف ہونے کی طرف کیوں گئے ؟ بعض لوگوں نے جواب میں یہ کہا کہ وصفیت اصلیہ کے اعتبار کرنے پر باعث اسود وارقم کا غیر منصرف ہونا ہے باوجودیکہ اس وقت یعنی جب کہ سانپ کا نام ہو ان دونوں سے وصفیت زائل ہے اس جواب میں بحث ہے کیونکہ ان دونوں سے وصفیت پورے طور پر زائل نہیں ہوتی بلکہ وصفیت کی بُو دونوں میں باقی ہے اس لئے کہ اسود نام ہے کالے سانپ کا اور ارقم نام ہے اس سانپ کا جس میں سیاہی وسفیدی دونوں ہوں اور اسود وارقم دونوں میں وصفیت کی بُو باقی ہے پس ان دونوں میں وصفیت کے اعتبار کرنے سے احمر میں نکرہ کر دینے کے بعد وصفیت کا اعتبار کرنا لازم نہیں آتا اس لئے کہ وصفیت پورے طور پر زائل ہو گئی ہے ۔

تشریح: ـــ قولہ فان قلتَ ۔ اخفش کا قول چونکہ قاعدہ مذکورہ کے موافق ہونے کے علاوہ زیادہ ظاہر بھی ہے اس لئے شارح ان کی طرف سے سیبویہ پر یہ سوال وارد کرتے ہیں جس کا حاصل یہ کہ سیبویہ نے تنکیر کے بعد وصفیت اصلیہ کا اعتبار اس لئے کیا ہے کہ اس کے اعتبار کرنے سے مانع علمیت تھی تنکیر سے وہ زائل ہو چکی تو دریافت ہے کہ اس کے اعتبار کرنے سے جس طرح کوئی مانع نہیں اسی طرح اس کے اعتبار کرنے پر کوئی باعث بھی تو نہیں نیز وصفیت اصلیہ کے اعتبار کرنے پر اسم کا غیر منصرف ہونا لازم آتا ہے جو خلاف اصل ہے حالانکہ اسم کا منصرف ہونا اصل ہے ۔

قولہ قیل ۔ یہ جواب ہے سیبویہ کی طرف سے سوال مذکور کا جس کا حاصل یہ کہ وصفیت اصلیہ کے اعتبار کرنے پر باعث اسود وارقم کا غیر منصرف ہونا ہے کیونکہ اسود جو نام ہے کالے سانپ کا اور ارقم نام ہے چت کبرا سانپ کا دونوں سے وصف زائل ہو گیا ہے لیکن اس کے باوجود ان کے اندر وصف کا اعتبار ہے یعنی غلبۂ اسمیت کی وجہ سے وصف اگرچہ زائل ہو گیا ہے لیکن اس کے باوجود ان کے اندر وصف کا اعتبار ہے اسی طرح مثل احمر میں بھی علمیت کی وجہ سے وصف زائل ہونے کے باوجود اس کا اعتبار کیا جائیگا خیال رہے کہ جواب

Marfat.com

کہ کلمۂ تمریض سے بیان کرنے میں اس کے ضعف کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے جیسا کہ اس کے وجہ ضعف کا بیان فیہ بحث سے آگے مذکور ہے۔

قولہ فیہ بحث۔ اس عبارت سے جواب مذکور کے ضعف کو بیان کیا جاتا ہے جس کا حاصل یہ کہ مثل احمر کو اسود وارتم پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے کیونکہ اسود وارتم میں وصف اگرچہ زائل ہو گیا ہے لیکن پورے طور پر نہیں بلکہ کچھ نہ کچھ باقی ہے کیونکہ اسود کالے سانپ کا نام ہے اور ارتم چتکبڑا سانپ کا پس دونوں میں وصفی معنی کچھ نہ کچھ موجود ہے لیکن مثل احمر میں علمیت کی وجہ سے وصفی معنی پورے طور پر زائل ہو جاتا ہے

وَاَمَّا الاخفشُ فذهبَ الیٰ انّهٗ منصرفٌ فانّ الوصفیةَ قد زالتْ بالعلمیةِ والعلمیةُ بالتنکیرِ وَالزائلُ لا یُعتبرُ من غیر ضرورۃٍ فلم یبق فیہِ اِلّا سببٌ واحدٌ ھو وزنُ الفعلِ وَالالفِ وَالنونِ وھٰذا القولُ اظھرُ

ترجمہ: ــــ اور لیکن اخفش تو احمر کے منصرف ہونے کی طرف گئے ہیں اس لئے کہ وصفیت علمیت سے زائل ہو گئی اور علمیت تنکیر سے اور زائل کا اعتبار بلا ضرورت نہیں کیا جاتا۔ پس احمر میں صرف ایک سبب باقی رہا اور وہ وزن فعل ہے اور سکران میں الف ونون زائدتان ہے اور یہ قول اخفش کا زیادہ ظاہر ہے۔

تشریح: ــــ قولہ واما الاخفش۔ یہ اخفش کے دعوئ مذکور کی دلیل ہے جسکا حاصل یہ کہ علمیت سے وصفیت پورے طور پر زائل ہو جاتی ہے اور تنکیر سے علمیت زائل ہو جاتی ہے اور جو پورے طور پر زائل ہو جائے اس کا اعتبار بلا ضرورت نہیں ہوتا نیز اسم میں اصل منصرف ہونا ہے اور وصف کا اگر اعتبار کیا جائے تو اسم کا غیر منصرف ہونا لازم آئیگا جو خلاف اصل ہے پس احمر وسکران میں صرف ایک سبب ہوگا احمر میں وزن فعل اور سکران میں الف ونون زائدتان جو غیر منصرف ہونے کے لئے کافی نہیں ہے۔

وَلمّا اعتبرَ سیبویہِ الوصفَ الاصلیَّ بعدَ التنکیرِ وَاِنْ کانَ زائلاً لزمَہٗ اَنْ یعتبرہٗ فی حالِ العلمیۃِ اَیضًا فیمنعُ نحو حاتمٍ من الصرفِ للوصفِ الاصلیِّ والعلمیۃِ فاجابَ عنہ المصنّفُ ولا یلزمہٗ ای سیبویہ من اعتبارہٖ الوصفیۃَ الاصلیۃَ بعدَ التنکیرِ فی مثلِ اَحمرَ علمًا بابُ حاتمٍ ای کلُّ علمٍ کان فی الاَصلِ وصفٌ مع بقاءِ العلمیۃِ بانْ اعتبرَ فیہ ایضاً الوصفیۃُ الاصلیۃُ وحکم بمنع

Marfat.com

صرفہ لمعلمیۃِ والوصفیۃِ الاَصلیۃِ

ترجمہ:۔ ــــ اور سیبویہ نے جب تنکیر کے بعد وصف اصلی کا اعتبار کیا اگرچہ وصف اصلی زائل ہو چکا تو سیبویہ کو لازم ہوا کہ وہ علمیت کی حالت میں بھی اس کا اعتبار کرے پس حاتم جیسا کلمہ وصف اصلی اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہو جائیگا تو مصنف نے سیبویہ کی جانب سے اپنے قول سے جواب دیا (اور اس کو) یعنی سیبویہ کو مثل احمر میں حالت علمیت نکرہ کر دینے کے بعد وصفیت اصلیہ کے اعتبار کرنے سے (باب حاتم لازم نہیں آتا) یعنی باب حاتم ہر وہ علم ہے جو بقاء علمیت کیساتھ اصل میں وصف ہو بایں طور کہ اس میں بھی وصفیت اصلیہ کا کیا جائے اور علمیت و وصفیت اصلیہ کی وجہ سے اس کے غیر منصرف ہونے پر حکم لگایا جائے

تشریح:۔ ــــ قولہ لما اعتبر۔ متن میں ولا یلزمہ سے چونکہ سیبویہ پر وارد ہونے والے سوال کا جواب دیا گیا ہے اس لئے اس عبارت سے اس وارد ہونے والے سوال کو بیان کیا جاتا ہے جس کا حاصل یہ کہ سیبویہ نے جب مثل احمر میں تنکیر کے بعد بھی وصفیت اصلیہ کا اعتبار کیا ہے تو ضروری ہوا کہ علمیت کے وقت بھی وہ اس کا اعتبار کرے پس باب حاتم میں مثل احمر کی طرح وصف اصلی اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہو جائے گا کیونکہ حاتم ماخوذ ہے حتم سے جو استوار اور حکم کرنے اور کام کو کسی پر واجب کرنے کے معنی میں ہے جب کہ باب حاتم باتفاق منصرف ہے۔

قولہ فاجاب عنہ۔ جواب سوال مذکور کا یہ کہ باب حاتم کو مثل احمر پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے اس لئے کہ وصف زائل کا غیر منصرف کا سبب ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ کوئی مانع نہ ہو اور باب حاتم میں مانع موجود ہے اور وہ حکم واحد میں دو متضاد ایک علمیت دوسرا وصف اصلی کے اعتبار کا لازم ہونا اور یہ مانع مثل احمر میں موجود نہیں کیونکہ اس میں وزن فعل اور وصف اصلی کا اعتبار ہے علمیت اور وصف اصلی کا اعتبار نہیں پس مثل احمر میں وصف زائل کے اعتبار کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ باب حاتم میں بھی وصف زائل کا اعتبار کیا جائے۔

قولہ ای کل علم۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ سوال مذکور جس طرح حاتم سے واقع ہوگا اسی طرح زاہد و عابد و ناصر سے بھی پس متن میں صرف حاتم ہی کو کیوں بیان کیا گیا؟ جواب یہ کہ متن میں باب حاتم مذکور ہے جس سے مراد ہر وہ علم ہے جو اصل میں وصف ہو اور بقاء علمیت کے ساتھ اس میں وصف اصلی کا بھی اعتبار کیا جائے اور یہ ہر ایک کو شامل ہے۔

Marfat.com

لِمَا يلزمُ فی باب حاتمٍ علیٰ تقدیر منعہٖ مِنَ الصرفِ مِنْ اعتبارِ المتضادّین یعنی الوصفیۃُ والعلمیۃُ
فانّ العلمَ للخصوصِ والوصفَ للعمومِ فی حکمٍ واحدٍ وھُوَ منعُ صرفِ لفظٍ بخلافِ مَا اِذا اعتبرت
الوصفیۃُ الاصلیۃُ مع سببٍ آخرَ کما فی اسودَ وارقمَ

ترجمہ: ــــ (کیونکہ) باب حاتم میں اس کے غیر منصرف ہونے کی تقدیر پر (دو متضاد) یعنی وصفیت اور علمیت (کا اعتبار لازم آتا ہے) اس لئے کہ علم خصوص کا متقاضی ہے اور وصف عموم کا (ایک حکم میں) اور وہ لفظ واحد کے غیر منصرف ہونے میں برخلاف جبکہ وصفیت اصلیہ کا اعتبار دوسرے سبب کیساتھ کیا جائے جیسے اسود وارقم میں ہے۔

تشریح: ــــ بیانہٗ لما یلزم۔ متن کے اندر لا یلزمہٗ میں لزوم منفی ہے اور عدم لزوم نفی اور لما یلزم سے اسی نفی کی دلیل دی گئی ہے اور مِن اعتبار المتضادّین بیان ہے ما کا اور فی حکمٍ واحدٍ متعلق ہے اعتبار کے ساتھ اور شرح میں علیٰ تقدیر منعہٖ من الصرف سے یہ اشارہ ہے کہ باب حاتم میں اعتبار متضادین کا لزوم مطلقاً نہیں بلکہ اس تقدیر پر ہے کہ اس کو غیر منصرف پڑھا جائے

قولہٗ فانّ العلمَ۔ یہ دلیل ہے علمیت و وصفیت کے متضاد ہونے کی جس کا حاصل یہ کہ علم خصوص کا مقتضی ہے اور وصف عموم کا اور ظاہر ہے کہ ہر ایک دوسرے کا ضد ہے کیونکہ خصوص تعین کو لازم ہے اور عموم عدم تعین کو لیکن یہاں تضاد سے مراد مطلق تقابل ہے کیونکہ تضاد میں دونوں امر کا وجودی ہونا لازم ہے جو یہاں مفقود ہے اور تقابل سے بھی مراد تقابل بالعرض ہے تقابل بالذات نہیں کیونکہ علمیت و وصفیت میں تقابل بالذات یعنی علم و موصوف کے اعتبار سے ہے جو مدلول کے تعین و عدم تعین کو مستلزم ہیں اور تعین و عدم تعین علم و موصوف کی صفات سے ہیں۔

قولہٗ وھو منع۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ عمر کے غیر منصرف ہونے میں علمیت کا اعتبار کیا گیا ہے اور آخر کے غیر منصرف ہونے میں وصف کا اعتبار کیا گیا ہے پس ایک حکم یعنی غیر منصرف ہونے میں علمیت و وصفیت کا اعتبار ممنوع نہ ہوا حالانکہ علمیت، وصفیت کا متضاد ہے۔ جواب یہ کہ متن میں حکم واحد مرکب توصیفی نہیں بلکہ مرکب اضافی ہے معنی یہ ہے کہ ایک لفظ کے حکم میں دو متضاد کا اعتبار ممنوع ہے اور ظاہر ہے عمر اور آخر دو الگ، الگ لفظ ہیں جس میں سے ایک میں وصفیت اور دوسرے میں علمیت کے اعتبار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

Marfat.com

فانْ قلتَ اَلتضادُ اِنّما هُو بينَ الوَصفيةِ المُحَقّقَةِ والعلميةِ لا بينَ الوَصفيّةِ الاَصليةِ الزَائلةِ والعلميةِ فلو اعتبرتْ الوصفيةُ الاصليةُ والعلميةُ فی منعِ صرفِ مثل حاتمٍ لا يلزمُ اجتماعُ المتضادينِ قلنا لقد يُراعَى الضدّينِ بعد زوالِه مع ضدٍ آخرَ فی حكمٍ واحدٍ وَاِنْ لم يكن من قبيلِ اجتماعِ المتضادّينِ لكنّهُ شبيهٌ بِه فاعتبارُهما معاً غيرُ مستحسنٍ

ترجمہ: ـــــ پس اگر آپ سوال کریں کہ تضاد صرف وصفیت محققہ اور علمیت کے درمیان ہوتا ہے وصفیت اصلیہ زائلہ اور علمیت کے درمیان نہیں تو اگر مثل حاتم کے غیر منصرف ہونے میں وصفیت اصلیہ اور علمیت کا اعتبار کیا جائے تو دو متضاد کا جمع ہونا لازم نہ آئے گا پس ہم جواب دیں گے کہ دو ضدوں میں سے ایک کا اس کے زائل ہونے کے بعد ضد آخر کیساتھ حکم واحد میں فرض کرنا اگرچہ اجتماع ضدین کے قبیل سے نہیں لیکن یہ اس کے مشابہ ہے پس وصفیت وعلمیت کا ایک ساتھ اعتبار کرنا غیر مستحسن ہوا۔

تشریح: ـــــ قولہ فان قلتَ ۔ اخفش کی جانب سے شارح کا یہ سوال ہے کہ وصفیت محققہ موجودہ اور علمیت موجودہ میں تضاد ہوتا ہے لیکن یہاں علمیت موجودہ اور وصفیت زائلہ ہے جس میں کوئی تضاد نہیں ہوتا۔

قولہ قلنا ۔ یہ جواب بھی سیبویہ کی جانب سے شارح دیتے ہیں کہ وصفیت زائلہ کو مؤثر ماننا گویا اس کو موجود ماننا ہوا پس باب حاتم میں جب علمیت کیساتھ وصفیت زائلہ کو مؤثر مانا جائے تو وصفیت حکماً موجود ہوگی پس اس صورت میں اجتماع ضدین اگرچہ حقیقۃً نہیں لیکن اس کے مشابہ ضرور ہوگی لہذا علمیت کے ساتھ وصفیت اصلیہ کو موثر ماننا غیر مستحسن ہوا۔ اسی وجہ سے متن میں اعتبار ضدین کہا گیا اجتماع ضدین نہیں۔

وَجميعُ البابِ اَیْ بابِ غيرِ المنصرفِ باللامِ اَیْ بدخولِ لامِ التعريفِ عليهِ اَوِ الاضافةِ اَیْ اِضافةٍ اِلیٰ غيرِهٖ يُجَرُّ اَیْ يصيرُ مجروراً بالكسرِ اَیْ بصورةِ الكسرِ لفظاً اَوْ تقديراً

ترجمہ: ـــــ (اور تمام باب) یعنی باب غیر منصرف (لام) یعنی لام تعریف کا اس پر داخل ہونے کی وجہ سے (یا اضافت) کی وجہ سے) یعنی غیر منصرف کے علاوہ کی جانب اضافت کی وجہ سے (جر دیا جائے گا) یعنی مجرور ہوگا (کسرہ کیساتھ) یعنی کسرہ کی صورت میں لفظاً ہو یا تقدیراً۔

Marfat.com

تشریح: ـــــ قولہ[1] اَیْ باب غیرِ المنصرفِ ۔ اس عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ متن میں باب پر الف لام مضاف الیہ کے عوض ہے یا عہد خارجی کا ہے جو باب غیر منصرف کی طرف اشارہ کرتا ہے ۔ اس کا مضاف الیہ مافیہ علمیۃ موثرۃ نہیں ہو سکتا جیسا کہ کلام سابق سے وہم ہوتا ہے کیونکہ حکم مذکور عام ہے تمام غیر منصرف کو خواہ اس میں مؤثر علمیت ہو یا کوئی دوسرا سبب ہو ۔

قولہ[2] اَیْ بدخول ۔ دخول کی تقدیر سے یہ اشارہ ہے کہ متن میں اللام مضاف الیہ ہے جس کا مضاف محذوف ہے بایں قرینہ کہ غیر منصرف پر کسرہ محض لام سے نہیں ہوتا بلکہ اس کے دخول سے ہوتا ہے اور التعریف کی تقدیر سے جواب ہے اس سوال کا کہ القلم لاحمدَ میں احمد پر لام تو داخل ہے لیکن کسرہ نہیں جواب یہ کہ لام سے یہاں مراد لام تعریف ہے اور احمد پر لام جارہ داخل ہے پس متن میں لام پر الف لام مضاف الیہ کے عوض ہے یعنی لام التعریف یا عہد خارجی ہے جو لام تعریف کی طرف اشارہ کرتا ہے

قولہ[3] ای اضافۃ الی غیرہٖ ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اکلتُ مالَ زفرَ میں زفر غیر منصرف ہے جو مضاف الیہ واقع ہے لیکن اس پر کسرہ نہیں ہے ۔ جواب یہ کہ اضافت سے یہاں مراد مضاف ہونا ہے کہ مضاف الیہ ہونا اور زفر مضاف الیہ ہے نہ کہ مضاف اس لئے اس پر کسرہ نہیں آتا ۔

قولہ[4] ای یصیر مجرورًا ۔ اس عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ انجرار یہاں صیرورت کے معنی کو شامل ہے جو بمعنی لوٹنا یا پلٹنا آتا ہے اس کی وجہ یہ کہ غیر منصرف پر لام یا اضافت کی وجہ سے جو کسرہ آتا ہے وہ کسرہ کے ممتنع ہونے کے وقت نہیں بلکہ رفتہ رفتہ کسرہ کی طرف پلٹ آتا ہے ورنہ ضدین کا اجتماع لازم آئے گا جو ممنوع ہے ۔

قولہ[5] اَیْ بصورۃ الکسر ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ کسر مبنی کی حرکت کو کہتے ہیں اور غیر منصرف معرب ہے جواب یہ کہ کسر سے یہاں مراد کسر کی صورت ہے اور ظاہر ہے کسر کی صورت کسرہ ہے اور کسرہ معرب کی حرکت کو بھی کہتے ہیں ۔

قولہ[6] لفظًا او تقدیرًا ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مررتُ بالمصلّٰی میں مصلّٰی غیر منصرف ہے اس پر لام تعریف داخل ہے اس کے باوجود اس پر کسرہ نہیں آتا جواب یہ کہ کسرہ سے مراد عام ہے کہ لفظی ہو یا تقدیری اوّل جیسے مررتُ بالمساجدِ و مساجدِکم اور دوم جیسے مررتُ بالمصلّٰی و بمصلّٰکم ۔

وَاِنَّمَا لَمْ یَکْتَفِ بِقَوْلِہٖ یَنْجَرُّ لِاَنَّ الْاِنْجِرَارَ قَدْ یَکُوْنُ بِالْفَتْحِ وَلَا بَاْسَ بِقَوْلِہٖ یَنْکَسِرُ لِاَنَّ الْکَسْرَ یُطْلَقُ

Marfat.com

علی الحرکاتِ البنائیۃِ ایضًا

ترجمہ : ـــــ اور مصنف نے اپنے قول بجرّ پر اس لئے اکتفا نہیں فرمایا کہ انجار کبھی فتح کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ بنکسر کہنے پر اس لئے اکتفا نہیں فرمایا کہ کسر کا اطلاق حرکات بنائیہ پر بھی ہوتا ہے ۔

تشریح :۔ قولہ[1] وانما لم یکتف ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ جو اسم مجرور ہوگا وہ لامحالہ کسرہ کے ساتھ ہوگا پس ماتن کو صرف بجرّ لکھنا چاہیئے جواب یہ کہ جر کبھی فتحہ سے بھی ہوتا ہے جیسے مررتُ باحمدَ میں احمد غیر منصرف مجرور ہے لیکن فتحہ کے ساتھ ہے ۔

قولہ[2] ولابان یقول ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ جب ایسا معاملہ ہے تو ماتن کو صرف بنکسر لکھنا چاہیئے تھا جواب یہ کہ کسر چونکہ حرکت بنائیہ کو کہتے ہیں پس اس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ لام تعریف داخل ہونے یا مضاف ہونے سے غیر منصرف مبنی ہوجاتا ہے ۔

---

[1] وَلِلنحاۃِ خلافٌ فی اَنّ ھٰذا الاسمَ فی ھٰذہ الحالۃِ منصرفٌ اَوغیرُ منصرفٍ فمنھم مَنْ ذھبَ اِلیٰ انّہ منصرفٌ مطلقًا لانّہ عدَمَ انصرافہ اِنمّا کانَ لِشابَھۃِ الفعلِ فلمّا ضعُفتْ ھٰذہ المشابھۃُ بدخولِ ما ھو[2] من خواصِّ الاسمِ اعنی اللامَ اَوالاضافۃَ قویتْ جھۃُ الاسمیۃِ فرجعَ اِلیٰ اصلہ الذی ھوالصرفُ فدخلہ الکسرُ دون التنوینِ لانہ لا یجتمعُ مع اللاّمِ وَالاِضَافۃِ

ترجمہ ـــــ اور نحویوں کا اس امر میں اختلاف ہے کہ اس حالت میں یہ اسم منصرف ہے یا غیر منصرف تو ان میں سے کچھ نحوی اس طرف گئے ہیں کہ وہ مطلقًا منصرف ہے کیونکہ اس کا غیر منصرف ہونا صرف اس کا فعل سے مشابہت کی وجہ سے تھا ۔ پس جب وہ مشابہت خواص اسم کے دخول سے ضعیف ہوگئی مراد لیتا ہوں خواص اسم سے لام یا اضافت کو تو اسم ہونے کی جہت قوی ہوگئی پس وہ اپنی اصل کی طرف لوٹ آیا جو کہ وہ منصرف ہونا ہے تو اس پر کسرہ داخل ہوگا تنوین نہیں کیونکہ تنوین لام و اضافت کیساتھ جمع نہیں آتی ۔

تشریح : ـــــ قولہ[1] وللنحاۃِ ۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ صورت مذکورہ میں اسم غیر منصرف ہی رہتا ہے یا منصرف ہوجاتا ہے جواب یہ کہ اس کے متعلق نحویوں کے تین مذہب ہیں ایک مذہب کا یہ کہنا ہے کہ وہ اسم مطلقًا منصرف ہوجاتا ہے دو سبب باقی رہیں یا باقی نہ رہیں دلیل یہ دیتے ہیں کہ اسم کا غیر منصرف ہونا فعل

Marfat.com

کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے تھا اور وہ مشابہت لام تعریف کے داخل ہونے اور مضاف ہونے کی وجہ سے ضعیف ہو جاتی ہے اور اسمیت کی جہت قوی ہو جاتی ہے پس اسم اپنی اصل کی طرف لوٹ آتا ہے یعنی منصرف ہو جاتا ہے لیکن اس حالت میں اس پر صرف کسرہ آتا ہے تنوین اس لئے نہیں کہ وہ لام تعریف کا مدخول اور مضاف ہے جس پر تنوین قطعاً نہیں آتی۔

قولہ من خواص الاسم۔ یہ بیان ہے ما ہو میں لفظ ما کا اصل عبارت یہ ہے بدخول خواص الاسم اور خواص اسم کا بیان اعنی اللام او الاضافۃ ہے پس اصل عبارت یہ ہوگی بدخول اللام اَوُ الاضافۃ دخول حقیقۃً صفت ہے لام کی پس یہ از قبیل اضافۃ الصفۃ الی الموصوف ہے خواص اسم سے مراد یہاں صرف لام و اضافت کو لیا گیا ہے جب کہ ان کے علاوہ اسناد الیہ وغیرہ بھی ہے اس کی وجہ یہ کہ فعل کیساتھ مشابہت صرف لام و اضافت ہی کی وجہ سے ضعیف ہوتی ہے اسناد وغیرہ سے نہیں اور یہاں صرف ضُعف ہی کو بتانا مقصود ہے اس لئے صرف لام و اضافت کو بیان کیا گیا لیکن لام و اضافت سے فعل کے ساتھ مشابہت اس لئے ضعیف ہوتی ہے کہ وہ لفظ و معنی دونوں میں اثر انداز ہوتے ہیں لفظ میں اس لئے کہ اُن سے تنوین ساقط ہو جاتی ہے اور معنی میں اس لئے کہ ان سے تعریف کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

وَمِنْهُمْ مَنْ ذَهَبَ اِلٰی اَنَّهٗ غَیْرُ مُنْصَرِفٍ مُطْلَقاً وَالْمَنْوعُ مِنَ غَیْرِ الْمَنْصَرِفِ بِالْاَصَالَةِ هُوَ التَّنْوِیْنُ وَ سُقُوْطُ الْکَسْرِ اِنَّمَا هُوَ بِتَبَعِیَّةِ التَّنْوِیْنِ وَحَیْثُ ضُعُفَتْ مُشَابَهَتُهٗ لِلْفِعْلِ لَمْ تُوَثِّرْ اِلَّا فِیْ سُقُوْطِ التَّنْوِیْنِ دُوْنَ تَابِعِهِ الَّذِیْ هُوَ الْکَسْرُ فَعَادَ الْکَسْرُ اِلٰی حَالِهٖ وَسَقَطَ التَّنْوِیْنُ لِاِمْتِنَاعِهٖ مِنَ الصَّرْفِ

ترجمہ: ــــ اور ان میں سے کچھ نحوی اس طرف گئے ہیں کہ وہ مطلقاً غیر منصرف ہے اور غیر منصرف سے بالاصالہ صرف تنوین ممنوع ہے اور کسرہ کا ساقط ہونا صرف تنوین کے تابع ہونے کی وجہ سے ہے اور جب فعل کے ساتھ اس کی مشابہت ضعیف ہوگئی تو وہ موثر صرف سقوط تنوین میں ہوگی اس کے تابع میں نہیں جو کہ وہ کسرہ ہے پس کسرہ اپنی حالت پر لوٹ آیا اور تنوین اسم کے غیر منصرف ہونے کی وجہ سے ساقط ہوگئی۔

تشریح: ــــ قولہ ومنهم من ذهب۔ دوسرے مذہب کا یہ کہنا ہے کہ وہ اسم مطلقاً غیر منصرف ہی رہتا ہے خواہ اس میں دونوں سبب باقی ہیں یا باقی نہ رہیں دلیل یہ دیتے ہیں کہ غیر منصرف میں اصالۃً تنوین ممتنع

Marfat.com

ہے اور اس کے تابع ہو کر کسرہ ممتنع ہے۔ لام تعریف داخل ہونے یا مضاف ہونے سے فعل کیساتھ مشابہت ضعیف ہو جاتی ہے ختم نہیں ہوتی پس مشابہت ضعیف کی وجہ سے تنوین ممتنع رہتی ہے کسرہ نہیں کیونکہ جب مشابہت ضعیف ہو جاتی ہے تو کسرہ کا امتناع تنوین کے امتناع کا تابع نہیں ہوتا پس تنوین ساقط تو ہو گئی کسرہ نہیں پہلے اور دوسرے مذہب میں فرق یہ ہوا کہ پہلے مذہب پر تنوین کا ممتنع ہونا لام تعریف داخل ہونے یا مضاف ہونے کی وجہ سے ہے اور دوسرے مذہب میں غیر منصرف ہونے کی وجہ سے ہے پہلے مذہب پر کسرہ کا دخول منصرف ہونے کی وجہ سے ہے اور دوسرے مذہب پر غیر منصرف کے ضعیف ہونے کی وجہ سے۔

وَمِنْهُمْ مَنْ ذَهَبَ اِلٰى اَنَّ الْعِلَّتَيْنِ اِنْ كَانَتَا بَاقِيَتَيْنِ مَعَ اللَّامِ اَوِ الْاِضَافَةِ كَانَ الْاِسْمُ غَيْرَ مُنْصَرِفٍ وَاِنْ زَالَتَا مَعًا اَوْ زَالَتْ اِحْدٰهُمَا كَانَ مُنْصَرِفًا وَبَيَانُ ذٰلِكَ اَنَّ الْعَلَمِيَّةَ تَزُوْلُ بِاللَّامِ وَالْاِضَافَةِ فَاِنْ كَانَتِ الْعَلَمِيَّةُ شَرْطًا لِلسَّبَبِ الْآخَرِ زَالَتَا مَعًا كَمَا فِيْ اِبْرَاهِيْمَ وَاِنْ لَّمْ تَكُنْ شَرْطًا كَمَا فِيْ اَحْمَرَ زَالَتْ اِحْدٰهُمَا وَاِنْ لَّمْ تَكُنْ هُنَاكَ عَلَمِيَّةٌ كَمَا فِيْ اَحْمَرَ بَقِيَتِ الْعِلَّتَانِ عَلٰى حَالِهِمَا وَهٰذَا الْقَوْلُ اَنْسَبُ بِمَا عَرَّفَ بِهِ الْمُصَنِّفُ غَيْرَ الْمُنْصَرِفِ

ترجمہ: ـــــ اور ان میں سے کچھ نحوی اس طرف گئے ہیں کہ دونوں علّت اگر لام یا اضافت کیساتھ باقی رہیں تو وہ اسم غیر منصرف ہوگا اور اگر دونوں ایک ساتھ زائل ہو گئیں تو وہ اسم منصرف ہوگا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ علمیت لام یا اضافت کی وجہ سے زائل ہو جاتی ہے تو اگر علمیت دوسرے سبب کی شرط ہے تو دونوں علّت ایک ساتھ زائل ہو جائیں گی جیسے ابراہیم میں اور اگر شرط نہیں جیسے احمر میں تو ان میں سے ایک علّت زائل ہوگی اور اگر وہاں علمیت نہ ہو جیسے احمر میں تو دو علتیں اپنے حال پر باقی رہیں گی اور یہ قول اس کیساتھ زیادہ مشابہت رکھتا ہے جس سے مصنف نے غیر منصرف کی تعریف بیان فرمائی۔

تشریح: ـــــ قولہ ومنھم من ۔ تیسرے مذہب کا یہ کہنا ہے کہ لام تعریف داخل ہونے اور مضاف ہونے سے اگر دو سبب باقی رہیں تو اب بھی وہ غیر منصرف رہے گا جیسے الاحمر میں وزن فعل اور وصف اگر باقی ہیں تو وہ غیر منصرف رہے گا اور اگر دو سبب باقی نہ رہیں یعنی دونوں سبب زائل ہو جائیں یا ایک سبب زائل ہو تو منصرف ہو جائے گا کیونکہ علمیت لام تعریف کے داخل ہونے یا مضاف ہونے کی وجہ سے زائل ہو جاتی ہے پس اگر علمیت دوسرے سبب کی شرط ہو تو دونوں سبب زائل ہو جائیں گے جیسے ابراہیم میں اور اگر شرط نہ ہو تو صرف ایک سبب زائل

Marfat.com

ہو گا جیسے احمد کم میں علمیت اضافت کی وجہ سے زائل ہو گئی اور صرف ایک سبب وزن فعل باقی ہے۔

قولہ وھذا القول انسب ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ جب ایسے اسم سے متعلق تین مذہب ہیں ان میں سے کونسا مذہب مصنف کے بیان کردہ تعریف کے زیادہ مطابق ومناسب ہے جواب یہ کہ مصنف نے غیر منصرف کی جو تعریف لکھی ہے اس سے یہ تیسرا مذہب زیادہ مناسب ہے کیونکہ انہوں نے فرمایا غیر المنصرف ما فیہ العلتان یعنی غیر منصرف وہ ہے جس میں دو سبب ہوں یا ایک سبب جو دو سبب کے قائم مقام ہو اس میں دو سبب کا باقی رہنا غیر منصرف ہونے کا مدار ہے اور یہی تیسرا مذہب ہے کہ دو سبب اگر باقی ہوں تو اب بھی وہ غیر منصرف رہے گا ورنہ منصرف ہو جائے گا۔

المرفوعات

جَمْعُ المرفوعِ لا المرفوعةِ لانّ موصوفَہٗ الاسمُ وھُو مذکرٌ لا یَعقلُ ویجمعُ ھٰذا الجمعُ مطرّداً صفۃَ المذکر الّذی لا یعقلُ کالصّافناتِ للذکُورِ مِنَ الخیلِ وجِمالٍ سَبحلاتٍ ای ضخماتٍ وکالاّیامِ الخالیاتِ

ترجمہ:۔ مرفوعات جمع ہے مرفوع کی مرفوعۃ کی نہیں اس لئے کہ اس کا موصوف اسم ہے اور وہ مذکر لا یعقل ہے اور اس مذکر کی صفت جو لا یعقل ہے قاعدہ کے اعتبار سے ہمیشہ یہ جمع آتی ہے جیسے صافنات جمع صافن مذکر گھوڑے کے لئے اور جمال سبحلات یعنی موٹے اونٹ اور جیسے ایام خالیات۔

تشریح:۔ بیانہٗ المرفوعات۔ اس سے پہلے جو گذرا علم نحو کے مقدمہ کا بیان تھا لیکن اب اس کے مقاصد کو بیان کیا جاتا ہے کہ علم نحو کے مقاصد تین ہیں (۱) مرفوعات (۲) منصوبات (۳) مجرورات۔ مرفوعات کو اس لئے مقدم کیا گیا کہ وہ کلام میں عمدہ واقع ہے یعنی کلام کا تام ہونا اسی پر موقوف ہوتا ہے منصوبات و مجرورات پر نہیں مرفوعات ترکیب کے اعتبار سے خبر ہے مبتدا محذوف کی یا مبتدا ہے خبر محذوف کا یعنی ھذہ

Marfat.com

المرفوعات والمرفوعات ہٰذہ یا وہ مضاف الیہ ہے مبتدا محذوف کی خبر کا یعنی ہٰذہ ذکر المرفوعات یا باب المرفوعات

قولہ جمع المرفوع۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ مرفوعات نہ مرفوعٌ کی جمع ہو سکتی ہے اور نہ مرفوعۃ کی لیکن مرفوع کی اس لئے نہیں کہ مرفوعات جمع مونث سالم ہے جس کا واحد، مونث ہوتا ہے اور مرفوع مذکر ہے اور مرفوعۃ کی جمع اس لئے نہیں ہو سکتا کہ اس کا موصوف اسم ہے جو مذکر ہے چنانچہ کہا جاتا ہے اِسمٌ مرفوعٌ واسمٌ منصوبٌ واسمٌ مجرورٌ جواب یہ کہ مرفوعات، مرفوع ہی کی جمع ہے کیونکہ یہ اسم کی صفت ہے اور اسم مذکر لایعقل ہے جس کے اوصاف کی جمع الف وتار کے ساتھ آتی ہے جیسے الخیولُ الصّافِناتُ میں خیول جمع ہے خیل بمعنی مذکر گھوڑے کی اور اس کی صفت صافنات جمع ہے صافن کی اور صافن اس مذکر گھوڑے کو کہتے ہیں جو تین ٹانگ اور چوتھے کے کھر پر کھڑا ہو۔

قولہ جمال وبسجلاتٌ۔ جِمال بکسر جیم جمع ہے جمل کی جو مذکر اونٹ کو کہا جاتا ہے اس کی صفت سجلات جو بکسر سین و فتح بار جمع ہے سِجِل بروزن قِمطر کی جس کا معنی ہے فربہ دراز ایک سِجِل بفتح سین ہے جو بمعنی سبحان اللہ آتا ہے وہ یہاں درست نہیں اس مثال کا عطف چونکہ مثال اول پر ہے اس لئے اس کو کاف تمثیل سے بیان نہیں کیا گیا۔ اور ایام خالیات کو کاف تمثیل سے بیان کرنے میں یہ اشارہ کرنا مقصود ہے کہ مذکر لایعقل کبھی ذی روح ہوتا ہے اور کبھی غیر ذی روح پہلی دونوں مثال ذی روح کی ہیں اور یہ غیر ذی روح کی ہے۔

هُوَ اَیُ الْمَرْفُوعُ الدَّالُّ عَلَیْهِ الْمَرْفُوعَاتُ لِاَنَّ التَّعْرِیفَ اِنَّمَا یَکُونُ لِلْمَاهِیَةِ لَا لِلْاَفْرَادِ مَا اشْتَمَلَ اَیْ اِسْمٌ اشْتَمَلَ عَلٰی عَلَمِ الْفَاعِلِیَةِ اَیْ عَلَامَةِ کَوْنِ الْاِسْمِ فَاعِلًا وَهِیَ الضَّمَّةُ وَالْوَاوُ وَالْاَلِفُ

ترجمہ: ــــ وہ یعنی مرفوع کہ جس پر مرفوعات دلالت کرتا ہے کیونکہ تعریف صرف ماہیت کی ہوتی ہے افراد کی نہیں (ہے جو مشتمل ہو) یعنی وہ اسم ہے جو مشتمل ہو (فاعلیت کی علامت پر) یعنی اسم کے فاعل ہونے کی علامت پر اور وہ ضمہ اور واؤ اور الف ہیں۔

تشریح: ــــ قولہ ای المرفوع۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ متن میں ضمیر ہو کا مرجع مرفوعات نہیں ہو سکتا کیونکہ ضمیر مرجع کے مطابق نہیں اس لئے کہ ضمیر واحد مذکر ہے اور مرفوعات جمع مونث ہے اور مرجع مرفوع بھی نہیں ہو سکتا اس لئے کہ وہ ماقبل میں مذکور نہیں جواب یہ کہ مرجع مرفوع ہی ہے جس پر مرفوعات دلالت کرتا ہے۔

Marfat.com

قولہ لان التعریف ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مرجع مرفوعات بھی ہو سکتا ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ ضمیر جب مرجع اور خبر کے درمیان دائر ہو تو خبر کی رعایت اولیٰ ہوتی ہے اور یہاں خبر لفظ ما ہے جو مذکر ہے جو مذکر ہے جس کی وجہ سے ضمیر کو مذکر لایا گیا ہے جواب یہ کہ مرجع اگر مرفوعات ہو تو تعریف افراد کی لازم آئے گی جو ممنوع ہے کیونکہ مرفوعات جمع ہے اور جمع افراد پر دلالت کرتی ہے جب کہ تعریف افراد کی نہیں بلکہ ماہیت کی ہوتی ہے اس لئے مرجع مرفوع ہی ہوگا اگرچہ وہ صراحۃً مذکور نہیں ۔ مرفوعات جمع اس لئے لکھا گیا تاکہ وہ ماہیت مرفوع کی انواع کثیرہ ہونے پر دلالت کرے ۔

قولہ ای اسم اشتمل ۔ اسم کی تقدیر سے جواب ہے اس سوال کا کہ مرفوع کی تعریف جاءنی زید میں زید کی دال پر صادق آتی ہے کیونکہ وہ بھی فاعلیت کی علامت پر مشتمل ہے جواب یہ کہ تعریف میں ما سے مراد اسم ہے قرینہ اس پر بحث اسم ہے ۔ اسم کو نکرہ بیان کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ متن میں ما موصولہ نہیں بلکہ موصوفہ ہے اور موصوف کے لئے چونکہ صفت لازم ہوتی ہے اس لئے اس کے بعد اشتمل کو بھی لکھا گیا ۔

قولہ ای علامۃ ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ علم تین معنوں کے لئے آتا ہے ایک جو شئی معین کے لئے موضوع ہو جیسا کہ بحث معرفہ و نکرہ میں ہے دوسرا جبل یعنی پہاڑ کے لئے جیسے قرآن کریم میں ہے ولہ الجوار المنشئت فی البحر کالاعلام میں اعلام بمعنی جبال ہے تیسرا علامۃ کے معنی میں اور یہاں ان میں سے کونسا معنی مراد ہے؟ جواب یہ کہ تیسرا معنی علامت مراد ہے پہلا و دوسرا نہیں جیسا کہ ظاہر ہے ۔

قولہ کون الاسم فاعلاً ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ ماتن نے علم الفاعلیۃ کہا جب کہ علم الفاعل مختصر ہے جواب یہ کہ رافع اسم کے فاعل ہونے کی علامت ہے نہ کہ فاعل کی جیسا کہ بحث اعراب میں گذرا ۔ فالرفع علم الفاعلیۃ ۔ رفع اعراب کی ایک قسم ہے جو معانی متعورہ یعنی فاعلیت و مفعولیت و اضافت پر دلالت کرتا ہے فاعل و مفعول و مضاف الیہ پر نہیں البتہ علم الرفع کہنا چاہئے تھا کہ وہ مختصر ہے لیکن علم الفاعلیۃ اس لئے کہا گیا تاکہ یہ اشارہ ہو کہ مرفوعات میں اصل فاعل ہے خیال رہے کہ فاعل سے مراد عام ہے کہ فاعل حقیقی ہو یا فاعل حکمی فاعل حقیقی تو ظاہر ہے لیکن فاعل حکمی مبتدا و خبر وغیرہ ہیں ۔

قولہ وھی الضمۃ ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ وہ علامت کتنے اور کون کون ہے؟ جواب یہ کہ وہ علامت تین ہیں ایک ضمہ جو معرب بالحرکت مفرد پر ہوتا ہے جیسے جاءنی زیدٌ میں دوم واؤ ہے جو معرب بالحرف مفرد میں ہوتا ہے جیسے جاءنی ابوک میں سوم الف ہے جو معرب بالحرکت تثنیہ میں ہوتا ہے جیسے جاءنی

Marfat.com

الزیدان میں ۔

والمراد باشتمال الاسم علیہا ان یکون موصوفا بہا لفظا[۲] او تقدیرا او محلا[۳] ولاشک ان الاسم موصوف بالرفع المحلی اذ معنی الرفع المحلی انہ فی محل لو کان ثمہ معرب لکان مرفوعا لفظا او تقدیرا بخلاف الرفع بما عدا الرفع المحلی وہو یبحث مثلا عن احوال الفاعل اذا کان مضمرا متصلا کما سیجیء[۹]

ترجمہ: ــــ اور اسم کا فاعلیت کی علامت پر مشتمل ہونے سے مراد یہ ہے کہ اسم اس علامت سے موصوف ہو لفظا یا تقدیرا یا محلا اور کوئی شک نہیں کہ اسم رفع محلی کیساتھ موصوف ہو اس لئے کہ رفع محلی کا معنی یہ ہے کہ وہ ایسے محل پر ہو کہ اگر وہاں کوئی معرب ہو تو وہ مرفوع ہوگا عام ہے لفظا ہو یا تقدیرا پس رفع محلی کے علاوہ کیساتھ کیسے خاص ہوگا حالانکہ نحوی مثلا فاعل کے احوال سے بحث کرتا ہے جبکہ وہ ضمیر متصل ہو جیسا کہ اس کا بیان وجوب تقدیم و تاخیر کی بحث میں آئے گا ۔

تشریح: ــــ قولہ والمراد ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اشتمال کا معنی ہے مرکب ہونا پس مرفوع کی تعریف جاءنی زیدٌ میں زید پر صادق نہ آئے گی کیونکہ زید رفع سے مرکب نہیں جواب یہ کہ اشتمال کے تین معنی ہیں ایک معنی عام ہونا ہے جس کو اشتمال الکلی علی الافراد کہتے ہیں چنانچہ بولا جاتا ہے حیوان فرس و حمار وغیرہ پر مشتمل ہے دوسرا معنی مرکب ہونا ہے جس کو اشتمال الکل علی الاجزاء کہتے ہیں چنانچہ بولا جاتا ہے کلام متعدد کلمات پر مشتمل ہے تیسرا معنی موصوف ہونا ہے جس کو اشتمال الموصوف علی الصفۃ کہتے ہیں چنانچہ بولا جاتا ہے زید علم و ہنر و کتاب پر مشتمل ہے یہاں یہی تیسرا معنی مراد ہے کہ زید موصوف ہے جو رفع پر مشتمل ہے ۔

قولہ لفظا او تقدیرا او محلا ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مرفوع کی تعریف جاءنی موسیٰ میں موسیٰ پر صادق نہیں آتی کیونکہ وہ فاعلیت کی علامت رفع پر مشتمل نہیں اسی طرح جاءنی ہولاء میں ہولاء پر بھی صادق نہیں آتی کیونکہ وہ بھی علامت رفع پر مشتمل نہیں جواب یہ کہ فاعلیت کی علامت پر اشتمال عام ہے کبھی لفظا ہوتی ہے جیسے جاءنی زیدٌ میں اور کبھی تقدیرا ہوتی ہے جیسے جاءنی موسیٰ میں اور کبھی محلا ہوتی ہے جیسے جاءنی ہولاء میں ۔

قولہ ولاشک ۔ یہ علامہ رضی اور شارح ہندی کے اس جواب کا رد ہے جو انہوں نے اس سوال کے

Marfat.com

جواب میں کہا تھا کہ تعریف مذکور جاءنی ہذا میں ہذا پر صادق نہیں آتی کیونکہ وہ رفع کی علامت پر مشتمل نہیں جواب میں یہ کہا گیا کہ رفع کی علامت پر اشتمال صرف معربات میں ہوتا ہے اور ہذا مبنیات سے ہے۔ علامہ جامی نے اس کا رد فرمایا کہ وہ اسم رفع محلی پر مشتمل ہے کیونکہ رفع محلی کہتے ہیں اسم کا ایسے محل پر ہونا کہ اگر وہاں کوئی معرب ہو تو وہ رفع لفظی یا تقدیری پر مشتمل ہو کیونکہ وجوب تقدیم و تاخیر کے بیان میں مصنف نے خود ہی فاعل کے احوال سے بحث فرمایا ہے جبکہ وہ ضمیر متصل ہو۔

فمنہ[1] ای من[2] المرفوع او مما اشتمل علی علم الفاعلیۃ الفاعل[3] وانما قدمہ لانہ اصل المرفوعات عند الجمہور لانہ جزء الجملۃ الفعلیۃ التی ھی اصل الجمل ولان عاملہ اقوی من عامل المبتداء

ترجمہ: ــــ (پس اس میں سے) یعنی مرفوع میں سے یا اس میں سے جو مشتمل ہو فاعلیت کی علامت پر (فاعل ہے) اور مصنف نے اس کو اس لئے مقدم فرمایا کہ وہ جمہور کے نزدیک مرفوعات کی اصل ہے کیونکہ وہ جملہ فعلیہ کا جزء ہے جو تمام جملوں کی اصل ہے اور اس لئے کہ اس کا عامل مبتدا کے عامل سے زیادہ قوی ہے۔

تشریح: ــــ بیانہ[1] فمنہ۔ فا اس میں عاطفہ ہے جواز قبیل عطف تقسیم بر تعریف مقسم ہے اور من ابتدائیہ ہے بیانیہ نہیں کیونکہ من بیانیہ بمعنی الذی ہوتا ہے جس کے بعد ہو کی تقدیر لازم ہوتی ہے پس اس تقدیر پر عبارت یہ ہوگی الذی ھو المرفوع الفاعل یعنی مرفوع صرف فاعل ہے حالانکہ یہ صراحۃً باطل ہے کیونکہ مرفوع مبتدا و خبر وغیرہ بھی ہیں اور من ابتدائیہ کبھی اتصالیہ ہوتا ہے اور کبھی غیر اتصالیہ لیکن یہ غیر اتصالیہ ہے کیونکہ غیر اتصالیہ کلمہ الیٰ کے بالمقابل آتا ہے جیسے سرت من البصرۃ الی الکوفۃ اور ظاہر ہے یہ یہاں صحیح نہیں اور اتصالیہ میں مدلول کا امر کلی ہونا ضروری ہے جو یہاں موجود ہے۔ فمنہ الفاعل جملہ اسمیہ ہے جس میں مبتدا موخر اور خبر مقدم ہے حصر کے لئے پس اس کا معنی ہے مرفوع ہی میں سے فاعل ہے منصوب یا مجرور میں سے نہیں نہیں۔

قولہ[2] ای من المرفوع۔ یعنی ضمیر مجرور کا مرجع مرفوع بھی ہو سکتا ہے جو معرف ہے اور ما اشتمل علی علم الفاعلیۃ بھی جو تعریف ہے۔ مرفوع کو مقدم اس لئے کیا گیا کہ وہ مفرد محض ہے اور ما اشتمل سے ترکیب مستفاد اور ظاہر ہے مفرد کو تقدم حاصل ہے اور اس لئے بھی کہ وہ سابق کے مطابق ہے کیونکہ سابق میں ہو کا مرجع بھی مرفوع قرار دیا گیا ہے جب کہ ما اشتمل بھی درست ہے کیونکہ وہ تعریف ہے جس سے مقصود وہی معرف ہوتا ہے بلکہ تعریف کو مرجع قرار دینا انسب ہے اس لئے کہ ضمیر سے وہی زیادہ قریب ہے اور مرجع بھی کہ مرفوع کا ذکر ما قبل

Marfat.com

ہیں ضمناً ہے

قولہ وانما قدّمہ ۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ مرفوع کی انواع کثیر ہیں ان میں سب سے پہلے فاعل کو کیوں مقدم کیا گیا ؟ جواب یہ کہ جمہور نحات کے نزدیک مرفوعات میں اصل فاعل ہے اور سیبویہ کے نزدیک اصل مبتدا ہے اور مصنف کے نزدیک چونکہ جمہور کا مذہب مختار ہے اس لئے انہوں نے فاعل کو سب سے پہلے بیان فرمایا جمہور کی ایک دلیل یہ ہے کہ فاعل جملہ فعلیہ کا جزء ہے اور جملہ فعلیہ تمام جملوں میں اصل ہے کیونکہ وہ افادہ واستفادہ میں زیادہ ظاہر ہے اور اس لئے بھی کہ جملہ سے مقصود ایک دوسرے کیساتھ ارتباط ہے اور وہ جملہ فعلیہ سے بخوبی حاصل ہے اس لئے کہ اس کا جزء اوّل فعل ہوتا ہے جو شروع سے فاعل کیساتھ ارتباط کا مقتضی ہے برخلاف اسم کہ وہ مستقل بذاتہ ہوتا ہے جو بذاتہ ارتباط کا مقتضی نہیں۔ دوسری دلیل یہ کہ فاعل کا عامل لفظی ہے جو فعل یا شبہ فعل ہوتا ہے اور مبتدا کا عامل معنوی ہوتا ہے جو عوامل لفظیہ سے مجرد ہے۔ عامل لفظی عامل معنوی سے زیادہ قوی ہے کیونکہ وہ موجود ومسموع ہوتا ہے اور معنوی معدوم ومعقول اور ظاہر ہے موجود ومسموع، معدوم ومعقول سے زیادہ قوی ہوتا ہے پس عامل کا قوی ہونا معمول کے قوی ہونے کی دلیل ہے۔

وَقِيلَ اصلُ المرفوعاتِ المبتدأُ لانّهٗ باقٍ علىٰ ماهو الاصلُ فى المسندِ اليهِ وهوَ التقدمُ بخلافِ الفاعلِ وَلِانّهٗ يحكم عليه بكلِ حكمٍ جامدٍ اَومشتقٍ فكان اقوىٰ بخلاف الفاعلِ فانّهٗ لا يحكم عليه الّا بالمشتقِ

ترجمہ: ——— اور بعض نے کہا کہ مرفوعات کی اصل مبتدا ہے کیونکہ وہ اس پر باقی ہے جو مسندالیہ میں اصل ہے اور وہ مقدم ہونا ہے برخلاف فاعل اور اس لئے کہ مبتدا پر جامد یا مشتق میں سے ہر ایک کا حکم لگایا جاتا ہے پس وہ زیادہ قوی ہوا برخلاف فاعل کہ اس پر صرف مشتق ہی کا حکم لگایا جاتا ہے۔

تشریح: ——— قولہ وقیل۔ اس کے قائل سیبویہ ہیں انہوں نے کہا کہ مرفوعات میں اصل مبتدا ہے جس کی ایک دلیل یہ ہے کہ مسندالیہ میں اصل تقدیم ہے اور مبتدا اپنی اصل پر قائم ہے اور فاعل اس اصل سے ہٹا ہوا ہے دوسری دلیل یہ کہ مبتدا کی طرف جامد بھی مسند ہوتا ہے اور مشتق بھی اول جیسے ھذا حجرٌ میں اور دوم جیسے زیدٌ قائمٌ میں اور فاعل کی طرف صرف مشتق ہی مسند ہوتی ہے پس مبتدا کو جو فضیلت تعدد حاصل ہے وہ فاعل کو نہیں۔ سیبویہ کے قول کو کلمۂ تمریض سے اس لئے بیان کیا گیا کہ انکی دونوں دلیلوں میں ضعف ہے اول میں اس لئے کہ مسندالیہ

Marfat.com

میں جو اصل تقدیم ہے وہ اس مسند الیہ میں ہے جو فاعل کے علاوہ ہو کیونکہ فاعل میں تاخیر ہی اصل ہے اس لئے کہ وہ معمول ہے فعل کا جس میں تاخیر ہی اصل ہے اور اس لئے بھی کہ فاعل کو مؤخر مبتدا کے ساتھ التباس سے بچنے کے لئے کیا گیا ہے کہ مبتدا مقدم ہوتا ہے۔ اور دوم میں اس لئے کہ مسند الیہ کی طرف ہر ایک کا مسند ہونا قوت کی نہیں بلکہ ضُعف کی دلیل ہے اسی وجہ سے بنو تمیم نے ما ولا مشابہ بلیس کو عامل قرار نہیں دیا ہے کیونکہ ان کا دخول اسم وفعل دونوں پر ہوتا ہے پس قوت، اختصاص سے مستفاد ہوتی ہے عموم سے نہیں۔

وَهُوَ اَیُّ الفَاعِلُ[1] مَا اَیْ اِسْمٌ[2] حَقِیْقَةً[3] اَوْ حُکْمًا لِیَدْخُلَ فِیْهِ مِثْلُ قَوْلِهِمْ اَعْجَبَنِیْ اِنْ ضَرَبْتُ زَیْدًا اُسْنِدَ اِلَیْهِ الفِعْلُ بِالْاَصَالَةِ[4] لَا بِالتَّبْعِیَّةِ لِیَخْرُجَ عَنِ الحَدِّ تَوَابِعُ الفَاعِلِ وَکَذَا المُرَادُ فِیْ جَمِیْعِ حُدُوْدِ المَرْفُوْعَاتِ وَالمَنْصُوْبَاتِ وَالمَجْرُوْرَاتِ غَیْرُ التَّابِعِ بِقَرِیْنَةِ[5] ذِکْرِ التَّوَابِعِ بَعْدَهَا

ترجمہ: ـــــ (اور وہ) یعنی فاعل (ایسا) اسم (ہے)، عام ہے حقیقۃً ہو یا حکماً تاکہ اس میں نحویوں کے قول اعجبنی ان ضربتُ زیدًا کی مثل داخل ہو جائے (جس کی جانب فعل کی اسناد کی جائے) بالاصالۃ نہ کہ بالتبعیۃ تاکہ فاعل کے توابع تعریف سے خارج ہو جائیں اسی طرح مرفوعات ومنصوبات ومجرورات کی تمام تعریفوں میں تابع کا غیر مراد ہے اس قرینہ سے کہ توابع کا ذکر ان انواع یعنی مرفوعات ومنصوبات ومجرورات کے بعد آئیگا۔

تشریح: ـــــ قولہ[1] ای الفاعل۔ اس عبارت سے ضمیر کے مرجع کو بیان کیا گیا ہے کہ وہ یعنی فاعل وہ اسم ہے جس کی طرف فعل یا شبہ فعل کی اسناد بطور قیام ہو اور اس پر مقدم بھی جیسے قال الرسول میں الرسول اسم ہے جس کی طرف قال کی اسناد ہے جو اس کے ساتھ قائم ہے اور اس پر مقدم بھی۔

قولہ[2] ای اسم۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ متن میں ما اسمیہ سے متبادر موصولہ ہوتا ہے جو وہ اپنے صلہ سے مل کر خبر معرفہ ہے اور ہو اس کا مبتدا بھی معرفہ ہے قاعدہ ہے کہ مبتدا اور خبر جب کہ دونوں معرفہ ہوں تو ان دونوں کے درمیان ضمیر فصل کا لانا ضروری ہوتا ہے اور وہ یہاں مفقود ہے۔ جواب یہ کہ ما اسمیہ یہاں موصولہ نہیں بلکہ موصوفہ ہے جس سے مراد اسم نکرہ ہے۔

قولہ[3] حقیقۃً اَوْ حکمًا۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ فاعل کی تعریف اپنے افراد کو جامع نہیں کیونکہ اس سے اعجبنی اِنْ ضربتُ زیدًا میں ان ضربتُ زیدًا خارج ہو جاتا ہے کیونکہ وہ اسم نہیں اس لئے کہ اسم مفرد ہوتا ہے اور وہ جملہ ہے جواب یہ کہ تعریف میں اسم سے مراد عام ہے کہ حقیقۃً ہو یا حکمًا اور مثال مذکور میں

Marfat.com

ان ضربتُ زیدًا اگرچہ حقیقۃً اسم نہیں لیکن حکمًا اسم ضرور ہے کہ ان مصدریہ نے فعل کو مصدر کے حکم میں کر دیا ہے

قولہ بالاصالۃ ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ فاعل کی تعریف جاءنی زیدٌ وبکرٌ میں بکرٌ کو بھی شامل ہے کیونکہ فعل کی اسناد جس طرح زید کی طرف ہے اسی طرح بکر کی طرف بھی حالانکہ وہ فاعل نہیں بلکہ اس کو تابع و معطوف کہا جاتا ہے جواب یہ کہ تعریف میں اسناد سے مراد اسناد بالاصالۃ ہے اور مثال مذکور میں بکر کی طرف اسناد بالتبعیۃ ہے یہی حال فاعل کے علاوہ دوسرے مرفوعات اور منصوبات و مجرورات کی تعریفات میں ہے ۔

قولہ بقرینۃ ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اسناد سے مراد اسناد اصالۃً لینا مجاز ہے اور مجاز تعریفات میں مہجور ہے جواب یہ کہ قرینہ جب موجود ہو تو تعریفات میں مجاز کا استعمال مہجور نہیں اور یہاں قرینہ موجود ہے کہ توابع کا بیان مرفوعات و منصوبات و مجرورات کے بعد مذکور ہے ۔

اَوْ شِبْهِهٖ اَیْ مَا یُشْبِهُهٗ فِی الْعَمَلِ وَاِنَّمَا قَالَ ذٰلِكَ لِیَتَنَاوَلَ فَاعِلَ اسْمِ الْفَاعِلِ وَالصِّفَةِ الْمُشَبَّهَةِ وَالْمَصْدَرِ وَاسْمِ الْفِعْلِ وَافْعَلِ التَّفْضِیْلِ وَالظَّرْفِ

ترجمہ :— (یا شبہ فعل کی) یعنی اس کی جو عمل میں فعل کے مشابہ ہو اور مصنف نے شبہ فعل کو اس لئے فرمایا تاکہ یہ تعریف اسم فاعل و صفت مشبہ و مصدر و اسم فعل و افعل تفضیل و ظرف کے فاعل کو شامل ہو جائے ۔

تشریح :— بیانہ اَوْ ۔ کلمہ اَوْ یہاں تشکیک کے لئے نہیں بلکہ محدود کی تقسیم کے لئے آیا ہے جس سے یہ اشارہ ہے کہ فاعل کی دو قسمیں ہیں ایک وہ ہے جس کی طرف فعل کی اسناد ہو اور دوسری وہ ہے جس کی طرف شبہ فعل کی اسناد ہو ۔

قولہ اَیْ مَا یُشْبِهُهٗ ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ متن میں مذکور مثال زیدٌ قائمٌ ابوہ میں ابوہ فاعل ہے لیکن اس کی طرف شبہ فعل کی اسناد نہیں ہوتی بلکہ مشابہ فعل کی ہوتی ہے جو کہ قائمٌ ہے کیونکہ شبہ اس نسبت کو کہتے ہیں جو مشبہ و مشبہ بہ کے درمیان پائی جائے جواب یہ کہ شبہ سے یہاں مراد مشابہ ہے یعنی مصدر بول کر اسم فاعل مراد ہے اور مشابہ چونکہ صفت واقع ہوتا ہے اس لئے اس سے پہلے ما موصوفہ کو بیان کیا گیا جس کی طرف مشابہہٗ کی ضمیر (مضاف الیہ) راجع ہے مشابہ کو یشبہہ فعل مضارع سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ ما اسمیہ موصوفہ نکرہ ہے اور مشابہ ضمیر کی طرف مضاف ہونے کی وجہ سے صفت معرفہ ہونا لازم آتا ہے اس لئے

Marfat.com

اس کو فعل مضارع سے تعبیر کیا گیا کہ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ خبریہ ہوگا اور جملہ خبریہ نکرہ کی صفت واقع ہو سکے گا۔

قولہ[۳] فی العمل ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مایشبہ میں مشابہت سے کیا مراد ہے؟ اگر مشابہت حدث پر دلالت کرنے میں ہے تو فی الدار زیدٌ میں زید پر تعریف صادق نہ آئے گی کیونکہ اس کی طرف نہ فعل کی اسناد ہے اور نہ ہی شبہ فعل کی اس لئے کہ ظرف فعل کی طرح حدث پر دلالت نہیں کرتا جب کہ اسناد کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ حدث پر دلالت کرے اور اگر مشابہت حرکات وسکنات وعدد حروف میں ہے تو ہیہات زیدٌ میں زید پر تعریف صادق نہ آئے گی کیونکہ ھیھات اسم فعل حرکات وسکنات وعدد حروف میں فعل کے مشابہ نہیں اور اگر مشابہت مشتق ہونے میں ہے تو اعجبنی ضربُ زیدٍ عمراً میں زید پر تعریف مذکور صادق نہ آئے گی کیونکہ اس کی طرف اگرچہ مصدر کی اسناد ہے لیکن مصدر فعل کی طرح مشتق نہیں ہوتا۔ جواب یہ کہ مشابہت سے مراد عمل میں ہے یعنی جیسا عمل فعل کرتا ہے ویسا ہی عمل کوئی بھی کرے خواہ وہ ظرف ہو یا مصدر ہو یا اسم فعل وغیرہ ہو پس اس میں ظرف۔ اسم فعل صفت مشبہ۔ مصدر۔ اسم تفضیل کے فاعل بھی داخل ہو جائیں گے۔

وَقُدِّمَ[۱] اَیِ الفِعلُ اَوْشبهُهٗ علیه اَیْ علیٰ ذٰلکَ الاسمِ وَاحترز[۲] بهٖ نحو زیدٍ فی زیدٍ ضربَ لانّهٗ مِمّا اُسند الیهِ الفِعلُ لانّ[۳] الاسنادَ الیٰ ضمیرِ شیءٍ اسنادٌ الیه فی الحقیقةِ لکنّهٗ موخّرٌ عنهُ والمرادُ[۴] تقدیمُهٗ علیهِ وجوباً لیخرجَ عنهُ المبتداءُ المقدمُ علیه خبرُهٗ نحو کریمٌ مَنْ یکرمکَ

ترجمہ: ـــــ (دراں حالیکہ مقدم ہوں) فعل یا شبہ فعل (اس پر) یعنی اس اسم پر اور مصنف نے قُدِّمَ علیہ کی قید سے زید جو زیدٌ ضرب میں ہے کی مثل سے احتراز فرمایا کیونکہ یہ اس میں سے ہے جس کی طرف فعل کی اسناد کی گئی ہے اس لئے کہ کسی شئی کی ضمیر کی طرف اسناد حقیقۃً اس شئی کی طرف اسناد ہے لیکن وہ فعل اس اسم سے موخر ہے اور فعل یا شبہ فعل کا اس اسم پر مقدم ہونے سے مراد وجوباً مقدم ہونا ہے تاکہ اس تعریف سے وہ مبتدا خارج ہو جائے جس پر اس کی خبر مقدم ہے جیسے کریمٌ من یکرمکَ۔

تشریح: ـــ قولہ[۱] ای الفاعل ۔ اس تفسیر سے یہ اشارہ ہے کہ متن میں قدِّمَ کی ضمیر مرفوع کا مرجع فعل وشبہ فعل میں سے ہر ایک ہے دونوں نہیں کہ ضمیر ومرجع میں مخالفت لازم آئے اور اَیْ علیٰ ذلکَ الاسم سے بھی متن میں علیہ کی ضمیر مجرور کے مرجع کو بیان کیا گیا ہے کہ اس کا مرجع اسم ہے جو ما اسند الیہ میں لفظ ما سے مستفاد

Marfat.com

ہے ذلک مرجع میں داخل نہیں بلکہ اس کو محض اسم کی نشاندہی کے لئے بیان کیا گیا ہے۔

قولہ واحترز بہ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تعریف میں قدّم علیہ کے بیان کرنے کا کیا فائدہ ہے؟ جواب یہ کہ اس قید سے زیدٌ ضربَ میں زید پر جو تعریف صادق آتی ہے وہ خارج ہو جائے کیونکہ ضربَ بھی فعل ہے جس کی اسناد زید کی طرف کی جاتی ہے۔

قولہ لان الاسناد۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مثال مذکور میں ضرب کی اسناد زید کی طرف نہیں بلکہ ضمیر کی طرف ہے جواب یہ کہ اسناد اگرچہ ضمیر کی طرف ہے لیکن ضمیر کا مرجع چونکہ زید ہے اس لئے اسناد حقیقۃً زید ہی کی طرف ہوئی۔

قولہ والمراد تقدیمہ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ فاعل کی تعریف کریمٌ من یکرمک میں من یکرمک پر بھی صادق آتی ہے کیونکہ وہ ایسا اسم ہے جس کی طرف کریم شبہ فعل کی اسناد ہے اور مقدم بھی حالانکہ وہ مبتدا موخر ہے اور کریمٌ خبر مقدم۔ جواب یہ کہ تعریف میں فعل یا شبہ فعل کی تقدیم سے تقدیم وجوبی مراد ہے اور مثال مذکور میں کریم کی تقدیم جوازی ہے۔ متن میں تقدیم کا ذکر اگرچہ مطلق ہے لیکن اس سے تقدیم وجوبی اس قاعدہ سے مستفاد ہوا کہ المطلق اذا اُطلِق اُطلِقَ علی الفرد الکامل یعنی مطلق کا جب بھی اطلاق کیا جائے تو فرد کامل پر کیا جائے گا۔ ظاہر ہے تقدیم کا فرد کامل تقدیم وجوبی ہے۔

فَاِنْ قُلْتَ قَدْ یَجِبُ تَقْدِیْمُہٗ اِذَا کَانَ الْمُبْتَدَاءُ نَکِرَۃً وَالْخَبَرُ ظَرْفًا نَحْوُ فِی الدَّارِ رَجُلٌ قُلْتُ الْمُرَادُ وُجُوْبُ تَقْدِیْمِ نَوْعِہٖ وَلَیْسَ نَوْعُ الْخَبَرِ مِمَّا یَجِبُ تَقْدِیْمُہٗ بِخِلَافِ نَوْعِ مَا اُسْنِدَ اِلَی الْفَاعِلِ

ترجمہ: ــــ پس اگر آپ سوال کریں کہ خبر کو مقدم کرنا کبھی واجب ہوتا ہے جب کہ مبتدا نکرہ اور خبر ظرف ہو جیسے فی الدار رجلٌ تو جواب میں کہوں گا کہ وجوباً مقدم کرنے سے مراد اس کی نوع کا وجوباً مقدم کرنا ہے اور خبر کی نوع اس میں سے نہیں ہے جس کی نوع کا مقدم کرنا واجب ہو برخلاف ما اسند الی الفاعل کی نوع کہ اس کی نوع کا مقدم کرنا واجب ہے۔

تشریح: ــ قولہ فان قلت۔ مذکورہ عبارت پر شارح کا یہ سوال ہے کہ مانا کہ فاعل کی تعریف میں تقدیم سے مراد تقدیم وجوبی ہے لیکن بعض صورتوں میں خبر کی تقدیم بھی مبتدا پر وجوبی ہوتی ہے جب کہ مبتدا نکرہ اور خبر ظرف ہو جیسے فی الدار رجلٌ میں۔

Marfat.com

قولہ[۲] قلت ۔ جواب بھی شارح خود ہی دیتے ہیں کہ خبر کی تقدیم مبتدا پر تقدیم فردی ہے لیکن فاعل کی تعریف میں فعل یا شبہ فعل کی تقدیم سے مراد تقدیم نوعی ہے یعنی خبر کے بعض افراد بعض صورتوں میں وجوباً مقدم ہوتے ہیں لیکن فعل و شبہ فعل کے تمام افراد فاعل پر وجوباً مقدم ہوتے ہیں کیونکہ تقدیم کا ذکر فاعل کی تعریف میں مذکور ہے خبر کی تعریف میں نہیں اور قاعدہ ہے کہ تعریف اور اس کا اجزاء شئی کو لازم ہوتے ہیں اور یہ صرف تقدیم نوعی مراد لینے ہی سے ہو سکتا ہے تقدیم فردی سے نہیں ۔

علیٰ جہۃِ قیامہٖ اَیْ[۱] اسناداً واقعاً علیٰ طریقۃِ قیامِ الفعلِ اَوْ شبہہٖ بہٖ بالفاعلِ فطریقُ[۲] قیامِہٖ بہٖ اَنْ یکونَ علیٰ صیغۃِ المعلومِ اَوْ[۳] علیٰ مافی حکمِہا کاسمِ الفاعلِ والصفۃِ المشبہۃِ

ترجمہ: ـــ (اس کے قیام کے طور پر) یعنی ایسی اسناد جو فعل یا شبہ فعل کے قیام کے طریقہ پر واقع ہو (اس کے ساتھ) یعنی فاعل کیساتھ پس فعل یا شبہ فعل کا فاعل کے ساتھ قیام کا طریقہ یہ ہے کہ فعل یا شبہ فعل صیغۂ معلوم یا اس صیغہ پر جو صیغۂ معلوم کے حکم میں ہو جیسے اسم فاعل اور صفت مشبہ ۔

تشریح: ـــ قولہ[۱] اَیْ اسناداً واقعاً ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ علیٰ جہۃ قیامہ کو اسند کا مفعول مطلق قرار دیا گیا ہے حالانکہ مفعول مطلق اپنے فعل مذکور کے معنی میں ہوتا ہے جو یہاں مفقود ہے جواب یہ کہ علیٰ جہۃ قیامہ سے پہلے اسناداً عبارت میں محذوف ہے اس کے بعد واقع کی تقدیر سے یہ اشارہ ہے کہ علیٰ واقع کا صلہ آتا ہے اسناد کا نہیں کیونکہ اس کا صلہ باء والیٰ آتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے اُسنِدَ بہٖ واسند الیہ اور علیٰ طریقۃ سے یہ اشارہ ہے کہ متن میں جہت بمعنی طور و طریقہ ہے فوق و تحت و امام و خلف و یمین و یسار نہیں اور قیام کے بعد فعل و شبہ فعل سے ضمیر کے مرجع کو ظاہر کیا گیا ہے ۔

قولہ[۲] فطریق قیامہ ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ فاعل کی تعریف ماضربَ زیدٌ میں زید پر صادق نہیں آتی کیونکہ اس کی طرف فعل کی اسناد بطریق قیام نہیں بلکہ بطریق سلب ہے جواب یہ کہ بطریق قیام سے مراد یہ ہے کہ فعل یا شبہ فعل بصیغۂ معلوم ہو خواہ مثبت ہو یا منفی اور ظاہر ہے یہ مثال مذکور میں موجود ہے ۔

قولہ[۳] اَوْ علیٰ مافی ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تعریف زیدٌ قائمٌ ابوہُ میں ابوہُ پر صادق نہیں آتی حالانکہ وہ فاعل ہے اس لئے کہ اس کی طرف قائمٌ کی اسناد نہ بصیغۂ معلوم ہے اور نہ بصیغۂ مجہول کیونکہ دونوں صفت ہیں فعل کی اور قائمٌ اسم فاعل ہے اسی طرح حسنٌ زیدٌ پر بھی تعریف صادق نہیں آتی اس لئے کہ حسنٌ

Marfat.com

صفت مشبہ ہے جو نہ بصیغہ معلوم ہوتا ہے اور نہ بصیغۂ مجہول جواب یہ کہ بطریق قیام سے مراد عام ہے کہ بصیغۂ معلوم ہو یا جو اس کے حکم میں ہو اور ظاہر ہے قائمٌ اور حسنٌ زید کی طرف مسند ہونے میں صیغۂ معلوم کے حکم میں ہیں۔

وَاحترزَ بهٰذا القيدِ عن مفعولِ مَالَمْ يُسَمَّ فاعلُهٗ كزيدٍ فی ضُرِبَ زيدٌ علیٰ صيغةِ المجهولِ وَالاحتياجُ اِلیٰ هٰذا القيدِ اِنّما هو علیٰ مذهبِ مَنْ لَمْ يَجْعَلْه داخِلًا فی الفاعلِ كالمصنّفِ وَاَمّا علیٰ مذهبِ مَنْ جَعَلَهٗ داخِلًا فيه كصاحبِ المفصّلِ فلاحَاجةَ اِلیٰ هٰذا القيدِ بل يجبُ اَن لايقيَّدَ به۔

ترجمہ: ــــ اور مصنف نے احتراز فرمایا علیٰ جہۃ تمامہ بہ کی قید سے مفعول مالم یسم فاعلہٗ سے جیسے زیدٌ جو ضُرِبَ زیدٌ صیغۂ مجہول پر کی مثال میں ہے اور اس قید کی حاجت صرف اس شخص کے مذہب پر ہے جو مفعول مالم یسم فاعلہٗ کو فاعل میں داخل نہیں کرتا جیسے مصنف علیہ الرحمہ لیکن اس شخص کے مذہب پر جو مفعول مالم یسم فاعلہٗ کو داخل کرتا ہے جیسے صاحب مفصل تو اس قید کی کوئی حاجت نہیں بلکہ واجب ہے کہ فاعل کی تعریف کو اس قید سے مقید نہ کیا جائے۔

تشریح: ــــ قولہ واحترز ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ تعریف میں علیٰ جہۃ تمامہ کی قید کا کیا فائدہ ہے جواب یہ کہ اس قید سے مفعول مالم یسم فاعلہٗ کو فاعل کی تعریف سے خارج کرنا مقصود ہے جیسے ضُرِبَ زیدٌ میں زید کہ اس کی طرف فعل کی اسناد بصیغۂ مجہول ہے۔

قولہ والاحتیاج ۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ مفعول مالم یسم فاعلہ کو نائب فاعل کہا جاتا ہے اور نائب فاعل بھی فاعل ہی ہوتا ہے پس اس کو فاعل کی تعریف سے خارج کرنا صحیح نہیں ہے۔ جواب یہ کہ مصنف کے نزدیک نائب فاعل اور فاعل دو الگ الگ مرفوع ہیں اور صاحب مفصل علامہ زمخشری اور عبدالقاہر جرجانی بلکہ اکثر قدماء بصریین کا خیال ہے کہ نائب فاعل، فاعل ہی ہے پس مصنف کے نزدیک نائب فاعل کو قید لگا کر نکالنا واجب ہے اور صاحب مفصل وغیرہ کے نزدیک قید لگانے کی ضرورت نہیں بلکہ قید نہ لگانا واجب ہے۔

مثلُ زيدٍ فی قامَ زيدٌ فهذا مثالٌ لما اُسند اليه الفعلُ ومثلُ ابوهُ فی زيدٌ قائمٌ ابوهُ فـ

Marfat.com

مِثَالُ لما اُسنِد الیہ شبہ الفِعل

ترجمہ:۔۔۔ (جیسے) زید ہے (قامَ زیدٌ) میں پس یہ اس کی مثال ہے جس کی طرف فعل کی اسناد کی گئی ہے (اور) جیسے ابوہٗ ہے (زیدٌ قائمٌ ابوہٗ) میں پس یہ اس کی مثال ہے جس کی طرف شبہ فعل کی اسناد کی گئی ہے

تشریح:۔۔۔ قولہ[1] زیدٌ فی ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ ماتن کو مثل قَامَ زَیدٌ سے فاعل کی مثال دینا مقصود ہے لیکن ظاہر ہے یہ اس کی مثال نہیں ہو سکتی اسی طرح زیدٌ قائمٌ ابوہٗ بھی۔ جواب یہ کہ پہلی مثال میں مثل کا مضاف الیہ قَامَ زیدٌ نہیں بلکہ زید ہے جو عبارت میں محذوف ہے اسی طرح دوسری مثال میں مضاف الیہ ابوہٗ ہے جو بقرینۂ سیاق کلام محذوف ہے۔

قولہ[2] فھذا امثالٌ ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مثال سے وضاحت مقصود ہے جو صرف ایک سے کافی ہے دو مثالیں کیوں دی گئیں؟ جواب یہ کہ فاعل چونکہ دو طرح کا ہوتا ہے ایک وہ ہے جس کی طرف فعل کی اسناد ہو دوسرا وہ ہے جس کی طرف شبہ فعل کی اسناد ہو اس لئے دو مثالیں دی گئیں تاکہ دونوں قسموں کی وضاحت ہو جائے۔

وَالاَصلُ[1] فی الفاعلِ[2] اَیْ ما یَنبغی[3] اَنْ یکونَ الفاعِلُ علیہ اِنْ لَمْ[4] یمنَعْ مانعٌ اَنْ یلیَ الفِعلُ المسندُ[5] الیہ

ترجمہ:۔۔۔ (اور اصل) فاعل میں یعنی وہ چیز کہ جس پر فاعل کا ہونا مناسب ہے اگر کوئی مانع منع نہ کرے (یہ ہے کہ فاعل متصل ہو فعل سے) اس سے جو فاعل کی طرف اسناد کی جاتی ہے۔

تشریح:۔۔۔ بیانہ[1] والاصلُ۔ فاعل کی تعریف کے بعد اب اس کے احکام کو بیان کیا جاتا ہے جن میں سے ایک حکم یہ ہے کہ اصل فاعل میں یہ ہے کہ وہ فعل کے بعد بلا فصل واقع ہو یعنی فعل کے معمولات میں سب سے مقدم ہو کیونکہ فاعل اپنے فعل کے جزء کے مشابہ ہوتا ہے جس طرح کل اپنے وجود و تصور میں جزء کا محتاج ہوتا ہے اسی طرح فعل اپنے وجود و تصور میں فاعل کا محتاج ہوتا ہے وجود میں تو ظاہر ہے لیکن تصور میں فاعل کا محتاج اس لئے ہوتا ہے کہ فعل میں تین چیزیں ہوتی ہیں۔ حدث۔ زمانہ۔ نسبت فاعل ما کی طرف۔ جزء کے بغیر چونکہ کل کا تصور نہیں ہوتا ہے اسی طرح فاعل کے بغیر فعل کا تصور نہیں ہوتا پس فاعل، فعل کے لئے جزء

Marfat.com

کے مشابہ ہوگیا اور جز چونکہ کل سے متصل ہوتا ہے اس لئے جو جز کے مشابہ ہوگا وہ بھی اس سے متصل ہوگا یعنی فاعل اپنے فعل سے متصل ہوگا۔

قولہ[۲] فی الفاعل۔ یہ چونکہ مبہم تھا کہ اصل جو فعل سے متصل ہونا ہے فاعل میں ہے یا مفعول میں اس لئے شارح نے اس کو واضح فرمایا کہ یہ فاعل میں ہے اس قرینہ سے یہ بحث فاعل کی ہے۔

قولہ[۳] اَیُ ما یبتنیٰ۔ لفظ اصل پانچ معنوں میں مستعمل ہوتا ہے (۱) ما یبتنیٰ علیہ الشیٔ یعنی اصل وہ ہے جس پر کسی شئ کا قیام ہو خواہ حسّی ہو جیسے دیوار پر چھت کا قیام یا عقلی ہو جیسے دلیل پر حکم کا قیام (۲) مقیس علیہ (۳) وضع جیسے کافیہ میں ہے اَلوصفُ شرطہٗ اَن یکونَ فی الاصلِ (۴) کثیر الوقوع (۵) ما ینبغی و اولیٰ اور یہاں یہی آخری معنی مراد ہے جس کو مقتضائے طبعی سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور وہ کبھی عرض عارض سے واجب و موکد ہو جاتا ہے اور کبھی زائل بھی جس طرح پانی کی برودت، برف کے اتصال سے موکد ہو جاتی ہے اور تسخن سے زائل اسی طرح فعل کے بعد فاعل کا بلا فصل واقع ہونا کبھی واجب ہو جاتا ہے اور کبھی ممتنع جیسا کہ وجوب تقدیم و تاخیر کے بیان میں آگے مذکور ہے۔

قولہ[۴] ان لم یمنع۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اصل کے معنی اگر ینبغی و اولیٰ ہے تو فاعل کو مقدم کرنا بھی اولیٰ ہوگا اور اس کی تاخیر بھی جائز ہوگی جب کہ ضُرِبَ زیدٌ غلامَہٗ میں زید فاعل ہے لیکن اس کی تاخیر جائز نہیں ہے کیونکہ فاعل کو موخر کرنے سے اضمار قبل الذکر لفظاً و رتبۃً لازم آتا ہے جو ممنوع ہے جواب یہ کہ فاعل کو معمولات فعل پر مقدم کرنا اس صورت میں اولیٰ ہوگا جب کہ کوئی مانع موجود نہ ہو اور یہاں مانع اضمار قبل الذکر موجود ہے

قولہ[۵] المسند الیہ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ متن میں صرف فعل کو بیان کیا گیا جب کہ فاعل جس طرح فعل سے متصل ہوتا ہے اسی طرح شبہ فعل سے بھی متصل ہوتا ہے جواب یہ کہ فعل سے یہاں مراد مسند الی الفاعل ہے خاص بول کر عام مراد ہے اور ظاہر ہے فاعل کی طرف مسند جس طرح فعل ہوتا ہے اسی طرح شبہ فعل بھی اسی وجہ سے متن میں اَن یلیہ نہیں کیا گیا جب کہ وہ مختصر ہے کیونکہ مظہر کو مضمر کی جگہ رکھنے سے تمکن فی الذہن میں زیادتی پیدا ہوتی ہے اور یہ تنبیہ بھی حاصل ہے کہ فعل اس حکم میں اصل ہے۔

---

[۱] اَیُ یکونُ بعدہٗ من غیر اَن یتقدمَ علیہ شیٔ[۲] آخرُ من[۳] معمولاتہٖ لانّہٗ[۴] کالجزءِ من الفعلِ

Marfat.com

لِشدۃِ اِحتیاج الفِعْلِ الیہِ ویدُلّ علیٰ ذلکَ اِسکانُ اللامِ فی ضَرَبْتُ لانّہ لدفعِ توالِی اَربعِ حرکاتٍ فیماھُوبمنزلۃِ کلمۃٍ واحِدۃٍ

ترجمہ:۔۔۔ یعنی فاعل فعل کے بعد ہو اس کے بغیر کہ فعل کے معمولات میں سے کوئی دوسری شئ فاعل پر مقدم ہو کیونکہ فاعل جزء فعل کی مانند ہے اس لئے کہ فعل فاعل کا سخت محتاج ہوتا ہے اور فاعل کا فعل کے جزء ہونے پر ضربتُ میں لام کا ساکن ہونا دلالت کرتا ہے کیونکہ لام کا ساکن ہونا اس لفظ میں چار حرکتوں کے تسلسل کو دور کرنے کے لئے ہے جو ایک کلمہ کے منزلہ میں ہے۔

تشریح:۔۔۔ قولہ[1] اَی یکونَ ۔ فاعل کا فعل سے متصل ہونا چونکہ دو طرح کا ہوتا ہے ایک وہ ہے کہ فاعل مقدم ہو فعل پر اور متصل ہو دوسرا وہ ہے کہ فاعل مؤخر ہو فعل سے اور متصل ہو اس لئے شارح نے دوسری قسم کو واضح فرمایا کہ فاعل جو فعل سے متصل ہو اس طرح کہ فعل کے بعد فاعل ہی مذکور ہو اس کے معمولات میں سے فاعل کے علاوہ کوئی دوسرا مقدم نہ ہو

قولہ[2] من معمولاتہٖ ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ فاعل میں اصل اگر فعل سے متصل ہوتا ہے تو باری تعالیٰ کے قول کفی باللہ شہیدًا میں اسم جلالت فاعل ہے وہ فعل سے متصل کیوں نہیں بیچ میں باء حائل کیوں ہے؟ جواب یہ کہ متصل ہونے سے مراد یہ ہے کہ فعل و فاعل کے درمیان فعل کا کوئی دوسرا معمول فاعل کے علاوہ نہ ہو اور اسم جلالت پر باء زائدہ ہے ظاہر ہے وہ فعل کے معمولات سے نہیں۔

قولہ[3] لانہ کالجزء ۔ اس عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ فعل و فاعل حقیقۃً دو جدا جدا کلمہ ہیں لیکن فاعل اپنے فعل کے جزء کے مشابہ ہے کیونکہ کل جس طرح اپنے وجود و تصور میں جزء کا محتاج ہوتا ہے اسی طرح فعل اپنے وجود و تصور میں فاعل کا محتاج ہے جیسا کہ گذرا البتہ مفعول کہ فاعل اگرچہ اس کا بھی محتاج ہوتا ہے لیکن وجود میں تصور میں نہیں اس لئے کہ فعل کے معنی جو تین گذرے وہ مفعول کو شامل نہیں یدلّ علیٰ ذلکَ میں ذلکَ کا مشار الیہ کون الفاعل کالجزء ہے مطلب یہ کہ ضربت میں لام کلمہ کا سکون فاعل کا جزء کے مشابہ ہونے پر دلالت کرتا ہے اس لئے کہ جو کلمۂ واحدہ کے منزل میں ہو اس پر پیہم چار حرکتیں نہیں آتیں۔

---

[1] فلذلکَ الاصلُ الّذی یقتضِی تقدّمَ الفاعِلِ علیٰ سائرِ معمولاتِ الفعلِ جازَ ضربَ غلامَہٗ زیدٌ لتقدّمِ مرجعِ الضمیرِ وھُوزیدٌ رتبۃً فلا یلزمُ الاضمارُ قبلَ الذکرِ مطلقًا بلْ لفظًا فقط

وذٰلك جائزٌ

ترجمہ :۔۔۔ (پس اسی) اصل کی (وجہ سے) جو فعل کے تمام معمولات پر فاعل کے تقدم کو مقتضی ہے (جائز ہے ضربَ غلامَہٗ زیدٌ کی ترکیب) کیونکہ ضمیر کا مرجع اور وہ زید رتبہ کے اعتبار سے مقدم ہے پس اضمار قبل الذکر مطلقاً لازم نہ آئے گا بلکہ صرف لفظاً لازم آئے گا اور وہ جائز ہے۔

تشریح :۔۔۔ بیانہ فلذلك۔ فا برائے تفریع اور لام برائے تعلیل ہے جس کا متعلق جاز موخر ہے اور اس کی تقدیم محض حصر کے لئے ہے اور ذلک کا مشار الیہ اصل مذکور ہے معنی یہ ہوا کہ پہلی مثال کے جائز ہونے اور دوسری مثال کے ممتنع ہونے کا علم اصل مذکور کے علم پر متفرع اور اس سے حاصل ہے تفصیل یہ ہے کہ پہلی مثال ضربَ غلامَہٗ زیدٌ میں زید فاعل اگرچہ ضربَ فعل سے لفظ کے اعتبار سے متصل نہیں کیونکہ بیچ میں غلامَہٗ مفعول حائل ہے لیکن رتبہ کے اعتبار سے وہ ضرور متصل ہے پس اضمار قبل الذکر مطلقاً لازم نہ آیا البتہ لفظاً ضرور لازم آیا مگر وہ جائز ہے لیکن دوسری مثال ضربَ غلامُہٗ زیدًا میں فاعل اگرچہ فعل سے لفظ و رتبہ دونوں اعتبار سے متصل ہے لیکن چونکہ اس کے ساتھ مفعول کی ضمیر لاحق ہے اس لئے اضمار قبل الذکر لفظ و رتبہ دونوں اعتبار سے لازم آیا جو ممنوع ہے۔ خیال رہے کہ اضمار قبل الذکر بشرط تفسیر عمدہ یعنی فاعل میں جائز ہوتا ہے اور مثال مذکور فضلہ یعنی مفعول میں ہے اسی وجہ سے تنازع فعلان کے وقت فعل ثانی کو عمل دیا جاتا ہے اور مفعول کی ضمیر نہیں لائی جاتی جبکہ اس کا مفسر اسم ظاہر موجود ہو۔ اور اضمار قبل الذکر لفظ و رتبہ دونوں اعتبار سے پانچ مقاموں میں جائز ہے (۱) ضمیر ربّ میں جیسے ربّہٗ رجلاً لقیتُ (۲) ضمیر نعم میں جیسے نعلمَ رجلاً زیدٌ (۳) ضمیر شان و قصہ میں جیسے ھُوَ زیدٌ قائمٌ وھی ھندٌ ضاربةٌ (۴) باب تنازع فعلان میں جیسے ضربنی واکرمنی زیدٌ (۵) بدل مظہر از مضمر میں جیسے ضربتُہٗ زیدًا کذا فی جامع الغموض۔

قولہ لتقدم مرجع۔ یہ دلیل ہے اس ترکیب کے جائز ہونے کی جس کا حاصل یہ کہ اس ترکیب کو ممنوع ہونا چاہئے کیونکہ اس میں غلامُہٗ کی ضمیر کا مرجع زید موخر ہے جس سے اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے جو ممنوع ہے لیکن اصل مذکور سے معلوم ہوا کہ زید اگرچہ لفظ کے اعتبار سے ضمیر سے مؤخر ہے لیکن رتبہ کے اعتبار سے مقدم ہے کیونکہ وہ فاعل ہے جو مقدم ہوتا ہے اور ضمیر مفعول کے ساتھ لاحق ہے۔ اور جو اضمار قبل الذکر ممنوع ہے وہ لفظ کے علاوہ رتبہ کے اعتبار سے بھی موخر ہونے سے۔

Marfat.com

وَامتنع[1] ضربَ غلامُهٗ زیداً لتاخّر مرجع الضمیرِ وَهُوَ زیدٌ لفظاً ورتبةً فیلزمُ الاِضمارُ قبلَ الذکرِ لفظاً ورتبةً وذلکَ غیرُ جائزٍ خلافاً[2] للاخفشِ وابنِ[3] جنّیٍ ومستندُهما فی ذلکَ قولُ الشاعرِ شعر جزیٰ ربّهٗ عنّی عدیّ بن حاتمٍ + جزاءَ الکلابِ العادیاتِ وَقد فعلَ وَاجیبَ[4] عنه بانّ هذا الضرورةَ الشعرِ اَوالمرادُ عدمُ جوازِهٖ فی سعةِ الکلامِ وبانّهٗ لا نسلمُ ان الضمیرَ یرجعُ الیٰ العدیِّ بل الیٰ المصدرِ الّذی یدُلُّ علیه الفِعلُ اَیْ جزیٰ ربُّ الجزاءِ

ترجمہ: ـــــ (اور ناجائز ہے ضَرَبَ غلامُہٗ زیدًا کی ترکیب) کیونکہ ضمیر کا مرجع اور وہ زید لفظ ورتبہ دونوں اعتبار سے موخر ہے پس اضمار قبل الذکر لفظ ورتبہ دونوں اعتبار سے لازم آئے گا اور وہ جائز نہیں۔ اخفش اور عثمان ابن جنی خلاف ہیں اور اس کے جواز میں ان دونوں کی دلیل شاعر کا قول ہے۔ ترجمہ شعر کا یہ ہے عدی بن حاتم کا رب اُسے میری طرف سے ایسی جزا دے جو عادی بھونکنے والے کتوں کو دی جاتی ہے اور وہ بے شک دے بھی چکا۔ دلیل مذکور کا جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ یہ ضرورت شعری کی وجہ سے ہے اور اضمار قبل الذکر کے جائز نہ ہونے سے مراد نثر کلام میں ہے اور اس طرح بھی جواب دیا گیا ہے کہ ہم تسلیم نہیں کرتے کہ ضمیر عدی کی طرف راجع ہے بلکہ اس مصدر کی طرف راجع ہے جس پر فعل دلالت کرتا ہے یعنی جزیٰ ربُّ الجزاءِ۔

تشریح: ـــــ بیانہ[1] وَامتنع۔ اس کا فاعل ترکیب ہے جس طرح جاز کا فاعل بھی ترکیب ہے۔ اس ترکیب کے ممنوع ہونے کی وجہ مفعول کی ضمیر کا فاعل کیساتھ لاحق ہونا ہے کیونکہ ضمیر مرجع کے تقدم کو مقتضی ہے اور مرجع یہاں مفعول ہے جو مؤخر ہے پس ضمیر کا ذکر لفظ ورتبہ دونوں اعتبار سے پہلے لازم آیا جو ممنوع ہے لفظ کے اعتبار سے تو ظاہر ہے لیکن رتبہ کے اعتبار سے اس لئے کہ وہ فاعل کے ساتھ لاحق ہے جس کا مقام مقدم ہے اور مرجع مفعول ہے جس کا مقام موخر ہے۔

قولہ[2] خلافاً للاخفش۔ اضمار قبل الذکر جو ممنوع ہے وہ جمہور نحات کے نزدیک لیکن اخفش وعثمان ابن جنی جواز کے قائل ہیں وہ دلیل میں زیاد بن معاویہ کے اس شعر کو پیش کرتے ہیں کہ جزیٰ ربّہٗ میں ربّہٗ فاعل متصل ہے جس کی ضمیر عدیّ بن حاتم مفعول کی طرف راجع ہے جو لفظ ورتبہ دونوں اعتبار

Marfat.com

سے موخر ہے اور زیاد بن معاویہ ان شعراء میں سے ہیں کہ جن کا کلام اہل عرب کے نزدیک سند ہے۔ شعر میں کلاب عادیات سے مجازاً شریر انسان مراد ہیں مناسبت ظاہر ہے کہ کتا جس طرح ہر دربار سے نکالا جاتا ہے اسی طرح شریر انسان بھی۔ معنی حقیقی بھی مراد لیا جا سکتا ہے۔

قولہ ابن جنی۔ اخفش کی وجہ تسمیہ گذر چکی لیکن جنی کی یہ ہے کہ وہ بچپن میں کہیں پھینک دیا گیا تھا جب وہ لوگوں کے ہاتھ آئے تو کہنے لگے کہ وہ جن کی اولاد سے ہے یہ جبکہ یا اس میں نسبت کی ہو لیکن ایسا نہیں بلکہ وہ معرب ہے گنی کا۔

قولہ واُجیبَ عنہُ۔ جمہور کی طرف سے دلیل مذکور کا دو جواب دیا گیا ہے ایک یہ کہ شعر میں ضمیر کے مرجع کو جو موخر کیا گیا ہے وہ ضرورت شعری کی وجہ سے کیونکہ اس کے برعکس کرنے سے شعر کا وزن ٹوٹ جاتا ہے اور قاعدہ ہے کہ اَلضرورات تبیحُ المحذورات اور وہ جو کہا گیا ہے کہ اضمار قبل الذکر ممنوع ہے وہ نثر کلام میں اور یہ نظم کلام میں ہے۔ دوسرا جواب یہ کہ ضمیر کا مرجع عدی بن حاتم نہیں بلکہ وہ مصدر ہے جس پر جزیٰ فعل دلالت کرتا ہے اصل عبارت یہ ہے جزیٰ ربُّ الجزاءِ جس طرح باری تعالیٰ کا قول ہے اِعدلوا ھُو اقربُ للتقویٰ میں ھُو کا مرجع عدل ہے جو اِعدلُوا سے مستفاد ہے

وَاِذا انتفَی الاِعرابُ الدالُّ علیٰ فاعلیۃِ الفاعلِ وَمفعولیۃِ المفعولِ بالوضعِ لفظاً فیھما اَی فی الفاعلِ المتقدمِ ذکرُہٗ صریحًا وفی ضمنِ الاَمثلۃِ وَالمفعولِ المتقدمِ ذکرُہٗ فی ضمنِ الاَمثلۃِ

ترجمہ: ــــ (اور جب منتفی ہو اعراب) جو فاعل کی فاعلیت اور مفعول کی مفعولیت پر وضع کے اعتبار سے دلالت کرتا ہے (لفظی طور پر ان دونوں میں) یعنی فاعل میں کہ جس کا ذکر پہلے صراحۃً اور مثالوں کے ضمن میں بھی گذرا اور مفعول میں کہ جس کا ذکر مثالوں کے ضمن میں پہلے گذرا۔

تشریح: ــ بیانہٗ واذا انتفیٰ۔ فاعل کا دوسرا حکم یہ ہے کہ اس کو مفعول پر مقدم کرنا ضروری ہے اس کی چار صورتیں ہیں ایک یہ کہ فاعل و مفعول میں سے ہر ایک سے اعراب لفظی اور قرینہ دونوں منتفی ہوں جیسے ضربَ موسیٰ عیسیٰ اور شتمت سعدیٰ سلمیٰ میں فاعل و مفعول پر نہ اعراب لفظی ہے اور نہ کوئی قرینہ ہے جو فاعل کی فاعلیت اور مفعول کی مفعولیت پر دلالت کرے پس یہاں فاعل کو مقدم کرنا اس لئے ضروری ہے کہ التباس ختم ہو جائے اور یہ معلوم ہو کہ جو مقدم ہے وہ فاعل ہوگا اور جو موخر ہے وہ مفعول ہوگا۔

Marfat.com

قولہ الدال ۔ ماقبل میں مطلق اعراب کی تعریف بیان کی گئی تھی اور یہاں اس اعراب کی بیان کی جاتی ہے جو فاعل ومفعول پر ہوتا ہے کہ اعراب وہ ہے جو فاعل کی فاعلیت اور مفعول کی مفعولیت پر باعتبار وضع دلالت کرے جیسے ضربَ زیدٌ خالدًا میں رفع باعتبار وضع فاعل ہونے پر اور نصب باعتبار وضع خالد کے مفعول ہونے پر دلالت کرتا ہے ۔

قولہ ای فی الفاعل ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ متن میں فیھما کی ضمیر مجرور کا مرجع فاعل ومفعول کو قرار دیا گیا ہے حالانکہ فاعل اگرچہ ماقبل میں مذکور ہے لیکن مفعول نہیں پس اضمار قبل الذکر لازم آیا جو ممنوع ہے جواب یہ کہ مرجع ماقبل میں کبھی صراحۃً مذکور ہوتا ہے اور کبھی ضمنًا اور مفعول اگرچہ ماقبل میں صراحۃً مذکور نہیں لیکن مثالوں کے ضمن میں مذکور ہے کیونکہ شئی کی مثال اس کا فرد ہوتی ہے اور فرد کا ذکر کلی کے ذکر کو مستلزم ہوتا ہے ۔

وَالقرینۃُ ای الامرُ الدالُّ علیھا لا بالوضعِ اذلا یعھدُ اَنْ یطلقَ علیٰ ما وُضِعَ بازاءِ شیءٍ اَنّہٗ قرینۃٌ علیہِ فلا یردُ علیہِ اَنّ ذکرَ الاَعرابِ مستغنی عنہ اِذِ القرینۃُ شاملۃٌ لہٗ وھی اِمّا لفظیۃٌ نحو ضربتُ موسیٰ حبلیٰ اَو معنویۃٌ نحو اَکل الکمثریٰ یحییٰ

ترجمہ: ــــ (اور قرینہ) یعنی وہ امر جو فاعل ومفعول پر وضع کے بغیر دلالت کرے اس لئے کہ یہ معلوم نہ ہوسکا کہ اس امر پر جو کسی شئی کے مقابل میں وضع کیا گیا ہو اس بات کا اطلاق کیا جائے کہ وہ اس پر قرینہ ہے پس قرینہ کے بیان پر وارد نہ ہوگا کہ اعراب کو بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اس لئے کہ قرینہ اعراب کو شامل ہے اور قرینہ یا تو لفظی ہوگا جیسے ضربت موسیٰ حبلیٰ یا معنوی ہوگا جیسے اکل الکمثریٰ یحییٰ ۔

تشریح: ــــ قولہ ای الامر ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اعراب قرینہ میں داخل ہے کیونکہ قرینہ وہ ہے جو فاعل کی فاعلیت اور مفعول کی مفعولیت پر دلالت کرے اور یہی معنیٰ اعراب کا ہے جواب یہ کہ قرینہ وہ ہے جو بدون وضع دلالت کرے اور اعراب وہ ہے جو باعتبار وضع دلالت کرے دونوں ایک دوسرے کا غیر ہیں قرینہ کا یہ معنی جو مذکور ہوا باعتبار مقام وبحث ہے کہ وہ فاعل ومفعول کا قرینہ ہے کیونکہ قرینہ حقیقۃً وہ امر ہے جو مطلق شئی پر دلالت کرے عام ہے کہ وہ شئی فاعلیت ومفعولیت ہو یا کوئی دوسری شئی ہو ۔ اعراب کو لفظی کے ساتھ خاص کیا گیا قرینہ کو نہیں اس کی وجہ یہ کہ قرینہ لفظیہ کے انتفاء سے التباس پیدا نہیں ہوتا

Marfat.com

جبکہ قرینہ معنویہ کا انتفاء نہ ہو جائے برخلاف اعراب لفظی کے اس کے انتفاء سے التباس پیدا ہو جاتا ہے اس لئے اعراب کو لفظی کیساتھ خاص کیا گیا۔

قولہ وھی امّا لفظیۃ ۔ قرینہ کی دو قسمیں ہیں لفظیہ و معنویہ قرینہ لفظیہ جیسے ضربت موسیٰ جبلیٰ میں تاء تانیث جبلیٰ کے فاعل ہونے پر قرینہ ہے اور قرینہ معنویہ جیسے اکل الکمثری یحییٰ میں اکل کا معنی یحییٰ کے فاعل ہونے پر قرینہ ہے ۔

اَوْ کانَ الفاعل مضمراً متصلاً بالفعلِ بارزاً اَوْ مستکناً کزیدٍ اَوْ مستکناً کزیدٍ ضربَ غلامَہٗ بشرط اَنْ یکونَ المفعولُ متاخراً عن الفعلِ لئلّا ینتقضَ بمثلِ زیداً ضربتُ

ترجمہ: ــــ (یا ہو وہ) فاعل (ضمیر متصل) فعل کے ساتھ بارز ہو جیسے ضربتُ زیداً یا مستتر ہو جیسے زیدٌ ضربَ غلامَہٗ اس شرط کے ساتھ کہ مفعول موخر ہو فعل سے تاکہ مضف کی بات زیداً ضربتُ کی مثل سے ٹوٹ نہ جائے ۔

تشریح ــــ بیانہ اَوْ کان ۔ دوسری صورت یہ ہے کہ فاعل ایسی ضمیر ہو جو فعل کے ساتھ متصل ہو عام ہے کہ وہ ضمیر بارز ہو جیسے قرأتُ القرآنَ میں یا مستتر ہو جیسے غوث الاعظم اَعانَ مریدہٗ ۔ اس صورت میں فاعل کو مقدم کرنا اس لئے ضروری ہے کہ متصل، منفصل نہ ہو جائے کیونکہ اگر ضروری نہ ہو تو جائز ہو گا کہ موخر بھی ہو پس اس سے ضمیر منفصل ہو جائیگی جب کہ مقصود منفصل ہونا ہے ۔

قولہ الفاعل ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ کان فعل ناقص ہے جس کی خبر مفرداً تو موجود ہے لیکن اسم کیا ہے ؟ جواب یہ کہ کان کا اسم اس میں ضمیر مستتر ہو ہے جو راجع ہے الفاعل کی طرف جیسا کہ قرینۂ بحث اس پر دال ہے ۔ اور بالفعل کی تقدیر سے متصلاً محلہ کو بیان کیا گیا ہے لیکن فعل کا ذکر بطور تمثیل ہے بطور تخصیص نہیں کیونکہ حکم مذکور فعل کے علاوہ شبہ فعل میں بھی پایا جاتا ہے ۔

قولہ بارزاً ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ متصل بمعنی مضموم ہے اور یہ صرف ملفوظ میں متصور ہے مضمر و مستتر میں نہیں جبکہ حکم مذکور مستتر میں بھی جاری ہے جواب یہ کہ متصل سے مراد ہے غیر مستقل فی التلفظ یعنی جو تلفظ میں غیر کا محتاج ہو عام ہے کہ وہ بارز ہو جیسے ضربتُ زیداً میں یا مستتر و مستکن ہو جیسے زید ضربَ غلامَہٗ میں ۔

Marfat.com

قولہ[۴] بشرط اَنْ یکونَ ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ زیدًا ضربتُ میں فاعل ضمیر متصل ہے لیکن وہ مفعول پر مقدم نہیں ۔ جواب یہ کہ حکم مذکور اس شرط کے ساتھ ہے کہ مفعول فعل سے موخر ہو اور مثال مذکور میں مفعول فعل پر مقدم ہے ۔

اَوْ[۱] وقعَ مفعولُہٗ اَیْ[۲] مفعولُ الفاعلِ بعد الّا بشرطِ[۳] توسُّطِہا بینہما فی صورتَیِ التقدیمِ[۴] والتاخیرِ نحو ما ضربَ زیدٌ اِلّا عمرًا اَوْ معناہا نحو اِنّما ضربَ زیدٌ عمرًا وَجَبَ تقدیمُہٗ اَیْ تقدیمُ الفاعلِ علی المفعولِ فی جمیعِ ھٰذہِ الصُّوَرِ

ترجمہ: ـــــ (یا واقع ہو اس کا مفعول) یعنی فاعل کا مفعول (الا کے بعد) اس شرط کے ساتھ کہ الا تقدیم و تاخیر کی دونوں صورتوں میں فاعل و مفعول کے درمیان ہو جیسے ما ضربَ زیدٌ الا عمرًا (یا الّا کے معنی کے) جیسے انما ضربَ زیدٌ عمرًا (تو اس کی تقدیم واجب ہوگی) یعنی فاعل کو ان تمام صورتوں میں مفعول پر مقدم کرنا ۔

تشریح: ـــــ بیانہ[۱] اَوْ وقع ۔ تیسری صورت یہ کہ مفعول فاعل کا اِلّا کے بعد واقع ہو جیسے ما ضربَ زیدٌ اِلّا عمرًا چوتھی صورت یہ کہ مفعول فاعل کا معنیٰ الا کے بعد واقع ہو جیسے اِنّما ضربَ زیدٌ عمرًا ان دونوں صورتوں میں فاعل کو مقدم کرنا اس لئے ضروری ہے کہ تاخیر سے حصر مطلوب فوت ہو جاتا ہے جیسا کہ تفصیل آگے مذکور ہے ۔

قولہ[۲] اَیْ مفعول ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ متن میں مفعولہٗ کی ضمیر کا مرجع فعل ہے یا فاعل اگر فعل ہے تو اضمار قبل الذکر لازم آئے گا کیونکہ وہ ماقبل میں مذکور نہیں اور اگر مرجع فاعل ہے تو اضافت صحیح نہ ہوگی کیونکہ مفعول فعل کا ہوتا ہے فاعل کا نہیں جواب یہ کہ مرجع فاعل ہے جیسا کہ قرینۂ بحث اس پر دال ہے اور اضافت صحیح ہے کیونکہ اس کے لئے ادنیٰ مناسبت کافی ہے جو یہاں موجود ہے وہ یہ کہ فاعل و مفعول دونوں ایک عامل کے دو معمول ہونے میں شریک ہیں ۔

قولہ[۳] شرط توسطِہا ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ ما ضربَ الا عمرًا زیدٌ میں مفعول الا کے بعد واقع ہے لیکن فاعل مفعول پر مقدم نہیں جواب یہ کہ حکم مذکور اس شرط کے ساتھ ہے کہ اِلا فاعل و مفعول کے وسط میں واقع ہو اور مثال مذکور میں الا دونوں کے شروع میں واقع ہے ۔

قولہ[۴] التقدیم ۔ تقدیم و تاخیر پر الف لام مضاف الیہ کے عوض ہے یعنی فی صورۃ وجوب تقدیم الفاعل و امتناع تاخیر الفاعل ۔ ہر ایک دوسرے کو اگرچہ لازم ہے لیکن اوّل سے صراحۃً صورت واجبہ کو بیان کرنا

Marfat.com

مقصود ہے اور ردم سے صورت ممتنعہ کو۔ صورت واجبہ جیسے ماضربَ زیدٌ اِلّا عمرًا اور صورت ممتنعہ جیسے ماضربَ عمرًا الا زیدٌ۔

قولہ ای تقدیم الفاعل۔ اس عبارت سے ضمیر کے مرجع کو بیان کیا گیا ہے اور اس کو بھی کہ تقدیم فاعل کا مقدم علیہ مفعول ہے اور شرط وجزا کے بُعد کی وجہ سے چونکہ یہ وہم ہوتا تھا کہ جزا کا تعلق صرف صورت اخیرہ کیساتھ ہے اس لئے نی جمیع ہٰذہِ الصور سے اس کا ازالہ کیا گیا کہ جزا کا تعلق صرف صورت اخیرہ کیساتھ نہیں بلکہ چاروں صورتوں کے ساتھ ہے۔

اَمّا فی صُورۃِ انتفاءِ الاعرابِ فیھما وَالقرینۃِ فللتحرّزِ عن الالتباسِ وَاَمّا فی صورۃِ کونِ الفاعلِ ضمیرًا متصلًا فلمنافاۃِ الاتصالِ الانفصالَ واَمّا فی صُورۃِ وقوعِ المفعولِ بعدَ اِلّا لکن بشرط توسّطھا بینھما فی صُورتی التقدیمِ وَالتاخیرِ فلئلا ینقلبَ الحصرُ المطلوبُ فانّ المفھومَ مِنْ قولہٖ ماضربَ زیدٌ الا عمرًا انحصارُ ضاربیۃِ زیدٍ فی عمرٍو مع جوازِ اَن یکونَ عمروٌ مضروبًا لشخصٍ آخرَ والمفھومُ مِن قولہٖ ماضربَ عمرًا اِلّا زیدٌ اِنحصارُ مضروبیۃِ عمروٍ فی زیدٍ مع جوازِ ان یکونَ زیدٌ ضاربًا لشخصٍ آخرَ فلو انقلبَ احدُھما بالاٰخرِ لانقلبَ الحصرُ المطلوبُ

ترجمہ: ـــــ لیکن فاعل ومفعول میں اعراب اور قرینہ کے منتفی ہونے کی صورت میں فاعل کا مقدم ہونا تو التباس سے بچنے کے لئے ضروری ہے لیکن فاعل کا ضمیر متصل ہونے کی صورت میں مقدم ہونا تو اتصال کے انفصال سے منافی ہونے کی وجہ سے ہے اور رہا اِلّا کے بعد مفعول کے واقع ہونے کی صورت میں مقدم ہونا لیکن اس شرط کے ساتھ کہ الّا تقدیم وتاخیر کی صورتوں میں فاعل ومفعول کے درمیان ہو تو اس لئے ضروری ہے کہ حصر مطلوب بدل نہ جائے کیونکہ قائل کے قول ماضربَ زیدٌ اِلّا عمرًا کا مفہوم ہے زید کی ضاربیت کا عمرو میں منحصر ہونا اس امر کے جائز ہونے کیساتھ کہ عمرو شخص آخر کا مضروب ہو اور قائل کا قول ماضربَ عمرًا اِلا زیدٌ کا مفہوم ہے عمرو کی مضروبیت کا زید میں منحصر ہونا اس امر کے جائز ہونے کے ساتھ ہے کہ زید شخص آخر کا ضارب ہو پس اگر دونوں میں سے ایک دوسرے سے بدل جائے تو حصر مطلوب بدل جائیگا

تشریح: ـــــ قولہ امافی صورۃ۔ متن میں جس ترتیب سے چاروں دعوے مذکور تھے اسی ترتیب سے

Marfat.com

یہاں بھی ان کی دلیل بیان کی جاتی ہے دلیل دعویٰ اول کی یہ ہے کہ اعراب لفظی اور قرینہ جب دونوں، عبارت سے منتفی ہوجائیں جیسے شتمت سعدیٰ سلمیٰ میں تو فاعل ومفعول کے درمیان التباس پیدا ہوجائے گا اس لئے ضروری ہوا کہ فاعل کو مقدم کیا جائے۔

قولہ[۲] امّا فی صورۃ کون الفاعل ۔ دلیل دعویٰ ثانی کی یہ ہے کہ فاعل اگر ایسی ضمیر ہو جو فعل کیساتھ متصل ہو جیسے علمت غیبا میں تو فاعل کو مقدم کرنا ضروری ہے کیونکہ اگر ضروری نہ ہو تو موخر کرنا بھی ممکن ہوگا جس سے متصل کا منفصل ہونا لازم آئے گا جو مقصود کے خلاف ہے کیونکہ مقصود فاعل کا متصل ہونا ہے۔

قولہ[۳] امّا فی صورۃ وقوع المفعول ۔ دلیل دعویٰ ثالث کی یہ ہے کہ مفعول جب الا کے بعد واقع ہو جیسے ماضربَ زیدٌ الا بکرًا میں تو فاعل کا مقدم کرنا اس لئے ضروری ہے کہ حصر مطلوب فوت نہ ہوجائے کیونکہ مثال مذکور سے مقصود یہ ہے کہ زید کی ضاربیت بکر میں منحصر ہے اس لئے کہ حصر الا کے بعد ہوتا ہے پس معنی یہ ہوا کہ زید نے بکر ہی کو مارا کسی دوسرے کو نہیں۔ ممکن ہے بکر کو کسی دوسرے نے بھی مارا ہو پس اگر فاعل کو موخر اور مفعول کو مقدم کر کے یوں کہا جائے ماضربَ بکرًا الا زیدٌ تو مطلوب مذکور فوت ہو جائے گا اور اب اس کا معنی یہ ہوگا کہ بکر کی مضروبیت زید میں منحصر ہے یعنی بکر کو صرف زید ہی نے مارا کسی دوسرے نے نہیں ممکن ہے زید نے کسی دوسرے کو بھی مارا ہو۔

وَانّما[۱] قلنا بشرطِ توسّطِها بینهما فی صُورۃِ التقدیمِ والتاخیرِ لانّهٗ لو قُدِّمَ المفعولُ علی الفاعلِ مع اِلّا فیقالُ ماضربَ اِلا عمرًا زیدٌ فالظاهرُ اَنّ معناهُ انحصارُ ضَاربیۃِ زیدٍ فی عمرٍو اذ الحصرُ انّما هو فی ما یلی اِلّا فلا ینقلبُ الحصرُ المطلوبُ فلا یجبُ تقدیمُ الفاعلِ لکن لم یستحسنهُ بعضُهم لانّهٗ من قبیلِ قصرِ الصفۃِ قبلَ تمامِها

ترجمہ: ـــــ اور ہم نے تقدیم وتاخیر کی دونوں صورتوں میں اِلّا کے فاعل ومفعول کے درمیان ہونے کی شرط کیساتھ اس لئے کہا کہ اگر مفعول کو الا کے ساتھ فاعل پر مقدم کیا جائے تو ماضربَ اِلّا عمرًا زیدٌ کہا جائے گا پس ظاہر ہے کہ اس کا معنی ہوگا کہ زید کی ضاربیت عمرو میں منحصر ہے اس لئے کہ حصر اس میں ہوتا ہے جو الا سے متصل ہو پس حصر مطلوب نہ بدلے گا تو فاعل کی تقدیم واجب نہ ہوگی لیکن بعض نحویوں نے

Marfat.com

اس کو مستحسن نہیں سمجھا ہے اس لئے کہ وہ قصر صفت قبل تمامہا کے قبیل سے ہے

تشریح: ــــ قولہ وانما قلنا بالشرط ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ دعویٰ ثالث کو شرط توسط کے ساتھ کیوں مقید کیا گیا؟ جواب یہ کہ مفعول کو اگر فاعل پر مقدم کر کے اس طرح کہا جائے کہ ماضربَ اِلّا عمرٌ اِلّا زیدٌ کو حصر مطلوب فوت نہ ہوگا کیونکہ اِلّا سے جو متصل ہوتا ہے حصر اسی میں ہوتا ہے پس اس کا معنی بعینہٖ یہ ہوگا مَا ضربَ زیدٌ اِلّا عمرًا اور جب اس صورت میں حصر مطلوب فوت نہ ہوگا تو فاعل کو مفعول پر مقدم کرنا واجب بھی نہ ہوگا البتہ بعض نحوی مثلاً اخفش و عبدالقاہر سکاکی وغیرہ نے مستحسن کہا ہے کیونکہ اس صورت میں صفت کا حصر اس کے تمام ہونے سے پہلے لازم آتا ہے اس لئے کہ صفت اس وقت تمام ہوتی ہے جب کہ اس کا موصوف مسند الیہ مذکور ہو جیسے ماضربَ زیدٌ اِلّا عمرًا میں صفت ضَرَبَ کیساتھ مسند الیہ زید متصلاً مذکور ہے لیکن ماضربَ الا عمرًا زیدٌ میں صفت ضرب کیساتھ مسند الیہ زید متصلاً مذکور نہیں اس لئے اسمیں صفت تمام نہیں۔

وَاِنَّمَا قُلْنَا اَلظَاهِرُ اَنَّ مَعْنَاهُ كَذَا الاحتمالُ اَنْ يكونَ مَعْنَاهُ مَاضَرَبَ اَحَدٌ اِلّا عمرًا زيدٌ فيفيدُ انحصارَ صفةِ كلِّ واحدٍ منهما فى الآخرِ وهُوَ ايضاً خلافُ المقصودِ

ترجمہ: ــــ اور ہم نے یہ کہا کہ ظاہر یہ ہے کہ اس کا معنی فلاں ہے اس لئے کہ احتمال ہے اس کا معنی یہ ہو ماضربَ احدٌ اِلّا عمرًا زیدٌ پس یہ معنی فاعل و مفعول میں سے ہر ایک کی صفت کے دوسرے میں انحصار کا فائدہ دے گا اور وہ بھی خلاف مقصود ہے۔

تشریح: ــــ قولہ وانما قلنا الظاہر۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مثال مذکور ماضربَ اِلّا عمرًا زیدٌ کے معنی زید کی ضاربیت عمر میں منحصر ہونے کو بظاہر کیوں کہا گیا؟ جواب یہ کہ مثال مذکور چونکہ اس معنی کا بھی احتمال رکھتی ہے کہ ماضربَ احدٌ اِلّا عمرًا زیدٌ یعنی کسی نے کسی کو نہیں مارا مگر زید نے عمرو کو اس میں زید کی ضاربیت عمر میں اور عمرو کی مضروبیت زید میں منحصر ہو جائیگی جو کہ یہ بھی خلافِ مقصود ہے سوال مذکور کے جب دو معنی ممکن ہیں تو معنیٰ اول کو بظاہر کیوں کہا گیا؟ جواب معنیٰ اول چونکہ بداہۃً مستفاد ہوتا ہے اس لئے اس کو بظاہر کہا گیا۔

وَاَمَّا وُجُوبُ تقديمِهٖ عليهِ فى صورةِ وقوعِ المفعولِ بعد معنى اِلّا لانَّ الحصرَ ههنا فى الجزءِ

Marfat.com

الاخیرِ فلو اُخِّرَ الفاعِلُ لانقلبَ المعنیٰ قطعًا

ترجمہ : ـــــ اور لیکن مفعول کے اِلّا کے معنی کے بعد واقع ہونے کی صورت میں اس سے فاعل کی تقدیم کا ضروری ہونا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حصر یہاں جزءِ اخیر میں ہے پس اگر فاعل کو موخر کر دیا جائے تو لامحالہ معنی بدل جائے گا۔

تشریح : ـــــ قولہ وامّا وجوبُ تقدیمہ ۔ یہ دلیل ہے دعویٰ رابع کی اور یہ چونکہ دعویٰ ثالث کی دلیل سے بھی مستفاد ہوتی ہے اس لئے اس کو بطور اختصار بیان کیا گیا ۔ حاصل یہ کہ مفعول اگر معنیٰ الا کے بعد واقع ہو تو فاعل کو مقدم کرنا اس لئے ضروری ہے کہ حصر مطلوب فوت نہ ہو جائے اس لئے کہ معنیٰ اِلّا کلمۂ اِنّما ہے جس کے آخری جزء میں حصر ہوتا ہے پس اِنّما ضربَ زیدٌ عمرًا کو اگر یوں کہا جائے اِنّما ضربَ عمرًا زیدٌ تو حصر مطلوب لامحالہ فوت ہو جائے گا۔

وَاِذَا اِتَّصَلَ بِهٖ اَیْ بِالْفَاعِلِ ضَمِیْرٌ مُتَّصِلٌ نحو ضَرَبَ زَیْدٌ اُغْلَامُهٗ اَوْ وَقَعَ الْفَاعِلُ بَعْدَ اِلَّا الْمُتَوَسَّطَةِ بَیْنَهُمَا فِیْ صُوْرَتَیِ التَّقْدِیْمِ وَالتَّاْخِیْرِ نحو مَا ضَرَبَ عَمْرًا اِلَّا زَیْدٌ وَفَائِدَةُ هٰذَا الْقَیْدِ مِثْلُ مَا عَرَفْتَ اٰنِفًا اَوْ وَقَعَ الْفَاعِلُ بَعْدَ مَعْنَاهَا اَیْ مَعْنٰی اِلَّا نحو اِنَّمَا ضَرَبَ عَمْرًا زَیْدٌ

ترجمہ : ـــــ (اور جب متصل ہو اس کے) یعنی فاعل کے (ساتھ مفعول کی ضمیر) جیسے ضربَ زیدًا غلامُہٗ (یا واقع ہو) فاعل (اِلا کے بعد) جو تقدیم و تاخیر کی دونوں صورتوں میں فاعل و مفعول کے وسط میں ہوتا ہے جیسے ما ضربَ عمرًا الا زیدٌ اور الا کے وسط میں ہونے کی قید کا فائدہ اس کی مثل ہے جو ابھی پہچان چکے (یا) واقع ہو فاعل (اس کے معنی) یعنی اِلا کے معنی کے بعد جیسے اِنما ضربَ عمرًا زیدٌ۔

تشریح : ـــــ بیانہ اذا اتصل .. فاعل کا یہ تیسرا حکم ہے کہ اس کو موخر کرنا بھی ضروری ہے اس کی بھی چار صورتیں ہیں پہلی یہ کہ فاعل کے ساتھ مفعول کی طرف راجع ہونے والی ضمیر متصل ہو جیسے ضربَ زیدًا غلامہٗ میں غلام فاعل ہے جس کی ضمیر مجرور زید مفعول کی طرف راجع ہے ۔ اس صورت میں فاعل کو موخر کرنا اس لئے ضروری ہے کہ اگر وہ ضروری نہ ہو تو جائز ہوگی پس فاعل کا مقدم کرنا بھی جائز ہوگا چنانچہ کہا جائیگا

Marfat.com

ضرب غلامُ زیدًا پس اس سے اضمار قبل الذکر لفظاً ورتبۃً لازم آئیگا جو ممنوع ہے

بیانہ اَوْ وقع - دوسری صورت یہ ہے کہ فاعل الا کے بعد واقع ہو جیسے ماضرب عمرًا الّا زیدٌ تیسری صورت یہ کہ فاعل معنیٰ الا کے بعد واقع ہو جیسے اِنّما ضرب عمرًا زیدٌ دونوں کی وجہ ماقبل سے ظاہر ہے کہ فاعل کو اگر مؤخر کرنا ضروری نہ ہو تو حصر مطلوب فوت ہو جائیگا

قولہ المتوسط - یہ جواب ہے اس سوال کا کہ ماضرب اِلّا زیدٌ عمرًا میں فاعل اِلّا کے بعد واقع ہے لیکن اس کے باوجود فاعل کو مفعول سے موخر کرنا ضروری نہیں جواب یہ کہ اس کے ساتھ یہ شرط بھی ہے کہ فاعل جو الا کے بعد ہو ضروری ہے اِلّا فاعل و مفعول کے وسط میں ہو اور مثال مذکور میں الا وسط میں نہیں ہے۔

اَوِ اتصلَ مفعولُہٗ بہٖ بِاَنْ یکونَ المفعولُ ضمیرًا متصلًا بالفعلِ وَھوَ ای الفاعِلُ غیرَ ضمیرٍ متصلٍ بہٖ نحو ضربکَ زیدٌ وجبَ تاخیرُہٗ ای تاخیرُ الفاعلِ عنِ المفعولِ فی جمیعِ ھذہِ الصورۃِ

ترجمہ ــــ (یا متصل ہو اس کا مفعول فعل کے ساتھ) بایں طور کہ مفعول ایسی ضمیر ہو جو متصل ہو فعل سے (اور وہ) یعنی فاعل (فعل کیساتھ ضمیر متصل نہ ہو) جیسے ضربکَ زیدٌ (تو واجب ہے اس کی) یعنی فاعل کی (تاخیر مفعول سے ان تمام صورتوں میں۔

تشریح: ــــ بیانہ اَوِ اتصل - چوتھی صورت یہ ہے کہ مفعول ایسی ضمیر ہو جو فعل سے متصل ہو اور فاعل اس سے منفصل ہو جیسے ضربکَ زیدٌ میں کاف ضمیر مفعول ضربَ فعل سے متصل ہے اور زید فاعل ضربَ فعل سے منفصل ہے۔ اس صورت میں فاعل کو اگر مؤخر کرنا ضروری نہ ہو تو ضمیر متصل منفصل ہو جائے گی جو مقصود کے خلاف ہے

قولہ بِاَنْ یکونَ المفعول - یہ اس سوال کا جواب ہے کہ ضربَ عمرًا زیدٌ میں مفعول فعل کیساتھ متصل ہے لیکن اس کے باوجود فاعل کو موخر کرنا ضروری نہیں جواب یہ کہ مفعول کا فعل کے ساتھ متصل ہونے سے مراد یہ ہے کہ مفعول ضمیر ہو جیسے ضربکَ زیدٌ میں اور مثال مذکور میں مفعول ضمیر نہیں بلکہ اسم ظاہر ہے

قولہ ای تاخیر - اس عبارت سے متن میں ضمیر مجرور کے مرجع کو بیان کیا گیا ہے اور اس کی بھی کہ تاخیر فاعل کا موخر عنہ مفعول ہے اور یہ چونکہ وہم ہوتا تھا کہ وجب تاخیرہٗ صرف صورت اخیرہ کے ساتھ

Marfat.com

متعلق ہے تو فی جمیع ہذہ الصور سے اس کا ازالہ کیا گیا کہ وجب تاخیرہٗ کا تعلق صرف صورت اخیرہ کے ساتھ نہیں بلکہ چاروں صورتوں کیساتھ ہے ۔

اَمَّا[1] فی صُورۃِ اتصالِ ضمیرِ المفعولِ بہٖ لئلا یلزم الاضمارُ قبل الذکرِ لفظاً ورتبۃً واَمّا فی صورۃِ وقوعہٖ بعد الّا اَوْ معناھا لئلا ینقلبَ الحصرُ المطلوبُ واَمّا فی صُورۃِ کون المفعولِ ضمیرًا متصلاً وَالفاعِلُ غیرُ متصلٍ لمنافاۃِ الاتصالِ الانفصالَ بتوسّطِ الفاعلِ الغیرِ المتّصلِ بینہٗ وَبینَ الفعلِ بخلافِ مَا اِذا کانَ الفاعِلُ ایضاً ضمیراً متصلاً فانّہٗ حینئذٍ یجبُ تقدیمُ الفاعلِ نحو ضربتکَ

ترجمہ: ـــــ لیکن مفعول کی ضمیر کے فاعل کیساتھ متصل ہونے کی صورت میں مفعول سے فاعل کی تاخیر کا ضروری ہونا اس لئے ہے کہ اضمار قبل الذکر لفظاً ورتبۃً لازم نہ آئے اور لیکن فاعل کے اِلّا یا اس کے معنی کے بعد واقع ہونے کی صورت میں فاعل کی تاخیر کا ضروری ہونا اس لئے ہے کہ حصر مطلوب فوت نہ ہو جائے اور لیکن مفعول کی ضمیر متصل اور فاعل کی غیر متصل ہونے کی صورت میں فاعل کی تاخیر کا ضروری ہونا اس لئے ہے کہ اتصال، انفصال کے منافی ہے اس واسطے کہ فاعل غیر متصل، مفعول اور فعل کے درمیان ہو اس کے برخلاف جب کہ فاعل بھی ضمیر متصل ہو پس اس وقت فاعل کی تقدیم ضروری ہوگی جیسے ضربتکَ

تشریح: ـــــ قولہ[1] اَمّا فی صورۃِ ۔ ماقبل میں جس طرح تمام دعوؤں کو بیان کرنے کے بعد ہر ایک کی دلیل تفصیل کیساتھ بیان کی گئی تھی اسی طرح یہاں بھی بیان کی گئی ہے لیکن چونکہ سابق دلیلوں پر تھوڑی توجہ ہی سے موجودہ دلیلیں حاصل ہو جاتی ہیں اس لئے یہاں ان کو چھوڑ دیا جاتا ہے البتہ ہر دعوے کیساتھ دلیل قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کر دی گئی ہے ۔

قولہ[2] بخلاف ما اذا ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مفعول اگر ضمیر متصل ہو تو فاعل کو موخر کرنا ضروری ہے لیکن فاعل بھی اگر ضمیر متصل ہو تو اب کیا کرنا چاہئے؟ جواب یہ کہ فاعل بھی اگر ضمیر متصل ہو تو ایسی صورت میں اس کو مفعول پر مقدم کرنا ضروری ہے جیسے ضربتکَ ۔

وَقد[1] یُحذَفُ الفِعلُ الرَّافِعُ[2] للفاعلِ لقیامِ قرینۃٍ دالّۃٍ[3] علیٰ تعیینِ المحذوفِ جوازاً[4] ای حذفاً

Marfat.com

جائزاً فی مثل زیدٌ ای فیما کان جواباً لسؤالٍ محققٍ لمن قال من قام سائلاً عمن یقومُ به القیامُ فیجوزُ ان تقولَ زیدٌ بحذفِ قام ای قام زیدٌ ویجوزُ ان تقولَ قام زیدٌ بذکرہٖ

ترجمہ: ــــ (اور کبھی حذف کیا جاتا ہے فعل) جو فاعل کو رفع دیتا ہے (بوقت قرینہ) جو تعین محذوف پر دلالت کرتا ہے (بطور جواز) یعنی حذف جائز (زید کی مثل میں) یعنی اس مثل میں جو سوال محقق کا جواب ہو جس کے جواب میں کہا گیا جس نے کہا مَنْ قامَ؟ سوال کرنے والا ہو اس شخص کے متعلق جس کے ساتھ قیام قائم ہے پس جائز ہے قام کو حذف کر کے کہے زید یعنی قام زیدٌ اور جائز ہے کہے قام کو ذکر کر کے قامَ زیدٌ۔

تشریح: ــــ بیانہ وقد یحذف ۔ فاعل کا چوتھا حکم یہ ہے کہ فاعل کا فعل بوقت قرینہ کبھی جوازاً محذوف ہوتا ہے اور کبھی وجوباً۔ جوازاً جیسے زید کی مثل میں جو من قامَ کے جواب میں بولا جاتا ہے یعنی جب سائل مَنْ قَامَ سے سوال کرے تو مجیب کو قامَ کے ذکر کے بغیر جائز ہے صرف زیدٌ کہے کیونکہ قرینہ حذف فعل پر سوال محقق مَنْ قَامَ موجود ہے۔ خیال رہے کہ لقیام میں لام وقت کے لئے ہے تعلیل کے لئے نہیں کیونکہ اگر تعلیل کے لئے ہو تو قرینہ کا حذف کی علت ہونا لازم آئے گا اور علت سے چونکہ معلول کا تخلف نہیں ہوتا اس لئے حذف جائز نہیں بلکہ واجب ہو جائیگا جو درست نہیں۔

قولہ الرافع للفاعل ۔ اس عبارت سے دو سوالوں کے جوابات ہیں ایک سوال یہ کہ حذف کو فعل کے ساتھ خاص کیا گیا ہے جب کہ حذف شبہ فعل کا بھی ہوتا ہے دوسرا سوال یہ کہ حذف فعل احکام فعل سے ہے حالانکہ بحث احکام فاعل سے متعلق ہے۔ جواب سوال اول کا یہ کہ فعل کے اوپر الف لام عہد خارجی کا ہے جو اس امر پر دال ہے کہ فعل سے یہاں مراد رافع ہے عام ہے کہ وہ فعل ہو یا شبہ فعل جواب سوال دوم کا یہ ہے کہ فعل چونکہ فاعل کو رفع دیتا ہے اس لئے وہ اس حیثیت سے متعلقات فاعل سے ہوا اور متعلقات کے احوال چونکہ شئی کے احوال ہوتے ہیں اس لئے فعل کے احوال ہی فاعل کے احوال ہوئے البتہ یہ فاعل کا حال بالواسطہ ہے اور ما قبل میں جو گذرا بلا واسطہ ہے۔

قولہ دالۃ علیٰ ۔ قرینہ کبھی تعین معنی پر دلالت کرتا ہے جیسے مشترک میں اور کبھی تعین حذف دلالت کرتا ہے کیونکہ قرینہ کا معنی موقعہ استعمال کے اعتبار سے بدلتے رہتا ہے اور یہاں یہی دوسری قسم مراد ہے جیسا کہ بحث حذف اس پر دال ہے۔

قولہ ای حذفاً جائزاً ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ متن میں جوازاً منصوب ہے اور منصوب

Marfat.com

کی کل بارہ قسمیں ہیں اور یہ اُن میں سے کونسی قسم ہے ؟ جواب یہ کہ یہ مفعول مطلق ہے یحذف فعل کا لیکن باعتبار حذف موصوف کے اور مصدر کا عمل چونکہ ذات پر نہیں ہوتا اس لئے جواز بمعنی جائز مراد لیا گیا اور حذف بھی اگرچہ مصدر ہی ہے لیکن وہ چونکہ موصوف ہے اور صفت موصوف پر محمول ہوتی ہے اور جب کوئی شئی کسی پر محمول ہو وہ ذات ہوتی ہے اس لئے حذف ذات ہی ہے

وَاِنَّمَا قُدِّرَ الفعلُ دُونَ الخبرِ لِاَنَّ تقديرَ الخبرِ يُوجِبُ حذفَ الجملةِ وتقديرُ الفعلِ حذفُ احدِ جزأيها والتقليلُ فى الحذفِ اَوْلٰى

ترجمہ:۔۔۔ اور فعل کو مقدر کیا گیا نہ کہ خبر کو اس لئے کہ خبر کو مقدر ماننا حذف جملہ کو واجب کرتا ہے اور فعل کو مقدر ماننا جملہ کے دو جزؤں میں سے ایک جزء کے حذف کو واجب کرتا ہے اور حذف میں تقلیل اولیٰ ہے۔

تشریح:۔۔۔ قولہ اِنما قدر الفعل۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ سوال ملفوظ سے یہ معلوم ہے کہ قام فعل محذوف ہے لیکن ممکن ہے کہ وہ زید کے بعد محذوف ہو پس وہ حذف فعل کے قبیل سے نہ ہوا جواب یہ کہ زید کے بعد اگر قام کو محذوف مانا جائے تو زید مبتدا ہوگا اور قام اپنی ضمیر مرفوع فاعل سے مل کر خبر ہوگا اور اگر زید سے پہلے قام محذوف مانا جائے تو زید فاعل ہوگا بتقدیر اول حذف جملہ ہوگا اور بتقدیر دوم حذف فعل اور حذف میں چونکہ تقلیل اولیٰ ہوتی ہے اس لئے زید سے پہلے قام فعل کو محذوف مانا جاتا ہے کیونکہ جملہ کے دو جزؤں میں سے ایک کا حذف اولیٰ ہے دو جزؤں کے حذف سے

وَكَذَا يُحْذَفُ الفِعلُ جوازاً فيما كان جواباً لسؤالٍ مقدّرٍ نحو قولِ الشاعر فى مرثيةِ يزيد بن نهشل يبكى على البناءِ للمفعولِ يزيدُ مرفوعٌ على انّهُ مفعولُ ما لم يُسَمَّ فاعلُهُ ضارعٌ اَىْ عاجزٌ ذليلٌ وَهُوَ فاعلُ الفعلِ المحذوفِ فِى اَىْ يبكيهِ ضارعٌ بقرينةِ السؤالِ وَهُوَ مَنْ يبكيهِ واَمّا على روايةِ ليبكِ يزيدَ على البناءِ للفاعلِ ونصبِ يزيدَ فليسَ مِمّا نحن فيه لخصومةٍ متعلقٌ بضارعٍ اَىْ يبكيهِ مَنْ يذلّ ويعجزُ عن مقاومةِ الخصماءِ لانّهُ كان ظهيراً للعجزةِ وَالاذلّاءِ واخرُ البيتِ مختبطٌ مِمّا تطيحُ الطوائحُ والمختبطُ السائلُ من غيرِ وسيلةٍ والاطاحةُ الاهلاكُ

Marfat.com

والطوائح جمع مطيحة على غير القياس كلواقح جمع ملقحة ومما يتعلق بمختبط وما مصدرية يعني ويبكيه ايضا من يسأل بغير وسيلة من أجل إهلاك المهلكات ماله وما يتوسل به الى تحصيل المال لانه كان معطى السائلين بغير وسيلة

ترجمہ: ــــــ اور اسی طرح فعل جوازی طور پر اس مثال میں حذف کیا جاتا ہے جو سوال مقدر کا جواب ہو جیسے یزید بن نہشل کے مرثیہ میں شاعر کا قول ہے (لیبک) بر بنائے مفعول (یزید) مرفوع ہے مفعول مالم یسم فاعلہ ہونے کی بنا پر (ضارع) یعنی عاجز و ذلیل اور سوال مقدر کے قرینہ کی وجہ سے فعل محذوف کا فاعل ہے یعنی۔ یبکیہ ضارعٌ اور سوال مقدر من یبکیہ ہے اور لیکن ایک روایت کی بنا پر لیبک یزید مبنی للفاعل اور یزید کے نصب کے ساتھ تو وہ اس قبیل سے نہیں ہے جس میں ہماری بحث ہے (لخصومۃ) ضارع سے متعلق ہے یعنی یزید بن نہشل پر ہر وہ شخص روئے جو دشمنوں کے انتقام لینے سے عاجز و ذلیل اور تنگ ہو اس لئے کہ یزید بن نہشل عاجزوں اور ذلیلوں کی پشت پناہ تھا اور بیت کا آخر ہے (و مختبط مما تطیح الطوائح) اور مختبط سائل بے وسیلہ ہے اور اطاعت ہلاک کرنا ہے اور طوائح جمع ہے مطیحۃ کی خلاف قیاس پر جیسے لواقح جمع ہے ملقحۃ کی اور مما، مختبط سے متعلق ہے اور ما مصدریہ ہے یعنی یزید بن نہشل پر وہ شخص بھی روئے جو بے وسیلہ سوال کرتا ہے اس وجہ سے کہ اس کے مال و اسباب کو آفات وغیرہ نے ہلاک کر ڈالا ہے کیونکہ وہ سائلوں کو بے وسیلہ دیتے تھے

تشریح: ــــ قولہ[1] کذا یحذف ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ حذف جائز کی دو مثالیں کیوں بیان کی گئیں؟ جواب یہ کہ حذف فعل کا قرینہ کبھی ملفوظ و محقق ہوتا ہے اور کبھی مقدر بھی پہلی مثال سوال محقق کی ہے جو مَنْ قامَ ہے اور دوسری مثال سوال مقدر کی ہے جو مَنْ یبکیہ ہے ۔

قولہ[2] قول الشاعر ۔ لفظ قول سے اس سوال کے جواب کی طرف اشارہ ہے کہ اس شعر کو حذف جوازی کی مثال میں بیان کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ اس میں فعل کو حذف بھی کر سکتے ہیں اور ذکر بھی حالانکہ ممنوع ہے کیونکہ اس سے وزن بحر سے ساقط ہو جاتا ہے جواب یہ کہ اس کو یہاں اس حیثیت سے بیان کیا گیا ہے کہ وہ ایک فصیح و بلیغ شاعر کا قول ہے اس حیثیت سے نہیں کہ وہ شعر ہے پس اس میں حذف بھی ہو سکتا ہے اور ذکر بھی اور اس شعر کے قائل میں اختلاف ہے بعض نے مزار بن نہشل کو کہا ہے جیسا کہ مطول میں ہے بعض کا خیال ہے کہ حارث بن نہشل ہے جیسا کہ رضی میں ہے کچھ لوگوں نے ان کی ماں کو کہا ہے جیسا کہ منہاج میں ہے

Marfat.com

قولہ علی البناء للمفعول ۔ اس عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ لبیک اگر مبنی للفاعل ہو جیسا کہ بعض کا خیال ہے تو وہ اس بحث سے خارج ہو جائے گا کیونکہ سوال مقدر پر وہ نہیں بلکہ مبنی للمفعول دلالت کرتا ہے اس لئے کہ فاعل کے مذکور نہ ہونے کی وجہ سے ایک التباس پیدا ہو جاتا ہے یعنی جب یہ کہا جاتا ہے کہ یزید پر رویا جائے تو یہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ مَنْ یبکیہ یعنی اس پر کون روئے شاعر نے جواب دیا کہ ضارع یعنی وہ شخص روئے جو لوگوں کی دشمنی کے سبب عاجز و ذلیل و تنگ ہو خیال رہے کہ لبیک مشتق ہے بکاء سے اور کار اگرچہ فعل لازم ہے جس سے فعل مجہول نہیں آتا لیکن اس کو علیٰ حرف جار کے ذریعہ متعدی کر دیا گیا ہے اصل عبارت یہ ہے لبیک علیٰ یزید پھر علیٰ کو وزن شعری کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے ۔

قولہ واما علی روایۃ ۔ متن کی عبارت میں چار احتمالات ممکن ہیں (۱) لبیک فعل مجہول ہو اور یزید اس کا مفعول مالم یسم فاعلہ اور ضارع فعل محذوف یبکیہ کا فاعل ہو (۲) لبیک فعل معروف ہو اور یزید اس کا مفعول اور ضارع فاعل ہو (۳) ضارع مبتدا محذوف کی خبر ہو (۴) ضارع لبیک فعل مجہول کا مالم یسم فاعلہ ہو اور یزید منادیٰ ہو اصل میں یا یزید تھا ۔ یہاں صرف پہلا احتمال مراد ہے بقیہ تینوں احتمالات بحث سے خارج ہیں جیسا کہ ظاہر ہے ۔

قولہ متعلق ۔ لخصومۃٍ میں لام برائے وقت ہے جو متعلق ہے ضارع کے ساتھ پس یہ مفعول فیہ ہے لبیک فعل مجہول کا ممکن ہے لام برائے سبب ہو پس اس تقدیر پر وہ لبیک کا مفعول لہٗ ہوگا اور خصومت اگرچہ اسم جنس ہے لیکن جمع یعنی خصماء کے معنی میں ہے اس سے پہلے مقاومت مضاف مقدر ہے اور ای یبکیہ من یذل سے تفسیر ہے ضارع کی جس سے اس سوال کا جواب دیا گیا ہے کہ لخصومۃ جار مجرور کا متعلق ضارع ہے اور وہ اس کا عامل ہے کیونکہ شئی کا متعلق اس کا عامل ہوتا ہے لیکن ضارع اسم فاعل ہے جس کے عامل ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس سے پہلے اسم موصول حرف نفی وغیرہ کا اعتماد ہو اور یہاں اس سے پہلے کوئی اعتماد مذکور نہیں جواب یہ کہ ضارع اگرچہ اسم فاعل ہے لیکن وہ اپنے معنیٔ اصلی پر نہیں بلکہ من یذل و یعجز کے معنی میں ہے جس سے پہلے اسم موصول وغیرہ کا مذکور ہونا کوئی ضروری نہیں لیکن اس تقدیر پر لخصومۃ میں لام بمعنی عن ہوگا ۔

بیاتہ مختبط ۔ مختبط معطوف ہے ضارع پر اور ضارع جسطرح فعل محذوف کا فاعل ہے اسی طرح مختبط بھی فعل محذوف کا فاعل ہوگا ۔ مختبط کہتے ہیں سائل بے وسیلہ کو اور مما تطیح میں مما دراصل مِن ما تھا جس میں من برائے تعلیل ہے جو مختبط کے ساتھ متعلق ہے اور ما مصدریہ ہے اور تطیح مشتق ہے اطاحت بمعنی اہلاک سے اور طوائح بمعنی مہلکات و حوادث زمانہ خلاف قیاس جمع ہے مطیحۃ کی کیونکہ قیاس کے مطابق جمع

Marfat.com

مطیحات ہے مگر وہ مستعمل نہیں جس طرح لوائح خلاف قیاس جمع ہے ملقحۃ کی اور قیاس کے مطابق جمع ملقحات ہے ۔ طوائح فاعل ہے تطیح کا جس کا مفعول مالہٗ محذوف ہے معنی یہ کہ یزید پر وہ شخص روئے جو بے وسیلہ اس وجہ سے سوال کرتا ہے کہ آفات نے اس کے مال واسباب کو ہلاک کر دیا ہے

وَقَدْ يُحْذَفُ الفِعلُ الرافعُ للفاعِلِ لقرينةٍ دالةٍ علىٰ تعيّنِه وجُوبًا اَىْ حذفًا واجبًا فى مثلِ قولِه تعالىٰ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ اَىْ فى كل موضعٍ حُذِفَ الفِعلُ ثم فُسِّرَ لرفع الابهامِ الناشى من الحذفِ فانّه لو ذُكِرَ المفسِّرُ لم يبق المفسَّرُ مفسَّرًا بل صار حشوًا بخلافِ المفسِّرِ الّذى فيه ابهامٌ بدونِ حذفِه فانّه يجوزُ الجمعُ بينه وبين مفسِّرِه كقولك جَاءَنِى رَجُلٌ اَىْ زَيْدٌ فتقديرُ الآيةِ وَاِنْ اسْتَجَارَكَ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَحَدٌ فيها فاعلُ فعلٍ محذوفٍ وجوبًا وهو اسْتَجَارَكَ الاوّلُ المفسَّرُ باسْتَجَارَكَ الثانى

ترجمہ: ــــ اور کبھی فعل کو حذف کیا جاتا ہے جو فاعل کو رفع دیتا ہے بوقت قرینہ جو فعل کے تعین پر دلالت کرتا ہے (بطور وجوب) یعنی حذف واجب کے طور پر رب تعالیٰ کے قول (وان احدٌ من المشرکین استجارک جیسی ترکیب میں) یعنی ایسی جگہ پر جہاں فعل کو حذف کر دیا گیا ہو پھر اس کی تفسیر کی جائے تاکہ وہ ابہام ختم ہو جائے جو حذف سے پیدا ہوتا ہے اس لئے کہ اگر مفسّر بالفتح کو بیان کیا جائے تو مفسِّر بالکسر، مفسر بالکسر باقی نہ رہے گا بلکہ لغو ہو جائے گا برخلاف وہ مفسر کہ جس میں حذف کے بغیر ابہام پیدا ہو تو جائز ہے اس کے اور اس کے مفسِّر بالکسر کے درمیان جمع کرنا جیسا کہ آپ کا قول ہے جاءنی رجلٌ اَیْ زیدٌ پس آیت کی تقدیر ہے وان استجارک احدٌ من المشرکین استجارک تو اس میں احدٌ فاعل ہے فعل محذوف وجوبًا کا اور فعل محذوف وجوبًا استجارک اول ہے جس کی تفسیر استجارک ثانی سے کی گئی ہے ۔

تشریح: ــــ قولہ وقد یحذف ۔ یہ اس کا حاصل عطف ہے جو مصنف کے قول وجوبًا کا جوازًا پر ہے کہ فاعل کو رفع دینے والے فعل کو کبھی وجوبًا بھی حذف کیا جاتا ہے جب کہ قرینہ تعین فعل پر دلالت کرے جیسے آیت کریمہ وان احدٌ من المشرکین استجارک میں احدٌ پر ان حرف شرط کا دخول حذف فعل پر قرینہ ہے کہ وہ فعل پر داخل ہوتا ہے اسم پر نہیں اور یہاں احدٌ اسم پر داخل ہوا ہے جس سے معلوم ہوا کہ ان شرطیہ کے بعد فعل ہے جو عبارت میں محذوف ہے اور اس کی تفسیر آگے استجارک کرتا ہے لیکن یہ جمہور کے نزدیک ہے اور اخفش حرف شرط

Marfat.com

کے دخول کو ایسے اسم پر جائز قرار دیتے ہیں کہ جس کی خبر ہو اس تقدیر پر آیت کریمہ حذف وجوبی کی مثال نہ بن سکے گی۔

قولہ اَیْ حذفًا واجبًا۔ اس تفسیر کی وجہ ماقبل میں جوازًا کی تفسیر اَیْ حذفًا جائزًا کے بیان میں گذر چکی ہے اور قولہ تعالیٰ کی تقدیر قول ناس سے احتراز کے لئے ہے اور آیت کریمہ اس سے بدل الکل واقع ہے یا اس کا مقولہ ہے۔

قولہ اَیْ فی کل موضع۔ یعنی قاعدہ مذکورہ مثال مذکورہی کیساتھ خاص نہیں بلکہ ہر ایسی ترکیب میں ہے کہ جس میں فاعل کو رفع دینے والا فعل حذف کر دیا گیا ہو اور حذف سے جو ابہام پیدا ہوا ہے اس کو دور کرنے کے لئے تفسیر کر دی گئی ہے جیسے آیت کریمہ میں احدٌ کو رفع دینے والا فعل کو حذف کر کے اس کی تفسیر استجارک سے کر دی گئی ہے کہ اگر دونوں بیان کر دئے جائیں تو مفسر مفسر نہ ہو سکے گا بلکہ لغو ہو جائیگا۔

قولہ بخلاف المفسر۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مفسر بالکسر اور مفسر بالفتح کا اجتماع ممنوع نہیں بلکہ جائز ہے جیسے جاءنی رجلٌ اَیْ زیدٌ میں دونوں جمع ہیں جواب یہ کہ اجتماع اس وقت ممنوع ہے جب کہ مفسِر ایسے ابہام کو دور کرے کہ وہ ابہام حذف سے ہی پیدا ہوا ہو اور مثال مذکور میں جو ابہام ہے وہ حذف کی وجہ سے نہیں بلکہ رجل کے نکرہ کی وجہ سے جو زید سے اس ابہام کو دور کر دیا گیا ہے برخلاف آیت کریمہ کہ اس میں حذف ہی سے ابہام پیدا ہوا ہے۔

وَاِنَّمَا وَجَبَ حَذْفُهٗ لِاَنَّ مُفَسِّرَهٗ قَائِمٌ مَقَامَهٗ مُغْنٍ عَنْهُ وَلَا يَجُوْزُ اَنْ يَّكُوْنَ اَحَدٌ مَرْفُوْعًا بِالْاِبْتِدَاءِ لِامْتِنَاعِ دُخُوْلِ حَرْفِ الشَّرْطِ عَلَى الْاِسْمِ بَلْ لَا بُدَّ لَهٗ مِنَ الْفِعْلِ

ترجمہ: ــــ اور استجارک اول کا حذف اس لئے واجب ہے کہ اس کا مفسر بالکسر اس کا قائم مقام ہے جو اس سے بے نیاز کر دیتا ہے اور جائز نہیں ہے کہ احدٌ مرفوع ہو ابتداء کی وجہ سے اس لئے کہ اسم پر حرف شرط کا دخول ممتنع ہے بلکہ اس کیلئے فعل ضروری ہے۔

تشریح: ــــ قولہ انما وجب۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اس صورت میں حذف فعل واجب کیوں ہے؟ جواب یہ کہ حذف پر قرینہ موجود ہونے کے علاوہ فعل محذوف کا قائم مقام بھی موجود ہے پس اگر فعل کو بیان کر دیا جائے تو مفسر بالفتح اور مفسر بالکسر کا اجتماع لازم آئیگا جو ممنوع ہے کیونکہ اس صورت میں

Marfat.com

مفسر بالکسر کا ذکر فضول ہو جائے گا۔

قولہ ولا یجوز۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ آیت کریمہ حذف فعل وجوبی کی مثال نہیں ہو سکتی کیونکہ ممکن ہے احدٌ مبتدا ہو اور فعل اس کی خبر ہو اور یہ ان حرف مشبہ بالفعل ہے جو مثقلہ سے مخففہ ہو گیا ہے اور وہ مبتدا و خبر پر داخل ہوتا ہے۔ جواب یہ کہ یہ اِنْ حرف شرط ہے جو فعل پر داخل ہوتا ہے اسم پر نہیں وہ یہاں اسم پر داخل ہے جس سے معلوم ہوا کہ اس کے بعد فعل محذوف ہے اور احدٌ اس کا فاعل ہے اور یہ اِنْ حرف مشبہ بالفعل نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کے بعد فاجرہٗ اس کی جزا مذکور ہے جو ان کے شرطیہ ہونے پر قرینہ ہے آیت کریمہ کا معنی یہ ہے اے محبوب مشرکین میں سے کوئی آپ سے پناہ مانگے تو آپ اس کو پناہ دیدیجئے۔

وَقَدْ يُحْذَفَانِ الفِعْلُ وَالفَاعِلُ مَعًا دُونَ الفَاعِلِ وَحْدَهُ فِي مِثْلِ نَعَمْ جَوَابًا لِمَنْ قَالَ أَقَامَ زَيْدٌ اَيْ نَعَمْ قَامَ زَيْدٌ فَحُذِفَتِ الجُمْلَةُ الفِعْلِيَّةُ وَذُكِرَ نَعَمْ فِي مَقَامِهَا

ترجمہ: ــــ (اور کبھی دونوں حذف کئے جاتے ہیں) یعنی فعل و فاعل (ایک ساتھ) صرف فاعل نہیں (نعم کی مثل میں) بحالت جواب (اس شخص کے لئے کہ جس نے اَقَامَ زَیْدٌ کہا) یعنی نعم قام زیدٌ پس جملہ فعلیہ کو حذف کر کے نعم کو اس کی جگہ پر بیان کر دیا گیا۔

تشریح: ــــ بیانہ وقد یحذفان۔ اس مقام پر تین صورتیں ہیں ایک یہ کہ محذوف صرف فعل رافع ہو اس کا ذکر ماقبل میں ہو چکا دوسری یہ کہ محذوف صرف فاعل ہو اس سے سکوت کیا گیا ہے جو عدم جواز پر قرینہ ہے کیونکہ سکوت مقام بیان میں دلیل عدم ہوتی ہے تیسری صورت جیسا کہ یہاں مذکور ہے یہ ہے کہ محذوف فعل اور فاعل دونوں ایک ساتھ ہوں جیسے نعم جو اَقَامَ زَیْدٌ کے جواب میں محمول ہے۔ جائز ہے فعل و فاعل دونوں کو ایک ساتھ حذف کر کے صرف نعم کہا جائے اور یہ بھی جائز ہے کہ قام زیدٌ کہا جائے۔

قولہ دون الفاعل۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ جب صرف فعل محذوف ہو سکتا ہے اور فعل و فاعل دونوں تو صرف فاعل کو بھی محذوف ہونا چاہئے؟ جواب یہ کہ صرف فاعل محذوف نہیں ہو سکتا کیونکہ نسبت الی فاعل تا فعل کے معنی کا جزء ہے تو اگر صرف فاعل محذوف ہو اور فعل مذکور تو فعل موجود ہوگا بغیر نسبت کے جو ممنوع ہے۔ لیکن اگر فعل محذوف ہو فاعل نہیں یا دونوں محذوف ہوں تو کوئی نقص لازم نہیں آتا ہے۔

Marfat.com

وَهٰذَا[1] الحذفُ جَائِزٌ بقرينةِ السوالِ لاواجبٌ لعدمِ قيامِ مايودّی مودّاهُ فی مقامِهٖ کالمفسّرِ فیلزمُ فی الکلامِ استدراکٌ وَاِنّما[2] قُدِّرتُ الجملةُ الفعليةُ لا الاسميةُ بأن يقالَ اَیْ نعمْ زيدٌ قامَ ليكونَ الجوابُ مطابقًا للسّوالِ فی كونهٖ جملةً فعليةً

ترجمہ: ـــــ اور یہ حذف بقرینۂ سوال جائز ہے واجب نہیں اس لئے کہ قامَ زیدٌ کی جگہ پر کسی ایسی چیز کا قیام نہیں جو مفسر کی مانند اس کے مفہوم کو ادا کر سکے کہ کلام میں نعم کے ساتھ محذوف کے ذکر کرنے میں بلا فائدہ زیادتی لازم آتی ہے اور جملہ فعلیہ مقدر مانا گیا اسمیہ نہیں اس طرح نہیں کہا گیا اَیْ نعم زیدٌ قامَ تاکہ جملہ فعلیہ ہونے میں جواب سوال کے مطابق ہو جائے۔

تشریح: ـــــ قولہ[1] وہذا الحذف۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ یہ حذف جائز نہیں بلکہ سابق کی طرح حذف واجب ہے کیونکہ جس طرح مفسر بالفتح کو حذف کر کے اس کی جگہ پر مفسر بالکسر کو رکھا جاتا ہے اسی طرح فعل و فاعل کو حذف کر کے اس کی جگہ پر نعم کو رکھا جاتا ہے جواب یہ کہ حذف جائز اس لئے ہے کہ اس پر قرینہ سوال مذکور ہے اور حذف واجب اس لئے نہیں کہ محذوف کا قائم مقام کوئی لفظ نہیں ہوتا کیونکہ جب کوئی لفظ کسی کا قائم مقام ہو تو اس کے ہوتے ہوئے حذف واجب ہوتا ہے تاکہ کلام میں استدراک لازم نہ آئے اور نعم حرف ہے جو نہ فعل کا قائم مقام ہو سکتا ہے اور نہ فاعل کا اور نہ دونوں کا کیونکہ حرف غیر مستقل ہے اور فعل و فاعل دونوں مستقل اور غیر مستقل، مستقل کا قائم مقام نہیں ہو سکتا اور یا حرف ندا بھی اگرچہ غیر مستقل ہے جو ادعو مستقل کے قائم مقام ہوتا ہے لیکن اس کا قائم مقام ہونا سماعی ہے پس اس پر کسی دوسرے کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

قولہ[2] انما قدرت الجملة۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ نعم کے بعد قامَ زیدٌ جملہ فعلیہ کیوں محذوف مانا جاتا ہے؟ جب کہ زیدٌ قام جملہ اسمیہ بھی محذوف مانا جا سکتا ہے جواب یہ کہ سوال کو چونکہ جملہ فعلیہ سے بیان کیا گیا ہے اس لئے یہ جواب ہے اس میں بھی جملہ فعلیہ کو محذوف مانا جاتا ہے تاکہ جواب سوال کے مطابق ہو جائے۔

وَاِذا تنازعَ الفِعلانِ بل[2] العاملانِ اِذا التنازعُ يجری فی غيرِ الفعلِ ايضًا نحو زيدٌ معطٍ ومُكرِمٌ

Marfat.com

عمراً وبکرٌ کریمٌ وشریفٌ ابوہُ واقتصر[۳] علی الفعلِ لاصالتہ فی العملِ وانّما قال[۴] الفعلانِ مع انّ التنازعَ قد یقعُ فی اکثرَ من فعلینِ اقتصاراً علی اقلِّ مراتبِ التنازعِ وھُوالاثنانِ

ترجمہ: ــــ (اور جب تنازع کریں دو فعل) بلکہ دو عامل اس لئے کہ تنازع غیر فعل میں بھی جاری ہوتا ہے جیسے زیدٌ معطٍ ومکرمٌ عمراً وبکر کریمٌ وشریفٌ ابوہُ اور مصنف نے فعل پر اس لئے اقتصار فرمایا کہ وہ عمل میں اصل ہے اور مصنف نے فعلان بصیغۂ تثنیہ فرمایا وجود یکہ تنازع کبھی دو فعل سے زائد میں بھی ہوتا ہے مراتب تنازع کے اقل پر اکتفا کرتے ہوئے اور وہ اقل دو ہیں۔

تشریح: ــــ بیانہ[۱] اذا تنازع ۔ اس سے قبل فاعل کی جو پانچ حالتیں بیان کی گئیں وہ فاعل غیر متنازع کی تھیں لیکن یہ چھٹی حالت فاعل متنازع کی ہے جس کا حاصل یہ کہ دو فعل جب اپنے بعد واقع ہونے والے اسم ظاہر میں تنازع کریں تو وہ تنازع کبھی اسم ظاہر کے فاعل ہونے میں ہوتا ہے یعنی اس امر میں کہ دونوں فعل اسم ظاہر کو فاعل بنانا چاہے جیسے ضربنی واکرمنی زیدٌ اور کبھی تنازع اس امر میں ہوتا ہے کہ دونوں اسم ظاہر کو مفعول بنانا چاہے جیسے ضربتُ واکرمتُ زیدًا ۔ خیال رہے کہ تنازع لازم بھی ہوتا ہے اور متعدی بھی چنانچہ کہا جاتا ہے تنازع القوم اختلفوا وتنازع القوم الشئَ تجاذبوہُ اور یہاں متعدی مراد ہے کہ تنازع جس طرح مرفوع میں ہوتا ہے اسی طرح منصوب ومجرور میں بھی۔ لیکن اس کو یہاں صرف بحث مرفوع میں بیان کیا گیا بحث منصوب ومجرور میں نہیں اس کی وجہ یہ کہ مرفوع کثیر الوقوع ہوتا ہے جو فعل لازم وفعل متعدی دونوں میں واقع ہے اور منصوب صرف فعل متعدی میں واقع ہے اور مجرور صرف فعل لازم میں

قولہ[۲] بل العاملان ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تنازع جس طرح فعل میں ہوتا ہے اسی طرح شبہ فعل میں بھی جیسے زیدٌ معطٍ ومکرمٌ عمرًا میں معطٍ ومکرم میں سے ہر ایک مقتضی ہے کہ عمر کو مفعول بنائے اور بکر کریم وشریف ابوہُ میں کریم وشریف میں سے ہر ایک مقتضی ہے کہ ابوہ کو فاعل بنائے جواب یہ کہ فعل سے مجازاً عامل مراد ہے جواز قبیل اطلاق خاص ومراد العام ہے خیال رہے کہ بل یہاں ترقی کے لئے آیا ہے اعراض کیلئے نہیں ورنہ تنازع کا فعل میں واقع نہ ہونا لازم آئے گا۔

قولہ[۳] اقتصر۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ متنازع سے جب مطلق عامل مراد ہے تو تنازع الفعلان کیوں کہا گیا؟ تنازع العاملان کیوں نہیں؟ جواب یہ کہ فعل چونکہ عمل میں اصل ہے کہ وہ بلا شرط عمل کرتا ہے اور شبہ فعل کو عمل کرنے کے لئے شئ آخر پر اعتماد ضروری ہے اس لئے فعل کے تنازع کو بیان کیا گیا

Marfat.com

قولہ وانما قال۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تنازع کبھی دو فعل سے زائد میں بھی واقع ہوتا ہے بخاری شریف میں ہے تسبّحونَ وتحمدونَ وتکبّرونَ دبر کلِّ صلوٰۃٍ ثلاثًا وثلاثین پس اس کو دو فعل کے ساتھ کیوں خاص کیا گیا؟ جواب یہ کہ دو کا ذکر یہاں تخصیص کے لئے نہیں بلکہ اقل مراتب کو بیان کرنے کے لئے ہے کہ تنازع کے لئے کم سے کم دو فعل کا ہونا ضروری ہے البتہ کبھی دو سے زائد بھی ہو سکتے ہیں۔

ظاھرًا ای اسمًا ظاھرًا واقعًا بعدھما ای بعد الفعلَیْنِ اِذ المتقدِّمُ علیھما اَوِ المتوسِّطُ بینھما معمولٌ للفعلِ الاوّلِ اِذ ھُوَ یستحقّہٗ قبلَ الثانِی فلا یکونُ فیہ مجالُ التنازُعِ

ترجمہ:۔ (ظاہر میں) یعنی اسم ظاہر میں جو واقع ہو (ان دو کے بعد) یعنی دو فعل کے بعد کیونکہ جو دونوں فعلوں پر مقدم یا ان دونوں کے وسط میں ہوگا وہ فعل اوّل کا معمول ہوگا اس لئے کہ وہ فعل ثانی سے قبل اس کا مستحق ہے پس اس میں تنازع کا کوئی مجال نہیں۔

تشریح:۔ قولہ ای اسمًا ظاھرًا۔ اس تفسیر سے یہ اشارہ ہے کہ ظاہرًا ایسا اسم ہے جو ہمیشہ صفت واقع ہوتا ہے اور یہاں اس کا موصوف اسم ہے اور واقعًا کی تقدیر سے یہ اشارہ ہے کہ بعدہما ظرف ہے جو اس کے ساتھ متعلق ہے اور وہ بھی صفت ہے اسمًا کی۔

قولہ اِذا المتقدم۔ یہ دلیل ہے اسم ظاہر کا دونوں فعل کے بعد واقع ہونے کی جس کا حاصل یہ کہ اسم ظاہر اگر دونوں فعل کے بعد واقع نہ ہو تو دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ دونوں پر مقدم ہوگا جیسے زیدًا ضربتُ و اکرمت یا دونوں کے وسط میں ہوگا جیسے ضربتُ زیدًا اکرمتُ دونوں صورتوں میں اسم ظاہر فعل اول کا معمول ہوگا اس لئے کہ وہ مقدم ہے اور قاعدہ ہے الفضلُ للمتقدم پس ان کے اندر تنازع نہ ہوگا کیونکہ تنازع کے لئے ہر ایک کا بدلیت کے طور پر معمول ہونا ضروری ہے جیسا کہ آگے مذکور ہے

ومعنیٰ تنازُعِھما فیہ انّھما بحَسَبِ المعنیٰ یتوجّھانِ الیہِ ویصحُّ اَنْ یکونَ ھُوَ مع وقوعہٖ فی ذٰلکَ الموضعِ معمولًا لکلِّ واحدٍ منھما علی البدلِ فحینئذٍ لا یتصوّرُ تنازُعُھما فی الضمیرِ المتّصلِ لاَنّ المتّصلَ الواقعَ بعدَھما یکونُ متصلًا بالفعلِ الثانی وھُوَ مع کونہٖ متصلًا بالفعلِ الثانی لا یجوزُ اَنْ یکونَ معمولًا لِلفعلِ الاوّلِ کما لا یخفیٰ

Marfat.com

ترجمہ:۔ ـــــ اور اسم ظاہر میں تنازع فعلان کا معنی یہ ہے کہ دونوں فعل باعتبار معنی اسم ظاہر کی طرف متوجہ ہوں اور یہ صحیح ہو کہ وہ اسم ظاہر باوجود اس جگہ پر واقع ہونیکے دونوں فعلوں میں سے ہر ایک کا بدلیت کے طور پر معمول ہو سکے پس اس وقت ضمیر متصل میں تنازع فعلان متصور نہ ہوگا اس لئے کہ ضمیر متصل جو دو فعلوں کے بعد واقع ہوگی وہ فعل ثانی کے ساتھ متصل ہوگی اور وہ باوجود فعل ثانی کے ساتھ متصل ہونے کے جائز نہیں ہے کہ فعل اوّل کا معمول ہو سکے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔

تشریح:۔ قولہ ومعنی تنازعھما۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تنازع نام ہے کسی چیز میں باہم جھگڑا کرنے کا اور یہ جاندار کی صفت ہے اور فعل جاندار نہیں پس اس کی طرف تنازع کی نسبت کرنا درست نہیں ہے۔ جواب یہ کہ تنازع کا یہ معنی جو مذکور ہوا لغوی ہے جو یہاں مراد نہیں بلکہ مراد اصطلاحی معنی ہے اور وہ یہ کہ دونوں فعل باعتبار معنی اسم ظاہر کی طرف متوجہ ہوں اور وہ بدلیت کے طور پر ہر ایک کا معمول ہو سکے پس تنازع میں دو امر ضروری ہوئے ایک عامل کی طرف سے دوسرا معمول کی طرف سے عامل کی طرف سے یہ کہ ہر ایک عامل اسم ظاہر کی طرف متوجہ ہو معمول کی طرف سے یہ کہ اسم ظاہر کا ہر ایک کے لئے معمول ہونا صحیح ہو اور یہ ضمیر متصل میں متصور نہیں ہے اس لئے کہ ضمیر متصل جو دو فعلوں کے بعد واقع ہوتی ہے ظاہر ہے وہ فعل ثانی سے متصل ہوتی ہے اس لئے کہ فعل اوّل سے متصل ہونے کی صورت میں دونوں فعل کے بعد نہیں بلکہ فعل ثانی سے پہلے ہوگا اور جب یہ فعل ثانی سے متصل ہے تو معمول اسی کا ہوگا فعل اوّل کا نہیں کہ اس کے معمول ہونے کے لئے فعل ثانی سے جدا کرنا پڑے گا اور وہ اس تقدیر پر ضمیر متصل نہیں بلکہ منفصل ہو جائیگی جو مقصود کے خلاف ہے

قولہ بحسب المعنی۔ اس عبارت سے جو توجہان سے پہلے ہے اس وہم کا ازالہ کیا گیا ہے کہ توجہ ماخوذ ہے مواجہت سے اور مواجہت جاندار کے ساتھ خاص ہے اور ظاہر ہے فعل جاندار نہیں حاصل ازالہ کا کہ توجہ سے مراد بحسب معنی و مفہوم ہے اور یہ جاندار کے علاوہ کو بھی شامل ہے

وَاَمَّا الضَّمِیْرُ الْمُنْفَصِلُ الْوَاقِعُ بَعْدَهُمَا نَحْوُ مَا ضَرَبَنِیْ وَاَکْرَمَ اِلَّا اَنَا فَفِیْهِ تَنَازُعٌ لٰکِنْ لَا یُمْکِنُ قَطْعُهٗ بِمَا هُوَ طَرِیْقُ الْقَطْعِ عِنْدَهُمْ وَهُوَ اِضْمَارُ الْفَاعِلِ فِی الْاَوَّلِ عِنْدَ الْبَصْرِیِّیْنَ وَفِی الثَّانِیْ عِنْدَ الْکُوْفِیِّیْنَ لِاَنَّهٗ لَا یُمْکِنُ اِضْمَارُهٗ مَعَ اِلَّا لِاَنَّهٗ حَرْفٌ لَا یَصِحُّ اِضْمَارُهٗ وَلَا بُدَّ مِنْهُ لِفَسَادِ الْمَعْنٰی لِاَنَّهٗ یُفِیْدُ نَفْیَ الْفِعْلِ عَنِ الْفَاعِلِ وَالْمَقْصُوْدُ اِثْبَاتُهٗ لَهٗ وَمُرَادُ الْمُصَنِّفِ بِالتَّنَازُعِ هٰهُنَا مَا یَکُوْنُ طَرِیْقُ قَطْعِهٖ اِضْمَارُ الْفَاعِلِ وَلِهٰذَا خَصَّهٗ بِالْاِسْمِ الظَّاهِرِ

Marfat.com

ترجمہ: ـــــ اور لیکن ضمیر منفصل جو دو فعلوں کے بعد واقع ہو جیسے ماضربَ واکرمَ الا اَنا تو اس میں تنازع ہوگا لیکن اس کا قطع اس طریقہ سے ممکن نہیں جو نحویوں کے نزدیک واقع ہے اور وہ بصریون کے نزدیک فعل اول میں فاعل کی ضمیر لانا ہے اور کوفیوں کے نزدیک فعل ثانی میں ضمیر لانا ہے کیونکہ الا کے ساتھ اس کی ضمیر لانا ممکن نہیں اس لئے کہ الا ایک ایسا حرف ہے جس کی ضمیر لانا صحیح نہیں اور نہ الا کے بغیر فساد معنی کی وجہ سے ضمیر لانا صحیح ہے کیونکہ الا کے بغیر ضمیر لانا فاعل سے فعل کی نفی کا فائدہ دیتا ہے حالانکہ مقصود فاعل کے لئے فعل کو ثابت کرنا ہے اور تنازع سے یہاں مصنف کی مراد وہ تنازع ہے جس کے قطع کا طریقہ فاعل کی ضمیر لانا ہے اسی وجہ سے مصنف نے تنازع کو اسم ظاہر کیساتھ خاص فرمایا۔

تشریح: ـــــ قولہ[1] واما الضمیر المنفصل ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تنازع اسم ظاہر کے ساتھ کیوں خاص ہے ضمیر مرفوع کے ساتھ کیوں نہیں؟ جواب یہ کہ ضمیر مرفوع کی دو قسمیں ہیں متصل و منفصل ضمیر متصل میں تنازع نہ ہونیکی تو گذر چکی لیکن ضمیر منفصل میں جب کہ الا کے ساتھ ہو جیسے ماضربَ واکرم الا اَنا میں تنازع اگرچہ متصور ہے لیکن اس کا قطع ممکن نہیں اس لئے کہ بصریون کے مذہب پر قطع کا طریقہ فعل ثانی کو عمل دینا اور فعل اول میں ضمیر لانا ہے اور کوفیون کے مذہب پر فعل اول کو عمل دینا ہے اور فعل ثانی میں ضمیر لانا ہے اور یہاں پہ کسی کا طریقہ جاری نہیں ہوتا کیونکہ دونوں مذہبوں پہ الا اَنا کا بتمامہ ضمیر لانا ہوگا یا صرف اَنا کا بہ تقدیر اول فعل میں الا کی ضمیر لانا لازم آئیگا حالانکہ حرف کی ضمیر نہیں لائی جاتی اور بہ تقدیر دوم فساد مقصود لازم آئے گا اس لئے کہ متکلم کا مقصود ضربَ واکرم کا اثبات ہے اور اس تقدیر پر اس کی نفی لازم آتی ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔

قولہ[2] الا اَنا۔ ضمیر منفصل کو الا کیساتھ اس لئے مقید کیا گیا کہ بدون اِلّا میں ایک نقص لازم آتا ہے اور الا کے ساتھ میں دو نقص لازم آتے ہیں ایک تو وہی ہے جو مذکور ہوا اگر حرف کا اضمار لازم آتا ہے جو ممنوع ہے اور دوسرا وہ ہے جو بدون الا میں بھی لازم آتا ہے وہ ہے نائب مناب کا متحد ہو جانا اس لئے کہ کسی شئی کی ضمیر اس کا نائب ہوتی ہے جیسے ضربَ واکرم ہو میں اگر ہو کو ضربَ کا معمول بنایا جائے تو اکرم میں اس کی ضمیر لائی جائیگی اور اگر اس کو اکرم کا معمول بنایا جائے تو ضرب میں اس کی ضمیر لائی جائے گی اور وہ بھی ہو ہوگی تو نائب و مناب میں اتحاد لازم آئیگا جو ممنوع ہے اسی وجہ سے مطلقاً یہ کہدیا گیا کہ ضمیر منفصل میں تنازع نہیں ہوتا۔

---

[1] وَاَمَّا التنازُعُ الواقِعُ فی الضمیرِ المنفصلِ فعلیٰ مذہبِ الکسائیِ یقطعُ بالحذفِ وَاَمَّا علیٰ مذہبِ الفرّاء

Marfat.com

فیعملانِ معاً وَاَمّا علیٰ مذھبِ غیرِھما فلا یمکنُ قطعُہٗ لانّ طریقَ القطعِ عندھم الاضمارُ وھو ممتنعٌ کما عرفتَ

ترجمہ:۔۔۔ اور لیکن وہ تنازع جو ضمیر منفصل میں واقع ہے تو کسائیؔ کے مذہب پر حذف سے قطع کیا جائے گا اور لیکن فراء کے مذہب پر دونوں فعل ایک ساتھ عامل ہوں گے لیکن ان دونوں کے مذہب پر تو قطع تنازع ممکن نہیں اس لئے کہ نحویوں کے نزدیک قطع کا طریقہ ضمیر لانا ہے اور وہ محال ہے جیسا کہ آپ پہچان چکے۔

تشریح:۔۔۔ قولہ وامّا التنازع:۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ ضمیر منفصل میں اگر تنازع ہو جائے تو اس کا قطع کیا ممکن ہے یا نہیں؟ جواب یہ کہ کسائیؔ و فراء کے مذہب پر قطع ممکن ہے لیکن اس کے طریقۂ قطع میں اختلاف ہے کسائیؔ کے مذہب پر حذف سے قطع کیا جائیگا کہ ان کے نزدیک حذف جائز ہے اضمار نہیں اور فراء کے مذہب پر دونوں فعلوں کو عمل دیا جائے گا کیونکہ ان کے نزدیک بوقت ضرورت معمول واحد پر دو علتوں کا توارد جائز ہے ان دو کے علاوہ دوسرے مذہب پر قطع ممکن نہیں ہے کیونکہ ان کے مذہب پر طریقۂ قطع اضمار ہے اور وہ اس تقدیر پر ممتنع ہے جیسا کہ گذرا۔

فقد یکونُ ای تنازعُ الفعلَینِ فی الفاعلیۃِ بانْ یقتضیٰ کلٌّ منھما ان یکونَ الاسمُ الظاھرُ فاعلاً لہٗ فیکونانِ متفقینِ فی اقتضاءِ الفاعلیۃِ مثلُ ضربنی واکرمنی زیدٌ

ترجمہ:۔۔۔ (پس) تنازع فعلان (کبھی فاعلیت میں ہوتا ہے) بایں طور کہ دونوں فعل میں سے ہر ایک مقتضی ہے کہ اسم ظاہر اس کا فاعل ہو پس دونوں اقتضاء فاعلیت میں متفق ہوں (جیسے ضربنی واکرمنی زیدٌ)

تشریح:۔۔۔ بیانہ فقد یکون۔ یہ لفظ کے اعتبار سے جزاء شرط ہے اور معنی کے اعتبار سے بیان اقسام ہے اور فا اس میں جزائیہ ہے یا یہ جملہ معترضہ ہے پس اس صورت میں یہ لفظ و معنی دونوں اعتبار سے بیان اقسام ہوگا اور جزاء شرط مذکور کی محذوف ہوگی یعنی اذا تنازع الفعلانِ ظاہراً بعدَ ہما فیجوزُ اِعمالُ کلٍ منہما یا اس کی جزاء یہ ہوگی فان اعلمت الثانی اور فی الفاعلیۃ یکون کی خبر ہے اور فی المفعولیۃ کا معطوف علیہ بھی اسی طرح فی الفاعلیۃ والمفعولیۃ کا بھی معطوف علیہ ہے اور مختلفین حال ہے فعلین سے اور اس کا عامل معنیٰ فعل ہے جو یکون کی ضمیر مستتر سے مستفاد ہے اور فیختار میں فا برائے عطف ہے جس کے جملہ مدخولہ کا عطف فی الفاعلیۃ پر ہے۔

Marfat.com

بیانہ فی الفاعلیۃ : فاعلیت عام ہے کہ وہ فاعل حقیقی ہو یا فاعل حکمی ۔ فاعل حقیقی تو ظاہر ہے لیکن فاعل حکمی مبتدا و خبر وغیرہ ہیں جیسا کہ گذرا ۔ اسی طرح مفعولیت بھی عام ہے کہ مفعول حقیقی ہو یا مفعول حکمی ۔ مفعول حقیقی بھی ظاہر ہے لیکن مفعول حکمی وہ مفعول ہے جو حرف جر کے واسطہ سے ہو پس تنازع فاعل و مفعول کے علاوہ دوسرے معمولات میں بھی جاری ہوگا البتہ حال و تمیز میں نہیں کہ وہ ہمیشہ نکرہ ہوتے ہیں ۔ اس لئے ان کا اضمار درست نہیں ہے کیونکہ ضمیر معرفہ ہوتی ہے اس لئے ضمیر صرف معرفہ کی لائی جائیگی نکرہ کی نہیں کیونکہ شئی کی ضمیر اس کا نائب ہوتی ہے ۔

قولہ بان یقتضی ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ دو فعلوں کا فاعلیت میں تنازع ۔ سے کیا مراد ہے ؟ جواب یہ کہ اس سے مراد ہے کہ دونوں فعلوں میں سے ہر ایک اسم ظاہر کو فاعل بنانا چاہے جیسے ضربنی واکرمنی زیدٌ میں ہر ایک فعل زید کو فاعل بنانا چاہتا ہے یعنی دونوں فعل زید کو فاعلیت کے مقتضی ہونے میں متفق ہیں

وقد یکونُ تنازعُھما فی المفعولیۃِ بان یقتضِیُ کلٌّ منھما اَنْ یکونَ الاسمُ الظاھرُ مفعولاً فیکونانِ متفقینِ فی اقتضاءِ المفعولیۃِ

ترجمہ : ـــــ (اور) کبھی تنازع فعلان (مفعولیت میں) ہوتا ہے بایں طور کہ دونوں فعل میں سے ہر ایک مقتضی ہے کہ اسم ظاہر اس کا مفعول ہو پس دونوں اقتضاء مفعولیت میں متفق ہوں (جیسے ضربنی واکرمتُ زیدًا)

تشریح : ـــــ قولہ قد یکون تنازعھما ۔ تنازع فعلان کی یہ دوسری قسم کا بیان ہے کہ دو فعلوں کا تنازع کبھی مفعولیت میں ہوتا ہے یعنی دونوں فعلوں میں سے ہر ایک اسم ظاہر کو مفعول بنانا چاہے جیسے ضربتُ واکرمتُ زیدًا میں زید کو دونوں فعل مفعول بنانا چاہتے ہیں پس دونوں زید کو مفعولیت کے مقتضی ہونے میں متفق ہیں ۔

وقد یکونُ تنازعُھما فی الفاعلیۃِ والمفعولیۃِ وذلک یکونُ علیٰ وَجھَینِ اَحدُھما اَن یقتضِیُ کلٌّ منھما فاعلیۃَ اسمٍ ظاھرٍ ومفعولیۃَ اسمٍ ظاھرٍ آخرَ فیکونانِ متفقینِ فی ذلک فی الاقتضاءِ مثل ضربَ وَاھانَ زیدٌ عمرًا ولیس ھذا قسمًا ثالثًا من التنازعِ بل ھو اجتماعُ القسمینِ الاوّلینِ وثانیھما اَن یقتضِیَ احدُ الفعلینِ فاعلیۃَ اسمٍ ظاھرٍ والآخرُ مفعولیۃَ ذلک الاسمِ الظاھرِ بعینہٖ ولا شک فی اختلافِ اقتضاءِ الفعلَینِ فی ھذہ الصورۃِ وھذا ھو القسمُ الثالثُ القابلُ للاوّلینِ نقولُہٗ

Marfat.com

مختلفین لتخصیص ھذہ الصورۃ بالارادۃ یعنی قد یکون تنازع الفعلین واقعا فی الفاعلیۃ والمفعولیۃ حال کون الفعلین مختلفین فی الاقتضاء وذلک لا یتصور الا اذا کان الاسم الظاھر المتنازع فیہ واحدا

ترجمہ: ـــــ (اور) کبھی تنازع فعلان (فاعلیت ومفعولیت میں) اور وہ دو طریقوں پر ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ دونوں فعلوں میں سے ہر ایک اسم ظاہر کی فاعلیت اور دوسرے اسم ظاہر کی مفعولیت کو مقتضی ہے پس دونوں اس اقتضاء میں متفق ہوں جیسے ضرب وابان زیدٌ عمرًا اور یہ تنازع کی تیسری قسم نہیں بلکہ پہلی دونوں قسموں کا مجموعہ ہے اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ دونوں فعلوں میں سے ہر ایک ایک اسم ظاہر کی فاعلیت اور دوسرا فعل بعینہٖ اسی اسم ظاہر کی مفعولیت کو مقتضی ہو اور یہ تیسری قسم ہے جو پہلی دونوں قسموں کا مقابل ہے پس مصنف کا قول (مختلفین) اسی صورت کو خاص کرنے کے لئے ہے یعنی تنازع فعلان کبھی فاعلیت ومفعولیت میں واقع ہوتا ہے دراں حالیکہ دونوں فعل اقتضاء میں مختلف ہوں اور یہ صرف اسی وقت متصور ہو سکتا ہے جب کہ اسم ظاہر جو متنازع فیہ ہے ایک ہو۔

تشریح: ـــــ قولہ قد یکون ۔ تنازع کی یہ تیسری قسم ہے کہ دو فعلوں کا فاعلیت ومفعولیت میں اس طرح تنازع ہو کہ جس اسم ظاہر کو ایک فعل اپنا فاعل بنانا چاہے اسی اسم ظاہر کو دوسرا فعل بھی اپنا مفعول بنانا چاہے اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ جس اسم ظاہر کو پہلا فعل اپنا فاعل بنانا چاہے اسی اسم ظاہر کو دوسرا فعل بھی اپنا مفعول بنانا چاہے جیسے ضربنی وضربتُ زیدًا دوسری صورت یہ کہ جس اسم ظاہر کو پہلا فعل اپنا مفعول بنانا چاہے اسی اسم ظاہر کو دوسرا فعل بھی اپنا فاعل بنانا چاہے جیسے اکرمتُ واکرمنی زیدٌ اس طرح تنازع کی کل چار قسمیں ہو جائیں گی۔

قولہ ذلک لا یکون ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ دو فعلوں کا تنازع جب فاعلیت ومفعولیت میں ہو یعنی جب ایک فعل اسم ظاہر کو فاعل بنانا چاہے اور دوسرا اس کو مفعول تو دونوں اقتضاء میں مختلف ہوئے پھر اس کے بعد مختلفین کی قید کا اضافہ کیوں کیا گیا؟ جواب یہ کہ اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ دونوں فعل ایک اسم ظاہر کو فاعل بنانا چاہیں اور دونوں ہی دوسرے اسم ظاہر کو مفعول بنانا چاہیں جیسے ضرب وابان زیدٌ بکرًا دوسری صورت یہ کہ جس اسم ظاہر کو ایک فعل فاعل بنانا چاہے اسی اسم ظاہر کو دوسرا فعل مفعول بنانا چاہے جیسے ضربنی واکرمت زیدًا پہلی صورت میں دونوں فعلوں کا تنازع اگرچہ فاعلیت ومفعولیت میں ہے لیکن اقتضاء میں مختلف نہیں اور دوسری صورت میں اقتضاء میں بھی مختلف ہیں اور تنازع کی تیسری قسم یہی دوسری صورت ہے اس

Marfat.com

لئے مختلفین سے اس کو خاص کیا گیا برخلاف پہلی صورت کہ وہ پہلی دونوں قسموں کا مجموعہ ہے الگ سے کوئی دوسری قسم نہیں۔

وإنّما لم یورِدْ مثالاً للقسمِ الثالثِ لأنّہ إذا أُخِذَ فعلٌ من المثالِ الاوّلِ وفعلٌ من المثالِ الثانی حصلَ مثالٌ للقسمِ الثالثِ وذلک یتصوّرُ علیٰ وجوہٍ کثیرۃٍ مثل ضربنی وضربتُ زیداً و اکرمنی واکرمتُ زیداً أوضربنی واکرمتُ زیداً أواکرمنی وضربتُ زیداً أوغیرذلک ممّا یکونُ الاسم الظاھر مرفوعاً

ترجمہ: ــــــ اور تیسری قسم کی مثال کو اس لئے نہیں لایا گیا کہ جب ایک فعل مثال اول کا لیا جائے اور ایک مثال ثانی کا لیا جائے تو تیسری قسم کی مثال حاصل ہو جائیگی اور وہ کثیر طریقوں پر متصور ہوتا ہے جیسے ضربنی وضربتُ زیداً واکرمنی واکرمتُ زیداً وضربنی واکرمتُ زیداً واکرمنی وضربتُ زیداً اور اس کے علاوہ بھی مثالیں اس میں سے ہیں کہ اسم ظاہر مرفوع ہو۔

تشریح: ــــ قولہ وانما لم یورد۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ تنازع فعلان کی متن میں تین قسمیں بیان کی گئیں جن میں سے صرف پہلی دونوں قسموں کی مثال کو بیان کیا گیا لیکن تیسری قسم کی مثال کو کیوں چھوڑ دیا گیا؟ جواب یہ کہ ایک فعل اگر مثال اوّل سے لیا جائے اور دوسرا فعل مثال ثانی سے لیا جائے تو تیسری قسم کی مثال بن جاتی ہے جیسے ضربنی وضربتُ زیداً واکرمنی واکرمتُ زیداً اسی وجہ سے الگ سے اس کی مثال بیان نہیں کی گئی کہ متن میں اختصار مقصود ہے۔

فیختارُ النحاۃُ البصریّون إعمالَ الفعلِ الثانی لقُربِہٖ مع تجویزِ إعمالِ الاوّلِ ویختارُ النحاۃُ الکوفیّون الاوّلَ أیْ إعمالَ الفعلِ الاوّلِ مع تجویزِ إعمالِ الثانی لسبقہٖ وللاحترازِ عن الاضمارِ قبلَ الذکرِ

ترجمہ ــــ (پس اولیٰ قرار دیا ہے) نحات (بصریوں نے عمل دینا) فعل (ثانی کو) اس کے قُرب کی وجہ سے فعل اول کو عمل دینے کی تجویز کے ساتھ اور اولیٰ قرار دیا ہے نحات (کوفیوں نے اول کو) یعنی فعل اول کے عمل دینے

Marfat.com

کو نعل ثانی کے عمل دینے کی تجویز کیساتھ اس کے سابق اور اضمار قبل الذکر سے احتراز کی وجہ سے

تشریح :۔ بیانہ فیختار۔ تنازع فعلان کے اقسام سے فارغ ہونے کے بعد اب ان مذاہب کو بیان کیا جاتا ہے جو نعل اول یا فعل ثانی کے عمل دینے سے متعلق ہیں جس کا حاصل یہ کہ بصریون اور کوفیوں کے نزدیک دونوں فعلوں کو عمل دینا جائز ہے لیکن بصریوں کے نزدیک فعل ثانی کو عمل دینا اولیٰ ہے اور کوفیوں کے نزدیک فعل اول کو عمل دینا اولیٰ ہے ہر ایک کی دلیل ان کی جگہ پر آگے مذکور ہے ۔

قولہ النحاۃ :۔ اس تقدیر سے یہ اشارہ ہے کہ بصریین اسم منسوب ہے جو ہمیشہ صفت واقع ہوتا ہے اس کا موصوف یہاں نحات ہے پس بصریین سے مراد تمام اہل بصرہ ہیں بلکہ بصرہ کے نحویین ہوئے اور وہ بھی کہ جس کا قول ان کے قول کے موافق ہو اور وہ یہ ہیں ، سیبویہ ۔ مبرد ، یعقوب ۔ اخفش ۔ یونس ۔ حقری ۔ ابو علی بن مہران علی بن عیسی کرمانی ۔ ابو اسحاق زجاج ۔ ابن درستویہ وغیرہ ۔

بیانہ البصریون : جمع ہے بِصری بالکسر کی جو منسوب ہے بصرہ کی طرف اور بصرہ ایک مشہور شہر کا نام ہے جس کو خلافت فاروقی میں عتبہ بن غزوان نے ۱۴ھ میں آباد کیا تھا اس کو قبۃ الاسلام اور خزانۃ العرب بھی کہا جاتا ہے مشہور ولیہ حضرت رابعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وہیں کی باشندہ تھیں ۔ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ بصری با ر کے فتحہ ساتھ ہو کیونکہ وہ بصرہ فتح با ر کا اسم منسوب ہے لیکن با ر کو کسرہ دیا گیا اس بصرہ سے امتیاز کے لئے جو بصرہ بمعنی سنگ مرمر کا اسم منسوب ہے ضمہ اس لئے نہیں دیا گیا کہ وہ ثقل کو پیدا کرتا ہے ۔

قولہ لقربہ ۔ یہ دلیل ہے بصریوں کے دعویٰ کی جس کا حاصل یہ کہ فعل ثانی معمول سے زیادہ قریب ہے اور قُرب کا تقاضہ یہ ہے کہ اسم ظاہر جس سے زیادہ قریب ہو اسی کو عمل دیا جائے کہ عامل بمنزلہ طالب ہوتا ہے اور معمول بمنزلہ مطلوب ، اور مع تجویز سے یہ اشارہ ہے کہ متن میں اختیار اولیت و ترجیح کے معنی میں ہے قطع و جزم کے معنی میں نہیں یہاں اس کو دلیل کے بعد بیان کیا گیا جبکہ آگے دلیل سے پہلے بیان کیا گیا وجہ یہ کہ دلیل یہاں مختصر ہے جو تقدم کا مقتضی ہے اور ما بعد میں طول ہے جو تاخر کا خواستگار ہے ،

قولہ و یختار النحاۃ ۔ اس عبارت سے حاصل عطف کو بیان کیا گیا ہے چونکہ الکوفیون کا عطف بصریون پر ہے اور ما ل کا عطف الثانی پر ہے ۔ اول و ثانی چونکہ دونوں ہمیشہ صفت واقع ہوتے ہیں اس لئے دونوں سے پہلے نعل کو مقدر مانا گیا ۔

بیانہ الکوفیون ۔ جمع ہے کوفی کی اور وہ منسوب ہے کوفہ کی طرف ۔ کوفہ ایک مشہور شہر کا نام ہے جس کو سیدنا مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ نے کچھ دنوں کے لئے اپنی دار الحکومۃ بنایا تھا اور وہیں کے لوگوں نے سیدنا

Marfat.com

امام حسین اور ان کے رفقاء کو دھوکہ سے بلا کر نہایت بے دردی سے شہید کیا تھا اور سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ اور حضرت قاضی عیاض جیسے فقیہ اعظم وہیں پیدا ہوئے ۔

قولہ[۷] لسبقہ ۔ یہ دلیل ہے کوفیوں کے دعوے کی جس کا حاصل یہ کہ ہر فعل اپنے معمول کو طلب کرنیوالا ہوتا ہے پس فعل اول طلب میں سابق و اول ہوا اور سابق کا احتیاج لاحق کے احتیاج سے مقدم ہوتا ہے پس اول کو عمل دلانا اولیٰ ہوا ارشاد باری تعالیٰ ہے السابقون اولئک المقربون اور یہ دلیل چونکہ اتنی قوی نہیں جو اولیت کا باعث ہو سکے جیسا کہ آگے کما ہو مذہب البصریون کے تحت مذکور ہوگا اس لئے مزید قوت کے لئے دوسری دلیل بیان کی جاتی ہے کہ فعل اول کو اگر عمل دیا جائے تو اضمار قبل الذکر لازم نہ آئے گا جب کہ فعل ثانی کو عمل دلایا جائے تو لازم آتا ہے اور وہ اگرچہ عمدہ میں جائز ہے لیکن اولیٰ اس کا نہ ہونا ہے ۔

فان[۱] اعملتَ الفعلَ الثانی کما ھو[۲] مذھبُ البصریین وبدأ[۳] بہ لانّہ المذھبُ المختارُ الاکثرُ استعمالاً اَضمرتَ الفاعلَ فی الفعلِ الاوّلِ اذا[۴] اقتضی الفاعلَ لجوازِ الاضمارِ قبلَ الذکرِ فی العمدۃِ بشرطِ[۵] التفسیرِ وللزوم التکرارِ بالذکرِ وامتناعِ الحذفِ علیٰ وفقِ الاسمِ الظاھرِ الواقعِ[۶] بعد الفعلینِ ای علیٰ موافقتہٖ افراداً وتثنیۃً وجمعاً وتذکیراً وتانیثاً لانّہ مرجعُ الضمیرِ والضمیرُ یجبُ اَنْ یکونَ موافقاً للمرجعِ فی ھذہ الامورِ

ترجمہ :۔ ـــــ (پس اگر آپ عمل دیں) فعل (ثانی کو) جیسا کہ وہ بصریوں کا مذہب ہے اور مصنف نے بصریون کے مذہب سے شروع فرمایا کیونکہ یہی مذہب مختار اور استعمال کے اعتبار سے اکثر ہے (تو فاعل کی ضمیر لائے) فعل (اول میں) جب کہ فعل اول فاعل کو مقتضی ہو کیونکہ عمدہ میں اضمار قبل الذکر بشرط تفسیر جائز ہے اور فاعل کو بیان کرنے سے تکرار لازم آتی ہے اور حذف کرنا ممتنع ہے (بر موافق) اسم (ظاہر) جو دو فعلوں کے بعد واقع ہو یعنی اسم ظاہر کی موافقت پر مفرد و تثنیہ و جمع و تذکیر و تانیث سے کیونکہ وہ مرجع ہے ضمیر کا اور ضمیر کا ان اُمور میں مرجع کے موافق ہونا ضروری ہے ۔

تشریح :۔ بیانہ[۱] فان اعملت ۔ بصریوں کے نزدیک اگر فعل ثانی کو عمل دلایا جائے تو فعل اول کے لئے ضمیر لائی جائیگی کیونکہ تنازع ختم کرنے کے تین طریقے ہیں (۱) حذف (۲) اظہار (۳) اضمار ۔ حذف اس لئے جائز نہیں کہ اس سے فاعل کا حذف بغیر قائم مقام کے لازم آتا ہے جو ممنوع ہے اور اظہار اس لئے جائز نہیں کہ اس

Marfat.com

سے تکرار لازم آتی ہے جو قبیح ہے پس اضمار متعین ہو گیا کہ اس سے اگرچہ اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے لیکن وہ عمدہ میں بشرط تفسیر ہے اس لئے جائز ہے مثلاً ضربنی واکرمنی زیدٌ وضربانی واکرمنی الزیدان وضربونی واکرمنی الزیدون جب کہ فعل ثانی بھی فاعل کا مقتضی ہو لیکن اگر مفعول کا مقتضی ہو تو اس کی مثال ہے ضربنی واکرمتُ زیدًا وضربانی واکرمتُ الزیدین وضربونی واکرمتُ الزیدین ۔

قولہ کما ھو مذھب البصریین ۔ بصریوں کے لئے مذہب کہا گیا جب کہ کوفیوں کے لئے آگے مختار کہا گیا ہے یعنی کما ھو مختار الکوفیین ۔ اس کی وجہ غالباً یہ اشارہ مقصود ہے کہ بصریوں نے اس قول کو اختیار کر کے اس پر عمل کیا ہے اور کوفیوں نے قول کو اگرچہ اختیار کیا ہے لیکن اس پر عمل نہیں کیا ہے کیونکہ ان کی بیان کردہ دلیل خود ان کے نزدیک ضعیف ہے اس لئے کہ ایک دلیل ان کی یہ ہے کہ فعل کا رتبہ چونکہ مقدم ہے کیونکہ تنازع دو فعلوں میں سے ہر ایک کا دوسرے پر عطف سے ہوتا ہے اور ظاہر ہے معطوف علیہ کا مقام معطوف پر مقدم ہے اس لئے فعل اول کو عمل دلانا اولیٰ ہے ۔ اس میں یہ نقص ہے کہ فعل اول اگرچہ نفس استحقاق میں مقدم ہے لیکن دونوں فعلوں کا تعلق معمول سے مساوی ہے جیسا کہ معنیٰ تنازع سے ظاہر ہے

قولہ وبدأ بہ ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مصنف نے بصریوں کے مذہب کو پہلے کیوں بیان فرمایا جواب یہ کہ یہی مذہب مختار ہے اور قرآن کریم اور فصحاء کے کلام میں بکثرت مستعمل بھی ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے ھاؤم اقرؤا کتابیہ میں اقرؤا کو عمل دیا گیا ہے جو فعل ثانی ہے کیونکہ اگر فعل اول کو عمل دیا جائے تو اقرؤہ ہونا چاہئے تھا اسی قبیل سے یہ شعر بھی ہے وکنتُ مدمّاۃً کان متونھا ۔ جریٰ فوقھا واستشعرت لونَ مذہب ۔ مصرع ثانی میں لونَ مذہب کو استشعرت کا مفعول بنایا گیا ہے اور جریٰ میں اس کی ضمیر مانی گئی ہے جو لون مذہب کی طرف راجع ہے

قولہ اذا اقتضیٰ یعنی فعل اول میں اضمار اس وقت ہوگا جب کہ وہ فاعل کا مقتضی ہو جیسے ضربانی واکرمنی زیدٌ کیونکہ عمدہ میں اضمار قبل الذکر بشرط تفسیر جائز ہے جیسے قرآن کریم میں ہے فَتَیَمَّمُوا صَعِیْدًا طَیِّبًا وقل ھو اللّٰہ احدٌ اور اگر مفعول کا مقتضی ہو تو اضمار درست نہ ہوگا بلکہ حذف کیا جائیگا کیونکہ اس سے اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے جو فضلہ میں جائز نہیں جیسے ضربتُ واکرمنی زیدٌ جب کہ مفعول کا اظہار ضروری نہ ہو اور اگر ضروری ہو مثلاً فعل افعال قلوب سے ہو تو اظہار ضروری ہوگا جیسے حسبنی منطلقًا وحسبتُ زیدًا منطلقًا ۔

قولہ بشرط ۔ اس کے متعلق حاشیہ زینی زادہ میں تحریر ہے کہ تفسیر اگر خالص تفسیر ہی ہو یعنی تفسیر ہونے کے علاوہ فاعل یا مفعول وغیرہ نہ ہو جیسے آیت کریمہ فَقَضٰھُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ میں سبع سمٰوٰت خالص تفسیر

Marfat.com

ہے تو اضمار قبل الذکر فاعل ومفعول وغیرہ ہر ایک کے لئے جائز ہے کیونکہ مفسر اس کے مرجع ہونے پر نص ہے اور اگر تفسیر خالص نہ ہو یعنی تفسیر ہونے کے علاوہ فاعل یا مفعول وغیرہ بھی ہو جیسے ضربانی واہانتی الرجلان میں الرجلان تفسیر ہونے کے علاوہ ادہال کا فاعل بھی ہے تو اضمار قبل الذکر صرف فاعل کے لئے جائز ہے دوسروں کے لئے نہیں کیونکہ اضمار قبل الذکر اتنا قبیح نہیں جتنا کہ فاعل کا حذف ہے اس لئے کہ جملہ میں اس کا مفسر موجود ہے اگرچہ اس پر نص نہیں بعض لوگ عمدہ میں بھی اضمار قبل الذکر کو ناجائز قرار دیتے ہیں اس لئے کہ مفسر کا مرجع ہونا متعین نہیں ہے

قولہ الواقع: اس قید کا ذکر بیان واقع کے لئے ہے کہ اسم ظاہر اگر دونوں فعلوں کے بعد مذکور نہ ہو بلکہ دونوں سے پہلے یا بیچ میں مذکور ہو تو تنازع متحقق نہ ہوگا جیسا کہ گذرا اور الظاہر سے پہلے الاسم کی تقدیر سے یہ اشارہ ہے کہ الظاہر اسم قال ہے جو ہمیشہ صفت واقع ہوتا ہے جس کا موصوف یہاں الاسم ہے اور ای علیٰ موافقتہ سے یہ اشارہ ہے کہ متن میں وفق بمعنی موافقت ہے کیونکہ تنازع اشتراک کو لازم ہے اور لانہ مرجع الضمیر سے دلیل ہے اس بات کی کہ ضمیر مفرد وتثنیہ وجمع ہونے میں اسم ظاہر کے موافق کیوں ہوگی۔

دون الحذف لانہ لایجوز حذف الفاعل الا اذا سد شئ مسدہ خلافا للکسائی فانہ لایضمر الفاعل بل یحذفہ تحرزا عن الاضمار قبل الذکر ویظہر اثر الخلاف فی نحو ضربانی واکرمنی الزیدان عند البصریین وضربنی واکرمنی الزیدان عند الکسائی

ترجمہ: ــــ (نہ حذف فاعل) اس لئے کہ فاعل کو حذف کرنا جائز نہیں مگر جب کہ کسی چیز کو اس کے قائم مقام کر دیا جائے (برخلاف کسائی) کیونکہ وہ فاعل کی ضمیر میں لاتے بلکہ اس کو اضمار قبل الذکر سے احتراز کے لئے حذف کر دیتے ہیں اور اختلاف کا اثر ضربانی واکرمنی الزیدان جیسی مثال میں ظاہر ہوتا ہے یہ بصریوں کے نزدیک ہے اور کسائی کے نزدیک ضربنی واکرمنی الزیدان ہے۔

تشریح: ــــ بیانہ دون الحذف ۔ اس عبارت سے مذہب کسائی کو بیان کیا جاتا ہے خلافاً مفعول مطلق ہے فعل محذوف کا اصل عبارت یہ ہے یخالف لقول بالاضمار قول الکسائی خلافاً یعنی اضمار کا قول کسائی کے قول کے خلاف ہے مطلب یہ کہ بصریوں کا جو قول ہے اگرچہ وہی امام کسائی کا بھی قول ہے کہ فعل ثانی کو

Marfat.com

عمل دیا جائے لیکن اس کے عمل دینے کے طریقہ میں اختلاف ہے بصریوں کے نزدیک اسم ظاہر کے موافق فعل اول میں ضمیر لائی جائیگی اور امام کسائیؒ کے نزدیک حذف کیا جائیگا۔ امام کسائیؒ چونکہ اضمار قبل الذکر کو مطلقاً منع کرتے ہیں اس لئے ان کے نزدیک فاعل کا حذف اولیٰ ہے اور فاعل کا حذف اگرچہ کلام میں واقع ہے لیکن ذہن چونکہ اس طرف بہرحال سبقت کرتا ہے اس لئے وہ بمنزلۂ مذکور ہوتا ہے۔

بیانہ للکسائیؒ۔ امام کسائیؒ کا اصل نام علی بن حمزہ ہے اور کنیت ابوالحسن ہے ان کو کسائیؒ اس لئے کہا جاتا ہے کہ بوقت احرام انہوں نے کسار یعنی چادر استعمال کیا تھا یا وہ کثرت سے چادر استعمال میں رکھتے تھے آپ کا انتقال بمقام رَیّ یا طوس ۱۸۹ھ کو ہوا تھا آپ علم نحو ولغت وقرأت کے امام مانے جاتے تھے اور خلیفہ ہارون رشید اور ان کے صاحبزادے کو بھی آپ سے شرف تلمذ حاصل تھا

قولہ یظھرُ۔ بصریون کے نزدیک فعل ثانی کو عمل دیا جائے تو فعل اول کے لئے اس کے موافق ضمیر لانا ضروری ہوگا جیسے ضربانی واکرمنی الزیدان اور امام کسائیؒ کے نزدیک بھی اگرچہ فعل ثانی کو عمل دیا جاتا ہے لیکن فعل اول کے لئے ضمیر لانا درست نہ ہوگا کیونکہ اس سے اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے جو ان کے نزدیک مطلقاً ممنوع ہے اور نہ اظہار درست ہوگا کہ اس سے تکرار لازم آتی ہے جو کہ بھی ممنوع ہے پس حذف ہی اولیٰ ہوگا جیسے ضربنی واکرمنی الزیدان

وَجَازَ ای اِعمالُ الفعلِ الثانِی مع اقتضاءِ الفعلِ الاوّلِ الفاعلَ خلافاً للفرّاءِ فانہٗ لایجوزُ اعمالُ الفعلِ الثانِی عند اقتضاءِ الاوّلِ الفاعلَ لِانّہٗ یلزمُ علیٰ تقدیرِ اعمالہٖ اِمّا الاضمارُ قبلَ الذکرِ کما ھو مذھبُ الجمھورِ اَوحذفُ الفاعلِ کما ھو مذھبُ الکسائی بل یجبُ عندہٗ اِعمالُ الفعلِ الاوّلِ فانّ اِقتضیٰ الثانی الفاعلَ اضمرتہٗ واِنِ اقتضیٰ المفعولَ حذفتہٗ اَوْ اَضمرتہٗ تقولُ ضربنی واکرمانی الزیدان ولایلزمُ حینئذٍ محذورٌ

ترجمہ: ــــ (اور جائز ہے) فعل ثانی کو عمل دینا فعل اول کا فاعل کے مقتضی ہونے کے ساتھ (برخلاف فراءؒ کیونکہ فعل ثانی کو عمل دینا فعل اول کا فاعل کے مقتضی ہونے کے وقت جائز نہیں اس لئے کہ اس کے عمل دینے کی تقدیر پر آیا اضمار قبل الذکر لازم آئیگا جیسا کہ وہ مذہب جمہور ہے یا حذف فاعل جیسا کہ وہ مذہب کسائیؒ ہے بلکہ ان کے نزدیک فعل اول کو عمل دینا ضروری ہے پس فعل ثانی اگر فاعل کا مقتضی ہو تو آپ اس کی ضمیر

Marfat.com

لائے اور اگر مفعول کا مقتضی ہو تو اس کو حذف کر دیجئے یا ضمیر لائے آپ کہیں گے ضربنی واکرمانی الزیدان اور اس وقت محذور لازم نہ آئیگا۔

تشریح:۔ بیانہ وجاز۔ اس عبارت سے امام فراء کے مذہب کو بیان کیا گیا ہے جس کا حاصل یہ کہ تمام بخوبی فعل اول کو عمل دلانا مطلقاً جائز مانتے ہیں اور امام فراء کے علاوہ دوسرے نحوی فعل ثانی کو بھی عمل دلانا مطلقاً جائز مانتے ہیں البتہ فعل ثانی کو اگر عمل دلایا جائے اور فعل اول فاعل چاہتا ہو تو کسائی فعل اول کے فاعل کو محذوف مانتے ہیں اور جمہور فعل اول میں فاعل کی ضمیر لاتے ہیں لیکن فراء کا مذہب یہ ہے کہ فعل اول کو عمل دلانا مطلقاً جائز ہے عام ہے فعل ثانی فاعل کو چاہتا ہو یا مفعول کو لیکن فعل ثانی کو عمل دلانے کے لئے یہ شرط ہے کہ فعل اول فاعل کا مقتضی نہ ہو۔

قولہ ای اعمال۔ اس عبارت سے جاز کی ضمیر مرفوع کے مرجع کو بیان کیا گیا ہے اور مع اقتضار سے یہ اشارہ ہے کہ فعل اول اگر فاعل کا مقتضی ہو تو امام فراء کا اس میں اختلاف ہے اور اگر فعل اول مفعول کا مقتضی ہو تو کوئی اختلاف نہیں ان کے نزدیک بھی فعل ثانی کو عمل دلانا جائز ہے۔

بیانہ للفراء۔ امام فراء کا اصل نام یحیی بن زیاد ہے اور کنیت ابو ذکریا ہے ان کو فراء اس لئے کہا جاتا ہے کہ فراء بروزن فعلان ہے جو فریٌ بمعنی قطع وبُرید بجہت اصلاح سے ماخوذ ہے اور وہ کلام میں بجہت اصلاح کافی ترمیم کیا کرتے تھے آپ علم ونحو ولغت اور دیگر فنون ادب میں امام تھے اور امام محمد علیہ الرحمہ شاگرد امام اعظم علیہ الرحمہ کے خالہ زاد بھائی بھی تھے آپ کا انتقال ترسٹھ ۶۳ سال کی عمر میں ۲۰۷ھ کو مکہ مکرمہ جاتے ہوئے راستہ میں ہوا۔

قولہ فانہ لایجوز۔ اس عبارت سے اختلاف کی وجہ بیان کی جاتی ہے کہ فعل اول اگر فاعل کا مقتضی ہو تو فعل ثانی کو عمل دینا جائز نہیں کیونکہ اگر فعل ثانی کو عمل دیا جائے تو فعل اول کے لئے یا تو ضمیر لائی جائیگی جیسا کہ جمہور بصریین کا مذہب ہے پس اس سے اضمار قبل الذکر لازم آئے گا جو ممنوع ہے یا فاعل کو حذف کیا جائیگا جیسا کہ امام کسائی کا مذہب ہے یہ بھی مطلقاً ممنوع ہے پس ضروری ہوا کہ فعل اول کو عمل دیا جائے اگر فعل ثانی فاعل کا مقتضی ہو تو اس میں اس کی ضمیر لائی جائے گی اور اگر فعل ثانی مفعول کا مقتضی ہو تو اس کو حذف کیا جائے گا یا اس کی ضمیر لائی جائے گی جیسے ضربنی واکرمانی الزیدان۔

قولہ کما ھو مذھب۔ ھو کا مرجع اضمار قبل الذکر ہے اور جمہور پر الف لام عہد خارجی کا ہے جس سے مراد جمہور بصریین ہیں اس کا ذکر یہاں امام کسائی کو خارج کرنے کے لئے ہے اور کما ھو مذہب الکسائی

Marfat.com

میں ھو کا مرجع حذف فاعل ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔

وقیل[1] رُوِیَ عنہ تشریکُ الرافعَینِ اَوْ اضمارُہٗ بعد الظاھرِ کما فی صورۃ تاخیرِ الناصبِ تقولُ ضربنی واکرمنی زیدٌ ھو وضربنی واکرمتُ زیداً ھُو وروایۃُ[2] المتنِ غیر مشھورۃٍ عنہٗ

ترجمہ: ـــــ اور بعض کا قول ہے کہ امام فراء سے تشریک رافعین یا اسم ظاہر کے بعد اس کی ضمیر منفصل لانا مروی ہے جیسا کہ تاخیر ناصب کی صورت میں آپ کہیں گے ضربنی واکرمنی زیدٌ ہو وضربنی واکرمتُ زیداً ھو اور متن کی روایت امام فراء سے مشہور نہیں۔

تشریح: ـــــ قولہ[1] وقیل ۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ تنازع ختم کرنے کا طریقہ تشریک رافعین ہے یعنی دونوں فعلوں کو اسم ظاہر کا رافع قرار دیا جائے جیسے ضربنی واکرمنی زیدٌ جب کہ زید کو دونوں کا فاعل تصور کیا جائے یا اسم ظاہر کے بعد اس کی ضمیر لائی جائے تاکہ اضمار قبل الذکر لفظاً ورتبۃً لازم نہ آئے جیسے ضربنی واکرمنی زیدٌ ہو اور یہی روایت اُن سے ناصب کو تاخیر کرنے کے متعلق بھی ضروری ہے جیسے ضربنی واکرمتُ زیداً ہو خیال رہے کہ یہ تردید یا تو شک راوی کی بناء پر ہے یا بطور تخییر ہے۔ بصریون نے تردید کے دونوں شقوں کو مسترد کیا ہے اول کو اس طرح کہ نحو میں ہر عامل علت مستقلہ کے نزل میں ہوتا ہے اور دو علت مستقلہ کا اجتماع جس طرح ایک معلول پر ممنوع ہے اسی طرح دو رافع کا اجتماع ایک اسم ظاہر پر ممنوع ہے اور دوم کو اس طرح کہ اضمار اسم ظاہر کے بعد عرب کے استعمال کے خلاف دیکھا گیا ہے۔

قولہ[2] روایۃ المتن ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تشریک رافعین کی روایت بھی اگر امام فراء سے منقول ہے تو متن میں اس کو بھی بیان کرنا چاہیئے تھا صرف پہلی روایت کو کیوں بیان کیا گیا؟ جواب یہ کہ متن کی روایت چونکہ غیر مشہور ہے اور یہ مشہور ہے اس لئے متن میں صرف غیر مشہور کو بیان کیا گیا تاکہ وہ مشہور ہو جائے۔

وَحذفتَ[1] المفعولَ تحرزاً عن التکرارِ لو ذُکِرَ وعن الاضمارِ قبلَ الذکرِ فی الفضلۃِ لو اُضمِرَ اِنْ[2] استغنی عنہ والا اَیْ[3] وان لم یستغنِ عنہ اظھرتَ[4] اَیْ المفعولَ نحو حسبنی منطلقاً وحسبتُ زیداً منطلقاً لانہٗ لا یجوزُ حذفُ احد مفعولی بابِ حسبتُ ولا یجوزُ اضمارُہٗ لئلا یلزمَ الاضمارَ قبلَ الذکرِ فی الفضلۃِ

Marfat.com

ترجمہ: ـــــ (اور مفعول کو حذف کر دیجئے) تکرار سے بچنے کے لئے اگر مفعول کو ذکر کیا جائے اور فضلہ میں اضمار قبل الذکر سے بچنے کے لئے اگر مفعول کی ضمیر لائی جائے (اگر اس کا ذکر ضروری نہ ہو ورنہ) یعنی اگر اس کا ذکر ضروری ہو (آپ ظاہر کر دیجئے) مفعول کو جیسے حسبنی منطلقًا وحسبتُ زیدًا منطلِقًا کیونکہ باب حسبتُ کے دو مفعولوں میں سے ایک کا حذف بھی جائز نہیں اور نہ اس کا اضمار بھی جائز ہے تاکہ فضلہ میں اضمار قبل الذکر لازم نہ آئے۔

تشریح:ـــــ بیانہ[1] حذفت المفعول۔ اس کا عطف ما قبل میں اضمرت الفاعل پر ہے جس کا حاصل یہ کہ فعل ثانی کو عمل دینے کی تقدیر پر فعل اول اگر مفعول کا مقتضی ہو تو مفعول کو حذف کر دیا جائے تو تکرار لازم آئے گی جو ممنوع ہے اور اگر اس کی ضمیر لائی جائے مثلاً ضربتہ، واکرمنی زیدٌ تو فضلہ میں اضمار قبل الذکر لفظاً ورتبۃً لازم آئے گا جو ممنوع ہے پس حذف متعین ہو گیا۔

بیانہ[2] اِن استغنی۔ یہ جملہ شرطیہ ہے جس کے لئے جزا کا ہونا ضروری ہے اور یہاں اگرچہ بظاہر اس کی جزا معلوم نہیں ہوتی لیکن قول مذکور حذفت المفعول چونکہ اس کی جزا پر دلالت کرتا ہے اس لئے اس کو بیان کرنا ضروری سمجھا نہیں گیا۔ خیال رہے کہ استغنار سے یہاں مراد ذکر سے استغنار ہے نفس مفعول سے نہیں کیونکہ استغنار متعدی ہے جو مفعول کا محتاج ہوتا ہے

قولہ[3] ای وان لم یستغنِ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اِلا حرف استثنار ہے جس کے بعد اسم مذکور ہوتا ہے لیکن یہاں اس کے بعد اظہرت فعل مذکور ہے جواب یہ کہ اِلّا حرف استثنار نہیں بلکہ اِنْ لا حرف شرط ونفی کا مجموعہ ہے جو قاعدۂ یرملون سے اِلّا ہو گیا ہے اس کی جزا اظہرتَ ہے۔ لا جگہ میں لم کے آیا ہے جو یستغنِ عنہ فعل پر داخل ہوا ہے وہ معطوف ہے استغنی عنہ فعل پر اس کو اس لئے حذف کیا گیا کہ معطوف علیہ اس پر دال ہے اور لم چونکہ عامل ضعیف ہے جو معمول کے بغیر مذکور نہیں ہوتا اس لئے اس کو بھی حذف کر کے اس کی جگہ پر لا کو رکھ دیا گیا۔

بیانہ[4] اظہرت۔ یعنی فعل اگر افعالِ قلوب سے ہو تو اس کے مفعول کو ظاہر کر دیا جائے گا کیونکہ ان کا ایک مفعول پر اکتفا کرنا جائز نہیں جیسے حسبنی وحسبتُ زیدًا منطلقًا میں دونوں فعل افعال قلوب سے ہیں جن میں سے پہلا فعل کا مفعول اول یا رمتکلم اور دوسرے فعل کا مفعول زید موجود ہے لیکن تنازع مفعول ثانی میں ہے کہ منطلقًا کو دونوں ہی اپنا مفعول بنانا چاہتے ہیں بصریوں کے مذہب پر اگر فعل ثانی کو عمل دیا جائے اور فعل اول کے لئے مفعول کی ضمیر لائی جائے مثلاً حسبنی ایاہ وحسبتُ زیدًا منطلقًا تو فضلہ میں اضمار قبل الذکر لفظًا ورتبۃً لازم آئے گا اور اگر حذف کر دیا جائے تو افعال قلوب کا ایک مفعول پر اکتفا کرنا لازم

Marfat.com

آئیگا جو کہ یہ بھی ممنوع ہے اسی وجہ سے اس کو ظاہر کر کے یوں کہا جائیگا حسبنی منطلقًا وحسبتُ زیدًا منطلقًا لیکن افعال قلوب کا ایک مفعول پر اکتفا کرنا اس لئے ناجائز ہے کہ اوس کا پہلا مفعول بمنزلۂ مسند الیہ ہوتا ہے اور دوسرا مفعول بمنزلۂ مسندا ور ظاہر ہے دونوں میں۔ ہے ہر ایک کا ذکر دوسرے کے لئے لازم ہے کہ مسند کے بغیر مسند الیہ اور مسند الیہ کے بغیر مسند کا تحقق نہیں ہوتا جیسا کہ عنقریب بحث فعل میں آئیگا۔

لہ

وَاِنْ اعملتَ الفِعْلَ الاوّلَ کما هُو مختارُ الکوفیینَ اضمرتَ الفاعِلَ فی الفعلِ الثانی لو اقتضاهُ لہ نحو ضربنی واکرمنِی زیدٌ اِذا جعلتَ زیدًا فاعلَ ضربنی واَضمَرْتَ فی اکرمنی ضمیرًا راجعًا الی زیدٍ لتقدمہٖ رتبةً فلا محذورَ فیہ حینئذٍ لاحذفُ الفاعلِ ولا الاضمارُ قبل الذکرِ لفظًا ورتبةً بل لفظًا فقط وَهو جَائِزٌ

ترجمہ: ـــــ (اور اگر آپ عمل دیں) فعل (اول کو) جیسے کہ وہ کوفیوں کا مذہب مختار ہے (تو فاعل کی ضمیر لائے) فعل (ثانی میں) اگر فعل ثانی فاعل کا مقتضی ہو جیسے ضربنی واکرمنی زیدٌ جب کہ زید کو ضربنی کا فاعل بنائیں اور اکرمنی میں ایسی ضمیر لائیں جو راجع ہو زید کی طرف کیونکہ زید رتبہ کے اعتبار سے مقدم ہے پس اس وقت اس میں کوئی خرابی نہ ہوگی نہ حذف فاعل اور نہ اضمار قبل الذکر لفظًا ورتبةً بلکہ اضمار قبل الذکر صرف لفظًا لازم آئے گا جو جائز ہے۔

تشریح: ـــــ بیانہ لہ وان اعملت ۔ یہ معطوف ہے فَاِنْ اعملتَ الثانی پر جس کا حاصل یہ کہ کوفیون کے مذہب پر اگر فعل اول کو عمل دیا جائے عام ہے وہ فاعل کا مقتضی ہو یا مفعول کا تو فعل ثانی میں فاعل کی ضمیر لائی جائے گی جب کہ فعل ثانی فاعل کا مقتضی ہو جیسے ضربنی واکرمنی زیدٌ جب کہ فعل اول بھی فاعل کا مقتضی ہوا در ضربت واکرمنی زیدًا جب کہ فعل اول مفعول کا مقتضی ہو دونوں صورتوں میں فعل ثانی میں فاعل کی ضمیر لائی جائیگی اس لئے کہ تنازع ختم کرنے کے تین طریقے ہیں حذف ۔ اظہار ۔ اضمار پس اس تقدیر پر فعل ثانی کے فاعل کو اگر حذف کیا جائے تو فاعل کا حذف بغیر قائم مقام کے لازم آئیگا جو ممنوع ہے اور اگر ظاہر کیا جائے تو تکرار لازم آئیگی جو قبیح ہے پس اضمار متعین ہوگیا۔

قولہ لہ لو اقتضاہُ ۔ یہ اس وہم کا ازالہ ہے کہ متن کی عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فعل اول کو اگر عمل دیا جائے تو فعل ثانی میں ہمیشہ ضمیر لائی جائے گی فعل ثانی عام ہے کہ فاعل کا مقتضی ہو یا مفعول کا

Marfat.com

حالانکہ فعل ثانی اگر مفعول کا مقتضی ہو تو حذف بھی جائز ہوتا ہے حاصل ازالہ یہ کہ فعل ثانی میں ضمیر کا لانا اس وقت ضروری ہوتا ہے جب کہ وہ فاعل کا مقتضی ہو اور اگر مفعول کا مقتضی ہو تو کوئی ضروری نہیں۔ یہی حال قدرے ترمیم کے ساتھ آئندہ عبارت لواقتضاہ کا ہے فقس علیٰ ذلک۔

قولہ لتقدمہ۔ یہ دلیل ہے دعویٰ مذکور کی کہ فعل اول کو اگر عمل دیا جائے تو فعل ثانی میں فاعل کی ضمیر لانا ضروری ہے حاصل یہ کہ تنازع ختم کرنے جو تین طریقے مذکور ہوئے اس تقدیر پر ان میں سے صرف ایک طریقہ یعنی فعل ثانی میں اضمار ہی درست ہوگا حذف فاعل اور اظہار نہیں تفصیل اوپر دان اعملت کے تحت گذر چکی۔ البتہ اس صورت میں اضمار قبل الذکر صرف لفظاً لازم آتا ہے لیکن وہ ممنوع نہیں۔

وَاضمرتَ المفعولَ فی الفعلِ الثانِی لواقتضاہُ علیٰ المذھبِ المختارِ ولَم تحذفہُ وَانْ جاز حذفہُ لئلا یتوھم انّ مفعولَ الفعلِ الثانِی مُغایرٌ للمذکورِ ویکونُ الضمیرُ حینئذٍ راجعاً الیٰ لفظٍ متقدمٍ رتبۃً کما تقولُ ضربنی واکرمتہُ زیدٌ

ترجمہ: ــــ (اور مفعول کی) ضمیر فعل ثانی میں لائے اگر فعل ثانی مفعول کا مقتضی ہو مذہب (مختار پر) اور مفعول ثانی کو حذف نہ کیجئے اگرچہ اس کا حذف جائز ہے تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ فعل ثانی کا مفعول مذکور کا مغایر ہے اور اس وقت ضمیر اس لفظ کی طرف راجع ہوگی جو باعتبار رتبہ مقدم ہے چنانچہ آپ کہیں گے ضربنی واکرمتہ زیدٌ۔

تشریح: ــــ قولہ اضمرت۔ اس تقدیر عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ متن میں المفعول کا عطف الفاعل پر ہے جس کا حاصل یہ کہ فعل ثانی اگر مفعول کا مقتضی ہو تو مذہب مختار پر اس میں اسم ظاہر کے موافق ضمیر لائی جائیگی جیسے ضربنی واکرمتہ زیدٌ جب کہ فعل اول فاعل کا مقتضی ہو ضربت واکرمتہ زیدًا جب کہ فعل اول مفعول کا مقتضی ہو لیکن فعل ثانی میں مفعول کی ضمیر اس لئے لائی جائیگی اظہار میں تکرار لازم آتی ہے جو قبیح ہے اور حذف اگرچہ جائز ہے لیکن اس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ فعل ثانی کا مفعول اسم ظاہر کا مغایر ہے اور اس لئے بھی کہ اضمار میں بقاء ہے اور حذف میں فناء اور ظاہر ہے بقاء کو فناء پر شرافت حاصل ہے پس اضمار ہی اولیٰ ہے

Marfat.com

اِلَّا اَنْ یمنعَ مانعٌ مِنَ الاضمارِ کما ھُوالقول المختارُ وَمن الحذفِ کما ھُوالقولُ الغیرُ المختارُ فتظھرُ المفعولَ فانّہٗ اِذا اِمتنعَ الاضمارُ والحذفُ لاسبیلَ اِلّا الی الاظھارِ نحوحسبنی وحسبتھُمَا منطلقین الزیدان منطلقاً حیثُ اُعمِلَ حسبنی نجعل الزیدانِ فاعِلاً لہٗ ومنطلقاً مفعولاً لہ واُضمِرَ المفعولُ الاوّلُ فی حسبتُھما واُظھِرَ المفعولُ الثانِی وھُومنطلقَینِ لمانعٍ وھُوانّہٗ لواُضمِرَ مفرداً خالف المفعولَ الاوّلَ ولواُضمِرَ مثنًّی خالف المرجع وھُوقولُہٗ منطلقاً

ترجمہ:۔ (مگر یہ کہ کوئی مانع روکے) اضمار سے جیسا کہ یہی قول مختار ہے اور حذف سے جیسا کہ یہی قول غیر مختار ہے (تو ظاہر کر دیجیے) مفعول کو کیونکہ جب اضمار اور حذف ممتنع ہو جائے تو اظہار کے علاوہ کوئی چارہ جیسے حسبنی وحسبتھما منطلقین الزیدان منطلقاً جب حسبنی کو عمل دیا جائے تو زیدان کو اس کا فاعل اور منطلقاً کو مفعول کیا جائے گا اور حسبتھما میں مفعول اول کی ضمیر لائی جائیگی اور مفعول ثانی کو جو کہ منطلقین ہے مانع کی وجہ سے ظاہر کیا جائے گا اور مانع یہ ہے کہ اگر مفرد کی ضمیر لائی جائے تو وہ مفعول اول کے مخالف ہوگی اور اگر تثنیہ کی ضمیر لائی جائے تو وہ مرجع اور وہ اس کا قول منطلقاً کے مخالف ہوگا۔

تشریح:۔ بیانہٗ اِلّا اَنْ یمنع۔ یہ استثناء مفرغ ہے اصل عبارت یہ ہے اَضمرتَ علی المختار و حذفتَ علی الغیرِ المختارِ فی الاوقاتِ کلھا اِلّا وقتَ منع مانع من الاضمارِ والحذفِ فتظھرُ یعنی مذہب مختار پر مفعول کی ضمیر لائے اور مذہب غیر مختار پر حذف کیجئے تمام اوقات میں مگر اس وقت میں کہ اضمار سے کوئی روکے تو ظاہر کر دیجئے جیسے حسبنی وحسبتھما الزیدان منطلقاً میں حسب کا فاعل الزیدان ہے اور مفعول اول یاء متکلم ہے اور حسبتُ کا فاعل اس میں ضمیر مرفوع متصل ہے اور مفعول مفعول ہما ہے پس دونوں فعلوں کا تنازع مفعول ثانی یعنی منطلقاً میں ہوا اور کوفیون کے نزدیک چونکہ فعل اول کو عمل دیا جاتا ہے اس لئے منطلقاً کو حسبَ کا مفعول ثانی قرار دیا گیا اور حسبتُ میں چونکہ نہ حذف جائز ہے اور نہ ہی اضمار اس لئے اس کے لئے مفعول ثانی کو ظاہر کر دیا گیا۔ اس سے تکرار لازم نہیں آئے گی کیونکہ مفعول ثانی فعل اول میں مفرد ہے اور فعل ثانی میں مثنی لیکن حذف جائز اس لئے نہیں ہے کہ حسبتُ افعال قلوب سے ہے کہ جن کا ایک مفعول پر اکتفا کرنا جائز نہیں اور اضمار اس لئے جائز نہیں کہ ضمیر تثنیہ لائی جائے گی یا واحد اگر تثنیہ لائی جائے تو وہ مرجع کے مطابق نہ ہوگی کہ مرجع منطلقاً مفرد ہے اور اگر ضمیر واحد لائی جائے تو

Marfat.com

تو وہ مفعول اول کے موافق نہ ہوگی کہ مفعول اول مثنی ہے جب کہ اس باب میں دونوں مفعولوں کا متحد ہونا ضروری ہے

وَلَا یَخْفٰی اَنَّہٗ لَا یَتَصَوَّرُ التَّنَازُعُ فِی ھٰذِہِ الصُّوْرَۃِ اِلَّا اِذَا لَاحَظْتَ الْمَفْعُوْلَ الثَّانِیَ اِسْمًا دَالًّا عَلَی الْمُتَّصِفِ ذَاتٍ مَّا بِالْاِنْطِلَاقِ مِنْ غَیْرِ مُلَاحَظَۃِ تَثْنِیَتِہٖ وَاِفْرَادِہٖ وَاِلَّا فَالظَّاھِرُ اَنَّہٗ لَا تَنَازُعَ بَیْنَ الْفِعْلَیْنِ فِی الْمَفْعُوْلِ الثَّانِیْ لِاَنَّ الْاَوَّلَ یَقْتَضِیْ مَفْعُوْلًا مُفْرَدًا وَالثَّانِیْ مَفْعُوْلًا مُثَنًّی فَلَا یَتَوَجَّھَانِ اِلٰی اَمْرٍ وَّاحِدٍ فَلَا تَنَازُعَ

ترجمہ:۔ اور مخفی نہ رہے کہ اس صورت میں تنازع متصور نہیں ہوتا مگر اس وقت جب کہ آپ مفعول ثانی کو اس کے تثنیہ و مفرد ہونے کے اعتبار کئے بغیر ایک ایسا اسم لحاظ کریں جو ایسی ذات پر دلالت کرتا ہو جو انطلاق سے متصف ہے ورنہ ظاہر یہ ہے کہ دونوں فعلوں میں مفعول کے بارے میں کوئی تنازع نہیں کیونکہ فعل اول مفعول مفرد اور فعل ثانی مفعول مثنی کا تقاضہ کرتا ہے پس دونوں فعل امر واحد کی طرف متوجہ نہ ہوئے لہذا تنازع نہ ہوا۔

تشریح:۔ قولہ لَا یَخْفٰی اَنَّہٗ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ ترکیب مذکور میں تنازع ہی نہیں ہے کیونکہ تنازع کے لئے یہ ضروری ہے کہ اسم ظاہر دونوں فعلوں کا بدلیت کے طور پر معمول ہو سکے اور منطلقًا حسب کا معمول تو ہو سکتا ہے لیکن حسبتُ کا نہیں کیونکہ حسبتُ کا پہلا مفعول مثنی ہے جو دوسرے مفعول کے مثنی ہونے کو مقتضی ہے حالانکہ منطلقًا مفرد ہے جواب یہ کہ منطلقًا میں تنازع اس تقدیر پر ہے کہ اس میں افراد و تثنیہ و جمع کا کوئی لحاظ نہ ہو بلکہ وہ ایک اسم ہے جو ایسی ذات پر دال ہے جو صفت انطلاق کیساتھ متصف ہے اگرچہ وہ بظاہر افراد پر دال ہے۔

وَلَمَّا اسْتَدَلَّ الْکُوْفِیُّوْنَ عَلٰی اَوْلَوِیَّۃِ اِعْمَالِ الْفِعْلِ الْاَوَّلِ بِقَوْلِ اِمْرِیَ الْقَیْسِ شعر وَلَوْ اَنَّمَا اَسْعٰی لِاَدْنٰی مَعِیْشَۃٍ + کَفَانِیْ وَلَمْ اَطْلُبْ قَلِیْلٌ مِّنَ الْمَالِ حَیْثُ قَالُوْا قَدْ تَوَجَّہَ الْفِعْلَانِ اَعْنِیْ کَفَانِیْ وَلَمْ اَطْلُبْ اِلٰی اِسْمٍ وَاحِدٍ وَھُوَ قَلِیْلٌ مِّنَ الْمَالِ فَاقْتَضَی الْاَوَّلُ رَفْعَہٗ بِالْفَاعِلِیَّۃِ وَالثَّانِیْ نَصْبَہٗ بِالْمَفْعُوْلِیَّۃِ وَاَمْرُ الْقَیْسِ الَّذِیْ ھُوَ اَفْصَحُ شُعَرَاءِ الْعَرَبِ اَعْمَلَ الْاَوَّلَ فَلَوْ لَمْ یَکُنْ اِعْمَالُ الْاَوَّلِ اَوْلٰی لَمَا اخْتَارَہٗ اِذْ لَا قَائِلَ بِتَسَاوِی الْاِعْمَالَیْنِ

Marfat.com

ترجمہ : ـــــ اور جب کہ کوفیوں نے فعل اول کے اولویت پر امرؤالقیس کے قول سے استدلال پیش کیا شعر ولو انما اسعی لادنی معیشۃ الخ ترجمہ اور اگر میں تھوڑی سی معاش کی تحصیل کے لئے کوشش کرتا تو مجھے کافی ہوتا اور میں طلب نہ کرتا تھوڑا مال کیونکہ کوفیوں نے کہا کہ دو فعل یعنی کفانی اور لم اطلب ایک اسم کی طرف متوجہ ہوئے اور وہ اسم ہے قلیل من المال تو فعل اول فاعلیت کی وجہ سے اس کا رفع چاہتا ہے اور فعل ثانی مفعولیت کی وجہ سے اس کا نصب چاہتا ہے اور امرؤالقیس نے جو کہ شعراء عرب سے فصیح تر شاعر ہے فعل اول کو عمل دیا ہے پس اگر فعل اول کو عمل دینا اولیٰ نہ ہوتا تو وہ اس کو اختیار نہ کرتا اس لئے کہ تساوی اعمالین کا کوئی قائل نہیں ۔

تشریح : ـــــ قولہ ولمّا استدلّ ۔ کوفیوں نے چونکہ فعل اول کے اعمال کی اولویت پر امرؤالقیس کے شعر سے استدلال پیش کیا ہے اس لئے مصنف بصریون کی طرف سے اس استدلال کا جواب دیتے ہیں ۔ استدلال کا حاصل یہ کہ مذکورہ شعر میں کفانی فعل اول ہے جو قلیل کو فاعل بنانا چاہتا ہے اور لم اطلب فعل ثانی ہے جو قلیل کو مفعول بنانا چاہتا ہے اور امرؤالقیس جو کہ شعراء عرب سے فصیح تر شاعر ہے انہوں نے جب فعل اول کو عمل دیا ہے کیونکہ قلیل رفع کیساتھ ضروری ہے تو فعل اول کو عمل دینا اگر اولیٰ نہ ہوتا تو وہ اختیار نہ کرتے ۔

قولہ امرؤالقیس ۔ وہ ابن حجر ابن عمرو کندی ہیں جو عہد رسالت سے تقریباً چالیس سال قبل کے شاعر تھے اس کو ملک ضلیل بھی کہا جاتا ہے ۔ سبع معلقات میں پہلا معلقہ اسی کا ہے جو اکیاسی اشعار پر مشتمل ہے ۔

قولہ افصح شعراء ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ امرؤالقیس کے اس شعر کو سند کے طور پر پیش کرنا کہاں تک درست ہے ؟ جواب یہ کہ امرؤالقیس عرب کے عام شاعروں میں سے نہیں بلکہ فصیح و بلیغ شاعروں میں سے ایک عمدہ وکہنہ مشق شاعر ہیں جب ان کے کلام میں فعل اول کو عمل دیا گیا ہے تو اگر اس کو عمل دینا اولیٰ نہ ہوتا تو ایسا اختیار نہ کرتے ۔

قولہ اذ لا قائل ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ شعر میں فعل اول کو عمل دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کو عمل دینا اولیٰ ہے کیونکہ ممکن ہے تساوی اعمالین کی تقدیر پر فعل اول کو عمل دیا گیا ہو اس لئے کہ کسی کے لئے اگر دو راستے ہوں اور دونوں ہی مقصود تک پہونچانے والے ہوں تو اگر ان میں سے ایک کو اختیار کیا جائے تو اس کو دوسرے پر اولویت و رجحان کی دلیل نہیں ہو سکتی جواب یہ کہ تساوی

Marfat.com

اعمالین کا کوئی نحوی قائل نہیں ہے بھلا وہ اس کو کیسے اختیار کرتے ؟

فاَجابَ المصنفُ عن طَرفِ البصریینَ وتالَ وَقولُ امرئ القیس کفانی ولَم اطلُبْ قلیلٌ من المالِ لیس منه اَیْ مِنْ بابِ التنازُعِ لفسَادِ المعنیٰ علیٰ تقدیر توجُّهِ کلٍّ من کفانی ولم اطلُبْ إلیٰ قلیلٍ من المالِ لاستلزامه عدَمَ السعیِ لادنیٰ معیشةٍ وانتفاءَ کفایةِ قلیلٍ من المالِ وثبوتَ طلبةِ المنافِی لکلٍ منهما وذلکَ لِاَنَّ لو تجعلُ بدخولها المثبتَ شرطًا کانَ اَوْجزاءً اَومعطوفاً علیٰ احدهما منفیاً وَالمنفی من ذٰلکَ مثبتاً فعلیٰ هذا ینبغی اَن یکُونَ مفعولُ لم اطلُبْ محذوفاً اَیْ لم اطلب العِزَّ والمجدَ کما یُدلُّ علیه البیتُ المتاخِّرُ اعنِی قولهٗ شعر ولکنّما اَسعیٰ المجدَ موثل ۔ وقد یُدرِکُ المجدَ الموثّلَ اَمثالی ۔ وَحینئذٍ یستقیمُ المعنیٰ یعنی اَنا لا اسعیٰ لِاَدنیٰ معیشةٍ ولا یکفِنی قلیلٌ من المالِ ولکنی اطلبُ المجدَ الاثیلَ الثابتَ

واَسعیٰ لهٗ

ترجمہ :۔۔۔ پس مصنف نے بصریوں کی طرف سے جواب دیا اور فرمایا (اور امرؤالقیس کا قول : کفانی ولم اطلب قلیلٌ من المالِ اس سے نہیں) یعنی باب تنازع سے نہیں (بوجہ فساد معنی) کفانی ولم اطلبْ میں سے ہر ایک کے قلیل من المال کی طرف ہونے کی تقدیر پر کیونکہ یہ توجیہ تھوڑی سی معاش کے لئے عدم سعی اور قلیل من المال کے کافی نہ ہونے اور شاعر کی اس طلب کے ثبوت جو عدم سعی اور انتفاء کفایت قلیل من المال میں سے ہر ایک کا منافی ہے ۔ کو مستلزم ہے اور یہ استلزام اس لئے ہے کہ حرف لو اپنے دخول کی وجہ سے مثبت کو شرط ہو یا جزاء یا ان میں سے کسی ایک پر معطوف ہو منفی کر دیتا ہے اور اس میں سے منفی کو مثبت کر دیتا ہے پس اس تقدیر پر مناسب ہے کہ لم اطلب کا مفعول محذوف ہو یعنی لم اطلب العِزّ والمجدَ جیسا کہ اس پر بعد والا بیت دلالت کرتا ہے مراد لیتا ہوں شاعر کا قول شعر ولکنما الخ ترجمہ اور بے شک میں پائیدار بزرگی کی تحصیل کی کوشش کرتا ہوں اور تحقیق کہ مجھ جیسا انسان پائیدار بزرگی کو پالیتا ہے اور اس وقت معنی درست ہوگا یعنی میں تھوڑی سی معاش کی تحصیل کے لئے کوشش نہیں کرتا اور نہ ہی مجھ کو تھوڑا مال کفایت کرتا ہے اور لیکن میں پائیدار و ثابت رہنے والی بزرگی کا طلبگار و کوشاں ہیں ۔

تشریح: ۔۔۔ قولہٗ فاجابَ المصنف ۔ بصریون کی طرف سے مصنف علیہ الرحمہ نے استدلال

Marfat.com

مذکور کا جواب دیا ہے کہ امرؤالقیس کا یہ قول تنازع کے باب سے نہیں ہے کیونکہ اگر تنازع کے باب سے مانا جائے تو شعر کے معنی میں فساد لازم آئیگا جیسا کہ تفصیل ایک ضابطہ پر آگے مذکور ہے۔

قولہ علیٰ تقدیر۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ امرؤالقیس جب عرب کے شاعروں میں ایک فصیح تر شاعر ہے تو ان کے شعر میں فساد معنی کیوں لازم آتا ہے؟ جواب یہ کہ اس میں فساد معنی مطلقاً نہیں بلکہ اس تقدیر پر لازم آتا ہے جب کہ اس کو باب تنازع سے مانا جائے کیونکہ اس صورت میں کفیٰ اور لم اطلُب دونوں قلیلٌ من المالِ کی طرف متوجہ ہوں گے جس سے اجتماع نقیضین لازم آئیگا جو محال ہے اس لئے کہ لو کے دخول سے شعر کا معنی یہ ہوتا ہے لم اسع لادنیٰ معیشۃٍ لم یکفنی قلیلٌ من المالِ و طلبتُ قلیلاً من المالِ اس میں جملۂ اخیر طلبت قلیلاً من المالِ ماقبل کے دونوں جملوں کے متناقض ہے لیکن جملۂ اولیٰ کے اس لئے کہ لم اسع لادنیٰ معیشۃٍ بمعنی لم اطلب قلیلاً من المالِ ہے اور ظاہر ہے طلبتُ قلیلاً من المال، لم اطلبُ قلیلاً من المالِ کی نقیض ہے اور جملۂ ثانیہ لم یکفنی قلیلٌ من المالِ کے اس لئے متناقض ہے کہ یہ کفانی قلیلٌ من المال کی نقیض ہے اور کفانی قلیلٌ من المالِ جزاء ہونے کی وجہ سے لو انما اسعیٰ لادنیٰ معیشۃٍ شرط کے لئے لازم ہے اور شرط ملزوم اور لازم کی نقیض ملزوم کے منافی ہوتی ہے تو لم یکفنی قلیلٌ من المال جو نقیض لازم ہے انما اسعیٰ لادنیٰ معیشۃٍ کے منافی ہوا جو ملزوم ہے اور جب انما اسعیٰ لادنیٰ معیشۃٍ کے منافی تو طلبت قلیلاً من المال کے بھی منافی ہوا کیونکہ انما اسعیٰ لادنیٰ معیشۃٍ بمعنی طلبت قلیلاً من المال ہے اور جب لم یکفنی قلیلٌ من المال منافی طلبت قلیلاً من المال ہوا تو طلبت قلیلاً من المال منافی لم یکفنی قلیلٌ من المال ہوا

قولہ ذلک:۔ شعر کو اگر باب تنازع سے مانا جائے تو اس میں معنیٰ کا فساد اس قاعدہ پر مبنی ہے کہ لو کا مدخول شرط ہو یا جزاء یا ان میں سے کسی ایک پر معطوف ہو تو اگر وہ لفظاً مثبت ہو تو معنیً منفی ہو جاتا ہے اور اگر لفظاً منفی ہو تو معنیً مثبت ہو جاتا ہے جیسے لو اکرمتنی اکرمتک میں شرط و جزاء لفظاً مثبت ہیں اور معنیً منفی کہ تعظیم متکلم اور تعظیم مخاطب دونوں مفقود ہیں یعنی نہ مخاطب نے تعظیم کی اور نہ ہی متکلم نے یونہی لو لم تکرمنی لم اکرمک (اگر تم میری تعظیم نہ کرتے تو تیری تعظیم نہ کرتا) میں شرط و جزاء لفظاً منفی ہیں اور معنیً مثبت کہ اکرام مخاطب اور اکرام متکلم دونوں متحقق ہیں چنانچہ شعر مذکور اگر باب تنازع سے ہو تو انما اسعیٰ لادنیٰ معیشۃٍ چونکہ مثبت ہے پس اس سے منفی لم اسع لادنیٰ معیشۃٍ متصور ہوگی اور کفانی کی جزاء مثبت ہے پس اس سے منفی لم یکفنی قلیلٌ من المالِ متصور ہوگی اور لم اطلبُ اس پر معطوف منفی ہے پس اس سے ثبوت طلبت قلیلاً من المال متصور ہوگا پس اصل عبارت یہ ہوگی لم اسع لادنیٰ معیشۃٍ لم یکفنی قلیلٌ من المالِ و طلبتُ قلیلاً من المال یعنی میں تھوڑی معیشت کے لئے کوشش

Marfat.com

نہیں کرتا اور نہ تھوڑا مال مجھ کو کافی ہے اور میں تھوڑا مال کو طلب کرتا ہوں ظاہر ہے یہ اجتماع نقیضین ہے جو قطعًا ممنوع ہے معلوم ہوا کہ یہ شعر باب تنازع سے نہیں ہے ۔

قولہ فعلیٰ ھذا ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ یہ شعر جب باب تنازع سے نہیں یعنی قلیلٌ من المال جب کفانی کا معمول ہے تو الم اطلبْ کا معمول کیا ہے ؟ جواب یہ کہ مفعول محذوف ہے یعنی لم اطلب العزَ والمجد پس شعر کا معنی قاعدہ مذکورہ کے مطابق یہ ہوا ماسعیتُ لادنیٰ معیشۃٍ وَما کفانی قلیلٌ من المالِ وطلبتُ العزَ والمجدَ اموثلُ ۔

قولہ کما یدل ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مفعول کے محذوف ہونے پر قرینہ کیا ہے ؟ جواب یہ کہ شعر لاحق ہے اور وہ ہے لکنما اسعیٰ الخ اس میں لکن استدراک کے لئے نہیں بلکہ لم اطلب سے جو طلب العزِ والمجد مفہوم ہوا تھا اس کی تاکید کے لئے ہے جیسے لو جارنی زیدٌ لاکرمتہ لکنہ لم یجئ میں لو جار سے جو ما جار زیدٌ مفہوم ہوتا ہے اس کی تاکید کرتا ہے ۔

مفعولُ ما لم یسمّ فاعلہٗ ای مفعولُ فعلٍ اوْ شبہ فعلٍ لم یذکر فاعلُہٗ وانما لم یفصّلہٗ عن الفاعلِ ولم یقلْ ومنہٗ کما فصّل المبتدا حیثُ قالَ ومنہا المبتداء لشدۃِ اتصالہٖ بالفاعلِ حتی سمّاہُ بعضُ النحاۃِ فاعلاً کلُّ مفعولٍ حُذِفَ فاعلُہٗ ای فاعلُ ذلکَ المفعولِ وانّما اُضیفَ الی المفعولِ لملابستہٖ کونہٖ فاعلاً لفعلٍ متعلقٍ بہٖ واقیمَ ھوَ ای المفعولُ مقامَہٗ ای مقامَ الفاعلِ فی اسنادِ الفعلِ اوْ شبہہٖ الیہ

ترجمہ : ـــــ (مفعول مالم یسمّ فاعلہٗ) یعنی ایسے فعل یا شبہ فعل کا مفعول کہ جس کا فاعل مذکور ہو اور مصنف نے مفعول مالم یسمّ فاعلہٗ کو فاعل سے جدا کر کے ومنہ مفعول مالم یسمّ فاعلہ نہیں فرمایا جس طرح کہ مبتدا کو جدا فرمایا جب کہ فرمایا ومنہا المبتداء اس لئے کہ مفعول مالم یسمّ فاعلہ کو فاعل کے ساتھ کافی اتصال ہے یہانتک کہ بعض نحویوں نے اس کا نام فاعل رکھ دیا ہے (ہر وہ مفعول ہے جس کا فاعل حذف کر دیا گیا ہو) یعنی اس مفعول کا فاعل اور فاعل کی نسبت مفعول کی طرف اس علاقہ کی وجہ سے کی گئی ہے کہ وہ ایسے فعل کا فاعل ہے جو مفعول سے تعلق رکھتا ہے (اور قائم کر دیا گیا ہو اس کو) یعنی مفعول کو (اس کے مقام پر) یعنی فاعل کے مقام پر فعل یا شبہ فعل کی نسبت فاعل کی طرف کرنے میں ،

Marfat.com

تشریح: ——— قولہ[1] ای مفعول ۔ اس تفسیر سے یہ اشارہ ہے کہ متن میں ملم سے مراد فعل یا شبہ فعل ہے اور ما کہا گیا عامل نہیں یعنی مفعول عامل لم یسم فاعلہٗ ہیں کہ وہ ظاہر الدلالۃ تھا لیکن چونکہ اس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ عامل سے متبادر فعل ہے پس اس سے شبہ فعل کا مفعول مالم یسم فاعلہٗ خارج ہو جاتا ہے اس لئے ماہی کو بیان کیا گیا۔

قولہ[2] لم یذکر ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ متن میں لم یسم فعل مجہول ہے جو تسمیہ سے ماخوذ ہے اور وہ متعدی ہوتا ہے دو مفعولوں کی طرف اور یہاں اس کا صرف پہلا مفعول فاعلہٗ مذکور ہے دوسرا نہیں جواب یہ کہ لم یسم مجازاً (از قبیل اطلاق ملزوم وارادۂ لازم) بمعنی لم یذکر ہے کیونکہ ذکر تسمیہ یعنی نام نہاد ن کو لازم ہے

قولہ[3] انما لم یفصلہ ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مفعول مالم یسم فاعلہٗ بھی مبتدا و خبر کی طرح مرفوعات کی الگ ایک قسم ہے پس جس طرح دوسری قسموں کو فمنہ الفاعل اور منہا المبتداء سے تعبیر کیا گیا ہے اسی طرح اس کو بھی ومنہ مفعول مالم یسم فاعلہٗ سے تعبیر کرنا چاہئیے ۔ جواب یہ کہ مفعول مالم یسم فاعلہٗ کو فاعل کے ساتھ کافی گہرا ربط ہے کہ اس کے قائم مقام ہوتا ہے اور اس کے متعدد احکام میں شریک بھی مثلاً مسند الیہ ہونے میں اور عامل کے بعد بلا فصل واقع ہونے میں اور عامل کی تقدیم ضروری ہونے میں اسی وجہ سے شیخ عبدالقاہر جرجانی اور اکثر بصریوں نے اس کو فاعل کے ساتھ موسوم کیا ہے خیال رہے کہ مفعول مالم یسم فاعلہٗ متقدمین کی تعبیر ہے لیکن ابن مالک اور قاضی بیضاوی وغیرہ نے نائب فاعل سے تعبیر کیا ہے اور یہ چونکہ بہ نسبت اول کے مختصر ہے اس لئے اب وہ اسی نام سے زیادہ مشہور ہے ۔

بیانہ[4] کل مفعول ۔ تعریف میں لفظ کل مستعمل نہیں ہوتا کہ وہ افراد کے لئے آتا ہے جب کہ تعریف ماہیت کی ہوتی ہے اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ کل کا ذکر یہاں تعریف کے لئے نہیں بلکہ مانعیت کے لئے ہے کیونکہ تعریف کا آغاز کل کے مدخول سے ہے کل سے نہیں پس اس میں کل مفعول بمنزلۂ جنس ہے جس میں تمام مفاعیل داخل ہیں اور حذف فاعلہٗ بمنزلۂ فصل بعید ہے کہ جس سے وہ تمام مفاعیل خارج ہو گئے جن کا فاعل محذوف نہیں ہوتا جیسے ضرب زید عمرًا اور اقیم ہو مقامہٗ بمنزلۂ فصل قریب ہے جس سے وہ تمام مفاعیل خارج ہو گئے کہ جن کا فاعل محذوف تو ہوتا ہے لیکن وہ قائم مقام نہیں ہوتے جیسا کہ آگے مذکور ہے ۔ خیال رہے کہ فاعل کے محذوف ہونے کی آٹھ وجہیں ہیں (۱) فاعل معلوم نہیں جیسے سُرِق المتاع (۲) خساست مقصود ہو جیسے شُتِم الخلیف (۳) اختصار مقصود ہو جیسے اُقمت الصلوٰۃ (۴) غرض سامع فی

Marfat.com

ہو جیسے قُتِلَ عدُوّک (۵) ابہام کی وجہ جیسے ضُرِبَ زیدٌ (۶) قوافی کی موافقت مقصود ہو جیسے وَمَا المالُ والاھل الا ودائعُ + ولابدّ یومًا ان یردالودائعَ (۷) رعایت سجع مقصود ہو جیسے ارشاد باری تعالیٰ وَمَا لاحدٍ عندہٗ من نعمۃٍ تجزیٰ (۸) مخاطب کے جاننے کی وجہ جیسے رب تعالیٰ کا ارشاد ہے اِذا بعثرَ ما فی القبور،

قولہ ۵ اَیْ فاعل ذلک ۔ اس تفسیر سے فاعلہٗ کی ضمیر مجرور کے مرجع کو بیان کیا گیا ہے اور اِنّما اُضیف سے جواب ہے اس سوال کا کہ فاعل کی ضمیر مجرور کا مرجع مفعول نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ اگرچہ ماقبل میں مذکور ہے لیکن اس کی طرف اضافت درست نہیں کیونکہ فاعل فعل کا ہوتا ہے مفعول کا نہیں جواب یہ کہ اضافت کے لئے ادنیٰ مناسبت کافی ہے اس لئے کہ فاعل کو فعل سے تعلق ہے اور فعل کو مفعول سے پس فاعل کو مفعول سے بواسطۂ فعل تعلق ہوا ۔

بیانہ ۶ اُقیما ھوَ ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ فاعل جملہ میں جزاء اصلی ہوتا ہے جس کا حذف قطعًا جائز نہیں جواب یہ کہ اس کا حذف اس وقت جائز نہیں جب کہ کوئی دوسرا قائمقام نہ ہو اور یہاں قائمقام موجود ہوتا ہے ۔ ھو ضمیر منفصل تاکید ہے اُقیمَ میں ھو ضمیر مستتر کی کیونکہ دونوں کا مرجع مفعول ہی ہے اس کو محض اس وہم کے ازالہ کے لئے بیان کیا گیا ہے کہ اُقیمَ فعل مجہول کا نائب فاعل ہو ضمیر مستتر نہیں بلکہ مقامہٗ ہے

وَشرطہٗ ۱ اَیْ شرطُ مفعولِ مالم یسّم فاعلُہٗ فی حَذْفِ فاعلہٖ واقامتہٖ مقامَ الفاعلِ ۲ اِذا کان عاملُہٗ فعلًا ۳ اَنْ تغیّر صیغۃُ الفعلِ اِلیٰ فُعِلَ اَیْ اِلی الماضی المجہولِ اَوْ یُفْعَلُ اَیْ اِلی المضارعِ المجہولِ لیتناول مثلُ انْفُعِلَ واُستفعِلَ ویُفتعلُ ویُستفعلُ وغیرھا من الافعالِ المجہولۃِ المزیدِ فیہا

ترجمہ : ـــــ (اور اس کی شرط) یعنی مفعول مالم یسّم فاعلہٗ کے فاعل کو حذف کرنے اور اس کو فاعل کی جگہ پر قائم کرنے میں جب کہ اس کا عامل فعل ہو شرط (یہ ہے کہ متغیر کر دیا جائے صیغۂ فعل فُعِلَ کی طرف) یعنی ماضی مجہول کی طرف (یا یُفْعَلُ) یعنی مضارع مجہول کی طرف پس فُعِلَ ویُفْعَلُ میں سے ہر ایک شامل ہوگا اُنْفُعِلَ واُسْتُفْعِلَ ویُفْتَعَلُ ویُسْتَفْعَلُ وغیرھا افعال مجہولہ مزید فیہا کی مثل کو

تشریح :ـــــ قولہ ۱ اَیْ شرط ۔ اس تفسیر سے شرطہٗ کی ضمیر مجرور کے مرجع کو بیان کیا گیا ہے اور فی

Marfat.com

حذفِ فاعلہ سے جواب ہے اس سوال کا کہ مفعول مالم یسم فاعلہ کی ذات میں کوئی تغیر پیدا نہیں ہوتا بلکہ وہ تغیر کے بغیر ہی موجود ہوتا ہے جواب یہ کہ یہ شرط موجود ہونے میں نہیں بلکہ اس کے فاعل کے محذوف ہونے اور اس کو فاعل کی جگہ پر قائم کرنے میں ہے۔

قولہ اِذا کان۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اسم مفعول کے مفعول مالم یسم فاعلہ میں شرط مذکور نہیں پائی جاتی جیسے زیدٌ مضروبٌ غلامہ جواب یہ کہ یہ شرط اس وقت ہے جب کہ عامل فعل ہو کیونکہ شبہ فعل کے صیغہ کا حکم یہاں متروک ہے جو بالمقابلہ معلوم کرلیا جاسکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ شبہ فعل کا صیغہ اسم مفعول کے صیغہ کی طرف بدل دیا گیا ہو۔ یعنی مثلاً ضاربٌ کا صیغہ مضروب کی طرف بدل دیا گیا ہو۔

قولہ اَی الیٰ الماضی المجھول۔ یہ اور آنے والی تفسیر الی المضارع سے جواب ہے اس سوال کا کہ شرط مذکور ثلاثی مزید فیہ اور رباعی مجرد و رباعی مزید فیہ کے مفعول مالم یسم فاعلہ میں نہیں پائی جاتی جیسے دُحرِجَ زیدٌ اور یُقاتَلُ زیدٌ جواب یہ کہ فُعِلَ ماضی مجہول کا علم اور یُفعَلُ مضارع مجہول کا علم ہے پس یہ تمام ابواب کے ماضی مجہول کو شامل ہوجائیگا یا یہ کہ فُعِل سے مراد مطلقاً ماضی مجہول ہے یونہی یُفعَلُ سے مراد مطلقاً مضارع مجہول ہے۔

ولا یقعُ موقعَ الفاعلِ المفعولُ الثانی مِن مفعولَی بابِ علمتُ لانہ مسندٌ الی المفعولِ الاوّلِ اسناداً تاماً فلو اُسنِدَ الفِعلُ الیہ ولا یکونُ اِسنادُہٗ اِلّا تاماً لزِمَ کونُہٗ مسنداً ومسنداً الیہ معاً مع کونِ کلٍّ من الاسنادینِ تاماً بخلافِ اَعجبنی ضربُ زیدٍ عمراً لانّ احدَ الاسنادینِ وھو اِسنادُ المصدرِ غیرُ تامٍ ولا المفعولُ الثالثُ من مفاعیلِ بابِ علمتُ اِذ حکمُہٗ حکمُ المفعولِ الثانی من بابِ علمتُ فی کونہٖ مسنداً

ترجمہ: ——— (اور واقع نہیں ہوتا) فاعل کے مقام پر (مفعول ثانی باب علمت) کے دو مفعولوں (کا) کیونکہ مفعول ثانی مفعول اول کی طرف مسند باسناد تام ہوتا ہے پس اگر فعل کی اسناد مفعول ثانی کی طرف کیجائے جب کہ اس کی اسناد تام ہی ہوتی ہے تو مفعول ثانی کا ایک ساتھ مسند و مسندالیہ ہونا لازم آئیگا دونوں اسنادوں میں سے ہر ایک کا تام ہونے کے باوجود برخلاف اعجبنی ضربُ زیدٍ عمراً اس لئے کہ اس کی دو اسنادوں میں سے ایک اور وہ مصدر کی اسناد تام نہیں ہے (اور نہ) مفعول

Marfat.com

(ثالث باب علمت) کے مفاعیل (کا) کیونکہ اس کے مفعول ثالث کا حکم مسند ہونے میں باب علمت کے مفعول ثانی کے حکم کی طرح ہے ۔

تشریح: ـــــ بیانہ لا یقع ۔ تعریف مذکور اُقیم ہو مقامہ کی قید سے جن مفعولوں کو اجمالی طور پہ خارج کیا گیا تھا یہاں اُن ہی مفعولوں کو تفصیلی طور پر خارج کیا جاتا ہے کہ باب علمت کا مفعول ثانی فاعل کا قائم مقام نہیں ہوتا البتہ مفعول اول قائم مقام ہو سکتا ہے اسی طرح باب علمتُ کا مفعول ثالث بھی فاعل کا قائم مقام نہیں ہوتا (دونوں کی وجہ آگے شرح میں مذکور ہے البتہ اس کے مفعول اول اور مفعول دوم فاعل کے قائم مقام ہو سکتے ہیں لیکن مفعول دوم کو استعمال نہیں دیکھا گیا ہے ۔ واضح ہو کہ باب علمتُ سے مراد وہ فعل یا شبہ فعل ہے جو ایسے دو مفعولوں کی طرف متعدی ہو جن میں سے اول مسند الیہ ہو اور دوم مسند ہو اسی طرح باب علمت سے مراد وہ فعل یا شبہ فعل ہے کہ جو تین مفعولوں کی طرف متعدی ہو ۔

قولہ موقع الفاعل ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ یہ صحیح نہیں کہ باب علمت کا مفعول ثانی واقع نہیں ہوتا بلکہ واقع ہے جیسے علمتُ زیدًا فاضلًا جواب یہ کہ باب علمتُ کے مفعول ثانی کے واقع نہ ہونے سے مراد فاعل کی جگہ پر واقع نہ ہونا ہے

قولہ من مفعولی ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مِن کا ما قبل مدخول کا جزء ہوتا ہے جیسے الماءُ من البحر اور ظاہر ہے مفعول ثانی باب علمت کا جزء نہیں جواب یہ کہ باب علمتُ سے پہلے مضاف محذوف ہے یعنی من مفعولیٔ باب علمتُ یہی حال ہے باب اعلمتُ سے پہلے مفاعیل کی تقدیر کا

قولہ لانہ مسندٌ ۔ یہ دلیل ہے دعویٰ مذکور کی جس کا حاصل یہ کہ مفعول ثانی مفعول اول کی طرف مسند باسناد تام ہوتا ہے پس اگر اس کو فاعل کا قائم مقام بنایا جائے تو مسند الیہ باسناد تام ہو جائیگا اور ایک ترکیب میں ایک اسم کا باسناد تام مسند و مسند الیہ دونوں ہونا لازم آئیگا جو ممنوع ہے البتہ باب علمتُ کا مفعول اول فاعل کا قائم مقام ہو سکتا ہے جیسے عُلِم زیدٌ فاضلًا لیکن یہ متقدمین کے نزدیک ہے اور متاخرین اس کے مفعول دوم کو بھی فاعل کا قائم مقام ہونا جائز قرار دیتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ ایک اسم کا باسناد تام مسند و مسند الیہ دونوں ہونا اس وقت ممنوع ہے جب کہ ایک جہت ہو اور یہاں دو جہت سے ہے کہ باعتبار مفعول اول مسند باسناد تام ہے اور باعتبار فعل مجہول مسند الیہ باسناد تام ہے ۔ جس طرح ایک اسم مضاف و مضاف الیہ دونوں ہوتا ہے ما قبل کے اعتبار سے مضاف الیہ اور ما بعد کے اعتبار سے مضاف جیسے شرح مائۃ کے دیباچہ میں ہے افضلُ علماء الأنام خیال رہے کہ اسناد کو جو تام کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے

Marfat.com

بیان واقع کے لئے کہ وہ تام ہی ہوتی ہے ناقص نہیں یا یہ کہ اسناد سے یہاں مراد چونکہ نسبت ہے از قبیل ذکر خاص وارادہ خاص اس لئے اس کو تام کیساتھ ذکر کیا گیا۔

بیانہ بخلاف اعجبنی۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ ایک ترکیب میں ایک اسم کا مسند ومسندالیہ دونوں ہونا ممنوع نہیں بلکہ واقع ہے چنانچہ اعجبنی ضَرْبُ زیدٍ عمرًا میں ضَرْب اعجب فعل کا مسندالیہ بھی ہے اور زید کی طرف مسند بھی جواب یہ کہ مسند ومسندالیہ دونوں ہونا جو ممنوع ہے اسناد تام کے اعتبار سے اور یہاں دونوں اسناد تام ہونے کے اعتبار سے نہیں کیونکہ ضَرْب اَعجبَ کا مسندالیہ باسناد تام ہے لیکن زید کی طرف مسند باسناد ناقص ہے کیونکہ ضَرْب مصدر ہے جس کی اسناد تام نہیں ہوتی۔

وَالمفعولُ لہٗ بلا لامٍ لاَنَّ النصبَ فیہِ شعرٌ بالعلیۃِ فلو اُسندَ الیہِ لفاتَ النصبُ وَالاشعارُ بخلافِ ما اِذا کانَ مع اللامِ نحو ضُرِبَ للتادیب وَالمفعولُ معہٗ کذلکَ اَیْ کلٌّ مِنَ المفعولِ لہٗ والمفعولِ معہٗ کذلکَ اَیْ کالمفعولِ الثانِی والثالثِ من باب علمتُ واَعلمتُ فی انہما لایقعانِ موقعَ الفاعلِ اَما المفعولُ لہٗ فلِما عرفتَ وَاَمّا المفعول معہٗ فلاَنّہ لایجوزُ اقامتُہٗ مقامَ الفاعلِ مع الواوِ التی اصلُہا العطفُ وَھی دلیلُ الانفصالِ وَالفاعلِ کالجزءِ من الفعلِ ولا بدون الواوِ فانّہٗ لم یُعرَفْ حینئذٍ کونہ مفعولاً معہٗ

ترجمہ:۔۔۔ (اور مفعول لہٗ) لام کے بغیر اس لئے کہ مفعول لہٗ میں نصب علت ہونے کی خبر دیتا ہے پس اگر فعل کی اسناد مفعول لہٗ کی طرف کیجائے تو نصب اور خبر دینا فوت ہو جائیگا برخلاف جب کہ مفعول لہٗ لام کے ساتھ ہو جیسے ضُرِبَ للتادیب (اور مفعول معہٗ ایسے ہی ہیں) یعنی مفعول لہٗ اور مفعول معہٗ میں سے ہر ایک اسی طرح یعنی فاعل کے مقام میں واقع نہ ہونے میں باب علمت اور باب اعلمت کے مفعول ثانی اور مفعول ثالث کی طرح ہیں لیکن مفعول لہٗ اس بنا پر جو آپ پہچان چکے اور لیکن مفعول معہٗ تو اس لئے کہ اس کو فاعل کی جگہ پر قائم کرنا واؤ کے ساتھ کہ جس کی اصل عطف ہے، جائز نہیں اور واؤ انفصال کی دلیل ہے اور فاعل جزء فعل کی مانند ہوتا ہے اور بدون واؤ بھی قائم کرنا جائز نہیں کیونکہ اس وقت اس کا مفعول معہٗ ہونا معلوم نہ ہو سکے گا

تشریح:۔۔۔ بیانہ والمفعول لہ۔ وہ معطوف ہے المفعول الثانی پر یعنی فاعل کی جگہ پر مفعول لہٗ

Marfat.com

بھی واقع نہ ہوگا اس لئے کہ اس کا علت ہونے پر دلالت کرتا ہے اور جب اس کو فاعل کا قائم مقام بنایا جائے تو وہ مرفوع ہو جائیگا اور اس کا نصب زائل ہو جائے گا اور علت ہونے پر جو دلالت ہوتی ہے وہ دلالت ختم ہو جائیگی۔

قولہ بلا لام یہ جواب ہے اس سوال کا کہ یہ صحیح نہیں ہے کہ مفعول لہٗ فاعل کی جگہ پر واقع نہیں ہوتا حالانکہ ضُرِبَ للتادیب میں للتادیب مفعول لہٗ ہے جو فاعل کی جگہ پر واقع ہے جواب یہ کہ مفعول لہٗ سے یہاں مراد وہ ہے جو بغیر لام ہو یعنی جس کے شروع میں لام جارہ مقدر ہوا اور مثال مذکور میں لام جارہ ملفوظ ہے جو علت ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ پس جس مفعول لہٗ کے شروع میں لام جارہ ملفوظ ہو وہ فاعل کی جگہ پر واقع ہو سکتا ہے۔

قولہ ضُرِبَ للتادیب۔ للتادیب میں لام جارہ زائدہ ہے اور حرف جر زائد کسی فعل یا شبہ فعل سے متعلق نہیں ہوتا پس جملہ کا جزء یعنی فاعل یا مفعول صرف مجرور ہوگا جار و مجرور دونوں نہیں پس اس مثال کی ترکیب یہ ہوگی ضُرِبَ فعل مجہول لام جارہ زائدہ ال حرف تعریف تادیب مجرور لفظًا، مرفوع تقدیرًا یا محلًا نائب فاعل فعل مجہول اپنے نائب فاعل سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

قولہ ای کل من المفعول لہٗ۔ اس عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ متن میں کذلک خبر المفعول لہٗ المفعول معہٗ کی اور کذلک میں ذلک کا مشارٌ الیہ صرف المفعول ہے الثانی اور الثالث نہیں کہ یہ دونوں اس کے مصداق ہیں پس المفعول کیساتھ اس کے مصداق مذکور ہے مشار الیہ نہیں۔

قولہ امّا المفعول معہٗ۔ مفعول معہ فاعل کا قائم مقام نہ تو واؤ کے ساتھ ہو سکتا ہے اور نہ واؤ کے بغیر۔ واؤ کیساتھ اس لئے نہیں کہ وہ واؤ اصل میں عطف کے لئے ہے جو اپنے ماقبل کا مابعد سے منفصل ہونے پر دلالت کرتا ہے اور فاعل، فعل کے لئے بمنزلہ جزء ہوتا ہے جو اتصال کی دلیل ہے اس لئے واؤ کے ساتھ مفعول معہٗ کو اگر فاعل قائم مقام کر دیا جائے تو ایک وقت میں ماقبل سے اس کا اتصال و انفصال دونوں لازم آئیں گے جو باطل ہے اور واؤ کے بغیر فاعل کا قائم مقام اس لئے نہیں ہو سکتا کہ اس کے بغیر وہ مفعول معہ، نہ رہے گا اور مفروض کے خلاف لازم آئیگا کیونکہ کلام مفعول معہٗ کے متعلق ہے خیال رہے کہ حال و مستثنیٰ بھی فاعل کا قائم مقام نہیں ہوتے اسی طرح تمیز بھی مگر کسائی کے نزدیک تمیز کو نائب فاعل بنانا جائز ہے پس ان کے نزدیک طاب زیدٌ نفسًا میں طیبتُ نفسُ کہنا جائز ہے

Marfat.com

وَاِذَا وُجِدَ الْمَفْعُوْلُ بِهٖ فِی الْکَلَامِ مَعَ غَیْرِہٖ مِنَ الْمَفَاعِیْلِ الَّتِیْ یَجُوْزُ وُقُوْعُھَا مَوْقِعَ الْفَاعِلِ تَعَیَّنَ اَیِ الْمَفْعُوْلُ بِہٖ لَہٗ اَیْ لِوُقُوْعِہٖ مَوْقِعَ الْفَاعِلِ لِشِدَّۃِ شَبَھِہٖ بِالْفَاعِلِ فِیْ تَوَقُّفِ تَعَقُّلِ الْفِعْلِ عَلَیْھِمَا فَاِنَّ الضَّرْبَ مَثَلًا کَمَا اَنَّہٗ لَا یُمْکِنُ تَعَقُّلُہٗ بِلَا ضَارِبٍ کَذٰلِکَ لَا یُمْکِنُ تَعَقُّلُہٗ بِلَا مَضْرُوْبٍ بِخِلَافِ سَائِرِ الْمَفَاعِیْلِ فَاِنَّھَا لَیْسَتْ بِھٰذِہِ الصِّفَۃِ

ترجمہ:۔۔۔ (اور جب پایا جائے مفعول بہ) کلام میں ان دوسرے مفعولوں کیساتھ کہ جن کا فاعل کی جگہ پر واقع ہونا جائز ہے (تو متعین ہو جائے گا) یعنی مفعول بہ (اس کے لئے) یعنی فاعل کی جگہ پر واقع ہونے کے لئے اس لئے کہ مفعول بہ فاعل کے ساتھ فعل کے تعقل کے فاعل و مفعول پر موقوف ہونے میں سخت مشابہت رکھتا ہے کیونکہ مثلاً ضرب کا تعقل ضارب کے ممکن نہیں اسی طرح اس کا تعقل بغیر مضروب کے ممکن نہیں برخلاف باقی مفعولات کہ وہ اس صفت کیساتھ نہیں۔

تشریح:۔۔۔ بیانہ اِذا وُجِدَ۔ جب اُن مفعولوں کی نفی ہو گئی جو فاعل کے قائم مقام ہونے کی صلاحیت نہیں تو اب ان مفعولوں کو بیان کیا جاتا ہے جو فاعل کے قائمقام ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور وہ یہ پانچ ہیں (۱) مفعول بہ (۲) مفعول فیہ زمانی (۳) مفعول فیہ مکانی (۴) مفعول مطلق (۵) مفعول بواسطہ اور جب کلام میں مفعول بہ پایا جائے اور اس کیساتھ چاروں یا بعض مفعولات پائے جائیں تو فاعل کے قائم مقام ہونے میں مفعول بہ ہی متعین ہوگا اس لئے کہ فاعل کیساتھ لفظی و معنوی مناسبت صرف مفعول بہ ہی کو حاصل ہے دوسرے مفعولات کو نہیں کیونکہ بعض مفعولات کو اگر لفظی مناسبت حاصل ہے تو معنوی نہیں اور اگر معنوی حاصل ہے تو لفظی نہیں لیکن مفعول بہ کو لفظی مناسبت یہ حاصل ہے کہ وہ فاعل کی علامت کو قبول کرتا ہے اگر کوئی مانع نہ ہو اور یہ معنوی یہ حاصل ہے کہ مطلق فعل کے مفہوم میں جس طرح نسبت اِلیٰ فاعلٍ مّا داخل ہے اسی طرح فعل متعدی کے مفہوم میں بھی نسبت الیٰ مفعولٍ ما داخل ہے پس مطلق جس طرح تعقل فاعل پر موقوف ہے اسی طرح فعل متعدی بھی تعقل مفعول بہ پر موقوف ہوا مثلاً ضرب کا تعقل جس طرح ضارب کے بغیر ممکن نہیں اسی طرح مضروب کے بغیر بھی ممکن نہیں پس مفعول بہ کو فاعل کیساتھ تعقل فعل کے لئے موقوف علیہ ہونے میں معنوی مناسبت حاصل ہوئی اور ظاہر ہے یہ تعقل مفعول فیہ زمانی و مکانی اور مفعول مطلق میں مفقود ہے البتہ لفظی مناسبت یہ حاصل ہے کہ وہ فاعل کی علامت کو قبول کرتے ہیں اگر کوئی مانع نہ ہو اور مفعول بواسطہ چونکہ حقیقۃً مفعول بہ ہی ہے اس لئے اس

Marfat.com

میں معنوی مناسبت موجود تو ہے لیکن لفظی نہیں کہ وہ مجرور ہونیکی وجہ سے فاعل کی علامت کو قبول نہیں کرتا۔

قولہ فی الکلام۔ کلام کا ذکر بیان واقع کے لئے ہے کہ مفعول بہ کلام ہی میں پایا جاتا ہے اور مع غیرہ سے جواب ہے اس سوال کا کہ مفعول بہ جب کلام میں پایا جائے تو وہ فاعل کے قائم مقام ہونے کے لئے متعین ہی ہے پھر تعین لہ کہنا فضول ہوا جواب یہ کہ اس سے مراد ہے کہ مفعول بہ اگر دوسرے مفعولوں کے ساتھ پایا جائے تو فاعل کے قائم مقام ہونے میں مفعول بہ ہی متعین ہوگا یا یہ اس سوال کا جواب ہے کہ اذا وجد المفعول بہ بشرط ہے اور تعین لہ جزا جو شرط پر مرتب نہیں کیونکہ جزاء اشتراک کا مقتضی ہے کہ مفعول بہ کیساتھ دوسرے مفعولات بھی پائے جائیں جو فاعل کے قائم مقام ہونے کی صلاحیت رکھ سکے اور ظاہر ہے وہ جانب شرط میں مذکور نہیں جواب یہ کہ جانب شرط میں یہ عبارت محذوف ہے مع غیرہ من المفاعیل التی یجوز وقوعہا موقع الفاعل۔

قولہ یجوز وقوعہا۔ مفعول بہ اگر باقی چاروں مفعولات کے ساتھ پایا جائے تو بصریون کے نزدیک مفعول بہ کو فاعل کی جگہ پر قائم کرنا ضروری ہے اور دوسرے مفعولات کو ممنوع اور کوفیون کے نزدیک ضروری تو نہیں البتہ قائم کرنا اولیٰ ہے جب کہ دوسرے مفعولات کو بھی قائم کرنا جائز ہے شرح کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کشارح کے نزدیک کوفیون کا مسلک مختار ہے۔

قولہ ای المفعول بہ۔ اس عبارت سے تعین میں ضمیر مرفوع کے مرجع کو بیان کیا گیا ہے اور ای لوقوعہ سے جواب ہے اس سوال کا کہ لہ کی ضمیر مجرور کا مرجع اقامت ہے جو اُقیم ھو سے مستفاد ہے پس ضمیر مرجع کے مطابق نہ ہوئی کہ ضمیر مذکر ہے اور مرجع مؤنث ہے جواب یہ کہ مرجع اقامت نہیں بلکہ وقوع ہے جو لا یقع سے مستفاد ہے اور لشدۃ شبہہ سے دلیل ہے تعین لہ کی جیسا کہ تفصیل گذر چکی۔

تقولُ ضُرِبَ زیدٌ باقامۃ المفعولِ بہ مقامَ الفاعِلِ یومَ الجمعۃِ ظرفُ زمانٍ امامَ الامیرِ ظرفُ مکانٍ ضرباً شدیداً مفعولٌ مطلقٌ للنوعِ باعتبارِ الصفۃِ وفائدتُہٗ وصفُ الضربِ بالشدۃِ اَلتنبیہُ علیٰ انّ المصدرَ لایقومُ مقامَ الفاعلِ بلاقیدٍ مخصّصٍ اِذلا فائدۃَ فیہِ لدلالۃِ الفعلِ علیہِ فی دارٍ بہٖ جارٌ ومجرورٌ شبیہٌ بالمفاعیلِ اُقیمَ مقامَ الفاعلِ مثلُھا فتعیّنَ زیدٌ

ترجمہ:۔۔۔ (چنانچہ آپ کہیں گے ضُرِبَ زیدٌ) مفعول بہ کو فاعل کی جگہ پر رکھ کر (یوم الجمعۃ) ظرف زمان ہے (امام الامیر) ظرف مکان ہے (ضرباً شدیداً) مفعول مطلق باعتبار صفت نوع کے لئے ہے۔ ضرب

Marfat.com

کو شدت کیساتھ متصف کرنے میں فائدہ اس امر پر تنبیہ کرنا ہے کہ مصدر قید مخصص کے بغیر فاعل کی جگہ پر قائم نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ اس میں کوئی فائدہ نہیں کیونکہ اس پر فعل دلالت کرتا ہے (فی دارہ) جار مجرور ہے جو مفاعیل کے مشابہ ہے فاعل کی جگہ پر مفاعیل کی طرح قائم کیا جاتا ہے (پس زید متعین ہوگیا)

تشریح: ـــــ بیانہ تقول ۔ اس مثال سے حکم مذکور کی وضاحت مقصود ہے کہ زید مفعول بہ ہے جس کو فاعل کے قائم مقام کیا گیا ہے جب کہ اس کے ساتھ وہ چاروں مفعولات بھی ہیں جو فاعل کے قائم مقام ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں، یوم الجمعۃ ظرف زمانٍ یعنی مفعول فیہ زمانی ہے اور امام الامیر ظرف مکان یعنی مفعول فیہ مکانی ہے اور ضرباً شدیداً مفعول مطلق نوعی ہے اور فی دارہ مفعول بواسطہ ہے۔

قولہ ظرف زمان ۔ ظرف زمان و مکان سے مراد زمان معین و مکان معین ہے اسی طرح مفعول مطلق غیر تاکیدی ہے کیونکہ جب ان میں سے ہر ایک فاعل کی جگہ پر ہوگا تو ہر ایک فاعل ہوگا اور فاعل محل فائدہ ہوتا ہے اور ان مفعولات میں اگر ان قیدوں کا لحاظ نہ ہو تو اس سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا کیونکہ خود ہی مطلق زمانہ پر اور مفعول مطلق تاکید پر وضعی طور پر دلالت کرتے ہیں اور مطلق مکان پر التزامی طور پر دلالت کرتے ہیں۔

قولہ مفعول مطلق ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مفعول مطلق نوعی بروزن فِعلۃ آتا ہے اور ضرباً شدیداً اس وزن پر نہیں پس وہ مفعول مطلق نوعی نہ ہوا جواب یہ کہ مفعول مطلق نوعی کبھی بروزن فِعلۃ آتا ہے جیسے صبغۃ اور کبھی بطور اضافت جیسے جلستُ جلوس الامیر اور کبھی بطور صفت جیسے ضرباً شدیداً

قولہ وفائدۃ وصف ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مقصود یہاں صرف مفعول مطلق کی مثال ہے جو صرف ضرباً سے حاصل ہے پھر اس کے ساتھ شدیداً کا اضافہ کیوں کیا گیا؟ جواب یہ کہ اس سے یہ تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ مصدر قید مخصص کے بغیر فاعل کے قائم مقام نہیں ہوتا کیونکہ مصدر پر فعل خود ہی دلالت کرتا ہے پس اس سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا جب کہ فاعل محل فائدہ ہوتا ہے۔

قولہ جار و مجرور ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مفعول فیہ مکانی کی ماتن نے دو مثالیں لکھی ہے ایک امام الامیر اور دوسری فی دارہ اس کی کیا وجہ ہے؟ جواب یہ کہ مفعول فیہ مکانی کی صرف ایک مثال امام الامیر ہے اور فی دارہ اس کی مثال نہیں بلکہ وہ جار و مجرور کی مثال ہے جو فضلہ ہونے میں ان مفعولات کے مشابہ ہے جو فاعل کے قائم مقام ہوتے ہیں مگر حق یہ ہے کہ وہ بھی مفعول فیہ مکان ہے جیسا کہ جمہور نحات بلکہ مصنف کا بھی یہی خیال ہے اس لئے اب یہ جواب دیا جائے کہ ایک مفعول فیہ مکانی بلا واسطہ ہوتا ہے اور دوسرا

Marfat.com

بواسطہ امام الامیر بلا واسطہ کی مثال ہے اور فی دارہم بواسطہ کی مثال ہے ۔

وإن لم یکن ای وان لم یوجد فی الکلام المفعول بہ فالجمیع ای جمیع ما سوی المفعول بہ سواء فی جواز وقوعها موقع الفاعل والمفعول الاول من باب اعطیت ای الفعل المتعدی الی مفعولین ثانیهما غیر الاول اولی بان یقام مقام الفاعل من المفعول الثانی لان فیه معنی الفاعلیة بالنسبة الی الثانی لانه عاط ای اخذ نحو اعطی زید درهما مع جواز اعطی درهم زیدا وذلک عند الامن من اللبس واما عند عدمه فیجب اقامة المفعول الاول نحو اعطی زید عمرا

ترجمہ ـــــ (اور اگر نہ ہو) یعنی اگر کلام میں مفعول بہ موجود نہ ہو (تو سب) یعنی مفعول بہ کے علاوہ سب (برابر ہیں) ان کا فاعل کی جگہ پر واقع ہونے کے جائز ہونے میں (اور) مفعول (اول باب اعطیت کا) یعنی فعل متعدی بدو مفعول کہ جس کا دوسرا مفعول پہلے مفعول کا غیر ہو (اولیٰ ہے) کہ فاعل کے قائم مقام کیا جائے مفعول (ثانی سے) اس لئے کہ اس میں مفعول ثانی کی بہ نسبت فاعلیت کا معنی موجود ہے کیونکہ مفعول اول عاطی یعنی پکڑنے والا ہے جیسے اُعطِیَ زیدٌ درہمًا باوجودیکہ جائز ہے اُعطِیَ درہمٌ زیدًا اور یہ جائز ہونا اس وقت ہے جب کہ التباس سے مامون ہو لیکن جب مامون نہ ہو تو مفعول اول کو قائم کرنا واجب ہے جیسے اُعطِیَ زیدٌ عمرًا ۔

تشریح : ـــ بیانہ وان لم یکن ۔ یعنی وہ پانچ مفعولات جو نائب فاعل ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں اگر کلام میں کل یا بعض موجود ہیں لیکن مفعول بہ موجود نہ ہو تو نائب فاعل ہونے میں سب برابر ہیں جیسے جُلِسَ یوم الجمعة امام الامیر جلوسًا کثیرًا فی دارہ ۔ جو بھی فاعل کی جگہ پر قائم ہوگا وہ مرفوع ہوگا البتہ مفعول بواسطہ کہ وہ اگرچہ محلًا مرفوع ہوگا لیکن لفظًا ہمیشہ مجرور ہوگا کہ وہ حرف جر کا مدخول ہے ۔ یہ جمہور نحات کے نزدیک ہے کہ ہر مفعول کو نائب فاعل بنانا برابر ہے لیکن بعض نحویوں نے مفعول بواسطہ کو ترجیح دیا ہے اور بعض نے مفعول مطلق کو اور بعض نے مفعول فیہ کو ۔

قولہ ای وان لم یوجد : اس عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ متن میں یکن فعل ناقص نہیں بلکہ فعل تام ہے جو خبر کا محتاج نہیں ۔ فالجمیع شرط مذکور کی جزاء ہے خبر نہیں کہ اس میں فا خبر ہونے کے منافی ہے ۔ اور

Marfat.com

فی الکلام سے جواب ہے اس سوال کا کہ ہر فعل متعدی کے لئے مفعول بہ کا ہونا ضروری ہے لہذا ایسا نہیں ہو سکتا کہ فعل متعدی ہو اور مفعول بہ نہ ہو جواب یہ کہ مفعول بہ کے موجود نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ کلام میں موجود نہ ہو کیونکہ نفس الامر میں ہر فعل متعدی کے لئے مفعول بہ کا ہونا ضروری ہے۔

قولہ[۳] اَیْ جمیع۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ شرط سے مفعول بہ کا موجود نہ ہونا معلوم ہوتا ہے اور جزاء سے موجود ہونا۔ یہ دو متنافی کا اجتماع ہے جو ناجائز ہے جواب یہ کہ جزاء میں مراد ہے مفعول بہ کے علاوہ کا موجود ہونا۔

قولہ[۴] فی جواز وقوعھا۔ یہ اس وہم کا ازالہ ہے کہ کلام میں اگر مفعول بہ موجود نہ ہو تو تمام مفعولات کا فاعل کی جگہ پر واقع نہ ہونا برابر ہوگا حاصل ازالہ یہ کہ برابر ہونے سے مراد یہ ہے کہ مفعول بہ اگر موجود نہ ہو تو تمام مفعولات فاعل کی جگہ پر واقع ہونے میں برابر ہیں۔

قولہ[۵] اَیْ الفعل المتعدی۔ اس عبارت سے یہ بتایا گیا ہے کہ باب اعطیت سے مراد ترکیب اضافی نہیں بلکہ وہ فعل ہے جیسا کہ گذرا کہ متعدی ہو دو مفعولوں کی طرف جس کا دوسرا مفعول پہلے مفعول کا غیر ہو اور اکتفا ایک مفعول پر جائز ہو۔

قولہ[۶] لان فیہ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مفعول اول کو فاعل کی جگہ پر قائم کرنا مفعول ثانی سے اولیٰ کیوں ہے؟ جواب یہ کہ مفعول اول میں فاعلیت کا معنی موجود ہے کہ وہ آخذ ہوتا ہے جیسے اُعطِیَ زیدٌ درہمًا جب کہ اُعطِیَ درہمٌ زیدًا بھی جائز ہے۔ لیکن یہ اس وقت ہے جب کہ التباس کا خطرہ نہ ہو اور جب خطرہ ہو تو مفعول اول ہی کو فاعل کی جگہ پر قائم کرنا ضروری ہے جیسے اُعطِیَ زیدٌ عمرًا میں اگر عمر کو فاعل کی جگہ پر قائم کیا جائے تو زید کیساتھ التباس ہو جائیگا کیونکہ اس مثال سے مقصود یہ ہے کہ زید کو عمر عطا کیا گیا اور جب اس کا برعکس کیا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ عمر کو زید عطا کیا گیا اور یہ مقصود کے خلاف ہے۔

---

[۱] وَمنھا المبتداءُ والخبرُ فی[۲] بعض النسخِ وَمنہُ یعنی من جُملۃِ المرفوعاتِ اَوْ مِنْ جملۃِ المرفوعِ المبتداءُ والخبرُ جمعھما[۳] فی فصلٍ واحدٍ للتلازُمِ الواقعِ بینھما علیٰ ما ھو الاصل فیھما واشترکھما فی العامل المعنوی

ترجمہ: ـــــ (اور اُن ہی میں سے مبتدا و خبر ہیں) بعض نسخوں میں ومنہ ہے یعنی جملہ مرفوعات سے یا جملہ مرفوع سے مبتدا و خبر ہیں دونوں کو ایک ہی فصل میں

Marfat.com

اس تلازم کی وجہ سے جمع فرمایا ہے جو کہ دونوں کے درمیان اُس طور پر واقع ہے کہ جو دونوں میں اصل ہے اور مبتدا و خبر کے عامل معنوی میں مشترک ہونے کی وجہ سے ۔

تشریح: — بیانہ[1] ومنہا ۔ ضمیر مجرور کو مؤنث بیان کیا گیا جس کا مرجع مرفوعات ہے جب کہ ماقبل میں ومنہ الفاعل ہے اس کو مذکر بیان کیا گیا ہے جس کا مرجع مرفوع ہے غالبًا اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ مرجع دونوں کو بتایا جاسکتا ہے لیکن بتقدیر اول مرجع ضمنی ہوگا اور بتقدیر دوم مرجع صریحی ہوگا ۔ ترکیب میں منہا خبر مقدم ہے اور المبتدا والخبر مبتدا موخر اور خبر کو مقدم حصر کی وجہ سے کیا گیا ہے معنی یہ ہوا کہ مبتدا وخبر مرفوعات ہی کے اقسام سے ہیں مجرور ومنصوب کے اقسام سے نہیں ۔

قولہ[2] فی بعض ۔ اکثر نسخوں میں ضمیر مجرور کو مؤنث دیکھا گیا ہے اور بعض نسخوں میں مذکر دیکھا گیا ہے اصل عبارت یہ ہے من جملۃ المرفوعات یا من جملۃ المرفوع ۔ مرفوع سے پہلے جملۃ کی تقدیر سے یہ اشارہ ہے کہ من کا مدخول مرفوع نہیں ہو سکتا کہ وہ متعدد پر داخل ہوتا ہے اور مرفوع متعدد نہیں کہ وہ ماہیت پر دلالت کرتا ہے پس جملۃ المرفوع کا معنی ہوا مِنْ اَفْرادِ المرفوع البتہ مرفوعات سے پہلے جملہ کی تقدیر اگرچہ فضول معلوم ہوتی ہے کہ مرفوعات خود ہی تعدد پر دلالت کرتا ہے لیکن اس کو اس وجہ سے بیان کیا گیا کہ مصنف کا کلام فصحاء کے کلام کے مطابق ہو جائے کہ وہ لوگ تفصیل سے پہلے اجمال کو بیان کرتے ہیں اسی وجہ سے مرفوعات جو کہ مفصل ہے اس سے پہلے جملہ کو بیان کیا گیا کہ وہ مجمل ہے

قولہ[3] جمعہما ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مبتداء وخبر مرفوع کی دو الگ الگ قسمیں ہیں تثنے میں دونوں کو الگ عنوان سے کیوں بیان فرمایا؟ جواب یہ کہ دونوں میں تلازم ذکری ہے کہ مبتدا مسندالیہ ہوتا ہے اور خبر مسند ہوتی ہے اور مسند نہ مسندالیہ نے بغیر پایا جاتا ہے اور مسند نہ مسندالیہ کے بغیر پایا جاتا ہے اس لئے دونوں کو ایک عنوان سے ایک جگہ جمع کیا گیا اور اس لئے بھی کہ دونوں کا عامل معنوی ہے ۔

قولہ[4] ماھو الاصل ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مبتدا کی ایک قسم وہ بھی ہے جس کی کوئی خبر نہیں ہوتی پس مبتدا وخبر میں تلازم نہ ہوا جواب یہ کہ اصل مبتدا یہی ہے کہ وہ مسندالیہ ہو اور جو مبتدا مسندالیہ ہوگا اس کے لئے خبر لازم ہے کہ وہ مسند ہوتی ہے

---

[1] فالمبتداءُ ھُوَ الاسمُ لفظًا[2] اَوْ تقدیرًا لیتناول نحوَ اَنْ تصوموا خیرٌ لکم المجرّدُ عن العوامِلِ اللفظیۃِ اَیِ[3] الذی لَمْ یوجدْ فیہ عامِلٌ[4] لفظیٌّ اَصلًا واحترزَ بہٖ عن الاسمِ الذی

فیہِ عامِلٌ لفظیٌّ کاسمی اِنَّ وکَانَّ وکَاَنَّہٗ ارادَ بالعامِلِ اللفظیّ ما یکونُ موثراً فی المعنی لئلا یخرج عنہ مثلُ بحسبک درھمٌ مسنداً الیہ واحترزَ بہٖ عن الخبرِ وثانی قسمی المبتداءِ الخارجِ عن ھٰذا القسمِ فانّھما لایکونانِ الامسندینِ

ترجمہ: ـــــ (تو مبتدا وہ اسم ہے) عام ہے لفظی طور پر ہو یا تقدیری طور پر تاکہ تعریف اَنْ تصوموا خیرٌ لکم کی مانند کو شامل ہو جائے (جو خالی ہو عوامل لفظیہ سے) یعنی وہ جس میں عامل لفظی بالکل نہ پایا جائے اور مصنف اس قید سے اس اسم سے احتراز فرمایا جس میں عامل لفظی ہو جیسے انّ اور کانّ کے دو اسم اور مصنف نے گویا عامل لفظی سے وہ عامل مراد لیا ہے جو معنی میں مؤثر ہو تاکہ مبتدا کی تعریف سے بحسبک درہم کی مثل خارج نہ ہو جائے (مسند الیہ ہوتے ہوئے) اور مصنف نے اس قید سے اور مبتدا کی دو قسموں میں سے دوسری قسم جو اس قسم سے خارج ہے سے احتراز فرمایا کیونکہ خبر اور مبتدا کی دوسری قسم مسند ہی ہوتی ہیں

تشریح: ـــــ بیانہٗ[1] فالمبتداء۔ مبتدا چونکہ مسند الیہ ہونے کی وجہ سے طبعاً مقدم ہے اس لئے اس کو ذکر میں بھی مقدم کیا گیا کہ مبتدا وہ اسم ہے جو عامل لفظی سے خالی ہوتے ہوئے مسند الیہ ہو اور المبتداء معرف بلام جنس ہے جو مفید حصر ہے اور ہو ضمیر فصل بھی مفید حصر ہے لیکن اول مسند الیہ کے حصر کا فائدہ دیتا ہے جو جامعیت تعریف کی طرف مُشیر ہے اور دوم مسند کے حصر کا فائدہ دیتی ہے جو مانعیت تعریف کی طرف مُشیر ہے

قولہٗ[2] لفظاً۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تعریف جامع نہیں کیونکہ اس سے اَنْ تصوموا خیرٌ لکم میں اَن تصوموا خارج ہو جاتا ہے کیونکہ وہ مبتدا ہے لیکن اسم نہیں جواب یہ کہ اسم سے مراد عام ہے کہ لفظاً ہو یا تقدیراً مثال مذکور میں اَنْ تصوموا میں اَن مصدریہ کے داخل ہونے کی وجہ سے بتاویل مصدر ہو کر اسم ہو گیا ہے یعنی صیامکم خیر لکم۔ سوال مقولہ تسمع بالمعیدی خیر من اَنْ تراہُ میں مبتدا تسمع صرف فعل ہے جس سے پہلے حرف ناصب مذکور نہیں جواب تسمع سے پہلے ان ناصبہ مقدر ہے جس سے وہ مصدر کی تاویل میں ہو گیا ہے، معیدی ایک شخص تھا وہ بظاہر اچھا تھا مگر حقیقت میں بہت خراب تھا اور اب وہ ہر ایسے شخص کے لئے مثل ہو گیا جو ظاہر میں اچھا ہے اور باطن میں بُرا ہو۔

قولہٗ[3] ای الذی لم یوجد۔ اس عبارت سے اس قاعدہ کی طرف اشارہ ہے کہ الف لام جب اسم مفعول پر داخل ہو تو وہ الذی کے معنی میں ہوتا ہے اور اسم مفعول فعل مجہول کے معنی میں اور مجرد سے چونکہ یہ مفہوم ہوتا ہے کہ مبتدا پر پہلے عامل لفظی ہو پھر اس سے مجرد کر لیا جائے حالانکہ ایسا نہیں ہوتا اس لئے اس

Marfat.com

کالازمی معنی لم یوجد یعنی ملزوم سے لازم مراد لیا گیا۔ لیکن متن میں لم یوجد اس لئے بیان نہیں کیا گیا کہ المجرد سے عبارت میں اختصار کے علاوہ اس امر پر تنبیہ ہو کہ اصل عامل لفظی ہے جو عامل معنوی کی طرف عدول کیا گیا ہے

قولہ[۴] عامل لفظی۔ اس عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ متن میں عوامل لفظیہ اگرچہ جمع کثرت ہے لیکن اس سے مراد جنس عامل لفظی ہے کہ اس پر الف لام داخل ہونے کی وجہ سے جمعیت باطل ہو گئی ہے اور عامل چونکہ وصفیت سے اسمیت کی طرف منقول ہے اس لئے اس کا الف لام بمعنی الذی نہیں کیونکہ اس تقدیر پر عامل بمنزلۂ جامد ہو گیا ہے۔ اور اصلاً کی قید جملہ مذکورہ کی تاکید ہے کہ جس سے مراد وجود عامل لفظی کا عدم بطور سلب کلی ہے بطور رفع ایجاب کلی نہیں۔

قولہ[۵] واحترز بہ۔ تعریف کے جامع و مانع ہونے کی طرف اس عبارت سے اشارہ کیا جاتا ہے کہ اسم بمنزلۂ جنس ہے جو فاعل۔ مفعول مالم یسم فاعلہٗ، خبر انّ وکانّ۔ اسم ما ولا مشابہ بلیس۔ خبر لائے نفی جنس۔ خبر مبتدا اور مبتدا کی قسم ثانی کو بھی شامل ہے اور مجرد از عوامل لفظیہ بمنزلۂ فصل بعید ہے جس سے پہلا پانچواں اسم خارج ہو گئے کیونکہ وہ وہ ایسے اسم ہیں کہ جن کا عامل لفظی ہوتا ہے اور مسند الیہ بمنزلۂ فصل قریب ہے جس سے آخری دونوں اسم خارج ہو گئے کیونکہ وہ عوامل لفظیہ سے مجرد ضرور ہیں لیکن مسند ہیں مسند الیہ نہیں۔

قولہ[۶] کانّہ اراد۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ بحسبک درہمٌ میں حسب مبتدا ہے لیکن وہ عامل لفظی سے مجرد نہیں کہ اس پر باء عامل داخل ہے جواب یہ کہ عامل لفظی سے مراد وہی ہے جو ابتدائے کتاب میں مذکور ہوا کہ جو معنی میں مؤثر ہو یعنی وہ جس سے معنی حقیقی فاعلیت یا مفعولیت یا اضافت حاصل ہو اور ظاہر ہے مثال مذکور میں یہ مفقود ہے کیونکہ باء سے معنی اضافت حاصل ہوتا ہے جیسے مررتُ بزید میں با کا متعلق مُررت ہے جس سے مرور کی اضافت مدخول کی طرف ہوتی ہے اور مثال مذکور میں باء زائدہ ہے جس کا کوئی متعلق نہیں ہوتا پھر اس سے معنی اضافت کیسے حاصل ہوگا۔

---

[۱] اَوِ الصِّفَةُ [۲] سواءٌ کانت مشتقةً کضَارِبٍ ومضروبٍ وحسنٍ اَوْ جاریةً مجراھا کقرشیٍّ [۳] اَلواقِعَةُ بعدَ حرفِ النفیِ [۴] کما ولا

ترجمہ: ـــــ (یا وہ صفت) عام ہے مشتق ہو جیسے ضارب ومضروب وحسن یا مشتق کے قائمقام ہو جیسے قریشی (جو واقع ہو حرف نفی) جیسے ما ولا (کے بعد)

Marfat.com

تشریح :۔۔۔ بیانہ اَوالصفۃ ۔ یہ مبتدا کی دوسری قسم کا بیان ہے کہ مبتدا یا وہ صیغۂ صفت ہو جو حرف نفی یا الف استفہام کے بعد واقع ہو کر اسم ظاہر کو رفع دے جیسے ما قائم الزیدان میں قائم صیغۂ صفت ہے جو حرف نفی کے بعد واقع ہو کر الزیدان کو رفع دیتا ہے۔ اَو یہاں تنویع و تقسیم محدود کے لئے آیا ہے جو ابتدائے حد میں محدود کے کل اقسام کی شمولیت کا فائدہ دیتا ہے کیونکہ حد میں اسم محدود کی پہلی قسم مسند الیہ اور دوسری قسم صیغۂ صفت دونوں کو شامل ہے اس لئے کہ اسم سے یہاں وہ مراد ہے جو فعل و حرف کا مقابل ہو صفت کا نہیں ۔

قولہ سواء کانت ۔ یہ جواب اس سوال کا کہ تعریف جامع نہیں اس لئے کہ قرشیٌّ خالدٌ میں قرشیٌّ مبتدا ہے لیکن وہ صیغۂ صفت نہیں جواب یہ کہ صفت سے مراد عام ہے کہ مشتق ہو جیسے اسم فاعل و اسم مفعول و صفت مشبہ یا اس کا قائم مقام ہو جیسے قرشیٌّ کہ وہ منسوب بسوئے قریش کے معنی میں ہے اور منسوب مشتق ہے جس کے قائم مقام قرشیٌّ ہے ۔

بیانہ الواقعۃ ۔ صیغۂ صفت کو حرف نفی یا الف استفہام کے بعد واقع ہونے کے ساتھ اس لئے مقید کیا گیا کہ وہ اپنے مابعد کا عامل ہوتا ہے جس کے لئے اعتماد مذکور ضروری ہے پس اس سے قائمٌ زیدٌ میں قائمٌ خارج ہو گیا کہ وہ صیغۂ صفت ہے لیکن اس سے پہلے اعتماد مذکور نہیں پس وہ خبر مقدم ہو گا اور زیدٌ قائمٌ ابوہ میں قائمٌ صیغۂ صفت کا اعتماد چونکہ مبتدا پر ہے اس لئے وہ خبر ہو گا مبتدا نہیں اور مررتُ برجلٍ ضاربٍ ابوہ بکرًا میں ضارب بھی صیغۂ صفت ہے لیکن اس کا اعتماد موصوف پر ہے اس لئے وہ صفت ہو گا مبتدا نہیں اور جاءنی زیدٌ راکبًا غلامُہ فرسا میں راکبًا بھی صیغۂ صفت ہے لیکن اس کا اعتماد ذوالحال پر ہے اس لئے وہ حال ہو گا مبتدا نہیں ۔

قولہ کما ولا ۔ یہ مثال ہے حرف نفی صریح کی جیسے ما ولا قائم الزیدان اور مثال حرف نفی ضمنی کی جیسے انما قائم الزیدان میں انما سے ضمنًا نفی مستفاد ہے کہ وہ برائے حصر ہے جس میں نفی و اثبات دونوں متصور ہوتے متن میں اگر بعد حرف النفی کے بجائے صرف بعد النفی کہا جائے تو اختصار کے علاوہ لفظ غیر کو بھی شامل ہو جاتا لیکن حرف نفی کو غالبًا اصل ہونے کی وجہ سے بیان کیا گیا ہے کہ وہ نفی میں اصل ہے اور اس لئے بھی کہ لفظ غیر ہمیشہ مضاف واقع ہوتا ہے اور صیغۂ صفت مضاف الیہ اور مضاف الیہ کا عامل جمہور کے نزدیک مضاف ہوتا ہے اور مصنف کے نزدیک حرف جار مقدر، دونوں عوامل لفظیہ سے ہیں جب کہ مبتدا کی دوسری قسم کا بھی عوامل لفظیہ سے مجرد ہونا ضروری ہے اگرچہ متن میں اختصار کی وجہ سے اس کو چھوڑ دیا گیا ہے ۔

Marfat.com

اَوْ الف الاستفهامِ وَنحوہ[1] کھل وما ومَنْ وعن[2] سیبویہ جوازُ الابتداء بھا مِن غیر استفہامٍ ونفیٍ مع قبحٍ والاخفشُ یریٰ ذلک حسناً وعلیہ قولُ الشاعرِ ع فخیرٌ نحن عند النّاسِ منکم فخیرٌ مبتداءٌ ونحن فاعلُہٗ ولو جُعِلَ[3] خیرٌ خبراً عن نحن لفصلَ بین اسم التفضیلِ ومعمولہ الذی ھُو مِن باَجنبیٍّ وھو غیرُ جائزٍ لضُعفِ عملہ بخلافِ مالو کان فاعلاً لکونہ کالجزءِ

ترجمہ :۔ (یا الف استفہام) اور اس جیسے (کے بعد) جیسے ھل اور ما اور مَنْ اور سیبویہ سے بغیر استفہام ونفی کے صیغۂ صفت کے مبتدا ہونے کا جواز قباحت کیساتھ منقول ہے اور اخفش اس کو جائز سمجھتے ہیں اور اخفش کی راء پر شاعر کا یہ قول ہے ع ترجمہ ہم لوگوں کے نزدیک آپ سے بہتر ہیں پس خیر مبتدا ہے اور نحن اس کا فاعل اور اگر خیر کو نحن کی خبر قرار دیا جائے تو اسم تفضیل اور اس کے معمول جو کہ من ہے، کے درمیان اجنبی سے فصل لازم آئیگی اور وہ جائز نہیں کیونکہ اسم تفضیل کا عمل ضعیف ہے برخلاف اگر خیر کو فاعل قرار دیا جائے تو اجنبی سے فصل لازم نہ آئیگی اس لئے کہ فاعل مثل جزء ہوتا ہے۔

تشریح :۔ قولہ[1] ونحوہ ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تعریف جامع نہیں اس لئے کہ ھل قائم الزیدان میں قائم اور ما جالسٌ اخواک میں جالسٌ اور من ذاھبٌ ابناک میں ذاھبٌ مبتدا کی دوسری قسم ہیں لیکن وہ الف استفہام کے بعد واقع نہیں جواب یہ کہ عبارت میں معطوف محذوف ہے یعنی او الف الاستفہام ونحوہٗ اور الف استفہام کو یہاں اصل ہونے کی وجہ سے بیان کیا گیا ہے خیال رہے کہ من وما اس تقدیر پر مفعول ہونگے مبتدا نہیں کہ مبتدا صیغۂ صفت ہوگا۔

قولہ[2] وعن سیبویہ ۔ صیغۂ صفت کا مبتدا ہونے کے لئے حرف نفی یا الف استفہام پر اعتماد جمہور کے نزدیک ہے لیکن سیبویہ اعتماد کے بغیر اس کو جائز قرار دیتے ہیں مگر قباحت کیساتھ اور اخفش بلا قباحت جائز قرار دیتے ہیں جیسا کہ شاعر کے قول ع فخیر نحن عند الناس منکم میں خیر صیغۂ صفت مبتدا ہے اور نحن اس کا فاعل قائم مقام خبر ہے لیکن خیر سے پہلے اعتماد مذکور نہیں جمہور کی طرف اس کے تین جوابات ہیں ایک یہ کہ خیر اسم تفضیل ہے جس کے فاعل کا اسم ظاہر یا ضمیر بارز ہونا مسئلہ کحل میں منحصر ہے اور شعر مذکور اسی قبیل سے ہے پس خیر مبتدا نہیں بلکہ خبر ہے مبتدا محذوف نحن کی اور نحن مذکور خیر میں ضمیر مستتر فاعل کی تاکید ہے دوسرا جواب یہ کہ وہ فصحاء کے کلام سے نہیں ہے کہ اس کو دلیل کے طور پر پیش کیا جائے تیسرا جواب یہ کہ ضرورت شعری کی وجہ سے

Marfat.com

اعتماد مذکور محذوف ہوگیا ہے ۔

قولہ ولو جعل ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ ممکن ہے خبر مبتدا نہیں بلکہ خبر ہو اور نحن اس کا مبتدا ہو جواب یہ کہ خبر اگر خبر ہوگی تو فصل اجنبی عامل اور معمول کے درمیان لازم آئیگی اس لئے کہ خبر عامل ہے اور معمول منکم ہے جن دونوں کے درمیان نحن مبتدا فصل اجنبی ہے کہ وہ خبر کے معمولات سے نہیں اور عامل بھی قوی نہیں کہ وہ اسم تفضیل ہے جو عمل میں ضعیف ہوتا ہے البتہ نحن کے فاعل ہونے سے بھی اگرچہ فصل لازم آتی ہے لیکن اجنبی کہ فاعل جزء شئی کی مانند ہوتا ہے ۔

رافعۃ لظاھر وما یجری مجراہ وھو الضمیر المنفصل لئلا یخرج عنہ نحو قولہ تعالیٰ اراغب انت عن الھتی یا ابراھیم واحترز بہ عن نحو قائمان الزیدان لان قائمان رافع لضمیر عائد الی الزیدان ولو کان رافعا لھذا الظاھر لم یجز تثنیۃ

ترجمہ :۔ (درآں حالیکہ رفع دیتی ہو اسم ظاہر کو) اور اس کو جو اسم ظاہر کے قائم مقام ہو اور وہ ضمیر منفصل ہے تاکہ اس سے اللہ تعالیٰ کے قول اراغب انت عن الھتی یا ابراہیم کی مثل خارج نہ ہو اور مصنف نے اس قید سے قائمان الزیدان جیسی ترکیب سے احتراز فرمایا اس لئے کہ قائمان اس ضمیر کو رفع دیتا ہے جو الزیدان کی طرف راجع ہے اور اگر وہ اسم ظاہر کو رفع دیتا تو اس کو تثنیہ لانا جائز نہ ہوتا ۔

تشریح :۔ بیانہ رافعۃ ۔ یہ حال ہے الواقعۃ کی ضمیر سے اصل عبارت یہ ہے کہ حال کون تلک الصیغۃ رافعۃ لظاہر اور ما یجری مجراہ سے جواب ہے اس سوال کا کہ تعریف اب بھی جامع نہیں کیونکہ اراغب انت عن الھتی یا ابراہیم میں راغب مبتدا ہے لیکن اسم ظاہر کو رفع نہیں دیتا بلکہ انت ضمیر کو رفع دیتا ہے جواب یہ کہ ظاہر سے مراد عام ہے کہ وہ اسم ظاہر ہو یا اس کا قائم مقام یعنی ضمیر منفصل ہو یعنی وہ اسم مراد ہے جو تلفظ میں مستقل ہو خواہ وہ اسم ظاہر ہو یا ضمیر منفصل ہو یہ بصریون کے نزدیک ہے کہ ان کے نزدیک صیغۂ صفت ضمیر منفصل کو بھی رفع دیتا ہے لیکن کوفیون کا مذہب اس کا برعکس ہے کہ وہ ضمیر منفصل کو رفع دینے کا قول نہیں کرتے

قولہ واحترز بہ ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ تعریف میں اس قید کو کیوں بیان کیا گیا ؟ کہ صیغۂ صفت اسم ظاہر کو رفع دے ۔ جواب یہ کہ اس قید سے مقصود آقائمان الزیدان کی مثل کو خارج کرنا ہے کیونکہ اس میں صیغۂ صفت الزیدان اسم ظاہر کو نہیں بلکہ اسم ضمیر معصل کو رفع دیتا ہے اس لئے کہ وہ اگر

Marfat.com

اسم ظاہر کو رفع دیتا تو اس کو تثنیہ لایا نہیں جاتا کیونکہ فاعل کو رفع دینے والا اگر فاعل پر مقدم ہو تو اس رافع کو ہمیشہ واحد لایا جاتا ہے حالانکہ اس کو تثنیہ لایا گیا ہے۔

مِثْلُ زَيْدٌ قَائِمٌ مِثَالٌ لِلْقِسْمِ الْاَوَّلِ مِنَ الْمُبْتَدَاءِ وَمَا قَائِمٌ الزَّيْدَانِ مِثَالٌ لِلصِّفَةِ الْوَاقِعَةِ بَعْدَ حَرْفِ النَّفْيِ وَاَقَائِمٌ الزَّيْدَانِ مِثَالٌ لِلصِّفَةِ الْوَاقِعَةِ بَعْدَ حَرْفِ الْاِسْتِفْهَامِ.

ترجمہ: ـــــ (جیسے زید قائم) مبتدا کی قسم اول کی مثال ہے (اور ما قائم الزیدان) اس صفت کی مثال ہے جو حرف نفی کے بعد واقع ہے (اور اَقائم الزیدان) اس صفت کی مثال ہے جو حرف استفہام کے بعد واقع ہے

تشریح: ـــــ قولہ مِثَالٌ لِلْقِسْمِ الْاَوَّلِ ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ ماتن نے مبتدا کی تین مثالیں کیوں بیان فرمایا؟ جب کہ مثال وضاحت کے لئے ہوتی ہے جو صرف ایک سے کافی ہے جواب یہ کہ پہلی مثال مبتدا کی قسم اول کی ہے اور دوسری مثال مبتدا کی قسم ثانی میں اس صفت کی ہے جو حرف نفی کے بعد واقع ہے اور تیسری مثال اس صفت کی ہے جو حرف استفہام کے بعد واقع ہے۔

فَاِنْ طَابَقَتِ الصِّفَةُ الْوَاقِعَةُ بَعْدَ حَرْفِ النَّفْيِ وَالْاِسْتِفْهَامِ اِسْمًا مُفْرَدًا مَذْكُورًا بَعْدَهَا نَحْوُ مَا قَائِمٌ زَيْدٌ وَاَقَائِمٌ زَيْدٌ وَاحْتَرَزَ بِهٖ عَمَّا اِذَا طَابَقَتْ مُثَنًّى نَحْوَ اَقَائِمَانِ الزَّيْدَانِ اَوْ مَجْمُوعًا نَحْوَ اَقَائِمُوْنَ الزَّيْدُوْنَ فَاِنَّهَا حِيْنَئِذٍ خَبَرُ لَيْسَ اِلَّا جَازَ الْاَمْرَانِ كَوْنُ الصِّفَةِ مُبْتَدَاءً وَمَا بَعْدَهَا فَاعِلُهَا يُسَدُّ مَسَدَّ الْخَبَرِ وَكَوْنُ مَا بَعْدَهَا مُبْتَدَاءً وَالصِّفَةُ خَبَرًا مُقَدَّمًا عَلَيْهِ

ترجمہ: ـــــ (پس اگر مطابق ہو وہ) صفت جو حرف نفی و استفہام کے بعد واقع ہو اس اسم (مفرد کے) جو صفت کے بعد مذکور ہے جیسے ما قائم زیدٌ اور اَقائم زیدٌ اور مصنف نے مفرد کی قید سے اس صورت سے احتراز فرمایا جب کہ صفت مثنی کے مطابق ہو جیسے اَقائمان الزیدان یا مجموع کے جیسے اَقائمون الزیدون پس اس وقت صفت خبر کے سوا کچھ نہیں (تو دونوں صورتیں جائز ہیں) صفت کا مبتدا ہونا اور اس کے مابعد کا، اس کا فاعل ہونا جو خبر کے قائم مقام ہے اور صفت کے مابعد کا مبتدا ہونا اور صفت کا خبر ہونا جو مبتدا پر مقدم ہے۔

تشریح: ـــــ بیانہ فَاِنْ طَابَقَتْ ۔ یہ تفصیل ہے مذکورہ صیغۂ صفت کی کہ وہ اگر اسم ظاہر کا مفرد ہونے میں مطابق ہو یعنی صیغۂ صفت کیطرح اسم ظاہر بھی مفرد ہو

Marfat.com

جیسے اَقائمٌ زیدٌ تو دو صورتیں جائز ہیں ایک یہ کہ صیغۂ صفت اسم ظاہر کو رفع کریگا اس صورت میں صیغۂ صفت مبتدا ہوگا اور اسم ظاہر فاعل ہوگا جو قائم مقام خبر ہے دوسری یہ کہ صیغۂ صفت اسم ظاہر کو رفع نہ کرے گا اس صورت میں صیغۂ صفت خبر مقدم ہوگا اور اسم ظاہر مبتدا موخر پس دونوں صورتوں میں وہ جملہ اسمیہ ہوگا لیکن قام زیدٌ کہ اگر زید کو مبتدا موخر قرار دیا جائے تو جملہ اسمیہ ہوگا اور اگر فاعل قرار دیا جائے تو جملہ فعلیہ ہوگا اسی لئے اقائمٌ زیدٌ میں زید فاعلیت کے لئے متعین نہیں اور قام زیدٌ میں متعین ہے ورنہ فاعل کا مبتدا کیساتھ التباس لازم آئیگا کہ دونوں کا مؤدیٰ مختلف ہے اور اَقائمٌ زیدٌ میں التباس لازم نہیں آئے گا کیونکہ دونوں کا مؤدیٰ ایک ہے پس دونوں صورتوں کے جائز ہونے کی وجہ اتحاد مؤدیٰ ہے۔

قولہ الصفۃ الواقعۃ ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ متن میں طابقت کی ضمیر مستتر کا مرجع نہ مطلق صیغۂ صفت ہوسکتا ہے اور نہ ہی صفت مذکورہ۔ مطلق صیغۂ صفت اس لئے نہیں کہ اس سے قائم زیدٌ میں بھی دو طریقے جائز ہونا لازم آئے گا حالانکہ اس میں صرف ایک طریقہ جائز ہے یعنی صیغۂ صفت کا خبر مقدم ہونا اور اسم ظاہر کا مبتدا موخر ہونا اور صفت مذکورہ اس لئے نہیں کہ اس سے یہ لازم آئے گا کہ جس اسم ظاہر میں صفت مذکورہ رفع کرتی ہے اس کا فاعل ہونا اور مبتدا ہونا دونوں جائز ہوں حالانکہ جس اسم ظاہر میں صفت مذکورہ رفع کرتی ہے اس کو مبتدا بنانا محال ہے مثلاً اَقائمٌ زیدٌ میں زید کو جب قائم رفع دے تو زید مبتدا نہیں ہوسکتا کہ مبتدا عامل لفظی سے خالی ہوتا ہے جواب یہ کہ مرجع صفت مذکورہ ہی ہے لیکن اس تقدیر پر کہ صفت مذکورہ جو اسم ظاہر کو رفع کرتی ہے اس اسم ظاہر کا مبتدا ہونا بھی ممکن ہو یعنی مبتدا بنانے کے وقت اسم ظاہر کو رافع نہ مانا جائے

قولہ اسمًا ۔ اس کا ذکر محض بیان واقع کے لئے ہے کہ یہ بحث مرفوعات ہے جو اسم سے متعلق ہے فعل وحرف سے نہیں اسی طرح مذکورًا بعدھا کا ذکر بھی بیان واقع کے لئے ہے کیونکہ جو مفرد ایسے صیغۂ صفت کے مطابق ہو جو حرف نفی یا الف استفہام کے بعد واقع ہو تو وہ مفرد اس صفت کے بعد ہی واقع ہوتا ہے اس لئے کہ اگر پہلے واقع ہو تو حرف نفی والف استفہام کا مفرد پر داخل ہونا لازم آئیگا صفت پر نہیں اور اگر صفت پر داخل ہو تو اس کی صدارت مفقود ہو جائیگی۔

قولہ واحترز بہ ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مطابقت مفرد ہی کے ساتھ کیوں ضروری ہے؟ مثنی ومجموع کے ساتھ کیوں نہیں؟ جواب یہ کہ صیغۂ صفت اگر مثنی کے مطابق ہو جیسے اَقائمانِ الزیدان یا مجموع کے مطابق ہو جیسے اَقائمون الزیدون تو آگے جو جاز الامران کہا گیا ہے درست نہ ہوگا

Marfat.com

کیونکہ ایسی صورت میں صرف ایک امر جائز ہوتا ہے یعنی صیغۂ صفت کا خبر مقدم اور اسم ظاہر کا مبتدا مؤخر ہونا جیسا کہ گذرا۔

قولہ کون الصفة ۔ ایک امر کا بیان کون اول سے کیا گیا ہے اور دوسرے کا بیان کون دوم سے اول کا حاصل یہ کہ جائز ہے صیغۂ صفت کا مبتدا ہونا اور اس کے مابعد کا فاعل ہونا جو جملہ کے تام ہونے میں خبر کا قائم مقام ہے جیسے اَقائمٌ زیدٌ خبر اس لئے نہیں ہے کہ وہ مسند الیہ نہیں ہوئی جب کہ وہ یہاں مسند الیہ واقع ہے نیز اس کا عامل صیغۂ صفت ہے حالانکہ خبر کا عامل معنوی ہوتا ہے اور وہ یہاں لفظی ہے اور اسم ظاہر مسند الیہ اس لئے واقع ہے کہ اس کو صیغۂ صفت رفع دیتا ہے اور وہ خبر کے علاوہ فاعل بھی ہوتا ہے دوم کا حاصل یہ کہ جائز ہے صیغۂ صفت کے مابعد کا مبتدا ہونا اور صیغۂ صفت کا خبر مقدم ہونا کیونکہ خبر ایسے امر کو شامل ہے جو صدارت کلام کو مقتضی ہے اور وہ حرف نفی والف استفہام ہے۔

فههنا ثلاثُ صُوَرٍ احدُها اَقائمانِ الزیدانِ ویتعینُ حینئذٍ اَنْ یکونَ الزیدانِ مبتدأً واَقائمانِ خبراً مقدماً علیهِ وثانیهُما اَقائمٌ الزیدانِ ویتعیّنُ حینئذٍ اَنْ یکونَ الزیدانِ فاعلاً للصفةِ قائماً مقامَ الخبرِ وثالثتها اَقائمٌ زیدٌ ویجوزُ فیهِ الامرانِ کما عرفت

ترجمہ: ــــ پس یہاں تین صورتیں ہیں جن میں سے ایک اَقائمانِ الزیدان ہے اور اس وقت الزیدان کا مبتدا ہونا متعین ہے اور اَقائمان کا خبر ہونا جو اس پر مقدم ہے اور دوسری صورت اَقائمٌ الزیدانِ ہے اور اس وقت متعین ہے الزیدانِ کا صفت فاعل ہونا جو خبر کا قائم مقام ہے اور تیسری صورت اَقائمٌ زیدٌ ہے اور اس میں دونوں صورتیں جائز ہیں جیسا کہ آپ پہچان چکے،

تشریح: ــــ قولہ فههنا ۔ مطابق ہونے اور مطابق نہ ہونے کے اعتبار سے عقلاً صرف تین ہی نہیں بلکہ کل نو صورتیں پیدا ہوئی ہیں جن کی دلیل حصر یہ ہے کہ صیغۂ صفت اسم ظاہر کے مطابق ہے یا مطابق نہیں اگر مطابق ہے تو اس کی بھی تین صورتیں ہیں کہ (۱) مطابقت مفرد ہونے میں ہے جیسے اَقائمٌ زیدٌ (۲) یا تثنیہ ہونے میں جیسے اَقائمانِ الزیدان (۳) یا جمع ہونے میں جیسے اَقائمونَ الزیدون اور اگر مطابقت نہیں ہے تو اس کی چھ صورتیں ہیں (۴) صیغۂ صفت مفرد ہے اور اسم ظاہر مثنیٰ جیسے اَقائمٌ الزیدان (۵) صیغۂ صفت مفرد ہے اور اسم ظاہر مجموع جیسے اَقائمٌ الزیدون (۶) صیغۂ صفت ہے اور اسم ظاہر

Marfat.com

مفرد جیسے اَقائمان زیدٌ (۷) صیغۂ صفت مجموع ہے اور اسم ظاہر مفرد جیسے اَقائمون زیدٌ (۸) صیغۂ صفت مثنی ہے اور اسم ظاہر مجموع جیسے اَقائمان الزیدون (۹) صیغۂ صفت مجموع ہے اور اسم ظاہر مثنی جیسے اَقائمون الزیدان پہلی صورت میں دونوں امر جائز ہیں جیسا کہ تفصیل گذری اور دوسری و تیسری صورتوں میں صیغۂ صفت کے مابعد کا مبتدا ہونا اور صیغۂ صفت کا خبر مقدم ہونا متعین ہے اس قاعدہ سے کہ فعل کی طرح صیغۂ صفت بھی ہمیشہ واحد لایا جاتا ہے جب کہ فاعل اسم ظاہر ہو عام ہے وہ مفرد ہو یا مثنی یا مجموع اور اگر فاعل اسم ضمیر ہو تو واحد کے لئے واحد اور مثنی کے لئے تثنیہ اور مجموع کے لئے جمع لائی جاتی ہے دوسری صورت میں صیغۂ صفت مثنی ہے اور تیسری صورت میں مجموع پس صیغۂ صفت اگر مبتدا ہے تو اسم ظاہر کو مرفوع اور مفرد ہونا چاہیئے لیکن وہ ایسا ہے جس سے معلوم ہوا کہ وہ مبتدا نہیں بلکہ خبر مقدم ہے اور چوتھی اور پانچویں صورتوں میں صیغۂ صفت کا مبتدا ہونا اور اس کے مابعد کا فاعل قائم مقام خبر ہونا بقاعدہ مذکورہ متعین ہے رہ گئیں باقی چار صورتیں تو وہ باطل ہیں جیسا کہ نظر عمیق سے ظاہر ہوتا ہے۔

والخبرُ ھُوَ المجرّدُ ای ھو الاسمُ المجرّدُ عن العواملِ اللفظیۃِ لانّ الکلامَ فی مرفوعاتِ الاُسمِ فلا یصدقُ علیٰ یضربُ فی یضربُ زیدٌ انّہٗ المجرّدُ المسندُ بہٖ المغائرُ للصفۃِ المذکورۃِ لِانّہٗ لیس باسمٍ المسندُ بہٖ ای ما یوقع بہٖ الاسنادُ واحترزَ بہٖ عن القسمِ الاوّلِ من المبتداءِ لانّہٗ مسندٌ الیہ لا مسندٌ بہٖ المغایرُ للصفۃِ المذکورۃِ فی تعریفِ المبتداءِ واحترزَ بہٖ عن القسمِ الثانی من المبتداءِ

ترجمہ :— (اور خبر وہ جو خالی ہو) یعنی وہ اسم جو عوامل لفظیہ سے خالی ہو اس لئے کہ کلام اسم کے مرفوعات میں ہے پس یضربُ زیدٌ میں یضربُ پر یہ امر ثابت نہ ہوگا کہ یضربُ عوامل لفظیہ سے خالی مسند الیہ ہے جو مغایر ہے صفت مذکورہ کا کیونکہ وہ اسم نہیں (مسند بہ) یعنی جس کے ساتھ اسناد واقع ہو اور مصنف نے المسند بہ کی قید سے مبتدا کی قسم اول سے احتراز فرمایا کیونکہ وہ مسند الیہ ہے مسند بہ نہیں (جو مغایر ہو اس کے جو) مبتدا کی تعریف میں (مذکور ہے) اور مصنف نے المغائر للصفۃ المذکورہ کی قید سے مبتدا کی قسم ثانی سے احتراز فرمایا۔

تشریح :— بیانہٗ ھُوَ المجرّدُ ۔ مبتدا کی دو قسموں کی تعریف کے بعد اب خبر کی تعریف یہ بیان کی

Marfat.com

جاتی ہے کہ خبر وہ اسم ہے جو عوامل لفظیہ سے خالی ہو مسند بہ ہو جو مغایر ہو صفت مذکورہ کے جیسے زیدٌ قائمٌ میں قائمٌ زید کی طرف مسند اور عوامل لفظیہ سے خالی ہے اور وہ صیغۂ صفت ضرور ہے لیکن مذکور نہیں کہ اس پر نہ حرف نفی داخل ہے اور نہ ہی الف استفہام۔

قولہ ۲ ای ھو الاسم المجرد ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تعریف مذکور یضربُ زیدٌ میں یضربُ پر بھی صادق آتی ہے کہ وہ عوامل لفظیہ سے خالی اور مسند بھی ہے جو مغایر ہے صفت مذکورہ کا جواب یہ کہ تعریف میں المجرد سے پہلے الاسم موصوف مقدر ہے بایں قرینہ کہ بحث اسم کے مرفوعات میں ہے اور یضربُ فعل ہے پس تعریف مذکور اس پر صادق نہ آئیگی خیال رہے کہ اسم از قسم مفرد ہے اس لئے وہ مفرد ہی ہوگا عام ہے کہ حقیقی ہو یا حکمی حقیقی تو ظاہر ہے لیکن حکمی سے مراد یہ ہے کہ لفظ اگرچہ واحد نہ ہو لیکن شدت امتزاج کی وجہ سے واحد شمار کیا جاتا ہو پس ہذا احد عشر میں احد عشر خبر ہے کہ وہ ایک لفظ شمار کیا جاتا ہے کیونکہ اس کا معنی ایک اور دس نہیں بلکہ گیارہ ہے

قولہ ۳ ای ما یوقع بہ الاسناد ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مسند ماخوذ ہے اسناد سے اور وہ متعدی بنفسہ ہے پس اس کو باء کے ذریعہ متعدی کیوں کیا گیا؟ جواب یہ کہ مسند چونکہ معنیٔ وقوع کو متعین ہے اور وہ لازم ہے اس لئے اس کو باء کے ذریعہ متعدی کیا گیا

قولہ ۴ واحترز بہ ۔ اس عبارت سے تعریف کے جامع و مانع ہونے کی طرف اشارہ ہے کہ اسم مجرد بمنزلہ اسم جنس ہے جو مبتدا کی دونوں قسموں کو شامل ہے لیکن مسند بہ کی قید سے مبتدا کی پہلی قسم خارج ہوگئی کہ وہ مسند نہیں بلکہ مسند الیہ ہوتی ہے اور صفت مذکورہ کے مغایر ہونے کی قید سے مبتدا کی دوسری قسم خارج ہوگئی کیونکہ خبر کبھی بھی صفت مذکورہ نہیں ہوتی پس خبر عام ہے کبھی صفت ہی نہ ہوگی جیسے انا زیدٌ میں زید یا صفت ہوگی لیکن اس پر نہ حرف نفی داخل ہوتا ہے اور نہ ہی الف استفہام جیسے زید قائمٌ میں قائمٌ یا حرف نفی یا الف استفہام داخل ہو لیکن وہ اسم ظاہر کو رفع نہیں کرتا جیسے ما قائمان الزیدان و اَجالسان البکران میں قائمان اور جالسان ۔

قولہ ۵ فی تعریف المبتداء ۔ اس تقدیر سے یہ اشارہ ہے کہ متن میں مذکورۃ ظرف کو لازم ہے اور یہاں اس کا ظرف مبتدا کی تعریف ہے اور متن میں اس کو اس لئے بیان نہیں گیا گیا کہ سیاق کلام اس پر دال ہے اور متن میں اختصار مطلوب ہے ۔

Marfat.com

ولك[1] أن تقول المراد المسند به إلى المبتداء أو تجعل الباء في به بمعنى الى والضمير المجرور راجعاً الى المبتداء وعلى[2] التقديرين يخرج به القسم الثاني من المبتداء ويكون قوله المغاير للصفة المذكورة تاكيداً

ترجمہ:۔۔۔ اور آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ مسند بہ سے مراد مسند بجانب مبتدا ہے یا بہ میں بار کو بمعنی الی کر دیجئے اور ضمیر مجرور مبتدا کی طرف راجع ہوگی دونوں تقدیروں پر المسند بہ کی قید سے مبتدا کی قسم ثانی خارج ہو جاتی ہے اور مصنف کا قول المغایر للصفۃ المذکورۃ تاکید ہوگا

تشریح:۔۔۔ قولہ[1] ولک ان تقول۔ ای مایوقع کے تحت جو سوال مذکور تھا اس عبارت سے اس کے مزید دو جواب دیئے جاتے ہیں ایک یہ کہ متن میں مسند بہ سے مراد وہ ہے جو مبتدا کی طرف مسند ہو کیونکہ مبتدا کی دوسری قسم مسند بہ مذکور ہو چکا اور وہی یہاں بھی مذکور ہے جس کا لازمی معنی یہ ہے کہ وہ مبتدا کی طرف مسند ہو دوسرا جواب یہ کہ مسند بہ میں بار بمعنی الی ہے اور ضمیر مجرور کا مرجع مبتدا ہے پس معنی یہ ہوا کہ خبر وہ اسم مجرد ہے جو مبتدا کی طرف مسند ہو۔

قولہ[2] وعلی التقدیرین۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مسند بہ کی مذکورہ بالا دونوں توجیہوں کی تقدیر پر صفت مذکورہ کے مغایر ہونے کی قید فضول ہے جواب یہ کہ ان دونوں تقدیروں پر تعریف میں مذکورہ بالا قید، قید اول کی تاکید ہو جائیگی

واعلم[1] ان العامل في المبتداء والخبر هو الابتداء أي[2] تجريد الاسم عن العوامل اللفظية ليسند الى شيء أو يسند اليه شيء فمعنى الابتداء عامل في المبتداء والخبر رافع لهما عند البصريين

ترجمہ:۔۔۔ اور معلوم کیجئے کہ مبتدا و خبر میں عامل ابتدا ہی ہے یعنی اسم کا عوامل لفظیہ سے خالی کیا جانا تاکہ اس کی اسناد کسی شئ کی طرف کی جائے یا اس کی طرف کسی شئ کی اسناد کیجائے پس بصریون کے نزدیک معنیٰ ابتداء مبتدا و خبر میں عامل ہے جو ان دونوں کو رفع دیتا ہے۔

تشریح:۔۔۔ قولہ[1] واعلم۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مبتدا عامل ہے خبر میں اور خبر عامل ہے مبتدا

Marfat.com

میں پس دونوں میں سے کوئی بھی عوامل لفظیہ سے نہ ہوا جواب یہ کہ یہاں پر تین مذہب ہیں ایک وہ جو مذکور ہوا کہ مبتدا عامل ہے خبر میں اور خبر عامل ہے مبتدا میں دوسرا وہ کہ مبتدا میں عامل، معنوی ہے یعنی عامل لفظی کا نہ ہونا ہے اور خبر میں مبتدا ہے تیسرا وہ کہ مبتدا و خبر میں سے ہر ایک کا عامل معنوی ہے پہلا مذہب امام کسائی و امام فراء کا ہے اور دوسرا سیبویہ و ابو علی و ابو الفتح کا ہے اور تیسرا بصریون کا اور مصنف علیہ الرحمہ کے نزدیک یہی مذہب مختار ہے اسی وجہ سے دونوں کی تعریفوں میں المجرد سے تصریح فرمایا ہے، سوال مبتدا و خبر میں عامل لفظی کا نہ ہونا موثر نہیں ہو سکتا کیونکہ موثر صفت ثبوتیہ ہوتا ہے اور عامل لفظی کا نہ ہونا امر عدمی ہے اور امر عدمی کسی شئی کے وجود کا عامل نہیں ہوتا جواب موثر حقیقۃً متکلم ہوتا ہے عامل نہیں البتہ عامل تاثیر متکلم پر علامت ہوتا ہے اور امر عدمی کا علامت ہونا واقع ہے جیسے حرف کی علامت اسم و فعل کی علامتوں کا نہ ہونا ہے۔

قولہ[2] ای تجرید الاسم ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مبتدا و خبر کا عامل جب ابتدا ہے تو وہ لفظی ہوا کہ ابتدا لفظ ہے الفاظ میں ۔ سے جواب یہ کہ ابتدا سے یہاں مراد لفظ ابتداء نہیں بلکہ اس کا معنی ہے یعنی اسم کا شروع میں ہونا کیونکہ اسم جب عوامل لفظیہ سے خالی ہوگا تو وہ لامحالہ شروع میں ہوگا ۔ لیکن مبتدا میں تو ظاہر ہے اور خبر میں اس لئے کہ وہ بھی کبھی شروع میں ہوتی ہے ۔

قولہ[3] یسند الی شئ ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مبتدا و خبر جس طرح عوامل لفظیہ سے خالی ہوتے ہیں اسی طرح اسماء معدودہ مثلاً زید و بکر وغیرہ بھی جواب یہ کہ یہاں اس اسم سے خالی ہونا مراد ہے جو مسند ہو کسی شئی کی طرف جیسے خبر یا اس کی طرف کوئی شئی مسند ہو جیسے مبتدا ۔

وَاَمَّا[1] عند غیرھم فقالَ بعضھم اَلابتداءُ عاملٌ فی المبتدإِ والمبتداءُ فی الخبرِ وقال[2] الاٰخرون انَّ کلَّ[3] واحدٍ من المبتداءِ وَالخبرِ عاملٌ فی الخبرِ وعلیٰ[4] ھذا لایکونانِ مجردینِ عن العواملِ اللفظیۃِ

ترجمہ: ـــــ اور لیکن ان لوگوں کے علاوہ کے نزدیک تو بعض نحویوں نے کہا کہ مبتدا میں عامل ابتداء ہے اور خبر میں مبتدا اور دوسرے بعض نحویوں نے کہا کہ مبتدا و خبر میں سے ہر ایک دوسرے میں عامل ہے اور ان دونوں تقدیروں پر مبتدا و خبر عوامل لفظیہ سے مجرد نہ ہونگے ۔

Marfat.com

تشریح: ـــــ قولہ[1] واما عند غیرھم ۔ بصریون کے علاوہ میں سے کچھ نحوی وسیبویہ وابوعلی وابوالفتح ہیں جو مبتدا میں عامل ابتداء کو قرار دیتے ہیں اور خبر میں مبتدا کو لیکن خبر میں ابتداء کو عامل اس لئے قرار نہیں دیتے کہ وہ عدمی ہے جو کسی شئی کے وجود کا موثر نہیں ہو سکتا لیکن مبتدا میں اس کو عامل ضرورت کیوجہ سے مانتے ہیں کیونکہ اس کا عامل اگر خبر کو قرار دیا جائے تو دور لازم آئیگا کہ خبر میں عامل مبتدا ہے اور مبتدا میں خبر اسی کو دور کہتے ہیں جو محال ہے

قولہ[2] وقال الاٰخرون ۔ دوسرے نحوی امام کسائی و امام فراء ہیں جو خبر میں مبتدا کو عامل قرار دیتے ہیں اور مبتدا میں خبر کو اور یہ اگرچہ بظاہر دور کو لازم کرتا ہے لیکن حقیقۃً نہیں کہ دور کے لئے جہت کا اتحاد ضروری ہے اور یہاں اختلاف ہے کیونکہ مبتدا عامل باعتبار ذات ہے اور خبر عامل باعتبار محل فائدہ ہے

قولہ[3] وعلیٰ ھذا ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مبتدا جب خبر میں عامل ہے یا دونوں میں سے ہر ایک دوسرے میں عامل ہے تو کوئی بھی عوامل لفظیہ سے مجرد نہ ہوا تو پھر ان دونوں کو متن میں اسم مجرد سے کیوں تعبیر کیا گیا؟ جواب یہ کہ مبتدا و خبر اگرچہ اخیر دونوں مذہب پر مجرد نہیں لیکن مذہب اول پر مجرد ضرور ہیں اور متن میں اسی مذہب پر دونوں کو اسم مجرد کہا گیا ہے ۔

---

[1] واصلُ المبتداءِ ای[2] ما ینبغی اَنْ یکون المبتداءُ علیہِ اذا لَمْ یَمنَعْ مانعٌ التقدیمُ علیٰ الخبرِ لفظاً لانّ[3] المبتداءَ ذاتٌ والخبرُ حالٌ مِنْ احوالِھا وَالذاتُ مقدمۃٌ علیٰ اَحوالِھا

ترجمہ: ـــــ (اور مبتدا کی اصل) یعنی وہ جس پر مبتدا کا ہونا مناسب ہے جب کہ کوئی مانع منع نہ کرے (مقدم ہونا ہے) خبر پر لفظاً اس لئے کہ مبتدا ذات ہے اور خبر حال ہے اس کے احوال میں سے اور ذات اپنے احوال پر مقدم ہوتی ہے ۔

تشریح: ـــــ بیانہ[1] اصلُ المبتداء ۔ مبتدا و خبر کی تعریف کے بعد اب دونوں کے احکام کو بیان کیا جاتا ہے اور مبتدا کی تعریف کو چونکہ خبر کی تعریف پر بوجہ تقدم طبعی پہلے بیان کیا گیا تھا اس لئے یہاں بھی اس کے احکام کو پہلے بیان کیا جاتا ہے کہ مبتدا چونکہ خبر پر رتبۃً مقدم ہوتا ہے اس لئے مناسب ہے اس کو لفظاً بھی مقدم کیا جائے تاکہ ظاہر باطن کے موافق ہو جائے پس فی دارہٖ زیدٌ کی ترکیب جائز ہے کیونکہ اس

Marfat.com

میں زید اگرچہ لفظاً موخر ہے لیکن رتبۃً مقدم ہے اس لئے کہ وہ مبتدا ہے جس کی طرف فی دارہٖ میں ضمیر مجرور رابع ہے کہ وہ مقام خبر میں ہے اور خبر رتبۃً موخر ہوتی ہے اور صاحبہا فی الدار کی ترکیب ممنوع ہے کہ اس میں صاحبہا مبتدا ہے جس کی ضمیر دار کی طرف راجع ہے جو مقام خبر میں ہونیکی وجہ سے لفظاً بھی مؤخر ہے اور رتبۃً بھی پس اس سے اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے جو جائز نہیں۔

قولہ[۲] اَیُّ ما ینبغی۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مبتدا کا مقدم کرنا ہی اگر قانون و قاعدہ ہے تو فی الدار رجلٌ میں رجلٌ کیوں مؤخر ہے؟ جب کہ وہ بھی مبتدا ہے جواب یہ کہ اصل سے یہاں مراد قاعدہ و قانون نہیں بلکہ وہ مناسب حالت ہے جو مبتدا کے لئے کسی عارض کے بغیر ثابت ہو اور مثال مذکور میں رجل کا نکرہ تقدیم سے مانع ہے۔

قولہ[۳] لان المبتدأ۔ یہ دلیل ہے متن میں دعویٰ مذکور کی جس کا حاصل یہ کہ مبتدا اکثر ذات ہوتا ہے کہ وہ ترکیب میں محکوم علیہ ہوتا ہے اور خبر اس کا حال ہے کہ وہ محکوم بہ ہوتی ہے اور ذات طبعًا اپنے حال پر مقدم ہوتی ہے اس لئے اس کو ذکر میں بھی مقدم کیا گیا اور اس لئے بھی کہ مبتدا حقیقۃً موصوف ہوتا ہے اور خبر اس کی صفت اور موصوف بھی چونکہ طبعًا صفت پر مقدم ہوتا ہے اس لئے اس کو ذکر میں بھی مقدم کیا گیا تاکہ ذکر طبع کے مطابق ہو جائے خیال رہے کہ ذات کا اطلاق تین معنوں پر ہوتا ہے ایک حقیقت و ماہیت پر دوسرا قائم بذاتہ پر تیسرا مستقل بالمفہومیۃ پر اور یہاں ذات سے پہلا معنیٰ مراد ہے پس الصلوٰۃ خیرٌ من النوم میں صلوٰۃ سے مخدور لازم نہیں آئے گی کہ وہ افعال مخصوصہ کا نام ہے جس کو معنیٰ اول شامل ہے کہ وہ ماہیۃ من الماہیات ہے اور خبر ہونا اس کی حالت و صفت ہے۔ سوال مبتدا کی طرح فاعل بھی ذات و محکوم علیہ ہوتا ہے پس اس کو بھی فعل پر مقدم کرنا چاہئے حالانکہ وہ مقدم نہیں ہوتا جواب دلیل مذکور سے فاعل کو بھی اگرچہ مقدم کرنا چاہیئے لیکن اس کے معارض دوسری دلیل قوی موجود ہے وہ یہ کہ فاعل معمول ہے اور فعل عامل اور عامل کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ معمول پر مقدم ہو اس لئے فاعل کو مؤخر کیا جاتا ہے اور اس لئے بھی کہ فاعل اگر فعل پر مقدم ہو تو اس کا مبتدا کیساتھ التباس ہو جائیگا۔

---

[۱] وَمِن ثَمَّ [۲] اَیْ وَمِن اَجلِ اَنَّ الاصلَ فی المبتدأ التقدیمُ لفظاً جَازَ [۳] قولُھم فی دارہٖ زیدٌ مع کون الضمیرِ عائدًا الی زیدِ المتاخّرِ لفظاً لتقدمہٖ رتبۃً لاصالتہ التقدیمُ وامتنعَ قولُھم صاحبُھا فی الدارِ لعَود الضمیرِ اِلی الدارِ وَھُوَ فی حیزِ الذی اصلُہٗ التاخیرُ فیلزمُ

Marfat.com

عودُ الضمیرِ اِلیٰ المتاخّرِ لفظاً ورتبۃً وھو غیرُ جائزٍ

ترجمہ: ـــــ (اور اسی وجہ سے) یعنی اس امر کی وجہ سے کہ مبتدا میں اصل لفظاً مقدم ہونا ہے (جائز ٹھہرا) اہل عرب کا قول (فی دارہٖ زیدٌ) باوجودیکہ ضمیر عائد ہے زید کی طرف جو لفظاً موخر ہے کیونکہ زید باعتبار رتبہ مقدم ہے تقدیم کے اصل ہونے کی وجہ سے (اور ممنوع قرار پایا) اہل عرب کا قول (صاحبھا فی الدار) کیونکہ ضمیر عائد ہے دار کی طرف اور وہ اس مقام پر ہے کہ جس کی اصل موخر کرنا ہے پس ضمیر کا بسوئے متاخر لفظاً ورتبۃً عائد کرنا لازم آیا اور وہ ناجائز ہے۔

تشریح: ـــــ بیانہٗ وَمِن ثَمَّ۔ اس عبارت سے اصل مذکور پر دو تفریع کی گئیں ہیں ایک وجودی اور دوسری عدمی وجودی فی دارہٖ زیدٌ ہے کہ زید جو مبتدا ہے وہ تلفظ میں اگرچہ ضمیر سے موخر ہے لیکن رتبہ میں مقدم ہے پس اس سے اضمار قبل الذکر لازم نہ آیا اس لئے وہ جائز ہے لیکن عدمی صاحبھا فی الدار ہے کہ الدار جو مجرور ہے وہ تلفظ میں بھی ضمیر سے موخر ہے اور رتبہ میں بھی موخر ہے پس اس سے اضمار قبل الذکر لفظاً بھی اور رتبۃً بھی لازم آیا اس لئے وہ ناجائز ہے۔

قولہ وَمِن اجل۔ اس عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ متن میں مِنْ سبب کے لئے ہے اور ثَمَّ اسم اشارہ ہے جس کا مشارٌ الیہ اصل مذکور ہے لیکن وہ مکان نہیں جب کہ ثَمَّ کی وضع مشار الیہ مکان کے لئے ہوئی ہے پس اصل مذکور کو مشارٌ الیہ بطور استعارہ قرار دیا گیا ہے کہ اس کو مکان کے ساتھ استخراج شئی میں مشابہت حاصل ہے کیونکہ مکان جس طرح شئی کا استخراج ہوتا ہے اسی طرح اصل مذکور سے جواز وامتناع کا۔

قولہ قولھم۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ جاز فعل ہے جس کا فاعل فی دارہٖ زیدٌ جملہ ہے اسی طرح امتنع فعل کا فاعل بھی صاحبھا فی الدار جملہ ہے حالانکہ فاعل مفرد ہوتا ہے جواب یہ کہ جاز کا فاعل قولھم محذوف ہے جس سے فی دارہٖ زیدٌ بدل الکل واقع ہے مبدل منہ کو حذف کر کے بدل کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا اسی طرح امتنع کا فاعل بھی قولھم محذوف ہے۔

وقد یکونُ المبتدأُ نکرۃً وان کان الاصلُ فیہِ ان یکونَ معرفۃً لانّ للمعرفۃِ معنیً معیناً والمطلوبَ المھمّ الکثیرَ الوقوعِ فی الکلامِ انّما ھو الکلامُ علی الامورِ المعینۃِ ولکنّہٗ لا تقعُ نکرۃٌ علیٰ الاطلاقِ بل اذا تخصصتْ تلک النکرۃُ بوجہٍ مّا من وجوہِ التخصیصِ اذ بالتخصیصِ یقلّ

Marfat.com

اشترا کھا تقرب من المعرفۃ

ترجمہ: ـــــ (اور مبتدا کبھی نکرہ ہوتا ہے) اگرچہ اصل اس میں معرفہ ہونا ہے کیونکہ معرفہ کا معنی معین ہے اور کلام عرب میں امور معینہ پر حکم مطلوب مہم اور کثیر الوقوع ہے لیکن مبتدا مطلقاً نکرہ واقع نہیں ہوتا بلکہ (جب مخصوص ہوجائے) وہ نکرہ (کسی وجہ سے) وجوہ تخصیص میں سے اس لئے کہ تخصیص سے نکرہ کا مشترک ہونا کم ہوجاتا ہے پس وہ معرفہ سے قریب ہوجاتا ہے۔

تشریح: ـــــ بیانہ[1] وقد یکون ۔ مبتدا اکثر معرفہ ہوتا ہے لیکن وہ کبھی نکرہ بھی ہوتا ہے جیسا کہ مضارع پر حرف قد کے دخول سے مستفاد ہوتا ہے پس اس کا معرفہ ہونا اصل ہوا اور نکرہ ہونا خلاف اصل کیونکہ کثیر الوقوع ہونا اصل ہونے پر دال ہے اس کا برعکس خبر ہے کہ اس کا نکرہ ہونا اصل ہے اور معرفہ ہونا خلاف اصل کیونکہ خبر سے مقصود بیان حکم ہے جو صرف تنکیر ہی سے حاصل ہے تعریف کی کوئی ضرورت نہیں اس لئے بھی کہ اگر وہ بھی معرفہ ہو تو صفت کیساتھ اس کا التباس لازم آئیگا جو ممنوع ہے

قولہ[2] وان کان ۔ یعنی مبتدا اگرچہ کبھی نکرہ ہوتا ہے لیکن اصل اس میں معرفہ ہونا ہے کیونکہ مبتدا محکوم علیہ ہوتا ہے اور محکوم علیہ میں اصل تعریف ہی ہے اس لئے کہ کلام عرب میں حکم امور معینہ پر کثیر الوقوع ہے کہ وہ حکم مفید ہوتا ہے چنانچہ رجلٌ قائمٌ مفید نہیں ہے کہ اس سے کسی بھی خاص مرد کے قیام کا علم حاصل نہیں ہوتا بلکہ ممکن ہے وہ ہر مرد کے لئے ہو اور وہ حکم جو کثیر الوقوع ہو وہی اصل ہوتا ہے۔

قولہ[3] ولکنہ ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ نکرہ مبتدا کیسے ہوگا؟ جب کہ حکم امور معینہ پر ہوتا ہے جواب یہ کہ نکرہ مطلقاً مبتدا نہیں ہوتا مگر جب کہ وجوہ تخصیص میں سے کسی ایک وجہ سے مخصص ہوجائے تو اس کے مفہوم میں جو اشتراک ہوتا ہے اس سے کم ہوکر معرفہ سے قریب ہوجاتا ہے پس جو شئ کے قریب ہوتا ہے وہ منزل میں اس شئ کے ہوجاتا ہے ولہذا تحقق فی الشرع ان المصلّی اذا سھی عن القعود الاول وھو الیہ اقربُ اعادَ ولا یسجد السھو ۔

---

[1] مثلُ قولہ تعالیٰ ولعبدٌ مومنٌ خیرٌ من مشرکٍ فانّ العبدَ متناولٌ للمومنِ والکافرِ وحیثُ وصفَ بالمومنِ تخصّصَ بالصفۃِ فجعلَ مبتداءً وخیرٌ خبرہٗ

Marfat.com

ترجمہ ـــــ (جیسے) اللہ تعالیٰ کا قول (ولعبدٌ مومنٌ خیرٌ من مشرکٍ) اس لئے کہ عبد مومن و کافر کو شامل ہے اور جب اس کو مومن کیساتھ موصوف کیا گیا تو صفت کی وجہ سے تخصیص پیدا ہو گئی پس اس کو مبتدا اور خیر کو اس کی خبر کر دیا گیا۔

تشریح: ـــــ بیانہ[1] مثل۔ یہ چھ وجوہ تخصیص کو جو یہاں بیان کیا گیا ہے بطور تمثیل ہے کیونکہ ان کے علاوہ بھی وجوہ تخصیص نکلتی ہیں اس لئے کہ اخبار کی صحت کا مدار فائدہ کے حصول پر ہے جو کسی وجہ سے بھی ممکن ہوتا ہے اور وہ مثلاً سات یہ ہیں (۱) خبر کا ثبوت نکرہ کے لئے بطور خرق عادت ہو جیسے حدیث پاک بقرۃٌ تکلمتْ میں بقرۃٌ مبتدا نکرہ ہے اور تکلمت خبر (۲) نکرہ جواب میں واقع ہو جیسے مَنْ عندک کے جواب میں رجلٌ کہ اس کی تقدیر رجلٌ عندی ہے (۳) نکرہ مضاف بسوے نکرہ ہو جیسے خمسُ صلوٰتٍ کتبھنّ اللہ میں خمس (۴) نکرہ واقع ہو لام ابتداء کے بعد جیسے لرجلٌ قائمٌ میں لرجلٌ (۵) نکرہ لولا کے بعد واقع ہو جیسے لولا اصطبار لاودیٰ کل ذی مقۃ میں اصطبار مبتدا نکرہ ہے اور خبر موجود محذوف (۶) نکرہ جملہ حالیہ کے شروع میں واقع ہو جیسے سرینا و نجمٌ قد اضاء فمذ بدا + محیّاکَ اخفیٰ ضوئہٗ کلّ مشارقٍ۔ میں نجم مبتدا نکرہ ہے اور قد اضاءَ خبر اور یہ جملہ سرینا کی ضمیر فاعل سے حال واقع ہے (۷) نکرہ جب کہ اذا مفاجات کے بعد واقع ہو جیسے حسبتُک فی الوغیٰ بردیٰ حروبٍ اذا خورٌ لدیکَ فقلتُ سُحقاً میں اذا برائے مفاجات ہے اور خورٌ بمعنی بزدل مبتدا نکرہ ہے لدیکَ اس کی خبر ہے۔

قولہ[2] قولہ تعالیٰ۔ اس تقدیر عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے انسان کا نہیں چوتھی مثال کے علاوہ باقی چار مثالوں میں قول کو کاف خطاب واحد کی طرف مضاف کیا گیا ہے جس سے یہ اشارہ ہے کہ وہ انسان کا کلام ہے جس کا مخاطب کوئی بھی ایک آدمی ہو سکتا ہے لیکن چوتھی مثال میں قول کو ضمیر جمع غائب کی طرف اس لئے مضاف کیا گیا کہ وہ محاورہ ہے تمام اہل عرب کا۔

بیانہ[3] ولعبدٌ مومن۔ یہ مثال ہے صفت سے تخصیص کی لیکن وہ عام ہے کہ صفت مخصصہ ملفوظ ہے یا مقدر یا مبتدا کے معنی سے مستفاد ہے اول جیسے مثال مذکور میں عبد مبتدا ہے جو نکرہ ہے اور صفت مومن کے ساتھ موصوف ہو گیا ہے دوم جیسے السمنُ منوانِ بدرہمٍ میں منوان مبتدا ہے جو نکرہ ہے اس کی صفت منہ مقدر ہے سوم جیسے رجیل قائمٌ میں رجیل مبتدا ہے جو نکرہ ہے لیکن رجیل بمعنی رجل صغیر ہے جو مبتدا کے معنیٰ سے مستفاد ہے۔

Marfat.com

ومثل قولك أرجلٌ فی الدارِ أم امرأةٌ فانّ المتکلمَ بهٰذا الکلامِ یعلم أن احدهما فی الدارِ فیسأل المخاطب عن تعیّنه فکانّه قال ای من الامرینِ المعلوم کون احدهما فی الدارِ کائن فیها فکلُّ واحدٍ منهما تخصّص بهٰذه الصفةِ فجعل رجلٌ مبتداءً وفی الدار خبره

ترجمہ: ـــــ (اور) جیسے آپ کا قول (ارجلٌ فی الدار أم امرأةٌ) اس لئے کہ جو اس کلام کے ساتھ کلام کرنے والا ہے وہ اس امر کو جانتا ہے کہ مرد و عورت میں سے ایک گھر میں موجود ہے پس وہ مخاطب سے اس ایک کے تعین کا سوال کرتا ہے گویا متکلم نے کہا کہ ان دو امروں میں سے کہ جن میں سے کسی ایک کا گھر میں ہونا معلوم ہے کونسا ہے؟ پس مرد و عورت میں سے ہر ایک اس صفت کی وجہ سے مخصوص ہو گیا تو رجل کو مبتدا بنایا گیا اور فی الدار کو اس کی خبر۔

تشریح: ـــ بیانہ[1] ارجلٌ فی الدار۔ یہ مثال ہے علم متکلم سے تخصیص کی جب کہ مخاطب کے علم پر کوئی لفظ دال ہو۔ کیونکہ اس میں رجل مبتدا ہے جو نکرہ ہے اور امرأۃ اس پر معطوف ہے اور فی الدار خبر ہے اس کی۔ پس مبتدا اگرچہ نکرہ ہے لیکن متکلم کو یہ معلوم ہے کہ مرد و عورت میں سے کوئی ایک گھر میں ضرور موجود ہے سوال کر کے صرف اس کے تعین کو طلب کرنا چاہتا ہے کیونکہ ہمزہ اور اَمْ سے اسی وقت سوال کیا جاتا ہے جب کہ بلا تعین کسی ایک کے لئے خبر ثابت ہونے کا علم ثابت ہو اور مخاطب سے صرف تعین طلب کیا جائے۔

ومثل قولك ما احدٌ[1] خیرٌ منك فانّ النکرةَ فیها وقعتْ فی حیز النفی فافادتْ عمومَ[2] الافرادِ وشمولَها فتعیّنتْ وتخصصتْ فانّه لا تعدّدَ فی جمیع الافرادِ بل هو امرٌ واحدٌ وکذا[3] کلُّ نکرةٍ فی الاثباتِ قُصِدَ بها العمومُ نحو تمرةٌ خیرٌ من جرادةٍ

ترجمہ: ـــــ (اور) جیسے آپ کا قول (ما احدٌ خیرٌ منک) کیونکہ اس جملہ میں نکرہ تحت نفی واقع ہوا تو اس نے افراد کے عموم و شمول کا فائدہ دیا پس نکرہ متعین و مخصوص ہو گیا اس لئے کہ نکرہ کے تمام افراد میں کوئی تعدد نہیں بلکہ وہ امر واحد ہے اسی طرح ہر نکرہ مبتدا واقع ہو سکتا ہے جو اثبات میں واقع ہو اور نکرہ سے مقصود عموم ہو جیسے تمرۃ خیرٌ من جرادۃ

Marfat.com

تشریح: — بیانہ[1] ما احدٌ خیرٌ۔ یہ مثال ہے استغراق وعموم سے تخصیص کی کیونکہ اس میں احدٌ مبتدا ہے جو نکرہ ہے اور نکرہ جب تحت نفی واقع ہو تو استغراق وعموم مستفاد ہوتا ہے جس سے اسم اگرچہ نکرہ ہوتا ہے لیکن مخصوص ہو جاتا ہے کیونکہ تمام افراد کا مجموعہ چند نہیں بلکہ ایک ہی ہوتا ہے خیال رہے کہ یہ مثال بنی تمیم کے مسلک پر ہے جو ما مشابہ بلیس کو عامل نہیں مانتے پس اس میں احد مبتدا ہوا جس کا عامل ابتدار ہے اسی وجہ سے خبر منصوب نہیں ہے اس لئے کہ ما مشابہ بلیس اگر عامل ہوتا تو وہ خبر کو نصب دیتا جیسے ما زیدٌ قائمًا میں نصب دیا ہے۔

قولہ[2] عموم الافراد۔ عموم افراد کے دو معنی ہیں ایک استغراق دوسرا تکثیر افراد۔ عموم بتقدیر دوم وجہ تخصیص نہیں ہوتا البتہ بتقدیر اول ممکن ہے کیونکہ تمام افراد کے مجموعہ کا فرد ایک ہی ہوتا ہے متعدد نہیں مثلاً انسان عام ہے کہ اس کے افراد کثیر ہیں۔ زید، بکر، خالد اور تمام افراد انسانی کا مجموعہ بھی انسان کا ایک فرد ہے پس انسان سے جس طرح زید خاص ہے اسی طرح بکر خالد اور تمام افراد انسانی کا مجموعہ بھی خاص ہے۔

قولہ[3] کذا اکل۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ استغراق وعموم سے تخصیص کیا نکرہ تحت نفی کیساتھ خاص ہے؟ جواب یہ کہ نہیں بلکہ عام ہے کبھی اثبات میں بھی استغراق وعموم سے نکرہ میں تخصیص ہوتی ہے جیسے تمرۃٌ خیرٌ من جرادۃ کا معنی ہے کلُّ تمرۃٍ خیرٌ من کل جرادۃٍ واقعہ یہ ہے کہ اہل حمص کی ایک جماعت نے حالت احرام میں چند ٹڈیوں کو قتل کر دیا حضرت کعب احبار سے دریافت کرنے پر آپ نے فرمایا کہ ٹڈی کے عوض اگر ایک ایک چھوہارا صدقہ کر دیا جائے تو جائز ہے۔

---

[1] وَمثل قولهم شرٌّ اهرَّ ذا نابٍ لتخصصه بما يتخصّصُ به الفاعلُ لشبهه به[2] إذْ يستعملُ فی موضعِ ما اَهرَّ ذا نابٍ إلّا شرٌّ وما يتخصّص به الفاعلُ قبل ذكره هو صحةُ كونه محكومًا عليهِ بما أُسنِد اليهِ فانّك[3] اذا قلتَ قامَ علِم منه انّ ما يذكر بعدهٗ امرٌ يصحّ اَنْ يحكمَ عليهِ بالقيامِ فاذا قلتَ رجلٌ فهُو فی تنوّنهٖ رجلٍ موصوفٍ يصحّ الحكم عليه بالقيامِ.

ترجمہ: — (اور) جیسے اہل عرب کا قول ہے (شرٌّ اهرَّ ذا نابٍ) اس لئے کہ شرٌّ اس معنی سے خصوصیت پا گیا ہے جس سے فاعل خصوصیت پاتا ہے کیونکہ شرٌّ فاعل کے مشابہ ہے اس لئے کہ وہ ما اهرَّ ذا نابٍ الا شرٌّ

Marfat.com

کی جگہ پر مستعمل ہوتا ہے اور فاعل ذکر سے پہلے جس معنی سے خاص ہوتا ہے وہ اس کے محکوم علیہ کا فعل کے لئے صحیح ہوتا ہے جو اس کی طرف مسند ہوتا ہے پس جب آپ کہیں گے رجلٌ تو وہ ایسے رجل کی منزل میں ہوگا جو اس پر قیام کیساتھ حکم لگانے کی صحت کیساتھ موصوف ہے ۔

تشریح:۔۔۔ بیانہٗ شراھر ذاناب ۔ یہ مثال ہے فاعل سے مشابہ ہونے کے باعث فاعل کے مخصص سے تخصیص کی جس کی توضیح دو امر کی تمہید پر موقوف ہے ایک یہ کہ فاعل کا مخصص کیا ہے دوسرا یہ کہ مبتدا فاعل سے مشابہ ہوتا ہے اول کو شارح نے ما یتخصص سے بیان فرمایا ہے جس کا حاصل یہ کہ فاعل مذکور ہونے سے پہلے ہی اس میں فعل مذکور کے محکوم علیہ بننے کی صلاحیت ہوتی ہے چنانچہ جب کہا جائے قام تو یہ معلوم ہوگا کہ اس کے بعد وہ چیز مذکور ہوگی جس کے اندر قائم ہونے کی صلاحیت ہے پس جب اس کے بعد رجل کہا جائے تو یہ معنی پیدا ہو جائیگا رجلٌ صالحٌ للقیام پس فاعل میں فعل مذکور کا محکوم علیہ بننے کی صلاحیت فاعل کا مخصص ہے دوسرے امر کو شارح نے شبہہ بہ سے بیان فرمایا ہے جس کا حاصل یہ کہ جو مبتدا اصل میں فاعل لفظی یا معنوی ہو وہ مبتدا فاعل کے مشابہ ہوتا ہے پس شرّ اھرّ ذاناب اصل میں اھرّ ذاناب شرٌّ تھا جملہ فعلیہ میں اھرّ کا فاعل لفظی ضمیر ھو ہے جو اس میں مستتر ہے اور شر اس کا بدل ہے اور فاعل بدل کو فاعل معنوی کہا جاتا ہے پھر حصر کے لئے شر کو مقدم کر دیا گیا تو شرٌّ اھرّ ذاناب ہوا پس اس میں جو مبتدا ہے وہ اصل میں فاعل معنوی تھا تو اس کا مخصص بھی وہی ہے جو فاعل کا مخصص ہے تو اس کا معنی یہ ہوا شرٌّ صالحٌ للاھرار اھرّ ذاناب

قولہ اذ یستعمل ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ حصر کے لئے تقدیم پر کیا قرینہ ہے ؟ جواب یہ کہ اس پر قرینہ شرٌّ اھرّ ذاناب کا ما اھرّ ذاناب الا شرٌّ کی جگہ پر مستعمل ہونا ہے ۔

واعلم ان المھر للکلب بالنباح المعتاد وقد یکون خیرًا کما اذا کان مجئ حبیب مثلاً وقد یکون شرًا کما اذا کان مجئ عدو والمھر لہ نباح غیر معتاد یتشاءم بہ فیکون شرًا لا خیرًا فعلی الاول یصح القصر بالنسبۃ الی الخیر فمعناہ شرٌّ لا خیرٌ اھرّ ذاناب وعلی الثانی لا یصح فیقدر وصف حتی یصح القصر فیکون المعنی شرٌّ عظیمٌ لا حقیرٌ اھرّ ذاناب وھذا مثل یضرب لرجل قوی ادرکہ العجز فی حادثۃ

Marfat.com

ترجمہ : ـــــ اور معلوم کیجئے کہ کتا کو عادی بھونک سے بھونکانے والا کبھی خیر ہوتا ہے جیسے جب کہ کسی دوست کا آنا ہو اور کبھی شر ہوتا ہے جیسے جب کہ کسی دشمن کا آنا ہو اور کتا کو بھونکانے والا غیر عادی بھونک ہو تو اس سے بدفالی لی جاتی ہے پس وہ شر ہوگا خیر نہیں لہذا بر تقدیر اوّل قصر بہ نسبت خیر درست ہوگا پس اس کا معنی ہے شرٌ لا خیرٌ اہر ذاناب اور بر تقدیر دوم قصر صحیح نہیں تو وصف مقدر مانا جائے گا پس معنی ہوگا شرٌ عظیمٌ لا حقیرٌ اہرّ ذاناب۔ اور یہ مثل کہاوت ہے جو ایسے مرد کے لئے بیان کیا جاتا ہے جس کو عمر نے کسی حادثہ میں پالیا ہو۔

تشریح : ـــــ قولہ واعلم ان المہر۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ کتا کو بھونکانے والا صرف ایک شر ہی ہے حالانکہ حصر کی ضرورت عموم میں پیش آتی ہے جواب یہ کہ کتا کبھی عادۃً بھونکتا ہے اور کبھی غیر عادۃً۔ عادۃً بھونکانے والا جس طرح شر ہوتا ہے اسی طرح خیر بھی اول مثلاً جب کہ کسی دشمن کی آمد ہو اور دوم مثلاً جب کہ کسی دوست کی آمد ہو پس اس تقدیر پر مثال مذکور کا معنی ہوگا شرٌ لا خیرٌ اہرّ ذاناب الیہ غیر عادٍ بھونکانے والا شر ہی ہوتا ہے لیکن اس تقدیر پر شر کے اوپر تنوین برائے تعظیم ہوگی پس مثال مذکور کا معنی ہوگا شرٌ عظیمٌ لا حقیرٌ اہرّ ذاناب۔ یہ کہاوت ہے ایسے قوی مرد کے لئے جو کسی حادثہ میں پھنس کر عاجز ہو جائے تو وہ حادثہ بمنزلہ شر ہوا اور قوی مرد بمنزلہ ذاناب یعنی کتا۔ ناب لغت میں دندان پیش کو کہتے ہیں لیکن یہاں ذاناب سے مراد کتا ہے۔

ومثلُ قولک فی الدار رجلٌ لتخصّصہ بتقدیم الخبر لانّہ اذا قیل فی الدار علم انّ ما یذکر بعدہ موصوفٌ بصحۃ استقرار ہ فی الدار فھو فی قوّۃ التخصیص بالصفۃ

ترجمہ. ـــــ (اور) جیسے آپ کا قول (فی الدار رجلٌ) اس لئے کہ رجل تقدیم خبر کی وجہ سے خاص ہو گیا ہے کیونکہ جب فی الدار کہا جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ اس کے بعد جو مذکور ہوگا دار میں استقرار کی صحت کے ساتھ موصوف ہوگا پس یہ تخصیص بالصفۃ کے حکم میں ہے۔

تشریح : ـــــ بیانہ فی الدار رجلٌ۔ یہ مثال ہے خبر کی تقدیم سے تخصیص کی کیونکہ اس میں رجل مبتدا ہے جو نکرہ ہے لیکن جب فی الدار کہا گیا تو معلوم ہو گیا کہ اس کے بعد جو چیز بیان کی جائے گی اس میں مستقر فی الدار ہونے کی صلاحیت ہے پس فی الدار رجلٌ کا معنی ہوا رجلٌ فیہ صلاحیۃ الاستقرار فی الدار

Marfat.com

وَمِثْلُ قَوْلِكَ سَلَامٌ عَلَيْكَ لِتَخَصُّصِهٖ بِالنِّسْبَةِ اِلَى الْمُتَكَلِّمِ اِذْ اَصْلُهٗ سَلَّمْتُ سَلَامًا عَلَيْكَ فَحُذِفَ الْفِعْلُ وَعُدِلَ اِلَى الرَّفْعِ لِقَصْدِ الدَّوَامِ وَالْاِسْتِمْرَارِ فَكَاَنَّهٗ قَالَ سَلَامِیْ اَیْ سَلَامٌ مِّنْ قِبَلِیْ عَلَيْكَ

ترجمہ:۔۔۔ (اور) جیسے آپ کے قول (سلامٌ علیکَ) اس لئے کہ نسبت بسوئے متکلم کی وجہ سے خاص ہوگیا ہے کیونکہ اس کی اصل سلّمتُ سلامًا علیکَ ہے پس فعل کو حذف کیا گیا اور قصد دوام واستمرار کی وجہ سے رفع کی طرف عدول کیا گیا گویا متکلم نے کہا سلامی یعنی سلام من قبلی علیکَ

تشریح:۔۔۔ بیانہٗ سلام علیکَ۔ یہ مثال ہے فعل مقدر کے فاعل کی طرف نسبت سے تخصیص کی کیونکہ اس میں سلام مبتدا ہے جو نکرہ ہے جو فعل منکے فاعل کی طرف نسبت سے مخصوص ہوگیا ہے اس لئے کہ اس جملہ کی اصل ہے سلّمتُ سلامًا علیکَ مفعول مطلق کا فاعل چونکہ وہی ہے جو سلمتُ کا فاعل ہے اس لئے اختصار کی وجہ سے فعل کو حذف کر دیا گیا تو سلامًا علیکَ باقی رہ گیا پھر دوام واستمرار پر دلالت کرنے کے لئے نصب کو دور کر کے رفع دیا گیا کیونکہ نصب حذف فعل پر دال ہے اور فعل حدوث پر دال ہے جو مقام دعاء کے غیر مناسب ہے پس سلامٌ علیکَ ہوگیا لیکن سلام چونکہ فعل مقدر سلمت کے فاعل کی طرف منسوب ہے اس لئے سلامٌ علیکَ گویا سلامی علیکَ ہے۔

هٰذَا هُوَ الْمَشْهُوْرُ بَيْنَ النُّحَاةِ وَقَالَ بَعْضُ الْمُحَقِّقِيْنَ مِنْهُمْ مَدَارُ صِحَّةِ الْاَخْبَارِ عَنِ النَّكِرَةِ عَلَى الْفَائِدَةِ لَا عَلٰى مَا ذَكَرُوْهُ مِنَ التَّخْصِيْصَاتِ الَّتِيْ يَحْتَاجُ فِيْ تَوْجِيْهَاتِهَا اِلٰى هٰذِهِ التَّكَلُّفَاتِ الرَّكِيْكَةِ الْوَاهِيَةِ فَعَلٰى هٰذَا يَجُوْزُ اَنْ يُّقَالَ كَوْكَبٌ اِنْقَضَّ السَّاعَةَ لِحُصُوْلِ الْفَائِدَةِ وَلَا يَجُوْزُ اَنْ يُّقَالَ رَجُلٌ قَائِمٌ لِعَدَمِهٖ وَهٰذَا الْقَوْلُ اَقْرَبُ اِلَى الصَّوَابِ

ترجمہ:۔۔۔ یہی مذکور نحویوں کے درمیان مشہور ہے اور بعض محققین نے نحویوں میں سے کہا کہ نکرہ سے اخبار کی صحت کا مدار فائدہ پر ہے اُن تخصیصات پر نہیں کہ جن کو نحویوں نے بیان کیا ہے جن کی توجیہات بیان کرنے میں ان کمزور تکلفات کی حاجت پیش آتی ہے پس اس تقدیر پر جائز ہے کوکبٌ اِنقضَّ الساعۃ کہنا کیونکہ اس سے فائدہ حاصل ہے اور رجلٌ قائمٌ کہنا جائز نہیں کہ اس سے فائدہ حاصل نہیں اور یہ

Marfat.com

قول درستگی سے زیادہ قریب ہے

تشریح :۔ قولہ[1] ہذا ھو المشہور ۔ یعنی مبتدا کے وجوہ تخصیص میں سے جو مذکور ہوا ۔ جمہور کے نزدیک یہی مشہور ہے لیکن محققین مثلاً امام ابن الدیان نے نکرہ کے مبتدا ہونے کی صحت کا مدار تخصیص کو نہیں بلکہ فائدہ کے حصول کو قرار دیا ہے کہ اگر مخاطب کو پہلے سے نسبت کا علم حاصل نہیں ہے تو اخبار درست ہے اگرچہ مبتدا نکرہ محضہ ہی کیوں نہ ہو اور اگر اس کو علم ہے تو اخبار درست نہیں اگرچہ مبتدا معرفہ ہی کیوں نہ ہو پس کوکب انقض الساعۃ میں کوکب کا مبتدا ہونا درست ہے اگرچہ وہ نکرہ محضہ ہے کیونکہ اس سے فائدہ حاصل ہے اور زیدٌ شیءٌ میں زید کا مبتدا ہونا درست نہیں ہے اگرچہ وہ معرفہ ہے کیونکہ زید کا شیئ ہونا ہر کسی کو معلوم ہے اسی طرح رجلٌ قائمٌ میں رجلٌ بھی مبتدا نہیں ہوگا کیونکہ ہر کسی کو یہ معلوم ہے کہ عالم میں ہر فرد قائم ہے ۔

قولہ[2] وہذا القول ۔ امام ابن دیان کا یہ قول درستگی سے زیادہ قریب اس لئے ہے کہ استعمالات ان کے مسلک کے زیادہ مطابق ہیں قرآن کریم میں ہے وُجوہٌ یومئذٍ ناظرۃٌ ۔ اس میں وُجوہٌ مبتدا ہے جو نکرہ محضہ ہے اور ناظرۃ اس کی خبر ہے اور یومئذٍ اس کا مفعول فیہ مقدم دوسری جگہ ارشاد ہے یوم لنا ویوم علینا ۔ دونوں جگہ یوم مبتدا ہے جو نکرہ ہے اور لنا پہلے کی خبر ہے اور علینا دوسرے کی خبر ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو امام یوسف اور جمہور نحات کے درمیان اختلاف ہی نہیں ہے کیونکہ امام کا قول بلحاظ ان اشخاص کے ہے جو فائدہ و نقصان کے مادوں کے درمیان امتیاز رکھتے ہیں اور جمہور نحات کے درمیان بلحاظ مبتدئین ہیں جو فائدہ و نقصان کے مادوں کے درمیان امتیاز نہیں رکھتے اس لئے انکی سمجھ کے مطابق تخصیصات مذکورہ کو بیان کیا گیا ۔

---

[1] ولمّا کان الخبرُ المعرّفُ فیما سبقَ مختصاً بالمفردِ لکونہ قسماً من الاسمِ فلم یکن الجملۃُ داخلۃً فیہ اراد ان یشیر الیٰ انّ خبرَ المبتداءِ قد یقعُ جملۃً ایضاً فقالَ والخبرُ قد یکونُ جملۃً اسمیۃً مثلُ زیدٌ ابوہُ قائمٌ وفعلیۃً مثلُ زیدٌ قامَ ابوہُ ولم یذکرُ الظرفیۃَ لانّہا راجعۃٌ الی الفعلیۃِ

ترجمہ ـــــ اور جب کہ خبر جس کی تعریف ماسبق میں کی گئی مفرد کے ساتھ مختص ہے کیونکہ مفرد اسم کی

Marfat.com

تم ہے پس جملہ اس میں داخلہ نہ ہوا تو مصنف نے اس امر کی طرف اشارہ کرنے کا ارادہ فرمایا کہ مبتدا کی خبر کبھی جملہ بھی واقع ہوتی ہے پس مصنف نے فرمایا (اور خبر کبھی جملہ) اسمیہ (ہوتی ہے جیسے زیدٌ ابوہُ قائمٌ اور) فعلیہ ہوتی ہے جیسے (زیدٌ قام ابوہُ) جملہ ظرفیہ کو اس لئے بیان نہیں فرمایا کہ وہ جملہ فعلیہ کی طرف راجع ہے

تشریح:۔۔۔ قولہ ولما کان۔ یہ تمہید ہے متن میں آنے والی عبارت کی جس کا حاصل یہ کہ ماقبل میں خبر کی جو تعریف گذر چکی ہے وہ مفرد کیساتھ خاص ہے کیونکہ وہ اسم کی قسم ہے اور اسم مفرد ہوتا ہے کیونکہ وہ کلمہ کی قسم ہے جو مفرد کے ساتھ خاص ہے پس اس میں جملہ داخل نہیں اس لئے مصنف نے فرمایا کہ خبر گرچہ بکثرت مفرد ہوتی ہے لیکن کبھی وہ جملہ بھی ہوتی ہے کیونکہ وہ بھی مفرد کی طرح حکم کا افادہ کرتا ہے جملہ عام ہے کہ وہ اسمیہ ہو جیسے زیدٌ ابوہُ قائمٌ میں ابوہُ قائمٌ یا فعلیہ ہو جیسے زید قام ابوہُ میں قام ابوہُ

قولہ ولم یذکر۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ خبر جس طرح جملہ اسمیہ و فعلیہ ہوتی ہے اسی طرح ظرفیہ بھی تو ماتن نے ظرفیہ کی مثال کو کیوں چھوڑ دیا؟ جواب یہ کہ جملہ ظرفیہ حقیقۃً جملہ فعلیہ ہی کی طرف رجوع کرتا ہے یعنی ظرف فعل کے قائم مقام ہوتا ہے اسی لئے وہ فاعل کو رفع کرتا ہے جیسے فی دارہٖ زیدٌ میں جو ظرف ہے وہ استقرّ فعل مقدر کے قائم مقام ہو کر زید کو رفع کرتا ہے پس جملہ ظرفیہ فعلیہ میں داخل ہوا۔ یہی حال جملہ شرطیہ کا بھی ہے کہ اس کی جزا اگرچہ جملہ فعلیہ ہو تو وہ جملہ فعلیہ میں داخل ہے اور اگر جزا جملہ اسمیہ ہو تو وہ جملہ اسمیہ میں داخل ہے اس لئے کہ نحویوں کے نزدیک صرف جزا ہی کلام ہے شرط و جزا کا مجموعہ نہیں۔

واذا کانَ الخبرُ جملۃً والجملۃُ مستقلۃٌ بنفسہا لاتقتضی الارتباطَ بغیرہا فلا بدَّ فی الجملۃِ الواقعۃِ خبراً عن المبتداءِ مِنْ عائدٍ یربطُہا بہ وذلک العائدُ اِمّا ضمیرٌ کما فی المثالینِ المذکورینِ اَوْ غیرُہٗ کاللام فی نعم الرجلُ زیدٌ اَوْ موضعُ المظہرِ موضعُ المضمرِ فی نحو الحاقۃُ ما الحاقۃُ اَوْ کونُ الخبرِ تفسیراً للمبتداءِ نحو قل ہُو اللّٰہُ احدٌ

ترجمہ ۔۔۔ اور جب خبر جملہ ہو اور جملہ مستقل بنفسہا ہو جو غیر کے ساتھ ارتباط کا تقاضہ نہیں کرتا (پس ضروری ہے) جملہ میں جو مبتدا سے خبر واقع ہوتا ہے (عائد کا ہونا) جو جملہ کو مبتدا کے ساتھ مربوط کر سکے اور یہ عائد آیا ضمیر ہوگا جیسا کہ مذکورہ دونوں مثالوں میں ہے یا غیر ضمیر ہو جیسے لام نعم الرجل زیدٌ میں یا

Marfat.com

اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ رکھا جائے جیسے اَلحاقۃُ ما الحاقۃ جیسی ترکیب میں یا خبر کا مبتدا کی تفسیر ہونا جیسے قل ھواللہُ احدٌ۔

تشریح۔ ــــ قولہ واذا کان ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ خبر جب جملہ ہو تو اس میں عائد کا ہونا کیوں ضروری ہے ؟ جواب یہ کہ جملہ افادہ حکم میں مستقل ہوتا ہے کیونکہ مخاطب کو فائدہ پہونچانے میں کسی دوسرے کا محتاج نہیں اس لئے کہ اس میں ایک مسند الیہ ہوتا ہے جو محل فائدہ ہوتا ہے اور دوسرا مسند ہوتا ہے جو محط فائدہ ہوتا ہے پس اگر اس میں رابطہ نہ ہو تو مبتدا کے ساتھ مرتبط نہ ہوگا اور مبتدا کا ذکر لغو ہو جائیگا اس لئے جملہ میں رابط ضروری ہے جس کو متن میں عائد سے تعبیر کیا گیا ہے۔

بیانہ فلابد ۔ اس میں فا فصیحہ ہے جس سے پہلے شرط مقدر ہوتی ہے لابرائے نفی جنس ہے جس کا اسم بُدّ بمعنی مصدر ہے اور من عائدٍ اس کا متعلق نہیں ورنہ بدّ کا منصوب ہونا لازم آئیگا کیونکہ وہ اس تقدیر پر مشابہ مضاف ہو جائیگا اور لائے نفی جنس کا اسم جب مشابہ مضاف ہو تو منصوب ہوتا ہے حالانکہ یہ مفتوح ہے پس وہ ظرف مستقر ہے جو مقدر کے ساتھ لاحق ہو کر خبر واقع ہے

قولہ وذلک العائد ۔ عائد چار طرح کا ہوتا ہے جن میں سے ایک ضمیر ہے جو بکثرت واقع ہوتی ہے جیسا کہ مذکورہ بالا دونوں مثالوں میں موجود ہے باقی تین ضمیر کے علاوہ ہیں (۱) لام جیسے نعم الرجل زیدٌ میں نعم الرجل خبر مقدم جملہ ہے جس میں رجل کے اوپر لام عائد ہے (۲) مظہر جو مضمر کی جگہ پر واقع ہو جیسے الحاقۃ ما الحاقۃ میں ما الحاقۃ جملہ ہے (ما استفہامیہ مبتدا ہے اور الحاقۃ خبر ہے جس میں الحاقۃ ظاہر کی جگہ پر واقع ہے اور یہ ایسا عظمت کو ظاہر کرنے کے لئے کیا جاتا ہے اور وہ یہاں قیامت کے دن عظمت کو بتانا مقصود ہے (۳) خبر میں مبتدا کی تفسیر واقع ہو جیسے قل ہو اللہُ احدٌ میں اللہ احدٌ جملہ ہے جس میں اسم جلالت ھو مبتدا کی تفسیر واقع ہے۔

وقد یُحذفُ العائدُ اذا کان ضمیراً لقیامِ قرینۃٍ نحو البر الکرّ بستین درھماً والسمنُ منوانِ بدرھم ای الکرُّ منہ ومنوانِ منہ بقرینۃِ انّ بائع البرِّ والسمنِ لایسعرُ غیرھما

ترجمہ : ــــ (اور کبھی حذف کیا جاتا ہے) عائد جب کہ ضمیر ہو قیام قرینہ کے وقت جیسے البر الکرُّ بستین درہماً اور السمنُ منوان بدرہم یعنی الکرُّ منہ ومنوان منہ اس قرینہ سے کہ گیہوں اور گھی کا بیع کرنے والا ان کے علاوہ کا بھاؤ نہیں کرے گا

Marfat.com

تشریح:۔ بیانہ[1] قد یحذف ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ جملہ میں اگر عائد کا ہونا ضروری ہے تو السمنُ منوانِ بدرہم میں السمن مبتدا ہے اور منوان بدرہم خبر ہے جو جملہ ہے لیکن اس میں عائد کیوں نہیں اسی طرح ابرالکرُ بستین درہما میں البرُ مبتدا ہے اور الکرُ بستین درہما خبر ہے جو جملہ لیکن اس میں بھی کوئی عائد نہیں جواب یہ کہ عائد کثر مذکور ہوتا ہے لیکن کبھی محذوف بھی ہوتا ہے جبکہ قرینہ موجود ہو اول میں قرینہ یہ ہے کہ وہ گھی بیچنے والے کا قول ہے اور دوم میں قرینہ یہ ہے کہ وہ گیہوں بیچنے والے کا قول ہے پس دونوں مثال اصل میں یہ ہیں السمن منوان منہ بدرہم اور ابرالکر منہ بستین درہما خیال رہے کہ کرُ ایک پیمانہ کا نام ہے جس میں بارہ دستی گیہوں آتے ہیں اور ایک دستی ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع چار مُد کا اور مُد ہی کو مَنّ کہا جاتا ہے۔ الکرُ کا لام عائد نہیں بلکہ زائد ہے اس لئے کہ اس سے کرّ معین مراد نہیں یا یہ کہ لام کا عائد ہونا افعال مدح وذم کے معمول میں متصور ہوتا ہے اور ظاہر ہے یہ اس کا معمول نہیں الکرّ کے بعد منہ (جار ومجرور مودل بجملہ) صفت ہے الکر کی اسی طرح منوان کے بعد منہ صفت لیکن دوم تو ظاہر ہے اول اس لئے کہ الکر میں اگرچہ لام ہے لیکن وہ چونکہ زائد ہے اس لئے وہ نکرہ ہی ہے پس اس کو جملہ کا موصوف ہونا درست ہے کیونکہ جملہ بھی نکرہ ہوتا ہے۔

قولہ[2] اذا کان ضمیرًا ۔ عائد اگر ضمیر ہو تو قرینہ کی وجہ سے صرف وہی محذوف ہوتی ہے دوسرے نہیں کیونکہ لام کے حذف سے عہدیت فوت ہو جاتی ہے اور مظہر کو جو مضمر کی جگہ پر رکھا جاتا ہے وہ کسی نکتہ کی وجہ سے اور حذف سے وہ نکتہ فوت ہو جاتا ہے اور خبر جو مبتدا کی تفسیر ہوتی ہے وہ عین مبتدا ہوتی ہے پس وہ بھی حذف کو قبول نہ کرے گی بر خلاف ضمیر کہ اس کے حذف سے کوئی نقص لازم نہیں آتا کیونکہ وہ قرینہ سے معلوم کر لیا جاتا ہے۔

---

[1] وَمَا وَقَعَ ظَرْفاً اَیِ[2] الخبرالذی وقعَ ظرفُ زمانٍ اَوْ مکانٍ اَوجارًا وَمجرورًا فالاکثرُ من النُحاۃِ وَھم البصریُّون علیٰ انَّہ الخبرُ الواقعُ ظرفاً مقدرٌ اَیْ مؤولٌ بجملۃٍ بتقدیرِ الفعلِ فیہ لانَّہ اذا قُدِّرَ فیہ الفعلُ یصیرُ جملۃً بخلاف ما اذا قُدِّرَ فیہ اسمُ الفاعلِ کما ھُوَ مذھبُ الاقلِّ وھم الکوفیون فانَّہ یصیرُ حینئذٍ مفرداً

ترجمہ: ـــــ (اور جو واقع ہو ظرف) یعنی وہ خبر جو ظرف زمان یا مکان واقع ہو یا جار ومجرور (تو اکثر) نحویوں سے اور وہ بصریین ہیں اس پر ہیں (کہ وہ) یعنی وہ خبر جو ظرف واقع ہو (مقدر ہوتی ہے) یعنی مودل ہوتی ہے (جملہ کیساتھ) اس میں فعل کی تقدیر کے ساتھ اس لئے کہ جب اس میں فعل مقدر مانا جائے تو جملہ ہو جاتا ہے برخلاف اس وقت

Marfat.com

اس میں اسم فاعل مقدر مانا جائے جیساکہ وہ اقل کا مذہب ہے اور وہ کوفیین ہیں پس اس وقت وہ مفرد ہوجاتا ہے۔

تشریح: ـــــ بیانہٗ[1] وما وقع۔ خبر اگر ظرف ہو تو بصریین اس سے قبل فعل مقدر مانتے ہیں اور کوفیین اسم فاعل پس زیدٌ فی الدار میں فی الدار سے قبل بصریون کے نزدیک ثبتَ یا یثبتُ مقدر ہوگا تو وہ جملہ ہوجائیگا اور کوفیین کے نزدیک ثابت مقدر ہوگا پس وہ مفرد ہوجائیگا اس مقام پر ایک اختلاف یہ ہے کہ خبر صرف مقدر ہے یا صرف ظرف ہے یا دونوں کا مجموعہ پہلا مذہب ابن کیسان کا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ مقدر اصل ہے اس لئے کہ وہ عامل ہے اور ظرف اس کی قید ہے اعتبار اصل کا ہوتا ہے دوسرا مذہب بصریون اور ابن جنی کا ہے جو اعتبار ظاہر کا کرتے ہیں کہ مقام خبر میں مذکور صرف ظرف ہے تیسرا مذہب امام ابن الہمام اور علامہ رضی کا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ مقصود چونکہ دونوں پر موقوف ہے اس لئے خبر دونوں کا مجموعہ ہوگی

قولہ[2] ای الخبر۔ اس عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ متن میں ما اسم موصول بمعنی الذی ہے لیکن موصوف کے حذف کیساتھ یعنی الخبر الذی اور ظرف سے مراد عام ہے کہ ظرف زمان ہو جیسے القیام لیلۃ القدر یا ظرف مکان ہو جیسے زیدٌ خلفک یا جار ومجرور ہو جیسے بکرٌ فی الدار کہ اصطلاح میں فی الدار کو بھی ظرف کہا جاتا ہے کیونکہ ظرف سے یہاں مراد بطریق عموم مجاز ما یحتاج الی المتعلق ہے اور ظاہر ہے ظرف زمان ومکان کی طرح جار ومجرور بھی متعلق کا محتاج ہیں پھر ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں ایک ظرف لغو اور دوسری ظرف مستقر۔ ظرف لغو اس ظرف کو کہتے ہیں جس کا عامل یعنی متعلق مذکور ہو وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ ظرف عمل سے خالی ہوکر لغو ہوجاتا ہے اور ظرف مستقر اس ظرف کو کہتے ہیں جس کا عامل یعنی متعلق محذوف ہو وجہ تسمیہ یہ ہے کہ عامل محذوف کی ضمیر مستتر منتقل ہوکر اس میں آجاتی ہے تو ظرف اس کے لئے مستقر یعنی جائے قرار ہوتا ہے پس اس صورت میں زید فی الدار کی ترکیب یہ ہوئی کہ زید مبتدا ہے اور فی حرف جار ال حرف تعریف دار مجرور جار اپنے مجرور سے مل کر ظرف اس میں ھو ضمیر مستتر اس کا فاعل ظرف اپنے فاعل سے مل کر جملہ ظرفیہ ہوکر خبر۔ مبتدا اپنی خبر سے ملکر جملہ اسمیہ ہوا یا وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ ظرف عامل محذوف کے قائم مقام ہوتا ہے تو یہ ظرف عامل کی جگہ پر مستقر ہوتا ہے پس اس صورت میں مستقر قاف کے کسرہ کے ساتھ اسم فاعل ہے اور پہلی صورت میں قاف کے فتحہ کیساتھ مستقر اسم ظرف ہے۔

بیانہٗ[3] فالاکثر۔ اس کے بعد من النحاۃ کی تقدیر سے یہ اشارہ ہے کہ الاکثر میں لام عہد خارجی کا ہے جس سے مراد اکثر نحویین ہیں اور اکثر نحویین سے مراد بصری نحویین ہیں لیکن اس کو بطور اختصار یوں نہیں فرمایا فالاکثر من البصریین اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ بصریین پر من برائے تبعیض ہے جب کہ یہاں مراد تمام بصریین

Marfat.com

ہیں ۔

بیانہ انہ ۔ لفظ علیٰ کو حاشیہ عبدالغفور نے ماتن کا قول شمار کیا ہے لیکن حاشیہ عبدالرحمٰن نے اس کو شارح کا بیان کیا ہے پس اس تقدیر پر جواب ہوگا اس سوال کا کہ الاکثر مبتدا ہے اور انہ مقدرٌ اس کی خبر ہے لیکن یہ اس پر محمول نہیں جب کہ خبر مبتدا پر محمول ہوتی ہے جواب یہ کہ انہ مقدرٌ سے پہلے علیٰ محذوف ہے پس معنی یہ ہوگا کہ اکثر نحوی اس امر پر متفق ہیں کہ خبر جو ظرف ہے وہ جملہ کے ساتھ مؤول ہوگی اور ایُ الخبر الواقع سے محض ضمیر منصوب کے موضع کو بیان کیا گیا ہے ۔

قولہ ای مؤول ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مقدر محمول ہے انّ کے اسم پر جو ظرف ہے حالانکہ یہ درست نہیں اس لئے کہ خبر جو ظرف ہے وہ مذکور ہوتا ہے مقدر نہیں ۔ جواب یہ کہ مقدر سے یہاں مراد مؤول ہے یعنی مقدر سے مراد وہ نہیں جو مذکور کے مقابل ہوتا ہے بلکہ وہ ہے جو ظاہر کے خلاف ہو ذکر خاص وارادۂ عام کے قبیل سے کیونکہ مؤول جو خلاف ظاہر کو کہتے ہیں وہ مقدر سے عام ہوتا ہے ۔

قولہ بتقدیر الفعل ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ ظرف مفرد ہوتا ہے اس کو جملہ کیسے کہا گیا ؟ جواب یہ کہ ظرف کو جملہ تقدیر فعل کی وجہ سے کہا گیا ہے کہ اس سے قبل جب فعل مقدر ہوگا تو اس میں فاعل کی ضمیر مستتر ہوگی فعل اپنے فاعل سے ملکر جملہ ہو جائیگا لیکن جب اس سے قبل اسم فاعل مقدر ہوگا جیسا کہ وہ نحویوں کا مذہب ہے تو جملہ نہیں بلکہ شبہ جملہ ہوگا کہ اس کی نسبت تام نہیں ہوتی ۔

ووجہ الاکثر انّ الظرف لابدّ لہ من متعلق عامل فیہ والاصل فی العمل ھو الفعل فاذا وجب التقدیر فالاصل اولیٰ ووجہ الاقلّ انہ خبر والاصل فی الخبر الافراد

ترجمہ: ــــ اور اکثر یعنی بصریوں کی دلیل یہ ہے کہ ظرف کے لئے ایسے متعلق بالفتح کا ہونا ضروری ہے جو اس میں عامل ہو اور عمل میں اصل صرف فعل ہے پس جب تقدیر واجب ہوئی تو اصل اولیٰ ہوا ۔ اور اقل کی دلیل یہ ہے کہ وہ خبر ہے اور خبر میں اصل مفرد ہوتا ہے ۔

تشریح: ــــ قولہ ووجہ الاکثر ۔ ظرف سے قبل عامل کے مقدر ماننے میں سب کا اتفاق ہے لیکن بصریوں نے فعل کو مقدر مانا ہے اور کوفیوں نے اسم فاعل کو بصریوں کی دلیل یہ ہے کہ ظرف کے لئے ایک عامل کا ہونا ضروری ہے جو اس کا متعلق ہو سکے اور عمل میں اصل چونکہ فعل ہے اس لئے فعل کو مقدر مانا گیا اور ہر فعل کے لئے فاعل کا

Marfat.com

ہونا ضروری ہے اس لئے اس میں فاعل ضمیر مستتر مانا گیا جس سے مقدر جملہ ہوگیا کوفیون کی دلیل یہ ہے کہ ظرف مذکور خبر ہے اور خبر میں اصل مفرد ہونا ہے کیونکہ وہ اسم کی قسم ہے اور اسم کلمہ کی قسم ہے اور کلمہ مفرد ہوتا ہے اس لئے مقدر اسم فاعل کو مانا گیا کہ وہ اپنے عامل سے ملکر شبہ جملہ ہو جو اصل میں مفرد ہوتا ہے یہ دلیل چونکہ ظرف کے خبر ہونے کے اعتبار سے ہے اور پہلی دلیل ظرف کے معمول ہونے کے اعتبار سے ہے اور ظرف کا معمول ہونا اصل ہے کہ وہ کبھی بھی ظرف سے جدا نہیں ہوتا البتہ خبر ہونا ظرف سے جدا ہو جاتا ہے جیسے جلس زیدٌ خلف مسجدٍ اس لئے مصنف نے پہلا مذہب کو اختیار فرمایا اور دوسرے کا تذکرہ نہیں کیا۔

ثمّ اَنّ الاَصْلَ فی المبتداءِ التقدیمُ وجازَ تاخیرُہٗ لکنّہٗ قد یجبُ لعارضٍ کما اشارَ الیہ بقولہٖ واذا کانَ المبتداءُ مشتملاً علیٰ مالہٗ صدرُ الکلامِ ای علیٰ معنیً وجبَ لہٗ صدرُ الکلامِ کالاستفہامِ فانّہٗ یجبُ حینئذٍ تقدیمُہٗ حفظاً لصدارتہٖ

ترجمہ: ـــــ پھر مبتدا میں اصل تقدیم ہے اور اس کی تاخیر بھی جائز ہے لیکن کبھی عارض کی وجہ سے تقدیم واجب ہو جاتی ہے جیسا کہ مصنف نے اس کی طرف اپنے قول سے اشارہ فرمایا کہ (جب مبتدا ایسے معنی پر مشتمل ہو جس کے لئے صدر کلام ہے) یعنی ایسے معنی پر مشتمل ہو جس کے لئے صدر کلام واجب ہے جیسے استفہام کہ اس وقت اس کی صدارت کی حفاظت کرنے کے لئے مبتدا کی تقدیم ضروری ہے۔

تشریح: ـــــ قولہ ثم انّ الاصل۔ اس عبارت سے متن میں آنے والی عبارت کو ماقبل کیساتھ ربط قائم کیا جاتا ہے کہ مبتدا میں اصل اگرچہ تقدیم ہے جب کہ اس کی تاخیر بھی جائز ہے لیکن عارض کی وجہ سے مبتدا کی تقدیم کبھی واجب ہو جاتی ہے۔ اس کی کل دس صورتیں ہیں جن میں سے چار تو متن میں مذکور ہیں اور باقی چھ میں سے ایک یہ کہ مبتدا ضمیر شان ہو جیسے ھو اللہُ احدٌ دوسری صورت یہ کہ خبر طلب ہو جیسے زیدٌ اضربتہٗ اور زیدٌ ھل ضربتہٗ تیسری صورت یہ کہ مبتدا دعاء ہو جیسے سلامٌ علیک اور ویلٌ لزید چوتھی صورت یہ کہ مبتدا امّا کے بعد واقع ہو جیسے امّا زیدٌ فمنطلقٌ پانچویں صورت یہ کہ مبتدا کم خبریہ ہو جیسے کم من قریۃٍ اھلکناھا چھٹی صورت یہ کہ مبتدا الا سے پہلے یا انما کے بعد بلا فصل واقع ہو جیسے ما محمدٌ الا رسولٌ اور انما انت نذیرٌ۔

بیانہ اِذا کانَ۔ اذا حرف شرط ہے جس کی جزاء وجبَ تقدیمہٗ ہے اور المبتداء اسم ہے کان کا اور مشتملاً اس کی خبر ہے اور علیٰ مالہ میں ما اگر موصولہ ہے تو جملہ لاحقہ صلہ ہوگا اور اگر ما موصوفہ ہے تو جملہ لاحقہ صفت ہوگا

Marfat.com

جب کہ شرح میں دوسرے کی طرف اشارہ ہے اور صدرُ الکلامِ فاعل ہے لہٰذا ظرف کا یا اس کی خبر مقدم ہے حاصل یہ کہ تقدیم کی یہ پہلی صورت ہے کہ مبتدا ایسے معنی پر مشتمل ہو کہ جس کے لئے صدر کلام واجب ہے جیسے مَنْ ابوکَ اس صورت میں مبتدا کو مقدم کرنا اس لئے واجب ہے کہ صدارت واجبہ فوت نہ ہو جائے خیال رہے کہ مبتدا کا اشتمال اس معنی پر اور باقی ان پانچ معنوں پر جو چار نمبر میں مسطور ہیں اشتمال الدال علی المدلول ہے کیونکہ مبتدا لفظ ہوتا ہے اور مالہٗ صدر الکلام معنی اور ظاہر ہے لفظ دال ہوتا ہے اور معنی مدلول پر مبتدا ایسے معنی پر کبھی بنفسہٖ دال ہوتا ہے جیسے مَنْ ابوکَ میں مبتدا استفہام پر بنفسہٖ دال ہے کیونکہ اس کا معنی ہے اَہٰذا ابوکَ اَمْ ذاکَ اور کبھی مبتدا ایسے معنی پر بواسطہ مجاور دال ہوتا ہے جیسے غلام من ضارب میں مبتدا استفہام پر بواسطہ مجاور موخر دال ہے۔

قولہ اَیْ علیٰ معنیً۔ اس عبارت سے متن میں جو ما ہے اس کے معنی کو بیان کیا گیا ہے اور اس کی تنکیر سے یا اشارہ ہے کہ ما موصوفہ ہے موصولہ نہیں کہ وہ معرفہ ہوتا ہے موصوفہ اس لئے مراد لیا گیا کہ یہاں کوئی خاص معنی مراد نہیں بلکہ عام ہے کہ کوئی بھی معنی ہو جو صدر کلام کو واجب ہے۔

قولہ کالاستفہام۔ یہاں صرف ایک معنی کو بطور تمثیل بیان کیا گیا ہے جب کہ صدر کلام کل چھ معنوں کے لئے واجب ہوتا ہے وہ یہ ہیں (۱) استفہام جیسے مَنْ ابوکَ (۲) شرط جیسے من یقتل مومنًا متعمدًا فجزاؤہٗ جہنم (۳) تاکید بلام ابتدا جیسے لزیدٌ منطلقٌ (۴) تعجب جیسے ما اَحسنَ زیدًا (۵) قسم جیسے لعمرکَ انّہٗ فی سکرتہم یعمہون (۶) نفی جیسے لازیدٌ فی الدار ولا بکرٌ اس میں زید مبتدا ہے جو خبر پر وجوبًا مقدم ہے اور مبتدا پر معطوف ہے مبتدا نہیں اس لئے اس کو خبر پہ مقدم نہیں کیا گیا۔

مِثْلُ مَنْ ابوکَ فَاِنَّ مَنْ مبتداءٌ مشتملٌ علیٰ مالہٗ صدرُ الکلامِ وھُوالاستفہامُ فاِنَّ معناہُ اَہٰذا ابوکَ اَمْ ذاکَ والبوکَ خبرُہٗ وھٰذا مذھبُ سیبویہِ وذھبَ بعضُ النحاۃِ الیٰ انّ ابوکَ مبتداءٌ لکونہٖ معرفۃً ومَنْ خبرُہٗ الواجبُ تقدیمُہٗ علی المبتداءِ لتضمّنہٖ معنی الاستفہامِ

ترجمہ:— (جیسے من ابوکَ) اس لئے کہ لفظ من مبتدا ہے جو ایسے معنی پر مشتمل ہے جس کے لئے صدر کلام ہے اور وہ استفہام ہے کیونکہ اس کا معنی ہے اَہٰذا ابوکَ اَمْ ذاکَ اور ابوکَ اس کی خبر ہے اور یہ سیبویہ کا مذہب ہے اور بعض نحوی اس طرف گئے ہیں کہ ابوکَ مبتدا ہے کیونکہ وہ معرفہ ہے اور من اس کی خبر

Marfat.com

ہے جس کی تقدیم مبتدا پر ضروری ہے کیونکہ وہ استفہام کے معنی کو متضمن ہے

تشریح: ـــــ قولہ فَاِنَّ مَنْ ۔ مثال میں ایک دوسرا احتمال بھی ممکن ہے جیسا کہ آگے مذکور ہے لیکن جو احتمال ممثل لہٗ کے مطابق ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ اس میں مَنْ مبتدا ہے جو مشتمل ہے معنیٔ استفہام پر جس کے لئے صدر کلام ضروری ہوتا ہے کیونکہ اس کا معنی ھذا ابوکَ اَمْ ذاکَ ہے جو استفہام پر مشتمل ہے اور ابوکَ اس کی خبر ہے ۔

قولہ وھذا مذھبُ ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مثال مذکور میں مَنْ اگرچہ معنی استفہام پر مشتمل ہے لیکن نکرہ ہے جو مبتدا ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا جواب یہ کہ یہ مثال سیبویہ کے مذہب پر مبنی ہے کیونکہ ان کے نزدیک دو جگہ پر تخصیص کے بغیر بھی نکرہ کو مبتدا بنانا جائز ہے ایک وہی نکرہ جو معنیٔ استفہام پر مشتمل ہو جیسے مَنْ ابوکَ دوسرا وہ نکرہ افضل التفضیل ایسے جملہ اسمیہ میں مبتدا ہو کہ جو جملہ اسمیہ صفت ہو جیسے جاءنی رجلٌ افضل منہ ابوہُ اس میں افضل نکرہ ہے جو مبتدا ہے اور اس کی خبر اَبوہُ ہے اور مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صفت ہے رجلٌ موصوف کی ۔

قولہ وذھبَ بعضُ ۔ بعض نحویوں نے مثال مذکور کی ایک دوسری ترکیب یہ بیان کیا ہے کہ مبتدا ابوکَ ہے کیونکہ وہ معرفہ ہے اور مَنْ اس کی خبر نکرہ ہے اور اس کو اس لئے مقدم کیا گیا کہ وہ معنیٔ استفہام پر مشتمل ہے لیکن یہ اس تقدیر پر حکم مذکور کی مثال نہ ہو سکے گی البتہ وجوب تقدیم کی مثال ہوگی لیکن وہ بعد میں مذکور ہے ۔

اَوْ کانا اَیُّ المبتداءُ والخبرُ معرفتینِ متساویینِ فی التعریفِ اَوْ غیرَ متساویینِ ولا قرینۃَ علیٰ کونِ احدھما مبتداءً والآخرُ خبرًا نحو زیدٌ المنطلقُ

ترجمہ: ـــــ (یا ہوں دونوں) یعنی مبتدا و خبر (معرفہ) تعریف میں برابر ہوں یا برابر نہ ہوں اور نہ ان دونوں میں سے کسی ایک کے مبتدا ہونے اور دوسرے کے خبر ہونے پر قرینہ ہو جیسے زیدٌ المنطلقُ ۔

تشریح: ـــــ بیانہ اَوْ کانا ۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مبتدا و خبر جب دونوں معرفہ ہوں اور ان دونوں میں سے کسی ایک کے مبتدا اور دوسرے کے خبر ہونے پر کوئی قرینہ نہ ہو تو مبتدا کو خبر پر مقدم کرنا واجب ہے تاکہ سامع کو یہ اشتباہ نہ رہے کہ دونوں میں سے کون مبتدا ہے اور کون خبر ہے ؟ اور شرح میں اَیُّ المبتداءُ والخبرُ ۔

Marfat.com

سے کانا میں ضمیر مرفوع کے مرجع کو بیان کیا گیا ہے ۔

قولہ متساویین ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ دوسری صورت کا ذکر فضول ہے کیونکہ اس کو تیسری صورت شامل ہے کہ وہ عام ہے کہ دونوں برابر ہوں تعریف میں یا تخصیص میں جواب یہ کہ دوسری صورت میں بھی مبتدا وخبر کے معرفہ ہونے سے مراد عام ہے کہ نفس تعریف میں دونوں متساوی یعنی برابر ہوں یا برابر نہ ہوں اول جیسے مقام مدح میں انت انت وانا انا دوم جیسے زیدٌ المنطلقُ میں معرف باللام علم کے برابر نہیں ۔

قولہ ولا قرینۃ ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مبتدا وخبر کبھی دونوں معرفہ ہوتے ہیں لیکن مبتدا کو موخر کرنا جائز ہوتا ہے جیسے ابو حنیفہ ابو یوسف میں دونوں معرفہ ہیں لیکن ابو یوسف مبتدا ہے جو موخر ہے اور ابو حنیفہ خبر ہے جو مقدم ہے جواب یہ کہ مبتدا کو خبر پر مقدم کرنے کے واجب ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ دونوں میں سے کسی ایک کے مبتدا اور دوسرے کے خبر ہونے پر کوئی قرینہ نہ ہو اور مثال مذکور میں قرینہ موجود ہے وہ یہ ہے کہ دوم کی تشبیہ اول کیساتھ مقصود ہے کہ اول کا علمی وعملی کمال دوم کی بہ نسبت اظہر واشہر ہے اور تشبیہ بلیغ میں مشبہ کو مسند اور مشبہ کو مسند الیہ قرار دیا جاتا ہے جیسے زیدٌ اسدٌ میں پس ابو یوسف کے مبتدا ہونے پر چونکہ قرینہ موجود ہے اسلئے اس کو مقدم کرنا واجب نہ ہوا ۔

اَوْ کانا متساویین فی اَصلِ التخصیصِ لا فی قدرہٖ حتی لو قیلَ غلامُ رجلٍ صالحٌ خیرٌ منکَ وجبَ تقدیمُہٗ ایضاً مِثلُ اَفضلُ منی افضلُ منکَ رفعاً للاشتباہِ

ترجمہ :۔ (یا) ہوں دونوں (برابر) نفس تخصیص میں نہ کہ اس کی مقدار میں یہاں تک کہ اگر کہا جائے غلامُ رجلٍ صالحٌ خیرٌ منکَ تو بھی مبتدا کی تقدیم واجب ہے (جیسے اَفضلُ منی اَفضلُ منکَ) اشتباہ کو رفع کرنے کے لئے ۔

تشریح :۔ بیانہ اَوْ ۔ شرح میں کانا کی تقدیر سے یہ اشارہ ہے کہ متن میں متساویین کا عطف معرفتین پر ہے حاصل یہ کہ تقدیم کی تیسری صورت ہے کہ مبتدا وخبر جب دونوں نفس تخصیص میں برابر ہوں تو مبتدا کو خبر پر مقدم کرنا ضروری ہے تاکہ سامع کو یہ اشتباہ نہ رہے کہ دونوں میں سے کون مبتدا ہے اور کون خبر ہے جیسے افضلُ منی افضلُ منکَ میں خیال رہے کہ قرینہ کے نہ ہونے کی قید اس صورت میں بھی ملحوظ ہے لیکن یہاں اس کو چھوڑ دیا گیا سابق پر اکتفا کرنے کی وجہ سے ۔

Marfat.com

قولہ لانی قدرہ ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ غلام رجلٍ صالحٌ خیرٌ منک میں مبتدا و خبر دونوں تخصیص میں برابر نہیں مگر اس کے باوجود مبتدا کو خبر پر مقدم کرنا واجب ہے کیونکہ غلام مبتدا ہے جو مضاف بھی ہے اور موصوف بھی پس اس میں دو تخصیص ہیں اور خیرٌ خبر ہے جس میں صرف ایک تخصیص ہے وہ یہ کہ مفضل علیہ مخاطب ہے جواب یہ کہ مبتدا و خبر جب دونوں نفس تخصیص میں برابر ہوں تو عام ہے کہ دونوں مقدار تخصیص و کیفیت تخصیص میں برابر ہوں یا متفاوت ہوں ۔ مقدار تخصیص اور کیفیت تخصیص میں برابر ہونے کی مثال جیسے ولعبدٌ مومنٌ خیرٌ من مشرک میں مبتدا صفت سے مخصوص ہے اور خبر مفضل علیہ سے مخصوص ہے اور مقدار تخصیص میں متفاوت ہونے کی مثال سوال مذکور میں جو موجود ہے اور کیفیت تخصیص میں متفاوت ہونے کی مثال وہ جو متن میں مذکور ہے اس لئے کہ مبتدا و خبر دونوں میں مفضل علیہ سے تخصیص ہے لیکن ضمیر متکلم چونکہ ضمیر مخاطب سے اعرف ہے اس لئے افضل منی افضل منک سے تخصیص میں اعلیٰ ہوا ۔

قولہ رفعًا للاشتباہ ۔ یہ مفعول لہٗ ہے فعل مقدر کا جو بقرینۂ سیاق کلام حذف ہو گیا ہے اصل عبارت یہ ہے یجبُ تقدیمُ المبتدأ علی الخبر فی الصور تین رفعًا للاشتباہ یعنی مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں مبتدا کو خبر پر مقدم کرنا اس لئے واجب ہے کہ سامع کو یہ اشتباہ نہ رہے کہ دونوں میں سے کون مبتدا ہے اور کون خبر ہے ۔

اَوْ کانَ الخبرُ فعلاً لہٗ اَیْ للمبتدأ اِحترازٌ عمّا لا یکونُ فعلاً لہٗ کما فی قولک زیدٌ قامَ ابوہُ فانّہٗ لا یجبُ فیہِ تقدیمُ المبتدأ لجوازِ قامَ ابوہُ زیدٌ لعدمِ الالتباسِ مثلُ زیدٌ قامَ

ترجمہ ۔۔۔ (یا خبر فعل ہو اس کام) یعنی مبتدا کا ۔ یہ احتراز ہے اس سے جو فعل نہ ہو مبتدا کا جیسے آپ کے قول زیدٌ قامَ ابوہُ میں کیونکہ اس میں مبتدا کو مقدم کرنا واجب نہیں ہے پس جائز ہے قام ابوہُ زیدٌ اس لئے کہ اس میں کوئی التباس نہیں ہے (جیسے زیدٌ قامَ)

تشریح: ۔۔۔ بیانہٗ اَوْ کانَ الخبرُ ۔ چوتھی صورت یہ کہ خبر جب کہ مبتدا کا فعل ہو یعنی خبر ایسا فعل ہو جس کا فاعل وہ ضمیر ہو جو مبتدا کی طرف راجع ہے تو مبتدا کو خبر پر مقدم کرنا واجب ہے تاکہ مبتدا کا فاعل کے ساتھ التباس لازم نہ آئے جیسے زیدٌ قامَ پس اگر مبتدا کو موخر کر کے یوں کہا جائے قام زیدٌ تو یہ اشتباہ

Marfat.com

ہو گا کہ زید فاعل ہے خیال رہے کہ خبر کو یہاں فعل باعتبار ظاہر کہا گیا ہے ورنہ حقیقۃً وہ جملہ ہے کیونکہ اس میں ضمیر مستتر اس کا فاعل موجود ہے جو اپنے فعل کیساتھ مل کر جملہ ہو جاتا ہے

قولہ احتراز۔ یعنی متن میں لہٗ کی قید احتراز کے لئے ہے کہ خبر کا فعل ہونا اس امر کو مطلقاً لازم نہیں کرتا کہ اس پر مبتدا کو وجوباً مقدم کیا جائے بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ مبتدا کا فاعل وہ ضمیر ہو جو مبتدا کی طرف راجع ہو پس زیدٌ قام ابوہُ میں قام فعل اگرچہ خبر واقع ہے لیکن اس کا فاعل ابوہُ اسم ظاہر ہے ضمیر نہیں جو مبتدا کی طرف راجع ہو پس اس پر مبتدا کو مقدم کرنا واجب نہ ہوگا کیونکہ اس کو اگر موخر کر کے قام ابوہُ زیدٌ کہا جائے تو مبتدا کو فاعل کیساتھ التباس لازم نہیں آتا ہے۔

وَجَبَ تقديمُهٗ اَیْ تقديمُ المبتداءِ علَی الخبرِ فی هٰذِهِ الصُّوَرِ اَمَّا فی صورةِ الاوّلِ فلمَا ذکرنا واَمَّا فی صورةِ الاخیرةِ فلئلا یلتبسَ المبتداءُ بالفاعلِ اِذا کانَ الفعلُ مفرداً مثلُ زیدٌ قامَ فانّهٗ اِذا قیلَ قامَ زیدٌ اِلتبسَ المبتداءُ بالفاعلِ اَوْ بالبدلِ عنِ الفاعلِ اِذا کانَ مثنّیً اَوْ مجموعاً فاِنّهٗ اِذا قیلَ فی مثلِ اَلزیدانِ قامَا والزیدونَ قامُوا قاما الزیدانِ وقامُوا الزیدونَ اِحتملَ اَنْ یکونَ الزیدانِ والزیدونَ بدلاً عنِ الفاعلِ فالتبسَ المبتداءُ بهٖ بالفاعلِ علٰی هٰذا التقدیرِ ایضاً علٰی قولِ مَنْ یجوزُ کونَ الالفِ والواوِ حرفاً دالاً علٰی تثنیةِ الفاعلِ وجمعهٖ کالتاءِ فی ضربَتْ هندٌ

ترجمہ: ــــ (تو واجب ہوگی اس کی تقدیم) یعنی مبتدا کی تقدیم خبر پر ان صورتوں میں لیکن پہلی تین صورتوں میں تقدیم اس وجہ سے واجب ہے کہ جو ہم نے بیان کیا اور لیکن آخری صورت میں اس لئے واجب ہے کہ مبتدا کا فاعل کیساتھ التباس نہ ہو جائے جب کہ فعل مفرد ہو جیسے زیدٌ قام کیونکہ جب قام زیدٌ کہا جائے تو مبتدا کا فاعل کیساتھ یا فاعل کے بدل کیساتھ التباس ہو جائیگا جب کہ مثنی یا مجموع ہو اس لئے کہ جب الزیدان قاما اور الزیدون قاموا جیسی ترکیب میں قاما الزیدان وقاموا الزیدون کہا جائے تو احتمال ہے کہ الزیدان اور الزیدون فاعل سے بدل ہو پس مبتدا کا فاعل کے بدل سے التباس ہو جائیگا یا اس تقدیر پر بھی فاعل کے ساتھ التباس ہو جائیگا اس شخص کے قول پر جو الف و واؤ کو فاعل کے تثنیہ و جمع پر دلالت کرنے والا حرف تجویز کرتا ہے جیسے تاء ضربَتْ ہند میں

تشریح: ــــ بیانہٗ وجَبَ تقدیمُهٗ یہ جزا ہے شرط مذکور کی اور شرح میں ای تقدیم المبتدا سے ضمیر کے مرجع کو بیان کیا گیا ہے اور علی الخبر سے مقدم علیہ کا بیان ہے اور فی ہذہ الصور سے یہ اشارہ ہے کہ جزا کا تعلق

Marfat.com

صرف صورت اخیرہ کے ساتھ نہیں بلکہ مذکورہ بالا چاروں صورتوں کے ساتھ ہے ۔

قولہ اما فی صورۃ الاول ۔ ماقبل میں چاروں صورتوں کیساتھ اجمالاً انکی دلیلیں بھی بیان کردی گئیں تھیں لیکن چونکہ صورت اخیرہ تفصیل کا طالب تھی اس لئے یہاں اس کو دوبارہ بیان کیا جاتا ہے کہ خبر اگر ایسا فعل ہو جس کا فاعل وہ ضمیر ہو جو مبتدا کی طرف راجع ہو تو مبتدا کو مقدم کرنا واجب ہے اس لئے کہ فعل اگر مفرد ہو جیسے زیدٌ قامَ میں تو مبتدا اگر موخر کر کے یوں کہا جائے قام زیدٌ تو یہ اشتباہ ہوگا کہ زید فاعل ہے اور اگر فعل مثنی یا مجموع ہو جیسے الرجلان قاما والرجال قاموا تو مبتدا کو اگر موخر کر کے یوں کہا جائے قاما الرجلان و قاموا الرجال تو یہ اشتباہ ہوگا کہ الرجلان یا الرجال فاعل کا بدل ہے ان نحویوں کے مذہب پر جو فعل میں ضمیر غائب بارز مانتے ہیں لیکن ان نحویوں کے مذہب پر کہ جو فعل میں ضمیر غائب بارز نہیں مانتے اور یہ کہتے ہیں کہ قاما اور قاموا میں الف اور واؤ تثنیہ وجمع کی علامت ہیں جس طرح کہ مذہبتْ ہندٌ میں تا بارز نہیں بلکہ واحد مونث کی علامت ہے پس اس صورت میں مبتدا کو اگر موخر کیا جائے تو مبتدا کا فاعل کے ساتھ التباس لازم آئیگا ۔

وَاذا تضمّنَ الخبرُ المفردُ اَیُ الذی لیسَ بجملۃٍ صورۃً سواءٌ کان بحسب الحقیقۃِ جملۃً اَوْ غیرَ جملۃٍ مالہٗ صدرُ الکلامِ اَیْ معنیً وجبَ لہٗ صدرُ الکلامِ کالاستفہامِ مثلُ اَینَ زیدٌ فزیدٌ مبتداءٌ و اَینَ اسمٌ متضمنٌ للاستفہامِ خبرُہٗ وَھُوَ ظرفٌ فَاِنْ قُدِّرَ بفعلٍ کانَ الخبرُ جملۃً حقیقۃً مفرداً صورۃً وَاِنْ قُدِّرَ باسمِ الفاعلِ کانَ الخبرُ مفرداً صورۃً وحقیقۃً وعلی التقدیرینِ لَیْسَ بجملۃٍ صورۃً واحترزَ بہٖ عن نحو زیدٌ اَینَ ابوہُ اِذْ لا تبطلُ بتاخیرہٖ صدارۃُ مالہٗ صدرُ الکلامِ لتصدُّرہٖ فی جملتہٖ ۔

ترجمہ : ـــــ (اور جب متضمن ہو خبر مفرد) یعنی جو صورۃً جملہ نہ ہو عام ہے کہ حقیقۃً جملہ ہو یا جملہ نہ ہو (اس کو کہ جس کیلئے صدر کلام ہے) یعنی ایسے معنی کو کہ جس کے لئے صدر کلام واجب ہے جیسے استفہام (جیسے اَینَ زیدٌ) پس زید مبتدا ہے اور این اسم جو استفہام کو متضمن اس کی خبر ہے اور اَینَ ظرف ہے پس اگر اس کو فعل کیساتھ مقدر کیا جائے تو خبر حقیقۃً جملہ ہوگی اور صورۃً مفرد ہوگی اور اگر اسم فاعل کیساتھ مقدر کیا جائے تو خبر صورۃً وحقیقۃً مفرد ہوگی دونوں تقدیروں پر اَینَ صورۃً جملہ نہ ہوگا اور مصنف نے مفرد کی قید سے زیدٌ این ابوہُ جیسی ترکیب سے احتراز فرمایا کیونکہ اس کی تاخیر سے اس کی صدارت باطل نہیں ہوتی جس کے لئے صدر کلام ہے کیونکہ وہ جملہ کے شروع میں ہے

تشریح : ـــــ بیانہٗ واذا تضمن ۔ خبر کو مبتدا پر مقدم کرنے کی بھی دس صورتیں ہیں جن میں سے چار

Marfat.com

صورتیں متن میں مذکور ہیں اور باقی چھ صورتوں میں سے پہلی صورت یہ کہ خبر کا حصر مبتدا میں ہو جیسے ما قائمٌ الا زیدٌ یا انما قائمٌ زیدٌ دوسری صورت یہ کہ فاجزائیہ داخل ہو جیسے امّا عندک فزیدٌ تیسری صورت یہ کہ خبر اسم اشارہ مکانی ہو جیسے ثمّ زیدٌ چوتھی صورت یہ کہ مبتدا کی خبر کم خبریہ ہو جیسے کم درہمٍ مالک پانچویں صورت یہ کہ مبتدا کی خبر کا مضاف الیہ کم خبریہ ہو جیسے صاحب کم غلام انت چھٹی صورت یہ کہ خبر کی تاخیر مقصود میں مخل ہو جیسے للّٰہِ درّک اس لئے کہ تاخیر سے تعجب مستفاد نہیں ہوتا جو اس مثال سے مقصود ہے

قولہ ای الّذی ۔ اس عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ مفرد اسم مفعول ہے جس کے اوپر الف لام بمعنی الذی ہوتا ہے اور لیس بجملۃٍ سے معنی مفرد کو بیان کیا گیا ہے کہ مفرد سے یہاں مراد غیر جملہ ہے کیونکہ مفرد کبھی مرکب کے مقابل آتا ہے اور کبھی مضاف کے مقابل اور کبھی تثنیہ و جمع کے مقابل آتا ہے ۔

قولہ صورۃً : یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مفرد چونکہ یہاں جملہ کے مقابل ہے اس لئے این زیدٌ کو خبر مفرد کی مثال دینا درست نہیں کیونکہ وہ ظرف ہے جو جملہ کی تاویل میں ہوتا ہے جواب یہ کہ مفرد سے مراد یہ ہے کہ وہ صورۃً مفرد ہو عام ہے کہ حقیقۃً جملہ ہو یا جملہ نہ ہو اور ظاہر ہے این صورۃً مفرد ہے اگرچہ بصریون کے نزدیک وہ حقیقۃً جملہ ہے البتہ کوفیوں نے اس کو حقیقۃً بھی مفرد کہا ہے ۔

قولہ ای معنی ۔ یعنی متن میں ما سے مراد معنی ہے اور وجب لہٗ متن میں لہٗ سے مستفاد ہے حاصل یہ کہ مبتدا میں جو چھ معنوں کے لئے صدر کلام واجب تھا وہ خبر میں نہیں ہے البتہ صرف استفہام کے لئے صدر کلام واجب ہوتا ہے عام ہے کہ وہ استفہام پر خود دال ہے جیسے این زیدٌ یا بواسطہ مجاور دال ہے جیسے غلام من زید اور غالبًا اسی فرق کی طرف اشارہ کرنے کے لئے متن میں یہاں متضمن مرقوم ہے اِشتمل نہیں جو ما قبل میں مذکور ہے ۔

قولہ فزید مبتدأ ۔ اس عبارت سے مثال کو ممثل لہٗ سے مطابقت قائم کی جاتی ہے کہ مثال میں زید مبتدا ہے جو موخر ہے اور این خبر مقدم ہے جو استفہام کے معنی کو متضمن ہے اور وہ ظرف ہے جو کبھی فعل کی تاویل میں ہوتا ہے اور کبھی اسم فاعل کی تاویل میں بتقدیر اول وہ حقیقۃً جملہ ہوگا جیسا کہ بصریون کا خیال ہے اور بتقدیر دوم حقیقۃً مفرد ہوگا جیسا کہ وہ کوفیون کا نظریہ ہے لیکن بہر دو تقدیر وہ صورۃً مفرد ہی ہوگا جملہ نہیں خیال رہے کہ مثال مذکور میں زید مبتدا ہوگا این ظرف کا فاعل نہیں جو مشابہ فعل ہوتا ہے کیونکہ اس کا عامل ہونے کے لئے اعتماد مذکور کا ہونا شرط ہے جو یہاں مفقود ہے ۔

قولہ واحترز بہٖ ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ خبر کو مفرد کے ساتھ کیوں مقید کیا گیا

Marfat.com

جواب یہ کہ خبر اگر جملہ ہو اور وہ ایسے معنی کو متضمن ہو جس کے لئے صدر کلام ضروری ہے تو اس کو مبتدا پر مقدم کرنا واجب نہیں ہے کیونکہ موخر کر دینے سے صدارت فوت نہیں ہوتی جیسے زیدٌ این ابوہ میں این ابوہ خبر جملہ ہے اور استفہام کے معنی کو متضمن ہے اس کے باوجود این کو زید سے موخر کرنے پر صدارت فوت نہیں ہوتی کیونکہ جو جملہ خبر ہے اس کے شروع میں این مذکور ہے اور مقتضیٰ صدارت کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے جملہ میں صدر ہو ہر جملہ میں نہیں۔

اَوْ کَانَ الْخَبَرُ یَتَقَدَّمُ بِہٖ مُصَحِّحًا لَہٗ ای للمبتداء مِنْ حَیْثُ اَنَّہٗ مبتداء یَتَقَدَّمُ بِہٖ یَصِحُّ وُقُوْعُہٗ مبتداء مِثْلُ فِی الدَّارِ رَجُلٌ فَاِنَّ فِی الدَّارِ خَبَرٌ تَخَصَّصَ الْمُبْتَدَاءُ بِتَقَدُّمِہٖ کَمَا عَرَفْتَ فَلَوْ اُخِّرَ بَقِیَ الْمُبْتَدَاءُ نَکِرَۃً غَیْرَ مَخْصُوْصَۃٍ

ترجمہ:— (یا ہو) خبر اپنی تقدیم کی وجہ سے (مصحح اس کے لئے) یعنی مبتدا کے لئے اس حیثیت سے کہ وہ مبتدا ہے پس خبر کی تقدیم سے اس کا مبتدا واقع ہونا صحیح ہو جائیگا (جیسے فی الدار رجلٌ) کیونکہ فی الدار خبر ہے کہ جس کے مقدم ہونے کی وجہ سے مبتدا خاص ہو گیا ہے جیسا کہ آپ کو معلوم ہو گا پس اگر خبر کو مؤخر کیا جائے تو مبتدا نکرہ غیر مخصوصہ ہی باقی رہ جائے گا

تشریح:— بیانہ اَوْ کَانَ۔ دوسری صورت یہ کہ مبتدا جب نکرہ ہو لیکن خبر کو اس پر مقدم کر دیا جائے تو وہ نکرہ مخصصہ ہو جائیگا جیسے فی الدار رجلٌ میں رجل مبتدا ہے جو نکرہ ہے اور فی الدار خبر ہے جس کو مقدم کرنے سے رجل میں تخصیص پیدا ہو گئی ہے جیسا کہ گذرا۔

قولہ الخبر۔ یہ مرجع ہے کان میں ضمیر مرفوع کا اور بتقدیمہ سے یہ اشارہ ہے کہ خبر جو مبتدا کا مصحح ہے باعتبار ذات نہیں بلکہ اس کو مقدم کرنے کے اعتبار سے ہے اور للمبتداء سے متن میں لہٗ کی ضمیر کا مرجع بتایا گیا ہے

قولہ من حیث۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ خبر جب مبتدا کا مصحح ہے تو مرتبۂ خبر مرتبۂ مبتدا پر مقدم ہوا جب کہ معاملہ برعکس ہے جواب یہ کہ مرتبہ مبتدا کا مرتبہ خبر پر تقدم باعتبار ذات ہے لیکن باعتبار وصف ابتداء تو مرتبۂ خبر کا اس پر تقدم جائز ہے۔

اَوْ کَانَ مُتَعَلَّقُ بِکَسْرِ اللَّامِ اَیْ کَانَ لِمُتَعَلَّقِ الْخَبَرِ التَّابِعِ لَہٗ تَبِعِیَّۃٌ تَمْنَعُ مَعَہَا تَقْدِیْمُہٗ عَلَی الْخَبَرِ فَلَا یَرِدُ

Marfat.com

نحو علی اللہ عبدہٗ متوکلٌ ضمیرٌ کائنٌ فی جانب المبتداءِ راجعٌ الی ذلک المتعلقِ اِذ لو اخرٌ لزم الاضمار قبل الذکر لفظاً و معنیً مثلُ علی التمرۃِ مثلہا زبداً فقولہٗ مثلُہا ای مثلُ التمرۃِ مبتداءٌ و فیہ ضمیرٌ لمتعلق الخبرِ وھو التمرۃُ لانّ الخبرَ ھو قولہٗ علی التمرۃِ والتمرۃُ متعلق بہٖ مثل تعلّق الجزءِ بالکلِ

ترجمہ: ـــــ (یا) ہو (اس کے متعلق) بکسر لام (کے لئے) یعنی متعلق خبر کے لئے ایسا تابع ہو جس کے لئے ایسی تبعیت ہو اس کے ساتھ مبتدا کی تقدیم خبر پر محال ہوتی ہو پس علی اللہ عبدہٗ متوکلٌ جیسی ترکیب سے اعتراض وارد نہ ہوگا (ضمیر) ہو (مبتدا) کے جانب (میں) جو اس متعلق کی طرف راجع ہو اس لئے کہ اگر موخر کیا جائے تو اضمار قبل الذکر لفظاً و معنیً لازم آئیگا (جیسے علی التمرۃِ مثلُہا زبدًا) پس مصنف کا قول مثلُہا یعنی مثلُ التمرۃِ مبتدا ہے اور اس میں ضمیر متعلق خبر وہ تمرۃ کے لئے ہے اس لئے کہ خبر مصنف کا قول علی التمرۃِ ہے اور تمرۃ اس کا متعلق ہے جیسے کہ جزء کا تعلق کل کے ساتھ ہوتا ہے

تشریح: ـــــ بیانہ[1] اَوْ ۔ تیری صورت یہ کہ مبتدا کیساتھ کوئی ایسی ضمیر متصل ہو کہ جس کا مرجع خبر سے تعلق رکھنے والا کوئی لفظ ہو اور ضمیر کا مرجع خبر پر مقدم کرنا ممتنع ہو جیسے علی التمرۃِ مثلُہا زبدًا اس میں علی التمرۃِ خبر مقدم ہے اور مثلہا زبداً مبتدا موخر ہے جس میں ایک ضمیر ایسی ہے جس کا مرجع التمرۃ ہے جو خبر سے تعلق رکھتا ہے کہ وہ خبر کا جزء ہے اگر خبر کو موخر کر کے یوں کہا جائے مثلُہا زبدًا علی التمرۃِ تو اضمار قبل الذکر لفظاً و معنیً لازم آئیگا جو ممنوع ہے ۔

قولہ[2] کان ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ متن میں لمتعلقہ کا عطف ماقبل میں کان کے اسم پر ہے یا اس کی خبر پر اگر اسم پر ہے تو اس کو اسم ہونا چاہیئے کیونکہ اسم پر جو معطوف ہے وہ بھی اسم ہوتا ہے جب کہ وہ جار مجرور ہے جو کان کے اسم ہونیکی صلاحیت نہیں رکھتا اور اگر اس کا عطف خبر پر ہے تو جملہ کا عطف مفرد پر ہونا لازم آئیگا جو ناجائز ہے جواب یہ کہ لمتعلقہ سے پہلے کان مقدر ہے پس اس کان کا عطف ماقبل میں کان پر ہوا جو جملہ کا عطف جملہ پر ہے ۔

قولہ[3] بکسر اللام ۔ اس عبارت سے اس وہم کا ازالہ ہے کہ متن میں لمتعلقہ کا دوسرا لام فتحہ کیساتھ پڑھا جاتا ہے اور اس کی ضمیر مجرور کا مرجع خبر ہے پس معنی ہوا کہ خبر کے متعلق کے لئے ایک ایسی ضمیر ہو جو مبتدا میں ہو ظاہر ہے خبر کا متعلق مبتدا ہوتا ہے تو معنی ہوا کہ مبتدا کے لئے ایک ضمیر ہو مبتدا میں اور کوئی شک نہیں کہ یہ فساد معنی ہے حاصل ازالہ یہ کہ لمتعلقہ کا دوسرا لام فتحہ کے ساتھ نہیں بلکہ کسرہ کے ساتھ ہے ظاہر ہے خبر کا متعلق بالکسر اس کا جزء ہے مبتدا نہیں ۔

قولہ[4] تبعیۃٌ ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ حکم مذکور علی اللہ عبدہٗ متوکلٌ سے منقوض ہے اس لئے کہ

Marfat.com

اس میں متوکل خبر ہے جس میں ایک ضمیر ہے جس کا مرجع اسم جلالت ہے جو خبر سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ علی اللہ جار و مجرور مل کر متوکل سے متعلق ہے جواب یہ کہ حکم مذکور اس شرط کیساتھ ہے کہ خبر کا متعلق یعنی ضمیر کے مرجع کو خبر پر مقدم کرنا ممتنع ہو جس طرح علی التمرۃ مثلہا زبدا میں تمرۃ کو علی التمرۃ پر مقدم کرنا ممتنع ہے لیکن مثال مذکور میں اسم جلالت کو خبر پر مقدم کرنا ممتنع نہیں بلکہ جائز ہے اس لئے اس میں خبر کو مبتدا پر مقدم کرنا واجب نہیں البتہ اس صورت میں متوکل عامل اور علی اللہ معمول سے فصل اجنبی لازم آتی ہے اس لئے کہ مبتدا خبر کا اجنبی ہوتا ہے فاضل ہندی نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ آیت کریمہ بالآخرۃ ہم یوقنون میں بھی یوقنون عامل ہے اور بالآخرۃ معمول ہے جن دونوں کے درمیان ھم مبتدا واقع ہے معلوم ہوا کہ فصل اجنبی مطلقاً ممنوع نہیں بلکہ اس وقت ہے جب کہ وہ اپنے مقام پر مستقر نہ ہو اور مثال مذکور میں عبدہٗ جو فصل اجنبی ہے اپنی جگہ پر قائم ہے کیونکہ وہ مبتدا ہونے کی وجہ سے مقدم ہے اور متوکل اس کی خبر موخر ہے۔

قولہ کائنٌ ۔ اس عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ متن میں فی المبتدا، جو ضمیر کی صفت ہے وہ بنفسہ نہیں بلکہ باعتبار متعلق ہے اور لفظ جانب کی تقدیر سے جواب ہے اس سوال کا کہ مثال ممثل لہٗ کا مطابق نہیں کیونکہ عبارت سے ظاہر ہے کہ ضمیر مبتدا کا جزء ہو کیونکہ لفظ فی جزئیت پر دال ہے حالانکہ مثال میں وہ مبتدا کا جزء نہیں بلکہ اس کا مضاف الیہ ہے کیونکہ حقیقۃً مبتدا صرف مضاف ہوتا ہے جواب یہ کہ عبارت میں المبتدا سے پہلے لفظ جانب مقدر ہے ظاہر ہے اس سے جزئیت مستفاد نہیں ہے۔

أو كانَ الخبرُ خبرًا عن أنّ المفتوحةَ الواقعةَ مع اسمِها وخبرِها المؤولِ بالمفردِ مبتداءً إذ في تأخيرِه خوفُ لُبسِ أنّ المفتوحةَ بالمكسورةِ في التلفظِ لامكانِ الذهولِ عن الفتحةِ لخفائها أو في الكتابةِ مثلُ عندي أنك قائمٌ وجبَ تقديمُه أي تقديمُ الخبرِ على المبتداءِ في جميعِ هذه الصورِ لما ذكرنا

ترجمہ: ــــــ (یا ہو) خبر (خبر ازاں) مفتوحہ جو اپنے اسم وخبر کیساتھ واقع ہو جو مؤول بمفرد ہو کر مبتدا ہوتا ہے کیونکہ اس کے موخر کرنے میں اَنّ مفتوحہ کا مکسورہ کیساتھ تلفظ میں التباس کا خوف ہے اس لئے کہ فتحہ سے اس کے خفا کی وجہ سے ذہول ممکن ہے یا کتابت میں (جیسے عندی انک قائمٌ) واجب ہے اس کی تقدیم، یعنی خبر کی تقدیم مبتدا پر ان تمام صورتوں میں اس وجہ سے کہ جو ہم نے بیان کیا ہے۔

Marfat.com

تشریح :۔۔۔ بیانہ[1] اَوْ کان ۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ اَنَّ مفتوحہ اپنے اسم وخبر سے ملکر مبتدا ہو جیسے عندی انّک قائمٌ میں انک قائمٌ مبتدا ہے اور عندی خبر جو وجوبًا مقدم ہے شرح میں الخبر سے کان میں ضمیر مرفوع کے مرجع کو بیان کیا گیا ہے ۔ یہ عبارت ماقبل میں کان الخبر مصححًا پر معطوف ہے کان لمتعلقہ پر نہیں کہ اس سے معنی کا فساد لازم آتا ہے جیسا کہ ظاہر ہے ۔

قولہ[2] اذنی تاخیرہ ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اَنَّ مفتوحہ جب اپنے اسم وخبر سے ملکر مبتدا ہو تو خبر کو مبتدا پر مقدم کرنا کیوں واجب ہے ؟ جواب یہ کہ اَنَّ مفتوحہ کو انّ مکسورہ کیساتھ چونکہ تلفظ وکتابت میں التباس کا اندیشہ رہتا ہے اس لئے خبر کو مقدم کرنا واجب قرار دیا گیا تاکہ وہ اس اندیشہ سے محفوظ ہو جائے لیکن تلفظ میں اس لئے کہ عندی انّک قائمٌ میں انّ اپنے اسم وخبر سے ملکر مبتدا موخر ہے اور عندی خبر مقدم ہے پس اگر اس کو موخر کر کے یوں کہا جائے انّک قائمٌ عندی تو فتحہ چونکہ اخف حرکات ہے جو بلا تکلف زبان پر آجاتا ہے ہو سکتا ہے سامع انّ کا فتحہ بھول کر اس کو مکسور سمجھ لے یا سامع متکلم کے کلام کو سبقت لسانی پر محمول کر بیٹھے کیونکہ شروع کلام میں اِنّ مکسورہ ہوتا ہے اور کتابت میں اس لئے کہ خبر کو اگر موخر کر کے یوں کہا جائے انّک قائمٌ عندی تو ممکن ہے ناظر اَنّ مفتوحہ کو مکسور سمجھ لے کہ شروع کلام میں اِنّ مکسورہ ہوتا ہے

---

[1] وَقد یتعدّدُ الخبرُ مِنْ[2] غیرِ تعدُّدِ المخبرِ عنہ فیکونُ اثنَیْنِ فصاعِدًا وَذلک[3] التعدّدُ اِمّا بحسبِ اللفظِ والمعنیٰ جمیعًا ویُستعملُ ذلک علیٰ وجہینِ بالعطفِ مثلُ زیدٌ عالمٌ وعاقلٌ وبغیرِ العطفِ مثلُ[4] زیدٌ عالمٌ عاقلٌ واِمّا بحسبِ اللفظِ فقط نحو ھذا حلوٌ حامضٌ فانّھما فی الحقیقۃِ خبرٌ واحدٌ ای مُزوٌّ فی[5] ھٰذہِ الصورۃِ ترکُ العطفِ اَوْلیٰ ونظرَ بعضُ النُحاۃِ اِلیٰ صورۃِ التعدّدِ وجوّزَ العطفَ ولا[6] یبعدُ اَن یقالَ مرادُ المصنّفِ بتعدُّدِ الخبرِ مایکونُ بغیرِ عاطفٍ لانّ التعدّدَ بالعطفِ لاخفاءَ بہٖ لا فی الخبرِ ولا فی المبتداءِ ولا فی غیرِھما وایضًا المتعدّدُ بالعطفِ لیسَ بخبرٍ بلْ ھُوَ من توابعہٖ ولھذا اوردَ فی المثالِ الخبرَ المتعدّدَ بغیرِ عاطفٍ ولوجعل التعدد اعمّ فالاقتصارُ علیہِ لذلک

ترجمہ :۔۔۔ (اور خبر کبھی متعدد ہوتی ہے) مخبر عنہ کے تعدد کے بغیر پس دو یا ان سے زائد خبریں ہو سکتی ہیں اور یہ تعدد آیا لفظ ومعنی دونوں کے اعتبار سے ہے اور اس کا استعمال دو طریقوں پر ہوتا ہے عطف کیساتھ جیسے زیدٌ عالمٌ وعاقلٌ اور عطف کے بغیر (جیسے زیدٌ عالمٌ عاقلٌ) اور یا صرف لفظ کے اعتبار سے جیسے ہذا حلوٌ حامضٌ یعنی یہ میٹھا کھٹا

Marfat.com

کیونکہ دونوں حقیقت میں خبر واحد ہے کہ اس کا معنی کھٹمٹھا ہے اس صورت میں ترک عطف اولیٰ ہے اور بعض نحویوں نے تعدد کی صورت کی طرف نظر کرتے ہوئے عطف کو جائز قرار دیا ہے اور بعید نہیں کہ کہا جائے کہ تعدد خبر سے مصنف کی مراد وہ ہے کہ خبر عطف کے بغیر ہو اس لئے کہ عطف سے تعدد میں کوئی خفا نہیں ہے نہ خبر میں اور نہ مبتدا میں اور ان ان دونوں کے علاوہ میں اور نیز جو عطف سے متعدد ہو وہ خبر ہی نہیں بلکہ اس کے توابع سے ہے اور اسی وجہ سے مثال میں ایسی خبر کو لایا گیا جو عطف کے بغیر متعدد ہو اور اگر تعدد کو عطف وغیر عطف سے عام کیا جائے تو مصنف کا مثال کے لانے میں خبر متعدد بلا عطف پر اکتفا کرنا اسی وجہ سے ہے کہ خبر کے تعدد بالعطف میں کوئی خفا نہیں ہے

تشریح ـــــ بیانہ[1] وقد یتعدد ۔ خبر کبھی متعدد ہوتی ہے یعنی ایک مبتدا کی کئی خبریں ہوتی ہیں کیونکہ وہ ترکیب میں محکوم بہ واقع ہوتی ہے اور یہ جائز ہے کہ ایک شئی کے چند محکوم بہ ہوں ۔ پھر وہ چند محکوم بہ کبھی ہر ایک مفرد ہوتا ہے جیسے رسول اللہ حاضرٌ وناظرٌ اور کبھی ہر ایک جملہ ہوتا ہے جیسے اللہ یعلم ویبصر اور کبھی مختلف ہوتی ہے یعنی ایک خبر مفرد ہوتی ہے اور دوسری جملہ جیسے اللہ رازقٌ یرزق الحیوانات

قولہ[2] من غیر تعدد ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ متن میں یتعدد فعل مضارع ہے جس پر قد کے دخول سے تقلیل مستفاد ہوتی ہے جبکہ خبر کا متعدد ہونا قلیل نہیں بلکہ وہ تعدد مجرعنہ کیساتھ کثیر ہوتا ہے جیسے زیدٌ قائمٌ وبکرٌ قاعدٌ وخالدٌ نائمٌ وغیرہ جواب یہ کہ تعدد خبر سے یہاں مراد تعدد مجرعنہ کے بغیر ہے اور ظاہر ہے اس کا وقوع قلیل ہوتا ہے ۔

قولہ[3] ذلک التعدد ۔ یہ تفصیل ہے تعدد کی کہ ایک مبتدا کی جو چند خبریں ہوتی ہیں اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ لفظ بھی متعدد ہو اور معنی بھی کہ اگر ان میں سے کسی ایک کو بیان کیا جائے اور دوسرے کو چھوڑ دیا جائے تو معنی میں فساد نہ ہو اس کا استعمال کبھی عطف کیساتھ ہوتا ہے جیسے رسول اللہ امینٌ وکریمٌ اور کبھی عطف کے بغیر ہوتا ہے جیسے اللہ علیمٌ خبیرٌ دوسری صورت یہ کہ لفظ تو متعدد ہو لیکن معنی متعدد نہ ہو کہ اگر ان میں سے کسی ایک کو بیان کیا جائے اور دوسرے کو چھوڑ دیا جائے تو معنی میں فساد لازم آئے جیسے ہذا حلوٌ حامضٌ کہ اس کا معنی وہ مزہ جو مٹھاس وکھٹاس سے مرکب ہو جسکو کھٹمٹھا کہا جاتا ہے پس اگر ہذا حلوٌ کہا جائے تو معنی صحیح نہ ہوگا کہ وہ شئی میٹھی نہیں ہے اور اگر ہذا حامضٌ کہا جائے تو بھی صحیح نہیں ہوگا کہ وہ شئی کھٹی نہیں ہے

قولہ[4] فی ھذہ الصورۃ ۔ یعنی دوسری صورت میں خبر اگرچہ لفظ میں متعدد ہوتی ہے لیکن حقیقت میں ایک ہوتی ہے اس لئے ان میں حرف عطف کا ترک اولیٰ ہے اگرچہ بعض نحویوں نے تعدد کا خیال کرتے ہوئے عطف کو جائز کہا ہے خیال رہے کہ اولیٰ یہاں بمعنی واجب ہے بایں قرینہ کہ بعد میں جوز العطف مذکور ہے

Marfat.com

جو ما قبل میں ترک عطف کے وجوب پر دلالت کرتا ہے یہی قول ملا نور محمد مدقق کا بھی ہے ۔

قولہ ولا یبعد ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ ایک مبتدا کی چند خبریں جب عطف کے بغیر ہوتی ہے اور عطف کیساتھ بھی تو مصنف نے صرف پہلی صورت کی مثال کو کیوں بیان فرمایا ؟ جواب یہ کہ عطف کیساتھ خبر کے تعدد کا جواز چونکہ ظاہر ہے اس لئے دوسری صورت کی مثال کو چھوڑ دیا گیا اور اس لئے بھی کہ عطف کیساتھ حقیقۃً متعدد خبریں نہیں ہوتیں بلکہ خبر صرف معطوف علیہ ہوتی ہے اور معطوف اس کے توابع سے ہوتا ہے پس دونوں ملکر خبر متعدد کہلاتے ہیں جیسے زیدٌ عالمٌ وعاقلٌ میں خبر صرف عالمٌ ہے اور عاقلٌ اس کا تابع ہے خبر نہیں ۔

وقد یتضمن المبتدأ معنی الشرط وھو سببیۃ الاول للثانی او للحکم بہ فلا یرد علیہ نحو وما بکم من نعمۃ فمن اللہ فیشبہ المبتدا الشرط فی سببیتہ للخبر کسببیتہ الشرط للجزاء فیصح دخول الفاء فی الخبر ویصح عدم دخولہ فیہ نظراً الی مجرد تضمن المبتدأ معنی الشرط واما اذا قصد الدلالۃ علی ذلک المعنی فی اللفظ فیجب دخول الفاء فیہ واما اذا لم تقصد فلم یجب دخولہ فیہ بل یجب عدمہ

ترجمہ :۔ (اور کبھی مبتدا معنیٔ شرط کو متضمن ہوتا ہے) اور معنیٔ شرط وہ اول کا ثانی کے وجود یا اس کے حکم کے لئے سبب ہونا ہے پس مصنف کے قول قد یتضمن المبتداء معنی الشرط پر وما بکم من نعمۃ فمن اللہ جیسی ترکیب سے اعتراض وارد نہ ہوگا پس مبتدا شرط کے مشابہ ہوئے خبر کے لئے سبب ہونے میں جس طرح شرط جزاء کے لئے سبب ہوتی ہے (تو خبر میں فا کا داخل ہونا صحیح ہوتا ہے) اور خبر میں فا کا نہ داخل ہونا بھی صحیح ہوتا ہے مبتدا کا معنیٔ شرط کو محض متضمن ہونے کی طرف نظر کرتے ہوئے اور لیکن جب کہ لفظ میں اس معنیٔ سببیت پر دلالت کا قصد کیا جائے تو خبر میں فا کا داخل ہونا واجب ہوتا ہے اور جب کہ دلالت کا قصد نہ کیا جائے تو خبر میں فا کا داخل ہونا واجب نہیں بلکہ اس کا نہ داخل ہونا واجب ہوتا ہے ۔

تشریح :۔ بیانہ وقد یتضمن ۔ اس سے قبل مبتدا و خبر میں سے ہر ایک کے جدا جدا احکام بیان کئے تھے لیکن اب وہ احکام بیان کئے جاتے ہیں جو دونوں کے ساتھ متعلق ہیں اور وہ یہ ہیں کہ مبتدا جب شرط کے معنی کو متضمن ہو تو اس کی خبر پر فا کا داخل ہونا صحیح ہے کیونکہ مبتدا خبر کے لئے سبب ہونے میں شرط کے مشابہ ہے کیونکہ جزا بھی شرط کے لئے سبب ہوتی ہے اور خبر مسبب ہونے میں جزا کے مشابہ ہے کیونکہ جزا بھی شرط

Marfat.com

کا مسبب ہوتی ہے پس جس طرح جزا پر فا داخل ہوتی ہے اسی طرح خبر پر بھی داخل ہوگی البتہ جزا پر فا کا داخل ہونا واجب ہے لیکن خبر پر جائز ہے ۔

قولہ وھو سببیۃ ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ حکم مذکور آیت کریمہ وما بکم من نعمۃ فمن اللہ سے منقوض ہے کیونکہ اس میں ما موصولہ مبتدا ہے جو شرط کے معنی کو متضمن نہیں مگر اس کے باوجود خبر پر فا داخل ہے کیونکہ شرط کا معنی یہ ہے کہ اول سبب ہو ثانی کے لئے جیسے اِنْ کانت الشمسُ طالعۃً فالنہارُ موجودٌ میں طلوع شمس وجود نہار کے لئے سبب ہے اور ظاہر ہے مخاطب کے پاس جو نعمت ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت ہونے کا سبب نہیں بلکہ برعکس ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت ہونا سبب ہے اور مخاطب کے پاس نعمت ہونا مسبب ہے جواب یہ کہ معنی شرط سے یہاں مراد یہ ہے کہ اول سبب ہو ثانی کے لئے یا ثانی کے حکم کے لئے اور آیت مذکورہ میں اول ثانی کے لئے اگرچہ سبب نہیں لیکن اول ثانی کے حکم کے لئے سبب ضرور ہے یعنی مخاطب کے پاس نعمت ہونا اس امر کے لئے سبب ہوا کہ کہا جائے یہ نعمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ۔ شرط کا معنی اگر یہ بیان کیا جائے کہ اول مستلزم ہو ثانی کو جیسا کہ اس کو غایۃ التحقیق وحاشیہ عبدالرحمٰن میں بیان کیا گیا ہے اور یہی تحقیق علامہ رضی کی بھی ہے تو شرط کے معنی میں تعمیم کی حاجت نہ ہوگی لیکن شارح نے معنیٔ اول کو اس لئے بیان کیا کہ ماتن نے جو مضارع مجزوم کی بحث میں کلم المجازات تدخل علی الفعلین بسببیۃ الاول وسببیۃ الثانی الخ لکھا ہے اس کے مطابق ہو جائے ۔

قولہ ویصح عدمہٗ ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مبتدا شرط کے معنی کو متضمن ہو لیکن شرط کے معنی پر دلالت متکلم کا مقصود نہ ہو تو خبر پر فا کا داخل ہونا جائز نہیں ہوتا جواب یہ کہ یہاں پر تین صورتیں ہیں ایک یہ کہ مبتدا جب شرط کے معنی کو متضمن ہو لیکن متکلم کے قصد وعدم قصد سے قطع نظر ہو جس کو لابشرط شئ کہا جاتا ہے تو خبر پر فا کا داخل ہونا اور نہ داخل ہونا دونوں جائز ہیں دوسری صورت یہ کہ مبتدا شرط کے معنی کو متضمن ہو لیکن شرط کے معنی پر دلالت متکلم کا مقصود ہو جس کو بشرط شئ کہا جاتا ہے تو خبر پر فا کا داخل ہونا واجب ہوتا ہے تیسری صورت یہ کہ مبتدا شرط کے معنی کو متضمن ہو لیکن شرط کے معنی پر دلالت متکلم کا مقصود نہ ہو جس کو بشرط لاشئ کہا جاتا ہے تو خبر پر فا کا داخل ہونا ممنوع ہوتا ہے جیسے ایمان نجات کے لئے سبب ہے تو الذی اٰمن باللہ کی خبر پر فا کا داخل ہونا اور نہ ہونا دونوں جائز ہیں لیکن جب نجات کے لئے ایمان کے سبب ہونے پر دلالت متکلم کا مقصود ہو تو خبر پر فا کا داخل ہونا واجب ہوگا چنانچہ الذی اٰمن باللہ فھو ناج کہا جائیگا اور جب نجات کے لئے ایمان کے سبب ہونے پر دلالت متکلم کا مقصود نہ ہو تو خبر پر فا کا داخل ہونا ممنوع ہوگا چنانچہ الذی اٰمن باللہ ھو ناج کہا جائیگا

وذلک[1] المبتداء[2] المتضمن[3] معنی الشرط اِمّا الاسم الموصول بفعل او ظرف ای[4] الذی جُعلت

Marfat.com

صلةُ جملةً فعليةً اَوْظرفيةً موؤلةً بجملةٍ فعليةٍ ههنا بالاتفاقِ وَانّما اُشترِطَ اَنْ تكونَ صلتُهٗ فعلاً اَوْظرفًا موّولاً بالفعلِ ليتاكدَ مشابهتهٗ الشرطَ لاِنّ الشرطَ لايكونُ اِلا فعلاً وفی حکمِ الاسمِ الموصولِ المذکورِ الاسمُ الموصوفُ بہٖ

ترجمہ: ـــــ (اوردوہ) مبتدا جو معنیٰ شرط کو متضمن ہے یا تو ایسا اسم ہوتا ہے جو فعل یا ظرف کے ساتھ موصول ہو کی یعنی ایسا اسم موصول ہو کہ جس کا صلہ جملہ فعلیہ یا ظرفیہ ہوتا ہے جو باتفاق بصریین وکوفیین جملہ فعلیہ کیساتھ موول ہوتا ہے اور اسم موصول کے صلہ کے فعل یا ظرف مؤول بہ فعل ہونیکی شرط اس لئے لگائی گئی ہے تاکہ مبتدا کے مشابہت شرط کیساتھ موکد ہوجائے کیونکہ شرط فعل ہی ہوتی ہے اور اسم موصول مذکور کے حکم میں وہ اسم بھی ہے جو اسم موصول مذکور کیساتھ موصوف ہو۔

تشریح: ـــــ بیانہٗ وذلکَ ۔ یعنی وہ مبتدا جو شرط کے معنی کو متضمن ہو وہ دو قسموں پر منحصر ہے ایک وہ اسم موصول ہے کہ جس کا صلہ جملہ فعلیہ یا ظرفیہ ہو اور دوسرا وہ نکرہ ہے کہ جو جملہ فعلیہ یا ظرفیہ سے موصوف ہو ہر ایک کی مثال آگے مذکور ہے ۔ یہ دونوں صورتیں جو مذکور ہوئیں مبتدا کے اس خبر کی ہیں جس پر فا کا داخل ہونا جائز لیکن واجب ہونیکی بھی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ مبتدا پر امّا حرف شرط داخل ہو جیسے اَمّا زیدٌ فمنطلقٌ دوسری یہ مبتدا میں شرط کا معنی موجود ومقصود ہو جیسے وَمَا بکم من نعمۃٍ فمن اللہ اور مَنْ کان فی ہذہٖ اعمیٰ فھو فی الاٰخرۃ اعمیٰ اور مَنْ جاء بالحسنۃِ فلہٗ عشرُ امثالھا.

قولہٗ المبتداءُ ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ جس مبتدا کی خبر پر فا داخل ہوتا ہے متن میں اس کی دو ہی صورتیں مذکور ہوئیں جب کہ امّا زیدٌ فمنطلقٌ میں بھی خبر پر فا داخل ہے لیکن وہ مذکورہ دونوں صورتوں کے علاوہ ہے جواب یہ کہ متن میں ذلکَ کا مشارٌ الیہ وہ مبتدا ہے جو شرط کے معنی کو متضمن ہو وہ مبتدا نہیں کہ جس کی خبر پر فا کا داخل ہونا صحیح ہو اور مثال مذکور میں زید مبتدا ضرور ہے لیکن شرط کے معنی کو متضمن نہیں البتہ اس کی خبر پر فا اس لئے داخل ہے کہ مبتدا سے پہلے امّا حرف شرط مذکور ہے یا یہ کہ یہ دو صورتیں اس خبر کی ہیں جس پر فا کا داخل ہونا جائز ہو اور مثال مذکور میں خبر پر فا کا داخل ہونا واجب ہے جیسا کہ گذرا ۔

قولہٗ امّا ۔ کی تقدیر اس اصول کی وجہ سے ہے کہ عطف اگر بذریعہ اِمّا ہو تو معطوف علیہ پر امّا کا ذکر ضروری ہوتا ہے اور اگر عطف بذریعہ اَوْ ہو جیسا کہ یہاں مذکور ہے تو معطوف علیہ پر امّا کا ذکر مستحسن ہے ۔

Marfat.com

قولہ ۴ اَیُّ الذی جعلتہ ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ ماقبل میں گذرا کہ ظرف بصریون کے نزدیک بتاویلِ جملہ ہوتا ہے اور کوفیون کے نزدیک بتاویل مفرد پس یہاں بھی اس کی دو صورتیں ہوں گی جواب یہ کہ ماقبل میں ظرف کی جو دو صورتیں گذریں اس لئے کہ ظرف وہاں خبر واقع تھا جو اصل میں مفرد ہوتی ہے اور یہاں وہ صلہ واقع ہے جو بالاتفاق جملہ ہوتا ہے اس لئے ظرف یہاں صرف بتاویل جملہ ہوگا بتاویل مفرد نہیں

قولہ ۵ انما اشترط ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ اسم موصول کے صلہ کو جملہ فعلیہ یا ظرفیہ ہونے کی شرط کیوں ہے ؟ جواب یہ کہ شرط ہمیشہ جملہ فعلیہ ہوتی ہے اور اس کے ساتھ چونکہ مبتدا کو مشابہت حاصل ہے اس لئے فرد ی ہوا کہ اسم موصول کا صلہ بھی جملہ فعلیہ ہو یا ظرفیہ جو بتاویل جملہ فعلیہ ہوتا ہے تاکہ شرط کیساتھ اس کی مشابہت قوی ہوجائے جس کی وجہ سے خبر پر فا کا داخل ہونا جائز ہوتا ہے ۔

قولہ ۶ وفی حکم الاسم : ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ حکم مذکور آیت کریمہ قل اِنَّ الموتَ الذی تفرّون منہ فانہ ملاقیکم سے منقوض ہے کیونکہ اس میں موت مبتدا ہے جو اسم موصول نہیں جواب یہ کہ اسم موصول مذکور کے حکم میں وہ اسم بھی ہے جو اس کا موصوف ہوا در ظاہر ہے آیت کریمہ میں اسم موصول کہ جس کا صلہ جملہ فعلیہ ہے موت اس کا موصوف واقع ہے اور موصوف وصفت دونوں کا مصداق چونکہ ایک ہوتا ہے اس لئے صفت جب شرط کے معنی کو متضمن ہے تو موصوف بھی متضمن ہوگا ۔

---

۱ اَوِ النکرۃُ الموصُوفۃُ بِھما اَیْ باحدِھِمَا ۲ وفی حکمِھا الاسمُ المضافُ الیھا

ترجمہ : ــــ (یا وہ نکرہ ہو جو ان دونوں کیساتھ موصوف ہو) یعنی ان دو میں سے کسی ایک کیساتھ اور اس نکرہ موصوفہ کے حکم میں وہ اسم بھی ہے جو اس نکرہ کی طرف مضاف ہوتا ہے

تشریح : ــــ بیانہ ۱ اَوِ النکرۃ ۔ یہ دوسری صورت ہے کہ نکرہ جب کہ جملہ فعلیہ یا ظرفیہ سے موصوف ہو تو اس کی خبر پر فا کا داخل ہونا جائز ہے شرح میں باحدہما کی تقدیر سے جواب ہے اس سوال کا کہ متن میں ہما ضمیر تثنیہ ہے جس کا مرجع فعل وظرف ہے جب کہ اس سے مراد صرف ایک ہے کیونکہ نکرہ دونوں میں سے صرف ایک سے موصوف ہوتا ہے چنانچہ زیدٌ اَوْ بکرٌ قائمٌ کہا جاتا ہے قائمان نہیں کہ مرجع صرف ایک ہے جواب یہ کہ ضمیر تثنیہ سے پہلے احد مضاف مقدر ہے اور نکرہ چونکہ فعل وظرف دونوں سے موصوف ہوتا ہے اگرچہ ایک وقت میں ایک ہی سے موصوف ہوتا ہے اس لئے متن میں ضمیر کو تثنیہ لایا گیا ۔

Marfat.com

قولہ وفی حکمها ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ حکم مذکور کل غلام رجلٍ یا تینی اَوْ فی الدار فلہٗ درہمٌ سے منقوض ہے کیونکہ اس میں غلام مبتدا واقع ہے جو نہ موصوف ہے فعل کیساتھ اور نہ ہی ظرف کیساتھ مگر اس کے باوجود اس کی خبر پر فا داخل ہے جواب یہ کہ نکرہ موصوفہ کے حکم میں وہ اسم بھی ہے جو اس کی طرف مضاف ہوتا ہے اور مثال مذکور میں غلام اگرچہ نکرہ نہیں جو فعل یا ظرف کیساتھ موصوف ہو لیکن وہ نکرہ کی طرف مضاف ہے

مِثلُ الذی یاتینی هذا مثالٌ للاسمِ الموصُولِ بفعلٍ اَوِ الذی فی الدارِ هذا مثالٌ للاسم الموصول بظرفٍ فلہٗ درهمٌ اَمّا مِثالُ للاسمِ الموصوفِ بالاسمِ الموصولِ المذکورِ فقولُہٗ تعالیٰ قُلْ اِنَّ الموتَ الّذی تفرّونَ منه فاِنّهٗ ملاقیکم ومثلُ کلُّ رجلٍ یاتینی هذا مثالٌ للاسمِ الموصُوفِ بفعلٍ اَوْ کلُّ رجلٍ فی الدارِ هذا مِثالٌ للاسمِ الموصُوفِ بظرفٍ فلہٗ درهمٌ وَاَمّا مثالُ الاسمِ المضافِ اِلی النکرۃِ الموصوفۃِ باحدهما فقولک کلُّ غلامِ رجلٍ یاتینی اَوْ فی الدارِ فلہٗ درهمٌ

ترجمہ : ـــــ (جیسے الذی یاتینی) یہ اس اسم کی مثال ہے جو فعل کے ساتھ موصول ہو (یا) الذی (فی الدار) یہ اس اسم کی مثال ہے جو ظرف کیساتھ موصوف ہو (فلہٗ درہمٌ) لیکن اس اسم کی مثال جو اسم موصول مذکور کیساتھ موصوف ہو تو اللہ تعالیٰ کا قول ہے قل انّ الموت الذی تفرون منہ فانّہٗ ملاقیکم (اور) جیسے کہ (کل رجلٍ یاتینی) یہ اس اسم نکرہ کی مثال ہے جو فعل کیساتھ موصوف ہو (یا) کل رجل (فی الدار) یہ اس اسم نکرہ کی مثال ہے جو ظرف کیساتھ موصوف ہو (فلہٗ درہم) اور لیکن اس اسم کی مثال جو کہ نکرہ موصوفہ بہ فعل یا موصوفہ بہ ظرف کی طرف مضاف ہو تو آپ کے قول کل غلام رجل یاتینی اَوْ فی الدار فلہٗ درہمٌ ہے ۔

تشریح : ـــــ قولہ هذا مثالٌ ۔ چار صورتیں اوپر چونکہ مذکور ہوئیں جن میں سے دو متن میں اور دو شرح میں اس لئے یہاں بھی چار مثالیں بیان کی جاتی ہیں دو متن میں اور دو شرح میں پہلی صورت کی مثال یہ ہے کہ یاتینی اَوْ فی الدار فلہٗ درہمٌ دوسری صورت کی مثال یہ ہے قل اِنّ الموتَ الذی تفرون منہ فانّہٗ ملاقیکم تیسری صورت کی مثال یہ ہے کل رجلٍ یاتینی اَوْ فی الدار فلہٗ درہم چوتھی صورت کی مثال یہ ہے کل غلام رجلٍ یاتینی اَوْ فی الدار فلہٗ درہمٌ ۔

قولہ هذا مثالٌ ۔ اس مقام پر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ یہ مثال اسم موصوف کی نہیں ہے کیونکہ لفظ کل جو مبتدا ہے وہ اگرچہ نکرہ ہے لیکن موصوف نہیں بلکہ مضاف ہے البتہ رجلٌ نکرہ موصوفہ ہے لیکن

Marfat.com

مبتدا نہیں اسی طرح دوسری مثال کل غلام رجلٍ یا تینی فلہٗ درہم والعکس مبتدا کی مثال نہیں ہے جو نکرہ موصوفہ کا مضاف ہو اس لئے کہ رجل جو مبتدا ہے وہ نکرہ موصوفہ کا مضاف نہیں کیونکہ نکرہ موصوفہ رجل ہے جس کا مضاف غلام ہے جواب یہ کہ موصوف ومضاف سے یہاں مراد وہ ہے کہ معنی کے اعتبار سے موصوف یا مضاف ہو اور ظاہر ہے پہلی مثال میں کل جو مبتدا نکرہ ہے وہ اگرچہ لفظ کے اعتبار سے موصوف نہیں لیکن معنی کے اعتبار سے موصوف ضرور ہے اس لئے کہ کل اپنے مضاف الیہ کے حکم میں ہوتا ہے اسی دوسری مثال میں لفظ کل جو مبتدا نکرہ ہے وہ اگرچہ لفظ کے اعتبار سے نکرہ موصوفہ کا مضاف نہیں لیکن معنی کے اعتبار سے نکرہ موصوفہ کا مضاف ضرور ہے اس لئے کہ اس کا مضاف الیہ نکرہ موصوفہ کا مضاف ہے ۔

ولیتَ ولعلَّ من الحروفِ المشبهةِ بالفعلِ إذا دخلاَ علی المبتداءِ الّذی یصحُّ دخولُ الفاءِ علی خبرهٖ مانعانِ عن دخولهٖ علیهِ لأنَّ صحةَ دخولهٖ علیه إنّما کانَتْ لمشابهةِ المبتداءِ والخبرِ للشرطِ والجزاءِ ولیتَ ولعلَّ تزیلانِ تلکَ المشابهةَ لانهما تخرجانِ الکلامَ من الخبریةِ إلی الانشائیةِ والشرطُ والجزاءُ من قبیلِ الاخبارِ وذلکَ المنعُ انما هو بالاتفاقِ من النحاةِ فلا یقالُ لیتَ أو لعلَّ الذی یاتینی أو فی الدارِ فلهٗ درهمٌ

ترجمہ :۔ (اور لیت ولعل) حروف مشبہ بفعل میں سے جب کہ دونوں ایسے مبتدا پر داخل ہوں کہ جس کی خبر پر فا کا داخل ہونا صحیح ہوتا ہے (مانع ہیں) خبر پر فا کے داخل ہونے سے اس لئے کہ خبر پر فا کے دخول کا صحیح ہونا اس وجہ سے ہے کہ مبتدا وخبر شرط وجزا کے مشابہ ہیں اور لیت ولعل اس مشابہت کو زائل کر دیتے ہیں کیونکہ وہ دونوں کلام کو خبریت سے انشائیت کی طرف نکال دیتے ہیں اور شرط وجزا اخبار کے قبیل سے ہیں اور یہ منع کرنا نحویوں کے (اتفاق کیساتھ) ہی ہے چنانچہ نہیں کہا جائے گا لیت أو لعل الذی یاتینی أو فی الدار فلهٗ درہمٌ ۔

تشریح :۔ بیانہ لیت ولعل ۔ اس سے قبل خبر پر فا کے دخول کے صحیح ہونے کی صورتیں مذکور تھیں لیکن اب اس کے موانع کو بیان کیا جاتا ہے کہ لیت ولعل خبر پر فا کے داخل ہونے سے بالاتفاق مانع ہیں یعنی بصریوں اور کوفیوں دونوں کے نزدیک وہ مانع ہیں اس قرینہ سے کہ ماقبل میں ان ہی دونوں کے درمیان اختلاف مذکور ہے اور یہاں اس کو اس لئے بیان کیا گیا ہے کہ بعض نحوی ان کو مانع نہیں مانتے ۔

Marfat.com

قولہ[2] من الحروف ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ متن کی عبارت سے یہ مستفاد ہے کہ صرف لیت ولعل ہی خبر پر فا کے داخل ہونے سے بالاتفاق مانع ہیں جب کہ اِنّ وغیرہ اور افعال قلوب بھی کہ خبر پر فا کے داخل ہونے سے منع کرتے جواب یہ کہ یہ حصر اضافی ہے یعنی حروف مشبہ میں سے صرف لیت ولعل ہی خبر پر فا کے داخل ہونے کو بالاتفاق منع کرتے ہیں اور اِنّ وغیرہ کے منع کرنے میں اختلاف ہے جیسا کہ آگے مذکور ہے اور اس عبارت سے یہ بھی اشارہ ممکن ہے کہ لیت ولعل سے یہاں مراد وہ ہیں جو حروف مشبہ میں سے ہوتے ہیں کیونکہ لعل حرف جار بھی ہوتا ہے جیسے شاعر کے قول لعل ابی المغوارِ منك قریبٌ میں لعلّ ابی کو جر دیا ہے اسی طرح لیت مقولہ عرب لیت زیدا قائما میں دوسرے جزء کو بھی نصب دیا گیا ہے جب کہ حرف مشبہ بفعل صرف پہلا جزء کو نصب دیتا ہے ۔

قولہ[3] اذا دخلا ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ لیت ولعل جو حروف مشبہ سے ہیں وہ داخل ہو کر خبر کو نصب دیتے ہیں اس پر فا کہاں داخل ہوتا ہے کہ وہ اس کو منع کریں جواب یہ کہ مانع ہونے سے مراد یہ ہے کہ لیت ولعل جب ایسے مبتدا پر داخل ہوں جن کی خبر پر فا کا داخل ہونا صحیح ہو تو وہ اس فا کے دخول کو منع کریں گے چنانچہ لیت ولعل الذی یاتینی اوفی الدار فلہ درہم نہیں کہا جائیگا ۔

قولہ[4] لان صحة دخوله ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ لیت ولعل خبر پر فا کے دخول سے مانع کیوں ہیں ؟ جواب یہ کہ خبر پر فا اس لئے داخل ہوتا ہے کہ مبتدا کو شرط کیساتھ اور خبر کو جزا کیساتھ مشابہت حاصل ہے اور ان دونوں کے دخول سے وہ مشابہت زائل ہو جاتی ہے کیونکہ وہ کلام کو خبریت سے انشائیت کی طرف نکال دیتے ہیں جب کہ شرط وجزا بھی اخبار کے قبیل سے ہیں ۔ غایۃ التحقیق میں اس کے علاوہ مزید دو وجہیں بیان کی گئیں ہیں جن میں سے ایک یہ کہ خبر پر فا اس لئے داخل ہوتا ہے کہ مبتدا شرط کے معنی کو متضمن ہے اور شرط کا صدارت کو لازم ہے اور لیت ولعل کے دخول سے وہ صدارت فوت ہو جاتی ہے اور شئ چونکہ اپنے لازم کے انتفاء سے منتفی ہو جاتی ہے اس لئے صدارت کے فوت ہونے سے معنیٰ شرط بھی فوت ہو جائیگا اذا فات الشرط فات المشروط دوسری وجہ یہ کہ معنیٰ شرط وجود مبتدا کی تقدیر پر وجود خبر کی قطعیت پر دلالت کرتا ہے اور لیت ولعل کا دخول سے کلام قطع سے شک وتردد کی طرف بدل جاتا ہے کیونکہ لیت تمنی پر دلالت کرتا ہے اور لعل ترجی ان دونوں شک پر دلالت کرتے ہیں ۔

قولہ[5] والشرط ۔ شرط وجزا کا اخبار کے قبیل سے ہونا اہل میزان کے مسلک پر ہے جو حکم کو وجزا کے درمیان مانتے ہیں یہی تحقیق سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کی ہے اہل عربیہ حکم کو جزا میں مانتے

Marfat.com

پس جزا اگر جملہ خبریہ ہو تو مجموعہ کلام خبری ہوگا اور اگر جزا جملہ انشائیہ ہو تو مجموعہ کلام انشائی ہوگا۔

فان[1] قیل باب کان وباب علمت ایضاً مانعان بالاتفاق فما وجہ تخصیص لیت ولعل قیل[2] تخصیصہما ببیان الاتفاق انما ھو من بین الحروف المشبہۃ لا مطلقاً ووجہ ذلک التخصیص الاھتمام ببیان الاختلاف الواقع فیھا

ترجمہ: ـــــ پس اگر سوال کیا جائے کہ باب کان اور باب علمت بھی بالاتفاق مانع ہیں تو لیت ولعل کی تخصیص کی وجہ کیا ہے؟ جواب دیا گیا ہے کہ بیان اتفاق کیساتھ لیت ولعل کی تخصیص حروف مشبہ بہ فعل ہی کے درمیان ہے مطلقاً نہیں اور اس تخصیص کی وجہ اس اختلاف کے بیان کا قصد ہے جو حروف مشبہ بفعل میں واقع ہے۔

تشریح: ـــــ قولہ[1] فان قیل ۔ اس عبارت سے شارح ماتن پر سوال کرتے ہیں جیسا کہ گذرا کہ خبر پر فا داخل ہونے کو صرف لیت ولعل ہی باتفاق منع نہیں کرتے بلکہ باب کان اور باب علمت یعنی افعال ناقصہ وافعال قلوب بھی باتفاق منع کرتے ہیں پس یہاں صرف لیت ولعل ہی کو کیوں بیان کیا گیا دوسروں کو کیوں نہیں؟

قولہ[2] قیل ۔ جواب میں دو وجہ بیان کی گئیں ہیں ایک یہ کہ یہاں پر مطلقاً تمام مانعات کو بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ یہ ہے کہ ان دونوں کی تخصیص اس امر کو بیان کرنے کے لئے ہے کہ لیت ولعل دونوں حروف مشبہ بفعل میں باتفاق مانع ہیں کیونکہ بعض حروف کا مانع ہونے میں اختلاف ہے مثلاً اِنّ اور اَنّ کو بعض مانع مانتے ہیں اور بعض نہیں مانتے دوسری وجہ یہ ہے کہ حروف مشبہ بفعل میں جو اختلاف واقع ہے اس بیان اختلاف کا اہتمام تخصیص کا باعث ہے۔

والحق[1] بعضھم قیل[2] ھو سیبویہ انّ المکسورۃ[3] بھما ای بلیت ولعلّ فی المنع عن دخول الفاء علی الخبر والاصح[4] انّھا لا تمنع عنہ لانّھا لا تخرج الکلام عن الخبریۃ الی الانشائیۃ یؤیدہ قولہ تعالیٰ اِنّ الذین کفروا وماتوا وھم کفار فلن یقبل توبتھم

ترجمہ: ـــــ (اور لاحق کیا ہے بعض نحویوں نے) کہا گیا وہ سیبویہ ہیں (اِنّ) مکسورہ (کو ان دونوں)

Marfat.com

یعنی لیت ولعل (کیساتھ) خبر پر فا کے داخل ہونے سے منع کرنے میں اور اصح یہ ہے کہ اِنّ مکسورہ خبر پر فا کے داخل ہونے سے مانع نہیں کیونکہ اِنّ مکسورہ کلام کو خبریت سے انشائیت کی طرف نہیں نکالتا جس کی تائید اللہ تعالیٰ کا قول اِنّ الذین کفروا وماتوا وھم کفارٌ فلن یقبلَ تو بتہم کرتا ہے۔

تشریح:۔ بیانہ والحق بعضھم۔ بعض نحویوں نے اِنّ مکسورہ کو لیت ولعل کے ساتھ لاحق کیا ہے یعنی لیت ولعلّ جس طرح خبر پر فا کے داخل ہونے سے مانع ہیں اسی طرح اِنّ مکسورہ بھی مانع ہیں کیونکہ خبر پر فا کا داخل ہونا مبتدا کا شرط کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے ہے اور وہ اس تقدیر پر زائل ہو جاتا ہے کیونکہ شرط وجزا میں تردد پایا جاتا ہے اور اِنّ مکسورہ تحقق کے لئے ہے اور ظاہر ہے دونوں ایک دوسرے کے متناقض ہیں والمتناقضان لا یجتمعانِ پس انّ مکسورہ کے مدخول میں شرط وجزا کا معنی نہیں پایا جائیگا اور خبر پر فا کا داخل ہونا صحیح نہ ہوگا۔

قولہ قیل ھو۔ یہ مسلم ہے کہ الحاق کا قائل کوئی بعض نحوی ہوگا جو باکمال ومعتبر شخص ہے لیکن چونکہ اس کے تعین میں اختلاف ہے علامہ زمخشری نے سیبویہ کا قول کیا ہے اور علامہ اشمونی شارح الفیہ نے اخفش کا اس لئے اس کو متن میں بیان نہیں کیا گیا ہے البتہ شرح میں سیبویہ کو بیان کیا گیا ہے لیکن قیل کلمۂ تمریض سے اس کی وجہ یہ کہ وہ قرآن کریم اور استعمال عرب کے مخالف ہے یا یہ کہ اس کے قائل کی تصریح کو ترک ادب کا موجب سمجھا گیا کما فی المعانی۔

قولہ المکسورۃ۔ اس قید سے یہ بتانا مقصود ہے کہ سیبویہ نے جو الحاق کا قول کیا ہے وہ صرف اِنّ مکسورہ کیساتھ متعلق ہے انّ مفتوحہ کیساتھ نہیں اور اَی بلیت ولعل سے متن میں ضمیر تثنیہ کے مرجع کو بیان کیا گیا ہے اور فی المنع سے یہ اشارہ ہے کہ اِنّ مکسورہ کے الحاق کا قول خبر پر فا کے دخول انّ سے منع کرنے میں ہے صیغہ یا مادہ وغیرہ میں نہیں۔

قولہ والاصح۔ یعنی خبر پر فا کا دخول اس لئے ممنوع ہے کہ لیت ولعل کلام کو خبریت سے انشائیت کی طرف نکالدیتے ہیں لیکن چونکہ انّ مکسورہ سے کلام میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوتی اس لئے وہ خبر پر فا کے دخول سے مانع نہ ہوگا تائید میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے اِنّ الذینَ کفروا وماتوا وھم کفارٌ فلن یقبلَ تو بتہم اس میں الذین کفروا مبتدا ہے جو شرط کے معنی کو متضمن ہے جس پر اِنّ مکسورہ داخل ہے لیکن وہ خبر فلن یقبلَ تو بتہم میں فا کے دخول کو منع نہیں کرتا۔ اسی طرح قل اِن الموت الذی تفرون منہ فانہٗ ملاقیکم میں بھی خبر پر فا کے دخول کو منع نہیں کرتا۔ خیال رہے کہ اصح مقابل میں صحیح کے آتا ہے پس عبارت کا معنی یہ ہوا کہ اِنّ مکسورہ کا خبر پر فا

Marfat.com

کے دخول کو منع نہ کرنا اگرچہ صحیح تر ہے لیکن منع کرنا بھی صحیح ہے جیسے آیت کریمہ اِنَّ الذینَ آمنوا وعملوا الصلحات لہم جنات تجری من تحتہا الانہار میں خبر لہم جنات ہے جس پر فا داخل نہیں جب کہ الذین اسم موصول ہے جو شرط کے معنی کو متضمن ہے اس کا صلہ جملہ فعلیہ مذکور ہے ۔

قولہ یویدہٗ ۔ یہاں پر بدلیل قولہ تعالیٰ کہنا چاہیے تھا لیکن یویدہٗ کہا گیا جس سے یہ اشارہ مقصود ہے کہ قول مذکور ضعیف ہے کیونکہ خبر کو بدون فا بھی دیکھا گیا ہے جیسا کہ گذرا اور اس طرف بھی اشارہ ہے ممکن ہے کہ آیت کریمہ میں خبر فلن یقبلَ نہیں بلکہ محذوف ہے یعنی یعذبہم اور لن یقبل پر جو فا ہے وہ جزا کے لئے نہیں بلکہ تعلیل کے لئے آیا ہے ۔

فاِنْ قیلَ قد اَلحقَ بعضُہم اَن المفتوحۃَ ولٰکنّ بلیت ولعلّ فما وجہُ تخصیصِ اِنّ المکسورۃ بالالحاقِ قیلَ بعضُہم الذی اَلحق اِنّ بِہَما ھو سیبویہِ فاعتدّ بقولہ وذکرہٗ ولم یعتد بقول مَن سواہُ فلم یذکرہُ مع اَنّ کلا القولینِ لا یُساعِدُ ھما القرآنُ وکلامُ الفصحاءِ فما یدلُّ علیٰ عدمِ منعِ اِنّ المکسورۃ عن دخولِ الفاءِ علی الخبرِ ما سبق وَمَا یدلُّ علی عدمِ منعِ اَنّ المفتوحۃ ولٰکنّ عن دخول الفاءِ قولُہٗ تعالیٰ واعلمُوا اَنّما غنمتُم من شیءٍ فاِنّ للّٰہِ خُمُسہٗ وقولُ الشاعرِ شعرٌ
فواللّٰہِ ما فارقتکم قالیًا لکم ۔ ولٰکن ما یقتضِی فسوف یکون

ترجمہ: ـــــ پس اگر سوال کیا جائے کہ بعض نحویوں نے تو اَنّ مفتوحہ اور لٰکنّ کو بھی لیت ولعلّ کے ساتھ لاحق کیا ہے تو الحاق کیساتھ اِنّ مکسورہ کو خاص کرنے کی وجہ کیا ہے؟ جواب دیا گیا ہے کہ جن بعض نحویوں نے اِنّ مکسورہ کو لیت ولعل کے ساتھ لاحق کیا ہے وہ سیبویہ ہیں تو مصنف نے اس کے قول کو وقعت دی اور اس کو بیان فرمایا اور ان کے علاوہ دوسروں کے قول کو وقعت نہ دی تو اس کو بیان بھی نہیں فرمایا باوجودیکہ قرآن کریم اور فصیح لوگوں کا کلام ان دونوں قولوں سے موافقت نہیں کرتا پس جو دلیل اِنّ مکسورہ کے خبر پر فا کے داخل ہونے سے مانع نہ ہونے پر ہے وہ تو گذر چکی اور وہ دلیل جو اَن مفتوحہ اور لکن کا فا کے داخل ہونے سے مانع نہ ہونے پر دلالت کرتی ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کا قول ہے واعلموا انما غنمتم من شیءٍ فانّ للّٰہ خمسہٗ اور شاعر کا قول ہے شعر فواللہ ما فارقتکم الخ یعنی خدا کی قسم میں آپ سے بغض رکھتے ہوئے آپ سے جدا نہیں ہوا لیکن جو عند اللہ ٹھہرا وہ ہو کر رہے گا ۔

تشریح: ـــــ قولہ فان قیل ۔ یہ سوال شارح کی جانب سے ہے کہ متن میں حروف مشبہ میں سے

Marfat.com

صرف انّ مکسورہ کو لیت و لعل کیساتھ لاحق کیا ہے جب کہ بعض نحویوں نے اَنّ مفتوحہ اور لکنّ کو بھی ان کے ساتھ لاحق کیا ہے یعنی صرف اِنّ مکسورہ ہی خبر پر فا کے دخول کو منع نہیں کرتا بلکہ انّ مفتوحہ اور لکنّ بھی منع کرتے ہیں۔

قولہ قیل ۔ یہ جواب ہے سوال مذکور کا کہ خبر پر فا داخل ہونے کو نہ اِنّ مکسورہ منع کرتا ہے اور نہ انّ مفتوحہ اور نہ لکنّ ۔ اول جیسے آیت مذکورہ اِنّ الذین کفروا وماتوا وھم کفارٌ فلن یقبلَ تو بتہم میں اِنّ مکسورہ کی خبر پر فا داخل ہے دوم جیسے آیت مقدسہ وَاعلمُوا اَنّما غنمتم مِنْ شئٍ فانّ للّٰہ خُمُسہٗ میں اَنّ مفتوحہ کی خبر پر فا داخل ہے اور سوم جیسے شاعر کا قول ہے فواللّٰہ ما فارقتکم قالیًا لکم ۔ ولکنّ ما یقتضی فسوف یکون ۔ اس میں لکن کی خبر پر فا داخل ہے اور اِنّ مکسورہ میں چونکہ الحاق بے قائل سیبویہ ہیں اور اَنّ مفتوحہ اور لکنّ میں الحاق کے قائل دوسرے نحوی ہیں اور سیبویہ کا مقام دوسرے نحویوں سے اعلیٰ وارفع ہے اس لئے متن میں صرف سیبویہ کے قول کو نقل کیا گیا ۔ دوسروں کے قول کو چھوڑ دیا گیا ۔

وَقَدْ یُحذفُ المبتداءُ لقیامِ قرینۃٍ لفظیۃً اَوْعقلیۃً جوازًا ای حذفًا جائزًا لا واجبًا

ترجمہ: ـــــ (اور کبھی حذف کیا جاتا ہے مبتدا بوقت قیام قرینہ) لفظیۃً ہو یا عقلیۃً (بطور جواز) یعنی حذف جائز نہ کہ واجب ۔

تشریح: ـــــ بیانہ وقد یُحذفُ ۔ اس سے قبل مبتدا و خبر کے مذکور ہونے سے متعلق احکام کا بیان تھا لیکن اب ان کے حذف سے متعلق احکام بیان کئے جاتے ہیں کہ مبتدا کا مذکور ہونا اگرچہ اصل ہے لیکن وہ کبھی حذف بھی کیا جاتا ہے جب کہ قرینہ موجود ہو ۔ قرینہ لفظیہ جیسے آیت کریمہ قالوا اساطیر الاولین میں اساطیر الاولین سے پہلے ھو قرینۂ قالوا محذوف ہے اور مَنْ عَمِلَ صالحًا فلنفسہٖ میں لنفسہٖ سے پہلے عملُہٗ اور مَنْ اَساءَ فعلیہ میں علیہ سے پہلے اساءتُہٗ بقرینۂ شرط محذوف ہے اور قرینۂ عقلیہ جیسے ماہ نو دیکھنے والے کا قول الھلالُ واللّٰہ ما الھلال سے پہلے ہذا محذوف ہے جس پر ماہ نو دیکھنے والے کی حالت دلالت کرتی ہے کیونکہ اس کا مقصود شئ کو اشارہ سے معین کر کے اس پر حکم لگانا ہے تاکہ دوسرے لوگ بھی اس طرف متوجہ ہو جائیں اور وہ جیسا کہ اس کو دیکھتا ہے وہ لوگ بھی دیکھنے لگیں ۔ خیال رہے کہ لقیام میں لام اجل وعلت کے لئے نہیں بلکہ وقت کے لئے آیا ہے جس طرح آیت کریمہ اقیم الصلوٰۃ لدلوک الشمس میں لام وقت کے لئے

Marfat.com

آیا ہے کیونکہ قرینہ حذف کا مصحح اور اس کا داعی مثلاً تعین ۔ تعظیم ۔ تحقیر وغیرہ ہوتی ہے علت نہیں اس لئے کہ قرینہ اگر علت ہو جائے تو حذف کا واجب ہونا لازم آئیگا کیوں کہ وجود علت کے وقت معلول کا وجود لازم آتا ہے ۔

قولہ لفظیۃً اوعقلیۃً ۔ اس تعمیم سے اس سوال کا جواب ہے کہ یہ حکم متن میں مثال مذکور یعنی اہلال واللہ سے منقوض ہے کیونکہ اس میں الھلال سے پہلے ہذا محذوف ہے لیکن اس پر کوئی قرینہ دلالت نہیں کرتا ۔ جواب یہ کہ قرینہ سے مراد عام ہے کہ قرینہ لفظیہ ہو یا قرینۂ عقلیہ اور مثال مذکور میں اگرچہ قرینہ لفظیہ دلالت نہیں کرتا ۔ لیکن قرینہ عقلیہ ضرور دلالت کرتا ہے جیسا کہ گذرا ۔

قولہ ای حذفًا ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ متن میں جوازًا کو یحذف کا مفعول مطلق قرار دیا گیا ہے جب کہ وہ فعل مذکور کے معنی میں ہوتا ہے جو یہاں مفقود ہے ۔ جواب یہ کہ وہ مفعول مطلق موصوف محذوف یعنی حذفًا کے اعتبار سے ہے لیکن اس تقدیر پر جواز مصدر بمعنی جائز اسم فاعل ہوگا کیونکہ شئ کی صفت اس پر محمول ہوتی ہے جیسے زیدٌ العالم اور ظاہر ہے جواز حذف پر محمول نہیں ہوتا اور لا واجبًا سے یہ اشارہ ہے کہ متن میں جواز سے مراد امکان خاص ہے یعنی جس کے دونوں جانب سے ضرورت کا سلب کیا گیا ہو ۔

وقد یجب حذفہ اذا قطع النعت بالرفع نحو الحمد للہ اھلُ الحمدِ ای ھو اھل الحمد وانما وجب حذفہ لیعلم انہ کان فی الاصل صفۃ فقطع لقصد المدح او الذم او غیر ذلک فلو ظھر المبتدا لم یتبین ذلک ۔ ویجب حذفہ ایضًا عند من قال فی نعم الرجل زیدٌ ان تقدیرہ ھو زیدٌ ۔

ترجمہ : ـــــ اور کبھی اس کا حذف واجب ہوتا ہے جبکہ صفت کو رفع کیساتھ الگ کیا جائے جیسے الحمد للہ اہلُ الحمد یعنی ہو اہلُ الحمد اور اس کا حذف اس لئے واجب ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ وہ اصل میں صفت تھا پس قصد مدح یا ذم یا اس کے علاوہ کی وجہ سے الگ کر دیا گیا لہذا اگر مبتدا کو ظاہر کیا جائے تو وہ مقصود واضح نہ ہوگا اور مبتدا کا حذف اس کے نزدیک بھی واجب ہوگا جو نعم الرجلُ زیدٌ کے متعلق اس کی تقدیر ہُوَ زیدٌ کے قائل ہے

تشریح : ـــــ قولہ وقد یجب ۔ مبتدا دو مقام پر وجوبًا محذوف ہوتا ہے ایک وہ ہے جب کہ نعت مقطوع ہو کر خبر واقع ہو یعنی حقیقۃً نعت ہو لیکن اس کو خبر بنا دیا جائے جیسے الحمد للہ اہلُ الحمد اصل میں الحمد للہ

Marfat.com

ہو اہلُ الحمد دوسرا مقام وہ ہے جب کہ خبر مخصوص بالمدح یا مخصوص بالذم ہو جیسے نعم الرجل زیدٌ میں نعم الرجل جملہ انشائیہ ہے اور زید مبتدا محذوف ہُوَ سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہے اسی طرح بئس الرجلُ خالدٌ میں بئس الرجل جملہ انشائیہ ہے اور خالد مبتدا محذوف ہُوَ سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہے لیکن یہ بعض نحویوں کے نزدیک ہے اور دوسرے نحویوں کا مذہب یہ ہے کہ مخصوص بالمدح و مخصوص بالذم مبتدا ہے اور ماقبل کا جملہ انشائیہ خبر ہے اور مبتدا موخر اپنی خبر مقدم سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہے پس اس مذہب پر نہ مبتدا محذوف ہے اور نہ خبر محذوف مبتدا کے حذف وجوبی کو متن میں اس لئے بیان نہیں کیا گیا کہ کافیہ مفصل سے ماخوذ ہے اس میں مبتدا کے حذف وجوبی کو بیان نہیں کیا گیا ہے لیکن یہ کہنا کہ مبتدا کا حذف وجوبی چونکہ قلیل ہے اس لئے اس کو یہاں چھوڑ دیا گیا ہے صحیح نہیں کیونکہ خبر کا حذف وجوبی بھی قلیل ہے لیکن اس کو متن میں بیان کیا گیا ہے۔

قولہ وانما وجب ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مبتدا کو وجوبا کیوں حذف کیا جاتا ہے؟ جواب یہ کہ حذف سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ پہلے صفت تھا جس کو قطع کر کے خبر اس لئے بنایا گیا ہے کہ اس سے مدح حاصل ہو جیسے الحمد للہ اہلُ الحمد یا ذم حاصل ہو جیسے مررت بزید الفاسقُ یا ترحم حاصل ہو جیسے اطعمتُ بکر المسکینُ پہلی مثال میں اہل اور دوسری مثال میں فاسقُ اور تیسری مثال میں مسکین مرفوع اس لئے ہیں کہ ہر ایک خبر ہے جس کا مبتدا ہُوَ محذوف ہے۔

کقولِ المستہلِّ ای المبتداءُ المحذوفُ جوازا مثلُ المبتداءِ المحذوفِ فی مقولِ المستہلِّ المبصرِ للہلالِ الرافعِ صوتہٗ عند ابصارہٖ اَلہلالُ وَاللّٰہِ ای ہٰذا الہلالُ واللّٰہ بالقرینۃِ الحالیۃ ولیس من بابِ حذفِ الخبرِ بتقدیرِ الہلالِ ہذا لانَّ مقصودَ المستہلِّ تعینُ شیءٍ بالاشارۃِ والحکمُ علیہِ بالہلالیۃِ لیتوجّہ الیہ النّاظرونَ ویروہُ کما یراہُ وانّما اتی بالقسمِ جریًا علیٰ عادۃِ المستہلّین غالبًا ولئلا یتوہّمَ نصبُ الہلالِ عند الوقفِ

ترجمہ: ــــــ (جیسے ماہ نو دیکھنے والے کا قول) یعنی مبتدا محذوف بطور جواز اس مبتدا کی مثل ہے جو ماہ نو دیکھنے والے اور اس کے دیکھنے کے وقت اپنی آواز بلند کرنے والے کے مقولہ میں محذوف ہے (الہلال واللہ) یعنی ہذا الہلالُ واللہِ قرینہ حالیہ کی وجہ سے اور یہ قول بتقدیر الہلالُ ہذا حذف خبر کے باب سے نہیں ہے اس لئے کہ ماہ نو دیکھنے والے کا مقصود اشارہ سے شئی کا تعین اور اس پر ہلال ہونے کا حکم لگانا ہے تاکہ ناظرین اس کی طرف

Marfat.com

متوجہ ہو جائیں اور جیسا کہ وہ اس کو دیکھ رہا ہے وہ لوگ بھی دیکھ لیں اور مصنف نے مثال کو قسم کیساتھ ماہ نو دیکھنے والے کی غالب عادت پر محمول کرنے کی وجہ سے لایا اور اس لئے بھی کہ وقف کے وقت الہلال کے نصب کا وہم نہ ہو سکے۔

تشریح: ـــ بیانہ[1] کقول ۔ یہ مثال ہے اس مبتدا کی جس کا حذف قرینۂ حالیہ کے وقت جائز ہوتا ہے قرینہ لفظیہ والی مثال کو متن میں اس لئے بیان نہیں کیا گیا کہ وہ ظاہر ہے محتاج بیان نہیں۔

قولہ[2] اَیُ المبتداء المحذوف ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ قول مستہل کو مبتدا محذوف کی مثال بیان کیا گیا ہے ظاہر ہے یہ اس کی مثال نہیں ہے جواب یہ کہ قول کے اوپر کاف بمعنی مثل ہے جس کا مضاف الیہ المبتداء مقدر ہے ۔ اور قول بمعنی مقول فی کی تقدیر کیساتھ ہے جس کا مجموعہ مبتدا محذوف کی خبر واقع ہے ۔ اصل عبارت شرح میں مذکور ہے ۔

قولہ[3] المبصر ۔ اس قید سے یہ اشارہ ہے کہ مستہل کے چونکہ دو معنی ہیں ایک ماہ نو دیکھ کر آواز بلند کرنا دوسرا بچہ کا بوقت ولادت آواز نکالنا یہاں اس سے مراد پہلا معنی ہے اور الرافع صوتہٗ عند ابصارہ کی قید بیان واقع کے لئے ہے کہ ماہ نو دیکھنے والا عادۃً اپنی آواز کو بلند کر کے ہی الہلال واللہ کہتا ہے ۔ خیال رہے کہ ہلال کو فیروز اللغات نے پہلی رات کے چاند کو کہا ہے لیکن حاشیہ عبدالغفور و لغات کشوری میں پہلی رات سے تیری رات کے چاند کو کہا جاتا ہے اور قاموس میں چوتھی یا ساتویں رات تک اور چھبیسویں[۲۶] و ستائیسویں[۲۷] رات کے چاند کو بھی کہا جاتا ہے اور ان کے علاوہ کو قمر کہا جاتا ہے ۔

قولہ[4] لیس مِن باب ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اس مثال کا مبتدا کے حذف سے ہونا امر یقینی نہیں کیونکہ ممکن ہے اَلہلالُ مبتدا ہو اور ہذا اس کی خبر محذوف ہو جواب یہ کہ مقصود ایک شئی کو اشارہ سے معین کر کے یہ بتانا ہے کہ یہ چاند ہے تاکہ ناظرین اس طرف متوجہ ہو کر وہ مشاہدہ کرے جس کو وہ دیکھتا ہے پس یہ مبتدا کے حذف سے ہی حاصل ہوگا۔

قولہ[5] اِنّما اتی ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مثال میں وَاللہ کا اضافہ کیوں کیا گیا؟ جب کہ اس کو مبتدا کے حذف میں کوئی دخل نہیں ہے جواب یہ کہ اہل عرب کی اکثر یہ عادت رہی ہے کہ چاند دیکھنے کے وقت وہ لوگ الہلالُ واللہ کہا کرتے ہیں پس یہاں اس کے پورے قول کو نقل کر دیا گیا یا یہ کہ اگر صرف الہلالُ کہا کہا جائے تو وقف کی حالت میں یہ وہم ہو سکتا ہے کہ الہلال منصوب ہے اور مفعول بہ ہے فعل محذوف کا

Marfat.com

وَقَدْ يُحْذَفُ الْخَبَرُ جَوَازًا اَیْ حَذْفًا جَائِزًا لِقِیَامِ قَرِیْنَةٍ مِنْ غَیْرِ اِقَامَةِ شَیْءٍ مَقَامَهٗ مِثْلُ الْخَبَرِ الْمَحْذُوْفِ جَوَازًا فِیْ قَوْلِكَ خَرَجْتُ فَاِذَا السَّبُعُ فَاِنَّ تَقْدِیْرَهٗ عَلَی الْمَذْهَبِ الصَّحِیْحِ كَمَا نَصَّ عَلَیْهِ صَاحِبُ اللُّبَابِ خَرَجْتُ فَاِذَا السَّبُعُ وَاقِفٌ عَلٰی اَنْ یَّكُوْنَ اِذَا ظَرْفَ زَمَانٍ لِلْخَبَرِ الْمَحْذُوْفِ وَفِیْ مِنْ غَیْرِ سَادٍّ مَسَدَّهٗ اَیْ نَفْیِ وَقْتِ خُرُوْجِ السَّبُعِ وَاقِفٌ

ترجمہ: ـــــ (اور) کبھی حذف کی جاتی ہے (خبر بطور جواز) یعنی بطور حذف جائز بوقت قیام قرینہ خبر کے مقام پر کسی چیز کو قائم کئے بغیر (مثل) خبر محذوف بطور جواز آپ کے قول (خرجتُ فاذا السبع) میں کیونکہ اس کی تقدیر صحیح مذہب پر جیسا کہ صاحب لباب نے اس پر نص کیا ہے خرجت فاذا السبعُ واقفٌ ہے اس بنا پر کہ اذا خبر محذوف کا ظرف زمان ہے بغیر اس کے مقام پر کسی کو کرنیکے یعنی نفی وقت خروجی السبعُ واقفٌ ۔

تشریح: ـــــ قولہ قد یحذف ۔ اس تقدیر سے یہ اشارہ ہے کہ متن میں الخبر کا عطف ما قبل میں المبتدا پر ہے جس کا حاصل یہ کہ مبتدا کی طرح خبر کا حذف بھی کبھی جوازی ہوتا ہے جب کہ قرینہ موجود اور قائم مقام مفقود ہو جیسے خرجتُ فاذا السبعُ میں تفصیل آگے مذکور ہے ۔

قولہ اَیْ حَذْفًا ۔ حذفا جائزا اور لقیام قرینۃ دونوں کی توضیح ما قبل میں مبتدا کے حذف کے بیان میں گذر چکی. متن میں صرف اول کو بیان کیا گیا دوم کو نہیں جب کہ دوم بھی یہاں معتبر ہے اس کی وجہ غالبًا یہ کہ دوم کا ذکر ما قبل میں ہو چکا ہے اور اول یعنی حذف جائز کا بھی ذکر اگرچہ ما قبل میں ہو چکا ہے لیکن اس کو یہاں حذف کے وجوبی سے امتیاز کرنے کے لئے بیان کیا گیا ہے ۔

قولہ الخبر المحذوف ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ خرجت فاذا السبعُ کو خبر کے حذف جوازی کی مثال بیان کیا گیا ہے حالانکہ ظاہر ہے یہ اس کی مثال نہیں ہے جواب یہ کہ مثل کے بعد مضاف الیہ یعنی الخبر المحذوف مقدر ہے ۔

قولہ فَاِنَّ تَقْدِیْرَهٗ ۔ یعنی مقولۂ مذکور کی تقدیر جو صحیح مذہب پر ہے وہ یہ کہ السبعُ مبتدا ہے جس کی خبر واقفٌ محذوف ہے اس پر قرینہ اذا ہے جو مفاجات کیلئے آتا ہے یعنی شئی کے اچانک موجود ہونے پر دلالت کرتا ہے پس اس کا ترکیب یہ ہوگی کہ اذا خبر محذوف کا مفعول فیہ مقدم ہے اور السبعُ مبتدا واقفٌ اسم فاعل اس میں ہو ضمیر مستتر اس کا فاعل ہے ۔ اسم فاعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے ملکر شبہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر۔ مبتدا

Marfat.com

اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا ۔ معنی یہ ہوا خرجتُ فاذا السبعُ واقفٌ وقت خروجی یعنی میں نکلا تو درندہ مرے نکلنے کے وقت کھڑا ہے ۔ اس مذہب کی تائید جیسا کہ صاحب لباب کی تصریح ہے اس طرح بھی ہے کہ عرب کبھی کبھی خبر کو ظاہر کر کے یوں بولتے ہیں خرجتُ فاذا السبعُ واقفٌ لیکن زجاج کا خیال ہے کہ خبر کو اس میں محذوف ماننے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ اس میں اذا ظرف زمان ہے جو خبر ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے مگر مضاف یعنی وجود کی تقدیر کیساتھ اس لئے کہ سبع عین ہے اور ظرف زمان عین کے خبر ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا پس تقدیر عبارت یہ ہے خرجتُ فوقت خروجی وجود السبع اور مبرّد نے بھی اذا کو اگرچہ خبر مقدم مانا ہے مگر ان کے نزدیک وہ ظرف مکان ہے جو عین کے خبر ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے پس اس صورت میں مضاف مقدر نہ ہوگا اصل عبارت یہ ہوگی خرجتُ فمکان خروجی السبعُ ۔

قولہ مِن غیرِ سادٍّ ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ یہ حذف جوازی نہیں بلکہ وجوبی ہے کیونکہ اس میں قرینہ کے علاوہ قائم مقام بھی موجود ہے اور وہ اذا ہے جواب یہ کہ اذا خبر محذوف کا قائم مقام نہیں ہو سکتا کیوں کہ خبر کا قائم مقام مبتدا پہ مقدم نہیں ہوتا اور یہ مقدم ہے ۔

وقد یحذفُ الخبرُ لقیامِ قرینۃٍ وجوبًا ای حذفًا واجبًا فیما اُلتزم ای فی ترکیبٍ اُلتزِمَ فی موضعہٖ ای موضعِ الخبرِ غیرَہٗ ای غیرَ الخبرِ

ترجمہ : ـــــ (اور) کبھی خبر حذف کی جاتی ہے بوقت قیام قرینہ (بطور وجوب) یعنی حذف واجب کے طور پر (اس میں جہاں لازم کیا گیا ہو) یعنی اس ترکیب میں جہاں لازم کیا گیا ہو (اس کے مقام یعنی مقام خبر (میں اس کے غیر) یعنی خبر کے غیر (کو)

تشریح : ـــــ قولہ قد یحذفُ ۔ اس عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ متن میں وجوبًا کا عطف ماقبل میں جواز پر ہے جس کا حاصل یہ کہ خبر کا حذف کبھی وجوبی ہوتا ہے جب کہ قرینہ موجود ہو اور خبر کے قائم مقام کوئی چیز ہو کیونکہ اگر خبر کو بیان کیا جائے تو عوض و معوض کا اجتماع لازم آئیگا جو ممنوع ہے جیسے وضو و تیمم کا اجتماع ۔ خیال رہے کہ خبر کا حذف واجب ہونے کے لئے قائم مقام کا ہونا ضروری ہے لیکن مبتدا کا حذف واجب ہونے کے لئے قائم مقام کا ہونا ضروری نہیں جیسے الحمد للہ اہل الحمد میں مبتدا کا حذف واجب ہے لیکن اس کا قائم مقام کوئی نہیں ہے اس کی وجہ یہ کہ مخبر کا مقصود چونکہ خبر ہی ہوتی ہے اس لئے خبر مبتدا کی بہ نسبت زیادہ قابل توجہ ہے اور خبر کا حذف

Marfat.com

واجب ہونے کے لئے قائم مقام کا ہونا لازم وضروری ہے ۔

قولہ ای فی ترکیبٍ ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ متن میں ما سے متبادر خبر ہے کیونکہ کلام اسی میں جاری ہے پس اس تقدیر پر عبارت یہ ہوگی قد یحذف الخبر فی الخبر ظاہر ہے یہ معنی فاسد ہے جواب یہ کہ ما سے مراد ترکیب ہے خبر نہیں پس معنی فاسد نہ ہوگا ۔ اور ای موضع الخبر اور ای غیر الخبر سے متن میں ضمیر مجرور کے مرجع کو بیان کیا گیا ہے

وَذٰلِكَ فِی اَرْبَعَةِ اَبْوَابٍ عَلٰی مَا ذَكَرَهُ الْمُصَنِّفُ اَوَّلُهَا الْمُبْتَدَاُ الَّذِیْ بَعْدَهٗ لَوْلَا مِثْلُ لَوْلَا زَیْدٌ لَكَانَ كَذَا اَیْ لَوْلَا زَیْدٌ مَوْجُوْدٌ لِاَنَّ لَوْلَا لِامْتِنَاعِ الشَّیْءِ لِوُجُوْدِ غَیْرِهٖ فَیَدُلُّ عَلَی الْوُجُوْدِ وَقَدِ الْتُزِمَ فِیْ مَوْضِعِ الْخَبَرِ جَوَابُ لَوْلَا فَیَجِبُ حَذْفُهٗ لِقِیَامِ قَرِیْنَةٍ وَالْتِزَامِ قَائِمٍ مُقَامَهٗ

ترجمہ ۔ اور وہ چار ابواب میں ہے اس طور پر کہ مصنف نے اس کو بیان فرمایا ۔ اُن میں پہلا باب وہ مبتدا ہے جو لولا کے بعد واقع ہو (جیسے لولا زیدٌ لکان کذا) یعنی لولا زیدٌ موجودٌ اس لئے کہ لولا وجود غیر کی وجہ سے امتناع شئ کے لئے آتا ہے پس وہ وجود پر دلالت کرتا ہے اور لولا کے جواب کو خبر کی جگہ پر لازم کیا جاتا ہے پس اس کا حذف کرنا قیام قرینہ اور خبر کے قائم مقام کے التزام کے وقت واجب ہوتا ہے ۔

تشریح :۔ قولہ ذلک فی ابواب ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مثال سے ممثل لہٗ کی وضاحت مقصود ہوتی ہے جو صرف ایک سے کافی ہے اور یہاں چار مثالیں کیوں بیان کی گئیں ؟ جواب یہ کہ مثال سے یہاں صرف وضاحت مقصود نہیں بلکہ مسائل کی طرف اشارہ بھی کرنا ہے کہ جو چار ابواب میں منحصر ہیں ۔

قولہ اولہا ۔ یعنی خبر کا حذف بھی جن مقاموں پر واجب ہوتا ہے ان میں سے پہلا مقام یہ ہے کہ مبتدا لولا کے بعد واقع ہو اور خبر افعال عام میں سے کوئی فعل ہو جیسے لولا زیدٌ لکان کذا اس میں حذف واجب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ قرینہ اور قائم مقام دونوں موجود ہیں ۔ قرینہ لولا ہے کیونکہ اس کا مدلول یہ ہے کہ اول کا وجود ثانی کے انتفاء کا سبب ہو مثلاً لولا علیٌ لہلک عمرٌ میں علی کا وجود عمر کی ہلاکت کے انتفاء کا سبب ہے اور قائم مقام لولا کا جواب ہے پس اصل عبارت یہ ہے لولا زیدٌ موجودٌ لکان کذا اس میں لولا حرف امتناعیہ ہے اور زید مبتدا ہے موجود اپنے نائب فاعل ھو سے مل کر خبر ۔ مبتدا اپنی خبر سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا ۔ لام جوابیہ کان تامہ فعل معروف کذا اسم کنایہ فاعل ۔ فعل معروف اپنے فاعل سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر لولا کا جواب ہوا ۔

Marfat.com

هذا[1] اذا کان الخبر عامًا واَمّا اذا کان خاصًا فلا یجب[2] حذفہٗ کما فی قولہ[3] شعر وَلولا الشعرُ بالعلماء بزری - لکنتُ الیومَ اشعرَ من لبیدٍ[4] .

ترجمہ :- یہ اس وقت ہے جبکہ خبر عام ہو اور لیکن جب کہ خبر خاص ہو تو اس کا حذف کرنا واجب نہیں ہوتا جیسا کہ شاعر کے قول میں ہے شعر ولولا الشعر یعنی اور اگر شعر گوئی علماء کو عیب دار نہ کرتی تو میں آج لبید شاعر سے بڑھ کر شاعر ہوتا ۔

تشریح :- قولہ[1] ھذا اذا کان ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ حکم مذکور اس شعر سے منقوض ہے ولا الشعر بالعلماء بزری + لکنتُ الیومَ اشعرَ من لبید ۔ اس سے پہلے ایک شعر یہ بھی ہے ولا خشیۃ الرحمٰن عندی جعلتُ الناسَ کلھم عبیدی ۔ پہلا شعر میں بزری اور دوسرا شعر میں عندی خبر ہے جو مذکور ہے حالانکہ مبتدا ولا کے بعد واقع ہے جواب یہ کہ خبر کا حذف واجب ہونے کے لئے خبر کا افعال عامہ سے ہونا ضروری ہے اور اگر افعال خاصہ سے ہو تو حذف واجب نہیں ہوتا اور ظاہر ہے پہلا شعر میں بزری اور دوسرا شعر میں عندی افعال عامہ سے نہیں دونوں شعروں کا معنی یہ ہے کہ اگر مجھے رحمٰن کا خوف نہ ہوتا تو میں تمام لوگوں کو اپنا غلام بنا لیتا اور اگر شعر گوئی علماء کو عیب دار نہ کرتی تو میں آج لبید شاعر سے بڑھ کر شاعر ہوتا ۔ شعر سے یہاں مراد وہ شعر ہے جو کذب وافتراء وغیرہ نامشروع امور پر مشتمل ہو ۔ عارف گنجوی نے ایسے ہی شعروں سے اپنے فرزند کو منع فرمایا ہے کہ در شعر پیچ و در فن او ۔ چوں اکذب اوست احسن اوست ۔ اور قرآن کریم میں ایسے شاعروں کے متعلق ارشاد ہے وَالشعراء یتبعون الغاوٗن لیکن جو شعر حمد و نعت و منقبت پر مشتمل ہو وہ بلاشبہ مستحسن و عمدہ ہے حدیث پاک میں مروی ہے اِنَّ مِنَ الشعرِ لحکمۃً اور سرکار کائنات علیہ التحیۃ والثناء نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دعائیں اور اپنی دستار مقدس ایسے ہی اشعار پر نوازا تھا ۔

قولہ[2] فلا یجب ۔ یعنی خبر جب افعال خاصہ سے ہو اور اس کے خصوص پر کوئی قرینہ موجود ہو تو حذف واجب نہیں البتہ جائز ہوتا ہے اور اگر قرینہ نہ ہو تو جائز ہی نہیں ہوتا اور ولا یہاں افعال عامہ کے حذف پر قرینہ ہے لیکن افعال خاصہ کے حذف پر نہیں کیونکہ ولا کا مدلول اول کا وجود ہے اور وجود افعال عامہ سے ہے پس ولا سے فعل عام کا علم تو ہو جائیگا لیکن فعل خاص کا نہیں ۔

Marfat.com

قولہ کما فی قولہ ۔ ان دونوں شعروں کا قائل کون ہے اس کے متعلق مختلف اقوال ہیں بعض کا قول ہے کہ وہ محمد بن ادریس الشافعی ہیں کذا فی التحفۃ الخادمیۃ اور بعض کا خیال ہے کہ وہ امام شافعی علیہ الرحمہ والرضوان ہیں اور یہی مشہور بھی ہے لیکن صحیح نہیں ہے کذا فی جامع الغموض ۔

قولہ مِن لبیدٍ ۔ وہ ابوعقیل لبید ابن ربیعہ ہیں جن کا شمار سرکار کے زمانہ پاک کے مشہور شاعروں میں سے ہوتا ہے کذا فی سوال باسولی انہوں نے سرکار کے دست پاک پر اسلام قبول فرمایا اور ایک سو چالیس یا ایک سو ستاون سال عمر پاکر سن اکتالیس ہجری میں وصال فرمائے کذا فی النا جیۃ

هذا علیٰ مذهبِ البصریین وقالَ الکسائیُ الاسمُ الواقعُ بعدها فاعِلُ لفعلٍ مقدّرٍ ای لولا وجدَ زیدٌ وقالَ الفراءُ لولا هی الرافِعۃُ للاسمِ الذی بعدها

ترجمہ :۔۔۔ یہ بصریوں کے مذہب پر ہے اور کسائی نے کہا کہ جو اسم لولا کے بعد واقع ہو فعل مقدر کا فاعل ہوتا ہے یعنی لولا وجد زیدٌ اور فراء نے کہا کہ لولا اس اسم کو رفع دیتا ہے جو کہ اس کے بعد واقع ہے ۔

تشریح :۔۔۔ قولہ هذا علیٰ مذهب ۔ لولا کے متعلق تین مذہب ہیں ایک بصریوں کا دوسرا امام کسائی کا اور تیسرا امام فراء کا اور یہ جو مذکور ہوا بصریوں کا مذہب ہے کہ لولا ایک مستقل حرف ہے جس کو حرف امتناعیہ کہا جاتا ہے اور وہ نہ حرف شرط ہے اور نہ ہی مرکب ہے دو کلموں سے پس اس کے بعد اسم مذکور مبتدا ہوگا جس کی خبر کا حذف کرنا واجب و ضروری ہوتا ہے اور امام کسائی کے نزدیک لولا حرف شرط ہے دلیل یہ ہے کہ لو جب لا کے بغیر حرف شرط ہو سکتا ہے تو لا کیساتھ بھی حرف شرط ہوگا اور حرف شرط کے بعد فعل ہی مذکور ہوتا ہے اور یہاں اس کے بعد اسم مرفوع ہے پس معلوم ہوا کہ وہ فاعل ہے فعل محذوف کا اصل عبارت یہ ہے لولا وجد زیدٌ لکان کذا ۔ امام فراء لولا کو اسماء افعال سے بمعنی وجد مانتے ہیں پس وہ اپنے ما بعد کا رافع ہوا ۔ لیکن یہ دونوں مذہب ضعیف ہیں امام کسائی کا مذہب اس لئے کہ فعل کا حذف وجوبی تفسیر کے بغیر نہیں ہوتا اور ظاہر ہے یہاں کوئی تفسیر نہیں ہے لیکن امام فراء کا مذہب اس لئے کہ لولا اگر اسم فعل بمعنی وجد ہو تو وہ صرف ایک ہی اسم کو رفع کرے گا دو اسموں کو نہیں حالانکہ اس کے بعد دو اسم مرفوع ہوتے ہیں جیسے حدیث پاک میں ہے لولا قومک حدیثو عهد هم بکفر لنبیتُ الکعبۃَ علیٰ قواعد ابراهیمَ اس میں قومک مرفوع ہے اور حدیثو عهد بھی مرفوع ہے ۔

Marfat.com

وَ ثَانِيهَا كُلُّ مُبتَدَاءٍ كَانَ مَصدَرًا صُورَةً اَوْ بِتَاوِيلِهٖ مَنسُوبًا اِلَى الفَاعِلِ اَوِ المَفعُولِ اَوْ كِلَيهِمَا وَبَعدَهٗ حَالٌ اَوْ كَانَ اسمَ تَفضِيلٍ مُضَافًا اِلَى ذٰلِكَ المَصدَرِ وَذٰلِكَ نَحوُ مَثَلِ ذَهَابِي رَاجِلًا وَضَربُ زَيدٍ قَائِمًا اِذَا كَانَ زَيدٌ مَفعُولًا بِهٖ وَمِثلُ ضَرَبِي زَيدًا قَائِمًا اَوْ قَائِمَينِ وَاِن ضَرَبتُ زَيدًا قَائِمًا وَاَكثَرُ شُرْبِي السَّوِيقَ مَلتُوتًا وَاخطُبُ مَا يَكُونُ الاَمِيرُ قَائِمًا فَذَهَبَ البَصرِيُّونَ اِلَى اَنَّ تَقدِيرَهٗ ضَرَبِي زَيدًا حَاصِلٌ اِذَا كَانَ قَائِمًا فَحُذِفَ حَاصِلٌ كَمَا تُحذَفُ مُتَعَلَّقَاتُ الظُّرُوفِ نَحوُ زَيدٌ عِندَكَ فَبَقِيَ اِذَا كَانَ قَائِمًا ثُمَّ حُذِفَ اِذَا مَعَ شَرطِهٖ العَامِلُ فِي الحَالِ وَاُقِيمَ الحَالُ مُقَامَ الظَّرفِ لِاَنَّ فِي الحَالِ مَعنَى الظَّرفِيَّةِ فَالحَالُ تَمَّ مُقَامَ الظَّرفِ القَائِمِ مُقَامَ الخَبَرِ فَيَكُونُ الحَالُ قَائِمًا مُقَامَ الخَبَرِ

ترجمہ: ——— اور ان میں سے دوسرا باب ہر وہ مبتدا ہے جو باعتبار صورت یا تاویل مصدر ہو جو کہ فاعل یا مفعول یا دونوں کی طرف منسوب ہوا اور اس کے بعد حال یا اسم تفضیل ہو جو اس مصدر کی طرف مضاف ہوا اور یہ جیسے ذہابی راجلا اور ضربُ زیدٍ قائماً جب کہ زید مفعول بہ ہو اور جیسے (ضربی زیداً قائماً) اور قائمین اور ان ضربتُ زیداً قائماً واکثر شربی السویق ملتوتاً واخطبُ ما یکون الامیرُ قائماً پس نحات بصری اس طرف گئے ہیں کہ اس کی تقدیر ضربی زیداً حاصلٌ اذا کان قائماً ہے تو حاصلٌ کو حذف کیا گیا جیسا کہ متعلقات ظروف کو حذف کیا جاتا ہے جیسے زیدٌ عندک پس اذا کان قائماً باقی رہا پھر اذا کو اپنی اس شرط کیساتھ حذف کر دیا گیا جو عامل ہے حال میں اور حال کو ظرف کی جگہ پر قائم کر دیا گیا اس لئے کہ حال میں ظرفیت کا معنی موجود ہے پس حال اس ظرف کا قائم مقام ہوا جو خبر کا قائم مقام ہے تو حال خبر کا قائم مقام ہوا۔

تشریح: ——— قولہ وثانیہا۔ دوسرا مقام ہر وہ ترکیب ہے جس میں مبتدا مصدر صریحی ہو یا تاویلی جو منسوب ہوئے فاعل یا مفعول یا ہر دو ہوا اور اس کے بعد فاعل یا مفعول یا ہر دو سے حال واقع ہو، عام ہے وہ مفرد ہو یا جملہ۔ جملہ بھی عام ہے کہ اسمیہ ہو یا فعلیہ۔ یا مبتدا اسم تفضیل ہو جو مصدر مذکور کی طرف مضاف ہو یہ کل ۴ صورتیں ہیں (۱) مصدر صریحی منسوب بسوئے فاعل اور اس کے بعد حال فاعل سے جیسے ذہابی راجلاً (۲) مصدر صریحی منسوب بسوئے مفعول اور اس کے بعد حال مفعول سے جیسے ضربُ زیدٍ قائماً جب کہ زید کو مفعول بہ قرار دیا جائے (۳) مصدر صریحی منسوب بسوئے ہر دو فاعل و مفعول اور اس کے بعد حال فاعل یا مفعول سے جیسے ضربی زیداً قائماً (۴) مصدر صریحی منسوب بسوئے ہر دو فاعل و مفعول اور اس کے بعد حال ہر دو سے

Marfat.com

جیسے ضربی زیدًا قائمین (۵) مصدر تاویلی منسوب بسوئے فاعل اور اس کے بعد حال فاعل سے جیسے ان ضربتَ زیدٌ قائمًا جب کہ فعل معروف ہو (۶) مصدر تاویلی منسوب بسوئے مفعول اور اس کے بعد حال مفعول سے جیسے ان ضُرِبَ زیدٌ قائمًا جب کہ فعل مجہول ہو (۷) مصدر تاویلی منسوب بسوئے ہر دو فاعل و مفعول اور اس کے بعد حال فاعل یا مفعول سے جیسے ان ضربتُ زیدًا قائمًا (۸) مصدر تاویلی منسوب بسوئے ہر دو فاعل و مفعول اور اس کے بعد حال ہر دو سے جیسے اَنْ ضربتُ زیدًا قائمین (۹) اسم تفضیل مضاف بسوئے قسم اول جیسے اکثر ذہابی راجلًا (۱۰) اسم تفضیل مضاف بسوئے قسم دوم جیسے اکثر ضرب زید قائمًا (۱۱) اسم تفضیل مضاف بسوئے قسم سوم جیسے اکثر شربی السویق ملتوتًا (۱۲) اسم تفضیل مضاف بسوئے قسم چہارم جیسے اکثر ضربی زیدًا قائمین (۱۳) اسم تفضیل مضاف بسوئے قسم پنجم جیسے اخطب مایکون الامیرُ قائمًا (۱۴) اسم تفضیل مضاف بسوئے قسم ششم جیسے اکثر ان ضُرِبَ زیدٌ قائمًا جب کہ فعل مجہول ہو (۱۵) اسم تفضیل مضاف بسوئے قسم ہفتم جیسے اکثر ان ضربتُ زیدًا قائمًا (۱۶) اسم تفضیل مضاف بسوئے قسم ہشتم جیسے اکثر ان ضربتُ زیدًا قائمین یہ سولہ صورتیں بتقدیر حال مفرد بیان کی گئیں جن سے بتقدیر حال جملہ اسمیہ و فعلیہ مثلاً اقرب مایکون العبد من ربہ وھو ساجدٌ و مثلاً علمی بزیدٍ کان ذامالٍ کی صورتیں بھی نکالی جا سکتی ہیں۔

قولہ فذھب البصریون۔ مذکورہ بالا صورتوں میں سے متن میں یہ تیسری صورت کی مثال ہے۔ اس کی تقدیر عبارت کے متعلق پانچ قول منقول ہیں جن میں سے ایک قول بصریون کا یہ ہے کہ اس کی تقدیر ضربی زیدًا حاصلٌ اذا کان قائمًا ہے اس میں ضرب مصدر مبتدا ہے جو مضاف ہے فاعل کی طرف اور زیدًا مفعول بہ ہے مصدر مضاف اپنے فاعل مضاف الیہ اور مفعول بہ سے ملکر مبتدا ہے اور حاصلٌ اسم فاعل اس میں ضمیر مستتر فاعل ہے جو راجع ہے مبتدا کی طرف اذا ظرف مستقر اور کان تامہ ہے جس میں ہُو ضمیر مستتر ذوالحال ہے جو زید کی طرف راجع ہے اور قائمًا اپنے فاعل ہو سے ملکر حال ہے اور ذوالحال اپنے حال سے ملکر کان تامہ کا فاعل ہے کان تامہ اپنے فاعل سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر اذا ظرف مستقر کا مضاف الیہ ہے اذا ظرف مستقر اپنے مضاف الیہ سے ملکر مفعول فیہ ہے حاصل اسم فاعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر شبہ جملہ اسمیہ ہو کر مبتدا کی خبر ہے پس اس میں سے حاصلٌ کو حذف کیا گیا جس طرح زیدٌ عندک وغیرہ میں ظرف کے متعلقات کو حذف کیا جاتا ہے تو باقی رہ گیا ضربی زیدًا اذا کان قائمًا پھر ظرف کو اپنی شرط کیساتھ یعنی اذا کان کو خبر کی جگہ پر قائم کرنے کے بعد ظرف کو بھی حذف کر دیا گیا اور حال یعنی قائمًا کو ظرف کے قائمقام کر دیا گیا کیونکہ حال میں ظرفیت کا معنی موجود ہے اس لئے کہ حال بھی وقت پر دلالت کرتا ہے

Marfat.com

پس ضربی زیداً قائماً ہوگیا اس ترکیب میں خبر کا حذف اس لئے واجب ہے کہ اس میں قرینہ اور قائم مقام دونوں موجود ہیں کیونکہ قائماً قرینہ بھی ہے اور قائم مقام بھی قرینہ اس لئے کہ وہ حال ہے اور حال ظرف پر دلالت کرتا ہے اور ظرف خبر پر دلالت کرتا ہے جب کہ خبر افعال عامہ سے ہو پس قائماً خبر پر دلالت کرنیوالا ہوا اور قائم مقام اس لئے کہ وہ ظرف کا قائم مقام ہے اور ظرف خبر کا قائمقام ہے پس قائماً خبر کا قائم مقام ہوا جو حاصل ہے قولہ کان قائماً۔ یہ کان تامہ ہے ناقصہ نہیں اس لئے کہ اگر ناقصہ ہو تو قائماً حال نہ ہوگا بلکہ کان ناقصہ کی خبر ہوگا اور جب قائماً حال نہ ہوگا تو وہ خبر کے حذف کا نہ قرینہ ہوگا اور نہ ہی خبر کا قائم مقام ہوگا کیونکہ حال ہی کی وجہ سے وہ ظرف پر دلالت کرتا تھا اور قائم مقام بھی تھا اسی طرح قائماً حال زیداً کا بھی نہیں ہوسکتا کیونکہ اس صورت میں اس کا عامل ضربی ہوگا اور وہ مبتدا ہے پس قائماً مبتدا کا تتمہ ہوگا اور جو مبتدا کا تتمہ ہو وہ خبر کا قائم مقام نہیں ہوسکتا کیونکہ خبر کا مقام مبتدا کے بعد ہوتا ہے کذا فی غایۃ التحقیق۔

قال الرضی ھذا ما قیل فیہ وفیہ تکلفات کثیرۃ والذی یظھر لی ان تقدیرہ ضربی زیداً یلابسہ قائماً اذا اردت الحال عن المفعول ضربی زیداً یلابسنی قائماً اذا کانت عن الفاعل اولیٰ ثم نقول حذف المفعول الذی ھو ذوالحال فبقی ضربی زیداً یلابس قائماً ویجوز حذف ذی الحال مع قیام القرینۃ کما تقول الذی ضربت قائماً زیدٌ ای ضربتہ ثم حذف یلابس الذی ھو خبر المبتداء والعامل فی الحال وقام الحال مقامہ کما تقول راشداً مھدیاً ای سر راشداً مھدیاً فعلی ھذا یکونون متریحین من تلک التکلفات البعیدۃ

ترجمہ:۔ علامہ رضی نے کہا کہ اس میں جو کچھ کہا گیا ہے اس تقدیر میں بہت سے تکلفات ہیں اور وہ جو میرے لئے ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کی تقدیر اولیٰ یہ ہے ضربی زیداً یلابسہ قائماً کی مانند جب کہ آپ مفعول سے حال کا ارادہ کریں اور ضربی زیداً یلابسنی قائماً جب کہ آپ فاعل سے حال کا ارادہ کریں پھر ہم کہتے ہیں کہ اس مفعول کو حذف کر دیا گیا جو کہ ذوالحال ہے تو ضربی زیداً یلابس قائماً باقی رہا اور قیام قرینہ کیساتھ ذوالحال کو حذف کرنا جائز ہے جیسا کہ آپ کہتے ہیں الذی ضربتُ قائماً زیدٌ یعنی ضربتہ پھر یلابس کو حذف کر دیا گیا جو کہ مبتدا کی خبر ہے اور حال میں عامل ہے اور حال یلابس کا قائمقام ہوگیا جیسا کہ آپ کہتے ہیں راشداً مہدیاً یعنی سر راشداً مہدیاً پس اس تقدیر پر نحات بصرین ان تکلفات

Marfat.com

بعیدہ سے راحت پائیں گے۔

تشریح:۔ قولہ قال الرضی۔ مثال مذکورکی مذکورہ بالا تقدیر پر جس کو بصریوں نے بیان کیا ہے علامہ رضی نے یہ طنز کیا ہے کہ اس میں بہت سارے تکلفات ہیں ایک اذا ظرفیہ کا اپنے مضاف الیہ کیساتھ حذف ہونا دوسرا حال کا اذا ظرفیہ اور اس کے مضاف الیہ کے قائم مقام ہونا جن دونوں کی کوئی نظیر کلام عرب میں نہیں ملتی۔ تیسرا کان ناقصہ سے تامہ کی طرف عدول کرنا جو ظاہر کے خلاف ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

قولہ والذی یظھر۔ اس کے قائل علامہ رضی ہیں یہ بھی ممکن ہے کوئی دوسرے ہوں بہرحال تقدیر مثال مذکور کی جو تکلفات بعیدہ سے محفوظ ہے وہ یہ ہے ضربی زیداً یلابسنی قائماً اگر قائماً سے فاعل کی حالت بیان کرنا مقصود ہو اور تقدیر ضربی زیداً یلابسہٗ قائماً ہے اگر قائماً سے مفعول کی حالت بیان کرنا مقصود ہو۔

قولہ ثم نقول۔ یعنی ضربی زیداً یلابسہٗ قائماً میں یلابسہٗ کی ضمیر مفعول کو حذف کیا گیا کہ وہ ذوالحال ہے پس ضربی زیداً یلابسُ قائماً باقی رہ گیا کیونکہ جب قرینہ موجود ہو تو ذوالحال کا حذف جائز ہے جیسے الذی ضربتُ قائماً زیدٌ اصل میں الذی ضربتہٗ قائماً زیدٌ تھا پس جس طرح یہاں حذف پر قرینہ اسم موصول ہے جس کے صلہ میں عائد کا ہونا ضروری ہوتا ہے اسی طرح ذوالحال کے حذف پر دو قرینے موجود ہیں ایک یہ کہ یلابس فعل متعدی ہے جو مفعول بہ کو مقتضی ہوتا ہے دوسرا یہ کہ قائماً حال ہے جس میں یلابس عامل ہے اور حال وذوالحال کا عامل چونکہ ایک ہوتا ہے اس لئے قائماً یہ دلالت کرے گا کہ ذوالحال یلابس کا معمول ہے پس ضربی زیداً یلابس قائماً رہ گیا پھر یلابس کو حذف کیا گیا کہ وہ عامل ہے حال میں اور حال کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا جس طرح راشداً مہدیاً میں حال کے عامل کو حذف کر کے حال اس کے قائم مقام کر دیا گیا اس لئے کہ وہ اصل میں سِر راشداً مہدیاً تھا۔

قولہ فعلیٰ ھذا۔ یعنی قائماً سے اگر مفعول کی حالت بیان کرنا مقصود ہو تو اس صورت میں دو حذف ہونگے جو کہ دونوں قیاسی ہیں اور محاورۂ عرب کے موافق بھی اگر قائماً سے فاعل کی حالت بیان کرنا مقصود ہو جیسے ضربی زیداً یلابسنی قائماً تو صرف ایک حذف یلابسنی کا ہوگا جو کہ یہ بھی قیاسی اور محاورۂ عرب کے موافق ہے پس اس تقدیر پر تکلفات مذکورہ سے نجات وراحت مل جائیگی۔

Marfat.com

وقال[1] الکوفیون تقدیرہ ضربی زیدا قائماً حاصلٌ بجعلِ قائماً مِن متعلقاتِ المبتداءِ ویلزمُهم حذفُ الخبرِ من غیرِ سدِّ شیءٍ مسدَّہٗ وتقییدُ المبتداءِ المقصودُ عمومہٗ بدلیلِ الاستعمالِ۔

ترجمہ:۔۔۔ اور کوفیوں نے کہا کہ مثال مذکور کی تقدیر ضربی زیداً قائماً حاصلٌ ہے قائماً کو مبتدا کے متعلقات سے کر کے اور کوفیوں کو بغیر قائمقام کے خبر کا وجوباً حذف لازم آتا ہے اور اس مبتدا کا کہ دلیل استعمال سے جس کا عموم مقصود ہے مقید کرنا لازم آتا ہے

تشریح:۔۔۔ قولہ[1] وقال الکوفیون۔ مثال مذکور کی تقدیر سے متعلق یہ تیسرا قول کوفیوں کا ہے اور وہ یہ ہے ضربی زیداً قائماً حاصلٌ اس میں قائماً کا ذوالحال ضرب مصدر کا فاعل ہے یا مفعول بہ ہے پس قائماً ضرب مصدر کا معمول ہوگا جو مبتدا ہے اور مبتدا کا معمول خبر کا قائم مقام نہیں ہوتا کیونکہ خبر کا مقام مبتدا کے تمام ہونے کے بعد ہوتا ہے پس خبر کا حذف ہونا قائم مقام کے بغیر لازم آیا جو ممنوع ہے دوسرا نقص یہ کہ اس تقدیر پر مبتدا قائماً کے ساتھ مقید ہوگا حالانکہ استعمال شاہد ہے کہ متکلم کا مقصود مبتدا کا عموم ہے کیونکہ ضرب مصدر اسم جنس ہے جو عموم پر دلالت کرتا ہے لیکن جب اس کو حالت قیام کیساتھ مقید کر دیا جائے تو عموم فوت ہو جاتا ہے

وذهبَ[1] الاخفشُ الیٰ انّ الخبرَ الذی سُدّت الحالُ محلّہٗ مصدرٌ مضافٌ الیٰ صاحبِ الحالِ ای ضربی زیدٌ اضربہٗ قائماً

ترجمہ: ۔۔۔ اور امام اخفش اس طرف گئے ہیں کہ وہ خبر کہ حال جس کے قائمقام ہے وہ مصدر ہے جو ذوالحال کی طرف مضاف ہے یعنی ضربی زیداً اضربہٗ قائماً۔

تشریح: ۔۔۔ قولہ[1] وذہب الاخفش۔ یہ چوتھا قول امام اخفش کا ہے کہ مثال مذکور کی تقدیر ضربی زیداً اضربہٗ قائماً ہے اگر قائماً سے مفعول کی حالت بیان کرنا مقصود ہو اور تقدیر ضربی زیداً اضربہٗ قائماً ہے اگر قائماً سے فاعل کی حالت بیان کرنا مقصود ہو اس تقدیر پر مصدر محذوف مبتدا کی خبر ہے وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ اس صورت میں ایک تو حذف قلیل ہے اور دوسرا یہ کہ جہاں تک ہو سکے محذوف جنس مذکور سے ہو جو یہاں موجود ہے لیکن اس قول میں بھی دو وجہ سے نقص ہے ایک یہ کہ مصدر عمل میں ضعیف ہے جو محذوف ہو کر عمل کی صلاحیت نہیں رکھتا دوسرا یہ کہ مصدر محذوف کا حذف بلا قرینہ ہے کیونکہ معمول اپنے عامل کا قرینہ اسوقت ہوتا ہے جبکہ عامل افعال عامہ سے ہو اور ضرب فعل خاص ہے جس پر قائماً دلالت نہیں کرتا

Marfat.com

وذهب بعضهم الیٰ انّ هٰذا المبتداءَ لاخبرَ لهٗ لکونهٖ بمعنی الفعلِ اذ المعنیٰ ما اضربُ زیداً الّا قائماً

ترجمہ: ــــ اور بعض نحوی اس طرف گئے ہیں کہ یہ وہ مبتدا ہے جس کی کوئی خبر نہیں کیونکہ وہ فعل کے معنی میں ہے اس لئے مثال مذکور کا معنی ہے ما اَضرِبُ زیداً الا قائماً۔

تشریح: ــــ قولہ وذهبَ بعضهم۔ یہ پانچواں قول ابن درستویہ اور ابن باشا کا ہے کہ یہ وہ مبتدا ہے جس کی کوئی خبر نہیں کیونکہ وہ فعل کے معنی میں ہوتا ہے جس طرح مبتدا کی قسم ثانی مثلاً اَقائمٌ الزیدان کا معنی ہے یقوم الزیدان پس ضربی زیداً قائماً کا معنی ہوا ما ضربتُ زیداً الا قائماً یا ما اضرب زیداً الا قائماً مگر اس میں بھی نقص ہے کہ مبتدا اگر فعل کے معنی میں ہو تو حال کے ذکر کے بغیر (یعنی ما ضربتُ اِلّا زیداً یا ما اضربُ اِلا زیداً) کلام کو تام یعنی اس سے فائدۂ تامہ حاصل ہو جانا چاہیئے حالانکہ ایسا نہیں ہوتا۔

وثالثها کلُّ مبتداءٍ اشتملَ خبرُهٗ علیٰ معنی المقارنةِ وعُطِفَ علیهِ شیءٌ بالواوِ التی بمعنی مع وذلکَ مثلُ کلُّ رجلٍ وضیعتُهٗ ای کلُّ رجلٍ مقرونٌ مع ضیعتهٖ فهذا الخبرُ واجبٌ حذفُهٗ لانّ الواوَ یدلُّ علیٰ الخبرِ الّذی هُو مقرونٌ واُقیمَ المعطوفُ فی موضعهٖ

ترجمہ: ــــ اور ان میں سے تیسرا مقام ہر وہ مبتدا ہے کہ جس کی خبر معنیٔ مقارنت پر مشتمل ہو اور اس مبتدا پر شئی کا عطف بذریعہ واوٗ بمعنی مع ہو (اور) وہ جیسے (کلُّ رجلٍ وضیعتهٗ) یعنی کلُّ رجلٍ مقرونٌ مع ضیعتهٖ پس اس کی خبر کا حذف واجب ہے کیونکہ واوٗ اس خبر پر دلالت کرتا ہے جو کہ مقرون ہے اور معطوف کو خبر کی جگہ پر قائم کیا گیا۔

تشریح: ــــ قولہ وثالثها۔ تیسرا مقام ہر وہ ترکیب ہے جس کے مبتدا کی خبر معنیٔ مقارنت پر مشتمل ہو اور اس کے بعد ایک ایسا اسم مرفوع ہو جس سے پہلے واوٗ بمعنی مع ہو جیسے کلُّ رجلٍ وضیعتهٗ میں کلُّ رجلٍ مرکب اضافی مبتدا ہے جس کے بعد ضیعتهٗ اسم مرفوع ہے اس سے پہلے واوٗ ہے جو مع کے معنی میں ہے اصل عبارت یہ ہے کلُّ رجلٍ مقرونٌ ہو وضیعتُهٗ اس میں ضیعتُهٗ کا عطف مقرون کی ضمیر مستتر پر ہے جس کی تاکید هُو ضمیر منفصل سے کی گئی ہے۔

قولہ ای کل رجلٍ۔ یہ تقدیر عبارت محققین کے نزدیک ہے لیکن بصریون کے نزدیک تقدیر یہ ہے کلُّ رجلٍ وضیعتهٗ مقرونانِ اس میں ضیعتهٗ کا عطف کل رجلٍ مبتدا پر ہے اور مقرونان دونوں کی خبر واقع ہے لیکن اس میں نقص ہے کیونکہ اس صورت میں ضیعتهٗ مبتدا ہوگا اور مبتدا خبر کا قائمقام نہیں ہوتا اس لئے کہ مبتدا

Marfat.com

کا مقام مقدم ہے اور خبر کا موخر ۔ مقدم موخر کا قائم مقام نہیں ہوتا کوفیوں نے کہا کہ مثال مذکور کلام تام ہے جو تقدیر خبر کا محتاج نہیں کیونکہ کل رجل مبتدا ہے اور وضیعتہ خبر ہے اس لئے کہ اس کا واؤ بمعنی مع ہے اور کل رجل مع ضیعتہ میں مع ضیعتہ چونکہ باتفاق خبر ہے اس لئے کل رجلٍ وضیعتہ' میں وضیعتہ بھی خبر ہو گا لیکن اس میں بھی نقص ہے کیونکہ یہ قیاس مع الفارق ہے اس لئے کہ واؤ کا بمعنی مع ہونا اس امر کو لازم نہیں کرتا کہ وہ مع ہو جائے کیونکہ مع اسم ظرف ہے جو بلاشبہ خبر ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے لیکن واؤ نہیں کہ وہ حرف ہے جو خبر ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا کیونکہ خبر مسند ہوتی ہے اور مسند مستقل ہوتا ہے اور ظاہر ہے حرف مستقل نہیں ہوتا خیال رہے کہ ضیعتہ لغت میں اگرچہ زمین کو کہا جاتا ہے لیکن وہ یہاں حرفت و پیشہ کے معنی میں ہے کما فی سوالِ باسولی یا آرزو کے معنی میں ہے کما فی جامع الغموض ۔

قولہ لِاَنَّ الواوَ ۔ خبر کا حذف واجب ہونے کے لئے قرینہ اور قائم مقام دونوں کا ہونا ضروری ہے جو یہاں موجود ہیں قرینہ یہ ہے کہ واؤ مع کے معنی میں ہے جو مقرون ہونے پر دلالت کرتا ہے اور قائم مقام ضیعتہ' ہے جو خبر کی ضمیر مستتر پر معطوف ہے ۔

ورابعُها کلُّ مبتداءٍ یکون مقسماً بہٖ وخبرُہٗ القسمُ وذلکَ مثلُ لعمرکَ لافعلنَّ کذا ای لعمرکَ وبقاوکَ قسمی ای ما اُقسِمُ بہٖ فلاشکَّ انَّ لعمرکَ یدُلُّ علی القسمِ المحذوفِ وجوابُ القسمِ قائمٌ مقامَہٗ فیجبُ حذفُہٗ والعمرُ والعمرُ بمعنی واحدٍ ولا یستعملُ مع اللامِ اِلّا المفتوح لانَّ القسمَ موضع التخفیفِ لکثرۃِ استعمالہٖ

ترجمہ: ـــــ اور ان میں سے چوتھا مقام ہر وہ مبتدا ہے جو مقسم بہ ہو اور اس کی خبر لفظ قسم ہو (اور) وہ جیسے (لعمرکَ لافعلنَّ کذا) یعنی لعمرکَ وبقاوکَ قسمی یعنی ما اُقسمُ بہٖ پس اس میں کوئی شک نہیں کہ لعمرکَ قسم محذوف پر دلالت کرتا ہے اور قسم کا جواب خبر کے قائم مقام ہے پس خبر کا حذف واجب ہوا اور العمر بفتح عین اور العمُر بضم عین ایک معنی میں ہے اور لام کیساتھ عین مفتوح ہی مستعمل ہوتا ہے اس لئے کہ قسم کثرت استعمال کی وجہ سے تخفیف کی جگہ ہے ۔

تشریح: ـــــ قولہ ورابعُها ۔ چوتھا مقام ہر وہ ترکیب ہے جس کا مبتدا مقسم بہ ہو اور اس کی خبر قسم ہو جیسے لعمرکَ لافعلنَّ کذا جو اصل میں لعمرکَ قسمی لافعلن کذا تھا اس میں لام قسم کے توطیہ کے لئے ہے یعنی

Marfat.com

اس بات پر دلالت کرنے کے لئے ہے کہ آنیوالا جواب اس لام کے بعد جملہ قسمیہ کے لئے ہے اور عمرك مرکب اضافی مبتدا مقسم بہ ہے۔ قسمی مرکب اضافی خبر ہے مبتدا اپنی خبر سے ملکر جملہ اسمیہ انشائیہ قسمیہ ہوا اور لافعلن فعل بافاعل کذا اسم کنایہ مفعول بہ ہے فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر جواب قسم ہوا۔

قولہ بقاؤك۔ یہ عطف تفسیری ہے عمرکا اور اس طرف اشارہ بھی کہ عمر سے یہاں مراد علم نہیں جو زید وبکر کے مقابل آتا ہے بلکہ وہ بقاء وحیات کے معنی میں ہے۔

قولہ أی ما اقسم بہ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ عمر سے مراد اگر بقاء ہے تو اس پر خبر محذوف کا عمل نہ ہوسکے گا کیونکہ بقاء صفت ہے مخاطب کی اور قسم فعل ہے متکلم کا جواب یہ کہ قسمی سے یہاں مراد ما اقسم بہ ہے یعنی قسم سے مراد وہ چیز ہے جس کی قسم کھائی جائے یعنی مخاطب کی بقاء وزندگی وہ چیز ہے کہ جس کی قسم متکلم کھاتا ہے۔

قولہ فلاشك۔ یعنی خبر کا حذف واجب ہونے کے لئے قرینہ اور قائم مقام دونوں موجود ہیں قرینہ تو خود مبتدا ہی ہے کہ وہ مقسم بہ ہے جو قسم کے بغیر متحقق نہیں ہوتا پس یہ دال ہوا حذف پر اور تعین حذف پر بھی اور جواب قسم قائم مقام ہے۔

قولہ والعمر۔ عمر عین کے فتحہ کیساتھ ہو یا ضمہ کیساتھ دونوں کا معنی ایک ہے یعنی زندگی لیکن لام کیساتھ مفتوح ہی مستعمل ہوتا ہے کیونکہ قسم کا استعمال بکثرت ہوتا ہے جو خفت کا متقاضی ہے اور ظاہر ہے حرکت میں ضمہ ثقیل ہے اور فتحہ خفیف ہے۔

لہ خبرُ ان واخواتها أی من المرفوعاتِ خبرُ ان واخواتها أی اشباهها من الحروفِ الخمسِ الباقیةِ وهی انّ وکانّ ولکنّ ولیتَ ولعلّ وهو مرفوعٌ بهذه الحروفِ لا بالابتداءِ علی المذهبِ الاصحِّ لانّها لما شابهتِ الفعلَ المتعدیَ کما سیجیءُ عملت رفعاً ونصباً مثلهٗ

ترجمہ:۔ (ان اور اس کے اخوات کی خبر) یعنی مرفوعات میں سے انّ اور اس کے اخوات کی خبر ہے یعنی انّ کی امثال اُن پانچ حروف میں سے جو باقی رہ گئے اور وہ انّ وکانّ ولکنّ ولیتَ ولعل ہیں اور وہ خبر ان حروف کی وجہ سے مرفوع ہوتی ہے ابتداء کی وجہ سے نہیں اصح مذہب پر اس لئے کہ جب

Marfat.com

وہ حروف فعل متعدی کے مشابہ ہو گئے جیسا کہ بحث حروف میں آئیگا تو وہ فعل متعدی کی طرح رفع و نصب میں عمل کریں گے۔

تشریح:۔۔۔ بیانہ خبر انّ واخواتھا۔ خبر اِنّ ترکیب میں مبتدا واقع ہے جس سے پہلے خبر محذوف ہے جیسا کہ قرینہ سیاق کلام اس پر دال ہے اور اخواتہا معطوف ہے اِنّ پر اور وہی اس کی ضمیر مجرور کا مرجع بھی ہے۔ اس کو لائے نفی جنس کی خبر پر اس لئے مقدم کیا گیا کہ اِنّ تحقیق کے لئے آتا ہے اور لائے نفی جنس سے نفی مستفاد ہوتی ہے۔ ظاہر ہے تحقیق نفی سے اصل ہے اور یہی وجہ ہے اس کا اسم ماولا پر مقدم ہونے کی اور اس لئے بھی کہ ماولا کا عمل لیس کیساتھ مشابہت کی وجہ سے ہے جو کہ وہ فعل غیر منصرف ہے لیکن اِنّ وغیرہ کا عمل فعل منصرف کیساتھ مشابہت کی وجہ سے ہے جیسا کہ آگے مذکور ہوگا ظاہر ہے منصرف کو غیر منصرف پر شرافت حاصل ہے۔

قولہ ای اشباہہا۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اخوات کا اطلاق ذی روح پر ہوتا ہے جس کے لئے ماں ہو اور اِنّ وغیرہ ذی روح نہیں پس ان کو اخوات کیوں کہا گیا؟ جواب یہ کہ اخوات سے یہاں مجازاً اشباہ و امثال و نظائر مراد ہیں قرآن کریم میں ہے کلما دخلت اُمّۃ لعنت اُختہا یعنی جب ایک گروہ دوزخ میں داخل ہوتا ہے اپنی مثل یعنی دوسرے پر لعنت کرتا ہے۔ اس میں اخت بمعنی مثل ہے اطلاق ملزوم و ارادۂ لازم کے قبیل سے۔ مؤنث کیساتھ اس کی تعبیر بتاویل کلمہ ہے یعنی اِنّ چونکہ کلمہ ہے اور کلمہ مونث ہے اس لئے اخواتہا کہا گیا اخارۂ نہیں۔ کیونکہ یہ حروف معانی سے ہے کہ جن کی تذکیر و تانیث دونوں مساوی ہیں اگرچہ وہ حروف مبانی کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے بکثرت مونث مستعمل ہوتے ہیں اس لئے کہ حروف مبانی جن کو حروف ہجا بھی کہا جاتا ہے وہ ہمیشہ مونث مستعمل ہوتے ہیں۔

قولہ وھو مرفوع۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مبتدا کی خبر کو بیان کرنے کے بعد انّ کی خبر کو بیان کرنا فضول ہے کیونکہ جس طرح مبتدا کی خبر ابتداء سے مرفوع ہوتی ہے اسی طرح انّ کی خبر بھی جواب یہ کہ یہاں پر ایک مذہب کوفیوں کا ہے اور دوسرا مذہب بصریوں کا۔ سوال میں جو مذکور ہوا وہ کوفیوں کا مذہب ہے کیونکہ ان کے نزدیک اِنّ اور اس کے اخوات صرف اسم میں عمل کرتے ہیں خبر میں نہیں کیونکہ وہ عامل ضعیف ہیں جن کا اثر ان کی خبر قبول نہیں کرتی پس وہ ابتدا کی وجہ سے مرفوع ہے اور یہ کلام بصریوں کے مذہب پر محمول ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اِنّ کی خبر اِنّ ہی کی وجہ سے مرفوع ہوتی ہے ابتداء کی وجہ سے نہیں دلیل یہ دیتے ہیں کہ اِنّ اور اس کے اخوات کی اقتضاء دونوں جزء کے لئے برابر ہوتی ہے کیونکہ اِنّ کے معنی جو تحقیق و تاکید

Marfat.com

وتشبیہ وتمنی وترجی واستدراک ہیں اِنّ کا تعلق مابعد کی نسبت کیساتھ ہے اور نسبت کا تعلق طرفین یعنی اسم وخبر دونوں کیساتھ برابر ہے پس اِنّ اور اس کے اخوات کا عمل بھی دونوں جزء کے ساتھ برابر ہوگا اور اس لئے بھی کہ اِنّ اور اس کے اخوات کو فعل متعدی کیساتھ لفظاً ومعنیً مشابہت حاصل ہے جیساکہ آگے مذکور ہے اور فعل متعدی فاعل کو رفع اور مفعول کو نصب دیتا ہے پس اِنّ اور اس کے اخوات بھی ایک اسم کو رفع اور دوسرے کو نصب دیں گے البتہ نصب کو پہلے اور رفع کو بعد میں اس لئے کیا گیا تاکہ یہ اشارہ ہو کہ وہ عمل میں فعل متعدی کی فرع ہیں لیکن ان کو فعل متعدی کیساتھ لفظاً مشابہت حاصل ہے کہ وہ بھی فعل متعدی کی طرح ثلاثی ورباعی ہوتے ہیں جیسے اِنّ مثل طلبَ ہے اور لعلّ وکانّ مثل بَعثر ہیں اور معنیً مشابہت حاصل یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک فعل کا معنی دیتا ہے کیونکہ اِنّ کا معنی حققتُ ہے اور کانّ کا معنی مشبّہتُ ہے بکذا الأخر دوسری دلیل یہ دیتے ہیں کہ فعل متعدی جس طرح فاعل ومفعول کے بغیر کلام تام نہیں ہوتا اسی طرح اِنّ اور اس کے اخوات بھی اسم وخبر کے بغیر کلام تام نہیں ہوتا، ان ہی وجہوں سے بصریون کے مذہب کو اصح کہا گیا ہے۔

هُوَ[1] أیْ خبرُ إنّ واخواتِها المسندُ الیٰ شیءٍ آخرَ بعدَ دخولِ احدِ[2] هٰذہ الحروفِ علیهما فقولُه[3] المسندُ شاملٌ لخبرِ کان وخبرِ المبتداءِ وخبرِ لا التی لنفی الجنسِ وغیرِها وبقولہ بعد دخول هٰذہ الحروفِ خرجَ جمیعُها عنه

ترجمہ:— (وہ) یعنی اِنّ اور اس کے اخوات کی خبر (مسند ہے) دوسری شئی کی طرف (ان حروف) میں سے کسی ایک (کے) ان دونوں یعنی اسم وخبر پر (داخل ہونے کے بعد) پس مصنف کا قول المسند شامل ہے خبر کان اور خبر مبتدا اور خبر لائے نفی جنس وغیرہا کو اور مصنف کے قول بعد دخول ہذہ الحروف کی قید سے اِنّ کی خبر کے علاوہ تمام خبریں اس تعریف سے نکل گئیں۔

تشریح:— بیانہ[1] هُوَ۔ یہ تعریف ہے خبر اِنّ اور اس کے اخوات کی اور أیْ خبرُ اِنّ واخواتہا سے مرجع کو ظاہر کیا گیا ہے اور الیٰ شیءٍ آخر سے شارح ہندی کے اس جواب کا رد ہے جو انہوں نے تعریف مذکور پر وارد ہونے والے سوال کا جواب المسند الی اسما۔ ہذہ الحروف سے دیا تھا تفصیل آگے فلا یحتاج کے تحت مذکور ہے۔

Marfat.com

قولہ[۲] احد ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تعریف اِنّ زیداً قائمٌ میں قائمٌ پر صادق نہیں آتی حالانکہ وہ خبر ہے مگر اس پر تمام حروف مشبہ داخل نہیں جواب یہ کہ ہذہ الحروف سے پہلے احد مضاف محذوف ہے یعنی بعد دخول احد ہذہ الحروف ۔

قولہ[۳] فقولہ المسند ۔ اس عبارت سے تعریف کے جامع و مانع ہونے کی طرف اشارہ ہے کہ مسند بمنزلۂ جنس ہے جو کان کی خبر اور مبتدا کی خبر اور لائے نفی جنس وغیرہ کی خبر کو شامل ہے اور بعد دخول ہذہ الحروف بمنزلۂ فصل ہے جس سے اِنّ کی خبر کے علاوہ تمام خبریں خارج ہوگئیں ۔

وَالمرادُ[۱] بدخول ھٰذہ الحُروفِ علیھما ورُودُھا علیھما لا یراثِ اثرٍ فیھما لفظاً اَو معنیً فلا ینتقضُ التعریفُ بمثلِ یقومُ فی قولنا اِنّ زیداً یقومُ ابوہُ فانّ یقومُ ھٰھنا من حیثُ اسنادہٖ الی ابوہُ لیس مِمّا یدخلُ علیہ اَنّ بھذا المعنیٰ بل اِنّما دخلَ علیٰ جملۃِ یقومُ ابوہُ فلا[۲] یحتاجُ اِلیٰ اَن یُجابَ عنہ بأنّ المرادَ بالمسندِ المسندُ اِلیٰ اَسماءِ ھذہ الحروفِ ویلزمُ منہُ لِستدراکِ قولہٖ بعدَ دخولِ ھٰذہ الحروفِ ولا[۳] الیٰ اَن یُجابَ بأنّ المرادَ بالمسندِ الاسمُ المسندُ فیحتاجُ الیٰ تاویلِ الجملۃِ بالاسمِ حیثُ یکونُ خبرُھا جملۃً مثلُ اِنّ زیداً یقومُ

ترجمہ: ـــــ اور ان حروف کا اسم و خبر پر داخل ہونے سے مراد ان حروف کا ان دونوں میں لفظاً یا معنیً اثر پیدا کرنے کے لئے ان دونوں پر وارد ہونا ہے پس تعریف مذکور ہمارے قول اِنّ زیداً یقومُ ابوہُ میں یقوم کی مثل سے منقوض نہ ہوگی کیونکہ یہاں یقوم اس حیثیت سے کہ اس کی اسناد ابوہُ کی طرف ہے اس میں سے نہیں ہے کہ جس پر اِنّ اس معنی کے اعتبار سے داخل ہوتا ہے بلکہ وہ یقوم ابوہ کے جملہ پر داخل ہے پس یہ جواب دینے کی حاجت نہ ہوگی کہ تعریف میں مسند سے مراد وہ ہے جو ان حروف کے اسموں کی طرف مسند ہو کیونکہ اس جواب سے مصنّف کے قول بعد دخول ہذہ الحروف کا استدراک لازم آئیگا اور نہ یہ جواب دینے کی حاجت ہوگی کہ مسند سے مراد اسم مسند ہے پس یہ حاجت ہوگی کہ جملہ کو اسم کیساتھ تاویل کی جائے جب کہ اس کی خبر اِنّ زیداً یقوم کی مثل جملہ ہو ۔

تشریح: ـــــ قولہ[۱] والمراد بدخول ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تعریف دخول غیر سے مانع نہیں کیونکہ وہ فعل پر بھی صادق آتی ہے جیسے اِنّ زیداً یقوم ابوہُ میں یقوم پر صادق ہے جواب

Marfat.com

یہ کہ ان حروف کے دخول سے مراد یہ ہے کہ یہ حروف اسم وخبر میں لفظ ومعنی دونوں اعتبار سے تبدیلی پیدا کرے لفظ کے اعتبار سے یہ کہ اعراب میں اختلاف پیدا کرے اور معنی کے اعتبار سے یہ کہ تاکید وغیرہ کا افادہ کرے اور مثال مذکور کے اندر یقوم میں لفظی ومعنوی کسی طرح بھی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی ہے پس اگر وہ خبر ہوتا تو اعراب میں اختلاف پیدا ہوتا حالانکہ جو اعراب رفع دخول اِنّ سے پہلے ناصب جازم سے مجرد ہونے کی وجہ سے تھا وہی دخول کے بعد ہے اور اس میں تاکید بھی نہیں آتی ہے کیونکہ اِنّ کا اثر اسم کے واسطہ ثبوت خبر کی تاکید ہے جیسے اِنّ زیداً قائم میں ہوتی ہے ظاہر ہے یہ یقوم ابوہ کے مجموعہ سے حاصل ہوتی ہے صرف یقوم سے نہیں۔

قولہ فلا یحتاج ۔ شارح ہندی نے سوال مذکور کا جواب یہ دیا تھا کہ تعریف میں مسند سے مراد مسند الی اسماء ہذہ الحروف ہے اور مثال مذکور میں یقوم اِنّ کے اسم کی طرف مسند نہیں بلکہ ابوہ کی طرف ہے جو اس کا فاعل ہے پس وہ تعریف سے خارج ہے اور علامہ جامی اس عبارت سے اس کا رد فرماتے ہیں کہ مسند سے اگر مذکور مراد لیا جائے تو تعریف میں بعد دخول ہذہ الحروف کی قید فضول ہو جائیگی اس لئے وہی مراد ہوگی جو ماقبل میں گذری

قولہ ولا الیٰ ان یجاب ۔ اس عبارت سے صاحب غایۃ التحقیق کے اس جواب کا رد ہے جو انہوں نے سوال مذکور کے جواب میں یہ کہا تھا کہ تعریف میں مسند سے مراد اسم مسند ہے اور مثال مذکور میں یقوم فعل مسند ہے اسم مسند نہیں حاصل رد یہ کہ اس صورت میں اسم سے مراد عام لینا ہوگا کہ حقیقۃً اسم ہو یا بتاویل اسم ہو تاکہ جملہ پر بھی خبر کی تعریف صادق آئے پس یہ جواب تاویل کا محتاج ہوگا لیکن پہلا جواب میں تاویل کی حاجت نہیں اس لئے وہی بہتر ہے۔

مثلُ قائمٌ فی اِنّ زیداً قائمٌ فانّ المسندُ بعدَ دخولِ ھذہ الحروفِ

ترجمہ :— (جیسے) قائم (اِنّ زیداً قائمٌ) میں کہ وہ مسند ہے ان حروف کے داخل ہونے کے بعد

تشریح :— قولہ قائمٌ ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اِنّ زیداً قائمٌ مثال ہے اِنّ کے خبر کی لیکن یہ مثال ممثل لہٗ کے مطابق نہیں ہے کیونکہ یہ جملہ ہے جواب یہ کہ کل بولکر جزء مراد لیا

Marfat.com

گیا ہے یعنی مثل کا مضاف الیہ جملۂ مذکور نہیں بلکہ قائمٌ ہے جو عبارت میں محذوف ہے اور فانہٗ المسند سے مثال کو ممثل لہٗ سے مطابقت کیا گیا ہے۔

وَاَمْرُہٗ کَاَمْرِ خبر المبتداءِ اَیْ حکمُہٗ کحکمِ خبر المبتداءِ فی اَقسامہٖ من کونہٖ مفرداً وجملۃً ونکرۃً ومعرفۃً وفی اَحکامہٖ من کونہٖ واحداً ومتعدداً ومثبتاً ومحذوفاً وفی شرائطہٖ من انّہٗ اذا کانَ جملۃً فلابدّ من عائدٍ ولا یحذفُ اِلّا اذا علمَ والمرادُ اَنّ امرَہٗ کَاَمْرِہٖ بعد ان یصحّ کونُہٗ خبراً لوجود شرائطہٖ وانتفاءِ موانعہٖ ولا یلزمُ من ذلکَ اَنّ کلّ ما یصحّ اَن یکونَ خبراً للمبتداءِ یصحّ اَنْ یقعَ خبراً لبابِ اِنّ حتی یردَ اَنّہٗ یجوزُ اَنْ یُقالَ اِنّ زیداً ومنْ ابوکَ ولا یجوزُ اَن یقالَ اِنّ اَینَ زیداً واِنّ مَنْ اباکَ

ترجمہ:— (اور اس کا امر مبتدا کی خبر کے امر کی مانند ہے) یعنی اِنّ اور اس کے اخوات کی خبر کا حکم مبتدا کی خبر کے حکم کی مانند ہے مبتدا کی خبر کے تمام اقسام میں یعنی مفرد ہونے یا جملہ ہونے اور نکرہ ہونے اور معرفہ ہونے میں اور اس کے احکام میں یعنی واحد ہونے و متعدد ہونے و مثبت ہونے و محذوف ہونے میں اور اس کی شرائط سے ہے کہ خبر جب جملہ ہو تو عائد کا ہونا ضروری ہے اور عائد محذوف نہ ہوگا مگر جب کہ وہ کسی قرینہ سے معلوم ہو اور مراد یہ ہے کہ اِنّ کی خبر کا حکم مبتدا کی خبر کے حکم کی طرح ہے بعد اس کے کہ اس کی شرائط کے وجود اور موانع کے انتفاء کی وجہ سے مبتدا کی خبر کا باب اِنّ کی خبر ہونا صحیح ہو اس تشبیہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ جس کا مبتدا کی خبر ہونا صحیح ہو اس کا باب اِنّ کی خبر واقع ہونا بھی صحیح ہو یہاں تک کہ یہ اعتراض وارد نہ ہوگا کہ این زیدٌ اور من ابوکَ کہنا جائز ہے اور اِنّ این زیداً اور اِنّ من اَباکَ کہنا جائز نہیں ہے۔

تشریح:— بیانہٗ اَمرہٗ۔ خبر اِنّ اور اس کے اخوات کی تعریف سے فارغ ہونے کے بعد اب اس کے احکام کو بیان کیا جاتا ہے کہ اِنّ کی خبر کا حکم تمام اوصاف میں مبتدا کی خبر کی طرح ہے لیکن اقسام میں جیسے نکرہ ہونے و معرفہ ہونے میں یا مفرد ہونے و جملہ ہونے میں جملہ عام ہے کہ اسمیہ ہو یا فعلیہ، شرطیہ ہو یا ظرفیہ لیکن احکام میں جیسے واحد ہونے و متعدد ہونے میں یا مثبت ہونے و منتفی ہونے میں یا مذکور ہونے و محذوف ہونے میں لیکن شرائط میں جیسے خبر جب کہ جملہ ہو تو عائد ہونے میں اور قرینہ ہو تو حذف ہونے اور قرینہ نہ ہو تو حذف نہ ہونے میں وغیرہ وغیرہ

Marfat.com

قولہ[۲] اَیُ حکمہٗ ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ امر کی اضافت خبر اِنّ کی طرف کی گئی ہے جب کہ امر افعال کا ہوتا ہے اور ظاہر ہے خبر اِنّ افعال سے نہیں جواب یہ کہ امر سے مراد یہاں حکم ہے اطلاق موثر وارادہ اثر کے قبیل سے ۔

قولہ[۳] والمراد ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ حکم مذکور اَمرُہٗ کا مرخبر المبتدا سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اَین زیدٌ اور من ابوک جائز ہے اسی طرح اِنّ این زیداً اور اِنّ من اباک میں جائز ہو حالانکہ یہ جائز نہیں ہے جواب یہ کہ اِنّ کی خبر کا حکم جو مبتدا کی خبر کی طرح ہے اس وقت ہے جبکہ وجود شرائط کے علاوہ مانع کا انتفاء بھی ہو اور مذکورہ دونوں مثالوں میں مانع موجود ہے وہ یہ کہ این اور من استفہام کے لئے ہیں اور اِنّ تحقیق کے لئے ۔ ظاہر ہے دونوں میں منافات ہے

---

[۱] اِلّا فی تقدیمہٖ اَیْ لیسَ اَمرُہٗ کامرِ خبر المبتداءِ فی تقدیمہٖ فاِنّہٗ لا یجوزُ تقدیمُہٗ علی الاسمِ وقد جَازَ تقدیمُ الخبرِ علی المبتداءِ وذلکَ لانّ ھذہ الحروفَ فروعٌ علی الفعلِ فی العملِ فاُرِیدَ ان یکونَ عملُھا فرعیاً ایضاً والعملُ الفرعیُّ للفعلِ اَنْ یتقدمَ المنصوبُ علی المرفوعِ والاصلُ اَنْ یتقدمَ المرفوعُ علی المنصوباتِ فلمّا اعملت الفعلَ الفرعیّ لم یتصرف فی معمولیھا بتقدیمِ ثانیھما علی الاوّلِ کما یتصرّفُ فی معمولی الفعلِ لنقصانِھا عن درجۃِ الفعلِ

ترجمہ :— (سوائے اس کی تقدیم میں) یعنی انّ کی خبر کا حکم اس کے مقدم ہونے میں مبتدا کی خبر کی طرح نہیں ہے کیونکہ اِنّ کی خبر کی تقدیم اس کے اسم پر جائز نہیں ہے حالانکہ خبر کی تقدیم مبتدا پر جائز ہے اور وہ اس لئے ہے کہ یہ حروف مشبہ عمل میں فعل کی فرع ہیں تو ارادہ کیا گیا کہ ان کا عمل بھی فرعی ہو اور فعل کے لئے عمل فرعی یہ ہے کہ منصوب مرفوع پر مقدم ہو اور عمل اصلی یہ ہے کہ مرفوع منصوبات پر مقدم ہو پس جب ان حروف کو عمل فرعی دیا گیا تو ان کے ہر دو معمولوں میں سے دوسرے کو پہلے پر مقدم کرنے کا تصرف نہیں کیا جائیگا ۔ جس طرح فعل کے دونوں معمولوں میں تصرف کیا جاتا ہے کیونکہ یہ حروف مشبہ فعل کے درجہ سے ناقص ہے ۔

تشریح :— [۱] بیانہٗ اِلّا فی تقدیمہٖ ۔ یہ استثنا مفرغ ہے کلام موجب سے اصل عبارت یہ ہے حکمہٗ کحکم خبر المبتداء فی جمیع احکامہٖ اِلّا فی حکمِ التقدیمِ ۔ پس اس کا مستثنیٰ جو ماقبل

Marfat.com

سے مستفاد ہوتا ہے وہ شرح میں مذکور ہے معنی یہ ہے کہ اِنّ کی خبر کا حکم تمام اوصاف میں مبتدا کی خبر کے حکم کی طرح ہے مگر مقدم ہونے میں اس کی طرح نہیں ہے یعنی خبر مبتدا پر مقدم تو ہو سکتی ہے لیکن اِنّ کی خبر اس کے اسم پر مقدم نہیں ہو سکتی کیونکہ ایک عمل اصلی ہوتا ہے اور دوسرا عمل فرعی۔ عمل اصلی یہ ہے کہ مرفوع مقدم ہو منصوب پر جیسے قتل زیدٌ بکراً کیونکہ رفع علامت فاعل ہے اور نصب علامت مفعول ہے اور فاعل کا مقتضائے طبعی یہ ہے کہ وہ فعل کے بعد مفعول سے پہلے واقع ہو اور عمل فرعی یہ ہے کہ منصوب مقدم ہو مرفوع پر جیسے ضربَ بکراً زیدٌ اور حروف مشبہ چونکہ عمل میں فعل کی فرع ہیں جیسا کہ بحث حروف میں آگے مذکور ہوگا اس لئے مناسب ہوا کہ ان کا عمل بھی فرعی ہو اور ان کے ہر دو معمولوں میں سے دوسرے کو پہلے پر مقدم نہ کیا جائے۔

اِلّا[1] اَن یکونَ الخبرُ ظرفاً اَیْ لیس امرُہٗ کامرِ خبرِ المبتداءِ فی تقدیمہٖ اِلّا اذا کان ظرفاً فاِنّہٗ حکمہٗ اذاً فی جوازِ التقدیمِ اذا کان الاسمُ معرفۃً نحو قولہٖ تعالیٰ اِنّ الینا ایابھم وفی وُجوبہٖ اذا کان الاسمُ نکرۃً نحو اِنّ[2] من البیانِ لسحراً واِنّ من الشعرِ لحکمۃً وذلک[3] لتوسُّعِھم فی الظروفِ مالا یتوسّعُ فی غیرِھا

ترجمہ:— (مگر یہ کہ ہو) خبر (ظرف) یعنی اِنّ کی خبر کا حکم تقدیم میں مبتدا کی خبر کے حکم کی طرح نہیں ہے مگر اس وقت کہ ان کی خبر ظرف ہو اس لئے کہ اس وقت اِنّ کی خبر کا حکم جواز تقدیم میں مبتدا کی خبر کے حکم کی طرح ہے جب کہ اسم معرفہ ہو جیسے قول باری تعالیٰ اِنّ الینا ایابہم اور وجوب تقدیم میں جبکہ اِنّ کا اسم نکرہ ہو جیسے اِنّ من البیان سحراً اور اِنّ من الشعر لحکمۃً اور یہ ظروف میں نحویوں کے توسع دگنجائش دینے کی وجہ سے ہے کہ جس کی گنجائش غیر ظروف میں نہیں دی جاتی۔

تشریح:— بیانہٗ[1] الا ان یکونَ۔ یہ استثنا مفرغ ہے کلام غیر موجب سے اصل عبارت یہ ہے فانہٗ لا یجوزُ فی جمیع الاوقاتِ الا وقت کونہٖ ظرفاً پس اس کا مستثنیٰ جو ماقبل سے مستفاد ہوتا ہے وہ شرح میں مذکور ہے معنی یہ ہے کہ اِنّ کی خبر اپنے اسم پر کسی وقت بھی مقدم نہیں ہوتی مگر جبکہ ظرف ہو تو اِنّ کی خبر مبتدا کی خبر کی طرح مقدم ہوتی ہے کبھی جوازاً جب کہ اسم معرفہ ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے اِنّ الینا ایابہم اور کبھی وجوباً جب کہ اسم نکرہ ہو جیسے ارشاد رسول علیہ التحیۃ والثناء ہے اِنّ مِن البیانِ

Marfat.com

لسحراً اور انّ من الشعر لحکمۃً جس طرح مبتدا جب نکرہ ہو تو خبر کو مقدم کرنا ضروری ہوتا ہے جیسے فی الدار رجلٌ میں اسی طرح یہاں بھی مقدم کرنا ضروری ہے۔

قولہ اِنّ من البیانِ ۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما راوی ہیں کہ پورب کی جانب سے کچھ لوگ سرکار مدینہ کی بارگاہ عالیہ میں حاضر ہوئے اور ایسے فصیح و بلیغ کلام کئے کہ صحابہ حیرت زدہ ہو گئے جس پر سرکار نے فرمایا کہ تقریر اگرچہ محمود ہے لیکن بعض تقریر سحر و جادو کا اثر رکھنے کی وجہ سے مذموم ہو جاتی ہے اسی طرح اشعار بنفسہا مذموم ہیں قرآن کریم میں ہے الشعراء یتبعون الغاوٗن لیکن وہ حمد و نعت و منقبت پر مشتمل ہونے کی وجہ سے محمود ہو جاتے ہیں پس معنی یہ ہوا کہ بے شک بعض بیان و تقریر سحر و جادو ہے یعنی وہ ایسی مسحور کن ہے کہ سحر و جادو کا اثر رکھتی ہے اور بعض شعر حکمت ہے یعنی واقع و نفس الامر کے مطابق ہے۔

قولہ وذلک لتوسعھم ۔ نحویوں نے ظروف میں ایسی گنجائش اس لئے دی ہے کہ کوئی بھی حادث ظرف زماں یا مکان سے خالی نہیں ہوتا جس طرح کوئی بھی آدمی قریب محرم سے خالی نہیں ہوتا ہے تو ظروف بمنزلہ قریب محرم ہوئے اور غیر ظروف بمنزلہ قریب غیر محرم اور قریب محرم کے لئے بعض امور ایسے جائز ہوتے ہیں جو غیر محرم کے لئے جائز نہیں ہوتے جیسے فقہ میں ہے کہ نظر ہوئے راس و صدر و ساق محرم کے لئے جائز ہے اور غیر محرم کے لئے جائز نہیں۔

لہ ۔۔۔ ۲ خبرُ لا التی الکائنۃ لنفی الجنسِ ای لنفی صفتہ ۳ اِذ لا رجلَ قائمٌ مثلاً لنفی القیامِ عن الرجلِ لا یکفی الرجلِ نفسہٗ

ترجمہ:۔۔۔ (اس لا کی خبر جو نفی جنس کے لئے ہوتا ہے) یعنی نفی صفت جنس کے لئے اس لئے کہ مثلاً لا رجلَ قائمٌ رجل سے قیام کی نفی کے لئے ہے نفس رجل کی نفی کے لئے نہیں۔

تشریح:۔۔۔ بیانہ ۱ خبر لا التی۔ مبتدا ہے جس سے پہلے منہ خبر محذوف ہے معنی یہ ہوا کہ مرفوع میں سے ایک قسم لائے نفی جنس کی خبر ہے اور اس کی خبر مرفوع اس لئے ہوتی ہے کہ لا تاکید میں اِنّ کے مشابہ ہے یعنی جس طرح اِنّ تاکید کا افادہ کرتا ہے اسی طرح لا بھی فرق یہ ہے کہ لا نفی کی تاکید کا افادہ کرتا ہے اور اِنّ اثبات کی تاکید کا پس جس طرح اِنّ کی خبر مرفوع ہوتی ہے اسی طرح لا کی خبر بھی مرفوع ہو گی

Marfat.com

اور ثانی کو چونکہ اول پر شرافت حاصل ہے اس لئے اِنّ کی خبر کو پہلے اور اس کے بعد لا کی خبر کو بیان کیا گیا اور اسی وجہ سے لا کی خبر کو اگرچہ ظرف ہو اس کے اسم پر مقدم کرنا ممنوع ہے جب کہ اِنّ کی خبر کو اگر ظرف ہو تو اس کے اسم پر مقدم کرنا جائز ہے جیسا کہ گذرا لیکن لا کی خبر کو ما ولا کے اسم پر اس لئے مقدم کیا گیا کہ لا کا عمل اِنّ کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے ہے اور انّ کا عمل فعل مشتق کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے لیکن ما ولا کا عمل فعل جامد یعنی لیس کیساتھ مشابہت کی وجہ سے ہے۔ اول کو چونکہ ثانی پر شرافت حاصل ہے اس لئے اول کے معمول کو بھی ثانی کے معمول پر شرافت حاصل ہوئی اور لا کی خبر کو ما ولا کے اسم پر مقدم کیا گیا۔

قولہ[2] الکائنۃ ۔ یہ بیان ہے لنفی الجنس کے متعلق کا۔ اس کی تانیث سے یہ اشارہ ہے کہ صلہ اپنے موصول کیساتھ لا کی صفت ہوتا ہے خبر نہیں لفظ خبر کی کیونکہ لا حروف معانی سے ہے جن کا مذکر و مونث دونوں ہونا اگرچہ جائز ہے لیکن اکثر مونث مستعمل ہوتے ہیں۔

قولہ[3] ای لنفی صفتہ ۔ یہ جواب اس سوال کا کہ لا سے نفی جنس وہ ہے جس سے جنس کی نفی ہو حالانکہ لا رجل قائمٌ میں جنس رجل کی نفی نہیں ہوتی بلکہ اس کی صفت قیام کی نفی ہوتی ہے اسی طرح متن میں مثال مذکور لا غلام رجلٍ ظریفٌ میں جنس غلام کی نفی نہیں ہوتی بلکہ اس کی صفت ظرافت کی نفی ہوتی ہے جواب یہ کہ عبارت میں لفظ جنس سے پہلے مضاف مقدر ہے جو بقرینۂ مثال محذوف ہے یعنی لا التی لنفی صفۃ الجنس

هُوَ المسندُ الی شیءٍ آخرَ هذا شاملٌ لخبرِ المبتداءِ وخبرِ انّ وکانّ وغیرها بعدَ دخولها ای بعدَ دخولِ لا فخرجَ به سائرُ الاخبارِ والمرادُ بدخولها ما یعمّ فتی فی خبرِ انّ فلا یردُ نحو یضربُ فی لا رجلٍ یضربُ ابوهُ نحو لا غلامَ رجلٍ ظریفٌ وانما عُدِلَ عن المثالِ المشهورِ وهو قولهم لا رجلَ فی الدارِ لاحتمالِ حذفِ الخبرِ وجعلَ فی الدارِ صفةً بخلافِ ماذکرهُ لانّ غلامَ رجلٍ معربٌ منصوبٌ لا یجوزُ ارتفاعُ صفتهِ علی ما هُوَ الظاهرُ فیها ای فی الدارِ خبرٌ بعد خبرٍ لا ظرفَ ظریفٍ ولا حالَ لانّ الظرافةَ لا یتقیّدُ بالظرفِ ونحوهِ

ترجمہ: ـــــ (وہ مسند ہے) شیٔ آخر کی طرف مسند کی قید مبتدا کی خبر اور انّ و کانّ وغیرہا کی خبر

کو بھی شامل ہے (اس کے دخول کے بعد) یعنی لا کے دخول کے بعد پس اس قید سے باقی خبریں نکل گئیں اور دخول لا سے مراد وہی ہے جو آپ کو اِنّ کی خبر میں معلوم ہوا پس لا رجلَ یضربُ ابوہُ میں یضربُ کی مثل کا سوال وارد نہ ہوگا (جیسے لاغلامَ رجلٍ ظریفٌ) اور مصنف علیہ الرحمہ نے مثال مذکور اور وہ نحویوں کے قول لا رجلَ فی الدار سے اس لئے عدول فرمایا کہ اس میں خبر کے حذف اور فی الدار کا رجل کی صفت بنائے جانے کا احتمال ہے اس کے برخلاف کہ جس کو مصنف نے بیان فرمایا کہ غلام رجل معرب منصوب ہے جس کی صفت کا اس طور پر جو ظاہر ہے مرفوع ہونا جائز نہیں (فیہا) یعنی فی الدار خبر ہے خبر کے بعد ظریف کا ظرف نہیں اور نہ حال ہے اس لئے کہ ظرافت ظرف اور اس جیسی چیز سے مقید نہیں ہوتی۔

تشریح:— بیانہ[1] ھوالمسند۔ یہ تعریف ہے لائے نفی جنس کے خبر کی کہ جو مسند ہو لا کے داخل ہونے کے بعد جیسے لاغلامَ رجلٍ ظریفٌ میں ظریفٌ شرح میں الیٰ شئٍ کی تقدیر سے فاضل ہندی کے اس جواب کا رد ہے جیسا کہ گذرا کہ مسند سے مراد اگر وہ ہو کہ جو لا کے اسم کی طرف مسند ہو تو بعد دخولہا کی قید فضول ہو جائیگی کیونکہ وہ معنی قید اول ہی سے مستفاد ہے۔

قولہ[2] ھذا شاملٌ۔ اس عبارت سے تعریف کے جامع و مانع ہونے کی طرف اشارہ ہے کہ اس میں مسند بمنزلۂ جنس ہے جو مبتدا کی خبر اور اِنّ وکاَنّ وغیرہ کی خبر کو بھی شامل ہے اور بعد دخولہا بمنزلۂ فصل ہے جس سے وہ تمام خبریں نکل گئیں جو لائے نفی جنس کے داخل ہونے کے بعد مسند نہیں ہوتیں۔

قولہ[3] والمرادُ بعد دخولہا۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تعریف مذکور لا رجلَ یضربُ ابوہُ میں یضربُ پر بھی صادق آتی ہے کیونکہ وہ بھی لائے نفی جنس کے داخل ہونے کے بعد مسند ہوتا ہے جبکہ وہ خبر نہیں بلکہ خبر یضرب ابوہُ کا مجموعہ ہے جواب یہ کہ لا کے دخول سے مراد جیسا کہ خبر اِنّ اور اس کے اخوات کے بیان میں گذر چکا، یہ ہے کہ وہ لا خبر کے لفظ و معنی میں کچھ تبدیلی پیدا کرے ظاہر ہے وہ یضرب میں کچھ تبدیلی پیدا نہیں کرتا بلکہ وہ مرفوع ہے اس وجہ سے کہ ناصب وجازم سے خالی ہے اور اس میں تاکید بھی نہیں آتی ہے۔

قولہ[4] وانما عدل۔ یہ اس سوال کا جواب کہ لائے نفی جنس کی خبر کی مشہور مثال لا رجل فی الدار ہے مصنف نے اس سے کیوں عدول فرمایا؟ جواب یہ کہ مثال مشہور میں یہ احتمال بھی ہوتا ہے کہ فی الدار، رجل کی صفت ہے اور خبر اس کی محذوف ہے اور یہ احتمال تین کے مثال مذکور میں نہیں

Marfat.com

ہو سکتا کیونکہ ظریف مرفوع ہے جو غلامَ رجلٍ کی صفت نہیں ہو سکتا اس لئے کہ منصوب کی صفت مرفوع نہیں ہوتا ہے۔

قولہ[۵] علیٰ ما ھو۔ وہ اسم جو منصوب ہو لا کی وجہ سے اس کی صفت کو مرفوع ہونا ابن مالک نے چونکہ جائز قرار دیا ہے اس لئے اس عبارت سے اس کا رد کیا جاتا ہے کہ ایسے موصوف کی صفت کا مرفوع ہونا ظاہر کے خلاف ہے یہی خیال ابن برہان کا بھی ہے کیونکہ وہ منصوب معرب ہے اور معرب کا تابع لفظ میں ہوتا ہے محل میں نہیں پس ظریف اگر صفت ہوتا تو اس کو منصوب ہونا چاہیئے حالانکہ وہ مرفوع ہے۔

قولہ[۶] ای فی الدار خبر۔ فی الدار سے متن میں فیہا کی ضمیر مجرور کے مرجع کو ظاہر کیا گیا ہے اور خبر بعد خبر سے جواب ہے اس سوال کا کہ فیہا ظرف ہے ظریف کا یا حال ہے اس کی ضمیر سے پس ظریف مقید ہوا حالانکہ ظرافت بمعنی زید کی ایک ملکہ کو کہتے ہیں جو مکان یا وقت سے مقید نہیں ہوتا جواب یہ کہ فیہا خبر ہے خبر کے بعد نہ کہ ظرف ہے ظریف کا اور نہ اس سے حال ہے۔

وانّما اَتیٰ بہٖ[۱] لئلّا یلزمَ الکذبُ بنفی ظرافۃِ کلِّ غلامِ رجلٍ ولیکونَ مثالاً لنوعَیْ خبرِھا الظرفِ وغیرہٖ

ترجمہ:— اور مصنف نے فیہا کو مثال میں اس لئے لایا کہ ہر مرد کے غلام کی ظرافت کی نفی سے کذب لازم نہ آئے اور اس لئے کہ یہ لا کی خبر کے دونوں قسموں ظرف اور غیر ظرف کی مثال ہو جائے۔

تشریح:— قولہ[۱] وانما اتی۔ یہ جواب ہے علامہ رضی کے اس سوال کا کہ مثال سے مقصود وضاحت ہے جو صرف ایک سے کافی ہے پس خبر لا کی دو مثال ایک ظریف اور دوسری فیہا کو کیوں بیان کیا گیا؟ دو جواب ہیں ایک یہ کہ اگر صرف ایک خبر یعنی لا غلامَ رجلٍ ظریفٌ کہا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ کسی مرد کا کوئی غلام ظریف نہیں ہے ظاہر ہے یہ کذب کو لازم ہے دوسرا جواب یہ کہ خبر لا کی چونکہ دو قسمیں ہیں ایک ظرف اور دوسری غیر ظرف اس لئے اس کی دو مثالیں بیان کی گئیں پہلی مثال غیر ظرف کی اور دوسری ظرف کی

ویُحذفُ[۱] خبرُ[۲] لا ھذہٖ حذفاً کثیراً اذا کان الخبرُ عاماً کالموجودِ والحاصلِ لدلالۃ النفی علیہ

Marfat.com

نحو لا[۳] الٰہ الا اللہ ای لا الٰہ موجودٌ الا اللہ

ترجمہ:۔۔۔۔ (اور حذف کی جاتی ہے) اس لائے نفی جنس کی خبر، حذف (کثیر) جبکہ خبر موجود وحاصل کی مانند فعل عام ہو کیونکہ اس پر نفی کی دلالت ہوتی ہے جیسے لا الٰہ الا اللہ یعنی لا الٰہ موجودٌ الا اللہ،

تشریح:۔۔۔۔ بیانہ[۱] ویحذف۔ خبر لا کی تعریف کے بعد اب اس کے احکام بیان کئے جاتے ہیں کہ خبر لا اگر افعال عامہ سے نہ ہو تو اس کا حذف جائز نہیں ہوتا جیسے لا غلامَ رجلٍ ظریفٌ فیہا اور اگر افعال عامہ سے ہو مثلاً موجود وحاصل وغیرہ تو اس کا حذف جائز ہے اس پر قرینہ لائے نفی جنس ہے کیونکہ نفی منفی کو مقتضی ہوتی ہے اور جب قرینہ منفی مخصوص کا موجود نہ ہو تو لائے نفی کی دلالت منفی عام پر ہوگی جیسے لا الٰہ الا اللہ اصل میں لا الٰہ موجودٌ الا اللہ ہے۔ خبر لا کے احکام میں سے یہ بھی ہیں کہ (۱) وہ ہمیشہ نکرہ ہوتی ہے (۲) حذف جائز اس وقت ہوتا ہے جبکہ اسم مذکور ہو ورنہ نہیں جیسے لا علیکَ (۳) لا اور اس کے اسم سے اس کا موخر کرنا ضروری ہے اگرچہ وہ ظرف یا جار ومجرور ہو۔ جائز نہیں کہ لا اور اس کے اسم کے درمیان خبر یا کوئی شئی اجنبی فاصل ہو (۴) خبر کے معمول کا اسم سے موخر کرنا لازم ہے البتہ خبر پر اس کا مقدم کرنا جائز ہے کیونکہ وہ اس کا معمول ہے اور معمول شئی کا اجنبی نہیں ہوتا۔

قولہ[۲] خبر لا۔ قد یحذف میں ضمیر مستتر جو نائب فاعل ہے اس عبارت سے اس کے مرجع کو ظاہر کیا گیا ہے اور ہذہ کی قید لا مشابہ بلیس سے احتراز کے لئے ہے یعنی لائے نفی جنس کی خبر اکثر حذف کی جاتی ہے لا مشابہ بلیس کی خبر نہیں اور حذفاً کی قید سے یہ اشارہ ہے کہ متن میں کثیراً مفعول مطلق ہے لیکن موصوف کے اعتبار سے۔

قولہ[۳] لا الٰہ الا اللہ۔ علامہ زمخشری نے کلمۂ توحید کے متعلق ایک رسالہ تحریر کیا ہے جس میں انہوں نے کلمۂ توحید کو کلام تام لکھا ہے پس ان کے نزدیک خبر مقدر نہ ہوگی اور اصل عبارت یہ ہوگی اللہ الٰہٌ پہلا جزء مبتدا ہے اور دوسرا خبر اور ان دونوں پر لا والّا کا دخول حصر کے لئے کیا گیا یعنی الا اللہ لا الٰہ پھر حصر میں زیادتی کے لئے لا الٰہ کو مقدم اور الا اللہ کو موخر کیا گیا ہے لیکن یہ قول ضعیف ہے اس لئے کہ اس تقدیر پر خبر کی صورت مستثنیٰ جیسی ہوگی اور ظاہر ہے مستثنیٰ خبر نہیں ہوتا کہ وہ فضلات کلام سے ہوتا ہے جبکہ خبر جزء کلام ہوتی ہے

[۱] وبنو تمیمٍ لا یثبتونہ ای لا یظہرون الخبرَ فی اللفظِ لانّ الحذفَ عندہم واجبٌ[۲] او المرادُ

Marfat.com

اَنّھم لایثبتونہٗ اصلاً لا لفظاً ولا تقدیراً فیقولون معنیٰ قولھم لا اھلَ ولامالَ انتفیٰ الاھلُ والمالُ فلا یحتاجُ الیٰ تقدیرِ خبرٍ وعلیٰ التقدیرینِ یحملون مایریٰ خبراً فی مثل لارجلَ قائمٌ علیٰ الصفۃِ دُون الخبرِ۔

ترجمہ:۔۔۔ (اور بنو تمیم اس کو ثابت نہیں کرتے) یعنی خبر کو لفظ میں ظاہر نہیں کرتے اس لئے کہ ان کے نزدیک حذف واجب ہے یا مراد یہ ہے کہ وہ لوگ لا کی خبر کو ثابت ہی نہیں کرتے نہ لفظاً اور تقدیراً پس وہ لوگ اہل عرب کے قول لا اہل ولا مال کا معنی انتفیٰ الاہلُ والمالُ بیان کرتے ہیں تو خبر کو مقدر ماننے کی ضرورت نہ رہے گی اور دونوں تقریروں یعنی خبر کے واجب الحذف ہونے اور سرے سے خبر نہ ہونے پر اس اسم کو جو لارجلَ قائمٌ جیسی ترکیب میں خبر معلوم ہوتی ہے بنو تمیم صفت پر حمل کرتے ہیں خبر پر نہیں۔

تشریح:۔۔۔ بیانہٗ بنو تمیم لایثبتونہ۔ اس سے قبل جو قول مذکور تھا وہ بنو حجاز کا تھا لیکن بنو تمیم کا قول یہ ہے کہ وہ لوگ لائے نفی جنس کی خبر کو لفظ میں ظاہر نہیں کرتے کیونکہ ان کے نزدیک لائے نفی جنس کی خبر کا حذف واجب ہے اس لئے کہ اس کا عمل اِنّ کیساتھ مشابہت کی وجہ سے ہے اور اِنّ کا عمل فعل متعدی کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے ہے پس لا کا عمل فرع کی فرع ہونیکی وجہ سے ضعیف ہوا جس کا مقتضی یہ ہے کہ اس کی خبر کو لفظ سے حذف کر دیا جائے اور اس کا عمل صرف اسم میں ہو۔

قولہ اَوُ المراد۔ یعنی متن کی عبارت کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ بنو تمیم لائے نفی جنس کے لئے خبر کو مانتے ہی نہیں نہ لفظاً نہ تقدیراً بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ لائے نفی جنس اسم فعل ہے جو بمعنی انتفیٰ ہے پس اہل عرب کے قول لا اہلَ ولا مالَ کا معنی ہوا انتفیٰ الاہلُ والمالُ لیکن پہلا مطلب زیادہ ظاہر ہے اس لئے اس کے بیان کو مقدم کیا گیا کیونکہ وہ خبر کے مقدر ماننے میں لغت فصیح کے موافق ہے نیز اس صیغہ کی مثل کوئی بھی اسم فعل مسموع نہیں ہے۔

قولہ علیٰ التقدیرین۔ یعنی متن کی عبارت لایثبتونہٗ کا جو دو مطلب بیان کیا گیا دونوں صورتوں میں لارجل قائمٌ میں قائمٌ جو بظاہر لائے نفی جنس کی خبر معلوم ہوتی ہے وہ صفت پر محمول ہوگا پہلی صورت میں اس لئے کہ اس کی خبر مذکور نہیں ہوتی بلکہ وجوباً محذوف ہوتی ہے پس جو یہاں مذکور ہے وہ خبر نہیں بلکہ صفت ہوگا دوسری صورت میں اس لئے کہ لائے نفی جنس کی خبر ہوتے ہی نہیں پس جو یہاں مذکور ہے وہ صفت ہوگا۔

Marfat.com

اِسمُ ماولا المشبهتینِ بلیسَ فی[2] معنی النفیِ والدخولِ علی المبتداءِ والخبرِ ولهذا تعملانِ عملهٗ

ترجمہ : ـــــ (اس ماولا کا اسم جو مشابہ ہیں لیس کے) معنیٔ نفی اور مبتدا و خبر پر داخل ہونے میں اسی وجہ سے ماولا لیسَ کا عمل کرتے ہیں۔

تشریح : ـــــ بیانہ[1] اسم ماولا۔ ماقبل کی طرح یہ بھی مبتدا موخر ہے جس سے پہلے منہ خبر محذوف ہے یعنی ومنہ اسم ماولا جیسا کہ قرینہ سیاق کلام اس پر دال ہے۔ واؤ برائے عطف ہے معطوف علیہ منہ الفاعل ہے یا خبر لا التی لنفی الجنس۔ اول بوجہ اصالت ہے دوم بوجہ قرب اور المشبہتین صفت ہے ماو لا کی او بلیس اسی کیساتھ متعلق ہے۔ حاصل یہ کہ مرفوعات کی کل آٹھ قسمیں ہیں جن میں سے سات قسمیں یہاں پر مذکور ہوئیں (۱) فاعل (۲) مفعول مالم یسم فاعلہ (۳) مبتدا (۴) خبر (۵) خبر ان واخواتہا (۶) خبر لا التی لنفی الجنس (۷) اسم ماولا بمشابہ بلیس۔ آٹھواں قسم اسم کان واخواتہا ہے اس کو یہاں غالباً اس وجہ سے بیان نہیں کیا گیا کہ وہ اسم ماولا کے بیان سے معلوم ہو جاتا ہے کیونکہ ماولا کا عمل لیس سے مشابہت کی وجہ سے ہوتا ہے اور لیس افعال ناقصہ سے ہے جیسے کان وصار وغیرہ ہیں۔ یا یہ کہ وہ حقیقۃً فاعل ہی ہے۔

قولہ[2] فی معنی النفی۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ ماولا حرف ہیں اور لیس فعل ہے تو ماو لا لیس کے مشابہ کس طرح ہو سکتے ہیں؟ جواب یہ کہ جس طرح لیس کا معنی نفی ہے اسی طرح ماولا کا معنی بھی نفی ہے اور جس طرح لیس مبتدا و خبر پر داخل ہوتا ہے اسی طرح ماولا بھی مبتدا و خبر پر داخل ہوتے ہیں پس ماولا معنیٔ نفی میں اور مبتدا و خبر پر داخل ہونے میں لیسَ کے مشابہ ہیں

هُوالمسندُ[1] الیه هذا[2] شاملٌ للمبتداءِ ولکلِّ مسندٍ الیه بعد دخولهما خرج به غیرُ اسمِ ماولا وبما[3] عرفت مِن معنی الدخولِ لا یرِدُ مثلُ ابوهُ فی ما زیدٌ ابوهُ قائمٌ مثلُ ما زیدٌ قائماً ولا رجلٌ افضل منکَ

ترجمہ : ـــــ (وہ مسند الیہ ہے) یہ شامل ہے مبتدا اور ہر مسند الیہ کو (ان دونوں میں سے

Marfat.com

کسی ایک کے داخل ہونے کے بعد) اس قید سے اسم ما ولا کا غیر خارج ہو گیا اور اس وجہ سے جو آپ نے دخول کے معنی سے پہچانا ما زیدٌ ابوہُ قائمٌ میں ابوہ کی مثل سے سوال وارد نہ ہوگا (جیسے ما زیدٌ قائماً اور لا رجلٌ افضلُ منک)

تشریح: ـــــ بیانہ[1] ھُوالمسند الیہ ۔ جملہ مستانفہ ہے یا اس میں ضمیر ہو فصل کے لئے ہے اور المسند الیہ خبر ہے اسم ما ولا کی اور بعُد اپنے مضاف الیہ کیساتھ اس کا ظرف ہے حاصل یہ کہ ما ولا کا اسم مسند الیہ ہوگا ان دونوں کے داخل ہونے کے بعد۔ ما کی مثال جیسے ما زیدٌ قائماً اور لا کی مثال جیسے لا رجلٌ افضل منک ۔ سوال پہلی مثال میں زید مسند الیہ ہے صرف ما کے داخل ہونے کے بعد اور دوسری مثال میں رجلٌ مسند الیہ ہے لا کے داخل ہونے کے بعد پس یہ کیسے کہا گیا کہ اسم ما ولا دونوں کے داخل ہونے کے بعد مسند الیہ ہوتا ہے جواب دخولہما میں ضمیر مجرور سے پہلے احد مضاف مقدر ہے یعنی دخول احدہما۔

قولہ[2] ھٰذا شاملٌ ۔ اس عبارت سے تعریف کے جامع و مانع ہونے کی طرف اشارہ ہے کہ اس میں مسند الیہ بمنزلۂ جنس ہے جو مبتدا کی پہلی قسم کے علاوہ تمام مسند الیہ کو شامل ہے لیکن بعد دخولہما کی قید بمنزلۂ فصل ہے جس سے اسم ما ولا کے علاوہ باقی تمام مسند الیہ خارج ہو گئے۔

قولہ[3] بما عرفت ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تعریف میں ما زیدٌ ابوہُ قائمٌ میں ابوہ بھی داخل ہو جاتا ہے کیونکہ وہ بھی مسند الیہ ہے قائم کا ما کے داخل ہونے کے بعد لیکن اس کو ما کا اسم نہیں کہا جاتا جواب یہ کہ ما کے داخل ہونے کے بعد مسند الیہ ہونے سے مراد جیسا کہ خبر اِنّ وغیرہ کے بیان میں گذر چکا یہ ہے کہ وہ حروف لفظ و معنی میں کچھ تبدیلی پیدا کرے اور مثال مذکور میں ما نے کچھ تبدیلی پیدا نہیں کی ہے بلکہ وہ مرفوع ہے ابتداء کی وجہ سے اور اس میں تاکید بھی نہیں آتی۔

---

[1] وانما اَتی بالنکرۃِ بعدَ لا لانّ لا لا تعملُ اِلّا فی النکرۃِ بخلافِ مَا فانّہا تعملُ فی النکرۃِ والمعرفۃِ ھٰذہ لغۃُ اھلِ الحجازِ واما بنو تمیمٍ فلا یثبتون لھما العملَ ویقولونَ الاسمَ والخبرَ بعد دخولھما مرفوعانِ بالابتداءِ کما کانا قبل دخولھما وعلیٰ[3] لغۃِ اھلِ الحجازِ وردَ القرآنُ نحو ما ھٰذا بشراً

ترجمہ: ـــــ اور مصنف نے لا کے بعد نکرہ اس لئے لایا کہ لا صرف نکرہ میں عمل کرتا ہے برخلاف

Marfat.com

ماکہ وہ نکرہ ومعرفہ دونوں میں عمل کرتا ہے یہ لغت ہے اہل حجاز کا لیکن بنو تمیم ان دونوں کے لئے عمل کو ثابت ہی نہیں کرتے اور ان دونوں کے بعد اسم وخبر کو ابتداء کی وجہ سے مرفوع قرار دیتے ہیں جیسا کہ دونوں ماولا کے داخل ہونے سے پہلے تھے اور لغت اہل حجاز پر قرآن وارد ہوا ہے جیسے ماہذا بشراً۔

تشریح:۔۔۔ قولہ وانما اتی۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ ما کی طرح لا کے اسم کی مثال میں مصنف نے معرفہ کیوں نہیں لکھا؟ جواب یہ کہ ما کا اسم معرفہ ونکرہ دونوں ہوتا ہے لیکن لا کا اسم معرفہ ہوتا ہی نہیں پس ما کا عمل عام ہے کہ اس کے اسم وخبر کبھی دونوں معرفہ ہوتے ہیں جیسے ما زیدٌ ہوالظریف اور کبھی دونوں نکرہ ہوتے ہیں جیسے ما رجلٌ قاعداً اور کبھی اسم معرفہ ہوتا ہے اور خبر نکرہ جیسے ما زیدٌ قائماً لیکن اس کا برعکس کہ اسم نکرہ ہو اور خبر معرفہ جائز نہیں۔ ما کے اسم کو یہاں معرفہ لکھا گیا ہے اور امتیاز کے لئے اسی وجہ سے اس کو مقدم کیا گیا کہ ما باعتبار عمل لا سے عام ہے اور عام طبعًا خاص سے مقدم ہوتا ہے مزید اس کی وجہ عنقریب آئیگی۔

قولہ ھذا لغۃ۔ یعنی ماولا جو عامل ہیں اہل حجاز کے لغت پر لیکن بنو تمیم ان دونوں کو عامل نہیں مانتے۔ بنو تمیم یہ دلیل دیتے ہیں کہ جو عامل جس نوع کا ہوتا ہے وہ اس کے ساتھ خاص ہوتا ہے پس ماولا اگر عامل ہوتے تو صرف اسم میں پائے جاتے حالانکہ وہ فعل میں بھی پائے جاتے ہیں پس وہ اسم وخبر جن پر ماولا داخل ہوتے ہیں دونوں مرفوع ہوں گے ابتداء کی وجہ سے جس طرح وہ دونوں داخل ہونے سے پہلے ابتداء کی وجہ سے مرفوع ہوتے ہیں۔ اہل حجاز یہ دلیل دیتے ہیں کہ جس طرح لیس کا معنی نفی ہے اسی طرح ماولا کا معنی بھی نفی ہے اور جس طرح لیس مبتدا وخبر پر داخل ہوتا ہے اسی طرح ماولا بھی مبتدا وخبر پر داخل ہوتے ہیں پس جس طرح لیس عامل ہے اسی طرح ماولا بھی عامل ہوں گے لیکن چند شرائط کے ساتھ۔ ما میں ایک شرط یہ ہے کہ اس کی خبر اسم سے موخر ہو ورنہ عمل باطل ہو جائے گا جیسے ما حسن ان یحمد المرء نفسہ دوسری یہ کہ ما سے تاکید نہ لائی گئی ہو ورنہ عمل باطل ہو جائیگا جیسے ما ما زیدٌ قائمٌ تیسری یہ کہ اس کی نفی برقرار رہے اور اگر الا سے فوت ہو جائے تو عمل بھی جاتا رہے گا جیسے ما محمدٌ الا رسولٌ چوتھی یہ کہ اس کے بعد اِنْ زائدہ مذکور نہ ہو ورنہ اسم وخبر مبتدا وخبر میں تبدیل ہو جائیں گے جیسے بنی غدانۃ ما اِنْ انتم ذہبٌ لیکن لا میں ایک شرط یہ ہے کہ اس کی نفی برقرار رہے دوسری یہ کہ اس کی خبر اسم پر مقدم نہ ہو تیسری یہ کہ لا اور اس کے اسم کے درمیان کوئی شئی فاصل نہ ہو۔

Marfat.com

قولہ وعلیٰ لغۃ ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ ما ولا کے متعلق جب دو مذہب ہیں تو مصنف نے اہل حجاز کے مسلک کو کیوں اختیار فرمایا ؟ جواب یہ کہ اہل حجاز کے مسلک پر قرآن کریم نازل ہوا ہے چنانچہ بروایت حفص مرقوم ہے ماہذا بشراً وماھنّ امہاتکم اس میں بشراً اور امہات کو نصب ما کی وجہ سے ہے۔

وھو ای عملہ لیس فی لا دون ما شاذ قلیل لنقصانِ مشابھۃِ لا بلیس لان لیس لنفی الحالِ ولا لیس کذلک فانہ للنفی مطلقاً بخلاف ما فانہ ایضاً لنفی الحالِ فیقتصرُ عملُ لا علی مورد السماعِ نحو قولہ شعر مَنْ صدّ عن نیرانہا ۔ فانا ابنُ قیسٍ لا براحُ ای لا ابراح لی ولا یجوزُ ان تکونَ لنفی الجنسِ لانہا اذا کانت لنفی الجنسِ لا یجوز فیما بعدھا الرفع ما لم یتکرر ولا تکرارَ فی البیتِ

ترجمہ :۔۔۔ (اور وہ) یعنی عمل مشابہت لیس (لا میں) نہ کہ ما میں (شاذ) قلیل (رہے) لا کی مشابہت لیس کیساتھ ناقص ہونے کی وجہ سے اس لئے کہ لیس نفی حال کے لئے آتا ہے اور لا ایسا نہیں ہے کیونکہ وہ مطلقاً نفی کے لئے آتا ہے برخلاف ما کہ وہ بھی لیس کی طرح نفی حال کے لئے آتا ہے پس لا کا عمل مورد سماع پر موقوف کیا جائیگا جیسے شاعر کا قول ہے مَنْ صدّ الخ یعنی جو شخص جنگ کی آتشوں سے اعراض کرے۔ پس میں تو قیس کا بیٹا ہوں کوئی زوال نہیں یعنی میرے لئے کوئی زوال نہیں اور شعر میں جائز نہیں ہے کہ لا نفی جنس کے لئے ہو کیونکہ اگر وہ نفی جنس کے لئے ہوتا تو اس کے مابعد کو رفع دینا جائز نہ ہوتا جبتک کہ وہ مکرر نہ آئے اور شعر میں مکرر نہیں ہے۔

تشریح :۔۔۔ بیانہ وھو ۔ یہ دلیل ہے اس دعوے کی کہ ما کا اسم معرفہ ونکرہ دونوں ہوتا ہے لیکن لا کا اسم صرف نکرہ ہوتا ہے معرفہ نہیں حاصل یہ کہ ما ولا کا عمل لیس سے مشابہت کی وجہ سے تھا لیکن لا کی مشابہت لیس کیساتھ چونکہ ناقص ہے اس لئے لا کا اسم معرفہ نہیں ہوتا کیونکہ لیس نفیٔ حال کے لئے آتا ہے اسی طرح ما بھی نفیٔ حال کے لئے آتا ہے لیکن لا مطلقاً نفی کے لئے آتا ہے عام ہے کہ زمانہ حال میں ہو یا ماضی واستقبال میں پس جب لا کی مشابہت ناقص ہوگئی تو اس کا عمل بھی ناقص ہو گیا اور اس کا عمل سماع پر موقوف ہوتا ہے اور سماع میں اس کا عمل نکرہ کیساتھ خاص دیکھا گیا ہے چنانچہ شاعر کے قول میں ہے شعر مَنْ صدّ عن نیرانہا ۔ فانا ابنُ قیسٍ لا براح ۔ اس میں صدّ بمعنی اَعرضَ اور نیران جمع نار اور اس کی ضمیر مجرور کا مرجع حرب ہے جو اول قصیدہ میں مذکور ہے ۔ براح بمعنی زوال ہے ۔ محل استشہاد لا براح ہے اس میں براح نکرہ ہے وہ مرفوع ہے لامشابہ بلیس کی وجہ سے اس شعر کا قائل سعد بن مالک بن ضبیعہ بن قیس ہے جو شعراء حماسہ میں سے ہے کذا فی التحفۃ الخادمیہ

Marfat.com

قولہ ای عمل لیس ۔ اس تفسیر سے ضمیر مرفوع کے مرجع کو ظاہر کیا گیا ہے اور مرجع اگرچہ ماقبل میں صراحۃً مذکور نہیں لیکن وہ المشبہتین بلیس سے مستفاد ہے کیونکہ ما ولا کی تشبیہ لیس کے ساتھ اس امر کو لازم کرتی ہے کہ ان کا عمل مانند عمل لیس ہے پس عمل دونوں میں علاقۂ تشبیہ ہوا ۔

قولہ دون ما ۔ اس عبارت سے اس وہم کا ازالہ ہے کہ لیس کا عمل لا کی طرح ما میں بھی شاذ ہے حاصل ازالہ یہ کہ لیس کا عمل صرف لا میں شاذ ہے ما میں نہیں جیسا کہ گذرا ۔ متن میں فی لا ظرف لغو مقدم ہے جس کا متعلق شاذ ہے اس کو مقدم حصر کی وجہ سے کیا گیا ہے ۔

قولہ ولا یجوز ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ شعر میں لا مشابہ بلیس نہیں بلکہ وہ لائے نفی جنس ہے جواب یہ کہ لائے نفی جنس کا اسم اگر مفرد نکرہ ہو تو وہ منصوب ہوتا ہے حالانکہ یہ مرفوع ہے اور وہ مرفوع بھی ہوتا ہے مگر جبکہ اس کے اور لا کے درمیان فصل ہو جیسے لا فی الدار رجل یا اگر وہ معرفہ ہو تو تکرار لا ضروری ہوتی ہے جیسے لا زید ولا بکر اور ظاہر ہے یہاں دونوں مفقود ہیں ۔

اِعلَمْ اَنَّ المرادَ بالمسندِ وَالمسندِ الیہِ فی ھذا التعریفِ ما یکونُ مسنداً اَو مسنداً الیہِ بالاصالۃِ لا بالتبعیۃِ بقرینۃِ ذکرِ التوابعِ فیما بعدُ فلا ینتقضُ بالتوابعِ

ترجمہ: ـــــ معلوم کیجئے کہ اس تعریف میں مسند و مسندالیہ سے مراد بالاصالۃ مسند و مسندالیہ ہیں بالتبعیۃ نہیں اس قرینہ سے کہ مابعد میں توابع کا ذکر ہے پس تعریف مذکور توابع سے منقوض نہ ہوگی

تشریح: ـــــ قولہ اعلم ان المراد ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ ما زیدٌ اخوک قائماً میں اخوک بدل الکل ہے جو اسم ہے اور قائماً اس کی خبر ہے پس تعریف اس پر بھی صادق آتی ہے لیکن وہ ما کا اسم نہیں کہلاتا جواب یہ کہ مسند و مسندالیہ سے یہاں مراد بالاصالۃ ہے بالتبعیۃ نہیں اس قرینہ سے کہ توابع کا ذکر آگے آئیگا اور مثال مذکور میں اخوک مسندالیہ بالتبعیۃ ہے پس اس پر تعریف صادق نہ آئیگی اور یہ معنی اگرچہ فاعل کے بیان میں بھی گذر چکا ہے لیکن چونکہ بُعد کی وجہ سے ذہول کا اندیشہ تھا اس لئے یہاں اس کو دوبارہ تنبیہ کے لئے بیان کیا گیا ۔

وَلَمّا فرغَ من المرفوعاتِ شرعَ فی المنصوباتِ وقدّمہا علی المجرورٰتِ لکثرتِہا ولخفّۃِ النصبِ فقالَ

Marfat.com

ترجمہ :۔۔۔ اور جب مصنف مرفوعات کے بیان سے فارغ ہو چکے تو اب منصوبات کے بیان میں لگ گئے اور منصوبات کے بیان کو مجرورات کے بیان پر اس لئے مقدم فرمایا کہ منصوبات کثیر ہیں اور نصب خفیف ہے تو فرمایا۔

تشریح :۔۔۔ قولہ[1] ولمّا فرغ ۔ اس عبارت سے بحث لاحق کو بحث سابق سے ربط قائم کیا گیا ہے لیکن یہ قضیہ شرطیہ اتفاقیہ ہے لزومیہ نہیں کہ جس میں لزوم عقلی ضروری ہوتا ہے بلکہ وہ اِن کانَ الانسانُ ناطقاً فالحمارُ ناہقٌ کی مانند اتفاقیہ ہے کہ جس میں حکم محض اتفاق سے لگایا جاتا ہے جو بلاشبہ درست ہے کیونکہ ایک بحث سے فارغ ہونے کے بعد ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ دوسری بحث کو شروع کیا جائے اور اگر لزومیہ فرض کر لیا جائے تو اس میں لزوم عقلی کا ہونا کوئی ضروری نہیں بلکہ ممکن ہے اس میں لزوم عادی یا ادعائی ہو اور اگر اس میں لزوم عقلی بھی فرض کر لیا جائے تو بھی درست ہے مگر عبارت میں شرع سے پہلے ارادہ مقدر ہوگا تقدیر عبارت یہ ہوگی لمّا فرغ مِن المفوعاتِ ارادَ الشروع فی المنصوباتِ اور یہ ایسا واقع ہے کہ جب کوئی شخص ایک بحث سے فارغ ہوتا ہے تو وہ دوسری بحث کے شروع کرنے کا ارادہ کر لیتا ہے اگرچہ وہ بحث شروع نہ کرے ۔ پس لزوم کی تین قسمیں ہوئیں ایک لزوم عقلی دوسری عادی تیسری لزوم ادعائی ۔ لزوم عقلی وہ شئی کا نفس الامر میں لازم ہونا ہے جیسے زوجیت اربعہ کے لئے اور حرارت نار کے لئے اور لزوم عادی وہ عادت میں لازم ہونا ہے جیسے سورتوں کے اختتام پر حافظوں کا ٹھہرنا اور لزوم ادعائی وہ ادعاء متکلم سے لازم ہوتا ہے جیسے اِنْ دخلتِ الدار فانتِ طالقٌ

قولہ[2] وقدّمها ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ بحث مرفوعات کے بعد بحث منصوبات کو کیوں شروع کیا گیا ؟ بحث مجرورات کو کیوں نہیں ؟ جواب یہ کہ اس کی کل چار وجہیں ہیں جن میں سے پہلی دو وجہیں شرح میں مذکور ہیں ایک یہ کہ منصوبات بہ نسبت مجرورات کے کثیر ہیں کیونکہ منصوبات کی بارہ[12] قسمیں ہیں اور مجرورات کی مصنف کے نزدیک ایک قسم ہے اور کثرت باعث عظمت و بزرگی ہے ارشاد گرامی ہے یدُ اللّٰہ علی الجماعۃِ اور مشہور مقولہ ہے وَالعزّۃُ للتکاثر دوسری وجہ یہ کہ مجرورات جو جمع ہے مجرور کی اس میں جر ہوتا ہے اور منصوبات جو جمع ہے منصوب کی اس میں نصب ہوتا ہے اور نصب اکثر بفتحہ ہوتا ہے اور جر بکسرہ ہوتا ہے اور فتحہ کسرہ سے خفیف ہے اور ظاہر ہے خفیف کو ثقیل پر تقدم حاصل ہے تیسری وجہ یہ کہ مرفوعات میں اصل فاعل ہے اور منصوبات میں اصل مفعولات ہیں اور مفعولات کو فاعل کیساتھ یہ مناسبت حاصل ہے کہ فاعل کو حذف کر کے مفعولات کو اس کا قائم مقام کیا جاتا ہے چوتھی وجہ یہ کہ منصوبات معمولات ہیں فعل کے اور مجرورات معمولات ہیں حرف کے اور فعل چونکہ عمل میں اصل ہوتا ہے اور حرف اس کی فرع اس لئے مرفوعات کے بعد پہلے منصوبات کو بیان کیا گیا پھر مجرورات کو۔

Marfat.com

هذا ما تیسر للعبد الاحقر محمّد الملقب محمد شبّیر الفورنوی الرشیدی النعیمی الاشرفی الرضوی بتوفیق الملک الرشید النعیم الاشرف قد شرعهٗ فی یوم الجمعة المبارکة من شهر رجب المرجب سنة خمسة واربعة مائة والف (رجب ۱۴۰۵ھ) وکان الفراغُ فی لیلةِ الجمعة المبارکةِ بعد التهجدِ من شهر جمادی الاوّلِ سنة تسعة واربعة مائة والف جمادی الاول ۱۴۰۹ھ من هجرة النبی الکریم علیه الصلوٰة والتسلیم۔ اللهم اجعلهٗ بین الشروح کالشمس بین النجوم والنفع بهذ اکما تنفعتَ بمتنه وشرحه انک انت السمیع العلیم والمرجو ممّن ینتفعُ بهذا ان لاینسانی من الدعاء

Marfat.com

نظامیہ کتاب گھر

زبیدہ سنٹر ۴۰، اردو بازار لاہور 0301-4377868

Design by:
AFS 0345-4653971

Marfat.com